سلسلہ احادیثِ صحیحہ (اُردو)

جلد دوم

تصنیف

مجدد دین محدثِ کبیر محقق شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابوالقاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

 نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ محمد عبد اللہ سلیم حفظہ اللہ || فضیلۃ الشیخ قمر الزمان المدینی حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد نعیم رضوان حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور
فون: 042-37357587

نام کتاب: سلسلہ احادیث صحیحہ (اردو)

تصنیف

مجدد دین محدث کبیر محقق شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابوالقاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

ناشر: ابو مومن منصور احمد حفظہ اللہ
اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور فون: 042-37357587

www.KitaboSunnat.com

Dar-us-Salam

486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-Mail: darussalamny@hotmail.com
Web Site: www.darussalamny.com

فهرست ابواب
سلسلة الاحاديث الصحيحة

جلد اوّل

جلد دوم

جلد سوم

جلد چہارم

جلد پنجم

جلد ششم

فہرست

❀❀❀❀

اَلْأَذَانُ وَالصَّلَاةُ

اذان اور نماز

الأذان : لغوی معنی: اعلان، اطلاع

اصطلاحی تعریف: مخصوص و منقوص کلمات کے ساتھ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ''اذان'' کہلاتا ہے۔

الصلاۃ: لغوی معنی: دعا، تسبیح، رحمت

اصطلاحی تعریف: شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالی کی عبادت کے ایک مخصوص انداز کو ''صلاۃ'' کہتے ہیں، جس میں قیام، رکوع و سجود اور تشہد میں متعین اذکار اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اس کی ابتدا ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' سے اور انتہا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' سے ہوتی ہے۔

یا خاص اسلامی عبادت جو مقررہ اوقات میں خاص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

بیعت نبوی کے دوران اقامت صلاۃ کا تذکرہ

(٤٧١)۔ عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُبَايِعُ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُبْسُطْ يَدَكَ حَتّٰى أُبَايِعَكَ، وَاشْتَرِطْ عَلَيَّ فَأَنْتَ أَعْلَمُ، قَالَ: ((أُبَايِعُكَ عَلٰى أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتُنَاصِحَ الْمُسْلِمِينَ، وَتُفَارِقَ الْمُشْرِكَ۔))

(الصحيحة: ٦٣٦)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اس حال میں کہ آپ ﷺ بیعت لے رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں بھی آپ کی بیعت کروں اور آپ مجھ پر شرط لگائیں، کیونکہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھ سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تو اللہ تعالی کی عبادت کرے گا، نماز قائم کرے گا، زکاۃ ادا کرے گا، مسلمانوں سے ہمدردی کرے گا اور مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرے گا۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ١٨٣، والبيهقي: ٩/ ١٣ وأحمد: ٤/ ٣٦٥، والطبراني في "المعجم

الکبیر": ۲/ ۳۵۹/ ۲۳۱۸

شرح:...... نماز اسلام کا بنیادی اور انتہائی اہم رکن ہے، یہ خام خیالی ہے کہ نماز کے بغیر اسلام کی عمارت قائم رہ سکے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورۂ روم: ۳۱)

...... "نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔"

ارشادِ نبوی ہے: ((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔)) (صحیح مسلم)

...... "(مسلمان) آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) نماز کا چھوڑنا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دینا شروع کر دو اور اگر وہ دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کرے تو اس (جرم) پر اسے سزا دو۔" (ابوداود)

مذکورہ بالا حدیث میں جہاں نبی کریم ﷺ نے بیعت لیتے وقت اللہ تعالی کی عبادت کی شرط لگائی، وہاں نماز کی ادائیگی کا حکم بھی دیا، یعنی بیعت برقرار رکھنے کے لیے جن امور کی ضرورت ہے، ان میں نماز کو بھی خاص مقام حاصل ہے۔ توحید و نماز کے ضمن میں زکوۃ، مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی شرائط لگانے سے ان تین امور کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یاد رہے، مشرکین سے مفارقت کی سرحدیں نشت و برخاست سے دوری سے ہوتی ہوئیں تہذیب و تمدن، کلچر و آرٹ لائف السٹائل اور شادی و مرگ کے امور تک پھیلی ہوئی ہیں ہند و پاک میں بالخصوص ہندوانہ مشرکانہ تہذیب سے جغرافیائی قرب کی بنا پر مفارقت کے اس آخری مفہوم سے تساہل برتا جاتا ہے۔

(٤٧٢)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تِسْعَةً أَوْ ثَمَانِيَةً أَوْ سَبْعَةً، فَقَالَ: ((أَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ؟)) وَكُنَّا حَدِيْثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ، فَقُلْنَا: قَدْ بَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ قَالَ: ((أَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ؟)) فَقُلْنَا: قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ قَالَ: ((أَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ؟)) قَالَ فَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا، وَقُلْنَا: قَدْ بَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَعَلَامَ نُبَايِعُكَ؟ قَالَ: ((عَلٰى أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ۔ وَتُطِيْعُوْا۔ وَأَسَرَّ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم سات، آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بیعت نہیں کرتے؟" ہم نے کہا: ہم نے تھوڑا عرصہ پہلے ہی آپ کی بیعت کی تھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: "کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بیعت نہیں کرتے؟" ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم تو آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے (تیسری دفعہ) فرمایا: "کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بیعت نہیں کرتے؟" سو ہم نے (بیعت کے لیے) اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ ﷺ کی بیعت تو کر چکے ہیں، اس لیے (آپ وضاحت کریں کہ)

كَلِمَةً خَفِيَّةً۔ وَلَاتَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئاً۔)) فَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ أُوْلَئِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُ أَحَدِهِمْ فَمَا يَسْأَلُ أَحَداً يُنَاوِلُهُ إِيَّاهُ۔ (الصحيحة: ۳٦۰۰)

اب کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس بات پر کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، پانچ نمازیں پڑھو گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو گے۔'' اور ایک بات آہستہ انداز میں ارشاد فرمائی کہ ''لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔'' میں نے دیکھا کہ اگر ان مذکورہ (بیعت کنندگان) میں سے بعض افراد کا کوڑا بھی زمین پر گر جاتا تو وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تھے کہ وہ اسے اٹھا کر انھیں پکڑا دے (بلکہ وہ خود اٹھا لیتے تھے)۔

تخريج: رواه مسلم: ۳/ ۹۷ ، والنسائي: ۱/ ۲۲۹۔ واللفظ لہ۔ ، وأبوداود: ۱٦٤۲ . وابن ماجه: ۲۸٦۷ ، والطبراني في "الكبير": ۱۸/ رقم ٦۷ ، والمزي في "تهذيب الكمال": ۳٤/ ۲۹۲ . وابن حبان: ۳۳۸۵ ، والطبراني في "الكبير": ۱۸/ رقم ٦۸ ، و أحمد: ٦/ ۲۷

شرح:...... سبحان اللہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، نبی کریم ﷺ کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہو چکے ہیں، لیکن انتہائی اہم امور کی نشاندہی اور تاکید کرنے کے لیے آپ ﷺ نے دوبارہ بیعت لینے کا اعلان کر دیا۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبۂ اطاعتِ رسول دیکھیں کہ آپ ﷺ کے حکم کی اسے اس حد تک قدر دانی کی کہ اگر کوئی سواری پر سوار ہوتا اور اس کا کوڑا یا لاٹھی گر جاتی تو فرمودۂ رسول کے احترام میں سواری سے اتر کر اٹھا لیتا، لیکن کسی سے خدمت لینا گوارہ نہ کرنا۔ (لَا تَسْأَلُوا)

فرضی نمازوں کی تعداد

(٤٧٣)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَمِ افْتَرَضَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى عِبَادِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ، قَالَ: ((اِفْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَى عِبَادِهِ صَلَوَاتٍ خَمْساً۔)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ قَبْلَهُنَّ أَوْ بَعْدَهُنَّ شَيْءٌ؟ قَالَ: ((اِفْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَى عِبَادِهِ صَلَوَاتٍ خَمْساً۔)) قَالَهَا ثلاثا فَحَلَفَ الرَّجُلُ بِاللّٰهِ لَايَزِيْدُ عَلَيْهِ شَيْئًا وَلَايَنْقُصُ مِنْهُ شَيْئًا۔ قَالَ ﷺ: ((إِنْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آیا ان سے پہلے یا بعد میں بھی کوئی نماز (فرض) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔'' آپ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ دوہرائی۔ اس آدمی نے اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے کہا: میں ان (پانچ نمازوں) میں

صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة:٢٧٩٤)

زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ (اپنے دعوے میں) سچا ہے تو جنت میں ضرور داخل ہوگا۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٢٢٨۔ ٢٢٩۔ القلم، وابن حبان: ٢٥١، والزيادة الثانية له، وأحمد: ٣/ ٢٦٧

شرح:...... حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ جو آدمی پانچ نمازوں کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالی اسے جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا۔ نمازوں سے پہلے اور بعد والی سنتیں فرض نہیں ہیں، لیکن ان کی ادائیگی پر بے حد اجر وثواب کی بشارتیں سنائی گئی ہیں، جیسا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔)) (صحيح مسلم) ...... ''جو مسلمان ہر روز اللہ تعالی کے لیے بارہ رکعت نفلی نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔'' ترمذی کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل یہ ہے: فجر سے پہلے دو، ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو، مغرب کے بعد دو اور عشا کے بعد دو۔ اسی نفلی نماز کو ہمارے معاشرے میں سننِ مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ علمائے حدیث نے اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ نمازِ وتر فرض نہیں ہے، بلکہ وہ نفلی نماز ہے اور ان شاء اللہ یہ استدلال درست ہے، اس پر مزید بحث نماز وتر کے عنوان میں کی جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نماز، دوسرے اعمال کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے لیے معیار ہے

(٤٧٤)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ وَأَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ۔)) (الصحيحة:١٧٤٨)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت والے دن (حقوق اللہ میں سے) لوگوں کا سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور (حقوق العباد میں سے) سب سے پہلے خون کے بارے میں فیصلہ ہوگا۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ١٦٣، وابن نصر في "الصلاة": ق ٣١/ ١، وابن أبي عاصم في "الأوائل": ق ٤/ ٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٠٤٢٥، والقضاعي في "مسند الشهاب": ١١/ ٢/ ١، والحديث شطره الاول له شواهد، وشطره الثاني في "الصحيحين" والنسائي

(٤٧٥)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ لَهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ۔)) (الصحيحة: ١٣٥٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کا نماز کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ درست ہوئی تو اس کے بقیہ اعمال بھی درست ہوں گے اور اگر اس میں خرابی آ گئی تو

بقیہ اعمال میں بھی بگاڑ آ جائے گا۔''

تخریج: رواہ الطبراني في "الأوسط" ١٣/ ٢ من زوائده، والضياء في "المختارة": ٢٠٩/ ٢، والطبراني

شرح:...... حقوق اللہ میں نماز کا اور حقوق العباد میں خون کا محاسبہ سب سے پہلے ہوگا، رہا یہ سوال کہ حساب و کتاب کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے شروع ہوگا یا بندوں کے حقوق سے، تو احادیثِ مبارکہ کے ظاہری مفاہیم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقوق اللہ سے ابتدا ہوگی، بہرحال اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہی بہتر ہے۔

نماز میں کامیابی، مکمل کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور نماز میں ناکامی، مستقل نامرادی کا سبب بن سکتا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی نمازوں کی حفاظت بھی کریں اور سنت کے مطابق ان کی ادائیگی بھی۔

نماز کی اہمیت

(٤٧٦)۔ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اِفْتَرَضْتُ عَلٰى أُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَعَهِدْتُ عِنْدِي عَهْدًا، أَنَّهُ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ، أَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ، فَلَا عَهْدَ لَهُ عِنْدِيْ۔)) (الصحيحة: ٤٠٣٣)

حضرت ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اپنے اوپر یہ لازم کیا ہے کہ جو آدمی ان نمازوں کی ان کے اوقات میں محافظت کرے گا، اسے جنت میں داخل کروں گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا اس کو (بخشنے کا) میرا کوئی معاہدہ نہیں۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ١٤٠٣، وابن نصر في "قيام الليل": ص ١١٣

شرح:...... واجبات و فرائض اور مندوبات و مستحبات کی ادائیگی کا خیال رکھتے ہوئے پنج نمازوں کی ادائیگی عظیم عمل ہے، یہ عمل انسان میں برائیوں سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (سورۂ عنکبوت: ۴۵)

......''بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نماز میں ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ انسان خود بخود برائیوں سے متنفر ہو جاتا ہے اور پھر اس عمل کی برکت کی وجہ سے اعمال صالحہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص دن بدن جنت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کا وارث بنا دیتے ہیں۔

دوسری طرف بے نماز کے برے انجام کا بیان ہے، بلکہ بے نماز تو کجا، جو آدمی نمازوں کی (باقاعدگی سے ادائیگی) محافظت نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات ادا کر لیتا ہے اور بعض اوقات چھوڑ دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و ضمانت سے خارج ہو جاتا ہے۔

(٤٧٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلصَّلَاةُ ثَلَاثَةُ أَثْلَاثٍ: اَلطُّهُوْرُ ثُلُثٌ، وَالرُّكُوْعُ ثُلُثٌ وَالسُّجُوْدُ ثُلُثٌ، فَمَنْ أَدَّاهَا بِحَقِّهَا قُبِلَتْ مِنْهُ وَقُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَمَنْ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ۔)) (الصحيحة:٢٥٣٧)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز تین حصوں پر مشتمل ہے: ایک تہائی حصہ طہارت ہے، ایک تہائی رکوع اور ایک تہائی سجدے ہیں۔ جس نے کما حقہ نماز ادا کی اس کے بقیہ اعمال بھی مقبول ہوں گے اور جس کی نماز مردود ہوگئی، اس کے بقیہ اعمال بھی رائیگاں جائیں گے۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده":١/ ١٧٧/ ٣٤٩

شـــرح:...... نماز کو دوسرے اعمال کی قبولیت اور تردید کے لیے معیار قرار دیا گیا ہے، جس آدمی نے نماز کے حقوق کا خیال نہ رکھا، اس کے بقیہ اعمالِ صالحہ بھی رائیگاں ہو جاتے ہیں اور جو باقاعدگی کے ساتھ واجبات و فرائض و ارکان کی پاسداری کرتے ہوئے نماز کی ادائیگی کرتا رہا، اس کے باقی اعمال کو بھی شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

نیز اس حدیثِ مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہو رہا ہے کہ طہارت اور رکوع و سجود نماز کے اہم ترین ارکان ہیں اور ان کے بغیر کسی صورت میں نماز مقبول نہیں ہوگی، یاد رہے کہ اس حدیث سے تکبیرِ تحریمہ، قیام، تشہد اور سلام وغیرہ کی فرضیت و اہمیت میں کوئی کمی نہیں آ رہی، اس سے صرف تین ارکان کی اہمیت کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ طہارت مکمل کر کے نماز میں رکوع و سجود جیسے ارکان اطمینان و اعتدال کے ساتھ ادا کئے جائیں، نہ کہ جلد بازی میں۔

(٤٧٨)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَصَلَّى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَحَجَّ الْبَيْتَ)) لَا أَدْرِيْ أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا؟ ((إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ مَكَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ بِهَا۔)) قَالَ مُعَاذٌ: أَلَا أُخْبِرُ بِهٰذَا النَّاسَ؟ فَقَالَ: ((ذَرِ النَّاسَ يَا مُعَاذُ! يَعْمَلُوْنَ۔)) (الصحيحة:٣٢٢٩)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پانچوں نمازیں پڑھیں اور بیت اللہ کا حج کیا۔ راوی کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے زکاۃ کا ذکر کیا تھا یا نہیں۔ تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ اسے معاف کر دے، وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کرے یا اپنی جائے پیدائش میں ٹھہرا رہے۔'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں لوگوں کو (اس حدیث) کی خبر دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رہنے دو معاذ! تاکہ وہ (مزید) عمل کرتے رہیں۔''

تخريج: أخرجه الترمذي ٢٥٣٠، وأحمد: ٥/ ٢٣٢، ٢٤٠، ٢٤٠، والبزار: ١/ ٢٣/ ٢٦

شـــرح:...... اس حدیث میں یہ نقطہ موجود ہے کہ جس حدیث کے بیان کرنے سے لوگ عملاً کوتاہی کر سکتے ہوں،

یا غلط فہمی اور فکری انتشار میں پڑ سکتے ہوں تو اسے بیان نہ کیا جائے، ہاں اگر سامعین احادیث کی روح اور مقصد کو سمجھنے والے ہوں تو ان کے سامنے وضاحت کی جا سکتی ہے۔ مذکورہ اس حدیث کا مفہوم ہے کہ روزے، نمازیں اور حج انتہائی افضل اعمال ہیں اور مغفرتِ الٰہی کا بہت بڑا سبب ہیں، لیکن اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے علاوہ باقی ارکانِ اسلام اور اعمالِ صالحہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(٤٧٩)۔ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ قَالَ: كَانَ إِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ، كَانَ أَوَّلَ مَا يُعَلِّمُنَا الصَّلَاةُ، أَوْقَالَ: عَلَّمَهُ الصَّلَاةَ۔

ابو مالک اشجعی اپنے باپ طارق بن اشیم سے بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مسلمان ہوتا تو آپ ﷺ اسے سب سے پہلے نماز کی تعلیم دیتے تھے۔

(الصحيحة: ٣٠٣٠)

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" ١/ ١٧١/ ٣٣٨، وأخرجه الطبراني في "الكبير" مختصرا

شرح:...... چونکہ مشرف باسلام ہونے کے بعد سب سے پہلا اور اہم فریضہ نماز ہے اور نماز ہی سے کسی آدمی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا علم ہوتا ہے، اسی لیے نومسلم کو سب سے پہلے نماز کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(٤٨٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا۔)) فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: ((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِئَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ وَسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ۔ أُرَاهُ۔ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٩٢١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے یا اپنی جائے ولادت میں رہائش پذیر رہے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو (یہ حدیث بیان کر کے) خوشخبری نہ سنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے. ہر دو درجوں کے درمیان اتنا تفاوت ہے، جتنا آسمان اور زمین کے مابین ہے، جب تم اللہ تعالیٰ سے (جنت کا) سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ یہ جنت کا منتخب اور اعلیٰ مقام ہے، (میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا) اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

تخریج: أخرجه البخاري: ٤/ ١٤و٩/ ١٠١، وابن حبان: ٣/ ١٢٢/ ١٧٤٤، ٧/ ٦٤/ ٤٥٩٢، ٩/ ٢٤٢/ ٧٣٤٧، وأحمد: ٢/ ٣٣٥و٣٣٩، والبيهقي في"الأسماء": ٣٩٨

شرح: ...... حدیث اپنے مفہوم میں انتہائی واضح ہے کہ مسلمان کو اپنی نجات کے لیے صرف توحید، نماز اور روزے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے دوسرے معینہ واجبات و مستحبات کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ بطور مثال جہاد ہے، کہ جہاد کرنے والوں کے لیے اللہ تعالی نے جنت میں سو درجات تیار کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں موقع نصیب فرمائے۔ (آمین)

(٤٨١)۔ عَنْ أَبِي قَتِيْلَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِي النَّاسِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ: ((لَانَبِيَّ بَعْدِي، وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَأَقِيْمُوْا خَمْسَكُمْ، وَأَعْطُوْا زَكَاتَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَطِيْعُوْا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔)) (الصحيحة:٣٢٣٣)

حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''نہ میرے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت آئے گی، سو اپنے ربّ کی عبادت کرو، پانچ نمازیں قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، ماہِ (رمضان) کے روزے رکھو اور اپنے معاملات کے مسئولوں (یعنی امیروں) کی اطاعت کرو، تم اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ٢٢/ ٣١٦/ ٧٩٧، وفي"مسند الشاميين": ٢/ ١٩٣۔ ١٩٤، وأبونعيم في"معرفة الصحابة": ٢/ ٢٨٣/ ١، وابن مندة في"المعرفة": أيضا: ٢/ ١٧٥/ ١

ایک سال کی نمازوں اور روزوں کی بنا پر شہید پر فوقیت

(٤٨٢)۔ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ بَلِيٍّ، وَهُوَ حَيٌّ مِنْ قُضَاعَةَ، قُتِلَ أَحَدُهُمَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَأُخِّرَ الْآخَرُ بَعْدَهُ سَنَةً ثُمَّ مَاتَ، قَالَ طَلْحَةُ: فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ الْجَنَّةَ فُتِحَتْ، فَرَأَيْتُ الْآخَرَ مِنَ الرَّجُلَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَوَّلِ، فَتَعَجَّبْتُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ، فَبَلَغْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ، وَصَلّٰى بَعْدَهُ سِتَّةَ آلَافِ رَكْعَةٍ، وَكَذَا وَكَذَا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قضاعہ قبیلے کی شاخ ''بلی'' کے دو آدمی تھے، ان میں ایک شہید ہو گیا اور دوسرا اس سے ایک سال بعد فوت ہوا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے خواب آیا کہ جنت کا دروازہ کھولا گیا اور بعد میں فوت ہونے والا، شہید ہونے والے سے پہلے جنت میں داخل ہوا، مجھے بڑا تعجب ہوا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اس خواب کا تذکرہ کیا اور بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اس نے (ایک سال پہلے شہید ہونے والے کے بعد) رمضان کے روزے نہیں رکھے اور ایک سال کی (فرض نمازوں کی) چھ ہزار اور اس سے زائد اتنی اتنی نفل رکعتیں ادا

رَكْعَةً لِصَّلَاةِ السُّنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢٥٩١) نہیں کیں؟''

تخریج: رواہ البیهقی فی "الزهد": ٢/٧٣، وأخرج ابن ماجه: ٣٩٢٥، وابن حبان: ٢٤٦٦ نحوه، لكن أتم منه۔ وكذا رواه احمد: ١/ ١٦١، ١٦٣

شرح:...... اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کی خاطر جامِ شہادت نوش کرنا عظمتوں والا عمل ہے، جس سے کسی صورت بے رخی اختیار نہیں کی جا سکتی اس حدیث کا مفہوم قطعاً یہ نہیں ہے کہ جہاد کو ترک کر دیا جائے، بلکہ اس حدیث سے نماز اور روزوں کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ قابل غور بات ہے کہ ایک آدمی شہید ہوا اور دوسرا اس کی شہادت سے ایک سال بعد طبعی موت مر کر جنت میں پہلے پہنچ گیا، اس کی وجہ ایک رمضان کے روزے اور ایک سال کی فرضی و نفلی نمازیں ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس میں جس قدر ممکن ہو سکے صوم و صلاۃ اور دیگر اعمالِ صالحہ سرانجام دیے جائیں اور جب جہاد کی ضرورت پڑے تو مال و جان کو خطرے میں ڈال دینے سے گریز نہ کیا جائے۔

اسلامی مہینہ کبھی (۲۹) دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی (۳۰) دنوں کا، اگر سال کے چھ ماہ (۲۹، ۲۹) دنوں کے اور چھ ماہ (۳۰، ۳۰) دنوں کے فرض کر لیے جائیں تو سال کے کل (۳۵۴) دن بنتے ہیں، جبکہ ایک دن میں پانچ فرض نمازوں کی رکعتوں کی تعداد (۱۷) ہے، اس اعتبار سے ایک سال میں فرض نمازوں کی کل (۶۰۱۸) رکعتیں بنتی ہیں، لیکن مہینوں کے دنوں میں (۲۹) یا (۳۰) کی وجہ سے فرق آ سکتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے (۶۰۰۰) رکعتوں کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نمازی کی طرف متوجہ ہونا

(٤٨٣)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى شَبَثَ بْنَ رَبْعِيٍّ يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: يَا شَبَثُ لَا تَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْكَ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ: ((إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي أَقْبَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ حَتّٰى يَنْقَلِبَ أَوْ يُحْدِثَ حَدَثَ سُوْءٍ۔)) (الصحيحة: ١٥٩٦)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے شبث بن ربعی کو (نماز میں) اپنے سامنے تھوکتے دیکھا تو اسے کہا: شبث! اپنے سامنے نہ تھوکا کر، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''جب آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف (اس وقت تک) متوجہ رہتا ہے، جب تک وہ سلام نہیں پھیرتا یا کوئی برا فعل نہیں کرتا۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ١/ ٣١٩۔ ٣٢٠

شرح:...... اس میں نمازی کی قدر و منزلت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنا رخِ انور اس کی طرف پھیر دیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر یکسوئی اختیار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بے توجہی اور برائی سے نفرت ہے۔ نیز اس حدیث سے نمازی کو ضرورت کے مطابق تھوکنے کی گنجائش ملتی ہے، اس پر تفصیلی بحث یہ ہے۔

عصر حاضر میں مساجد کی خوبصورت عمارتوں اور ان میں بچھی ہوئی خوبصورت چٹائیوں اور قالینوں کی وجہ سے درج

بالا حدیث کو سمجھنے میں دقت پیش آئی ہے۔ یہ احادیث اس وقت بیان کی گئی تھیں، جب مساجد کا فرش نرم مٹی اور ریت پر مشتمل ہوتا تھا اور ان میں بچھانے کے لیے صفیں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ درحقیقت مسئلہ یوں ہے کہ بوقتِ ضرورت مسجد میں تھوکنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی قبلہ والی سمت تھوک دیکھا، جو آپ پر گراں گزرا، بہرحال آپ ﷺ نے اس کو صاف کیا اور فرمایا: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ۔)) (بخاری)...... ''جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ قبلہ والی سمت نہ تھوکا کرے، البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' پھر (تیسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا، اس میں تھوکا اور اس کو مل دیا اور فرمایا: ''یا پھر اس طرح کر لیا کرے۔''

اس موضوع پر دلالت کرنے والی کئی احادیث ہیں، لیکن درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رخصت اس وقت ہے جب آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے مجبوراً تھوکنا پڑ جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔)) (بخاری)...... ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ تھوک کو دفن کر دینا ہے۔''

رہا مسئلہ قبلہ والی سمت میں تھوکنے کا، تو وہ بھی منع ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے، نیز اس موضوع پر کئی دوسری احادیث موجود ہیں۔

بہرحال مساجد کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس رخصت پر عمل کرنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔

فرشتوں کا نمازی کی تلاوت سننے کا انداز

(٤٨٤)۔ عَنْ عَلِيٍّ: أَمَرَنَا ﷺ بِالسِّوَاكِ، وَقَالَ: ((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي أَتَاهُ الْمَلَكُ فَقَامَ خَلْفَهُ يَسْتَمِعُ الْقُرْآنَ وَيَدْنُو فَلَا يَزَالُ يَسْتَمِعُ وَيَدْنُو حَتّٰى يَضَعَ فَاهُ عَلٰى فِيهِ فَلَا يَقْرَأُ آيَةً إِلَّا كَانَتْ فِي جَوْفِ الْمَلَكِ۔)) (الصحيحة:١٢١٣)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مسواک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر قرآن مجید سنتا اور قریب ہوتا رہتا ہے، وہ قرآن مجید سنتے سنتے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے اور نمازی جو آیت بھی پڑھتا ہے فرشتہ اسے اپنے اندر سما لیتا ہے۔''

تخريج: رواه البيهقي في "السنن الكبرى" ١/ ٣٨، والضياء في "المختارة" ١/ ٢٠١، والبزار في "مسنده": صـ ٦٠

شرح:...... جہاں نوری مخلوق کا ذکر الٰہی کے ساتھ گہرا تعلق ہے، وہاں ذکر کرنے والے بھی ان کے نور منظور نظر

ہیں۔ فرشتے خود بھی کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور ذکر کرنے والے انسانوں سے محبت بھی کرتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَلَائِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ أَهْلَ الذِّكْرِ ، فَإِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ، تَنَادَوْا: هَلُمُّوْا إِلٰى حَاجَتِكُمْ ، فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا)) (بخاری، مسلم)

...... ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں ذکر کرنے والوں کی تلاش میں رہتے ہیں، جب وہ ایسے لوگوں کو پالیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں: اپنے مقصد کی طرف آ جاؤ۔ پھر انھیں آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں......''

نمازی میں اس امر کی رغبت ہونی چاہئے کہ وہ نماز میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرے، حدیث مبارکہ کا سیاق بھی اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ سعادت اس آدمی کو نصیب ہوتی ہے جو نماز میں طویل قراءت کرے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ فرشتوں کے اظہارِ محبت کو سمجھیں اور سلسلۂ نماز میں خواہ مخواہ کی غفلت کرنے سے باز رہیں۔

نمازی کو پیاز اور لہسن وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کو منہ کی خوب صفائی کرنی چاہیے، نیز اس کے جسم اور لباس سے کسی قسم کی بدبو نہیں آنی چاہیے، تاکہ اسے اس حدیث میں بیان کی گئی سعادت نصیب ہو سکے۔

نیکی کی رغبت پر نماز کا حکم

(٤٨٥)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ إِذَا أَعْجَبَهُ نَحْوُ الرَّجُلِ أَمَرَهُ بِالصَّلَاةِ۔ (الصحيحة:٢٩٥٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی آدمی کا طرز و طریقہ پسند آتا تو آپ اسے نماز کا حکم دیتے تھے۔

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ١/ ١/ ١٨٠، والبزار: ١/ ٣٤٥/ ٧١٦، وأبو نعيم في "الحلية": ١/ ٣٤٣، والخطيب: ٤/ ٣٦٠

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جو بات مجھے سمجھ آ رہی ہے کہ ''نحو الرجل'' (طرز و طریقہ) سے مراد اس آدمی کا خیر و بھلائی اور زہد و عبادت کی طرف متوجہ ہونا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی رغبت کا اندازہ ہوتا تو اسے نفلی نماز کی ادائیگی کی تلقین کرتے، کیونکہ نماز سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعارف میں اضافہ ہوتا ہے۔ امام ہیثمی نے اس حدیث کو رات کی نماز کے باب میں درج کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کا تعلق نفلی نماز سے ہے۔ (صحیحہ: ۲۹۵۳)

چونکہ نماز خصائل حمیدہ اور صفاتِ حسنیٰ کی بنیاد ہے اور برائیوں سے روکنے والی ہے، اس لیے آدمی میں نیکی کی رغبت پائی جاتی ہو تو وہ سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ نماز ادا کرے، تاکہ اس کی صفات حسنہ محفوظ رہ سکیں، وگرنہ سرے سے ان کے مفقود ہو جانے کا یا ان کے اجر و ثواب کے ضائع ہونے کا مکمل خطرہ ہوگا۔

نماز، جسم کے جوڑوں کا ٹیکس ادا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے

(٤٨٦)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوعاً: ((يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔)) (الصحيحة:٥٧٧)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کے ہر عضو پر صدقہ (واجب) ہے، ہر مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' کہنا صدقہ ہے، ہر مرتبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب سے وہ دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی جو کوئی شخص چاشت کے وقت ادا کرے گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ١٥٨، وأبو دواد: ٢/ ٢٥٩، وأحمد: ٥/ ١٦٧، ١٦٨

شرح:...... دوسری احادیث میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے ایک انسان کو تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ عطا کیے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ جوڑ اللہ تعالی کی کتنی بڑی نعمت ہے، اگر ہڈیوں کے جوڑ سلب کر لیے جائیں تو انسان کا جینا دوبھر ہو جائے گا، کھانے پینے کے معاملے میں اس کا انحصار دوسروں پر ہو گا، قضائے حاجت کے معاملہ میں وہ کسی کا محتاج ہو گا، چلن پھرن، اٹھک بیٹھک، غرضیکہ وہ ہر چیز میں دوسروں کی نظرِ کرم اور دست شفقت کا منتظر ہو گا۔ لیکن کیا ہم ان عظیم نعمتوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں یا دن بدن اللہ تعالی کے مقروض بنتے جا رہے ہیں؟ صرف دو رکعتوں سے ۳۶۰ جوڑوں کا ٹیکس ادا ہو جاتا ہے۔

اچھے انداز میں ادا کی گئی نماز کا صلہ

(٤٨٧)۔ عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فِي مَرَضِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، فَقَالَ لِي: يَا ابْنَ أَخِي مَا أَعْمَدَكَ إِلٰى هٰذَا الْبَلَدِ، أَوْ مَاجَاءَ بِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، إِلَّا صِلَةٌ مَاكَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ وَالِدِي عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: بِئْسَ سَاعَةُ الْكِذْبِ هٰذِهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى

یوسف بن عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں: میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آیا جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ انھوں نے مجھے کہا: اے میرے بھتیجے! کون سا ارادہ یا کون سی ضرورت تجھے اس شہر میں لے آئی ہے؟ میں نے کہا: کوئی مقصد نہیں، سوائے اس کے کہ آپ کے اور میرے والد عبد اللہ بن سلام کے مابین ایک تعلق تھا، (اس کی بنا پر آیا ہوں)۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اس وقت جھوٹ بولوں تو بہت برا ہے، میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جو آدمی وضو کرے اور اچھا وضو کرے، پھر دو یا چار رکعتیں پڑھے

رَكْعَتَيْنِ۔ أَوْ أَرْبَعاً، شَكَّ سَهْلٌ يُحْسِنُ فِيْهَا الذِّكْرَ وَالْخُشُوْعَ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ غُفِرَلَهُ۔)) (الصحيحة:٣٣٩٨)

اور ان میں اچھے انداز میں ذکر و اذکار اور خشوع وخضوع کرے، پھر بخشش طلب کرے تو اس کو بخش دیا جائے گا۔'' رکعات کی تعداد کے بارے میں سہیل راوی کو شک ہوا۔

تخريج: أخرجه أحمد في"المسنده": ٦/ ٤٥٠

شرح:...... ایسی نماز کو نمازِ توبہ کہا جا سکتا ہے، اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہو رہی ہے: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی سے گناہ ہو جاتا ہے اور وہ (اس کے ازالہ کے لیے) وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ آل عمران: ١٣٥)

......''جو لوگ برائی کرنے یا اپنے آپ پر ظلم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ ہی ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ اپنے (برے) کیے پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

(ترمذی: ٤٩٦، ٣٠٠٦، ابوداود: ١٥٢١، ابن ماجه: ١٣٩٥)

نماز ترک کرنے کا وبال

(٤٨٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ سُكْرًا مَرَّةً وَاحِدَةً، فَكَأَنَّمَا كَانَتْ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا فَسُلِبَهَا، وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ سُكْرًا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔)) قِيْلَ: وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟! قَالَ: ((عُصَارَةُ أَهْلِ جَهَنَّمَ۔)) (الصحيحة: ٣٤١٩)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نشے میں مدہوش ہو کر ایک نماز ترک کر دی، گویا کہ پوری دنیا اور جو کچھ اس پر ہے اس کا تھا، جو اس سے چھین لیا گیا اور جس نے نشے میں مدہوش ہونے کی وجہ سے چار دفعہ نماز ترک کر دی، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے ''طِيْنَةُ الْخَبَال'' پلائے۔'' کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ''طِيْنَةُ الْخَبَال'' کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنمیوں کے پیپ کو''۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ١٤٦، وأحمد: ٢/ ١٧٨۔ والسياق له۔، والبيهقي في"السنن الكبرى": ١/ ٣٨٩، و"شعب الأيمان": ٥/ ٨/ ٥٥٨٢

شرح:...... آج کل نماز ترک کر دینے کی بیماری عام ہے، بالخصوص نوجوان طبقہ، جو دن بدن غافل ہوتا چلا جا رہا

ہے، اگر یہ لوگ عقل کے ناخن لیں تو اس حدیث میں بیان کی گئی وعید کافی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ.)) (حاکم: ٤/ ١٤٥، صحيحه: ٢٧٩٨)

......''شراب سے بچتے رہو، یہ ہر برائی کا سرچشمہ ہے۔''

ہم ظاہر پرست ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھانے کے لیے غیر محسوس چیز کو محسوس انداز میں بیان کیا کہ فرض کریں دنیا اور اس کے تمام خزانے ایک آدمی کی ملکیت ہوں اور وہ اس سے چھین لیے جائیں تو اس پر کیا بیتے گی؟ وہ کتنا پریشان ہوگا؟ کیا اس کے دل و دماغ ٹھکانے پر رہیں گے؟ کیا وہ دنیا میں زندہ رہنے کے قابل رہے گا؟ کیا اس کے قرابتدار اسے اچھے لگیں گے؟ ہرگز نہیں، کسی صورت میں نہیں۔ لیکن جب وہ ایک نماز چھوڑتا ہے تو اس کا نقصان اس سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا اس کی روح اس قدر پاک اور قوی ہے کہ وہ اس نقصان کو بھی محسوس کرے؟

سگریٹ، نسوار، ہیروئن، افیون، بھنگ، چرس اور شراب سب ایک ہی دریا سے پھوٹنے والی نہریں ہیں، جو کم از کم انسانی ذہن کے توازن کو برقرار نہیں رہنے دیتیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اپنی ذات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے منہ اور وجود کو ان خباثتوں سے پاک رکھنا چاہیے۔

پہلے والی اور بعد والی نمازوں کی رکعات کی تعداد

(٤٨٩)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَوَّلُ مَافُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَلّٰى إِلٰى كُلِّ صَلَاةٍ مِثْلَهَا غَيْرَ الْمَغْرِبِ، فَإِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ، وَصَلَاةُ الصُّبْحِ لِطُوْلِ قِرَاءَتِهَا، وَكَانَ إِذَا سَافَرَ عَادَ إِلٰى صَلَاتِهِ الْأُوْلٰى۔ (الصحيحة: ٢٨١٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں: شروع شروع میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ہر نماز میں اس کی مثل اضافہ کر دیا گیا، سوائے نمازِ مغرب کے کہ وہ دن کی نماز کو وتر (یعنی طاق) کرنے والی ہے اور سوائے نمازِ فجر کے، کہ اس میں لمبی قرائت کی جاتی ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو شروع والی (دو رکعت) نمازوں کی کیفیت کے مطابق ادائیگی کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي في "معاني الآثار": ١/ ٢٤١، والسراج في "مسنده": ق ١٢٠/ ٢، والحديث في "صحيح البخاري": ٣٩٣٥، وابي عوانة: ٢/ ٢٨ بلفظ: فرضت الصلاة ركعتين ثم هاجر النبي و ففرضت اربعا وتركت صلاة السفر على الاولى-

(٤٩٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي بِمَكَّةَ رَكْعَتَيْنِ- يَعْنِي- الْفَرَائِضَ، فَلَمَّا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دو دو رکعت فرض نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

قَدِمَالْمَدِيْنَةَ وَفُرِضَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ أَرْبَعاً وَثَلَاثًا، صَلّٰى وَتَرَكَ الرَّكْعَتَيْنِ كَانَ يُصَلِّيْهِمَا بِمَكَّةَ تَمَاماً لِلْمُسَافِرِ۔

تشریف لائے تو چار اور تین رکعت والی نمازیں فرض ہو گئیں، آپ ﷺ نے (اس نئے حکم پر) عمل کیا اور مکہ میں پڑھی جانے والی دو دو رکعتوں کو مسافر کے لیے مکمل نماز قرار دیا۔

(الصحيحة: ٢٨١٥)

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ١٥٣٥، واخرجه احمد: ٦/ ٢٧٢ بلفظ: كان اول ما افترض على رسول الله ﷺ الصلاة ركعتان ركعتان ...، الحديث مثله، وفيه: ثم اتم الله الظهر والعصر ...۔

شرح: ...... معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں نمازوں کی رکعات کی تعداد وہ تھی، جس کی ادائیگی آج کل سفر میں کی جاتی ہے، لیکن بعد میں مقیم کے لیے رکعات اور قراءت میں اضافہ کر دیا گیا اور سابقہ نماز کو مسافر کے لیے بحال رکھا گیا۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سفری نماز مستقل بنفسہ ہے اور یہ چار رکعت والی نماز میں کمی کی صورت نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ سفری نماز کی دو دو رکعتوں کی حیثیت نمازِ عیدین وغیرہ کی طرح اصل ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((صَلَاةُ السَّفَرِ وَصَلَاةُ الفِطْرِ وَصَلَاةُ الضُّحٰى وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ۔ (صحيح ابن خزيمه، صحيح ابن حبان، ارواء الغليل: ٦٣٨)

...... نمازِ سفر، نمازِ عید الفطر، نمازِ عید الاضحیٰ اور نمازِ جمعہ کی دو دو رکعتیں تمہارے نبی ﷺ کی زبان مبارک کے مطابق مکمل نمازیں ہیں، نہ کہ کم (اور ناقص)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سفر میں قصر کے حکم پر اختلاف مع دلائل نقل کرنے کے بعد اس مسلک کو ترجیح دی ہے، انھوں نے کہا: تمام دلائل کو مدنظر رکھنے سے تو مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسرا و معراج والی رات کو پانچ نمازوں کی دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، سوائے نمازِ مغرب کے۔ پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد ظہر، عصر اور عشا کی رکعات میں دو دو رکعات کا اضافہ کر دیا گیا۔ جب چار چار رکعات کا حکم تسلسل کے ساتھ نافذ رہا تو اس آیت کے نزول کے بعد سفر کی وجہ سے تخفیف کر دی گئی: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (سورۂ نساء: ۱۰۱) ..... "تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرو۔" اس کی تائید ابن اثیر کی بات سے ہوتی جو انھوں نے "شرح المسند" میں ذکر کی کہ ۴ھ کو قصر نماز کا حکم نازل ہوا۔ (صحيحه: ٢٨١٤)

مقیم کی اقتدا میں مسافر کا پوری نماز ادا کرنا

(٤٩١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: تِلْكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ يَعْنِي إِتْمَامَ الْمُسَافِرِ إِذَا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: یہ ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے۔ یعنی مقیم کی اقتدا میں مسافر

اقْتَدٰی بِالْمُقِیْمِ ، وَإِلَّا فَالْقَصْرُ۔ کا نماز پوری پڑھنا، وگرنہ قصر کرنا۔

(الصحيحة:٢٦٧٦)

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢١٦، والسراج فى "مسنده": ق ١٢٠/ ١، والطبرانى فى "المعجم الأوسط": ١/ ٢٧٨/ ١ ـ مصورة الجامعة الاسلامية ، وأبو عوانة فى "مسنده": ٢/ ٣٤٠، والطبرانى أيضا: ٢/ ٩٢/ ٢

وأخرجه مسلم: ٢/ ١٤٣ ـ ١٤٤، والنسائى: ١/ ٢١٢، وابن خزيمة فى "صحيحه": ٩٥١، والبيهقى: ٣/ ١٥٣، وابن حبان: ٤/ ١٨٥/ ٢٧٤٤، وأحمد: ١/ ٢٩٠ و ٣٣٧، وأبو عوانة، والطحاوى: ١/ ٢٤٥ بلفظ: ...... سألت ابن عباس: كيف اصلى إذا كنت بمكة اذا لم اصل مع الامام؟ فقال: ركعتين سنة ابى القاسم۔

شرح:...... مسئلہ بالکل واضح ہے کہ مسافر کے لیے یہی طریقہ مسنون ہے کہ وہ قصر نماز پڑھے، ہاں اگر وہ کسی مقیم امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ پوری نماز ادا کرلے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث مبارکہ میں واضح دلالت موجود ہے کہ مسافر کو مقیم امام کی اقتدا میں قصر کی بجائے مکمل نماز ادا کرنی چاہیے، ائمۂ اربعہ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے، بلکہ امام شافعی نے تو (الأم: ١/ ١٥٩) میں عام علما کا اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے، جس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ٢/ ٤٦٥) میں کیا اور اس کو برقرار رکھا۔ سلف صالحین کا عمل بھی یہی رہا ہے۔ امام مالک نے (المؤطا: ١/ ١٦٤) میں امام نافع سے بیان کیا ہے: کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دس دنوں کا قیام کیا، آپ قصر نماز پڑھتے تھے، ہاں اگر مقیم امام کی اقتدا میں ادا کرتے تو پوری پڑھتے تھے۔

جبکہ صحیح ابن خزیمہ (۹۵۴) کی ایک روایت میں ہے: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منی میں امام کے پیچھے چار رکعتیں اور اکیلا پڑھنے کی صورت میں دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔

ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس روز نماز قبول نہیں ہوتی

(٤٩٢)۔ عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ۔ الَّذِي كَانَ يَسْكُنُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ۔ أَنَّهُ مَكَثَ فِي طَلَبِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ بِالْمَدِينَةِ ، فَسَأَلَ عَنْهُ۔ قَالُوا: قَدْ سَافَرَ إِلٰى مَكَّةَ۔ فَاتَّبَعَهُ فَوَجَدَهُ قَدْ سَارَ إِلَى الطَّائِفِ ، فَاتَّبَعَهُ فَوَجَدَهُ بِي مَزْرَعَةٍ يَمْشِي

ابن دیلمی۔ جو بیت المقدس میں فروکش تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی تلاش میں مدینہ منورہ میں ٹھہرا، جب اس نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو بتلایا گیا کہ وہ تو مکہ کی طرف جا چکے ہیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے چل دیا، (مکہ آنے پر) معلوم ہوا کہ وہ تو طائف کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ وہ ان کی کھوج میں طائف کو روانہ ہو گیا اور

مُخَاصِراً رَجُلاً مِنْ قُرَيْشٍ وَالْقُرَشِيُّ يَزِنُ بِالْخَمْرِ ، فَلَمَّا لَقِيْتُهُ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ، قَالَ: مَاغَدَا بِكَ الْيَوْمَ؟ وَمِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ؟ فَأَخْبَرْتُهُ ثُمَّ سَأَلْتُهُ: هَلْ سَمِعْتَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو! رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ شَرَابَ الْخَمْرِ بِشَيْءٍ؟ قَالَ: نَعَمْ فَانْتَزَعَ الْقُرَشِيُّ يَدَهُ ثُمَّ ذَهَبَ ، فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَايَشْرَبُ الْخَمْرَ رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي فَتُقْبَلَ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً۔)) (الصحيحة:۷۰۹)

بالآخر انھیں ایک کھیت میں پا لیا۔ وہ شراب نوشی میں بدنام ایک قریشی آدمی اور وہ نشے کی وجہ سے ڈول رہا تھا کی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر چل رہے تھے۔ جب میں انھیں ملا تو سلام کہا، انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون سی چیز تجھے یہاں لے آئی ہے؟ تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے انھیں سارا واقعہ سنایا اور پھر پوچھا: اے عبد اللہ بن عمرو! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو شراب کے بارے میں کچھ فرماتے سنا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ (یہ سن کر) قریشی نے اپنا ہاتھ کھینچا اور چلا گیا۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''میری امت کا جو آدمی شراب پیتا ہے، چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ۱/ ۱۰۳/ ۲، والحاكم: ۱/ ۲۵۷

شرح:...... یہ شراب کی نحوست ہے کہ نماز جیسا عظیم فریضہ ادائیگی کے باوجود شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔

قبول کے دو معانی ہیں: (۱) کفایت کرنا، (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ثواب ملنا۔

اس حدیث میں دوسرا معنی مراد ہے، جو کہ قبول کا اصل معنی ہے، یعنی شراب پینے والا نماز کے ثواب سے محروم رہتا ہے، ہاں البتہ اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر وہ نمازِ ظہر ادا کرنے سے اس فرض سے بری ءالذمہ ہو جائے گا اور اسے نماز ترک کرنے کا گناہ نہیں ملے گا، لیکن وہ اپنے جرم کی وجہ سے اس کے اجر و ثواب سے محروم رہے گا۔

گھبراہٹ میں نماز کا سہارا لینا

(۴۹۳)۔ عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((كَانُوْا إِذَا فَزِعُوْا فَزِعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ۔)) يَعْنِي: الْأَنْبِيَاءَ۔ (الصحيحة: ۳۴٦٦)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب وہ لوگ (یعنی انبیائے کرام) گھبرا جاتے تو نماز کا سہارا لیتے تھے۔''

تخريج: أخرجه أبوبكر الأسماعيلي في "المعجم": ق ۳۳/ ۲۔ ۳۴/ ۱، و لحديث قطعة من حديث طويل اخرجه الامام احمد: ٦/ ١٦، وهو مخرج في "الصحيحة": ۲۴۵۹

شرح:...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (سورۂ رعد: ۲۸)

...... ''خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

اہل ایمان، بالخصوص انبیا و رسل کے دلوں کی خوراک اللہ تعالیٰ کی عبادت، تلاوتِ قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے۔

اللہ تعالی کے ذکر میں ہی تمام دنیوی اور اخروی غموں کا علاج ہے اور نماز ذکر الٰہی کی سب سے بڑی صورت ہے، لہٰذا غم والم اور پریشانی و پشیمانی کے عالم میں اللہ تعالی کے حضور عجز و انکساری کا اظہار نماز کی صورت میں کیا جائے۔

ہمیں چاہیے کہ جب ہم کسی آزمائش میں گھر جائیں تو سب سے پہلے نماز ادا کر کے اس کا معاملہ اللہ تعالی کے سامنے رکھیں، اس کے بعد دنیوی طور پر اس کو دور کرنے کے اسباب کی طرف توجہ کریں۔

پانچ نمازوں کی ادائیگی کی فضیلت

(٤٩٤)۔ عَنِ الْمُطَّلَبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: ((لَا أُقْسِمُ، لَا أُقْسِمُ، لَا أُقْسِمُ)) ثُمَّ نَزَلَ فَقَالَ: ((أَبْشِرُوْا، أَبْشِرُوْا، إِنَّهُ مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَاجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ، دَخَلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ۔)) قَالَ الْمُطَّلَبُ: سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو: أَسَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُهُنَّ؟ قَالَ: نَعَمْ: ((عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَالشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَأَكْلُ الرِّبَا۔))

(الصحيحة: ٣٤٥١)

مطلب بن عبد اللہ بن حنطب سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا: ''میں قسم اٹھاتا ہوں، میں قسم اٹھاتا ہوں، میں قسم اٹھاتا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور فرمایا: ''خوش ہو جاؤ، خوش ہو جاؤ، جس آدمی نے پانچ نمازیں ادا کیں اور کبیرہ گناہوں سے گریز کیا، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔'' مطلب نے کہا: ایک آدمی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا آپ نے خود رسول اللہ ﷺ کو ان کلمات کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا؟ انھوں نے کہا: ہاں'' (کبیرہ گناہ یہ ہیں:) والدین کی نافرمانی کرنا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو (بلا وجہ) قتل کرنا، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، یتیم کا مال کھا جانا، میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرنا اور سود کھانا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٣/ ٨۔٩/ ٣

شرح:...... حیاتِ انسانی کی عظیم تر اور عدیم النظیر کامیابی جنت تک رسائی حاصل کرنا ہے، توحید کے بعد جس کی بنیادی شرط پانچ نمازوں کی ادائیگی ہے، قرآن و حدیث نے مسلمان کو نمازوں کا پابند بننے پر جتنا زور دیا ہے، اتنا اسلام کے کسی دوسرے رکن پر نہیں دیا۔ جہاں اس فریضہ کی ادائیگی پر دنیا و آخرت میں کئی بشارتوں کا مژدہ سنایا گیا، وہاں اس کو ترک کرنے کی وجہ سے دنیوی و اخروی کئی وعیدوں کا مستحق بھی ٹھہرایا گیا۔

حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے نماز کی ادائیگی اور چند کبیرہ گناہوں سے باز رہنے کی وجہ سے جنت کی عظیم بشارت سنائی ہے۔ نیز سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔)) (بخاری: ٥٧٤، مسلم: ٦٣٥)

''جو آدمی نمازِ عصر اور نمازِ فجر ادا کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔''

معلوم ہوا کہ نماز جنت میں لے جانے والا عظیم عمل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شرک، قتل، تہمت لگانے، یتیم کا مال کھانے، سود کھانے، میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے اور والدین کی نافرمانی جیسے کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔

(٤٩٥)۔ عَنْ أَبِي أَدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْهِمْ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، فَذَكَرُوْا الْوِتْرَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: وَاجِبٌ۔ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: سُنَّةٌ، فَقَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتُ: أَمَّا أَنَا فَأَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ لَكَ: إِنِّي قَدْ فَرَضْتُ عَلٰى أُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، مَنْ وَافَاهُنَّ عَلٰى وُضُوْئِهِنَّ، وَمَوَاقِيْتِهِنَّ، وَسُجُوْدِهِنَّ، فَإِنَّهُ لَهُ عِنْدِيْ بِهِنَّ عَهْداً أَنْ أُدْخِلَهُ بِهِنَّ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَنِي قَدْ أَنْقَصَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئاً۔ أَوْ كَلِمَةً تَشْبَهُهَا۔ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدِيْ عَهْدٌ، إِنْ شِئْتُ عَذَّبْتُهُ وَإِنْ شِئْتُ رَحِمْتُهُ۔))

(الصحيحة: ٨٤٢)

ابو ادریس خولانی کہتے ہیں: میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں بیٹھا تھا، ان میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ نمازِ وتر (کے حکم پر) بحث کرنے لگے، بعض نے کہا کہ نمازِ وتر واجب ہے، جبکہ بعض نے اسے سنت قرار دیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (اپنی رائے پیش کرتے ہوئے) کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل آئے اور کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے: میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو آدمی وضو، اوقات اور سجود (وغیرہ) سمیت ان کا پورا حق ادا کرے گا، اس سے میرا معاہدہ ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں گا، اور جو آدمی ان کی ادائیگی میں کمی کر کے مجھے ملے گا تو اس کے لیے میرے ہاں کوئی عہد نہیں ہے، چاہوں تو عذاب دوں اور چاہوں تو رحم کر دوں۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي في "المسند": ١/ ٦٦/ ٢٥١۔ ترتيبه، وابو نعيم في "الحلية": ٥/ ١٢٦، وابوداود، وهو مخرج في "صحيح ابى داود": ٤٥١، ١٢٧٦

شرح:...... اس حدیث سے جہاں اہمیتِ نماز کا علم ہو رہا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی ادائیگی پرسکون انداز میں ہونی چاہیے۔ جلد بازی کی وجہ سے نہ صرف بندے کی نماز متاثر ہوتی ہے، بلکہ بندہ خود حقیقی سکون سے

محروم رہتا ہے۔

غور فرمائیں کہ جو آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت، اوقاتِ نماز اور ارکانِ نماز کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے، تو اس بنا پر اللہ تعالی اسے جنت میں داخل کرنے کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔ لیکن جو نماز کی ادائیگی میں کم و کاست سے کام لیتا ہے، اس سے اللہ تعالی کا کوئی معاہدہ نہیں رہتا، وہ اسے عذاب بھی دے سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے، ہمارے ہاں اکثر لوگ نمازوں کے معاملے میں سستی برتتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اس حدیث مبارکہ سے سبق سیکھیں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نمازِ وتر سنت اور نفل ہے، نہ کہ واجب اور فرض۔ امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور جمہور علما کا بھی یہی مسلک ہے کہ وتر کا حکم سنت مؤکدہ کا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فرض نمازوں کی طرح وتر حتمی و لازمی نہیں ہے، بلکہ یہ سنت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا۔ (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) نیز سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ اَيِّ وَجْهٍ تُوَجِّهُ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ اَنَّهُ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (مسلم: ٧٠٠)

رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر نفلی نماز پڑھتے تھے، جس جہت کی طرف وہ متوجہ ہوتی (آپ ﷺ اس چیز کی کوئی پروا نہ کرتے تھے) اور آپ ﷺ نمازِ وتر بھی سواری پر ادا کر لیتے تھے، لیکن فرضی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ وتر فرض یا واجب نہیں ہے۔

(٤٩٦)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ: ((اِتَّقُوْا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيْعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔)) (الصحيحة:٨٦٧)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا آپ ﷺ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرما رہے تھے: ''اپنے ربّ سے ڈر جاؤ، پانچ نمازیں ادا کرو، ماہِ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو اور اپنے امرا کی اطاعت کرو، تم اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

تخريج:أخرجه الترمذي: ٢/ ٥١٦، وابن حبان: ٧٩٥، والحاكم: ١/ ٩، ٣٨٩، وأحمد: ٥/ ٢٥١، ٢٦٢

شرح:...... نماز بھی جنت کی ایک کنجی ہے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن پانچ اعمالِ صالحہ کو جنت میں داخلے کا سبب قرار دیا، ان میں خوفِ خدا کے بعد نماز کا تذکرہ ہے۔

سجدوں کی فضیلت

(٤٩٧)۔ عَنْ أَبِي فَاطِمَةَ. قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا أَبَا فَاطِمَةَ! اَكْثِرْ مِنَ

سیدنا ابو فاطمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو فاطمہ! زیادہ سے زیادہ سجدے کیا کر، کیونکہ جب بھی

السُّجُوْدِ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُسْلِمٍ يَسْجُدُ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً۔)) (الصحيحة:۱۵۱۹)

مسلمان سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۳/ ۴۲۸، وابن سعد: ۷/ ۵۰۸

شرح:...... ربّ کبریا کے سامنے عجز و انکساری اور بندگی و غلامی کے اظہار کا انتہائی انداز سجدہ کرنا ہے۔ جس میں مسلمان اپنی پیشانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے خاک آلود کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدے کی حالت میں نصیب ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! بندہ اللہ کے سامنے بے بسی، بے چارگی اور کچھ نہ ہونے کا ثبوت دے رہا ہے، اور اللہ اس کو مراتب عطا کئے جا رہے ہیں اور اس کی لغزشیں معاف کر کے اس کے لیے جنت میں درجات بلند کئے فرما رہے ہیں۔ نماز کے علاوہ سجدے کی دو صورتیں اور بھی ہیں:

۱۔ سجدۂ شکر: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، ان کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے، کے حصول پر سجدہ کرنا۔

۲۔ سجدۂ تلاوت: قرآن مجید میں پندرہ مقامات پر سجدہ کرنا، اس سجدے کے بارے میں شرعی قانون یہ ہے کہ جونہی سجدے والی آیت تلاوت کی جائے، اس کی تکمیل پر سجدۂ تلاوت کیا جائے، قاری اور سامع نماز کی حالت میں ہوں یا نہ ہوں۔

نماز فجر ادا کرنے والے کی ضمانت اللہ تعالیٰ خود اٹھاتا ہے

(۴۹۸)۔ عَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ، فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلٰى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔)) (الصحيحة:۲۸۹۰)

حضرت جندب قسری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتا ہے، (پس اے انسان! ذرا غور کر) کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنی ضمانت کی بابت باز پرس کرے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ضمانت کے بارے پوچھ گچھ کی، تو وہ اس کا مؤاخذہ کر لے گا اور اسے منہ کے بل جہنم میں گرا دے گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۲/ ۱۲۵، وأبو عوانة: ۲/ ۱۱۔۱۲، والبيهقي في "السنن": ۱/ ۴۶۴، والطبراني في "المعجم الكبير": ۲/ ۱۷۹/ ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، وكذا الروياني في "مسنده": ۲/ ۱۶۴، وأخرجه مسلم، والترمذي: ۲۲۲ وغيره دون قوله: ((فانه من يطلبه ......))

شرح:...... ویسے بھی شریعت نے مسلمان کی جان، مال اور عزت کو بڑی حرمتوں والا قرار دیا ہے، لیکن اس

حدیث میں خاص طور پر نمازی کا احترام کرنے اور اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو مسلمان نماز فجر ادا کرتا ہے، اللہ تعالی اس کی حفاظت وضمانت کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں، اب جو آدمی ایسے مسلمان کو کسی طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، وہ اللہ تعالی کی حفاظت وضمانت کو چیلنج کرے گا۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے اسی چیز کے بارے متنبہ کیا ہے کہ جس مسلمان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی نے خود اٹھالی ہو، اس کی جان، مال اور عزت کے درپے ہونے سے بچو، وگرنہ اللہ تعالی تمہارا مواخذہ کریں گے اور منہ کے بل آتش دوزخ میں گرا دیں گے۔

جمعہ کے روز نمازِ فجر کی فضیلت

(٤٩٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: لِحُمْرَانَ بْنِ أَبَانَ: مَامَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي جَمَاعَةٍ؟ قَالَ: قَدْ صَلَّيْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي جَمَاعَةِ الصُّبْحِ، قَالَ: أَوَمَا بَلَغَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ عِنْدَ اللّٰهِ صَلَاةُ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي جَمَاعَةٍ۔))

(الصحيحة:١٥٦٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حمران بن ابان سے کہا: آپ نے نماز باجماعت ادا کیوں نہیں کی؟ انھوں نے کہا: میں نے جمعہ کے دن نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تجھے یہ بات نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی کے ہاں سب سے افضل نماز جمعہ کے دن کی نماز فجر ہے، جسے باجماعت ادا کیا جائے۔''

تخريج: أخرجه أبونعيم في"الحلية": ٧/ ٢٠٧

شرح:...... نماز فجر کی ادائیگی عظیم اجر وثواب پر مشتمل عمل ہے، جیسا کہ سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔)) (بخاری: ٥٧٤، مسلم: ٦٣٥) ...... ''جو آدمی نمازِ عصر اور نمازِ فجر ادا کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' جبکہ سیدنا جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ۔)) (مسلم: ٦٥٧) ......''جو آدمی نماز صبح ادا کر لیتا ہے، وہ اللہ تعالی کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔'' بہرحال نمازِ فجر کی فضیلت پر دلالت کرنے والی بیشمار احادیث موجود ہیں، لیکن جمعہ کے روز نمازِ فجر کا اجر وثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

نماز عصر کی فضیلت اور وجہ

(٥٠٠)۔ عَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعَصْرَ بِالْمُخَمَّصِ فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا، فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ،

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مخمص مقام پر نمازِ عصر پڑھائی اور فرمایا: ''یہ نماز سابقہ امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی، لیکن انھوں نے اسے ضائع کر دیا، لہٰذا جو اس کی ادائیگی پر محافظت کرے گا، اسے دو گنا اجر ملے گا اور اس کے بعد ستارہ طلوع ہونے تک کوئی نماز

وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ.)) الشَّاهِدُ: النَّجْمُ. (اَلصَّحِيْحَة: ۳۵٤۹)

نہیں۔'' حدیث میں لفظ ''شاہد'' ہے، معانی ''ستارے'' کے ہیں۔

تخريج: أخرجه مسلم: ۲/ ۲۰۸، وأبوعوانة في "المسند": ۱/ ۳۵۹، والنسائي: ۱/ ۹۰، وابن جرير الطبري: ۲/ ۳۵۱، والدولابي في "الكنى والأسماء": ۱/ ۱۸، وأحمد: ٦/ ۳۹٦، والبيهقي في "السنن": ۲/ ٤۵۲، والطبراني في "المعجم الكبير": ۲۱٦٦

شرح:...... نمازِ عصر کا وقت دنیوی اعتبار سے مصروفیت کا وقت ہے، مثلاً ڈاکٹروں، تاجروں، زمینداروں، چرواہوں اور مسافروں وغیرہ کے پاس اس وقت میں کسی دوسرے کام کی فرصت نہیں ہوتی، شاید یہی وجہ ہے کہ اس نماز کی اہمیت بیان کرتے وقت مخصوص انداز اپنایا گیا۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۸)

......''(تمام) نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی (عصر کی) نماز کی اور اللہ تعالی کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔''

غور فرمائیں کہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے عام حکم کے بعد اللہ تعالی نے نماز عصر کو قائم رکھنے کی خصوصی تلقین فرمائی ہے۔ راجح قول کے مطابق اس آیت میں ﴿اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى﴾ سے مراد نماز عصر ہے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ.)) (بخاری: ۵۵۳) ......''جس نے نمازِ عصر ترک کر دی، اس کے (نیک) عمل ضائع ہو جائیں گے۔'' نیز سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.)) (بخاری: ۵۷٤، مسلم: ٦۳۵) ......''جو آدمی نمازِ عصر اور نمازِ فجر ادا کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم نمازِ عصر کی حفاظت کریں اور پہلی امتوں کی طرح اس کے معاملے میں غفلت نہ برتیں۔

دیکھیں اللہ تعالی کا کتنا بڑا احسان ہے اگر ہم سابقہ امتوں کی غفلتوں کی مخالفت کرتے ہوئے اس نماز کے پابند بن جاتے ہیں تو وہ اس اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ سے ہمیں اکہرے کی بجائے دوہرے اجر سے نوازے گا۔

دو رکعت نماز دنیا و مافیہا سے بہتر ہے

(۵۰۱)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى قَبْرٍ دُفِنَ حَدِيْثًا فَقَالَ: ((رَكْعَتَانِ خَفِيْفَتَانِ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ وَتَنَفَّلُوْنَ يَزِيْدُهُمَا هٰذَا فِيْ عَمَلِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے، جس میں کچھ ہی دیر پہلے میت کو دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خفیف سی دو رکعتیں، جن کو تم لوگ حقیر اور زائد سمجھتے ہو، اگر یہ صاحب قبر اپنے عمل

بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ۔)) (الصحيحة:١٣٨٨)

میں اُن کا اضافہ کر لیتا تو وہ اس کی نظر میں تمہاری باقیماندہ دنیا سے بھی زیادہ محبوب ہوتیں۔‘‘

تخريج: رواه ابن صاعد في زوائد"الزهد" ١٥٩/ ١ من "الكواكب": ٥٧٥ و رقم ٣١۔ هنديه، وابونعيم فی "اخبار اصبهان": ٢/ ٢٢٥ ، والطبرانی فی "الاوسط": ٩٠٧

شرح:...... اللہ تعالی سے رابطہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے، یہ اللہ تعالی اور بندے کے درمیان ایک مستحکم عہد ہے، بندہ نماز کے ذریعے اللہ تعالی سے اپنے تعلق، فرمانبرداری، اطاعت گزاری، عاجزی و انکساری اور بندگی و غلامی کا اظہار کرتا ہے۔ جب تک یہ تعلق قائم رہتا ہے، تو اللہ تعالی، اس کے رسول اور اس کی شریعت کے ساتھ رشتہ برقرار رہتا ہے۔ نماز سے مسلمان کو اللہ تعالی کے مقابلے میں اپنی حیثیت کا علم ہوتا ہے کہ یہ کون ہے اور وہ کون ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع کے ساتھ قیام کرنے، پھر لاچاری کا اظہار کرتے ہوئے جھکنے اور عاجزی کا انتہائی انداز اختیار کرتے ہوئے جبینِ نیاز کو پیوند خاک کر دینے جیسے امور نماز کو ممتاز عبادت قرار دیتے ہیں۔

قارئین کرام! کون ہے جو دو رکعتوں کو اپنے کاروبار، اپنی جائداد، اپنے مال و دولت یا اپنے اہل و عیال پر ترجیح دے۔ لیکن ہر کوئی مرنے کے بعد انہی دو رکعتوں کو پوری دنیا پر ترجیح دے گا۔ یعنی اگر کسی میت کے سامنے دنیا کے بیش قیمت خزانے اور دو رکعتوں کا اجر و ثواب رکھ کر اسے انتخاب کا موقع دیا جائے تو وہ دو رکعتوں کے اجر و ثواب کو اختیار کرے گا۔ لہٰذا ہمیں یہی زیب دیتا ہے کہ جہاں ہم دنیا میں ترقی کے لیے دنیوی اسباب و وسائل استعمال کرنے پر اپنی صلاحیتیں صرف کر دیتے ہیں، وہاں عالم برزخ کی طرف بھی توجہ دھریں۔

نمازی کا مقام و مرتبہ

(٥٠٢)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَقْبَلَ مِنْ خَيْبَرَ، وَمَعَهُ غُلَامَان، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَخْدِمْنَا۔ فَقَالَ: ((خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ۔)) فَقَالَ: خِرْ لِي: قَالَ: ((خُذْ هٰذَا وَلَا تَضْرِبْهُ، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُهُ يُصَلِّي مُقْبَلَنَا مِنْ خَيْبَرَ، وَإِنِّي قَدْ نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ۔)) وَأَعْطَى أَبَا ذَرٍّ الْغُلَامَ الْآخَرَ، فَقَالَ: ((اسْتَوْصِ بِهِ خَيْراً۔)) ثُمَّ قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! مَا فَعَلَ الْغُلَامُ الَّذِي أَعْطَيْتُكَ؟))

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ دو غلام تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک غلام ہمیں دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جسے چاہتے ہو لے لو۔‘‘ انھوں نے کہا: آپ خود میرے لیے پسند کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ لے لو، اس کو مارنا نہیں کیونکہ میں نے خیبر سے واپسی پر اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے۔‘‘ آپ ﷺ نے دوسرا غلام حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور اور اس کے ساتھ خیر و بھلائی اور حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا، پھر

قَالَ: أَمَرْتَنِي أَنْ أَسْتَوْصِيَ بِهِ خَيْرًا فَأَعْتَقْتُهُ۔ (الصحيحة:١٤٢٨)

ایک دن پوچھا: ''ابوذر! میں نے تجھ کو جو غلام دیا تھا، اس کا کیا حال ہے؟'' انھوں نے کہا: آپ نے مجھے اس کے ساتھ خیر و بھلائی کرنے کا حکم دیا تھا، اس لیے میں نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٥٠، ٢٥٨، والبيهقي في "شعب الايمان"،

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے کس غلام کا انتخاب کیا اور اس کے بارے میں کیا وصیت کی، نیز اس کی کیا وجہ تھی؟ ان سوالات کا جواب حدیث مبارکہ میں بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و انکساری کرنے والے کا یہ مقام ہے، معلوم ہوا کہ عزت و احترام کا معیار اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اگرچہ غلام کی تربیت کرنے کے لیے اس کو سزا دینا جائز ہے، لیکن چونکہ وہ نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی و غلامی کا اظہار کرتا ہے، اس لیے اسے سزا دینے سے منع کر دیا گیا، ہمیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں نمازی کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

روزِ جمعہ اور جمعہ ادا کرنے والوں کی فضیلت

(٥٠٣)۔ عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ الْأَيَّامَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى هَيْئَتِهَا، وَيَبْعَثُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ زَهْرَاءَ مُنِيْرَةً، أَهْلُهَا يَحُفُّوْنَ بِهَا كَالْعَرُوْسِ تُهْدٰى إِلٰى كَرِيْمِهَا، تُضِيْءُ لَهُمْ، يَمْشُوْنَ فِي ضَوْئِهَا، أَلْوَانُهُمْ كَالثَّلْجِ بَيَاضاً وَرِيْحُهُمْ تَسْطَعُ كَالْمِسْكِ، يَخُوْضُوْنَ فِي جِبَالِ الْكَافُوْرِ، يَنْظُرُ إِلَيْهِمُ الثَّقَلَانِ، مَايَطْرُفُوْنَ تَعَجُّباً حَتّٰى يَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ، لَا يُخَالِطُهُمْ أَحَدٌ إِلَّا الْمُؤَذِّنُوْنَ الْمُحْتَسِبُوْنَ۔)) (الصحيحة:٧٠٦)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (ہفتہ کے سات) دنوں کو ان کی (مخصوص) شکل میں اٹھائے گا، جمعہ کا دن حسین اور چمکتا دمکتا ہوگا، اہلِ جمعہ (یعنی جمعہ ادا کرنے والے) اس کو ایسے گھیر لیں گے جیسے (سہیلیاں) دلہن کو دولہا کی طرف رخصت کرتے وقت گھیر لیتی ہیں، جمعہ کا دن اپنے اہل کے لیے روشنی کرے گا اور وہ اس کی روشنی میں چل رہے ہوں گے، ان کے رنگ برف کی طرح سفید ہوں گے، ان کی بو کستوری کی طرح مہک رہی ہوگی، وہ کافور خوشبو کے پہاڑوں میں گھسے ہوئے ہوں گے، جن و انس انھیں دیکھ رہے ہوں گے اور وہ تعجب کی وجہ سے نگاہ نیچی نہیں کرنے پائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ثواب کی امید سے اذان دینے والوں کے علاوہ کوئی بھی ان کے اس مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ١٨٢/ ١، والحاكم: ١/ ٢٧٧، وابن عدي في "الكامل": ٤/ ٢٠٥

شرح:...... نماز جمعہ کی مکمل ادائیگی کے لیے درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے:

☆ اچھی طرح غسل کرنا

☆ جمعہ کا مخصوص یا کوئی اچھا لباس زیبِ تن کرنا

☆ حسب استطاعت خوشبو استعمال کرنا

☆ تیل لگانا

☆ مسواک کرنا

☆ مسجد میں اول وقت میں یا کم از کم ابتدائے خطبہ سے پہلے پہنچنا

☆ مسجد میں اکٹھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں تفریق نہ ڈالنا

☆ پہلے پہنچنے والوں کو ان کی مجلس سے نہ اٹھانا

☆ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنا

☆ مسجد میں کسی کی تکلیف کا سبب نہ بننا

☆ پیدل چل کر جانا

☆ امام و خطیب کے قریب ہو کر بیٹھنا

☆ خطبہ بغور سننا

☆ ابتدائے خطبہ سے پہلے حسبِ استطاعت نماز ادا کرنا

☆ دورانِ خطبہ اتنی خاموشی اختیار کرنا کہ شور کرنے والے کو بھی چپ کرانے کے لیے کچھ نہ کہنا

☆ دورانِ خطبہ کنکری وغیرہ کو نہ چھونا اور ہر لغو سے پرہیز کرنا

☆ گوٹھ مار کر نہ بیٹھنا

☆ اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل لینا

☆ یہ تمام آداب جمعہ صحیح احادیث سے ثابت ہیں

☆ جو مسلمان آدابِ مذکورہ کا اہتمام کرے گا، اسے مذکورہ بالا حدیث میں پیش کی گئی خوشخبری نصیب ہوگی، (ان شاء اللہ)۔ رغبت دلانے کے لیے ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے، سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے غسل کیا اور (اپنے سر کو بھی) دھویا اور جلدی آیا اور سوار ہو کر نہیں بلکہ پیدل آیا اور امام کے قریب ہو کر بیٹھا اور خطبہ سنا اور کوئی لغو کام نہ کیا تو اسے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے

عمل یعنی ایک سال کے روزوں اور تہجد کا ثواب ملے گا۔

(ابوداود: ۳۴۵، ترمذی: ۴۹۶، ابن ماجہ: ۱۰۸۷)

نماز جمعہ گناہوں کا کفارہ بنتا ہے

(٥٠٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةُ مَا بَيْنَهُمَا، مَالَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ۔)) (الصحيحة:٣٦٢٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک جمعہ اگلے جمعہ تک اپنے مابین ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔''

تخريج: رواه مسلم: ١/ ١٤٤، والترمذي: ٢١٤، وابن ماجه: ١٠٨٦۔ واللفظ له، وابن خزيمة: ٣١٤، ١٨١٤، وابن حبان: ١٧٣٣، ٢٤٨٨، وأبوعوانة: ٢/ ٢٠، وأحمد: ٢/ ٤٨٤، والبيهقي: ٢/ ٤٦٧، ١٠/ ١٨٧، والبغوي في"شرح السنة": ٣٤٥، وابن عبدالبرّ في"التمهيد" ٤/ ٤٦

شرح:...... نمازِ جمعہ کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے کہ ایک جمعہ کی ادائیگی سے سات دنوں کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام شروط و قیود کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(٥٠٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَااجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔)) (الصحيحة:١٩٢٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور جمعہ اگلے جمعہ تک ان تمام گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، جو ان کے درمیانے وقفوں میں سرزد ہو جاتے ہیں، جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے اور (جمعہ) مزید تین دنوں میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ بھی بن جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبونعيم في"الحلية": ٩/ ٢٤٩، والبزار: رقم: ٣٤٧

شرح:...... اس حدیث میں دس ایام کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ فضیلت اور منقبت حاصل کرنے کے لیے سات ایام کے بعد ایک گھنٹہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے وقت نہیں دے سکتا تو وہ یقینا غفلت اور بدبختی کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔

جہاں اللہ تعالیٰ خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ کو بلندیٔ درجات کا سبب بناتے ہے، وہاں اہتمام کے ساتھ اس کی ادائیگی کرنے والوں کے دس دس دنوں کی لغزشیں بھی معاف فرماتے ہیں:

(٥٠٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: ((الصَّلَوَاتُ

الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ: مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ.))

(الصحيحة:٣٣٢٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور جمعہ، دوسرے جمعہ تک اور ماہِ رمضان، اگلے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، جو ان کے درمیانی وقفوں میں سرزد ہو جاتے ہیں، جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٢/ ٤٠٠، ومسلم: ١/ ١٤٤، والبخاري في "التاريخ": ٣/ ٢/ ١٤٠، وأخرجه احمد: ٢/ ٤٨٤، ومسلم ايضا والترمذي: ٢١٤ دون ذكر ((ورمضان الى رمضان))

نماز جمعہ ترک کرنے والی قوم کا وبال

(٥٠٧)۔ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ مِيْنَاءٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ.))

(الصحيحة:٢٩٦٧)

حکم بن مینا کہتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے اسے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی تختیوں پر فرماتے ہوئے سنا: ''یا تو لوگ ضرور ضرور جمعہ کی نمازیں ترک کرنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، (جس کے نتیجے میں) وہ ضرور ضرور غافل ہو جائیں گے۔''

تخريج: أخرجه مسلم :٣/ ١٠، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٤/ ٢٣٢، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٣/ ١٧١، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٥/ ٢٢٩

شرح:...... غلام، عورت، بچہ، مریض اور مسافر کے علاوہ ہر مسلمان پر جمعہ فرض ہے۔ اس کی فرضیت میں کسی مسلمان کو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

قارئین کرام! اگر آپ سلیم الفطرت ہیں تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو آدمی نماز جمعہ کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے، وہ شرعی اعتبار سے خیر و بھلائی سے محروم نظر آتا ہے، اس منحوس کو جمعہ کے دن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز بار بار ترک کرنے کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے، اور دن بدن اس کے دل کی سیاہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے بالآخر وہ اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنے سے ہی غافل ہو جاتا ہے۔

خاص طور پر جمعہ کی رات کو قیام کرنا یا جمعہ کو روزہ رکھنا منع ہے

(٥٠٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیام کے لیے جمعہ کی رات کو خاص نہ کرو اور نہ اس

اللَّيَالِي ، وَلَا تَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ ، إِلَّا أَن يَكُوْنَ فِي صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ۔)) (الصحيحة: ٩٨٠)

کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرو، ہاں اگر کوئی آدمی (اپنی ترتیب کے مطابق) روزے رکھ رہا ہے (اور اسے جمعہ کے دن روزہ رکھنا پڑ گیا ہے تو) وہ روزہ رکھ لے۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٥٤، وابن حبان في "صحيحه": ٥/ ٢٤٩/ ٣٦٠٣، والنسائي في "الكبرى": ٢/ ٢٧٥١، ٢٧٥٥، وابن خزيمة: ٢/ ١٩٨/ ١١٧٦، والحاكم: ١/ ٣١١

شرح: ...... معلوم ہوا کہ کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جمعہ کی وجہ سے اس دن کے ساتھ کوئی عمل خاص کر دے۔ ہاں اگر ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا کسی کا معمول ہو یا کوئی شخص عاشورے اور عرفے کے دن کا روزہ رکھتا ہو یا کسی کی ایام بیض کے روزے رکھنے کی عادت ہو یا کسی نے نذر کے روزے شروع کر رکھے ہوں اور ان صورتوں میں جمعہ کا دن آ جائے تو پھر اس دن کو بھی روزہ رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ نیز اس آدمی کو بھی جمعہ کا روزہ رکھنے کی اجازت ہے جو اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کے دن کا بھی روزہ رکھے۔

اس معاملے میں اتنی سختی برتی گئی ہے کہ سیدہ ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں جمعہ کے دن روزے دار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا: "کیا تم نے کل (جمعرات کا) روزہ رکھا تھا؟" میں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: "کل (ہفتہ کو) روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟" میں نے کہا: نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ افطار کر دو۔" (بخاری: ١٩٨٦)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جمعہ کے دن کے ساتھ درج ذیل چار امور کو خاص کیا ہے:

۱۔ نمازِ جمعہ کی ادائیگی اور اس کی مخصوص تیاری

۲۔ سورۂ کہف کی تلاوت کرنا

۳۔ کثرت سے درود پڑھنا

۴۔ قبولیتِ دعا کے لیے مخصوص وقت، جس کے تعین میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول دن کی آخری گھڑی کے بارے میں ہے اور وہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس موضوع سے متعلقہ تمام احادیث کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس آدمی کے لیے جمعہ کا روزہ رکھنا جائز ہے، جو جمعرات یا سنیچر وار کو بھی روزہ رکھے، اسی طرح وہ شخص بھی جمعہ کے دن کا روزہ رکھ سکتا ہے، جس کی روٹین میں جمعہ کا دن آ جائے، مثلاً ایک آدمی ہر سال عرفہ کے دن یعنی (۹) ذوالحجہ کا روزہ رکھتا ہے، اگر اتفاق سے یہ دن جمعہ کا بھی ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا جائز ہو گا۔ (صحیحہ: ٩٨٠)

دورانِ خطبۂ جمعہ اونگھنے والا شخص اپنی نشست بدل لے

(٥٠٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ إِلَى غَيْرِهِ)) (الصحيحة: ٤٦٨)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''اگر جمعہ کے روز کسی کو مسجد میں اونگھ آنے لگے تو وہ اپنی جگہ بدل لیا کرے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ١١١٩، والترمذي: ٢/ ٤٠٤، وابن خزيمة: ١٨١٩، وابن حبان: ٥٧١، والحاكم: ١/ ٢٩١، والبيهقي: ٣/ ٢٣٧، وأحمد: ٢/ ٢٢و٣٢، وابن أبي شيبة: ٢/ ١٢٠، وأبو نعيم في"أخبار أصبهان": ٢/ ١٠٦

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ خطبہ کے دوران آدمی کو سستی اور کاہلی سے گریز کرنا چاہئے تاکہ خطبہ کے سننے میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔

جمعۂ مبارک کے لیے غسل کرنا

(٥١٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ (وَفِي رِوَايَةٍ: عُثْمَانُ) فَقَالَ عُمَرُ: لِمَ تَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّأْتُ! فَقَالَ: لَمْ تَسْمَعُوْا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَلْيَغْتَسِلْ)) (الصحيحة: ٣٩٧١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، ایک آدمی (اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) مسجد میں داخل ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم لوگ نماز کے معاملے میں تاخیر کیوں کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے جونہی اذان سنی تو وضو کر کے آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث نہیں سنی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے (مسجد میں) آئے تو غسل کرے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٨٨٢۔ فتح، ومسلم: ٣/ ٣، وابن أبي شيبة في"مصنفه": ٢/ ٩٤، وأحمد: ١/ ٤٦

شرح:...... اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ غسل کر کے جمعۂ مبارک کی ادائیگی کے لیے آنا چاہئے، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ)) (بخاری، مسلم) ......''ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے۔'' یہ غسل باعثِ اجرِ عظیم ہے، جیسا کہ سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے جمعہ کے روز اچھی طرح غسل کیا (یعنی اپنے سر کو بھی دھویا) اور جمعہ کی ادائیگی کے لیے) بروقت اور پیدل آیا، نہ کہ سوار ہو کر اور امام کے قریب ہو کر بیٹھا، خطبہ

سنا اور کوئی لغو کام نہ کیا تو اسے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے عمل یعنی ایک سال کے روزوں اور تہجد کا ثواب ملے گا۔'' (ابوداود) لیکن جمعہ کے دن غسل کرنا مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر واجب اور فرض نہیں، افضل و مستحب ہے: سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔)) (ابوداود، ترمذی، نسائی) ......''جمعہ کے دن جس نے وضو کیا اس نے اچھا اور بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل اور بہترین ہے۔''

(٥١١)۔ عَنْ طَاوُسٍ الْيَمَانِيِّ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: زَعَمُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوْا رُؤُوْسَكُمْ، وَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا وَمَسُّوْا مِنَ الطِّيْبِ۔)) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا الطِّيْبُ، فَلَا أَدْرِيْ، وَأَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ۔ (الصحيحة:٣٥١٠)

طاؤس یمانی کہتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگ اس قسم کی بات کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن غسل کیا کرو اور سروں کو بھی (اچھی طرح) دھویا کرو، اگرچہ تم جنابت کی حالت میں نہ ہو اور خوشبو بھی لگایا کرو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: خوشبو کا تو مجھے علم نہیں، البتہ غسل کے بارے میں یہی بات ہے۔

تخريج: أخرجه ابن خزيمة: ٣/ ١٢٩/ ١٧٥٩، وابن حبان: ٤/ ١٩٦/ ٢٧٧١، وأحمد: ١/ ٢٦٥، وأخرجه البخاري: ٨٨٤، ٨٨٥، ومسلم: ٣/ ٤

شرح: ...... سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خوشبو لگانے کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں، جبکہ سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا سلمان اور سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی احادیث میں جمعۂ مبارکہ کے روز خوشبو لگانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لہذا خوشبو لگانا مسنون عمل ہے۔

(٥١٢)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرْفُوْعاً: ((ثَلَاثٌ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَيَمَسُّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ وَجَدَ۔)) (الصحيحة:١٧٩٦)

ایک انصاری صحابی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ تین چیزیں ہر مسلمان پر حق ہیں: جمعہ کے روز غسل کرنا، مسواک کرنا اور خوشبو لگانا، بشرطیکہ دستیاب ہو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٤، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ٢٠١/ ١

شرح: ......اس حدیثِ مبارکہ میں روزِ جمعہ کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں، لیکن سب کا تعلق افضلیت سے ہے، نہ کہ وجوب سے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ۔)) (بخاری معلقا، نسائی) ......''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی

امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔“

غسل جمعہ کی فضیلت

(٥١٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبِي وَأَنَا أَغْتَسِلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: غُسْلُكَ هٰذَا مِنْ جَنَابَةٍ أَوْ لِلْجُمُعَةِ؟ قُلْتُ: مِنْ جَنَابَةٍ۔ قَالَ: أَعِدْ غُسْلاً آخَرَ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ فِي طَهَارَةٍ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔)) (الصحيحة:٢٣٣١)

عبد اللہ بن ابو قتادہ بیان کرتے ہیں میں جمعہ کے دن غسل کر رہا تھا، کہ میرے والد صاحب تشریف لائے اور پوچھا غسلِ جنابت کر رہے ہو یا غسلِ جمعہ؟ میں نے کہا: غسلِ جنابت۔ انھوں نے کہا: ایک اور غسل کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”جس نے جمعہ کے دن غسل کیا وہ اگلے جمعہ تک طہارت میں رہے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ٣/ ١٢٦/ ٢، وابن ابی عاصم فی "الجهاد"، والطبرانی، وابو يعلى فی "مسنده": ٤/ ٣٠٣/ ٢٤١٣

شرح: ...... طہارت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری طہارت اور باطنی طہارت۔ اس حدیثِ مبارکہ میں ہر دو طہارت کا ذکر ہے اور باطنی طہارت کی بنیاد ظاہری طہارت پر رکھی گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جمعۂ مبارک کی ادائیگی کے لیے اہتمام کے ساتھ مخصوص غسل کریں، تاکہ جہاں ہم ظاہری طور پر صاف ستھرے ہوں، وہاں ہمارا باطن بھی پاک ہو جائے، جو کہ مسلمان کا اصل کمال ہے۔

نماز جمعہ کی طرف جلدی آنے والوں کی فضیلت

(٥١٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَجِّرِ إِلَى الصَّلَاةِ: كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي الْبَدَنَةَ، ثُمَّ الَّذِي عَلٰى إِثْرِهِ: كَالَّذِي يُهْدِي الْبَقَرَةَ، ثُمَّ الَّذِي عَلٰى إِثْرِهِ كَالَّذِي يُهْدِي الْكَبْشَ، ثُمَّ الَّذِي عَلٰى إِثْرِهِ: كَالَّذِي يُهْدِي الدَّجَاجَةَ، ثُمَّ الَّذِي عَلٰى إِثْرِهِ: كَالَّذِي يُهْدِي الْبَيْضَةَ۔)) (الصحيحة:٣٥٧٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”نماز (جمعہ) کی طرف جلدی آنے والے کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اونٹ کا صدقہ پیش کرتا ہے، اس کے بعد آنے والے کی مثال اس کی طرح ہے جو گائے کا صدقہ پیش کرتا ہے، اس کے بعد آنے کی مثال اس کی طرح ہے جو دنبے کا صدقہ پیش کرتا ہے، اس کے بعد آنے کی مثال اس کی طرح ہے جو مرغی کا صدقہ پیش کرتا ہے اور اس کے بعد آنے کی مثال اس کی طرح ہے جو انڈے کا صدقہ پیش کرتا ہے۔“

تخريج: هو من حديث أبي هريرة، وله عنه طرق:

الأولي: الأغرُّ عنه: فرواه البخاري: ٩٢٩، ومسلم: ٣/ ٧ـ٨، والنسائي:١/ ١٣٨ـ واللفظ له ـ و ١/ ٢٠٥، والدارمي: ١/ ٣٦٢، وابن أبي شيبة:٢/ ١٥٢، وعبدالرزاق: ٥٥٦٢، وأحمد: ٢/ ٢٥٩، ٢٧٠، ٤٩٩، ٥٠٥، والطحاوي في"مشكل الآثار": ٢٦٠٠، ٢٦٠١ و في "شرح معاني الآثار": ٤/ ١٨٠، والبيهقي: ٣/ ٢٢٦، وأبو يعلي: ٦١٥٨

الثانية: عن أبي سلمة عنه: فرواه الطحاوي في"المشكل": ٢٦٠٣ وفي"الشرح": ٤/ ١٨٠، وأبوالشيخ في"الأمثال": ٣١٢، وابن خزيمة: ١٧٦٨

الثالثة: عن سعيد بن المسَيَّب عنه : فرواه مسلم: ٣/ ٨ـ ولم لفظه ـ، وأحمد: ٢/ ٢٣٩، وابن خزيمة: ١٧٦٩، وابن ماجه: ١٠٩٢، والبيهقي: ٣/ ٢٢٥ـ ٢٢٦، والبغوي في"شرح السنة": ١٠٦١، والطحاوي في"المشكل": ٢٦٠٢ وفي"شرح المعاني": ٤/ ١٨٠

الرابعة: هلال المدني عنه: فرواه أحمد: ٢/ ٤٩٩

شرح :...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث بخاری اور مسلم میں ہے، اس میں مذکورہ حدیث کو جمعہ کی نماز کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، اس لیے اس حدیث میں لفظ ''الصلاۃ'' کو نمازِ جمعہ پر ہی محمول کریں گے۔

جمعہ کے روز مسواک کرنا اور خوشبو لگانا

(٥١٥)ـ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرْفُوْعاً: ((ثَلَاثٌ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَيَمُسُّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ وَجَدَ.)) (الصحيحة:١٧٩٦)

ایک انصاری صحابی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ تین چیزیں ہر مسلمان پر حق ہیں: جمعہ کے روز غسل کرنا، مسواک کرنا اور خوشبو لگانا، بشرطیکہ دستیاب ہو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٤، وابن أبي شيبة في"المصنف": ١/ ٢٠١/ ١

شرح :...... اس حدیثِ مبارکہ میں روزِ جمعہ کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں، لیکن سب کا تعلق افضلیت سے ہے، پہلے وضاحت ہو چکی ہے، بہر حال شانِ مسلمان اور جذبۂ اطاعتِ رسول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم فرمودات نبویہ پر عمل پیرا ہو کر دل میں بجا طور پر فرحت و فخر محسوس کریں۔

دورانِ خطبہ مقتدیوں کی کیفیت

(٥١٦)ـ عَنْ مُطِيْعِ الْغَزَّالِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: كَانَ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ، أَقْبَلْنَا بِوُجُوْهِنَا إِلَيْهِ. (الصحيحة: ٢٠٨٠)

مطیع غزال اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھتے تو ہم اپنے چہروں کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔

تخریج: أخرجه البخاری فی "التاریخ الکبیر": ٤/ ٢/ ٢٧، وابن حبان فی "ثقات أتباع التابعین": ٧/ ٥١٨

شرح:.......امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ باب قائم کیا: [باب یستقبل الامام القومَ واستقبال الناس الامام اذا خطب، واستقبل ابن عمر و انس رضی اللہ عنہم الامام]..... (یہ بیان کہ امام دورانِ خطبہ لوگوں کی طرف اور لوگ امام کی طرف متوجہ ہوں اور سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم امام کی طرف متوجہ ہوتے تھے)

اور اس باب میں یہ حدیث بیان کی: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور ہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ (صحیح بخاری: ٩٢١)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری: ٢/ ٤٠٢) میں کہا: امام بخاری نے اس حدیث سے باب میں بیان کردہ مسئلے کا استدلال کیا ہے اور وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے لیے صحابہ کا آپ کے ارد گرد بیٹھنا، یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں منبر پر بیٹھنے کا ذکر ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ تو کھڑے ہو کر دیتے تھے، تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونچی جگہ پر اور صحابہ کرام نچلی جگہ پر بیٹھے ہوتے تھے، اگر غیر خطبہ کی کیفیت یہ تھی تو خطبۂ جمعہ میں تو یہ صورت بالاولی پائی جائے گی، کیونکہ اس کو غور سے سننے اور اس وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لوگوں کے خطیب کی طرف متوجہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ وہ اس کا کلام سننے کے لیے تیار رہیں گے اور اس ضمن میں سارے آداب کا خیال رکھیں گے اور جب خطیب اپنے چہرے، وجود اور قلب و ذہن کی توجہ کے ساتھ لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ اپنی بات کو اچھے انداز میں سمجھا سکے گا اور کھڑے ہونے کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ (صحیحہ: ٢٠٨٠)

بعض مساجد میں عربی خطبہ سنتے وقت لوگ تشہد کی حالت میں بیٹھ کر نیچے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ اس حدیث کی مخالفت ہے۔

خطیب کا منبر پر چڑھ کر سلام کہنا

(٥١٧)۔ عَنْ جَابِرٍ: كَانَ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ سَلَّمَ۔)) (الصحیحۃ: ٢٠٧٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھتے تو سلام کہتے۔

تخریج: ولہ طرق:

الأول: رواہ ابن ماجہ: ١١٠٩، وتمام فی "الفوائد": ٦٠/ ٢، وابن عدی: ٢١١/ ١، والبغوی فی "شرح السنة": ١/ ١٢٣/ ١

والثاني: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف": ۲/ ۱۱٤، وعبد الرزاق: ۳/ ۱۹۳

والثالث: عن عطاء مرسلا؛ رواه عبدالرزاق: ٥۲۸۱، وذكره عبدالحق في "أحكامه": ۷۲/ ۱

شرح:...... معلوم ہوا کہ جب خطیب منبر پر چڑھے تو سلام کہے، بعض خطبا کو دیکھا گیا ہے کہ وہ حمد وثنا اور تمہید کے بعد سلام کہتے ہیں، یہ خلاف سنت عمل ہے۔

دورانِ خطبۂ جمعہ کلام کرنے کا نقصان

(٥١٨)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَنَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، وَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ: إِنَّكَ لَمْ تُجَمِّعْ۔ فَسَأَلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ۔ فَقَالَ: ((صَدَقَ أُبَيٌّ۔))

(الصحيحة: ۲۲٥۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے سوال کیا، اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، انھوں نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کے سوال کا جواب نہ دیا۔ جب نماز پوری کی تو ابی بن کعب نے عبد اللہ بن مسعود سے کہا: (آج) تم نے جمعہ ادا نہیں کیا۔ (یہ سن کر) عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابی نے سچ کہا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۳۸/ ۲

شرح:...... آجکل جمعۂ مبارکہ جیسے عظیم عمل کو ضائع کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں۔ دراصل دین سے بے رغبتی اور فکر آخرت کی کمی ہے۔ دوسری احادیث میں دورانِ خطبہ کلام کو لغو قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے افراد جمعہ ادا کرنے کے لیے آتے ہیں: (۱) وہ شخص جو آتا تو ہے، لیکن کوئی لغو کام کر جاتا ہے، اس کا جمعہ سے یہی حصہ ہوتا ہے۔ (۲) وہ شخص جو حاضر تو ہو جاتا ہے لیکن (دورانِ خطبہ) ذکر کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالی سے دعا کرتا رہتا ہے، اب اللہ تعالی کی مرضی ہے کہ اس کی دعا قبول کرے یا نہ کرے اور (۳) وہ شخص، جو جمعہ کی ادائیگی کے لیے آتا ہے، خاموش رہتا ہے، کسی مسلمان کی گردن نہیں پھلانگتا اور کسی کو تکلیف نہیں دیتا، ایسا جمعہ اگلے جمعہ تک اور مزید تین ایام کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''جو نیکی لائے گا، اس کو دس گنا (ثواب ملے گا)۔'' (ابوداود: ۱۱۱۳)

بستیوں میں جمعۂ مبارکہ کی مشروعیت

اھمیت: اس موقع پر صرف دو احادیث تحریر کی جاتی ہیں، تا کہ قارئین سنجیدہ ہو جائیں:

سیدنا عبداللہ بن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ، ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ

بُیُوْتَهُمْ۔)) ..... ''میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ کسی آدمی کو یہ حکم دوں کی وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور خود جمعہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے گھر جلانے کے لیے (چلا جاؤں)۔'' (مسلم: ٦٥٢)

سیدنا ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهِ۔)) ..... ''جو شخص غفلت اور سستی سے تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔'' (ابو داود: ١٠٥٢، ترمذی: ٥٠٠، نسائی: ١٣٧٠، ابن ماجه: ١١٢٥)

ہمیں اس ضمن میں سب سے زیادہ تعجب احناف پر ہوتا ہے، جو فتووں کی حد تک تو دیہاتوں اور قصبوں میں نماز جمعہ اور نماز عید کے قائل نہیں ہیں، لیکن عملی طور پر اکثر و بیشتر گاؤں میں نماز جمعہ کا اور تقریبا ہر گاؤں میں نماز عید کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں، بلکہ بعض بستیوں میں احناف کی دو تین تین مساجد میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ ایک ''حنفی مقلد عالم'' اس گاؤں میں بستیوں میں نماز جمعہ اور نماز عید کی ادائیگی کی زبردست مخالفت کر رہا ہوتا ہے، جبکہ دوسری بستی میں نماز جمعہ پڑھانے والا وہ خود ہوتا ہے۔ پھر عوام الناس کو تسلی دلانے اور اپنے آپ کو تنکے کا سہارا دینے کے لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جہاں نماز جمعہ کی ادائیگی شروع کر دی جائے، وہاں اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ارے! کچھ تو غور کر لیا ہوتا کہ جہاں جمعہ کی نماز ادا کرنا صحیح ہی نہیں ہے، وہاں اس کی ابتدا کیسے ہو گی؟!

بہر حال اب ہم شرعی نصوص کا جائزہ لیتے ہیں، قارئین کو خود اندازہ ہو جائے گا، آخر میں حنفی مسلک کی وضاحت کی جائے گی۔ ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر نماز جمعہ ادا کرنا فرض ہے۔

(١) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔﴾ (سورۂ جمعه: ٩) ..... ''اے ایمان والو! جب جمعہ والے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ تعالی کی یاد کی طرف آؤ اور لین دین چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

یہ آیت عام ہے، اس میں ہر صاحبِ ایمان کو نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، صرف ان لوگوں کو مستثنی کیا جائے گا، جن کو شریعت نے رخصت دی ہے، جیسے غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

(٢) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔)) ..... ''جمعہ میں حاضر ہونا ہر بالغ پر واجب ہے۔'' (ابو داود: ٣٤٢، نسائی: ١٣٧٢)

یہ حدیث مبارکہ بھی عام ہے اور ہر مسلمان کو شامل ہے، وہ دیہاتی ہو یا شہری۔

(٣) سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا اَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ أَوِ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيْضٍ۔)) ..... ''ہر مسلمان پر نماز جمعہ جماعت کے ساتھ واجب ہے، سوائے ان چار افراد کے: غلام، عورت، بچہ اور مریض۔'' (ابو داود: ١٠٦٧،

مستدرك حاكم: ١٠٦٢)

آپ ﷺ نے اس حدیث میں ہر مسلمان پر جمعہ واجب قرار دیا ہے اور صرف چار افراد کو مسجد میں نہ آنے کی رخصت دی ہے۔

ذہن نشین رہنا چاہیے کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا، ہاں یہ بات درست ہے کہ ان کا آپ ﷺ سے سماع نہیں ہے، لیکن راجح قول کے مطابق صحابی کی مرسل حجت ہوتی ہے۔

(۴) ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جب سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحم کی دعا کرتے۔ ان کے بیٹے نے ان سے سبب دریافت کرتے ہوئے پوچھا: جب بھی آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے لیے رحم کی دعا کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے)؟ انھوں نے جواباً کہا: ((لَأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا فِي هَزْمِ النَّبِيْتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةَ فِي نَقِيعٍ يُقَالُ لَهُ نَقِيعُ الْخَضِمَاتِ. قُلْتُ: كَمْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: أَرْبَعُوْنَ .)) ...... ''وہ (اسعد) پہلا شخص ہے، جس نے مقام نقیع (نقیع الخضمات) میں واقع بنو بیاضہ کی زمین ''ہزم نبیت'' میں ہمیں پہلا جمعہ پڑھایا تھا۔''

میں نے کہا: (ابو جان!) تم اس وقت کتنے لوگ تھے؟

انھوں نے بتایا: چالیس آدمی تھے۔ (ابو داود: ١٠٦٩، ابن ماجه: ١٠٨٢)

ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اور قابل غور ہیں: ((أَيْ بُنَيَّ كَانَ أَوَّلُ مَنْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ مَقْدَمِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ مَكَّةَ فِي نَقِيعِ الْخَضِمَاتِ . ...)) ''اے میرے بیٹا! (وہ اسعد) پہلا شخص ہے، جس نے نبی کریم ﷺ کے مکہ سے (مدینہ میں) آنے سے پہلے ہم کو ''نقیع الخضمات'' میں نماز جمعہ پڑھائی تھی......''

یہ ''حرہ بنی بیاضہ'' مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔ (التلخيص الحبير: ٢/ ٥٧)

یہ چالیس آدمی اتفاقی طور پر تھے، اس لیے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم اتنی تعداد کا ہونا ضروری ہے، جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، شام سے ایک تجارتی قافلے کی آمد پر لوگ اس کی طرف چلے گئے اور آپ ﷺ کا خطبہ سننے والے صرف بارہ آدمی بچ گئے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ (سورۂ جمعہ: ١١)

خطابی نے کہا: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ شہروں کی طرح بستیوں میں بھی جمعہ جائز ہے، کیونکہ یہ حرہ بنو بیاضہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ (عون المعبود: ١/ ٥٤١)

اس حدیث پر امام ابوداود نے ''بـاب الجمعة في القرى'' (بستیوں میں جمعہ کی ادائیگی کا بیان) اور امام ابن ماجہ نے ''باب في فرض الجمعة'' (جمعہ کے فرض ہونے کے بیان) کی سرخیاں ثبت کی ہیں۔

امام شوکانی نے کہا: نبی کریم ﷺ پر مکہ میں ہی جمعہ فرض ہو گیا تھا، جیسا کہ امام طبرانی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی

روایت میں بیان کیا ہے، لیکن کافروں کی وجہ سے اس کی ادائیگی ممکن نہ تھی۔ جب صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو آپ ﷺ نے ان کی طرف یہ فرمان لکھا کہ وہ جمعہ ادا کیا کریں، سو انھوں نے ایسے ہی کیا اور اتفاقی طور پر وہاں چالیس آدمی موجود تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ چالیس سے کم افراد ہوں تو جمعہ نہیں ہوتا۔ (نیل الاوطار: ۳/ ۲۷٤)

(۵) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((اَوَّلُ جُمُعَةٍ جُمِعَتْ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثي، يَعْنِيْ قَرْيَةً مِنَ الْبَحْرَيْنِ.)) ...... ''رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جو جمعہ ادا کیا گیا، اس کے بعد پہلا جمعہ بحرین کے ایک گاؤں جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں ادا کیا گیا۔'' (صحیح بخاری: ۸۹۲، ٤۳۷۱، ابوداود: ۱۰٦۸)

امام بخاری نے اس حدیث پر ''باب الجمعة فى القرى والمدن'' (بستیوں اور شہروں میں جمعہ کی ادائیگی کا بیان) کی سرخی ثبت کی ہے۔

ابو عمار عمر فاروق سعیدی نے سنن ابو داود کے فوائد (۱/ ۷٦۱) میں کہا: جواثا کی مسجد کے آثار آج بھی موجود ہیں، چھوٹی سی جگہ ہے اور صرف دو صفوں کا دالان ہے۔

(٦) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ((كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَ مِنَ الْعَوَالِيْ.)) ...... ''لوگ اپنے ڈیروں سے اور بالائے مدینہ (عوالی) سے جمعہ کے لیے آیا کرتے تھے۔'' (صحیح بخاری: ۹۰۲، صحیح مسلم: ۸٤۷) ''عَوَالِي'' کی آبادیاں مدینہ منورہ سے تین سے آٹھ میل کی مسافت تک تھیں۔

''يَنْتَابُوْن'' کے معانی: بار بار آنا، آمد و رفت رکھنا، کوئی کام باری باری کرنا۔ متن کا ترجمہ اول الذکر معانی کو دیکھ کر کیا گیا ہے، جس میں اشکال نہیں پایا جاتا۔

ایک روایت میں ''يتناوبون'' کے الفاظ ہیں، اس کے معانی یہ ہیں: کوئی کام بار بار کرنا، آپس میں کوئی چیز باری باری لینا، کام باری باری کرنا۔

اگر ان الفاظ کے مؤخر الذکر معانی کو مد نظر رکھا جائے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ عوالی کے سارے لوگ نہیں آتے تھے، درج ذیل کلام ملاحظہ فرمائیں:

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی لکھتے ہیں: اگر کوئی آدمی اس حدیث سے یہ استدلال کرے کہ عوالی والوں پر جمعہ فرض نہیں تھا، بصورت دیگر وہ سب آتے اور باری باری نہ آتے۔ میں یوں جواب دوں گا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض لوگ جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد نبوی آ جاتے اور بعض اپنے گھروں میں ہی رہتے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ بروز جمعہ اپنے گھروں پر ہوتے وہ یہ نماز ادا کرنے کے لیے مدینہ آتے تھے، کیونکہ ان میں ایسے افراد بھی ہوتے جو غیر یا کسی کام کی وجہ سے گھر پر نہ ہوتے تھے اور کوئی معذور ہوتا تھا، اس لیے وہ سارے کے سارے حاضر نہیں ہو سکتے تھے، ہاں جب وہ گھر پہنچ جاتے یا عذر زائل ہو جاتا تو وہ مسجد نبوی میں آ جاتے تھے۔ پس ان کا

باری باری آنا اس بنا پر تھا، نہ کہ جمعہ کی پروانہ کرنے کی بنا پر۔ (عون المعبود: ۱/ ۵۳۴)

دوسری بات یہ ہے کہ محض احتمال کو سامنے رکھ کر واضح نصوص کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

(۷) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((اِنَّ اَهْلَ قُبَاء كَانُوْا يُجَمِّعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ .)) ...... ''قبابستی والے لوگ جمعہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔ (ابن ماجه: ۱۱۲۴، حسنه بعضهم وضعفه بعضهم وله شواهد) قبا، مدینہ سے دو میلوں کے فاصلے پر تھی۔

حافظ ابن حجر نے صحابہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے کہا: ((وعن عمر انه كتب الى اهل البحرين ان جمّعوا حيثما كنتم وهذا يشمل المدن والقرى، اخرجه ابن ابى شيبة ايضا من طريق ابى رافع عن ابى هريرة وعن عمر و صححه ابن خزيمة وروى البيهقى من طريق الوليد بن مسلم سالت الليث بن سعد فقال: كل مدينة او قرية فيها جماعة امروا بالجمعة، فان اهل مصر و سواحلها كانوا يجمعون الجمعة على عهد عمر وعثمان فامرهما وفيهما رجال من الصحابة وعند عبد الرزاق باسناد صحيح عن ابن عمر انه كان يرى اهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب عليهم، فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع.))

یعنی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اھل بحرین کی طرف خط لکھا کہ: ''تم جہاں کہیں بھی ہو، جمعہ پڑھ کرو۔'' یہ حکم دیہاتیوں اور شہریوں دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے ابو رافع کی سند سے سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عمر سے روایت کیا اور امام ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا۔ بیہقی نے ولید بن مسلم کی سند سے روایت کی ہے کہ جب اس نے امام لیث بن سعد سے سوال کیا تو انھوں نے کہا: ہر وہ شہر یا گاؤں جس میں جماعت ہو، انہیں جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یقیناً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے مصر اور ساحل سمندر پر رہنے والے لوگ جمعہ پڑھتے تھے اور ان میں صحابہ کرام بھی تھے۔ عبد الرزاق کے ہاں صحیح سند کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اہل میاہ کو دیکھتے کہ وہ جمعہ ادا کرتے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ ان پر عیب نہیں لگاتے تھے۔ چنانچہ جب صحابہ کرام میں اختلاف ہو گیا تو مرفوع حدیث کی طرف رجوع کرنا واجب ہو گیا۔ (فتح الباری: ۳/ ۳۸۰)

امام ابن حزم نے کہا: ''دیہات میں جمعہ سے روکنے والوں کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ اس وقت چھوٹی چھوٹی بستیوں میں تقسیم تھا۔ بنو مالک بن نجار کے گھر، اموال اور کھجوروں کے باغات علیحدہ تھے، اسی طرح بنو عدی بن نجار اور بنو عبد الاشھل جدا جدا زندگی گزار رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بنو مالک بن نجار میں اپنی مسجد کی بنیاد رکھی اور جمعہ ایسی بستی میں ادا کیا جو بڑی نہ تھی اور نہ وہاں کوئی شہر تھا۔ پس اس شخص کا دعوی باطل ہو گیا جس نے یہ دعوی کیا کہ شہر کے علاوہ جمعہ نہیں ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس سے کوئی شخص جاہل نہیں ہے، نہ ایمان والا نہ کافر۔'' (محلی ابن حزم: ۵/ ۵۴)

آج کل نبی کریم ﷺ کی مسجد کے محراب اور قبر مبارک والے حجرے اور اصحاب صفہ کے صفہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ مسجد نبوی کتنی بڑی تھی۔ غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے کل مہاجرین و انصار کی تعداد (۳۱۳) تھی، ان میں اصحاب صفہ اور انصاریوں کے گھروں میں رہنے بے گھر مہاجر بھی شامل تھے، اس تعداد سے ان کے گھروں کی تعداد کا اندازہ لگا کر مدینہ منورہ کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ کتنا بڑا شہر تھا؟ کیا ''مصر جامع'' کی شرط لگانے والے سوچتے نہیں ہیں؟ جبکہ اکثر و بیشتر دیہاتوں اور بستیوں میں یہ لوگ جمعہ بھی ادا کرتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد و تناقض ہے؟

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی نے خلاصۂ کلام پیش کرتے ہوئے کہا: سلف کے ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بستیوں اور دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنا صحیح ہے، اور اس ضمن میں تیرے لیے قرآن مجید کی آیت ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ﴾ کا عام حکم ہی کافی ہے، کسی آیت یا سنت صحیحہ سے اس کا نسخ ثابت ہے نہ تخصیص اور رسول اللہ ﷺ سے اس حقیقت کے برعکس کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (عون المعبود: ۱/ ۵۴۳)

عام طور پر احناف کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے: ((لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ)) ...... ''نماز جمعہ اور نماز عید نہیں ہے، مگر بڑے شہر میں۔''

لیکن قطعی طور پر یہ رسول اللہ ﷺ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ امام بیہقی نے کہا: ((لا یروی عن النبی ﷺ فی ذالك شیء.)) ...... ''اس بارے میں نبی کریم ﷺ کوئی (حدیث) مروی نہیں ہے۔'' (نصب الرایة: ۲/ ۱۹۵، الدرایة: ۱/ ۲۱٤)

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور بالاتفاق موقوف روایت مرفوع روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود احناف اس قول پر عمل نہیں کرتی اور بے شمار بستیوں میں نماز جمعہ اور ہر بستی میں نماز عید کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس قول کو ان چند بستیوں کے ساتھ خاص کر رکھا ہے، جہاں کوئی ذاتی یا انانیت کا مسئلہ پایا جاتا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بستیوں میں نماز جمعہ کے قائل ہیں اور یہ مسلک آیت اور احادیث سے زیادہ موافقت بھی رکھتا ہے، اس لیے اس کو ترجیح دینی چاہیے۔

فقہ حنفی اور نماز جمعہ

قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت ہو چکی ہے، اب ہم قارئین کے فائدے کے لیے فقہ حنفی کی معروف کتاب ''الھدایة'' کا اقتباس اور اس کے محشی جناب محمد عبدالحئی لکھنوی حنفی کا کلام پیش کرتے ہیں، تاکہ حقائق واضح ہو جائیں، آخر میں ان کا خلاصۂ کلام پیش کریں گے۔

''مصر جامع'' سے مراد بڑا شہر اور ''مصر'' سے مراد شہر ہے، مزید وضاحت متن اور حاشیہ میں موجود ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ جناب ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی لکھتے ہیں: نماز جمعہ صحیح نہیں ہے، مگر ''مصرِ جامع'' میں یا اس ''مصر'' کی خالی جگہ میں اور یہ نماز بستیوں میں جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لا جمعة و لا تشریق و لا فطر و لا اضحی الا فی مصر جامع)) ...... ''نہ نماز جمعہ ہے، نہ نماز عید ہے، یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ، مگر مصرِ جامع میں۔''

''مصر جامع'' ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں امیر اور قاضی ہو جو (شرعی) احکام اور حدود کا نفاذ کرتا ہو، یہ ابو یوسف کا قول ہے اور محمد کا قول یہ ہے کہ جب لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں، لیکن وہ تنگ پڑ جائے (تو اسے ''مصرِ جامع'' کہیں گے)، پہلا قول کرخی نے اختیار کیا ہے اور وہی ظاہر ہے اور دوسرا قول ثلجی کی ترجیح ہے......

منی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، اگر حجاز کا امیر ہو یا خلیفہ سفر پر ہو، یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے، محمد کا خیال ہے کہ منی میں کوئی جمعہ نہیں ہے، کیونکہ وہ بستی ہے، حتی کہ وہ وہاں نمازِ عید پڑھنے کے قائل بھی نہیں ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک یہ علاقہ حج کے موسم میں ''مصر'' بن جاتا ہے اور نماز عید نہ پڑھنے کا تعلق تخفیف سے ہے۔ البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عرفات میں جمعہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں کوئی عمارت نہیں ہے اور منی میں عمارتیں موجود ہیں۔ (الهداية اولين: صـ ١٧٧، ١٧٨)

اب عبد الحئ حنفی اسی مقام پر حاشیے میں لکھتے ہیں: ''مصرِ جامع'' کی تعریف میں اختلاف ہے: (١) امام ابو حنیفہ: وہ مقام، جہاں اہل شہر کی اشیائے ضرورت (اور سہولیات) موجود ہوں۔ (٢) ابو یوسف: ہر وہ جگہ، جہاں امیر اور قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود کا نفاذ کرتا ہو، حسن نے بھی اپنی کتاب میں امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (٣) سفیان ثوری: ''مصرِ جامع'' وہ ہے، جس کو لوگ دوسرے شہروں کا ذکر کرتے وقت شہر سمجھتے ہوں، جیسے بخارا، سمرقند (٤) ابو عبد اللہ بلخی: میں نے جو سب سے بہترین رائے سنی ہے، وہ یہ ہے کہ جس مقام کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں، لیکن وہ تنگ پڑ جائے، وہ ''مصر جامع'' ہوگا۔ (٥) امام ابو حنیفہ: وہ بڑا شہر، جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور اس میں پگڈنڈیاں ہوں اور لوگ اپنے حادثات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

شہر کی ''خالی جگہ'' سے مراد شہر سے متصل یا منفصل وہ گراؤنڈز ہیں، جو شہری لوگوں کی مصلحتوں کے لیے خالی رکھے جاتے ہیں، یہ محمد کے اندازے کے مطابق ایک تیر کی پھینک تک یا تین سو ہاتھ سے چار سو ہاتھ تک وسیع ہوتے ہیں، لیکن ان کی حد بندی کے بارے میں مزید تین اقوال یہ ہیں: ایک میل، دو میل، تین میل۔ (حاشیہ ختم ہوا، بعض عبارات کا مفہوم پیش کیا گیا)

نبی کریم ﷺ کی جو روایت صاحب ہدایہ نے پیش کی، اس کے بارے میں اسی کتاب کے حاشیے میں حافظ ابن حجر نے کہا: مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔

خلاصۂ کلام :......صاحبِ ہدایہ نے نماز عید اور نماز جمعہ کے لیے ''مصرِ جامع'' کی شرط لگانے کے لیے

جس حدیث پر بنیاد رکھی، اس کا وجود نہیں ملتا، پھر ''مصرِ جامع'' کی وضاحت کرتے کرتے پانچ چھ اقوال نقل کر دیئے، جن میں سے تین اقوال امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہیں۔

پھر جب منی اور عرفات کی باری آئی تو وہاں عمارتوں کے ہونے یا نہ ہونے کا فرق کھڑا کر دیا، حالانکہ صرف عمارتوں کا نام شہر نہیں ہے۔

اسی طرح جب شہر کی مالی حالت کی پیمائش کا مسئلہ کھڑا ہوا تو پھر چار پانچ اقوال بن گئے۔ بہرحال یہ تو حنفی فقہا ہی فیصلے کریں گے کہ کس قول کو کس دلیل کی روشنی میں کیوں ترجیح دی جائے۔

لیکن اتنی حدود و قیود کے باوجود اب حنفی لوگ تقریباً ہر گاؤں میں نماز عید کا اور اکثر و بیشتر دیہاتوں میں نماز جمعہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تقلید پر زور بھی دیتے ہیں اور ان اہل حدیث لوگوں پر سخت طعن بھی کرتے ہیں جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا فتوی دیتے ہیں یا اس کا اہتمام کرتے ہیں؟ سبحان اللہ! شعور والا اتنا کچھ سن کر کیا کرے گا!؟ آج کل یہ فلسفہ بھی سنائی دیتا ہے کہ جس گاؤں میں جمعہ کی نماز شروع کر دی جائے، وہاں اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ارے! جہاں نمازِ جمعہ ہوتی ہی نہیں، وہاں شروع کیسے ہوگی!؟

ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے دیا ہے اور فقہ حنفی کی معتبر کتاب کا اقتباس بھی پیش کر دیا ہے، اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو شرعی مسائل سمجھنے کا شعور عطا کر رکھا ہے۔ اگر حسن نیت کے ساتھ اور بے جا تعصب سے بچ کر مطالعہ کیا جائے تو حق واضح ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اللہ تعالی سے سرگوشی کا ذریعہ ہے
نماز میں آواز کس قدر مخفی یا بلند ہونی چاہیے

(٥١٩)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي بَيَاضَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ مِنْ رَمَضَانَ وَقَالَ: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْآنِ فَتُؤْذُوْا الْمُؤْمِنِيْنَ۔)) (الصحيحة:١٥٩٧)

قبیلہ بنو بیاضہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے ایک عشرے کا اعتکاف کیا اور فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لیے (نماز میں) باآواز بلند قرآن مجید نہ پڑھا کرو (کیونکہ) اس طرح دوسرے مومنوں کو تکلیف ہوتی ہے۔''

تخريج: رواه البغوي في "حديث علي بن الجعد": ٨/ ٧٥/ ١

(٥٢٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ اِطَّلَعَ مِنْ بَيْتِهِ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ يَجْهَرُوْنَ بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ لَهُمْ:

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک گھر میں جھانکے اور دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور بلند آواز سے قراءت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ

((إِنَّ الْمُصَلِّيْ يُنَاجِيْ رَبَّهُ فَلْيَنْظُرْ بِمَا يُنَاجِيْهِ، وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔)) (الصحيحة: ١٦٠٣)

نے انھیں فرمایا: ''بیشک نمازی اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے اس لیے اسے دھیان کرنا چاہیے کہ وہ کتنی بڑی ذات سے سرگوشی کر رہا ہے، (لہٰذا نماز میں) قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ایک دوسرے پر آواز کو بلند نہیں کرنا چاہیے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": رقم ٤٧٥٧ ـ نسختي

(٥٢١)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي بَيَاضَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا فَوَعَظَ النَّاسَ وَحَذَّرَهُمْ وَرَغَّبَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُصَلٍّ إِلَّا وَهُوَ يُنَاجِيْ رَبَّهُ، فَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ۔)) (الصحيحة: ٣٤٠٠)

عطا بن یسار، بنو بیاضہ کے ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک دن مسجد میں اعتکاف کی حالت میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کی، انھیں ڈرایا اور رغبت دلائی پھر فرمایا: ''ہر نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر بلند آواز سے قراءت نہ کیا کرو۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٢/ ٢٦٤/ ٣٣٦٠، وابن عبدالبر في "التمهيد": ٢٣/ ٣١٧، ٣١٨، ومالك في "المؤطا": ١/ ١٠١، وعنه احمد: ٤/ ٣٤٤

شرح:...... احادیثِ مبارکہ نے اپنے متن میں کئی پہلوؤں کو سمویا ہوا ہے، اندازہ لگائیں کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نمازی کی طرف اپنے چہرے کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔ اس شرف کا اندازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتا ہے، جس کے مطابق جب نمازی سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک آیت کا جواب دیتے ہیں۔ (مسلم: ٣٩٥) اور اس طرح سرگوشیوں کا سلسلہ دونوں طرف سے شروع ہو جاتا ہے۔

جب نمازی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو دھیمی آواز کے ساتھ نماز ادا کرنا درست ہے، جیسا کہ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر! تیرے پاس سے میرا گزر ہوا، تم بالکل پست آواز میں نماز پڑھ رہے تھے۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس ہستی کو تو سنا رہا تھا، جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تیرے پاس سے میرا گزر ہوا، تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔'' انھوں نے کہا: میں اونگھنے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر! تم اپنی آواز کو معمولی بلند کرو۔'' اور عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اپنی آواز کو معمولی پست کرو۔'' (ابو داود: ١٣٢٩، ترمذی: ٤٤٧)

اس حدیث سے مومن کی عظمت وحرمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی طرح گوارہ نہیں کیا کہ کوئی آدمی کسی مومن کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔ آج کل ظاہری طور پر اثر ورسوخ رکھنے والے لوگ، جو اپنے آپ کو مساجد کا

ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، دوسرے نمازیوں کی رو رعایت رکھے بغیر ایسے انداز میں اندھا دھند گفتگو شروع کر دیتے ہیں، گویا کہ انھوں نے کسی ملک کا نظم ونسق چلانے کے لیے منصوبہ بندیاں کرنی ہیں۔ اگر ان سے اس شور وغل کی وجہ دریافت کی جائے تو سنائی دے گا کہ خادم نے تین منٹ اذان لیٹ کر دی تھی، اس نے مسجد کو تالا لگانے میں دیر کر دی تھی، مولوی صاحب نے ہم سے مشورہ کئے بغیر نماز کا وقت مقدم یا مؤخر کر دیا تھا، فلاں آدمی نے ہم سے اجازت لیے بغیر چندے کا اعلان کر دیا تھا......... ۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ مساجد کی خدمت کو اپنا شرف سمجھیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ بنی آدم کی خدمت کریں۔

اس حدیث سے یہ استدلال کرنا بجا طور پر درست ہے کہ نمازی کے قریب گپ شپ لگانے سے پرہیز کرنا چاہئے، ہاں اگر لوگ ایک جگہ پر کسی مناسبت سے گفت وشنید کر رہے ہیں تو نماز ادا کرنے والے کو چاہئے کہ وہ ان سے دور ہو کر نماز پڑھے۔

مسجدِ نبوی، مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصی کی فضیلت

(٥٢٢)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ: أَنَّ أَبَا بَصْرَةَ جَمِيْلَ بْنَ بَصْرَةَ لَقِيَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَهُوَ مُقْبِلٌ مِنَ (الطُّوْرِ) فَقَالَ: لَوْ لَقِيْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَهُ لَمْ تَأْتِهِ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّمَا تُضْرَبُ أَكْبَادُ الْمَطِيِّ إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى۔))

(الصحيحة:٩٩٧)

سعید بن ابو سعید مقبری کہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور سے واپس آ رہے تھے کہ سیدنا ابو بصرہ جمیل بن بصرہ رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوگئی، انھوں نے ان سے کہا: اگر وہاں جانے سے پہلے آپ کی میرے ساتھ ملاقات ہو جاتی تو آپ وہاں نہ جاتے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''سواریوں کو صرف تین مساجد ہی کی جانب چلایا جائے مسجدِ حرام، میری مسجد یعنی مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصی۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ١/٣٠٦، والطبراني: ٢/ ٣١٠/ ٢١٥٩۔ والحديث في الصحيحين من طرق عن ابي هريرة بلفظ: ((لاتشد الرحال))، وقد خرجتها في "الارواء": ٩٥١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ......'' کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے، میں نے (ارواء الغلیل: ۹۵۱) میں اس کی تخریج کی ہے، اس حدیث کو یہاں قلمبند کرنے کا مقصد ابو بصرہ اور سیدنا ابو ہریرہ کا واقعہ ہے، جس کے مطابق حضرت ابو ہریرہ نے طور پہاڑ کی طرف سفر کی وجہ سے ابو بصرہ پر انکار کیا۔ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے، میں نے ان کا ذکر ارواء الغلیل میں کیا ہے، جب مجھے مذکورہ بالا سند اور متن کا علم ہوا تو یہاں

اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

اس روایت کے موقوف الفاظ میں بڑا اہم فائدہ ہے، راویٔ حدیث جلیل القدر صحابی سیدنا ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی حدیث کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ یہ نہی تین مساجد کے علاوہ دوسرے برکت وفضیلت والے مقامات کو شامل ہے۔ جیسے طور پہاڑ وغیرہ، جہاں اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ اسی لیے جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوہ طور کی طرف سفر کیا تو انھوں نے ان پر انکار کیا اور کہا: اگر طور پر جانے سے پہلے مجھ سے آپ کی ملاقات ہو جاتی، تو میں آپ کو وہاں نہ جانے دیتا۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے بیان کردہ مفہوم کو درست سمجھ کر برقرار رکھا۔

اس باب کی حدیث سمیت جن روایات میں صرف تین مساجد کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ان کا مفہوم یہ ہے کہ جو مقامات برکت وفضیلت پر مشتمل ہیں، ان کی برکت حاصل کرنے کے لیے اور ان میں عبادت کی فضیلت کو پانے کے لیے ان کی طرف سفر کرنا منع ہے، ماسوائے تین مساجد کے۔ (صحیحہ: ۹۹۷)

(٥٢٣)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((إِنَّ خَيْرَ مَارُكِبَتْ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ مَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْبَيْتُ الْعَتِيْقُ۔)) (الصحيحة:١٦٤٨)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین (دو) مقامات، جن کی طرف سفر کیا جانا چاہیے، میری یہ مسجد اور بیت عتیق (یعنی بیت اللہ) ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٥٠، وأبويعلي: ٢/ ٦٠٥، والبغوي في"حديث أبي الجهم": ٢/ ٢، والطبراني في"الأوسط": ١/ ١١٤/ ٢، والفاكهي في"حديثه": ١/ ١٥/ ١، وعنه ابن بشران في"الأمالي": ٢/٥٥، وعبد بن حميد في"المختنب من المسند": ١١٤/ ٢

(٥٢٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنَ الْأَرْقَمِ عَنْ جَدِّهِ الْأَرْقَمِ أَنَّهُ قَالَ: جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي: ((أَيْنَ تُرِيْدُ؟)) فَقُلْتُ: إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدَسِ، فَقَالَ: ((إِلٰى تِجَارَةٍ؟)) فَقُلْتُ: لَا وَلٰكِنْ أَرَدتُّ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْهِ قَالَ: ((صَلَاةٌ هَا هُنَا۔ يُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ۔ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ هَاهُنَا۔)) يُرِيْدُ: إِيْلِيَاءَ۔ (الصحيحة:٢٩٠٢)

عبد اللہ بن عثمان بن ارقم اپنے دادے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: بیت المقدس کا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''تجارت کی غرض سے؟'' میں نے کہا: نہیں، میرا ارادہ تو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں (یعنی مدینہ میں) نماز پڑھنا وہاں (یعنی ایلیا میں) نماز پڑھنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في"مشكل الآثار": ١/ ٢٤٧، والحاكم :٣/ ٥٠٤، والطبراني في"المعجم الكبير": ١/ ٢٨٥/ ٩٠٧، ومن طريقه أبو نعيم في"المعرفة": ٢/ ٣٨١/ ١٠٠٦

شرح:...... معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ہزار گنا ثواب ملتا ہے، ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ موقع نصیب فرمائے۔ (آمین)

نماز با جماعت کی فضیلت

(٥٢٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيَعْجَبُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْجَمِيْعِ۔))

حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نماز با جماعت پر خوش ہوتے ہیں۔''

(الصحيحة:١٦٥٢)

تخريج: رواه الخطيب في "الموضح": ٢/ ٢/ ٢ من طريق أحمد، وهذا في "المسند": ٢/ ٥٠

(٥٢٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيْعِ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءً وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ۔))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نماز با جماعت، اکیلے آدمی کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے۔ رات اور دن کے فرشتے نمازِ فجر میں جمع ہوتے ہیں۔''

(الصحيحة:٣٦١٨)

تخريج: رواه البخاري: ٤٧٧، ٦٤٧، ٦٤٨، ٤١٧١٧، ومسلم: ٢/ ١٢٢، ١٢٨، والنسائي: ١/ ٢٤١، وأحمد: ٢/ ٢٣٣، وأبو داود: ٥٥٩، والترمذي: ٦٠٣، وابن ماجه: ٧٨٦

شرح:...... نماز با جماعت روح کو جلا بخشتی ہے، جماعت کے بہانے نمازی کا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزرتا ہے، نماز کی ادائیگی کے لیے جماعت کی پروانہ کرنا انتہا درجہ کی غفلت، سستی اور کاہلی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ آدمی شیطان کے نرغے میں ہے، ممکن ہے وہ اسے جلد ہی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے اور اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کئی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔)) (ابو داود، نسائی)

''جس گاؤں یا بستی میں تین آدمی ہوں اور وہاں نماز با جماعت کا اہتمام نہ کیا جاتا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ان پر غالب آ چکا ہے۔ آپ جماعت کا التزام کریں، (وگرنہ ذہن نشین کر لیں کہ) بھیڑیا (ریوڑ سے) دور چلی جانے والی بکری کو کھا جاتا ہے۔''

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔)) (بخاری، مسلم)

......"نماز با جماعت، اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔"

نمازِ با جماعت اللہ تعالی کے حضور عاجزی و انکساری کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے، جیسا کہ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ فِي رَأْسِ شَظِيَّةٍ بِجَبَلٍ يُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ وَيُصَلِّي، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُنْظُرُوْا إِلَى عَبْدِي هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيمُ لِلصَّلَاةِ، يَخَافُ مِنِّي، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔)) (ابو داود، نسائی)

......"تمہارا رب بکریوں کے اس چرواہے پر تعجب کرتا ہے، جو پہاڑ کی چوٹی پر (بکریاں چرا رہا ہوتا ہے، جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو) وہ اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالی (اس کے اس عمل کو دیکھ کر) کہتے ہیں: میرے بندے کی طرف دیکھو، اذان دیتا ہے اور نماز کے لیے اقامت کہتا ہے (پھر نماز ادا کرتا ہے) یہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

انسان کی نیکیوں اور برائیوں کو نوٹ کرنے والے دو فرشتے فجر اور عصر کی نمازوں میں اپنی باریاں تبدیل کرتے ہیں، یعنی دن کو اپنا فریضہ سرانجام دینے والے فرشتے نمازِ فجر کی ادائیگی سے پہلے آتے ہیں اور نمازِ عصر کے بعد واپس جاتے ہیں اور رات والے نمازِ عصر سے پہلے آتے ہیں اور نمازِ فجر کے بعد واپس جاتے ہیں اور نماز با جماعت ادا کرنے والے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: جب ہم گئے تھے تو تیرے بندے نماز پڑھ رہے تھے اور اب جب ہم آئے ہیں تو تیرے بندے نماز پڑھ رہے تھے۔

(٥٢٧)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهِ وَحْدَهُ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً وَإِنْ صَلَّاهَا بِأَرْضٍ فُلَاةٍ، فَأَتَمَّ وُضُوْءَهَا وَرُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا بَلَغَتْ صَلَاتُهُ خَمْسِيْنَ دَرَجَةً۔)) (الصحيحة:٣٤٧٥)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ۲۵ درجے زیادہ ہے، اور اگر وہ ویران جنگل میں ہو اور وضو اور رکوع و سجود مکمل انداز میں ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ۵۰ درجوں تک پہنچ جاتی ہے۔"

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ٤٧٩، وابويعلى في "مسنده": ٢/ ٢٩١/ ١٠١١، وابوداود: ٥٦٠، والحاكم: ١/ ٢٠٨، وأخرج البخاري: ٦٤٦، وابن ماجه: ٧٨٨ الشطر الاول منه فقط

شرح: ...... یہ للّٰہیت اور خلوص کی برکتیں ہیں، آدمی جتنا ریاکاری سے دور ہوگا، اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتدال کے ساتھ نماز پڑھنا، رکوع و سجود مکمل کرنا نماز کی تکمیل میں سے ہے، مسلمان کا مسجد میں نماز ادا کرنا ضروری ہے، لیکن اگر وہ کسی بے آباد علاقے میں ہو یا سفر میں ہو یا کسی ایسے مقام پر ہو کہ مسجد میں پہنچنا

اس کے لیے ناممکن ہو تو ایسے حالات میں نماز کی اہمیت میں اضافہ ہو سکتا ہے، کیونکہ جہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بشر دیکھنے والا نہ ہو، وہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے، اس میں ریاکاری اور نمود و نمائش کا خطرہ کم ہو جاتا ہے اور قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔

نمازِ باجماعت مبارک عمل ہے

(٥٢٨)۔ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ مَرْفُوْعاً: ((اَلْبَرَكَةُ فِي ثَلَاثٍ: اَلْجَمَاعَاتِ وَالثَّرِيْدِ وَالسَّحُوْرِ۔)) (الصحيحة:١٠٤٥)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزوں میں برکت ہے۔ جماعتوں میں، ثرید میں اور سحری کے کھانے میں۔''

تخريج: رواه أبو طاهر الأنباري في "المشيخة" ١٥٦/ ١ ـ ٢٠، والبيهقي في "الشعب" ٢/ ٤٢٦/ ٢، والطبراني في "الكبير"، والبيهقي في "الشعب"

شرح:...... نماز کا ستائیس گنا زیادہ ثواب ملنا، روح کو جلا ملنا، شوقِ نماز میں اضافہ ہونا، طویل نماز کا موقع ملنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں زیادہ وقت گزرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں جن کی بنا پر جماعت کا مبارک ہونا بجا طور پر ثابت ہوتا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں، مثلاً آپ نمازِ ظہر باجماعت ادا کرنا چاہتے ہیں، تو اذان کے بعد وضو کریں گے، سنتیں ادا کر کے مسجد میں جماعت کے انتظار میں ذکر کی حالت میں بیٹھ جائیں گے، پھر جماعت کے بعد اذکار کرنا آپ کے لیے آسان ہوگا، پھر آپ سنتیں ادا کریں گے۔ نتیجتاً آپ کے تقریباً تیں پینتیس منٹ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزر جائیں گے اور اگر اسی نماز کو علیحدہ ادا کرنا پڑ جائے تو نو دس منٹوں میں فارغ۔ نیز نماز باجماعت کی وجہ سے جو دلی اطمینان اور فرحت نصیب ہوگی، وہ بے مثال ہوگی۔ اگر کوئی آدمی منفرد یا باجماعت نماز میں فرق محسوس نہیں کرتا یا جماعت فوت ہو جانے کی صورت میں اسے کوئی افسوس اور پچھتاوا نہیں ہوتا، تو یہ بے حس اس شخص کی طرح ہے، جس کی زبان ایسی بے ذوق اور بے ذائقہ ہو چکی ہو کہ اسے کم اور زیادہ نمک، بلکہ میٹھے اور کڑوے کا کوئی احساس نہ ہوتا ہو۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اہل علم سے رابطہ کریں اور محبت کے ساتھ جماعت کی اہمیت پر دلالت کرنے والی احادیث کا مطالعہ کیا کریں۔

عہدِ فاروقی کی بات ہے کہ سلیمان بن ابوحثمہ نماز فجر میں غیر حاضر تھے، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازار گئے تو سلیمان، جن کا گھر راستے میں پڑتا تھا، کی ماں شفا سے کہا: نمازِ فجر میں سلیمان نظر نہیں آئے، کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: وہ رات کو نمازِ تہجد پڑھتا رہا، اس وجہ سے جماعت کے وقت نیند غالب آ گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے فجر کی باجماعت نماز پوری رات کے قیام سے زیادہ محبوب ہے۔ (مؤطا امام مالک)

روٹی کو چور کر شوربے میں بھگو کر بنائے ہوئے کھانے کو ثرید کہتے ہیں، یہ زود ہضم ہوتا ہے اور کھانے کی زیادہ مقدار سے کفایت کرتا ہے، مثلاً ایک انسان دو روٹیوں کی بھوک محسوس کر رہا ہے، لیکن ایک روٹی کا بنا ہوا ثرید اسے سیر کر

سکتا ہے۔اسی طرح سحری کا کھانا بھی بابرکت چیز ہے۔

جماعت میں نمازیوں کی کثرت اجر وثواب میں اضافہ کا باعث ہے

(۵۲۹)۔ عَنْ قُبَاثِ بْنِ أَشْيَمَ اللَّيْثِيِّ مَرْفُوْعاً: ((صَلَاةُ رَجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ صَلَاةِ ثَمَانِيَةٍ تَتْرٰى، وَصَلَاةُ أَرْبَعَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ أَزْكٰى عِنْدَاللّٰهِ مِنْ صَلَاةِ مِئَةٍ تَتْرٰى۔)) (الصحيحة:۱۹۱۲)

حضرت قباث بن اشیم لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو آدمیوں کی نماز، جس میں ایک دوسرے کی امامت کرائے، پے در پے پڑھی جانے والی آٹھ نمازوں سے بہتر ہے اور چار اشخاص کی نماز، جس میں ایک دوسروں کو جماعت کرائے، لگاتار پڑھی جانے والی سو نمازوں سے بہتر ہے۔''

تخريج: رواه البخاري في "التاريخ": ٤/ ١/ ١٣٢۔ ١٩٣، والبزار: رقم۔ ٤٦١، و ابن سعد: ٧/ ٤١١، والديلمي: ٢/ ٢٤٣، والبزار والطبراني

شرح:...... دراصل جماعت ایک ایسا شعارِ اسلام ہے، جسے جنگ کی صورت میں بھی حسب امکان قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔عصر حاضر میں عوام کی سہولت کے لیے نماز با جماعت کے اوقات مقرر کر دیے جاتے ہیں، ایسا کرنے کا مقصود تو یہ ہے کہ لوگ مقررہ وقت پر پہنچ جائیں اور بھرپور انداز میں نماز کی ادائیگی ہو۔لیکن اگر بعض اوقات کسی محلے یا علاقے میں لوگوں کے پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو چند منٹ انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں، ایسی صورت میں پہلے پہنچنے والوں کو انتظار کرنے میں اپنی سعادت سمجھنی چاہیے، بالخصوص ایسی نمازوں میں کہ جن کے اوقات میں کسی کو کوئی خاص ایمر جینسی نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام نمازوں میں کبھی کبھی اور بالخصوص نماز عشا میں لوگوں کی قلت و کثرت کو مدنظر رکھ کر نماز میں تاخیر و تعجیل کر لیتے تھے۔

مسلسل چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت

(۵۳۰)۔ قَالَ ﷺ: ((مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً فِي جَمَاعَةٍ، يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلٰى، كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ وَأَبِي كَاهِلٍ، وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ (الصحيحة: ۱۹۷۹، ۲۶۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے چالیس روز جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور (امام کے ساتھ) تکبیر اولی (یعنی تکبیر تحریمہ) پاتا رہا تو اس کے لیے دو آزادیاں لکھ دی جاتی ہیں: جہنم سے آزادی اور نفاق سے آزادی۔'' یہ حدیث سیدنا انس، سیدنا ابو کاہل اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔

تخريج: وله عن انس طرق:

الأولي: سلم بن قتيبة عن طعمة بن عمرو عن حبيب بن أبي ثابت عنه به: فأخرجه الترمذي: ١/ ٢٠١۔

تحفة، وأسلم الواسطي في "تاريخ واسط": صـ ٤٠

الثانية: منصور بن مهاجر أبوالحسن: فأخرجه أسلم الواسطي في"تاريخ واسط": صـ ٣٦

الثالثة: عن أبي العلاء الخفاف عن حبيب بن أبي حبيب عن أنس بن مالك: فأخرجه الواسطي أيضا في"تاريخه": صـ ٤٠

تخريج: روى من حديث أنس، وأبي كاهل، وعمر بن الخطاب بالفاظ مختلفة

(١) أماأنس حديث: فأخرجه الترمذي: ٢/ ٧ـــ شاكر، وأبو سعيد ابن الأعرابي في"المعجم": ق١١٦/ ٢، وابن عدي في"الكامل": ق١٠٣/ ٢، ١١٦/ ١، وأبو القاسم الهمداني في"الفوائد": ق١٩٧/ ١، والبيهقي في"الشعب": ٣/ ٦١/ ٢٨٧٢، وابن عساكر في"التاريخ": ١٢/ ٢٧٥

(٢) وأماحديث أبي كاهل: أخرجه الطبراني: ١٨/ ٣٦١، والعقيلي:ص٣٥٣

(٣) وأما حديث عمر بن الخطاب: فأخرجه ابن ماجه وابن عساكر

شرح:...... دراصل نماز باجماعت کے ذریعے نمازی کو جو تسکین نصیب ہوتی ہے، اکیلے نماز پڑھنے میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ نمازی ہونے کے باوجود جماعت کی پروا نہیں کرتے، ان بیچاروں کو نماز سے حقیقی استفادہ نہیں ہو رہا، کیونکہ ابھی تک ان کی نماز ان کو جماعت جیسے عظیم عمل پر ہی آمادہ نہ کر سکی۔

قارئین کرام! کیا آپ نے اس حدیث پر عمل کر کے اللہ تعالی سے جہنم اور نفاق سے آزادی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا ہے، اگر جواب مثبت ہے تو ایک اور ڈگری حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اگر جواب منفی میں ہے تو حصول براءت کے لیے جلد منصوبہ بندی کی جائے۔

نماز کی طرف آتے وقت نمازی کی کیفیت

(٥٣١)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَتَيْتَ الصَّلَاةَ فَأْتِهَا بِوَقَارٍ وَسَكِيْنَةٍ، فَصَلِّ مَا أَدْرَكْتَ، وَاقْضِ مَافَاتَكَ۔)) (الصحيحة:١١٩٨)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو وقار اور سکینت کے ساتھ آیا کرو، جو نماز (امام کے ساتھ) مل جائے وہ پڑھ لیا کرو اور جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لیا کرو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط" ١/ ٢٣/ ١، ٢

شرح:...... جب نمازی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف جا رہا ہو تو اسے اطمینان و سکون اور وقار کے ساتھ جانا چاہیے، عجلت اور جلد بازی نہیں کرنی چاہئے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں اس کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے: ((فَإِنَّ اَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي الصَّلَاةِ۔)) (مسلم) ...... ''جب کوئی آدمی نماز کی طرف قصد کرتا ہے تو وہ حالت نماز میں ہی ہوتا ہے۔''

امام کو رکوع کی حالت میں پانے والا نمازی جماعت کے ساتھ کیسے ملے؟

(۵۳۲)۔ عَنْ عَطَاءٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ رُكُوعٌ، فَلْيَرْكَعْ حِينَ يَدْخُلُ، ثُمَّ يَدِبُّ رَاكِعاً حَتَّى يَدْخُلَ فِي الصَّفِّ، فَإِنَّ ذٰلِكَ السُّنَّةُ۔

(الصحيحة:۲۲۹)

عطا کہتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور لوگ رکوع کی حالت میں ہوں تو داخل ہوتے ہی (نماز شروع کر کے) رکوع کرے۔ اور رکوع کی حالت میں آہستہ آہستہ چل کر صف میں داخل ہو جائے، ایسا کرنا سنت ہے۔

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ۱/ ۳۳/ ۱، من زوائد المعجمين الأوسط والصغير، وابن خزيمة في "صحيحه": ۱۵۷۱، والحاكم: ۱/ ۲۱٤، وعنه البيهقي: ۳/ ۱۰٦

(۵۳۳)۔ أَنَّ أَبَا بَكْرَةَ جَاءَ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ، ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاتَهُ، قَالَ: ((أَيُّكُمُ الَّذِي رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ؟)) فَقَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ: أَنَا۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً وَلَا تَعُدْ۔)) (الصحيحة: ۲۳۰)

جب حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ ﷺ رکوع کی حالت میں تھے، انھوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور چل کر صف میں داخل ہو گئے، جب آپ ﷺ نے نماز پوری کی تو فرمایا: ”تم میں سے کس نے صف سے پہلے رکوع کیا اور پھر چل کر صف میں داخل ہو گیا؟“ ابوبکرہ نے کہا: میں نے ایسے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تیری رغبت میں اضافہ کرے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔“

تخريج: رواه أبوداود، والطحاوي، وأحمد، والبيهقي، وابن حزم من حديث أبي بكرة

شرح:...... سیدنا عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے، جبکہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ یہ دو احادیث مبارکہ ظاہری طور پر متعارض ہیں۔ چونکہ دونوں احادیث نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہیں، اس لیے کسی ایک کے حق میں ذاتی رائے دیے بغیر دونوں پر عمل کرنے کے لیے جمع و تطبیق کی کوئی صورت پیش کرنی چاہیے، وگرنہ نسخ یا ترجیح کی صورت پر غور کیا جائے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے طویل بحث کرتے ہوئے ان دو احادیث مبارکہ میں یہ تطبیق دی ہے: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ مختلف احادیث کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیدنا ابوبکرہ کی حدیث میں نماز کی طرف جلدی چل کر آنے سے منع کیا گیا، نہ کہ صف سے پہلے رکوع کر کے صف کے ساتھ ملنے سے۔ کیونکہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکرہ کے جوتوں کی آواز سنی، وہ رکوع پانے کے لیے دوڑ رہے تھے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ دوڑنے والا کون تھا؟...... لہٰذا سیدنا ابن زبیر کی حدیث میں بیان کردہ صورت واقعی سنت ہے اور

ابوبکرہ کی حدیث میں اس سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ نماز کی طرف دوڑ کر آنے سے منع کیا گیا ہے۔ (مزید دیکھئے: صحیحہ: ۲۲۹، ۲۳۰)

اذان سننے والا مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرے

(٥٣٤)۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَنَّ أَعْمٰى أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أَسْمَعُ النِّدَاءَ وَلَعَلِّي لَا أَجِدُ قَائِدًا؟ قَالَ: ((إِذَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ، فَأَجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ١٣٥٤)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اذان تو سنتا ہوں لیکن میرے پاس کوئی ایسا قائد نہیں (جو مجھے مسجد میں لے آئے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اذان سنے تو اللہ تعالی کے داعی (کی پکار پر) لبیک کہہ (اور مسجد میں پہنچ)۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني: ١٩٧، وأبونعيم في "أخبار أصبهان" ٢/ ١٢٢، والبيهقي فى "السنن": ٣/ ٥٧، والطبراني فى "الاوسط" و "الكبير"

شرح: ...... جہاں نماز با جماعت عظیم کارِ ثواب ہے، وہاں اس کا اہتمام کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، جیسا ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ (سورۂ نساء: ١٠٢) ......''(اے محمد!) جب آپ ان میں ہوں اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ ان (مجاہدین صحابہ) کی ایک جماعت آپ کے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو۔''

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ حالتِ جنگ میں بھی نماز با جماعت کا حکم دیا جا رہا ہے، امن کی حالت میں جماعت کی اہمیت کا خود اندازہ لگا لیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبُ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ ......)) (بخاری، مسلم) ......''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے یہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر کسی کو کہوں کہ وہ نماز پڑھائے، اور میں خود ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔''

جو پیغمبر مومنوں کے حق میں ان کے نفسوں سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، جس پر مومنوں کی تکلیف اور مشقت بڑی گراں گزرتی ہے، جو اپنے امتیوں کی دنیوی خیریت اور اخروی عافیت کا سب سے زیادہ حریص ہے، وہی پیغمبرِ خدا اپنے پیروکاروں کے گھروں کو جلا ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ صرف جماعت کے ساتھ حاضری نہ دینے کی وجہ سے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهٗ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔)) (ابو داود، ابن ماجه) ......''جو آدمی اذان سننے کے باوجود نماز با جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔''

قارئین کرام! شاید آپ بھی اس حقیقت کے قائل ہوں کہ جو روحانی تسکین نماز باجماعت سے حاصل ہوتی ہے، اکیلے نماز پڑھنے والا آدمی اس سے کوسوں دور ہے، جماعت کے بہانے مسلمان کا زیادہ وقت اللہ تعالی کے ذکر میں گزر جاتا ہے، فجر کی نماز کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ آپ باوضو ہو کر گھر میں یا مسجد میں سنتیں ادا کر کے جماعت کے انتظار میں ذکر میں مصروف ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر جماعت میں تقریبا چالیس، پچاس یا اس سے بھی زیادہ آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، سلام پھرنے کے بعد ذکر و اذکار کرنے کا موقع ملتا ہے، اس طرح تقریباً گھنٹہ، پون گھنٹہ اللہ تعالی کے ذکر میں گزرتا ہے اور دن کی حسین انداز میں ابتدا ہو جاتی ہے اور دل میں مخصوص قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس منفرد آدمی کیسے نماز پڑھتا ہے، اس کا کتنا وقت صرف ہوتا ہے، اس کو کتنی تسکین نصیب ہوتی ہے؟ آپ خود بہتر اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اگر کوئی آدمی روحانی طور پر اکیلے اور باجماعت نماز ادا کرنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا، یا جماعت رہ جانے کی وجہ سے اسے کسی قسم کی ندامت اور افسوس نہیں ہوتا، تو اسے اس حقیقت کا قائل ہونا پڑے گا کہ ایسا شخص ایمان کی شیریں اور اسلام کی مٹھاس سے محروم ہے۔ کہاں ستائیس نمازوں کا ثواب اور کہاں ایک نماز کا اجر، کہاں آدھ پون گھنٹہ کی عبادت اور کہاں تین چار منٹوں کی عبادت۔

قارئین کرام! ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں باورچی یا ہوٹل کا کھانا مزیدار ہوتا ہے، فلاں دوکان کے جوتے معیاری ہوتے ہیں، فلاں درزی کا سلائی کیا ہوا سوٹ خوبصورت ہوتا ہے، فلاں سبزی فروش اور دوکاندار کا سودا معیاری اور کم قیمت والا ہوتا ہے اور پھر جیب اجازت دے تو ہم ان ہی دوکانوں اور دوکانداروں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کیوں نہیں کہہ سکتے ہیں نمازِ باجماعت میں زیادہ سکون نصیب ہوتا ہے، مسجد میں نماز کی ادائیگی کا لطف ہی انوکھا ہے؟ (اللہ تعالی ہمارے حالات پر رحم فرمائیں۔ آمین)

امام کی اقتدا کرنا

(٥٣٥)۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَاتَسْبِقُوْا قَارِئَكُمْ بِالرُّكُوْعِ وَ السُّجُوْدِ، وَلٰكِنْ هُوَ يَسْبِقُكُمْ۔))

(الصحيحة: ١٣٩٣)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز ادا کرنے کے لیے (کسی امام کی اقتدا میں) کھڑے ہو جاؤ تو رکوع و سجود کرنے میں امام سے پہل نہ کیا کرو بلکہ وہ تم سے پہل کرے گا۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" ٥٦

شرح:...... کسی کو امام تسلیم کرنے کا اولین تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کی مکمل پیروی کی جائے، نبی کریم ﷺ نے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: ((اَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ

حِمَارٍ۔)) (بخاری، مسلم) ... ”جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالی اس کا سر گدھے کا سر بنا دے۔“

مقتدیوں کو چاہئے کہ رکوع و سجود کے لیے جھکنے یا سر اٹھانے میں نہ امام سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں اور نہ اس کے ساتھ ساتھ چلیں، بلکہ امام کی اقتدا میں اس کے پیچھے پیچھے چلیں، جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی سجدہ کے لیے اس وقت تک اپنی کمر نہیں جھکاتا تھا، جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھ دیتے۔ (بخاری، مسلم)

(٥٣٦)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي قَدْ بَدَّنْتُ، فَإِذَا رَكَعْتُ فَارْكَعُوْا وَإِذَا رَفَعْتُ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا سَجَدْتُ فَاسْجُدُوْا، وَلَا أُلْفِيَنَّ رَجُلاً يَسْبِقُنِي إِلَى الرُّكُوْعِ وَلَا إِلَى السُّجُوْدِ۔)) (الصحيحة: ١٧٢٥)

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرا جسم بھاری ہو گیا ہے، سو تم اس وقت رکوع کیا کرو جب میں رکوع کروں اور اس وقت سجدہ کیا کرو جب میں سجدہ کروں اور اس طرح ہرگز نہ ہونے پائے کہ رکوع و سجود کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی سبقت لے جائے۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٩٦٢

(٥٣٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ ﷺ يُعَلِّمُنَا يَقُوْلُ: ((لَا تُبَادِرُوْا الْإِمَامَ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَالَ ﴿وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا: آمِيْن فَإِنَّهُ إِذَا وَافَقَ كَلَامُهُ كَلَامَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَلَا تَرْفَعُوْا قَبْلَهُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔)) (الصحيحة: ٣٤٧٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کی تعلیم دی اور فرمایا: ”رکوع و سجود کرنے میں امام سے پہل نہ کرو، جب وہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہے تب تم "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہو، جب وہ "وَلَا الضَّالِّيْن" کہے تو تم ”آمین“ کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کر گئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے، جب امام رکوع کرے تب تم رکوع کرو، جب وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہے تو تم "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد" کہو اور اس سے پہلے سر مت اٹھاؤ اور (اسی طرح) جب وہ سجدہ کرے تو تب تم سجدہ کرو۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٢٠، وأبو عوانة: ٢/ ١٢١، والبيهقي في "سننه": ٢/ ٩٢، وأحمد: ٢/ ٤٤٠، وأخرجه البخاري: ٧٨٢، ٤٤٧٥، والنسائي: ١/ ١٤٧

شــــرح :...... مقتدیوں پر امام کا اولین اور بنیادی حق یہ ہے کہ وہ نماز کے ارکان کی ادائیگی میں اس کی پیروی کریں، بعض مقتدیوں نے رکوع وسجود کے لیے جھکنے اور اٹھنے کے لیے اپنی روٹین بنائی ہوتی ہے، اس بنا پر وہ معمولی طوالت کے ساتھ نماز پڑھانے والے امام سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میں نے خود ایسے مقتدی دیکھے ہیں کہ جب وہ معمولی لمبی نماز پڑھانے والے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں تو ابھی امام "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنے کے بعد "حمدا کثیرا ......" کہنے کا ارادہ ہی کرتا ہے، کہ وہ سجدے کے لیے زمین پر گھٹنے ٹیک چکے ہوتے ہیں، اب وہ بیچارے نہ واپس پلٹنے کے رہتے ہیں اور نہ مزید آگے بڑھنے کے، نتیجتاً اسی کیفیت میں عجیب سا ڈیزائن بنا کر امام کے جھکنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

اس سلسلے میں اصل قصوروار انتہائی مختصر نماز پڑھانے والے اور اسی پر برقرار رہنے والے امام ہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ مقتدیوں کے خیر خواہ بن کر نمازوں کے سلسلے میں ان کی تربیت کریں، ان کو نمازوں کی روح اور شیرینی سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیں اور نماز میں طویل وخفیف دونوں انداز اختیار کر کے ان کو اپنی اقتدا کا پابند بنائیں۔ نہ کہ عرصۂ دراز سے جاری رہنے والی روٹین کا اور انھیں درج ذیل حدیث کا مصداق بننے سے بچائیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُّحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ .)) (بخاری، مسلم) ......"جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا اسے اس بات کا ڈر نہیں کہ اللہ تعالی اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے۔"

مقتدی کے لیے امام کی اقتدا کے تقاضے

(٥٣٨)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّهُمْ: كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ، فَإِذَا رَكَعَ رُكُوْعاً، وَإِذَا قَالَ: ((سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔)) لَمْ يَزَالُوْا قِيَاماً حَتّٰى يَرَوْهُ قَدْ وَضَعَ وَجْهَهُ (وَفِي لَفْظٍ: جَبْهَتَهُ) فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يَتَّبِعُوْنَهُ۔ الصحيحة:(٢٦١٦)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے، جب آپ ﷺ رکوع کرتے تب وہ رکوع کرتے، جب آپ ﷺ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہتے تو صحابہ (رکوع سے اٹھ کر) کھڑے رہتے اور جب دیکھتے کہ آپ ﷺ نے اپنا چہرہ یا پیشانی (سجدے کے لیے) زمین پر رکھ دی ہے تو پھر آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے (سجدے کے لیے جھکتے)۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٤٦، وأبوداود: ٦٢٢، وعنه أبو عوانة: ٢/ ١٧٩. والطبراني في"الأوسط": ٢/ ٢٩٥/ ١_٢

شــــرح :...... یہ حدیث متابعتِ امام کا معیار اور کسوٹی ہے کہ جب امام دوسری حالت میں منتقل ہو چکے تو مقتدی اس کی پیروی میں منتقل ہونا شروع ہوں۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مقتدی کو اس وقت سجدے کے لیے جھکنا چاہیے، جب امام اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے۔ لیکن بلا استثنا کہنا پڑے گا کہ اکثر مسلمانوں نے اس ادب اقتدا میں غفلت برتی ہے، حتی کہ اتباع سنت کے حریص لوگ بھی لاشعوری طور پر اس حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں کہا:

اس حدیث میں نماز کے ایک ادب کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ مقتدی کو اس وقت تک نہیں جھکنا چاہیے، جب تک امام اپنی پیشانی زمین پر رکھ نہ دے۔ ہاں اگر کسی مقتدی کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اقتدا میں اس قدر تاخیر کی صورت میں امام اپنا سر سجدے سے اٹھا لے گا، تو ایسی صورتوں کے بارے میں ہمارے اصحاب نے کہا: اس قسم کی احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی کو امام (کے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ) اس سے کچھ پیچھے رہنا چاہیے، یعنی جب امام کسی رکن کی ادائیگی شروع کر چکے تب مقتدیوں کو اس کو ادا کرنے کا آغاز کرنا چاہیے۔ (صحیحہ: ۲٦۱٦)

امام کے قریب کون لوگ کھڑے ہوں؟

(۵۳۹)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ: كَانَ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يَلِيَهُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْأَنْصَارُ لِيَحْفَظُوْا عَنْهُ۔ (الصحيحة: ۱٤۰۹)

حضرت انس بن مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پسند کرتے تھے کہ (نماز میں) مہاجر اور انصار لوگ آپ کے قریب کھڑے ہوں تاکہ وہ آپ کے ادا کردہ (احکامِ نماز کو) یاد کریں۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۹۷۷، وابن حبان: ۸۷، والحاكم: ۱/ ۲۱۸، وأحمد

شرح: ......سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوْا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔)) (مسلم) ......''تم میں سے جو لوگ عقلمند اور سمجھدار ہیں وہ میرے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو (عقل و دانش میں) ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مہاجرین و انصار کا مرتبہ ہر لحاظ سے مسلّم تھا۔ یعنی دین کی خدمت، دین کا فہم، دین کی تبلیغ اور آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے، غرضیکہ ہر اعتبار سے وہ مقدم تھے، اس لیے آپ ﷺ نے بالخصوص ان کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کھڑے ہوں، تاکہ آپ ﷺ کے افعال و اقوال کو سمجھیں اور پھر دوسری نسلوں کی طرف منتقل کریں۔

آج کل مساجد میں ان احادیث کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۵٤۰)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھا

فَصَلُّوْا جُلُوْساً۔)) (الصحيحة: ١٣٦٣) کرو۔‘‘

تخریج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف" ۲/ ٦٥/ ۲

شرح:......اس مسئلہ میں نبی کریم ﷺ سے دو قسم کی احادیث روایت کی گئی ہیں، جو بظاہر متعارض ہیں:

۱۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ ...... وَاِذَا صَلّٰى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا اَجْمَعِيْنَ۔)) (بخاری، مسلم) ......’’امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے ...... جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھا کرو۔‘‘

۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے مرض الموت کے دوران شدتِ تکلیف کی بنا پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن تھوڑی دیر بعد نبی کریم ﷺ کو افاقہ ہوا اور آپ ﷺ دو صحابہ کے سہارے مسجد کی طرف چل پڑے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔ اب آپ ﷺ امام تھے اور ابو بکر صدیق آپ ﷺ کی اور لوگ ابو بکر صدیق کی اقتدا کر رہے تھے۔ اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ بیٹھے تھے اور مقتدی کھڑے تھے۔ (بخاری، مسلم) (روایت کا مفہوم پیش کیا گیا ہے)۔

ثابت ہوا کہ شروع میں نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اس حال میں لوگ بھی بیٹھے تھے، لیکن وفات سے قبل جو عمل پیش کیا، اس میں آپ ﷺ بیٹھے تھے اور تمام مقتدی کھڑے تھے۔ ان دو احادیث میں بظاہر تضاد اور تناقض ہے، مختلف ائمۂ اسلام نے جمع و تطبیق کی مختلف صورتیں پیش کی ہیں، چند ایک اہم صورتوں کا تذکرہ کر کے راجح مسلک کی نشاندہی کی جائے گی۔

۱۔ پہلی یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث منسوخ ہو گئی ہے، اب صرف وہی صورت باقی ہے، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

۲۔ بیٹھ کر نماز پڑھانا نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی امام بھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھا سکتا۔

۳۔ اگر مقتدی حضرات نماز کا آغاز ایسے امام کی اقتدا میں کریں جو شروع سے بیٹھا ہو تو سارے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور اگر مقتدی، کھڑے ہونے والے امام کے پیچھے نماز کی ابتدا کریں لیکن بعد میں کسی عذر کی بنا پر امام کی کیفیت بدل جائے تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں گے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا تقاضا ہے۔

۴۔ دونوں احادیث پر عمل کرنا درست ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جواز پیش کیا گیا ہے، افضل یہی ہے کہ امام کی اقتدا میں مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں، کیونکہ آپ ﷺ نے اس صورت کا واضح حکم دیا ہے۔

ان چاروں صورتوں میں معقول وجوہات بیان کی گئی ہیں، بہر حال چوتھی صورت راجح معلوم ہوتی ہے (ان شاء اللہ

العزیز)، کیونکہ اس طرح دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو جائے گا، وگرنہ پہلی صورت کو ترجیح دی جائے گی۔

امام ضامن ہے

(۵٤۱)۔ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: كَانَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِي يُقَدِّمُ فِتْيَانَ قَوْمِهِ يُصَلُّوْنَ بِهِمْ، فَقِيْلَ لَهُ: تَفْعَلُ وَلَكَ مِنَ الْقِدَمِ مَالَكَ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((الإِمَامُ ضَامِنٌ، فَإِنْ أَحْسَنَ فَلَهُ وَلَهُمْ. وَإِنْ أَسَاءَ۔ يَعْنِي۔ فَعَلَيْهِ وَلَهُمْ۔)) (الصحيحة: ۱۷٦۷)

ابو حازم کہتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے اپنی قوم کے نوجوانوں کو آگے کرتے تھے۔ انھیں کہا گیا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ مقام ومرتبہ کے حامل ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''امام ذمہ دار ہے، اگر اس نے اچھے انداز میں نماز پڑھائی تو اسے بھی ثواب ملے گا اور نمازیوں کو بھی اور اگر اس نے صحیح انداز میں نماز نہ پڑھائی تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، نمازیوں کو ثواب ہی ملے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۹۸۱

شرح:...... نماز، دین اسلام کا اہم ترین رکن ہے، اس کی قبولیت اور عدم قبولیت یا اجر و ثواب میں کمی بیشی کا امام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے عوام کے محبوب آدمی کو امامت کے لیے منتخب کرنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ لوگ امام کی جس قدر زیادہ عزت کریں گے، اسی قدر ان کو اس کی اقتدا میں نماز میں لطف محسوس ہوگا۔ یاد رہے امامت و خطابت بنیادی طور پر کمائی کے ذرائع نہیں، بلکہ لوگوں کی خیر وفلاح کے اسباب ہیں، معاشرے میں بگاڑ اس وقت پیدا ہوگا جب مسجد کے وڈیرے امام کو اپنا ملازم اور امام اپنے آپ کو تنخواہ دار مولوی سمجھنے لگے گا۔ معاشرے کے افراد اس نکتے سے غفلت مت برتیں کہ ان کی نمازوں کا تعلق مسجد کے امام سے ہے اور امام اپنے اس عظیم منصب سے غافل نہ ہو جائے کہ وہ مسجد والوں کے لیے حق و باطل کا معیار اور ان کا ہادی و رہبر ہے۔ نمازوں کے اوقات کا تحفظ کرنا، مقتدیوں کی صورتحال کو سامنے رکھنا اور امام کا اپنے آپ کو عوام کے لیے ان کی محبوب شخصیت ثابت کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں، جن کی پاسداری کرنا صرف اور صرف امام کے ذمے ہے۔ امام کو چاہئے کہ وہ عصبیت اور بے جا طرفداری میں آکر تفرقہ بازی کا درس نہ دے، بلکہ تمام نمازی بھائیوں کی خوشی غمی میں شریک ہو اور اہل مسجد کے مابین کوئی جھگڑا پیدا ہونے کی صورت میں مصلح کی حیثیت سے سامنے آئے اور کسی ایک فریق کی بے جا طرفداری نہ کرے۔

امام ہر دلعزیز ہونا چاہئے

(۵٤۲)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاةٌ، وَلَا تَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ، وَلَا تُجَاوِزُ رُؤُوْسَهُمْ: رَجُلٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ہیں، ایسے ان کی نماز قبول ہوتی ہے، نہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور نہ ان

أَمَّ قَوْماً وَهُمْلَهُ كَارِهُوْنَ، وَرَجُلٌ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ وَلَمْ يُؤْمَرْ، وَأَمْرَأَةٌ دَعَاهَا زَوْجُهَا مِنَ اللَّيْلِ فَأَبَتْ عَلَيْهِ.)) (الصحيحة:٦٥٠)

کے سروں سے اوپر اٹھتی ہے: وہ آدمی جو لوگوں کی امامت کروائے اور وہ (کسی شرعی عذر کی بنا پر) اسے ناپسند کرنے والے ہوں، وہ آدمی جو حکم کے بغیر نماز جنازہ پڑھائے اور وہ عورت جسے خاوند رات کو بلائے اور وہ انکار کر دے۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١٦١/١

شــرح:...... شرعی اعتبار سے امام کو چاہیے کہ وہ محبوب شخصیت کا حامل ہو، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مقتدیوں کی نماز کی قبولیت اور عدم قبولیت کے ساتھ امام کا گہرا تعلق ہے، اسے چاہئے کہ وہ لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ غور فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ اعتکاف کی حالت میں تھے، آپ کی بیوی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے آئیں، وہ کچھ دیر تک آپ ﷺ کے ساتھ محو گفتگو رہیں، جب وہ واپس جانے لگیں تو آپ ﷺ مسجد کے دروازے تک ان کے ساتھ آئے، وہاں سے دو انصاریوں کا گزر ہوا، انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کہا اور (چل دیے)، لیکن آپ ﷺ نے (اپنی صفائی بیان کرنے کے لیے) فرمایا: ''ذرا ٹھہرو، یہ (میری بیوی) صفیہ ہے۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ (بڑا تعجب ہے)، یہ بات ان پر بڑی گراں گزری۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک شیطان ابن آدم کے خون کے مقامات تک پہنچ جاتا ہے، مجھے یہ خطرہ لاحق ہونے لگا کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہارے دل میں کوئی خیال ڈال دے۔'' (بخاری، مسلم) یہ نبی کریم ﷺ تھے، جو صحابہ کرام کے حسنِ ظن کو برقرار رکھنے کے لیے اصل صورتحال کی وضاحت کر رہے ہیں۔

اس لیے قوموں کے مذہبی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ شکوک و شبہات سے دور رہیں اور معصیت و نافرمانی سے باز رہیں، تاکہ عوام الناس کو کسی قسم کا سوئے ظن نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ایک امام کو صرف اس وجہ سے معزول کر دیا تھا کہ اس نے قبلہ رخ تھوک کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو تکلیف دی۔ (ابوداود)

اس باب کی حدیث سے متعلقہ انتہائی ضروری تنبیہ یہ ہے کہ قبول کے دو معانی ہیں: (۱) کفایت کرنا اور (۲) اطاعت کا اجر و ثواب ملنا۔

اس حدیث میں نماز کے قبول نہ ہونے سے مراد دوسرا معنی ہے، یعنی ان افراد سے فریضۂ نماز ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اس کے اجر و ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

نماز برائیوں سے روکتی ہے

(٥٤٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ فُلَاناً يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ؟ قَالَ: ((إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں آدمی رات کو نماز تو پڑھتا ہے لیکن صبح کو چوریاں کرتا ہے۔ آپ ﷺ

مَایَقُوْلُ۔)) (الصحیحۃ: ۳٤۸۲)

نے فرمایا: ''عنقریب اس کا (یہ نیک) عمل اسے ایسا کرنے سے روک دے گا۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ۲/ ٤٤۷، والبزار

شرح :...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (سورۂ عنکبوت: ٤٥) ...... ''اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔''

اسی قانون کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے رات کو نماز ادا کر کے دن کو چوری کرنے والے کے بارے حسنِ ظن کا اظہار کیا کہ عنقریب اس کی نیکی اس کو اس برائی سے روک دے گی۔

دراصل نبی کریم ﷺ حکمت و دانائی کے اوصاف سے بدرجۂ اتم متصف تھے اور ہر آدمی کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ دیتے تھے۔

نماز گناہوں کا اثر زائل کر دیتی ہے

(٥٤٤)۔ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((أَرَأَيْتَ لَوْكَانَ بِفِنَاءِ أَحَدِكُمْ نَهْرٌ يَجْرِي، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، مَاكَانَ يَبْقِى مِنْ دَرَنِهِ؟)) قَالُوْا: لَاشَيْءَ، قَالَ: ((إِنَّ الصَّلَوَاتِ تُذْهِبُ الذُّنُوْبَ كَمَا يُذْهِبُ الْمَاءُ الدَّرَنَ۔)) (الصحیحۃ: ۱٦۱٤)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''تمھارا کیا خیال ہے اگر کسی کے صحن کے پاس سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کرتا ہو، تو کیا کچھ میل کچیل باقی رہے گی؟'' صحابہ نے کہا: ذرا برابر (میل باقی) نہیں رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نمازیں بھی گناہوں کو ایسے مٹا دیتی ہیں، جیسے پانی میل کو ختم کر دیتا ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ۱/ ۷۱۔ ۷۲، وابن نصر في"الصلاة": ۱۷/ ۱، والضياء في "المختارة": رقم ۲۹۸۔ ۲۹۹ بتحقيقي

شرح :...... نبی کریم ﷺ نے نماز کی فضیلت و عظمت سمجھانے کے لیے محسوس چیز کی مثال دے کر امتیوں کے اذہان و قلوب کو غیر محسوس چیز کی طرف منتقل کرنا چاہا ہے، یعنی ہر کوئی نہانے سے میل کچیل کے صاف ہو جانے کو محسوس کرتا ہے، یہی معاملہ نماز کا ہے کہ اس کی وجہ سے نمازی کی روح سے گناہوں کی نجاست دور ہو جاتی ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ۔)) (مسلم) ...... ''پانچ نمازوں (میں سے ہر نماز دوسری نماز تک) اور ہر جمعہ دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔''

ذہن نشین رہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم بھی ہے کہ جو انسان سات آٹھ دنوں تک، یا انتیس تیس دنوں تک، یا کئی مہینوں تک غسل نہیں کرتا، اس کی ظاہری کیفیت کیا ہوتی ہے؟ ہر کوئی بخوبی سمجھتا ہے کہ نجاست اور میل کچیل سے اس قدر لتھڑا ہوا ہوگا کہ اس سے کراہت ہوگی، کوئی بشر اس کے قریب پھٹکے گا نہ اس کو اپنے قریب آنے دے گا۔ اسی طرح جو آدمی کچھ دنوں تک یا کئی مہینوں تک نماز کی ادائیگی سے غافل رہتا ہے، وہ روحانی طور پر اتنا نجس اور گندا ہو جاتا ہے کہ اس کے بدنما چہرے سے نحوست ٹپک رہی ہوتی ہے۔

جو لوگ روزانہ نہانے اور کپڑے تبدیل کرنے کے عادی ہے اور جسم اور لباس پر ذرا سا داغ ان کو بے چین کر دیتا ہے، انہیں ہر وقت آنکھ، ناک، منہ، کان اور ناخنوں کی صفائی کی فکر لگی رہتی ہے، لیکن وہ نماز سے غافل ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اس حدیث میں بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہے۔ ان کو اپنی روح کی پاکیزگی کی بھی فکر کرنی چاہیے۔

(٥٤٥)۔ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الْمُسْلِمَ يُصَلِّي وَخَطَايَاهُ مَرْفُوْعَةٌ عَلٰى رَأْسِهِ، كُلَّمَا سَجَدَ تَحَاتَتْ عَنْهُ، فَيَفْرُغُ مِنْ صَلَاتِهِ، وَقَدْ تَحَاتَتْ خَطَايَاهُ۔)) (الصحيحة: ٣٤٠٢)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مسلمان نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس کے سر پر رکھ دیے جاتے ہیں، جب بھی وہ سجدہ کرتا ہے تو وہ گر جاتے ہیں، جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ چکے ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٦/ ٣٠٧/ ٦١٢٥، وفي "الصغير": صـ ٢٣٧، وابن حاتم في "العلل": ١/ ١٢٤/ ٣٤٢، والأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٨٠٠/ ١٩٥٧.

(٥٤٦)۔ عَنْ أَبِي الْمُنِيْبِ، قَالَ: رَأَى ابْنُ عُمَرَ فَتًى قَدْ أَطَالَ الصَّلَاةَ، وَأَطْنَبَ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَعْرِفُ هٰذَا، فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا أَعْرِفُهُ، فَقَالَ: أَمَا إِنِّي لَوْ عَرَفْتُهُ لَأَمَرْتُهُ بِكَثْرَةِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ أُتِيَ بِذُنُوْبِهِ كُلِّهَا فَوُضِعَتْ عَلٰى عَاتِقَيْهِ، فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ۔)) (الصحيحة: ١٣٩٨)

ابو منیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو مبالغے کی حد تک لمبی نماز پڑھتے دیکھا اور پوچھا: اس نوجوان کو کون جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں جانتا ہوں۔ آپ نے کہا: اگر میں اسے جانتا ہوتا تو اسے (طوالت کی بجائے) زیادہ رکوع و سجود کرنے کا حکم دیتا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہ اس کے کندھوں پر رکھ دیے جاتے ہیں، جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے تو اس کے گناہ گر جاتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه محمد بن نصر في "الصلاة" ٦٤/ ٢ و في "قيام الليل" صـ ٥٢، وأبو نعيم في "الحلية"

۶/ ۹۹۔ ۱۰۰

شرح:...... نماز کا بندے کے گناہوں کے جھڑنے کے ساتھ گہرا تعلق ہے، ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے گناہوں کے جھڑنے کا پیارا انداز پیش کیا ہے، کیونکہ کندھوں اور سر پر رکھی گئی چیز جھکنے سے فوراً گر جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نمازوں کی ہیئت اور کیفیت ہمارے سامنے ہے، آپ ﷺ بعض نمازوں میں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے، جبکہ بعض نمازوں بالخصوص رات کی نماز میں لمبا قیام کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے طویل قیام والی نماز کو افضل بھی قرار دیا ہے۔ البتہ ضرور ہے کہ مختصر نماز پڑھتے وقت حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھا جائے۔

(۵۴۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: ((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ: مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔)) (الصحيحة:۳۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور جمعہ، دوسرے جمعہ تک اور ماہِ رمضان، اگلے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں کہ جن کا ارتکاب ان کے درمیانی وقفوں میں کیا جاتا ہے، جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۲/ ۴۰۰، ومسلم: ۱/ ۱۴۴، والبخاري في "التاريخ": ۳/ ۲/ ۱۴۰، وأخرجه احمد: ۲/ ۴۸۴، ومسلم ايضا والترمذي: ۲۱۴ دون ذكر ((ورمضان الى رمضان))

(۵۴۸)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔)) (الصحيحة:۱۹۲۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور جمعہ، اگلے جمعہ تک ان تمام گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، جو ان کے درمیانے وقفوں میں سرزد ہو جاتے ہیں، جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے اور (جمعہ) مزید تین دنوں میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ بھی بن جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ۹/ ۲۴۹، والبزار: رقم: ۳۴۷

شرح:...... معلوم ہوا کہ نمازوں کی ادائیگی جہاں اللہ تعالیٰ کے فریضہ کی تکمیل اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہے، وہاں گناہوں کے جھڑنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۵۴۹)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يُبْعَثُ مُنَادٍ عِنْدَ حَضْرَةِ كُلِّ صَلَاةٍ فَيَقُوْلُ: يَابَنِي آدَمَ قُوْمُوْا

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ہر نماز کا وقت شروع ہوتا ہے تو ایک منادی کرنے والے کو بھیجا جاتا ہے، وہ یوں اعلان کرتا ہے کہ:

فَأَطْفِئُوْا عَنْكُمْ مَا أَوْقَدتُّمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَيَقُوْمُوْنَ فَيَتَطَهَّرُوْنَ فَتَسْقُطُ خَطَايَاهُمْ مِنْ أَعْيُنِهِمْ ، وَيُصَلُّوْنَ فَيُغْفَرُلَهُمْ مَا بَيْنَهُمَا ، ثُمَّ تُوْقِدُوْنَ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ، فَإِذَاكَانَ عِنْدَ صَلَاةِ الْأُوْلٰى نَادٰى:يَا بَنِي آدَمَ قُوْمُوْا فَأَطْفِئُوْا مَا أَوْقَدتُّمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، فَيَقُوْمُوْنَ فَيَتَطَهَّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ فَيُغْفَرُلَهُمْ مَابَيْنَهُمَا ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْعَصْرُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْمَغْرِبُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْعَتَمَةُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ ، فَيَنَامُوْنَ وَقَدْ غُفِرَلَهُمْ ، ثُمَّ قَالَ: فَمُدْلِجٌ فِي خَيْرٍ ، وَمُدْلِجٌ فِي شَرٍّ۔))

(الصحيحة:٢٥٢٠)

آدم کے بیٹو! اٹھو اور اس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے نفسوں کے لیے جلائی ہے۔ (جب وہ اس اعلان کا لحاظ کر کے) کھڑے ہوتے ہیں اور وضو کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے گناہ گر جاتے ہیں اور جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو اِس اور سابقہ نماز کے درمیانی وقفے میں ہونے والے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ پھر تم لوگ (گناہ کر کے) آگ جلاتے ہو، جونہی ظہر کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو اعلان کرنے والا پھر اعلان کرتا ہے: بنو آدم! اٹھو اور اس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے نفسوں کے لیے جلائی ہے۔ وہ پھر کھڑے ہوتے ہیں، وضو کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں یوں اس نماز اور سابقہ نماز کے مابین ہونے والے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ جب عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے، جب مغرب کا وقت ہوتا ہے تو یہی معاملہ پیش آتا ہے اور جب عشا کا وقت ہوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے۔ پس جب لوگ سوتے ہیں تو وہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعض لوگ خیر سے متصف ہو کر دن گزارنے والے ہیں اور بعض شرّ میں لتھڑ کر۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ٣/ ٦٩/ ٢، وعنه أبو نعيم في "الحلية": ٤/ ١٨٩

شرح:...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نمازوں کی ادائیگی کی رغبت دلائی اور ان سے بے رخی اختیار کرنے سے باز رکھنے کے لیے ایک انوکھا اور عجیب انداز اختیار کیا ہے۔ گناہوں کی معافی کا کام قسطوں میں ہوتا رہے تو بہتر ہے۔

بے نماز مسلمان نہیں ہے

(٥٥٠)۔ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ ، عَنْ أَبِيْهِ مِحْجَنٍ: أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأُذِّنَ بِالصَّلَاةِ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى ، ثُمَّ رَجَعَ ، وَمِحْجَنٌ فِي

بسر بن محجن اپنے باپ حضرت محجن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مجلس میں شریک تھے، نماز کے لیے اذان ہوئی، آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ جب (نماز پڑھ کر) واپس آئے تو دیکھا کہ

مَجْلِسِهِ لَمْ يُصَلِّ مَعَهُ. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ؟ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ؟)) فَقَالَ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلٰكِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ، وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ.)) (الصحيحة:١٣٣٧)

مجلس وہیں بیٹھا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”کس چیز نے تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے روک دیا؟ کیا تو مسلمان نہیں ہے؟“ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، (میں مسلمان ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ) میں نے اپنے گھر میں نماز ادا کر لی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو آئے (اور لوگ نماز پڑھ رہے ہوں) تو ان کے ساتھ نماز ادا کر لیا کر، اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو۔“

تخريج: أخرجه مالك في "الموطأ" ١/ ١٣٢/ ٨ وعنه النسائي: ١/ ١٣٧، وابن حبان: ٤٣٣، والحاكم: ١/ ٢٤٤، وأحمد: ٤/ ٣٤

شرح:...... نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے، یہ خام خیالی ہے کہ نماز کے بغیر اسلام کی عمارت قائم رہ سکے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.﴾ (سورۂ روم: ٣١)

...... ”نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔“

ارشادِ نبوی ہے:

((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ.)) (صحيح مسلم: ٨٢)

...... ”(مسلمان) آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) نماز کا چھوڑنا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دینا شروع کر دو اور اگر وہ دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کرے تو اس (جرم) پر اسے سزا دو۔ (ابوداود:۴۹۴)

غور فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کو جس آدمی کے بارے میں یہ شبہ ہوا کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، اس کے اسلام کی نفی کر دی۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ.)) (بخاری، مسلم)

...... ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی ہی معبودِ برحق ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

اس حدیث میں جو مسئلہ سمجھانا مطلوب ہے کہ نظم کا خیال رکھتے ہوئے جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لینی

چاہئے، جیسا کہ گھر میں نماز پڑھ لینے والے دو آدمیوں سے فرمایا:

((اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَصَلِّيَا مَعَهُ فَإِنَّهَا لَكُمْ نَافِلَةٌ۔))

(ابو داود، ترمذی، نسائی)

......''اگر گھروں میں نماز پڑھ چکنے کے بعد امام کو اس حال میں پا لو کہ اس نے ابھی تک نماز نہ پڑھائی ہو تو اس کے ساتھ تم بھی نماز پڑھ لو یہ (دوسری دفعہ والی نماز) تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔''

ترکِ نماز کے بعد دین کی تمام علامات منہدم ہو جاتی ہیں

(۵۵۱)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((أَوَّلُ مَاتَفْقُدُوْنَ مِنْ دِيْنِكُمُ الْأَمَانَةُ، وَآخِرُهُ الصَّلَاةُ۔)) (الصحيحة:۱۷۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ سب سے پہلے اپنے دین سے امانت کو اور سب سے آخر میں نماز کو مفقود پاؤ گے۔''

تخريج: أخرجه الخرائطي في "مكارم الأخلاق": صـ ۲۸، وتمام الرازي في "الفوائد": ق ۳۱/ ۲، والضياء في "المختارة": ۱/ ٤٩٥، ورواه ابو نعيم في "الحلية": ٦/ ٢٦٥، و "الأخبار": ۲/ ۲۱۳ دون ذكر الامانة

شرح:...... امانت، ایمان کی علامت ہے۔ امانت کی حفاظت و صیانت انسانی معاشرے میں جنت نظیر ماحول پیش کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ مسلمان کی جان، عزت اور مال دوسرے مسلمان کے لیے امانت ہیں۔ ایک مسلمان کو جس قدر اپنی عزتوں اور حرمتوں کا پاس و لحاظ ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر اسے چاہئے کہ وہ بحیثیتِ امین دوسرے کی عزتوں کا بھی تحفظ کرے، جو انسان اس عظیم صفت سے محروم ہے، اسے منافق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنی امانتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ دین کا بگاڑ خیانت کرنے کی صورت میں شروع ہوگا، اور پھر بڑھتا ہی چلا جائے گا، حتی کہ بات ترکِ نماز تک جا پہنچے گی اور اس طرح بندہ کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ نماز کی اہمیت پہلے کئی مقامات پر بیان ہو چکی ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے دین کے معاملے میں نماز سے بھی غافل ہو جاتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ مکمل کا مکمل دین اس سے روٹھ چکا ہے، کیونکہ نماز کے بعد بظاہر دین کی کوئی رمق اور علامت باقی نہیں رہتی، معلوم ہوا کہ ترکِ نماز کے بعد آدمی کا اپنے آپ کو دیندار یا دین والا سمجھنا محض اس کی خام خیالی ہوگی۔

دورانِ جماعت امام کو لقمہ دینا

(۵۵۲)۔ عَنِ ابْنِ اَبْزٰى، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَغْفَلَ آيَةً، فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ: ((اَوَفِي الْقَوْمِ اُبَيٌّ؟)) فَقَالَ اُبَيٌّ: آيَةُ كَذَا

ابن ابزی اپنے باپ ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت کو نظر انداز کر دیا، نماز سے فراغت کے بعد پوچھا: ''آیا لوگوں میں اُبی موجود

نُسِخَتْ اَمْ نَسِيْتَهَا؟ قَالَ: ((بَلْ أُنْسِيْتُهَا۔)) (الصحيحة:٢٥٧٩)

ہے؟'' سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: فلاں آیت منسوخ ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ مجھے بھلا دی گئی ہے۔''

تخریج: رواہ الحربی فی "الغریب": ٥/ ١٨٤/ ٢

شــــرح :...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مختلف انداز میں کئی دفعہ بھولے ہیں، بعض مثالوں کا تذکرہ اسی کتاب میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ وجہ بیان کی ہے: میں تمہاری طرح بشر ہوں اور بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو، اگر آئندہ ایسا ہو تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ لیکن ان مثالوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شرعی امر کو مستقل طور پر بھول گئے ہوں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: قراءت میں التباس کی صورت میں امام کو لقمہ دینے کی اس حدیث میں واضح دلالت موجود ہے۔ بعض مسلک والوں کا خیال ہے مقتدی امام کو لقمہ دینے سے پہلے قراءت کی نیت کرے، اس رائے کو بیان کر دینا ہی اس کے مردود ہونے کے لیے کافی ہے۔ (صحیحہ: ٢٥٧٩)

نماز میں امام کو لقمہ دینا درست ہے، مزید دلائل درج ذیل ہیں:

سیدنا مسور بن یزید مالکی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہری نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کے دوران (قرآن کے ایک حصے) کی تلاوت نہ کی۔ (نماز سے فراغت کے بعد) ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هَلَّا أَذْكَرْتَنِيهَا؟!)) ......''تو پھر آپ نے مجھے یاد کیوں نہیں کرایا۔'' (ابوداود: ٩٠٧)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز پڑھائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت شروع کی تو وہ آپ پر خلط ملط ہونے لگی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو سیدنا اُبی سے فرمایا: ''تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَمَا مَنَعَكَ۔)) ......''تو پھر تجھے کس چیز نے روکا (کہ تو مجھے لقمہ دے)۔'' (ابوداود: ٩٠٧/م)

ان دلائل سے یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے، لیکن درج ذیل حدیث قابل غور ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ((يَا عَلِيُّ! لَا تَفْتَحْ عَلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ.)) ......''اے علی! نماز میں امام کو لقمہ نہ دیا کرو۔'' (ابوداود: ٩٠٨)

لیکن اس حدیث کی سند میں حارث بن عبد اللہ اعور "ضعیف جدًّا" ہے اور اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔

نماز کا انتظار بھی نماز ہے

(٥٥٣)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمَرْءُ فِي

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَهَا۔)) (الصحيحة:٢٣٦٨) ''جب تک آدمی نماز کا انتظار کرتا رہے، وہ نماز کے حکم میں رہتا ہے۔''

تخریج: أخرجه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند":ق١٣٧/ ١۔مصورة المكتب، واحمد: ٣/ ٣٦٧

شرح:...... اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والے کو نماز ہی کا حکم دے دیا جائے، ان لوگوں کو غور و فکر کرنی چاہئے جو مسجد میں پہلے جانے سے کتراتے ہیں اور جن کو نماز کی انتظار کرتے ہوئے نہیں پایا گیا، ایسے لوگ اپنی نگاہ گھڑی پر جما کر جماعت کے وقت کے قریب ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں، تاکہ مسجد میں جا کر نماز کے انتظار میں بیٹھنا ہی نہ پڑ جائے۔

اس معاملے میں ان نمازی حضرات کو متنبہ رہنا چاہیے جو نماز کا مقررہ وقت ہونے پر امام کی تلاش میں اِدھر اُدھر جھانکنا اور بولنا بلکہ بھڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

روحِ اسلام یہ ہے کہ پہلے پہنچ جانے والے افراد سنت رکعات ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں یا مزید نوافل ادا کرنے میں مگن رہیں اور اقامت سننے اور امام کو دیکھنے پر جماعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ یہ بات درست ہے کہ عوام کی سہولت کے لیے اور موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر نماز کے اوقات کا تعین کر دیا جاتا ہے، بہرحال معین وقت کا تعلق امام سے ہے اور عوام کا امام سے ہے۔ ہاں اس سلسلے میں امام کو چاہیے کہ وہ وقت کا خاص خیال رکھے، لیکن اگر بتقاضۂ بشریت کبھی کبھار دو چار منٹ کی تاخیر ہو جاتی ہے تو عوام کو نقد کرنے اور فوراً کوئی دوسرا آدمی امامت کے لیے کھڑا کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

مساجد کو آباد کرنے والوں کی فضیلت

(٥٥٤)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيُنَادِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ جِيْرَانِيْ، أَيْنَ جِيْرَانِيْ؟ قَالَ: فَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: رَبَّنَا! وَمَنْ يَنْبَغِي أَنْ يُجَاوِرَكَ؟ فَيَقُوْلُ: أَيْنَ عُمَّارُ الْمَسَاجِدِ۔)) (الصحيحة: ٢٧٢٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان کریں گے: میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے پوچھیں گے: اے ہمارے ربّ! بھلا تیرے پڑوس میں آنا کسے زیب دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مساجد کو آباد کرنے والے کہاں ہیں؟''

تخریج: أخرجه الحارث بن أبي أسامة في "مسنده": ١٦/ ١

شرح:...... سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے گھروں کو آباد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، مساجد میں نمازیں با جماعت ادا کرنا ان کی آبادی کا سب سے بڑا سبب ہے، علاوہ ازیں لوگوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی تلقین کرنا، ان کی صفائی کرنا، ان کی عمارت کی مرمت کرتے رہنا، عصرِ حاضر میں ائمہ و خطبا و خدما کے طور پر

نیک سیرت لوگوں کا انتخاب کرنا، پھر انھیں معقول تنخواہیں دے کر اور انھیں عظیم منصب کا مالک سمجھ کر ان کا ادب و احترام کرنا ایسے امور ہیں جو مساجد کی رونق کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے وجود اور اس کے دیے ہوئے رزق کے ذریعے اس کے گھروں کو آباد کریں۔

مسجد میں بیٹھنے والوں کی فضیلت

(٥٥٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ لِلْمَسَاجِدِ أَوْتَادًا، اَلْمَلَائِكَةُ جُلَسَاؤُهُمْ، إِنْ غَابُوْا يَفْتَقِدُوْنَهُمْ، وَإِنْ مَرِضُوْا عَادُوْهُمْ، وَإِنْ كَانُوْا فِي حَاجَةٍ أَعَانُوْهُمْ، وَقَالَ: جَلِيْسُ الْمَسْجِدِ عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ: أَخٍ مُسْتَفَادٍ، أَوْ كَلِمَةٍ حِكْمَةٍ، أَوْ رَحْمَةٍ مُنْتَظَرَةٍ.)) (الصحيحة:٣٤٠١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بیشک بعض لوگ مسجد نشیں ہوتے ہیں کہ فرشتے ان کے ہم نشیں ہوتے ہیں، اگر وہ غائب ہو جائیں تو وہ انھیں تلاش کرتے ہیں، اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو وہ ان کی تیمار داری کرتے ہیں اور اگر انھیں کوئی ضرورت ہو تو وہ ان کی اعانت کرتے ہیں۔ مسجد میں بیٹھنے والے کو کوئی ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے: کوئی اس سے استفادہ کرتا ہے یا وہ حکمت والی بات کرتا ہے یا اسے رحمت کا انتظار ہوتا ہے۔''

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ٢/ ٤١٨

شرح:...... نوری مخلوق بھی خاکی مخلوق کی خادم بن سکتی ہے، بشرطیکہ اللہ تعالی سے لو لگا لی جائے۔ اس سے بڑھ کر کیا کہا جائے کہ مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے، مومنوں کی سجدہ گاہ ہے، وہ کتنی مبارک و مقدس جگہ ہوگی، جہاں برس ہا برس سے اللہ تعالی کی تہلیلات، تسبیحات، تحمیدات اور تکبیرات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جہاں سالہا سال سے اس کے ترتیب شدہ کلام قرآن مجید کی کثرت سے تلاوتیں کی جا رہی ہیں، شیطانوں سے بچنے کے لیے مضبوط قلعہ مسجد ہے۔ جو مسجد سے محبت کرے گا، جو مسجد کو آباد کرنے میں حصہ ڈالے گا، جس کو وہاں سکون نصیب ہوگا، وہ کتنا سعادت مند اور خوش نصیب ہو گا۔ لیکن صد افسوس! امت مسلمہ کی کثرت اس منصب سے کوسوں دور ہے اور نمازیوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دو دو چار چار روپے جمع کر کے روایتی ڈیوٹی سرانجام دینے والے بطور ملازم ایک امام اور ایک خادم کا اہتمام کر لیا جائے، تو مسجد کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ ایسا کرنے کے بعد کسی نمازی میں یہ رغبت نہیں رہتی کہ وہ مسجد میں جھاڑو پھیر دے، پہلے پہنچ کر اذان دے دے، نمازیوں کے لیے صفیں بچھا دے، وضو کے لیے پانی بھر دے .... اس کے خام دماغ نے فیصلہ کیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ ماہوار پچاس روپے مسجد فنڈ دینے سے وہ بری الذمہ ہو گیا ہے۔

قارئین کرام! اپنی روز مرہ مصروفیات کا جائزہ لیں اور پھر منصب انسانیت اور منصب مومنیت کی روشنی میں اپنی حرکات و سکنات معمولات کا جائزہ لیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ ...... وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى

يَعُوْدَ إِلَيْهِ ....)) (بخاری، مسلم) ...... ''اللہ تعالیٰ سات قسم کے افراد کو اپنے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا: (ان میں سے ایک قسم یہ ہے:) وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد کے ساتھ ہی معلق رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ واپس مسجد میں آ جائے۔''

جہاں ہمیں چاہئے کہ اپنے گھروں میں نفلی نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا اہتمام کریں، لیکن وہاں اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں کے بھی کچھ تقاضے ہیں، جب ہم کسی قریبی رشتہ دار کے گھر جانے تاخیر کرتے ہیں تو وہ مخصوص انداز میں شکوہ کرتا ہے، شاید اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہم سے شکوہ کناں ہوں۔

متقی لوگوں کا گھر مسجد ہے

(٥٥٦)۔ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ: كَتَبَ سَلْمَانُ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ: يَا أَخِي! عَلَيْكَ بِالْمَسْجِدِ فَالْزَمْهُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَلْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ۔)) (الصحيحة:٧١٦)

ابوعثمان کہتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: اے میرے بھائی! مسجد سے وابستہ رہ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''مسجد ہر پرہیزگار آدمی کا گھر ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ٦/ ٣١٣/ ٦١٤٣، وأبو نعيم في "الحلية": ٦/ ١٧٦، والقضاعي في "مسند الشهاب": ١/ ١٤٠/ ٢

شرح:...... مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس کا مفہوم ہر کوئی سمجھتا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کی ادائیگی ہوتی ہے، ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن اور وعظ و نصیحت پر مشتمل مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ نیز وہ اللہ والوں کا ملجا و ماوی اور متقی لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ چونکہ مسجد کو آباد کرنے والے نیکوکار اور پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں، اس اعتبار سے یہ ان کا گھر بھی ہے، ان کو وہاں ایسا سکون محسوس ہوتا ہے جو عام لوگوں کو پرشکوہ محلات میں بھی نہیں ملتا، وہ دنیوی اسباب کو استعمال میں لانے کے ساتھ ساتھ ان اوقات کے منتظر رہتے ہیں، جن میں مساجد میں جانے کا موقع ملتا ہے۔

مسجد کی طرف چلنے کی فضیلت

(٥٥٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُ إِلَى الْمَسْجِدِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ خَطَاهَا حَسَنَةً، وَمَحَى عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، حَتّٰى يَأْتِيَ مَقَامَهُ۔)) (الصحيحة:١٠٦٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مسلمان مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتے ہیں اور ایک برائی معاف کرتے ہیں، حتی کہ وہ اپنے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر في "الصلاة" ١٩/ ٢

شرح :...... انسان کا وجود محض اللہ تعالی کا عطیہ اور احسان ہے، لیکن جب آدمی اپنے وجود کو اللہ تعالی کی اطاعت میں استعمال کرتا ہے تو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس سلسلے کی ایک کڑی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف جانا ہے۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَشِّرُوا الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (ابوداود، ترمذی)

......''اندھیرے میں مساجد کی طرف چل کر آنے والوں کو روزِ قیامت مکمل نور دیے جانے کی بشارت دے دو۔''

جبکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ مَضَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ، لِيَقْضِيَ فَرِيْضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ، كَانَتْ خُطُوَاتُهُ، إِحْدَاهَا تَحُطُّ خَطِيْئَةً وَالْأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً۔)) (مسلم)

......''جو آدمی طہارت حاصل کر کے اللہ تعالی کا فریضہ ادا کرنے کے لیے اللہ تعالی کے گھر کی طرف جاتا ہے تو اس کے ایک قدم سے اس کا گناہ معاف ہوتا ہے اور دوسرے قدم سے ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلًا كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ۔)) (بخاری، مسلم) ......''جو مسجد کی طرف جاتا ہے اور واپس آتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے مہمانی تیار کرتے ہیں، جب بھی وہ جاتا اور واپس آتا ہے۔''

لہٰذا ہمیں یہی بات زیب دیتی ہے کہ ہم ایسی سعادتوں سے محروم نہ رہیں، جو معمولی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

(٥٥٨)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَتْ بَنُوْ سَلَمَةَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِيْنَةِ، فَأَرَادُوْا النَّقْلَةَ إِلَى قُرْبِ الْمَسْجِدِ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ﴾ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ آثَارَكُمْ تُكْتَبُ۔)) قَالَ: فَلَمْ يَنْتَقِلُوْا۔ (الصحيحة: ٣٥٠٠)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنوسلمہ کے لوگ مدینہ کے ایک کونے میں (مسجد سے دور) فروکش تھے، انھوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی: ''بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ انھوں نے آگے بھیجا، وہ اور ان کے نشانات ہم لکھ رہے ہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک تمھارے نشاناتِ قدم لکھے جا رہے ہیں۔'' پھر وہ منتقل نہ ہوئے۔

تخريج: أخرجه الترمذي: ٣٢٢٦، والطبري في "التفسير": ١٠/ ١٠٠، وابن أبي حاتم في "التفسير": ١٠/ ٣١٩٠، والحاكم: ٢/ ٤٢٨، والبيهقي في "شعب الأيمان": ٣/ ٦٧/ ٢٨٩٠

شرح :...... اس میں صحابہ کرام کی رغبت اور ان کی اطاعتِ رسول کا بیان ہے کہ نماز کی خاطر انھوں نے اپنی رہائش گاہوں کو مسجد کے قریب منتقل کرنا چاہا، لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر یہ ارادہ ترک کر دیا تاکہ دور سے مسجد کی طرف چل کر آنے کی سعادت نصیب ہو اور قدموں کے نشانات لکھے جاتے رہیں۔

(٥٥٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ فِي ضَمَانِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَجُلٌ خَرَجَ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ مَسَاجِدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ خَرَجَ غَازِياً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ خَرَجَ حَاجًّا۔)) (الصحيحة:٥٩٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و ضمانت میں ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد کی طرف نکلنے والا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے نکلنے والا اور حج کی ادائیگی کے لیے نکلنے والا۔“

تخريج: أخرجه الحميدي في ”مسنده“: ١١٩٠، وابو نعيم في ”الحلية“: ٩/ ٢٥١

شرح:...... اس میں جہاں نماز کی طرف جانے والے کی فضیلت کا بیان ہے، وہاں دوسرے لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ مسجد کی طرف جانے والے کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ضمانت اٹھائی ہوتی ہے۔

نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہوئے فوت ہو جانے کی فضیلت

(٥٦٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((خِصَالٌ سِتٌّ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ، إِلَّا كَانَتْ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ:(١) رَجُلٌ خَرَجَ مُجَاهِداً، فَإِنْ مَاتَ فِي وَجْهِهِ كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ، (٢) وَرَجُلٌ تَبِعَ جَنَازَةً، فَإِنْ مَاتَ فِي وَجْهِهِ، كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ، (٣) وَرَجُلٌ عَادَ مَرِيْضاً، فَإِنْ مَاتَ فِي وَجْهِهِ، كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ، (٤) وَرَجُلٌ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لِصَلَاتِهِ، فَإِنْ مَاتَ فِي وَجْهِهِ، كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ، (٥) وَرَجُلٌ أَتَى إِمَاماً لَا يَأْتِيْهِ إِلَّا لِيُعَزِّرَهُ وَيُوَقِّرَهُ، فَإِنْ مَاتَ فِي وَجْهِهِ ذٰلِكَ كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ، (٦) وَرَجُلٌ فِي بَيْتِهِ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”چھ خصائل ایسی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایک کو اپنا کر فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی اس کے بارے میں ذمہ داری ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا: (۱) وہ آدمی جو جہاد کرنے کے لیے نکلا اور اسی سمت میں فوت ہو گیا، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی (کی جنت) کا ضامن ہے، (۲) ایسا آدمی جو کسی جنازہ کے پیچھے چلا، اگر اسی سمت میں فوت ہو گیا تو اس کا ذمہ دار بھی اللہ تعالیٰ ہو گا۔ (۳) وہ آدمی جو کسی مریض کی تیمارداری کرنے کے لیے گیا، اگر اسی طرف ہی فوت ہو گیا تو اس کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہو گا، (۴) وہ آدمی جس نے وضو کیا، پھر ادائیگی نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلا، اگر اسی سمت میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گا، (۵) وہ آدمی جو کسی (اسلامی) خلیفہ کے پاس آیا تاکہ اس کی پشت پناہی اور تعظیم و تکریم کرے، اگر وہ اسی سمت میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گا اور (۶) وہ آدمی جو گھر میں رہتا ہے،

لَا يَغْتَابُ مُسْلِماً وَلَا يَجُرُّ إِلَيْهِمْ سَخَطاً وَلَا نَقْمَةً ، فَإِنْ مَاتَ كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٨٤)

نہ وہ کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے اور نہ کسی کے لیے غصے یا سزا کا باعث بنتا ہے، اگر وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا تو اس (کی جنت) کا ضامن بھی اللہ تعالیٰ ہو گا۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٤/ ٤٩١/ ٣٨٣٤

شرح:...... دورانِ نماز پیغامِ اجل وصول کرنا بہت بڑی سعادت ہے، بہرحال رکوعات وسجدات کی حالت میں وہی لوگ لقمۂ اجل بنتے ہیں، جن کی عام حالات میں رکوع وسجود میں جھکنے کی عادت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں کسی بشر کے لیے کوئی گنجائش یا بہانہ باقی نہیں رہنے دیا گیا، اگر کوئی اپنے آپ کو پہلے پانچ امور پر عمل کرنے سے عاجز سمجھتا ہے تو اپنے گھر بیٹھا رہے، کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے اور کسی کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے۔

ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی فضیلت

(٥٦١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْمَغْرِبَ ، فَرَجَعَ مَنْ رَجَعَ ، وَعَقَّبَ مَنْ عَقَّبَ ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْرِعاً قَدْ حَفَزَهُ النَّفْسُ ، وَقَدْ حَسَرَ عَنْ رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: ((أَبْشِرُوْا ، هٰذَا رَبُّكُمْ قَدْ فَتَحَ بَاباً مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ يَقُوْلُ: أُنْظُرُوْا إِلٰى عِبَادِي ، قَدْ قَضَوْا فَرِيْضَةً ، وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ أُخْرٰى۔)) (الصحيحة:٦٦١)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کی، لوٹنے والے لوٹ گئے اور بیٹھنے والے بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ جلدی میں تشریف لائے، آپ ﷺ کا سانس پھولا ہوا تھا اور اپنے گھٹنوں سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ، تمھارے رب نے آسمان کا ایک دروازہ کھولا اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہوئے فرمایا: میرے بندوں کی طرف دیکھو، ایک فریضہ ادا کر چکے ہیں اور دوسرے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٨١ ، وأحمد: ٢/ ١٨٦

شرح:...... اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ووحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت ونبوت کا اقرار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے، جیسا کہ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ بِجَبَلٍ يُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِلصَّلَاةِ ، يَخَافُ مِنِّيْ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔)) (ابو داود، نسائی) ...... ''تمہارا رب

بکریوں کے ایسے چرواہے پر تعجب کرتا ہے، جو پہاڑ کی چوٹی پر (بکریاں چرا رہا ہوتا ہے، جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو) وہ اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ اللہ تعالی (اس کے اس عمل کو دیکھ کر) کہتے ہیں: میرے بندے کی طرف دیکھو، اذان دیتا ہے اور نماز کے لیے اقامت کہتا ہے (پھر نماز ادا کرتا ہے) یہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔"

شریعتِ مطہرہ نے اس وقت کو بھی نماز کا حکم دے دیا ہے، جس میں آدمی نماز کا انتظار کر رہا ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا یَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاۃٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاۃُ تَحْبِسُہُ، لَا یَمْنَعُہُ اَنْ یَّنْقَلِبَ اَلٰی اَھْلِہٖ اِلَّا الصَّلَاۃُ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "جب تک آدمی نماز (کا انتظار کرنے) کی وجہ سے رکا رہتا ہے، تو وہ نماز (کے حکم) میں ہی ہوتا ہے، جب اسے اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹنے سے روکنے والی چیز نماز ہوتی ہے۔" مذکورہ بالا حدیث میں اسی فضیلت وعظمت کا ذکر ہے کہ جو لوگ نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد نمازِ عشا کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی اس صفت کی بنا پر فرشتوں کے سامنے فخریہ انداز میں ان کا یوں تذکرہ حسنہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ میرا فریضہ تو ادا کر چکے ہیں، لیکن دوسرے فریضے، جس کا ابھی تک وقت ہی نہیں ہوا، کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

امام تخفیف کے ساتھ نماز پڑھائے

(٥٦٢)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنَ أَبِی الْعَاصِ، قَالَ: آخِرُ مَا عَهِدَ بِهِ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَمَمْتَ قَوْماً، فَأَخِفَّ بِهِمُ الصَّلَاةَ۔)) (الصحيحة:٣٩٦٥)

حضرت عثمان بن ابو عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری بات یہ ارشاد فرمائی: "جب تو کسی قوم کی امامت کرائے تو نماز میں تخفیف کرنا۔"

تخريج: أخرجه مسلم :٢/ ٤٤، وأبو عوانة :٢/ ٩٦، وابن ماجه :٩٨٨، والبيهقي:٣/ ١١٦، والطيالسي:١٢٩/ ٩٤٠، وأحمد: ٤/ ٢٢

شرح:...... امام کو چاہیے کہ وہ حکمت ومصلحت سے کام لیتے ہوئے اپنے مقتدیوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر نماز میں اختصار کرے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا اَمَّ اَحَدُکُمُ النَّاسَ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ الصَّغِیْرَ وَالْکَبِیْرَ وَالضَّعِیْفَ وَذَا الْحَاجَۃِ، فَاِذَا صَلّٰی وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَاءَ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "جب تم میں سے کوئی امامت کرائے تو اسے نماز میں تخفیف کرنی چاہیے، اس لیے کہ مقتدیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں، ہاں جب تنہا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے (لمبی کر کے) پڑھے۔" چونکہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نمازِ عشا میں امامت کے دوران طویل قرائت کرتے تھے، اسلیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی کی اور بطورِ مثال چند ایک سورتوں

کی تلاوت کرنے کی تعلیم دی۔

(٥٦٣)۔ عَنْ نَافِعِ بْنِ سَرْجِسٍ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ أَخَفَّ النَّاسِ صَلَاةً عَلَى النَّاسِ وَأَدْوَمَهُ عَلَى نَفْسِهِ وَفِي رِوَايَةٍ: وَأَطْوَلَ النَّاسِ صَلَاةً لِنَفْسِهِ۔

(الصحيحة:٢٠٥٦)

نافع بن سرجس کہتے ہیں کہ میں صحابیٔ رسول ابو واقد لیثی کے پاس اس وقت گیا جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ لوگوں کے حق میں نماز کے معاملہ میں سب سے زیادہ تخفیف کرتے تھے، لیکن اپنی انفرادی نماز سب سے زیادہ لمبی پڑھنے والے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد ٥/ ٢١٩، وأبويعلى:١/ ٤٠٢

شرح:...... نبی کریم ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو مقتدیوں کا خیال رکھتے ہوئے تخفیف کرتے تھے، لیکن اکیلی نماز میں بہت زیادہ طوالت اختیار کرتے تھے، لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الا ماشاء اللہ

عوام کو یہ سوچنا چاہئے کہ تخفیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ نماز میں جتنا اختصار چاہیں، اتنا ہی کر دیا جائے، دیکھنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ جب ہلکی نماز پڑھاتے تھے، تو اس کی مقدار کیا ہوتی تھی؟ جب آپ ﷺ نے نمازِ عشا میں سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کر دینے والے صحابی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو مختصر نماز پڑھانے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ساتھ سورۂ شمس، سورۂ اعلی، سورۂ لیل اور سورۂ علق کی تلاوت کرنے کی تعلیم بھی دی، یہ سورتیں بالترتیب (۱۵)، (۱۹)، (۲۱)، اور (۱۹) آیات پر مشتمل ہیں۔ نماز میں تلاوت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے منقول عمل یہ ہے: نماز فجر میں تین رکوعات پر مشتمل سورۂ ق اور اس جیسی سورتیں پڑھنا، ساٹھ سے سو آیات اور کبھی سورۂ تکویر کی تلاوت کرنا اور جمعہ کے دن پہلی رکعت میں تین رکوعات پر مشتمل سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر کی تلاوت کرنا۔ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تقریباً تیس تیس اور آخری دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ پندرہ آیات کی تلاوت کرنا اور نماز عصر کی تلاوت اس سے نصف کرنا، اسی طرح ظہر و عصر میں سورۂ لیل، سورۂ اعلی، سورۂ بروج اور سورۂ طارق جیسی سورتوں کی تلاوت کرنا۔ نماز مغرب میں تین رکوعات پر مشتمل سورۂ طور کی اور کبھی دو رکوعات پر مشتمل سورۂ مرسلات کی اور کبھی اعراف جیسی لمبی سورت کی تلاوت کرنا۔ نماز عشا میں سورۂ تین کی تلاوت کرنا اور سورۂ شمس اور سورۂ لیل جیسی سورتوں کی تلاوت کرنے کی تعلیم دینا۔ یہ ہیں آپ ﷺ کی نمازوں کے چند نمونے، لیکن صحابہ کرام نے ان نمازوں کو خفیف کہا۔ معلوم ہوا کہ اس موضوع پر ''خفیف'' کا لفظ عوام الناس کے فہم کے مطابق علی الاطلاق استعمال نہیں ہوگا، بلکہ یہ نسبتی لفظ ہے، یعنی اس کو آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھا جائے بہرحال امام کو چاہئے کہ وہ مقتدیوں کی رو رعایت کرے اور مقتدی لوگوں کو اگر علم ہو جائے کہ جس نماز کو وہ طویل سمجھ رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے یہی نماز پڑھنے پڑھانے کی تعلیم دی

ہے تو پھر انھیں بھی خاموشی اختیار کرنا چاہئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سب سے پہلے مقتدی حضرات نبی کریم ﷺ کی نماز کی کمیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کریں، اگر ان کا امام اس حد سے تجاوز کرے تو وہ اعتراض کر سکتے ہیں، وگرنہ ان کو صبر کے ساتھ خاموش رہنا چاہیے۔ ہاں اگر مقتدیوں میں معروف مریض لوگ ہوں تو ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

اگر مقتدی لوگ اپنے اصرار پر برقرار رہیں اور آپ ﷺ کی احادیث نہ سمجھ پا رہے ہوں تو امام صاحب کو چاہئے کہ وہ حکمت و دانائی سے کام لے، نماز کے دوران اختصار کرے اور درجہ بدرجہ مقتدیوں کی تربیت کرے اور ان کو اعلیٰ قول وکردار کا مالک بنا کر احادیثِ رسول کا شائق بنانے کی کوشش کرے۔

امام کی تخفیف سے نماز پڑھانے کی حد
ظہر وعصر کی نمازوں میں سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت کرنا

(٥٦٤)۔ عَنْ أَنَسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔ (الصحيحة:١١٦٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں میں سورۂ اعلی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ اور سورۂ غاشیہ ﴿هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی تلاوت کرتے تھے۔

تخريج:أخرجه البزار في "مسنده" ٦١۔ زوائده

شرح:...... یعنی ظہر وعصر کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت کرنا سنت ہے، اگر کوئی امام اس سنت پر عمل کرے، تو مقتدیوں کو ناراض نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صبر کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ پچھلے باب میں اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے۔

(٥٦٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلّٰى مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ لِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ ، فَانْصَرَفَ رَجُلٌ مِنَّا فَصَلّٰى فَأُخْبِرَ مُعَاذٌ عَنْهُ ، فَقَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ ، فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ مُعَاذٌ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: أَتُرِيْدُ أَنْ تَكُوْنَ فَتَّاناً يَا مُعَاذُ؟ إِذَا أَمَّمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو عشا کی نماز پڑھائی اور لمبا قیام کیا۔ ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا، علیحدہ نماز پڑھ لی (اور چلا گیا)۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو انھوں نے کہا ایسا کرنے والا منافق ہو سکتا ہے۔ جب اُس آدمی کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ کو بتایا کہ معاذ نے میرے بارے میں اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ آپ ﷺ نے معاذ کو فرمایا: ''معاذ! کیا تو فتنہ باز بننا چاہتا ہے؟ جب تو لوگوں کو امامت

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَ إِقْرَا بِاسْمِ رَبِّكَ۔﴾ هُوَ مِنْ حَدِيْث جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَرَوَاهُ عَنْهُ جَمْعٌ بِأَلْفَاظٍ مُخْتَلِفَةٍ، مِنْهُمُ الْمُطَوَّلُ، وَمِنْهُمُ الْمُخْتَصَرُ، وَهٰذَا لَفْظُ أَبِي زُبَيْرٍ، يَرْوِيْهِ عَنْهُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ۔ (الصحيحة:۳۱۷۱)

کرائے تو ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾، ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾، ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ اور ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ جیسی سورتیں پڑھا کر۔'' یہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ان سے روایت کرنے والے مختلف راویوں کے مختلف الفاظ ہیں، جو طویل اور مختصر روایات پر مشتمل ہیں۔ یہ الفاظ ابو زبیر کے ہیں، جو ان سے لیث بن سعد نے بیان کئے ہیں۔

تخریج: هو من حديث جابر بن عبد الله رضي الله عنه، رواه عنه جمع بالفاظ مختلفة، منهم المطول، ومنهم المختصر، وهذا لفظ ابى الزبير، يرويه عنه الليث

أخرجه مسلم: ۲/ ٤۲، والنسائي: ۱/ ۱٥٥، وابن ماجه: ۱/ ۳۱٥/ ۹۸٦، و أبوعوانة: ۲/ ۱۷۳، والبيهقي في "السنن": ۳/ ۱۱٦، ......

وفى رواية: فجاء رجل من الانصار، فصلى، ثم ذهب۔ اخرجه البخارى: ۲/ ۱۹۲/ ۷۰۱ والدارمى: ۱/ ۲۹۷ان ترد الاطلاع على رواياته المختلفة فانظر الصحيحة۔

شرح: ...... نماز باجماعت امتِ مسلمہ کا شعار اور کارِ ثواب ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلٰى صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ افضل ہے۔'' لیکن اس ضمن میں امام کو مقتدیوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی عدمِ حکمت اور عدمِ مصلحت کی وجہ سے مسجد غیر آباد ہو جائے یا لوگ اس کو موردِ طعن ٹھہرانا شروع کر دیں۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيْرَ وَالْكَبِيْرَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ، فَإِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ۔)) (بخاری، مسلم) ......''جب تم میں سے کوئی امامت کرائے تو اسے نماز میں تخفیف کرنی چاہئے، اس لیے کہ مقتدیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں، ہاں جب تنہا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے (لمبی کر کے) پڑھے۔'' چونکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نمازِ عشا میں امامت کے دوران طویل قرائت کرتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی کرتے ہیں بطورِ مثال چند ایک سورتیں بھی ذکر کر دیں۔

(٥٦٦)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ: آخِرُ كَلَامٍ كَلَّمَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا

حضرت عثمان بن ابو عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف پر عامل بنا کر بھیجا تو آخری بات، جو

اسْتَعْمَلَنِي عَلَى الطَّائِفِ قَالَ: ((خَفِّفِ الصَّلَاةَ عَلَى النَّاسِ۔)) حَتّٰى وَقَّتَ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ وَ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ وَأَشْبَاهَهَا مِنَ الْقُرْآنِ۔ (الصحيحة: ۲۹۱۹)

مجھ سے فرمائی، یہ تھی: ''لوگوں کو خفیف نماز پڑھانا'' بلکہ آپ ﷺ نے خود ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ یعنی سورۂ اعلی اور ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ یعنی سورۂ علق اور اس کی قسم کی سورتوں کی تلاوت کرنے کا تعین کر دیا۔

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢١٨، والطبراني في "المعجم الكبير": ٩/ ٣٨

شرح:...... ہماری مساجد کے مقتدیوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے عوام الناس کا لحاظ کرتے ہوئے جس مختصر نماز کی تعلیم دی، اس میں سورۂ اعلی اور سورۂ علق، جو انیس انیس آیتوں پر مشتمل ہیں، جیسی سورتوں کی تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام، ہر دلعزیز شخصیت کا حامل ہونا چاہئے

(٥٦٧)۔ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ: أَنَّ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ أَمَّ قَوْماً فَلَمَّا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اِلْتَفَتَ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَقَالَ: أَتَرْضَوْنَ؟ قَالُوْا: نَعَمْ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ عَنْ يَسَارِهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ، فَإِنَّ صَلَاتَهُ لَا تُجَاوِزُ تَرْقُوْتَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٢٥)

ابو عبد اللہ صنابحی کہتے ہیں: جنادہ بن ابو امیہ لوگوں کو جماعت کروانے لگے، جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو دائیں طرف متوجہ ہو کر پوچھا: کیا تم لوگ (میرے امام بننے پر) راضی ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر اسی طرح بائیں سمت میں کھڑے نمازیوں سے پوچھا اور پھر کہا: میں نے سنا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''جس نے لوگوں کو امامت کروائی اور وہ اس امام کو (کسی شرعی عذر کی بنا پر) ناپسند کرتے ہوں تو اس (امام) کی نماز اس کے گلے سے اوپر تجاوز نہیں کرے گی (یعنی قبول نہیں ہو گی)۔''

تخریج: رواہ ابن عساکر: ٤/ ١٥/ ٢، والطبرانی

شرح:...... قبولیتِ اسلام کے بعد مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ نماز ہے، جس کا امام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اس لیے امام کو جامع الصفات اور ناقابل اعتراض شخصیت کا حامل ہونا چاہیے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ امام میں کوئی ایسا شرعی عیب نہ ہو، جس کی وجہ سے تمام یا اکثر مقتدی اس پر نالاں اور اس سے متنفر ہو جائیں۔ لوگوں کا ذاتیات کی بنا پر ناراض ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مساجد کے خطبا، ائمہ، خدما اور مدرسین کا تنخواہ لینا جائز ہے، ہاں البتہ ان کی خدمات پر خلوص ہونی چاہئے۔ روحِ اسلام کے مطابق تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مسجد کی انتظامیہ مسجد کا نظم ونسق چلانے، گیس بجلی کا بل

ادا کرنے اور تنخواہوں کا بندوبست کرنے کو اپنا شرف اور سعادت سمجھے۔ لیکن افسوس کہ ان لوگوں کے دلوں میں اپنے خطیب، امام اور خادم کی ایک مزدور اور ملازم سے زیادہ اہمیت نہیں ہوتی اور ان کے دل ان کے احترام سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو زندگی بھر اسلام کا مزہ اور ایمان کی مٹھاس نصیب نہیں ہوتی۔ اس سے بہتر تھا کہ یہ لوگ ان کو تنخواہ ہی نہ دیتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہماری اکثر مساجد خیر و بھلائی سے خالی ہیں۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جو آدمی اذان دیتا ہے، مسجد کی صفائی کرتا ہے، لوگوں کو نماز باجماعت پڑھاتا ہے اور بیسیوں، بلکہ سینکڑوں بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہے۔ کیا ایسا آدمی ہم سے اعلی و افضل نہیں ہے؟ اگر ہم اس بات پر نازاں ہوں کہ ہمیں جماعت کی وجہ سے ستائیس گنا ثواب ملتا ہے، تو بیس تیس، چالیس پچاس یا کم از کم دو تین افراد کو جماعت کرانے والے کو کتنا ثواب ملتا ہوگا؟ اگر ہم اس بات پر فخر کناں ہوں کہ ہمارے بچے نے قرآن مجید یاد کر لیا ہے یا ناظرہ پڑھ لیا ہے، تو پڑھانے والے کو کتنا اعزاز ملنا چاہیے؟

کیا ایسا فرد صرف اس بنا پر ہماری نگاہوں میں گر جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں جو کچھ عطا کر رکھا ہے، وہ اس میں سے تنخواہ وصول کرتا ہے؟ کیا اللہ تعالی اس بات پر قادر نہیں کہ وہ آپ کو کسی کا محتاج بنا دے؟ اللہ تعالی نے آپ کو جو رزق عطا کیا، کیا یہ محض اس کا احسان ہے یا آپ کی کسی خوبی کی بنیاد پر ہے؟

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ خطبا و ائمہ کو تقوی و طہارت، نیکی و پارسائی اور غیرت و حمیت سے متصف ہو کر رہنا چاہیے اور اپنے منصب کے مطابق عوام الناس سے تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔

امام، پرہیز گار ہونا چاہیے

(٥٦٨)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ، فَتَفَلَ فِي الْقِبْلَةِ وَهُوَ يُصَلِّي لِلنَّاسِ، فَلَمَّا كَانَ صَلَاةُ الْعَصْرِ، أَرْسَلَ إِلَى آخَرَ، فَأَشْفَقَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أُنْزِلَ فِيَّ؟ قَالَ: ((لَا، وَلٰكِنَّكَ تَفَلْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَأَنْتَ تَؤُمُّ النَّاسَ فَآذَيْتَ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ۔)) (الصحيحة:٣٣٧٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نمازِ ظہر پڑھائے، اس نے نماز پڑھانے کی حالت میں جہتِ قبلہ میں تھوکا۔ جب نمازِ عصر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے ایک دوسرے آدمی کو (امامت کے لیے) بھیجا، پہلا شخص ڈر گیا اور اس نے آپ ﷺ کے پاس آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، (کوئی حکم نازل نہیں ہوا، بات یہ ہے کہ) جب تو لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا تو تو نے اپنے سامنے تھوکا اور اس طرح اللہ اور فرشتوں کو تکلیف دی (یہ وجہ بنی، تجھے پیچھے کر دینے کی)۔“

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۱۳/ ۴۳- ۴۴/ ۱۰۴

شــرح:...... قبلہ کی جہت میں تھوکنے سے منع کیا گیا ہے، عصر حاضر میں امامت و خطابت کا منصب سنبھالنے والوں کو اپنے قول و کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ جہاں اس منصب کی وجہ سے بے حد احترام مل سکتا ہے، وہاں اگر اس منصب کی قدر نہ کی جائے تو ذلت مقدر بن جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں امام کو صرف اس بنا پر معزول کر دیا کہ اس نے قبلہ کی سمت میں تھوکا تھا۔

دورانِ جماعت صف بندی کی اہمیت

(۵۶۹)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: ((أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ، وَتَرَاصُّوْا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي۔)) (الصحيحة: ۳۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ، میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

تخريج: رواه البخاري: ۲/ ۱۷۶، فتح طبعة بولاق۔ وأحمد: ۳/ ۱۸۲ و ۲۶۳، والمخلص في "الفوائد": ۱/ ۱۰/ ۲

شــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: (یہ حدیث سننے کے بعد) ایک آدمی اپنے ساتھ کھڑے ہونے والے سے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم ملاتا تھا۔

یہ زیادتی مخلص میں بھی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ایک آدمی اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم ملاتا تھا، لیکن اگر آج آپ اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھی کے ساتھ پاؤں ملائیں تو وہ سرکش اور بے قابو خچر کی طرح بدک جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف (صف میں کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانا) (صحیحہ: ۳۱)

قارئین کرام! سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس سنت سے اعراض کرنے والوں کو خچر کے ساتھ تشبیہ دے کر جو نقشہ کھینچا ہے، ہو بہو آج بھی وہی صورت حال ہے، اکثر و بیشتر مساجد میں نہ صرف اس سنت سے اعراض کیا جاتا ہے، بلکہ اس مبارک طریقۂ نبوی پر عمل کرنے والوں پر کیچڑ بھی اچھالا جاتا ہے۔ العياذ بالله

(۵۷۰)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: أَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: ((أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ (ثَلَاثًا) وَاللّٰهِ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تین دفعہ فرمایا: ''اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اللہ کی قسم! تم لوگ ضرور

لَتُقِيْمُنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ۔)) (الصحيحة:۳۲) ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کرو، یا پھر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔

تخريج: أخرجه أبوداود ٦٦٢، وابن حبان: ٣٩٦، وأحمد: ٤/ ٢٧٦، والدولابی فی "الکنی":٢/ ٨٦، وابن خزيمة فی "صحيحه": ١/ ٨٢۔ ٨٣، و من طريقه ابن حبان فی "صحيحه": ١١٤/ ٣٩٦۔ موارد، وعلقه البخاری مجزوما به

شرح:......امام البانی رقمطراز ہیں:

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر آدمی اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا، گھٹنے کے ساتھ گھٹنا اور ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ ملاتا تھا۔

یہ دو احادیثِ مبارکہ درج ذیل اہم فوائد پر مشتمل ہیں:

(اول) صفوں کو سیدھا کرنا، ان کو برابر کرنا اور ان میں مل کر کھڑے ہونا واجب ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور حکم کا تقاضا وجوب ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ ہو، لیکن یہاں سیدنا نعمان کی حدیث کا دوسرا حصہ اس وجوب میں مزید تاکید پیدا کرتا ہے کہ اگر حکم کے مطابق صف بندی کا اہتمام نہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مابین اختلاف ڈال دے گا۔ بڑی واضح بات ہے کہ جو کام سرے سے واجب ہی نہ ہو، وہاں ایسی دھمکی نہیں سنائی جاتی۔

(دوم) صفوں کو سیدھا رکھنے کی صورت یہ ہے کہ کندھوں کے ساتھ کندھے اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملایا جائے، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صف بندی کا حکم دیا تو انھوں نے اسی انداز میں آپ کے فرمودات کی تعمیل کی تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا صف بندی کا یہ انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تھا، اس طرح اس حدیث سے یہ استدلال کرنا درست قرار پاتا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنے اور ان کو برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مل کر کھڑا ہوا جائے۔

لیکن بڑا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس انداز کے مطابق صفوں کو سیدھا کرنے میں غفلت برتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انھوں نے اس سنت کو ضائع کر دیا ہے، الا ما شاء اللہ۔ ۱۳۶۸ھ (یعنی تقریبا ۱۹۴۹ء) کی بات ہے، میں نے مکہ مکرمہ میں دو بھائی دیکھے تھے، وہ صفوں کی درستگی کی سنت سمیت تمام سننِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی جامہ پہنانے کے بڑے ہی حریص تھے۔ رہا مسئلہ چاروں معروف تقلیدی مذہبوں کا، تو میں حنبلیوں کو بھی مستثنی کیے بغیر کہوں گا کہ تمام مقلدوں نے اس سنت کے سلسلے میں کافی سستی برتی ہے، بلکہ یہ سنت ان کے ہاں مٹ چکی ہے، وہ مسلسل اس سنت سے بے رخی برت رہے ہیں، بلکہ بعض مذاہب نے تو اس رواج کو قانون بنا رکھا ہے کہ نماز میں قیام کے دوران پاؤں کے درمیان چار چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے، وہ اس سے زیادہ فاصلہ کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ (الفقه علی المذاهب الأربعة: ١/ ٢٠٧) میں تفصیل موجود ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اتنے فاصلے کی تعیین کرنا بلا دلیل ہے، یہ محض رائے ہے، اگر یہ

ثابت ہو بھی جائے تو اصولی قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے صف بندی والی بے شمار اور صریح روایات کی روشنی میں اس کو امام اور منفرد پر محمول کریں گے، تاکہ سنتِ صحیحہ کے ساتھ تعارض سے بچا جا سکے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنے اور آپ کی سنتوں کے احیا کی فضیلت حاصل کرنے پر حریص مسلمانوں اور مساجد کے ائمہ کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اس سنت پر عمل کریں، اپنے آپ کو اس کا حریص ثابت کریں اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں، حتی کہ سارے لوگ اس سنت پر عمل پیرا نظر آئیں، اگر ایسے ہوا تو ہم آپ ﷺ کی اس وعید سے نجات پا سکیں گے: ''اگر تم نے صفیں درست نہ کیں تو اللہ تعالی تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔''

مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ ایک داعیٔ اسلام نے اس سنت کو معمولی سمجھا اور اس قسم کا اشارہ بھی دیا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو اس قسم کی تعلیم نہیں دی تھی، حالانکہ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اور آپ ﷺ نے ان کو برقرار رکھا۔ لیکن اس بیچارے کو کیا پتہ کہ صحابہ کرام نے سب سے پہلے ان احادیث کا مفہوم یہ سمجھا تھا کہ کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملایا جائے، یہ کام انھوں نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں کیا اور آپ ﷺ نے ان کو برقرار رکھا۔ اہل سنت کے نزدیک اس سنت کے شرعی ہونے کے لیے یہ ثبوت کافی ہے، کیونکہ حاضر کو نظر آنے والی چیز غیر حاضر سے مخفی ہوتی ہے اور وہ صحابہ کرام ایسی جماعت تھے کہ ان کے منہج کا پیروکار بد بخت اور گمراہ نہیں ہو سکتا ہے۔

(سوم) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کے ایک معجزے کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنے پیچھے سے دیکھ لیتے تھے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ حالتِ نماز کے ساتھ خاص تھا۔ کیونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ نماز کی حالت کے علاوہ بھی آپ ﷺ اس معجزہ سے متصف ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(چہارم) دونوں احادیث میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ ظاہری فساد، باطنی فساد کو اور باطنی فساد، ظاہری فساد کو لازم ہے، یہ قانون کثیر احادیث میں بیان کیا گیا ہے، شاید ہم کسی موقع پر ان کو جمع کر دیں۔

(پنجم) بعض مقامات میں یہ بدعت رائج ہے کہ جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہتا ہے، تو امام تکبیر تحریمہ کہنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسا کرنا احادیث صحیحہ کی مخالفت ہے، جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ امام کو اقامت کے بعد صفوں کی درستگی پر توجہ دینی چاہیے اور اس سلسلے میں ان کو وعظ و نصیحت کرنا چاہیے، کیونکہ امام سے مقتدیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر کوئی (کسی نہ کسی طرح) نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔'' (صحیحہ: ۳۲)

(۵۷۱)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَجْهِهِ حِيْنَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ، فَقَالَ: ((أَتِمُّوْا الصُّفُوْفَ (وَفِي رِوَايَةٍ: اسْتَوُوْا، اِسْتَوُوْا) وَتَرَاصُّوْا فَإِنِّي

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''صفوں کو مکمل کرو (اور ایک روایت میں ہے: سیدھے ہو جاؤ، سیدھے ہو جاؤ)

أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي كَمَا أَرَاكُمْ بَيْنَ يَدَيَّ۔))) (الصحيحة: ۳۹۵۵)

اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو، میں تمھیں اپنی پیٹھ پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے دیکھتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۲/ ۳۰۔ ۳۱، أبو عوانة: ۲/ ۴۳

شرح:...... نماز با جماعت کے دوران صفوں کو سیدھا کرنا اور مل کر کھڑے ہونا ضروری ہے۔ نماز با جماعت کے دوران صفوں کو سیدھا کرنا، ایک صف میں کھڑے ہونے والے لوگوں کا ایک لائن میں کھڑا ہونا اور آپس میں مل کر کھڑے ہونا نماز با جماعت کا اہم عنصر ہے۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ۔)) (بخاری، مسلم) ......''اپنی صفیں برابر کرو کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے۔''

معلوم ہوا کہ صفوں کی درستگی کے بغیر نماز میں نقصان لازم آئے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ سے قبل ہماری طرف متوجہ ہو کر فرماتے: ((تَرَاصُّوْا وَاعْتَدِلُوْا.)) ......''آپس میں مضبوطی سے مل جاؤ اور برابر ہو جاؤ۔'' (مسلم)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَقِيْمُوْا الصُّفُوْفَ وَ حَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَ سُدُّوْا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِأَيْدِيْ إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ۔)) (ابو داود) ......''صفوں کو سیدھا کرو، کندھوں کو برابر کرو، خلا کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ، شیطان کے لیے (صف میں) خالی جگہیں مت چھوڑو، جس نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے گا۔''

اتنی زیادہ تاکیدات کے باوجود اکثر مساجد میں صف بندی کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ میری ایک دو ذمہ دار افراد سے اس موضوع پر بات بھی ہوئی ہے، ان کا کہنا تھا کہ ان کے ہاں ان تمام احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ کھڑے ہونے والوں کو ایک لائن اور سیدھ میں رہنا چاہیے، مل کر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی عربی زبان سے جہالت اور ان احادیث سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ صرف حدیث کے لفظ ''تَرَاصُّوْا'' کا معنی عربی لغات میں دیکھ لیں، انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو ان احادیثِ مبارکہ پر یوں عمل کیا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صفوں کو سیدھا رکھا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنے پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔'' تو ہم (صف میں اپنے ساتھ کھڑے) ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملاتے تھے۔ (بخاری: ۷۲۵)

شاید یہ لکھنا مناسب ہو کہ ان احادیث پر توجہ نہ دھرنے کی وجہ سے لوگوں میں ایک دوسرے کے بارے میں نفرت و

مخالفت پائی جاتی ہے، جیسا کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((عِبَادَ اللّٰهِ! لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔)) (مسلم) ......''اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو برابر کرو گے یا پھر اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دیں گے۔''

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزے کا بیان ہے کہ نماز کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدیوں کی کیفیت نظر آتی تھی۔

(٥٧٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((أَقِيمُوْا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ۔)) (الصحيحة:٣٩٩٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز میں صفوں کو سیدھا کیا کرو، بلاشبہ صفوں کا سیدھا کرنا نماز کا حسن ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري :٧٢٢، ومسلم: ٢/ ٣١، وأبو عوانة:٢/ ٤٣، وابن حبان: ٣/ ٣٠٣، والبغوي في "شرح السنة": ٣/ ٤٢٢، وأحمد: ٢/ ٣١٤

(٥٧٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ فِي الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفِ، وَمَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً۔)) (الصحيحة: ٢٥٣٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفیں ملانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں اور جو (صف) کے خلا کو پر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه :٩٩٥، وأحمد: ٦/ ٨٩، و واخرجه احمد: ٦/ ٦٧ ايضا و ابن خزيمة: ١٥٥٠، وابن حبان: ١٥١١، والحاكم: ١/ ٢١٤ دون قوله: ((ومن سد......۔))

(٥٧٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ سَدَّ فُرْجَةً بَنَى اللّٰهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً۔)) (الصحيحة:١٨٩٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے (صف کے) شگاف کو پُر کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا اور ایک درجہ بلند کر دے گا۔''

تخريج: أخرجه المحاملي في "الأمالي": ق ٣٦/ ٢، ورواه ابن ماجه: ٢/ ٨٩ بلفظ: ((ان الله وملائكته يصلون على الذين يصلون الصفوف، ومن سد فرجة رفعه الله بها درجة۔))، وأخرج الطبراني فى "الاوسط": ١/ ٣٢/ ٢نحوه

(٥٧٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللّٰهِ ﷺ: ((إِيَّاىَ وَالْفُرَجَ۔)) يَعْنِي: فِي الصَّلَاةِ. (الصحيحة: ١٧٥٧)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نماز دوران صفوں میں خلل سے بچو۔“ یعنی دور دور کھڑے نہ ہوا کرو۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٢٢/ ٢

شرح:...... اتنی فضیلت ہونے کے باوجود اکثر مساجد میں صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، بلکہ ایسا نہ کرنے پر آمادہ کرنے والے خطیب اور امام بھی موجود ہیں، جو مل کر کھڑے نہ ہونے کو اپنے مسلک کا امتیازی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ احادیث مبارکہ سے اس قدر بے توجہی کرنے کی کیا وجہ ہے؟

(٥٧٦)۔ عَنْ أَبِي شَجَرَةٍ مَرْفُوعاً: ((أَقِيمُوا الصُّفُوفَ، فَإِنَّمَا تَصُفُّونَ كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ حَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ، وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة: ٧٤٣)

حضرت ابو شجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”صفوں کو سیدھا کرو، تم نے تو فرشتوں کی صفوں کی طرح صفیں بنانی ہیں، مونڈھوں کو برابر (ایک لائن میں) رکھو، صف کے شگافوں کو پر کرو اور شیطان کے لیے کوئی خلا نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) ملائے گا۔“

تخريج: رواه الدولابي في "الكنى": ١/ ٣٩

شرح:...... اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ احادیث میں اس مسئلہ کی وضاحت ہو چکی ہے، سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ((أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟)) ...... ”کیا تم لوگ اس طرح صف بندی نہیں کرتے، جس طرح فرشتے اپنے ربّ کے ہاں کرتے ہیں؟“ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں صف بندی کیسے کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ۔)) (مسلم) ...... ”وہ پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔“

معلوم نہیں صفوں میں دور دور کھڑے ہونے والے لوگ ان احادیث پر عمل کرنے سے کیوں گریزاں ہیں؟ یا وہ ان کو سمجھ نہیں پا رہے؟

خوشخبری سنایئے! ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے حضور بندگی کے وقت فرشتوں کی صفوں کی طرح صفیں بناتے ہیں۔

(٥٧٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوعاً: ((خِيَارُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ أَعْظَمُ أَجْراً مِنْ خُطْوَةٍ مَشَاهَا رَجُلٌ إِلَى فُرْجَةٍ فِي الصَّفِّ فَسَدَّهَا۔))

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو نماز میں (صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کے معاملے میں) نرم کندھوں والے ہیں۔ اس قدم سے زیادہ کسی قدم پر اجر نہیں

جو صف کے شگاف کو پر کرنے کے لیے اٹھایا جاتا ہے۔'' (الصحیحۃ:۲۵۳۳)

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ۱/ ۳۲/ ۲، وأخرج الديلمي في "مسند الفردوس": ٤/ ٢٤ الشطر الثاني من الحديث، والبزار الشطر الاول منه

شرح: ...... دو حکم ثابت ہوئے: (۱) نماز میں صف بندی کے وقت مل کر کھڑے ہونا اور (۲) صف کو پر کرنے کی خاطر چلنے والے قدم کی فضیلت۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا:

خطابی نے (معالم السنن: ۱/ ۳۳٤) میں کہا: ''کندھوں کی نرمی'' سے مراد نماز میں سکون اور اطمینان ہے، نہ نمازی خود کسی کی طرف متوجہ ہو اور نہ اپنے کندھے کو کسی کے کندھے سے رگڑے۔ لیکن ان الفاظ سے ایک دوسرا معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ جو بندہ صف کے شگاف کو پر کرنے کے لیے یا جگہ کی تنگی کے باوجود صف میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو پہلے سے موجود شخص اسے نہ روکے، بلکہ اس کو جگہ دے اور اپنے کندھے کے ذریعے اسے دھکا نہ دے، تاکہ صفیں مل جائیں اور کندھے سے کندھا لگ جائے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: پہلا معنی حدیث کے سیاق و سباق سے بہت دور ہے، بشرطیکہ کوئی غور و تامل کرنے والا ہو اور دوسرا معنی حدیث کے موافق ہے، اس کی تائید سنن ابی داود کی روایت کے الفاظ سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَقِيْمُوْا الصُّفُوْفَ، وَحَاذُوْا بِالْمَنَاكِبِ، وَسُدُّوْا الْخَلَلَ، وَلِيْنُوْا بِأَيْدِيْ إِخْوَانِكُمْ، وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ، وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ۔)) ...... ''صفوں کو سیدھا کرو، مونڈھوں کو برابر کرو، شگافوں کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے شگاف نہ چھوڑو۔ جس نے صف کو ملایا، اللہ تعالی اس کو (اپنی رحمت سے) ملائے گا اور جس نے صف کو کاٹا، اللہ تعالی اس کو (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔''

اس کی سند صحیح ہے، جیسا کہ امام نووی نے کہا۔ اس روایت سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ ''نرمی'' کا تعلق شگافوں کو پُر کرنے اور صفوں کو ملانے سے ہے، اسی لیے امام ابوداود نے اس حدیث کے بعد کہا: ''اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ'' کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی صف میں داخل ہونا چاہتا ہو تو ہر آدمی کو اس کے لیے اپنا کندھا نرم کر دینا چاہیے، تاکہ وہ صف میں داخل ہو جائے، اسی بنیاد پر امام نووی نے استدلال کرتے ہوئے (المجموع: ۴/ ۳۰۱) میں کہا: جو آدمی صف میں داخل ہونا چاہتا ہے، اس کے لیے وسعت پیدا کرنا مستحب ہے۔

محبِ سنت پر واضح ہونا چاہیے کہ خطابی کا بیان کردہ پہلا قول، نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے صحابہ کے عمل کے مخالف ہے، سیدنا انس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''صفوں کو سیدھا کیا کرو، کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا رہتا ہوں۔''

پھر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم میں سے ہر کوئی اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنا پاؤں اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ ملا دیتا۔ (بخاری: ۷۲۵)

اس حدیث کا شاہد سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں نے ان دونوں کی تخریج (صحیح ابی داود: ٦٦٨) میں کی ہے۔

بعض لکھاریوں نے اس چیز کا انکار کر دیا کہ نماز باجماعت کے لیے کھڑے ہونے والے لوگ کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملائیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح مل کر کھڑے ہونا صف بندی کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کا تقاضا نہیں ہے، اس ملنے ملانے سے مراد شگافوں کو پُر کرنا ہے، نہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جانا۔

حقیقت یہ ہے ان لوگوں نے ان احادیث کے عملی تقاضوں کو پورا نہیں کیا، یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس کی شان کے مطابق تسلیم کرنے کی بجائے ان کی تعطیل کر دی۔ بلکہ صف بندی کی احادیث کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، کیونکہ راویٔ حدیث ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کر رہا ہے اور دوسری طرف صحابہ کرام کی تعمیل بیان کر رہا ہے کہ انھوں نے کندھے اور پاؤں ملائے تھے۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ حقیقت میں ملنا ملانا مراد ہی نہیں ہے، بس اللہ ہی ہے، جس سے تائید و نصرت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ (صحیحہ: ۲۰۳۳)

قارئین کرام! یہ وہ فرمودات نبوی ہیں، جو صفوں کی درستگی اور ان میں مل کر کھڑے ہونے پر دلالت کرتے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ بعض مساجد میں نہ صرف یہ کہ اس اہم سنت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کی غلط تاویلیں کر کے عوام الناس کو اس کی مخالفت پر ابھارا جاتا ہے۔

صف کے شگاف کو پر کرنے کے لیے اٹھنے والے قدم کی فضیلت

(۵۷۸)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((خِيَارُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ أَعْظَمُ أَجْراً مِنْ خُطْوَةٍ مَشَاهَا رَجُلٌ إِلٰى فُرْجَةٍ فِي الصَّفِّ فَسَدَّهَا۔)) (الصحيحة: ۲۰۳۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو نماز میں (صفوں میں مل کر کھڑے ہونے کے معاملے میں) نرم کندھوں والے ہیں۔ اس قدم سے زیادہ کسی قدم کا اجر نہیں جو صف کے شگاف کو پر کرنے کے لیے اٹھایا جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٣٢/ ٢، وأخرج الديلمي في "مسند الفردوس": ٤/ ٢٤ الشطر الثاني من الحديث، والبزار الشطر الاول منه

شرح:...... دو احکام ثابت ہوئے: (۱) نماز میں صف بندی کے وقت مل کر کھڑے ہونا اور (۲) صف کو پر کرنے کی خاطر چلنے والے قدم کی فضیلت۔

اللہ تعالیٰ دورانِ جماعت صفوں کو ملانے والوں پر رحمت نازل کرتا ہے

(۵۷۹)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفَ۔))

(الصحيحة:٢٢٣٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے (نماز میں) صفیں ملانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن وهب في "الجامع":٥٨/ ٢

شرح:...... فرشتوں کے رحمت بھیجنے سے مراد نزولِ رحمت کی دعا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ رحمت اور دعائے رحمت وصول کرنے کی توفیق دے۔

(۵۸۰)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ فِي الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفِ ، وَمَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً۔))

(الصحيحة: ٢٥٣٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفیں ملانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اور جو (صف) کے خلا کو پر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٩٩٥، وأحمد: ٦/ ٨٩، و واخرجه احمد: ٦/ ٦٧ ايضا و ابن خزيمة: ١٥٥٠، وابن حبان: ١٥١١، والحاكم: ١/ ٢١٤ دون قوله: ((ومن سد......))

شرح:...... اس میں صفوں میں مل کر کھڑے ہونے والوں اور اس کے شگافوں کو پر کرنے والوں کی فضیلت و منقبت کا بیان ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں بھیجتا ہے اور ان کے درجات بلند کرتا ہے اور فرشتے ان کے لیے نزولِ رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔

ستونوں کے مابین صف بنانا منع ہے

(۵۸۱)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كُنَّا نُنْهٰى أَنْ نَصُفَّ بَيْنَ السَّوَارِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنُطْرَدُ عَنْهَا طَرْداً۔

(الصحيحة:٣٣٥)

معاویہ بن قرہ اپنے باپ سیدنا قرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ستونوں کے درمیان صفیں بنانے سے منع کیا جاتا تھا اور وہاں سے ہٹایا جاتا تھا۔

تخريج:أخرجه ابن ماجه: ١٠٠٢، ابن خزيمة: ١٥٦٧، ابن حبان: ٤٠٠، والحاكم: ١/ ٢١٨، والبيهقي: ٣/ ١٠٤، والطيالسي: ١٠٧٣

شرح:...... نماز میں صف بندی کے حوالے سے وضاحت ہو چکی ہے، نبی کریم ﷺ نے نماز باجماعت میں

مضبوطی کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے اور اس حکم پر عمل اس صورت میں ممکن ہے، جب صف کے بیچ میں ستون جیسی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ستونوں کے مابین صف بنانا ترک کر دیا جائے اور ضروری ہے کہ نمازی اس صف سے آگے پیچھے ہو جائیں، ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن قاسم نے (المدونة: ۱/ ۱۰٦) میں اور امام بیہقی (۳/ ۱۰٤) نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: لَا تُصَفُّوْا بَيْنَ السَّوَارِيْ۔ ...... ستونوں کے درمیان صفیں مت بناؤ۔

امام بیہقی نے کہا: اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ ستون صف میں مل کر کھڑے ہونے میں خلل پیدا کرے گا۔

اور امام مالک نے کہا: اگر مسجد تنگ ہو تو ستونوں کے درمیان صفیں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامه: ۲/ ۲۲۰) میں ہے: امام کا ستونوں کے مابین کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن مقتدیوں کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ان کی صف منقطع ہو جائے گی، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام نخعی نے ایسا کرنے کو مکروہ سمجھا ہے، سیدنا حذیفہ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے، البتہ ابن سیرین، امام مالک، اصحاب الرائے اور ابن منذر نے رخصت دی ہے اور کہا ہے کہ منع پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔

لیکن ہم یہ کہیں گے کہ سیدنا معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے، جو ستونوں کے مابین صف بنانے سے منع کرتی ہے ...... اور یہ وجہ بھی ہے کہ ایسا کرنے سے صف منقطع ہو جاتی ہے، ہاں اگر مقتدیوں کی تعداد تھوڑی ہو اور دو ستونوں کے اندر سما سکتے ہوں تو اس میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (صحیحه: ۳۳۵)

اس حدیث میں صرف ستونوں کا ذکر ہے، لیکن اس حدیث سے یہ استدلال کرنا درست ہے کہ جو چیز ستون کی طرح صف میں انقطاع پیدا کرے گی، اس کا حکم بھی یہی ہو گا، مثلاً: صف کے بیچ میں کم سن اور ناسمجھ بچہ کھڑا کر دینا، کوئی سامان رکھ دینا۔ جیسا کہ امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو آدمی صفوں کو منقطع کرنے والے لمبے لمبے اور زیادہ سیڑھیوں پر مشتمل منبروں کا اہتمام کرتا ہے یا صفوں کے بیچ میں ہیٹر اور انگیٹھی وغیرہ رکھتا ہے، اسے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ اس حدیثِ مبارکہ کا مصداق بن جائے: ((...... وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ)) (صحیح ابو داود: ۶۷۲) ...... ''جو صف کو منقطع کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ دے گا۔'' (الصحیحه: ۳۳۵)

خاوند کی نافرمان بیوی کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۵۸۲)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((اِثْنَانِ لَاتُجَاوِزُ صَلَاتُهُمَا رُؤُوْسَهُمَا: عَبْدٌ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ، وَامْرَأَةٌ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے تجاوز نہیں کرتی: اپنے آقاؤں سے بھاگا ہوا غلام یہاں

عَصَتْ زَوْجَهَا حَتّٰى تَرْجِعَ۔)) تک کہ وہ لوٹ آئے اور اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی عورت یہاں تک کہ وہ باز آ جائے۔''

(الصحيحة:٢٨٨)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير": صـ ٩٧، و"الأوسط": ١/ ١٦٩/ ٢، عن محمد بن أبي صفوان الثقفي: ثنا ابراهيم بن أبي الوزير، والحاكم في "المستدرك" ٤/ ١٧٣

شرح: ...... غلاموں کا سلسلہ فی الحال منقطع ہو چکا ہے۔ اس حدیث میں خاوند کی نافرمان بیوی کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ قبولیتِ اسلام کے بعد گھر کی چاردیواری میں رہتے ہوئے عورت کا سب سے بڑا سرمایہ نماز ہے، لیکن گھر کے سربراہ کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔

قبول کے دو معانی ہیں: (۱) کفایت کرنا، (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ثواب ملنا۔

اس حدیث میں دوسرا معنی مراد ہے، یعنی ایسا غلام اور بیوی نماز کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اگرچہ فریضۂ نماز ادا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر وہ نمازِ ظہر ادا کرنے سے اس فرض سے بری ء الذمہ ہو جائیں گے اور انھیں نماز ترک کرنے کا گناہ نہیں ملے گا، لیکن وہ اپنے جرائم کی وجہ سے اس کے اجر و ثواب سے محروم رہیں گے۔ میاں بیوی کی لڑائی سے ان کی اولاد بھی شدید متاثر ہوتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس جھگڑے کی وجہ سے دو خاندان افتراق و انتشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں۔

اذان اور اقامت کے دوران وقفہ کی مقدار

(٥٨٣)۔ قَالَ ﷺ: ((اِجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ نَفَسًا قَدْرَ مَا يَقْضِي الْمُعْتَصِرُ حَاجَتَهُ فِي سَهْلٍ، وَقَدْرَمَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ طَعَامِهِ فِي مَهْلٍ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرو کہ قضائے حاجت کرنے والا آرام سے اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور کھانا کھانے والا اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔'' یہ حدیث حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔

(الصحيحة:٨٨٧)

تخريج: ١۔ أما حديث أبيّ: فأخرجه عبدالله بن أحمد في "زيادات المسند": ٥/ ١٤٣، و الضياء المقدسي في "المنتقي من مسموعاته بمرو": ق١٤١/ ٢

٢۔ وأما حديث جابر: فأخرجه الترمذي: ١/ ٣٧٣، والعقيلي في "الضعفاء": ٢٦٦، وابن عدي في "الكامل": ٧/ ١٩٢، وعنه البيهقي: ١/ ٤٢٨ و٢/ ١٩، والخطيب في "تلخيص المتشابه": ٢٦، ٢٧

٣۔ وأما حديث أبي هريرة: أخرجه أبو الشيخ في "الأذان": وعنه البيهقي

٤۔ وأما حديث سلمان: رواه أبو الشيخ أيضا كما في "الجامع الصغير"

شرح:...... نماز با جماعت ادا کرنے والے نمازی کو اذان کے بعد کون سی ضرورت پڑ سکتی ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیے کتنا وقت درکار ہو سکتا ہے، شریعت نے اس کا تعین بھی کر دیا اور اس کا حل بھی پیش کر دیا۔ لوگوں کی فطرتی ضروریات اور حاجات کو مدنظر رکھا، تاکہ تمام لوگ نماز با جماعت کا شرف حاصل کر لیں۔ اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اذان اور جماعت کے درمیان تقریباً ۱۵، ۱۶ منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے۔

ہمارے ہاں اکثر مساجد میں نماز مغرب کی اذان کے بعد فوراً جماعت کھڑی کر دی جاتی ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو رکعت نفل ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگ دو رکعت نفلی نماز بھی ادا کر سکتے ہیں اور اذان سن کر نماز کی تیاری کرنے والے آسانی کے ساتھ جماعت میں شریک بھی ہو سکتے ہیں۔ روحِ اذان بھی یہی ہے کہ اذان کے بعد کچھ مہلت دی جائے، کیونکہ اذان کا ایک مقصد نمازیوں کو بلانا بھی ہے، اس لیے ان کے پہنچنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس گھر کی فضیلت جس میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہو

(٥٨٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اِجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوْتِكُمْ، وَلَا تَجْعَلُوْهَا عَلَيْكُمْ قُبُوْراً، كَمَا اتَّخَذَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِي بُيُوْتِهِمْ قُبُوْراً، وَإِنَّ الْبَيْتَ لَيُتْلٰى فِيْهِ الْقُرْآنُ، فَيَتَرَاءٰى لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تَتَرَاءٰى النُّجُوْمُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ۔)) (الصحيحة:٣١١٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی نمازوں کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو، ان کو قبرستان نہ بنا دو، جیسا کہ یہودیوں نے اپنے گھروں کو قبرستان بنا دیا تھا، بیشک جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے وہ اہلِ آسمان کو ایسے نظر آتا ہے جیسے اہلِ زمین کو ستارے۔''

تخريج: أخرجه الذهبي في "سير أعلام النبلاء": ٨/ ٢٦، وأخرجه احمد: ٦/ ٦٥ دون قوله: ((كما اتخذت ......))

شرح:...... اس اہل خانہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ کریں کہ جن کا گھر نفلی نماز اور تلاوتِ قرآن کی وجہ سے آسمان والوں کو ستاروں کی طرح چمکتا نظر آتا ہو۔ نماز اور تلاوت کے معدوم ہونے کی وجہ سے گھر کو قبر کے ساتھ تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱) مردوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں یعنی قبروں میں نماز نہیں پڑھ سکتے یا......

(۲) جو آدمی اپنے گھر میں نماز نہیں پڑھتا، اس بارے میں یوں سمجھئے کہ وہ مردہ ہے اور اس کا گھر قبر ہے۔ ہر کسی کو اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیے۔

نفلی نماز گھروں میں ادا کرنا افضل ہے

(٥٨٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اِجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوْتِكُمْ ، وَلَا تَجْعَلُوْهَا عَلَيْكُمْ قُبُوْراً، كَمَا اتَّخَذَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِي بُيُوْتِهِمْ قُبُوْراً، وَإِنَّ الْبَيْتَ لَيُتْلٰى فِيْهِ الْقُرْآنُ ، فَيَتَرَاءٰى لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تَتَرَاءٰى النُّجُوْمُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ۔)) (الصحيحة:٣١١٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نمازوں کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو، ان کو قبرستان نہ بنا دو، جیسا کہ یہودیوں نے اپنے گھروں کو قبرستان بنا دیا تھا، بیشک جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے وہ اہلِ آسمان کو ایسے نظر آتا ہے جیسے اہلِ زمین کو ستارے نظر آتے ہیں۔“

تخريج: أخرجه الذهبي في ”سير أعلام النبلاء“: ٨/ ٢٦ ، وأخرجه احمد: ٦/ ٦٥ دون قوله: ((كما اتخذت ......))

(٥٨٦)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قَضٰى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِي مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيْباً مِنْ صَلَاتِهِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِي بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْراً۔)) (الصحيحة:١٣٩٢)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی آدمی مسجد میں اپنی نماز مکمل کر لے تو اسے چاہیے کہ کچھ نماز گھر میں بھی ادا کیا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ١٨٧ ـ ١٨٨ ، وابن ماجه: ١/ ٤١٥ ، وأحمد: ٣/ ٥٩ ، ٣١٦ ، والخطيب في ”التاريخ“ ٤/ ٣١١

(٥٨٧)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ: تَطَوُّعُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ يَزِيْدُ عَلٰى تَطَوُّعِهِ عِنْدَ النَّاسِ ، كَفَضْلِ صَلَاةِ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ عَلٰى صَلَاتِهِ وَحْدَهُ۔ (الصحيحة:٣١٤٩)

ایک صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: آدمی کا گھر میں نفلی نماز پڑھنے کا ثواب لوگوں کے پاس پڑھنے کی بہ نسبت اتنا زیادہ ہے جتنا کہ اکیلی (فرض) نماز کے مقابلے میں باجماعت نماز کا اجر و ثواب ہے۔

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في ”مصنفه“: ٣/ ٧٠/ ٤٨٣٥ ، وكذا ابن أبي شيبة: ٢/ ٢٥٦ ، وهذا الموقوف فى حكم المرفوع ، لانه لايقال بالرأى والاجتهاد

شرح:...... عصر حاضر میں لوگ دو گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، کچھ جدت پرستوں کی مساجد سے لاتعلقی اور بیزاری یوں لگتی ہے شاید وہ مسجد کو گرجا گھر سمجھ بیٹھے ہیں اور بعض لوگ فرضی و نفلی تمام نمازوں کے لیے مسجد کا ہی تعین

کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ راہِ اعتدال سے منحرف ہو کر افراط و تفریط کا شکار ہیں، چاہئے یہ کہ فرضی نمازوں کے لیے بہر صورت اللہ تعالیٰ کی مساجد کا اہتمام کیا جائے اور نفلی نمازوں کے لیے گھروں کو اور مخفی مقامات، جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو، کو ترجیح دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّمَا اَفْضَلُ؟ اَلصَّلَاةُ فِيْ بَيْتِيْ اَوِ الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ؟ قَالَ ﷺ: ((اَلَا تَرٰى اِلٰى بَيْتِيْ؟ مَا اَقْرَبَهٗ مِنَ الْمَسْجِدِ! فَلَاَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ۔ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَلَاةٌ مَّكْتُوْبَةٌ۔)) (ابن ماجه) ...... ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میرا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ میرے گھر کو نہیں دیکھتے؟ وہ مسجد کے بہت زیادہ قریب ہے، لیکن پھر بھی مجھے مسجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ محبوب ہے، سوائے فرضی نماز کے (وہ مسجد میں ہی ادا کرنی چاہئے)۔''

(۵۸۸)۔ عَنْ اَنَسٍ وَجَابِرٍ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتْرُكُوْا النَّوَافِلَ فِيْهَا۔))

(الصحيحة: ۱۹۱۰)

حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور ان میں نوافل کی ادائیگی ترک نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني في "الأفراد": وعنه الديلمي في "مسند الفردوس": معلقا: ۲/ ۱۴۱

شرح:...... اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گھروں میں برکت ہوتی ہے اور نماز، ذکر الٰہی کا سب سے عظیم ذریعہ ہے، احباب کو چاہئے کہ وہ فرضی نماز کے لیے بہر صورت مساجد کا انتخاب کریں، لیکن پہلے والی اور بعد والی سنتیں اور دوسرے نوافل گھروں میں ادا کیا کریں، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی مسجد میں اپنی نماز مکمل کر لے تو اسے چاہئے کہ وہ کچھ نماز گھر میں بھی پڑھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا۔'' (مسلم)

(۵۸۹)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ مَرْفُوْعاً: ((لَا تَتَّخِذُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْراً، صَلُّوْا فِيْهَا۔)) (الصحيحة: ۲۴۱۸)

سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا دو، ان میں نماز پڑھا کرو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۴/ ۱۱۴، ۵/ ۱۹۲، وابن نصر في "قيام الليل": ۳۰

شرح:...... ''گھروں کو قبریں نہ بناؤ'' اس کے دو مفہوم ہیں: (۱) مردوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جو اپنی قبروں میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ (۲) جو آدمی اپنے گھر میں نفلی نماز نہیں پڑھے گا، اس نے اپنے آپ کو میت اور اپنے گھر کو قبر بنا دیا ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں دیے گئے حکم کا تعلق نفلی نماز سے ہے۔

بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرنا

(۵۹۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((صَلُّوْا فِي مَرَاحِ الْغَنَمِ، وَامْسَحُوْا رَغَامَهَا، فَإِنَّهَا مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:١١٢٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرو اور ان کی مٹی چھوا کرو، کیونکہ یہ جنت کے جانوروں میں سے ہیں۔''

تخریج: رواه ابن عدي: ٢٧٦/١، عنه البيهقي: ٤٤٩/٢، والخطيب في "التاريخ": ٧/ ٤٣٢، والبزار: ٤٩

شرح: ...... حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ جانوروں میں بکری سے سب سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے۔

سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صلوا فیھا فانھا برکۃ۔)) ...... ''ان میں نماز پڑھ لیا کرو، کیونکہ ان میں برکت ہے۔'' (ابوداود: ١٨٤، ترمذی: ٨١، ابن ماجه: ٤٩٤)

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ بکریوں میں بغاوت اور سرکشی کا مادہ نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کے مزاج میں ضعف اور سکینت ہوتی ہے، وہ نمازی کو تکلیف دیتی ہیں نہ اس کی نماز منقطع کرتی ہیں، بلکہ یہ برکت والی ہوتی ہیں، اس لیے ان کے باڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔ (عون المعبود: ١/ ١٢٠)

خلوت میں ادا کی گئی نماز کا اجر و ثواب اور اس کی وجہ

(۵۹۱)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلَى صَلَاتِهِ وَحْدَهُ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً وَإِنْ صَلَّاهَا بِأَرْضٍ فُلَاةٍ، فَأَتَمَّ وُضُوْءَهَا وَرُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا بَلَغَتْ صَلَاتُهُ خَمْسِيْنَ دَرَجَةً۔)) (الصحيحة:٣٤٧٥)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ۲۵ درجے زیادہ ہے، اور اگر وہ ویران جنگل میں ہو اور وضو اور رکوع و سجود مکمل انداز میں ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ۵۰ درجوں تک پہنچ جاتی ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٤٧٩/٢، وابويعلى في "مسنده": ٢/ ٢٩١/ ١٠١١، وابوداود: ٥٦٠، والحاكم: ١/ ٢٠٨، وأخرج البخاري: ٦٤٦، وابن ماجه: ٧٨٨ الشطر الاول منه فقط

شرح: ...... یہ للّٰہیت اور خلوص کی برکتیں ہیں، آدمی جتنا ریاکاری سے دور ہوگا، اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتدال کے ساتھ نماز پڑھنا، رکوع و سجود مکمل کرنا نماز کی تکمیل میں سے ہے، اگر کوئی مسلمان

کسی آبادی میں مسجد کے قریب ہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں فرضی نماز ادا کرے۔ لیکن اگر وہ کسی بے آباد علاقے میں ہو یا سفر میں ہو۔ بالخصوص جب اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو، تو ایسے حالات میں ادا کی گئی نماز کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوسکتا ہے، کیونکہ جہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بشر دیکھنے والا نہ ہو، وہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے، ریاکاری کے شبہات کے کم ہونے اور خلوص کے زیادہ ہونے کی امید ہوتی ہے۔

(۵۹۲)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: ((يَعْجَبُ رَبُّكُمْ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ بِجَبَلٍ، يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ، يَخَافُ مِنِّيْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔))

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تمھارا رب اس چرواہے پر تعجب کرتا ہے، جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرا رہا ہو، وہ نماز کے لیے اذان دیتا ہو اور نماز پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: میرے اس بندے کی طرف دیکھو، اذان دے رہا ہے اور نماز قائم کر رہا ہے، وہ مجھ سے ڈرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔''

(الصحيحة:٤١)

تخريج: رواه أبوداود في "صلاة السفر": ۱۲۰۳، والنسائي في "الأذان": ۱/ ۱۰۸، وابن حبان: ۲۶۰

شرح:...... اس حدیث مبارکہ میں اس آدمی کا تذکرہ ہو رہا ہے، جو لوگوں سے دور ہے اور کسی مسجد میں پہنچنا اس کے لیے ناممکن ہے۔

وہ نیکی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے جو خلوت میں کی جائے، جہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دیکھنے والا نہ ہو، جہاں اطاعت و فرمانبرداری کی بنیاد صرف اور صرف خشیتِ الٰہی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہماری خلوتوں اور جلوتوں میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔ (آمین) میرا ایک دوست خوبصورت انداز میں نماز پڑھتا ہے، اس نے مجھے بتایا کہ اس کی کمپنی کے مینجر کی موجودگی میں نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا، جب اس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے تیار ہوا تو یہ خیال آیا کہ اس کا مینجر یہ نہ سوچے کہ یہ اس کو دکھانے کے لیے اپنی نماز میں حسن پیدا کر رہا ہے۔ جب یہ خباثت اس کے ذہن میں آئی تو اس نے وہاں نماز ادا کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور جب مینجر چلا گیا تو اس نے خلوت میں نماز ادا کی۔

لیکن ذہن نشین رہے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو مقدم سمجھا جائے، مثلا نمازِ باجماعت ادا کرنا، اس کا تعلق خلوت سے نہیں ہے۔ اب اگر کوئی آدمی یہ کہنا شروع کر دے کہ وہ فرضی نماز بھی خلوت میں ادا کرے گا، تو اس کا یہ کہنا درست نہ ہوگا، کیونکہ شرعی فیصلہ جماعت کے حق میں ہے۔ ہاں اگر کسی کو نماز باجماعت کی وجہ سے ریاکاری اور نمود و نمائش کا خطرہ ہو تو وہ تعوذ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے خلوص کی توفیق طلب کرے، نہ کہ یہ کہ وہ جماعت ہی ترک کر دے۔

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فقہ الحدیث یہ ہے کہ اکیلے آدمی کو بھی اذان کہنی چاہیے، امام نسائی نے اس حدیث پر

یہی باب قائم کیا ہے۔ مسيء الصلاۃ والی حدیث کے بعض طرق کے مطابق نبی کریم ﷺ نے اسے اذان اور اقامت کہنے کا بھی حکم دیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں چیزوں میں تساہل نہیں برتنا چاہیے۔ (صحیحہ: ۴۱)

مسجد بنانے کا صلہ

(٥٩٣)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ أَوْسَع مِنْهُ۔))

(الصحيحة: ٣٤٤٥)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد تعمیر کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اس سے وسیع گھر بنائے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ٢٦٧۔٢٦٨/ ٧٨٨٩

(٥٩٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((مَنْ بَنٰى مَسْجِداً لَا يُرِيْدُ بِهِ رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔))

(الصحيحة: ٣٣٩٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مسجد تعمیر کی اور اس کا ارادہ نہ ریاکاری کا ہو اور نہ شہرت کا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٨/ ٥/ ٧٠٠١، والبخاری فی "التاريخ": ١/ ١/ ٣٣٢، والبزار فی "مسنده": ١/ ٢٠٥/ ٤٠٤، البيهقى فی "الشعب": ٣/ ٨١/ ٢٩٣٩، والطحاوی فی "مشكل الآثار": ٤/ ١٣/ ١٥٥٦

شرح:...... جو آدمی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا گھر بناتا ہے، اللہ تعالیٰ بدلے میں اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے، بڑا تناسب ہے اور بڑی قدر دانی ہے، کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مسکن بنا رہے ہیں۔ آج مساجد کی زیب و زینت پر بہت زیادہ مال و دولت خرچ کیا جاتا ہے، یاد رہے کہ یہ نبوی منہج نہیں ہے، یہ ہمارے دماغ کی ایجاد ہے کہ پہلے ہم نے اپنے گھروں پر بے دریغ خرچ کر کے انہیں زینت بخشی اور پھر ان پر مساجد کو قیاس کر کے بیل بوٹوں اور منقش پتھروں کا کام مساجد میں شروع کر دیا۔ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اگر کوئی شخص اس کا گھر بنانا چاہتا ہے تو اسے اس کی تعمیر کے مراحل کو طے کرنے کے لیے احکام شریعت کی پاسداری کرنا پڑے گی، پہلے اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے۔

مسجد نبوی کا عمارتی ڈیزائن اور مسجد کی عمارت

(٥٩٥)۔ قَالَ ﷺ: ((اِبْنُوْهُ عَرِيْشاً كَعَرِيْشِ مُوْسٰى۔)) يَعْنِي: مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ۔ رُوِيَ مُرْسَلاً عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، وَسَالِمِ بْنِ عَطِيَّةَ وَالزُّهْرِيِّ، وَرَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح اس کو تعمیر کر دو۔“ یہ حدیث حسن بصری، سالم بن عطیہ، زہری اور راشد بن سعد سے مرسلاً اور حضرت ابو دردا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم سے موصولاً روایت کی گئی ہے۔

وَمَوْصُوْلاً عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ۔ (الصحيحة:٦١٦)

تخريج:

١۔عن الحسن؛ فأخرجه ابن أبي الدنيا في "قصر الأمل": ٣/ ٢٥/ ٢

٢۔عن سالم بن عطية؛ فأخرجه البيهقي في "سننه": ٢/ ٤٣٩

٣۔عن الزهري؛ فأخرجه ابن سعد في "الطبقات": ١/ ٢٣٩۔٢٤٠

٤۔عن راشدبن سعد: قال المفضل الجندي في كتاب "فضل المدينة": ٤٧۔منسوختي

٥۔عن أبي الدرداء؛ قال أبو حامد الحضرمي الثقة في "حديثه": ٢/ ٢، والمخلص في "الفوائد المنتقاة": ٩/ ١٩٣/ ١

٦۔عن عبادة؛ أخرجه ابن أبي الدنيا، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٢/ ٥٤٢، والطبراني في "مسند الشاميين": صـ ٤٢٥

شرح:...... مساجد کی تعمیر میں بلا شک وشبہ بہت بڑا اجر وثواب ہے، یہ عمل حصول جنت کا ایک بڑا سبب ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالی تعاون کرنے والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے (آمین)۔ بہرحال عصر حاضر میں اکثر مساجد کی انتظامیہ کی سوچوں کا مرکز ومحور یہ بن چکا ہے کہ ان کی مسجد خوبصورت ترین ہونی چاہیے، آج کل ایک ایک مسجد پر کروڑوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں، جبکہ ہدایت اوران کی آبادی کا معاملہ تعمیر نو سے پہلے والا ہی بلکہ اس سے بھی بدتر نظر آتا ہے۔ اس معاملے سب سے پہلے دلائل کا جائزہ لینا چاہیے۔

(۱)......سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسْجِدِ۔)) ......"میں (محمد ﷺ) کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مساجد کی تزئین وآرائش کروں۔" پھر سیدنا ابن عباس نے خود کہا: لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتْهَا الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔ ......تم مساجد کو اس طرح مزین کرو گے، جیسے یہود ونصاری نے (اپنی عبادت گاہوں کو) کیا تھا۔ (ابوداود: ۴۴۸)

(۲)......سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِيْ الْمَسَاجِدِ۔)) (ابوداود: ٤٤٩، ابن ماجه: ٧٣٩، نسائي: ٢١٢٣) ......"اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ لوگ مساجد (کی تعمیر) میں فخر نہ کرنے لگ جائیں۔"

نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں جہاد کے موقع پر کروڑہا روپوں کی مالیت کا فنڈ جمع کیا جاتا تھا اور آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جتنا مالِ غنیمت حاصل کر کے اس کو لوگوں میں تقسیم کیا، اس کا تو اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا لیکن جب مسجد نبوی کی تعمیر کا وقت آتا ہے تو اس کو حضرت موسی علیہ السلام کے چھپر کا ڈیزائن دے دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے

خلفائے راشدین، بالخصوص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سنہری عہد خلافت میں کثیر آمدنی کے انوکھے ذرائع عطا کیے، جن میں قیصر و کسری کے خزانوں کو بھی مسلمانوں پر لٹا دیا، لیکن مسجد نبوی کا عمارتی ڈیزائن نہیں بدلایا گیا۔ آخر ایسا کرنے میں کیا راز ہے؟ خیر و بھلائی اور تقوی و طہارت کا مرکز مسجد نبوی ہے، اس کے معمار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہیں، مسجد حرام کے بعد اس کی فضیلت مسلّم ہے، اس میں ایک نماز کا ایک ہزار گنا زائد ثواب ملتا ہے، لیکن اس کو چھپر کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اپنے کیے پر غور و خوض کر کے مساجد کو آباد کرنے کی فکر کرنی چاہیے، نہ کہ اس کو خوبصورت سے خوبصورت بنانے کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح شخصیتوں اور اقوام کے معماروں پر روپیہ پیسہ خرچ کر کے خدمتِ اسلام میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

یہ بات ذہن نشین کرنا پڑے گی کہ مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے، کیا یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اس کے ڈیزائن اور بناوٹ کی ترتیب کی اجازت بھی گھر کے مالک یعنی اللہ تعالی سے لی جائے گی۔ ہم اپنے معاشرے کے گھروں کی پرشکوہ اور پرجلال عمارتوں سے مرعوب ہو گئے اور ان سے مساجد کا تقابل اور موازنہ کرنے لگ گئے۔

اس معاملے میں یہ حقیقت انتہائی حیران کن ہے کہ جو لوگ مساجد پر بے حساب رقم خرچ کرتے ہیں، اسی مسجد میں جب خطیب، امام، خادم اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں بچوں کے مدرس کی تنخواہ کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے تو انتہائی کنجوسی کا معاملہ کیا جاتا ہے اور بلا رو رعایت لکھنا پڑے گا کہ انتظامیہ کے اکثر افراد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ لوگ فارغ البال نہ ہوں اور ان کے پنجوں میں جکڑے رہیں۔ اگر خدمتِ اسلام ہی مقصود ہے تو یہ تضاد کیوں ہے؟

ہم نے "اَلْفِتَنُ وَ اَشْرَاطُ السَّاعَةِ وَالْبَعْثُ" میں "مسجد کو مزین کرنے اور مصحف کو خوبصورت بنانے پر ہلاکت" کے عنوان کے تحت درج ذیل حدیث کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر سیر حاصل اور مفید بحث کی ہے، آپ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

(٥٩٦)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ مَرْفُوْعًا (مُرْسَلاً): ((إِذَا زَوَّقْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ وَحَلَّيْتُمْ مَصَاحِفَكُمْ، فَالدَّمَارُ عَلَيْكُمْ۔)) (الصحيحة: ١٣٥١)

سعید بن ابوسعید مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم لوگ مساجد کو مزین کرنے لگو اور مصاحف کو خوبصورت بناؤ گے تو تم پر ہلاکت و بربادی ہو گی۔"

تخريج: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف" ١/ ١٠٠/ ٢۔ مخطوطة الظاهرية

محلوں میں تعمیر مساجد کا حکم

(٥٩٧)۔ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَمَّنْ حَدَّثَهُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كَانَ

عروہ بن زبیر، ایک صحابیٔ رسول سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اپنے محلوں میں

يَأْمُرُنَا أَنْ نَصْنَعَ الْمَسَاجِدَ فِي دُوْرِنَا وَأَنْ نُصْلِحَ صُنْعَتَهَا وَنُطَهِّرَهَا۔

اچھے انداز میں مساجد تعمیر کریں اور انھیں پاک صاف رکھیں۔

(الصحيحة: ٢٧٢٤)

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٧١

شرح: ...... اگر کسی محلے والوں کو اس علاقے کی مسجد دور پڑتی ہو تو انھیں چاہئے کہ وہ اپنے گھروں کے قریب مسجد تعمیر کر لیں اور اس کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔ آج کل مسجد کا نظم چلانے کے لیے مسجد کی انتظامیہ خادم مسجد کے نام سے ایک ملازم رکھ لیتی ہے اور پھر ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اب مسجد کی صفائی کا صرف اور صرف ایک آدمی سے تعلق ہے۔ یہ بات قطعی طور پر درست نہیں ہے، شریعت کے نزدیک ہر کوئی اس کے احکام کا مخاطب ہے، اگر لوگ اپنی آسانی کی خاطر ایسا کر لیتے ہیں تو درست تو ہے، لیکن اگر مسجد میں گندگی نظر آ رہی ہو اور خادم مسجد غیر حاضر ہو تو کیا وہ گندگی اسی طرح پڑی رہے گی، کسی طرح بھی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا، ہونا یہ چاہئے کہ اللہ کے گھر کی صفائی کرنا ہر کوئی اپنی سعادت سمجھے۔

مساجد کے آداب

(٥٩٨)۔ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((لَاتَتَّخِذُوْا الْمَسَاجِدَ طُرُقاً إِلَّا لِذِكْرٍ أَوْ صَلَاةٍ۔))

سالم اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مساجد کو راستے نہ بناؤ، یہ تو صرف اللہ کے ذکر یا نماز کے لیے ہیں۔''

(الصحيحة: ١٠٠١)

تخريج: رواه ابن أبي ثابت في "حديثه" ١/ ١٢٦/ ١، والطبراني في "الكبير": ٣/ ١٩٤/ ٢

شرح: ...... مساجد کے مقاصد بیان کئے جا رہے ہیں کہ وہاں کی مصروفیت کی دو ہی صورتیں ہیں: ذکر الٰہی یا نماز۔

مساجد کے دروازوں کے ارد گرد پیشاب کرنا منع ہے

(٥٩٩)۔ عَنْ مَكْحُوْلٍ مَرْفُوْعاً: نَهَى ﷺ أَنْ يُبَالَ بِأَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ۔))

مکحول تابعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد کے دروازوں کے آس پاس پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(الصحيحة: ٢٧٢٣)

تخريج: أخرجه ابن شبية في "تاريخ المدينة": ١/ ٣٦، وابوداود في "المراسيل": ٣، ١٤

شرح: ...... طہارت و صفائی اسلام کا انتہائی اہم عنصر ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ صفائی کے بغیر عبادت بے مزہ ہو جاتی ہے اور دوسری چیز، جس کا اسلام نے بہت زیادہ خیال رکھا ہے، مسلمانوں کو ہر قسم کی تکلیف سے بچانا ہے۔ ان دو عناصر کے تقاضوں کو شریعت نے پورا کرتے ہوئے جتنے احکام لاگو کئے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ قضائے حاجت کے

لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جس سے کسی بشر کو تکلیف نہ ہو۔ مثلا سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزوں سے بچو، جو تمہارے لیے لوگوں کی لعن طعن کا سبب بنتی ہیں، ...... لوگوں کے گھاٹ، وسطِ راہ اور (مستعمل) سایوں میں قضائے حاجت کرنا۔'' (ابوداود، ابن ماجہ) اسی طرح شریعتِ مطہرہ نے غسل خانے میں پیشاب کرنے سے منع کیا، جس کے نقصانات واضح ہیں، اسی مسئلہ کی ایک شق یہ ہے کہ مساجد کے دروازوں کے سامنے قضائے حاجت نہ کی جائے، کیونکہ یہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بھی ہے، لوگوں کی گزرگاہ بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے مسجد کی توہین ہوتی ہے اور مسجد میں بدبو پھیلتی ہے، جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل کرنے کا طریقہ

(٦٠٠)۔ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ ، قَالَ: خَرَجْنَا وَفْداً إِلَى النَّبِيِّ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا ، فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهِ ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهُ فِي إِدَاوَةٍ ، وَأَمَرَنَا ، فَقَالَ: ((أُخْرُجُوْا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ ، وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ ، وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِداً۔)) قَالُوْا: إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ ، وَالْحَرَّ شَدِيْدٌ ، وَالْمَاءُ يَنْشِفُ؟ فَقَالَ: ((مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ ، فَإِنَّهُ لَايَزِيْدُهُ إِلَّا طِيْباً۔)) فَخَرَجْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا بَلَدَنَا فَكَسَرْنَا بِيْعَتَنَا ، ثُمَّ نَضَحْنَا مَكَانَهَا وَاتَّخَذْنَاهَا مَسْجِداً ، فَنَادَيْنَا فِيْهِ بِالْأَذَانِ ، قَالَ: وَالرَّاهِبُ رَجُلٌ مِّنْ طَيِّءٍ فَلَمَّا سَمِعَ الْأَذَانَ قَالَ: دَعْوَةُ حَقٍّ ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ تَلْعَةً مِّنْ تِلَاعِنَا فَلَمْ نَرَهُ بَعْدُ۔

(الصحيحة:٢٥٨٢)

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم وفد کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی، آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ ہماری زمین میں ہمارا ایک گرجا ہے، (ہم وہاں مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اس لیے) ہم نے آپ سے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی طلب کیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو کیا، کلی کی اور اسے ایک برتن میں ڈال دیا اور ہمیں حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''چلے جاؤ، جب اپنی علاقے میں پہنچو تو گرجا گھر گرا دینا، وہاں یہ پانی چھڑکنا اور وہاں مسجد تعمیر کر لینا۔'' انھوں نے کہا: ہمارا علاقہ بہت دور ہے اور شدید گرمی پڑ رہی ہے، یہ پانی تو خشک ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(راستے میں) اس میں مزید پانی ملاتے جانا، وہ اس کی پاکیزگی میں اور اضافہ کرے گا۔'' ہم نکل پڑے، حتی کہ اپنے علاقے میں پہنچ گئے، ہم نے گرجا گھر گرا دیا، وہاں پانی چھڑکا اور اسے مسجد کا روپ دے دیا، پھر ہم نے وہاں اذان دی۔ قبیلہ بنوطی کے ایک پادری نے اذان سنی اور کہا: یہ تو دعوتِ حق ہے۔ پھر وہ ایک ٹیلے کی طرف نکل گیا اور اس واقعہ کے بعد ہم اسے نہ دیکھ پائے۔

تخريج: أخرجه النسائي :٨/ ١ المساجد۔ ١١ باب ، وابن حبان :٩٨/ ٣٠٤۔ موارد

(٦٠١)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجْنَا سِتَّةً وَفْداً إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خَمْسَةٌ مِّنْ بَنِي حَنِيْفَةَ وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي ضُبَيْعَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، حَتّٰى قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا، وَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ، وَمَضْمَضَ، ثُمَّ صَبَّ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ، ثُمَّ قَالَ: ((اِذْهَبُوْا بِهٰذَا الْمَاءِ، فَإِذَا قَدِمْتُمْ بَلَدَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا مِنْ هٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْا مَكَانَهَا مَسْجِداً۔)) فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! الْبَلَدُ بَعِيْدٌ، وَالْمَاءُ يَنْشِفُ، قَالَ: ((فَأَمِدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَايَزِيْدُهُ إِلَّا طِيْباً۔)) فَخَرَجْنَا فَتَشَاحَنَّا عَلٰى حَمْلِ الْإِدَاوَةِ، أَيُّنَا يَحْمِلُهَا فَجَعَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَوْباً بَيْنَنَا، لِكُلِّ رَجُلٍ مِنَّا يَوْماً وَلَيْلَةً، فَخَرَجْنَا بِهَا حَتّٰى قَدِمْنَا بَلَدَنَا، فَعَمِلْنَا الَّذِيْ أَمَرَنَا، وَرَاهِبُ الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ طَيِّءٍ فَنَادَيْنَا بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ الرَّاهِبُ: دَعْوَةُ حَقٍّ ثُمَّ هَرَبَ فَلَمْ يُرَ بَعْدُ.

(الصحيحة: ١٤٣٠)

قیس بن طلق اپنے باپ حضرت طلق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم چھ افراد وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلے، پانچ کا تعلق قبیلہ بنوحنیفہ سے تھا اور ایک بنوضبیعہ بن ربیعہ سے تھا۔ ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ہماری زمین میں ایک گرجا گھر ہے (ہم اسے مسجد بنانا چاہتے ہیں، اس لیے) ہم نے آپ ﷺ سے وضو کا بچا ہوا پانی طلب کیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور کلی کی، پھر وہ پانی ایک برتن میں انڈیلا اور ہمیں دے دیا اور فرمایا: ''یہ پانی لے کر چلے جاؤ، جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو گرجا گھر گرا دو، وہاں یہ پانی چھڑکو اور اس جگہ پر مسجد بنا لو۔'' ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارا ملک بہت دور ہے، اس لیے پانی خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں پانی ملاتے جانا وہ اس کی پاکیزگی میں اضافہ کرے گا۔'' ہم نکل پڑے، لیکن پانی والے برتن کو اٹھانے کے بارے میں جھگڑنے لگے (یعنی کوئی دوسرے کو دینے کے لیے تیار نہیں تھا)، آپ ﷺ نے باریاں مقرر کر دیں کہ ہر آدمی ایک رات اور ایک دن اٹھائے گا۔ پس ہم نکل پڑے، حتی کہ اپنے ملک میں پہنچ گئے، ہم نے پہنچ کر وہی کیا جو آپ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ طي قبیلے کا ایک پادری تھا، جب ہم نے اذان دی تو اس نے کہا: یہ دعوتِ حق ہے۔ (اس اقرار کے بعد) وہ کہیں بھاگ گیا اور اس کے بعد نظر نہ آیا۔

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٣٠٤، كذا النسائي: ١/ ١١٤، وأحمد: ٤/ ٢٣، وابن سعد: ٥/ ٥٥٢، وأبونعيم في "دلائل النبوة" صـ ٢٢ ـ ٢٣

شرح: ...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ گرجا گھر کو گرا کر وہاں مسجد کی تعمیر کی جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوا

کہ آپ ﷺ کے جسم سے مس ہونے والے پانی سے تبرک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت بھی عیاں ہو رہی ہے کہ اہل کتاب کو دین محمدی کی حقانیت کا علم تھا۔

نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو جو پانی دیا تھا، وہ وضو کے دوران آپ کے اعضائے شریفہ سے گرنے والا پانی تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ شاید یہ وہ پانی ہو جو برتن میں باقی بچ گیا ہو، بہرحال دونوں طرح تبرک حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ اصل مسئلہ آپ کے جسدِ اطہر سے مس ہونے کا ہے۔

اگر آج کسی گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل کرنا پڑ جائے تو دونوں احادیث میں دیے گئے حکم کے مطابق اسے گرا دیا جائے گا، لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کو جو پانی عنایت کیا تھا، کیا اس سنت کو پورا کرنے کے لیے کسی نیک اور صالح شخصیت کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ لوگ افتتاح کے موقع پر کرتے ہیں یا ایسی برکت کو آپ ﷺ کا خاصہ سمجھا جائے؟

فضیلۃ الاستاذ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ صالحین کی باقی ماندہ چیزوں سے تبرک حاصل کیا جا سکتا ہے، نیز اس سے یہ استدلالات بھی کیے جا سکتے ہیں: کہ زمزم کے پانی سے تبرک حاصل کرنا، اس کو منتقل کرنا نیز علما و مشائخ کا بچا ہوا کھانا پینا منتقل کرنا درست ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو کھانے اولیا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان کی قبروں اور مزاروں پر بطورِ نذر یا نذر کے بغیر پکائے جاتے ہیں، ان کا کھانا اور ساتھ لے جانا ہے۔ صاحب البحر الرائق نے کہا: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیا کا قرب حاصل کرنے کے لیے جو درہم، چراغ، زیتون کا تیل اور کھانے وغیرہ رکھے جاتے ہیں، ایسی تمام چیزیں وہاں سے اٹھانا اور لے جانا حرام ہے۔ (التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: ۱/ ۸۱) کیونکہ یہ تمام چیزیں شرک کے زمرے میں آتی ہیں۔

ممکن ہے کہ درج ذیل روایت سے بھوجیانی صاحب کی بات کی تائید ہوتی ہو، مزید آپ خود غور و فکر کر لیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ۔))

''بزرگوں کی وجہ سے برکت ہوتی ہے۔''

(صحیحہ: ۱۷۷۸، قال: اخرجه ابن حبان (۱۹۱۲) وابوبکر الشافعی فی الفوائد ۹۷/ ۱-۲) ......

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعد از نماز عصر دو سنتوں سے کیوں منع کیا؟

(۶۰۲)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي؟ فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ ثُمَّ يُصَلِّي بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ،

مقدام بن شریح اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے، پھر نمازِ

ثُمَّ يُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يُصَلِّي بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ. قُلْتُ: فَقَدْ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ عَلَيْهِمَا، وَيَنْهَى عَنْهُمَا؟ فَقَالَتْ: كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّيهِمَا وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيهِمَا، وَلٰكِنْ قَوْمُكَ أَهْلُ الْيَمَنِ قَوْمٌ طَغَامٌ، يُصَلُّوْنَ الظُّهْرَ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ مَابَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَيُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ، ثُمَّ يُصَلُّوْنَ مَابَيْنَ الْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ، فَضَرَبَهُمْ عُمَرُ، وَقَدْ أَحْسَنَ. (الصحيحة:٣٤٨٨)

عصر اور اس کے بعد دو رکعتیں ادا کرتے۔ میں نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اِن (عصر کے بعد والی) دو رکعتوں کی وجہ سے سزا دیتے اور ان سے منع کرتے تھے؟ سیدہ نے کہا: عمر خود بھی یہ نماز پڑھتے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نماز پڑھی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ تیری قوم کے یمنی لوگ بیوقوف قسم کے ہیں۔ یہ لوگ ظہر اور عصر کے درمیانی وقفے میں نماز پڑھتے ہیں اور پھر عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد عصر اور مغرب کے مابین بھی نماز پڑھتے ہیں، اس وجہ سے عمر نے ان کو سزا دی اور اچھا کیا۔

تخريج: أخرجه أسحاق بن راهويه في "مسند عائشة": ٣/ ٨٩٤/ ١٠٣١، ومن طريقه: السَّرَّاج في "مسنده": ق ١٣١/ ٢، وأخرجه احمد: ٦/ ١٤٥ مختصرا بلفظ: سألت عائشة عن الصلاة بعد العصر؟ فقالت: صلِّ، انما نهى رسول الله ﷺ قومك اهل اليمن عن الصلاة اذا طلعت الشمس

شرح:...... بعض لوگ عصر کے بعد نوافل کی ادائیگی پر دلالت کرنے والی احادیث کو نظر انداز کر کے اپنے مسلک کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کر کے عصر کے بعد نفلی نماز کا ردّ کرتے ہیں، دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد سورج زرد ہونے تک نفل پڑھنے کی اجازت ثابت ہے۔ (دیکھئے: مجمع الزوائد: ٢/٢٢٣) لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ اس رخصت سے فائدہ اٹھا کر یا لاپرواہی کرتے ہوئے غروبِ آفتاب سے پہلے تک مکروہ وقت میں بھی نماز پڑھتے رہتے ہیں، تو انھوں نے ان کو سزا دی اور تعجب کی بات یہ ہے کہ عصر کے بعد والی نماز کی سب سے عظیم راویہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی تائید کی، کیونکہ لوگ ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے۔

فرضی نماز اور اس کے بعد والی نفلی نماز میں وقفہ ہونا چاہیے

(٦٠٣)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى الْعَصْرَ، فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَرَآهُ عُمَرُ، فَقَالَ لَهُ: اِجْلِسْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَصْلٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْسَنَ ابْنُ الْخَطَّابِ.)) (الصحيحة:٢٥٤٩)

ایک صحابیٔ رسول سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی، (سلام کے بعد) ایک آدمی نے فوراً نماز پڑھنا شروع کر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور کہا: بیٹھ جا، اہل کتاب اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن خطاب نے اچھا کیا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٨

(٦٠٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ، فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي بَعْدَهَا فَرَآهُ عُمَرُ فَأَخَذَ بِرِدَائِهِ أَوْ بِثَوْبِهِ فَقَالَ لَهُ: اِجْلِسْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَصْلٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْسَنَ (وَفِي رِوَايَةٍ: صَدَقَ) ابْنُ الْخَطَّابِ۔))

(الصحيحة: ٣١٧٣)

عبداللہ بن رباح رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی، ایک آدمی مزید نماز پڑھنے کے لیے فوراً کھڑا ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور اس کی چادر یا کپڑے کو پکڑ کر کہا: بیٹھ جا، اہل کتاب اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن خطاب نے اچھا کیا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''(ابن خطاب نے) سچ کہا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٨، وابو يعلى في "مسنده": ١٣/ ١٠٧/ ٣١٦٦، وعبد الرزاق في "المصنف": ٢/ ٤٣٢/ ٣٩٧٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث اس امر پر واضح نص ہے کہ فرضی نماز کے متصل بعد نفلی نماز ادا کرنا حرام ہے، الا یہ کہ وہ نمازی خارجی کلام کر لے یا آگے پیچھے ہو جائے۔ اکثر عجمیوں اور بالخصوص ترکوں کی یہ عادت ہے کہ وہ فرض نماز کے فوراً بعد اسی مقام پر سنتوں کی ادائیگی شروع کر دیتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی ان کا یہی انداز ہوتا ہے۔

اس حدیث میں ایک اہم فائدہ کا بیان ہے کہ عصر کے بعد مزید نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ناجائز ہونے کی صورت میں اس آدمی پر انکار کر دیا جاتا، یہ حدیث آپ ﷺ کی فعلی حدیث کے موافق ہے، جس کے مطابق آپ ﷺ خود عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھی۔ نیز آپ ﷺ کی اس درج ذیل مطلق حدیث کو دوسری صحیح مقید احادیث کی روشنی میں سورج کے زرد ہونے پر محمول کیا جائے گا: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔)) ...... ''عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں۔'' (صحیحہ: ٢٠٤٩)

امام البانی رحمہ اللہ نے درج ذیل احادیث کو مدنظر رکھ کہ کہا کہ فرض نماز کے بعد سنتوں کی ادائیگی سے پہلے نمازی کو خارجی کلام کر لینی چاہیے یا آگے پیچھے ہو جانا چاہیے۔ یاد رہے خارجی کلام سے مراد اذکار ماثورہ ہیں۔

سائب کہتے ہیں: میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نماز جمعہ ادا کی، جب انھوں نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنے لگا، جب وہ اپنے مقام میں چلے گئے تو مجھے بلا بھیجا۔ جب میں ان کے پاس گیا تو انھوں

نے کہا: آئندہ ایسا نہ کرنا، جب تم جمعہ کی نماز ادا کرلو تو اس کے بعد والی نماز اس وقت تک ادا نہ کرو، جب تک کسی سے کلام نہ کرلو یا اس جگہ سے آگے پیچھے نہ ہو جاؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی ادائیگی سے پہلے کلام کرلیں یا آگے پیچھے ہو جائیں۔ (مسلم: ۸۸۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اَوْ عَنْ يَمِيْنِهِ اَوْ عَنْ شِمَالِهِ فِيْ الصَّلَاةِ۔)) (ابو داود) ...... ''کیا تم ایسا کرنے سے عاجز آگئے ہو کہ (فرضی) نماز ادا کرنے کے بعد (نفلی نماز پڑھنے کے لیے) آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو جاؤ۔''

معلوم ہوا کہ فرض نماز اور اس کے بعد ادا کی جانے والی نفلی نماز کے درمیان کچھ وقفہ ہونا چاہیے، اگرچہ وہ آگے پیچھے ہو جانے یا خارجی کلام کر لینے کی صورت میں ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مختلف اور بہت زیادہ اجر و ثواب پر مشتمل اذکار ثابت ہیں، مثلا: تکبیر، استغفار، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ......، آیۃ الکرسی، تینتیس تینتیس دفعہ سبحان، الحمد للہ اور اللہ اکبر، وغیرہ۔

فرضی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنے سے پہلے کلام کرنا یا آگے پیچھے ہو جانا

(۶۰۵)۔ عَنْ عِصْمَةَ بْنِ مَالِكِ الْخَطْمِيِّ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلَا يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئاً حَتّٰى يَتَكَلَّمَ أَوْ يَخْرُجَ۔)) (الصحيحة: ۱۳۲۹)

حضرت عصمہ بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے بعد اس وقت تک کوئی نماز ادا نہ کرے جب تک کسی سے کلام نہ کرلے یا آگے پیچھے نہ ہو جائے۔''

تخریج: أخرجه الديلمي: ۱/ ۱/ ۶۴

شرح:...... یہ حکم صرف جمعہ کی نماز کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر فرضی نماز کے لیے ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اَوْ عَنْ يَمِيْنِهِ اَوْ عَنْ شِمَالِهِ فِيْ الصَّلَاةِ۔)) (ابو داود) ...... ''کیا تم ایسا کرنے سے عاجز آگئے ہو کہ (فرضی) نماز ادا کرنے کے بعد (نفلی نماز پڑھنے کے لیے) آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو جاؤ۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم فرضی نماز کے بعد جگہ بدلنے یا کسی سے ہم کلام ہونے کے بعد سنتیں یا نفلی نماز ادا کیا کریں۔

عبادات کے سلسلے میں سستی کا انجام

(۶۰۶)۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اُحْضُرُوا الذِّكْرَ، وَادْنُوْا مِنَ الْإِمَامِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔))

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خطبۂ جمعہ میں حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو، بلاشبہ آدمی (بے رغبتی کرتے ہوئے) دور ہوتا رہتا ہے، حتی کہ اسے جنت میں بھی پیچھے ہی جگہ ملتی ہے

(الصحيحة:٣٦٥) اگرچہ داخلہ مل ہی جائے۔

تخريج:أخرجه أبوداود: ١١٩٨ والحاكم: ١/ ٢٨٩ وعنهما البيهقي: ٣/ ٢٣٨، وأحمد: ٥/ ١٠، ١١

شرح:...... جولوگ خیر و بھلائی کے کاموں میں غفلت برتتے ہیں، اس حدیث میں ان کے لیے وعید ہے کہ اللہ تعالی بھی ان کو اپنی رحمت سے دور کرتے رہتے ہیں۔جمعۃ المبارک کا دن امت مسلمہ کا امتیاز ہے، حدیث نبوی کے مطابق جب اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تو وہ اختلاف میں پڑ گئے، یہودیوں نے سنیچر وار کا انتخاب کر لیا، جبکہ عیسائیوں نے اتوار کا۔ اللہ تعالی نے امت مسلمہ پر خاص احسان کرتے ہوئے انہیں جمعہ کا دن منتخب کرنے کی توفیق دی۔ اب ہمیں چاہیے کہ اس دن کے تمام حقوق ادا کریں۔

نماز جمعہ، جمعہ کے دن کی مخصوص عبادتوں میں سے ہے، جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ جمعہ کی نماز ترک کرنے سے باز نہیں آتے، اللہ تعالی (اس جرم کی وجہ سے) ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، جس کی بنا پر وہ غافل ہو جائیں گے۔'' (صحيح مسلم: ٨٦٥) اور جو شخص اس عظیم عبادت کو کما حقہ ادا کرتا ہے، اس کو ملنے والے ثواب کا اندازہ متن میں مذکورہ حدیث سے لگایا جا سکتا ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اچھی طرح غسل کرتا ہے یعنی سر اور بدن کو احسن انداز میں دھوتا ہے، اول وقت میں پہنچ کر شروع سے خطبہ سنتا ہے، (مسجد کی طرف) پیدل جاتا ہے نہ کہ سواری پر، امام کے قریب ہو کر بیٹھتا ہے، غور سے خطبہ سنتا ہے، کوئی لغو اور فضول کام نہیں کرتا، تو ایک ایک قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک سال کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔'' (ابوداود: ٣٤٥، ترمذی: ٤٩٦، ابن ماجه: ١٠٨٧، نسائی: ١٣٨٢) اس حدیث کو مدنظر رکھ کر اپنی روٹین کا جائزہ لیں، کیا آپ نے اپنی سابقہ زندگی میں اس بشارت کا حقدار بننے کے لیے اپنے آپ کو موقع دیا ہے؟

میں قارئین سے عاجزانہ التماس کروں گا کہ جمعہ کی جماعت کے انتظار میں گھر بیٹھے رہنے کو یا اپنے کام کاج میں مصروف رہنے کو اپنے حق میں سکون تصور نہ کریں، بلکہ یہ کاروائی اللہ تعالی کے مذکورہ بالا احسانات سے محرومی کا دوسرا نام ہے، اس کے ساتھ ساتھ خطبا کو چاہیے کہ وہ چند اختلافی مسائل کو اپنی گفتگو کا محور و مرکز نہ بنائیں بلکہ عوام کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیں اور حدیث کے مطابق اپنے خطبے کو مختصر کریں۔حدیث کے متن پر غور کریں کہ جہاں جمعہ کی نماز کی ادائیگی اور خطبہ سننے کے لیے وقت پر پہنچنا باعث ثواب و برکت ہے، وہاں اس کے سلسلے میں معمولی غفلت اللہ تعالی کی رحمت سے دوری کا سبب بن سکتی ہے اور اگر ایسے آدمی کے حق میں جنت کا فیصلہ ہو جاتا ہے، تو اس کاہلی کی وجہ سے داخلے کی اجازت میں تاخیر ہو گی۔ یا اعلی درجات سے محروم ہو جائے گا۔

نمازِ عیدین میں عورتوں کی حاضری

(٦٠٧)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ ﷺ يَأْمُرُ بَنَاتَهُ وَنِسَاءَهُ أَنْ يَخْرُجْنَ فِي

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو حکم دیتے کہ وہ عیدین

الْعِيْدَيْنِ۔ (الصحيحة:۲۱۱۵) — کے لیے نکلا کریں۔

تخریج: أخرجه أحمد:۱/ ۲۳۱، وابن ابی شیبة فی "المصنف": ۲/ ۱۸۲

(۶۰۸)۔ عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: فَسَأَلْنَا أُمَّ عَطِيَّةَ: هَلْ سَمِعْتِ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ بِأَبَا۔ وَكَانَتْ إِذَا حَدَّثَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَتْ: بِأَبَا۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((أَخْرِجُوْا الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، فَلْيَشْهَدْنَ الْعِيْدَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلْيَعْتَزِلِ الْحُيَّضُ مُصَلَّى الْمُسْلِمِيْنَ۔)) (الصحيحة: ۶۰۰)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: کیا تو نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، میرے باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ وہ جب بھی حدیث بیان کرتیں تو کہتی تھیں کہ میرے باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''۔جواں عمر اور پردہ نشیں عورتوں کو نکالو، انھیں چاہئے کہ وہ عید میں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں اور حائضہ عورتیں مسلمانوں کی جائے نماز سے علیحدہ ہو کر بیٹھیں۔''

تخریج: أخرجه الحمیدی فی "مسنده": ۳۶۲، وقد اخرجه الشیخان بنحوه وفیهما زیادات

شرح:...... عیدین کی نمازیں اسلام اور اہل اسلام کا عظیم شعار ہیں، عام طور پر عورتوں کا گھر نماز پڑھنا افضل ہے، اگرچہ مسجد میں آنا جائز ہے، لیکن عیدین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے تمام عورتوں کو میدان میں آنے کا خاص حکم ارشاد فرمایا، بلکہ جو عورتیں ایام ماہواری میں صوم وصلاۃ سے بھی مستثنیٰ ہوتی ہیں، انھیں بھی عید گاہ میں پہنچنے کی تلقین کی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ جائے نماز سے علیحدہ ہو کر بیٹھیں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب یہ عذر پیش کیا گیا کہ اگر کوئی عورت چادر نہ ہونے کی وجہ سے نمازِ عید کے لیے نہ جا سکے تو آیا اس پر کوئی حرج ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی کوئی سہیلی اسے چادر دے دے۔ بس انھیں چاہئے کہ وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔''

معلوم نہیں کہ بعض احباب واضح نصوص کے باوجود عورتوں کو عید گاہ میں جانے سے کیوں روکتے ہیں؟ کیا ایسے لوگوں کے گھروں میں بسنے والی عورتیں حج وعمرہ کے لیے سفر نہیں کرتیں؟ شادی کی دعوتوں کے لیے دور دور کے سفر نہیں کرتیں؟ کیا وہ دوسرے لوگوں کے غموں میں شریک نہیں ہوتیں؟ کیا وہ خریداری کے لیے بازار نہیں جاتیں؟ کیا وہ کام کاج کے لیے کھیتوں، سکولوں اور دوسرے اداروں میں نہیں جاتیں؟

کیا وجہ ہے کہ ان کو عیدین کی نماز سے روکنے کے لیے ان لوگوں کے دماغوں میں مختلف نکات اور شبہات جنم لیتے ہیں؟ جبکہ احادیثِ مبارکہ میں ان کو تاکید کے ساتھ شریک ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ (فالی الله المشتکی)

(۶۰۹)۔ عَنْ أُخْتِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ — حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بہن سے روایت

الْأَنْصَارِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((وَجَبَ الْخُرُوْجُ عَلٰى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ۔)) يَعْنِي فِي الْعِيْدَيْنِ۔

(الصحيحة: ٢٤٠٨)

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(عیدین کے لیے) ہر اس عورت پر نکلنا فرض ہے، جو کمر بند باندھتی ہو یعنی بالغ ہو۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي: ١/ ١٤٦، وأحمد: ٦/ ٣٥٨، وعنه أبو نعيم في "الحلية": ٧/ ١٦٣، والبيهقي: ٣/ ٣٠٦، والخطيب: ٤/ ٦٣

شرح:...... سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اَمَرَنَا اَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيْدَيْنِ يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَعْتَزِلَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى۔ (بخاری، مسلم) ...... رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تا کہ وہ بھی مسلمانوں کے امورِ خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں، البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں۔

اس باب کی حدیث میں تو آپ ﷺ نے نماز عیدین میں شرکت کو واجب قرار دیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس کے باوجود بعض احباب ان سنتوں کی مخالفت پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟

نمازوں کے اول و آخر اوقات

(٦١٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ الظُّهْرِ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ، وَآخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ الْعَصْرِ حِيْنَ يَدْخُلُ وَقْتُهَا، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الْأُفُقُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ حِيْنَ يَغِيْبُ الْأُفُقُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَنْتَصِفُ اللَّيْلُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْفَجْرِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ تَطْلُعُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں نماز کی ابتدا کا وقت ہے وہاں اس کی انتہا کا بھی وقت ہے۔ ظہر کے وقت کا آغاز سورج کے ڈھلنے سے ہوتا ہے اور جب عصر کا وقت داخل ہوتا ہے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، نمازِ عصر کا پہلا وقت وہی ہے جو ہے اور جب سورج زرد ہو جاتا تو اس کا (مختار) آخری وقت ختم ہو جاتا ہے، مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور افق (یعنی سرخی) کے غائب ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے، عشا کا وقت افق (یعنی سرخی) کے غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور نصف رات کو ختم ہو جاتا ہے اور فجر کا پہلا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔''

الشَّمْسُ۔)) (الصحیحۃ:١٦٩٦)

تخریج: أخرجه الترمذي: ١/ ٢٨٤ ـ شاكر، والطحاوي في "شرح المعاني": ١/ ٨٩، والدارقطني في "السنن": صـ ٩٧، والبيهقي: ١/ ٣٧٥، وأحمد: ٢/ ٢٣٢

شرح:...... اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کا وقت طلوعِ فجر سے طلوع آفتاب تک، نماز ظہر کا زوالِ آفتاب سے ایک مثل سائے تک، نمازِ عصر کا ایک مثل سائے سے غروبِ آفتاب تک، نمازِ مغرب کا غروبِ آفتاب سے سرخی کے غائب ہونے تک اور نمازِ عشا کا سرخی غائب ہونے سے نصف رات تک جاری رہتا ہے۔

اس باب میں دو چیزیں اس امر کی محتاج ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کی جائے۔

(۱) معلوم ہوا کہ جونہی نمازِ ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، نمازِ عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور نمازِ ظہر کا وقت ایک مثل سائے پر ختم ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کی وضاحت دوسری احادیث میں بھی کی گئی ہے کہ جب (سایہ اصلی نکال کر) ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے، جسے ایک مثل سایہ کہا جاتا ہے، تو نمازِ عصر کا افضل وقت شروع ہو جاتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ۔)) (مسلم: ٦١٢) ......''ظہر کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے، اس وقت تک جاری رہتا ہے، یعنی نمازِ عصر کا وقت شروع ہونے تک۔''

اس حدیث سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ نمازِ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَمَّنِيْ جِبْرَئِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ ...... وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ ......۔)) (ابوداود، ترمذی) ......''جبریل امین نے مجھے امامت کروائی ...... اور (پہلے دن) مجھے نمازِ عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا تھا۔''

ان انتہائی واضح نصوص کے باوجود بعض احباب اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ نمازِ عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے، اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ ان لوگوں کے پاس نمازِ عصر کے وقت کو دو مثل سے شروع کرنے پر کوئی صحیح اور صریح دلیل نہیں ہے۔

اس باب کی حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نمازِ عصر کا آخری وقت سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک ہے۔ یاد رہے کہ یہ افضل یا مختار وقت کی انتہا بتائی گئی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود وضاحت فرما دی کہ نمازِ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے اور اس حقیقت پر امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے، لیکن ذہن نشین رہنا چاہئے کہ دانستہ طور پر عصر کو تاخیر سے پڑھنا مستحسن عمل نہیں ہے۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ

قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا اِلَّا قَلِيلًا۔)) (مسلم) ...... ''یہ تو منافق کی نماز ہوئی کہ بندہ سورج کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ زرد ہونے لگا اور شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں آ گیا ادھر وہ اٹھا اور چار ٹھونگیں ماریں اور اللہ تعالی کا قلیل ذکر کیا۔''

نیز حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز عشا کا وقت نصف رات تک جاری رہتا ہے، نہ کہ سحری یا طلوع فجر تک، جیسا کہ بعض عوام الناس کا خیال ہے۔

اگر نیند یا نسیان کی وجہ سے نماز رہ جائے
جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والا قضائی نہیں دے سکتا

(٦١١)۔ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ ﷺ فِي سَفَرِهِ الَّذِي نَامُوْا فِيْهِ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: ((إِنَّكُمْ كُنْتُمْ أَمْوَاتاً فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ أَرْوَاحَكُمْ، فَمَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا اسْتَيْقَظَ وَمَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ۔))
(الصحيحة:٣٩٦)

عون بن ابو جحیفہ اپنے باپ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (صحابہ سمیت) سفر میں تھے، وہ سب کے سب (نماز فجر کے لیے بیدار نہ ہو سکے اور) طلوع آفتاب تک سوئے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ایسی صورت میں نماز کے لیٹ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ) تم تو مردہ لوگوں (کی طرح) تھے، اللہ تعالی نے اب (وقت گزرنے کے بعد) تمھاری روحیں لوٹائی ہیں، (یاد رکھو کہ) جو آدمی نماز سے سو جائے تو جونہی وہ بیدار ہو پڑھ لے، اسی طرح جو آدمی نماز ادا کرنا بھول جائے تو جونہی اسے یاد آئے پڑھ لے۔''

تخريج: أخرجه أبويعلى في "مسنده": ١/٥٨، والطبراني في "الكبير": ٢٢/ ١٠٧

شرح:...... جب آدمی بیداری کے اسباب استعمال کرنے کے باوجود سویا رہ جاتا ہے تو جب اسے جاگ آئے وہ نماز پڑھے، اگرچہ اس کا وقت ختم ہو چکا ہے، بھول جانا اور سو جانا شریعت کے ہاں مسلّم عذر ہیں۔ ہاں جو آدمی تاخیر سے بیدار ہونے اور یاد آنے کے بعد بھی نماز نہیں پڑھتا تو وہ اتنا ہی گنہگار ہوگا جتنا کہ وقت کے اندر جان بوجھ کر نماز ترک والا ہوتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ فقہ الحدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ نَّسِيَ صَلَاةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا حِيْنَ يَذْكُرُهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذَالِكَ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''جو نماز بھول جائے یا اس سے سو جائے تو اس وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے، ایسی نماز کا اس کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں'' (کہ بیداری یا یاد آنے کے بعد اس

کو ادا کیا جائے)۔

اس حدیث میں دوسری احادیث کی بہ نسبت یہ الفاظ زائد ہیں: ((لَا کَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذَالِكَ۔)) ......''ایسی نماز کا اس کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں۔'' (یعنی بیدار ہونے یا یاد آنے کے بعد اس کو ادا کیا جائے)۔

اس باب کی حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سو جانے والے یا بھول جانے والے سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی پر فرض ہوتا ہے کہ جونہی وہ بیدار ہو یا اسے یاد آئے، فوراً نماز ادا کرے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے زائد الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نماز کا صرف یہی کفارہ ہے کہ اس کو ادا کیا جائے، اگر کسی نے ایسے نہ کیا تو کوئی دوسرا عمل اس نماز کا کفارہ نہیں بن سکتا۔ ہاں یہ آدمی تارکِ نماز ٹھہرے گا اور اس کا حل صرف سچی اور خالص توبہ میں ہوگا۔

اس حدیث اور فقہ الحدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی آدمی جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے تو وہ وقت گزر جانے کے بعد اس کا کوئی کفارہ پیش نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے پاس نماز مؤخر کرنے کا کوئی عذر نہیں ہوتا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (سورۂ نساء: ۱۰۳) ......''بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔''

دانستہ طور پر نماز کو ترک کرنے والا آدمی اس کی طرح نہیں ہے کہ جس سے نیند یا نسیان کی وجہ سے نماز رہ جاتی ہے، کیونکہ حدیث نے ایسے آدمی کو معذور سمجھا ہے، اس لیے اس کے لیے کفارے کی گنجائش باقی رکھی ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اگر ایسا معذور آدمی یاد آنے کے بعد نماز ادا کرنے میں جلدی نہ کرے تو اس کے لیے بھی کفارے کی سہولت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے کفارۂ نماز کے لیے جو وقت مقرر کیا تھا، اس نے وہ ضائع کر دیا۔

اگر معذور کی یہ حالت ہے (اور اس کے حق میں بھی اس قدر سختی برتی گئی ہے) کہ شریعت نے اس کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے، اس کے بیت جانے کے بعد اس کے لیے بھی قضائی کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ تو پھر یاد دہانی کے باوجود جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کا معاملہ تو واضح ہونا چاہیے کہ اس کے لیے کفارہ کی کوئی صورت باقی نہ رکھی جائے۔ یہی رائے جمہور علما و فقہا کی ہے اور جو آدمی تقلیدی تاثر سے آزاد ہو کر غور و فکر کرے گا، وہ بھی اسی فقہ کو اپنے حق میں ظاہر پائے گا۔

بعض لوگوں نے دانستہ طور پر نماز چھوڑنے والے کو بھولنے والے کی اور سو جانے والے پر قیاس کیا اور کہا: سونے والے اور بھول جانے والے نے نماز ترک کرنے میں کسی قسم کی غفلت نہیں، لیکن اس کے باوجود اس کے لیے قضائے نماز واجب ہے، تو پھر جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے، جس کی غفلت واضح ہے، کو بالاولی قضائی کا حق ملنا چاہیے۔

لیکن یہ قیاس ساقط، مردود اور غیر معتبر ہے، اس میں ایک چیز کو اس کے مخالف پر قیاس کیا جا رہا ہے، کیونکہ جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والا، بھولنے والے اور سو جانے والے کا متضاد ہے۔

اگر ان لوگوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو نماز کے لیے مقررہ اوقات کی حکمت و دانائی ختم ہو جاتی ہے، حالانکہ وقت نماز کے لیے شرط ہے اور شرط نہ ہونے کی صورت میں مشروط بھی باطل ہو جاتا ہے۔

(سوال یہ ہے کہ اگر نماز کو اس کے وقت سے پہلے ادا نہیں کیا جا سکتا تو وقت کے بعد کیسے ادا کیا جا سکتا ہے، الا یہ کہ شریعت نے خود کسی صورت کو مستثنی قرار دیا ہو۔)

اس حدیث کی مناسبت سے اور مسئلہ کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مختصری بحث پیش کی گئی ہے، مفصل کلام کا مطالعہ کرنے کے خواہش مند حضرات کو علامہ ابن قیم کی (کتاب الصلاۃ) کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ انھوں نے تحقیق و تفتیش کرتے ہوئے بے مثال مقالہ پیش کیا ہے۔

تنبیہ :..... علامہ عز بن عبد السلام شافعی سمیت جن محقق اہل علم نے کہا کہ جان بوجھ نماز ترک کرنے والے کو قضائے نماز کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اس مسلک کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں نے نماز کے معاملے کو حقیر و معمولی سمجھا۔ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے نماز کو اس قدر عالی مرتبہ اور مہتم بالشان سمجھا کہ جو آدمی اس کے وقت پر اس کی ادائیگی نہیں کرے گا، وہ ہمیشہ کے لیے اس غفلت کا تدارک نہیں کر سکے گا، اب اسے وہی کلیہ استعمال کرنا چاہیے، جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر چکنے کے بعد کیا جاتا ہے اور وہ ہے سچی اور خالص توبہ۔

دانستہ طور پر نماز ترک کرنے والے کو قضائی کی رخصت نہ دینے والوں نے دراصل ایسے بے نمازی کے ساتھ خیر خواہی کی اور اسے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے کی تلقین کی اور اسے یہ تنبیہ کی کہ وہ آئندہ نماز باجماعت کا التزام کرے اور زیادہ سے زیادہ نفلی نماز ادا کرے تاکہ فوت ہو جانے والی نماز کے جرم کی تلافی کرے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (سورۂ ھود: ١١٤) ..... ''بیشک نیکیاں، برائیوں (کے اثر کو) زائل کر دیتی ہیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم کو بیان کرتی ہے، کہ حشر کے میدان میں فرشتوں سے کہا جائے گا: ''دیکھو! کیا میرے بندے کی کوئی نفلی نماز ہے، اس کے ذریعے اس کی فرضی نماز (کی کمی) کو پورا کر دو۔'' میں نے (صحیح ابی داود: ٨١٠) میں اس حدیث کی تخریج پیش کی ہے۔ (صحیحہ: ٣٩٦)

ہمارے ہاں بھی یہ بیماری عام ہے کہ لوگ اپنے خود ساختہ عذروں کی وجہ سے نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے، پھر بعد میں دو تین تین نمازیں اکٹھی ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دے رکھا ہے۔ شریعت میں سو جانا یا بھول جانا ایسے عذر ہیں کہ جن کی بنا پر نماز کو اس کا وقت نکل جانے کے بعد ادا کیا جا سکتا ہے۔

(٦١٢)۔ عَنْ أَبِی قَتَادَةَ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی سَفَرٍ، فَقَالَ: ((إِنَّكُمْ إِنْ لَا تُدْرِكُوْا الْمَاءَ غَداً تَعْطِشُوْا۔))

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھیں کل پانی نہ ملا تو پیاس غالب آ جائے گی۔'' جلد باز لوگ پانی (کی

وَانْطَلَقَ سَرْعَانُ النَّاسِ يُرِيْدُوْنَ الْمَاءَ، وَلَزِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَالَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاحِلَتُهُ، فَنَعَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَمْتُهُ، فَادَّعَمَ، ثُمَّ مَالَ فَدَعَمْتُهُ، فَادَّعَمَ، ثُمَّ مَالَ حَتّٰى كَادَ أَنْ يَنْجَفِلَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَدَعَمْتُهُ، فَانْتَبَهَ، فَقَالَ: مَنِ الرَّجُلُ؟ قُلْتُ: أَبُوْ قَتَادَةَ۔ قَالَ: ((مُذْكَمْ كَانَ مَسِيْرُكَ؟)) قُلْتُ: مُنْذُ اللَّيْلَةِ، قَالَ: ((حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَ رَسُوْلَهُ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((لَوْ عَرَّسْنَا۔)) فَمَالَ إِلٰى شَجَرَةٍ فَنَزَلَ، فَقَالَ: ((أُنْظُرْ هَلْ تَرٰى أَحَدًا؟)) قُلْتُ: هٰذَا رَاكِبٌ، هٰذَانِ رَاكِبَانِ، حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةً، فَقُلْنَا: إِحْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلَاتَنَا، فَنِمْنَا، فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَانْتَبَهْنَا، فَرَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَارَ وَسِرْنَا هُنَيْهَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالَ: ((أَمَعَكُمْ مَاءٌ؟)) قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ۔ مَعِيَ مِيْضَأَةٌ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ۔ قَالَ: ((اِئْتِ بِهَا۔)) فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ: ((مَسُّوْا مِنْهَا، مَسُّوْا مِنْهَا۔)) فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ، وَبَقِيَتْ جُرْعَةٌ، فَقَالَ: ((اِزْدَهِرْ بِهَا يَا أَبَا قَتَادَةَ فَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ لَهَا نَبَأٌ۔)) ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ، وَصَلَّوُا الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ، ثُمَّ صَلَّوُا الْفَجْرَ، ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْنَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: فَرَّطْنَا فِي صَلَاتِنَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا تَقُوْلُوْنَ؟ إِنْ كَانَ أَمْرُ دُنْيَاكُمْ فَشَأْنُكُمْ،

تلاش) کے ارادے سے چل پڑے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہا۔ آپ ﷺ کی سواری ایک طرف جھکنے لگی اور آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی، میں نے آپ ﷺ کو سہارا دیا، آپ ﷺ سنبھل گئے۔ پھر آپ ﷺ (اونگھ کی وجہ سے) جھکنے لگے، میں نے آپ ﷺ کو سہارا دیا، آپ ﷺ سنبھل گئے۔ پھر آپ ﷺ اس قدر جھکے قریب تھا کہ سواری سے گر پڑیں، میں نے آپ ﷺ کو سہارا دیا، اتنے میں آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور پوچھا: ''یہ آدمی کون ہے؟'' میں نے کہا: ابو قتادہ ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کب سے چل رہے ہو؟'' میں نے کہا: رات سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیری حفاظت کرے جس طرح کہ تو نے اس کے رسول کی حفاظت کی ہے۔'' پھر فرمایا: ''اگر ہم ستا لیں (تو بہتر ہوگا)۔'' پھر ایک درخت کی طرف مڑے اور وہیں اتر پڑے اور فرمایا: ''دیکھو، آیا کوئی آدمی نظر آرہا ہے؟'' میں نے کہا: یہ ایک سوار ہے، یہ دو سوار آگئے ہیں، یہاں تک کہ کل سات افراد جمع ہو گئے۔ ہم نے کہا: ذرا نمازِ فجر کا خیال رکھنا، کہیں سو ہی نہ جائیں۔ (لیکن ہم سب سو گئے اور) سورج کی گرمی نے ہم کو جگایا، ہم بیدار ہوئے۔ آپ ﷺ سوار ہو کر چل پڑے، ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، تھوڑے ہی چلے تھے کہ اتر پڑے اور پوچھا: ''کیا تمھارے پاس پانی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں، میرے پاس وضو کا برتن ہے، اس میں معمولی سا پانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لے آؤ۔'' میں لے آیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانی لیجئے، پانی لیجئے۔'' سب لوگوں نے وضو کر لیا اور لوٹے میں صرف ایک گھونٹ پانی باقی بچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو قتادہ! اس پانی کو محفوظ کر لو، عنقریب اس کی بنا پر عظیم

وَإِنْ كَانَ أَمْرُ دِيْنِكُمْ فَإِلَيَّ۔)) قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَرَّطْنَا فِي صَلَاتِنَا، فَقَالَ: ((لَاتَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ، إِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ، فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ فَصَلُّوْهَا وَمِنَ الْغَدِ وَقْتَهَا۔)) ثُمَّ قَالَ: ((ظَنُّوْا بِالْقَوْمِ۔)) قَالُوْا: إِنَّكَ قُلْتَ بِالْأَمْسِ: إِنْ لَّاتُدْرِكُوْا الْمَاءَ غَدًا تَعْطَشُوْا، فَالنَّاسُ بِالْمَاءِ، فَقَالَ: أَصْبَحَ النَّاسُ وَقَدْ فَقَدُوْا نَبِيَّهُمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَاءِ، وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَا: أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِيَسْبِقَكُمْ إِلَى الْمَاءِ وَيُخَلِّفَكُمْ، وَإِنْ يُطِعِ النَّاسُ أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ يَرْشُدُوْا۔ قَالَهَا ثَلَاثًا، فَلَمَّا اشْتَدَّتِ الظَّهِيْرَةُ، رَفَعَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكْنَا عَطَشًا تَقَطَّعَتِ الْأَعْنَاقُ۔ فَقَالَ: ((لَا هَلَكَ عَلَيْكُمْ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((يَا أَبَا قَتَادَةَ! ائْتِ الْمِيْضَأَةَ۔)) فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَقَالَ أُحْلُلْ لِي غَمْرِي، يَعْنِي: قَدْحَهُ فَحَلَلْتُهُ، فَأَتَيْتُهُ بِهِ، فَجَعَلَ يَصُبُّ فِيْهِ وَيَسْقِي النَّاسَ، فَازْدَحَمَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَحْسِنُوْا الْمَلْءَ فَكُلُّكُمْ يَصْدُرُ عَنْ رِيٍّ۔)) فَشَرِبَ الْقَوْمُ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ غَيْرِي وَغَيْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَبَّ لِي۔ فَقَالَ: ((اِشْرَبْ يَا أَبَا قَتَادَةَ۔)) قَالَ: قُلْتُ: اِشْرَبْ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((إِنَّ

(معجزہ) رونما ہوگا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، لوگوں نے فجر سے پہلے والی دو سنتیں پڑھیں اور پھر نمازِ فجر ادا کی۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور ہم بھی۔ ہم آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ ہم سے نماز میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا کہہ رہے ہو؟ اگر کوئی دنیوی بات ہے تو خود حل کرلو اور اگر دینی معاملہ ہے تو میری طرف لاؤ۔“ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے نماز میں کمی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نیند (کی وجہ سے تاخیر ہونے سے) کوئی کوتاہی نہیں ہوتی، کوتاہی تو یہ ہے کہ جیتے جاگتے (نماز کو لیٹ کر دیا جائے)، اگر اس طرح ہو جائے (جس طرح کہ آج ہوا ہے تو) اسی وقت نماز پڑھ لیا کرو، اور دوسرے دن نماز اپنے وقت میں ادا کیا کرو۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”قوم کے بارے میں اندازہ لگاؤ۔“ انھوں نے کہا: آپ نے تو کل کہا تھا کہ اگر کل پانی نہ ملا تو پیاس غالب آجائے گی اور ہمارے پاس تو پانی ہے۔ فرمایا: ”جب صبح ہوئی اور (بڑی جماعت کے) لوگوں نے اپنے نبی کو مفقود پایا تو کوئی کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کہیں پانی پر ہوں گے۔ ابوبکر اور عمر بھی موجود تھے، انھوں نے کہا: لوگو! یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ پانی کی طرف تم سے سبقت لے جائیں اور تمھیں پیچھے چھوڑ جائیں اور اگر لوگ ابوبکر و عمر کی پیروی کرلیں تو وہ ہدایت پا جائیں گے۔ یہ کلمات تین دفعہ کہے۔ جب دن کی سخت گرمی شروع ہوئی اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ بھی نظر آگئے تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں اور حلق پیاس کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا بن گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج تم پر کوئی ہلاکت نازل نہیں ہوگی۔“ پھر آپ ﷺ

سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ۔)) فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ بَعْدِيْ، وَبَقِيَ فِي الْمِيْضَأَةِ نَحْوٌ مِمَّا كَانَ فِيْهَا، وَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثُ مِئَةٍ۔)) (الصحيحة: ٢٢٢٥)

نے فرمایا: ''ابو قتادہ! وضو کا برتن لاؤ (جس میں ایک گھونٹ پانی تھا)۔'' میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پیالے کا ڈھکن اٹھاؤ۔'' میں نے ڈھکن کھولا اور پیالہ آپ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ اس میں پانی بہاتے گئے اور لوگوں کو پلاتے گئے۔ لوگ بڑی تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اچھے انداز میں بھرو، ہر کوئی سیراب ہو کر لوٹے گا۔'' میرے اور رسول اللہ کے علاوہ تمام لوگوں نے پانی پی لیا۔ بالآخر آپ ﷺ نے میرے لیے پانی انڈیلا اور فرمایا: ''ابو قتادہ! پیو۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو پلانے والا آخر میں پیتا ہے۔'' اس لیے پہلے میں نے اور پھر آپ ﷺ نے پانی پیا اور وضو دان میں اتنا پانی موجود تھا، جتنا کہ پہلے تھا۔ اس دن لشکر کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی۔

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ٥/ ٢٩٨، وقد اخرجه مسلم فی "صحيحه" دون موضع الشاهد منه

شرح:...... معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سو جانے کی وجہ سے طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کی، لیکن ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ نے سوتے وقت اپنے صحابہ سے فرمایا تھا: ''ذرا نمازِ فجر کا خیال رکھنا، کہیں سو نہ جائیں۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ سونے والوں کو نماز کے لیے جاگنے کے لیے مختلف وسائل استعمال کرنے چاہئیں، ہاں اگر پھر بھی آنکھ نہ کھلے تو وقت گزر جانے پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزے کا بیان بھی ہے کہ ایک گھونٹ پانی میں اتنی برکت پڑی کی تین سو افراد نے پانی پی لیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ پانی پلانے والا سب سے آخر میں پانی پیتا ہے۔

اگر کسی نماز کی ایک رکعت کی ادائیگی کے بعد اس کا وقت ختم ہو جائے

(٦١٣)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ أَوَّلَ سَجْدَةٍ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ أَوَّلَ سَجْدَةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ۔)) (الصحيحة: ٦٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی سورج غروب ہونے سے پہلے نمازِ عصر کی پہلی رکعت پڑھ لے تو وہ اپنی نماز کو (جاری رکھتے ہوئے) مکمل کر لے، (اسی طرح) جو آدمی سورج طلوع ہونے سے پہلے نمازِ فجر کی پہلی رکعت ادا کر لے تو وہ بھی اپنی نماز کو (جاری رکھتے ہوئے) اسے مکمل کر لے۔'' (یعنی ان صورتوں میں نماز ادا ہوگی، نہ کہ قضا)۔

تخریج: أخرجه البخاري فی "صحيحه": ١/ ١٤٨، بدون الزيادتين (اى لفظة "اول" فی الموضعين) وهما عن النسائي والبيهقي و غيرهما، وللحديث عن ابی هريرة ستة طرق، وقد خرجتها فی كتابی

"ارواء الغليل فى تخريج احاديث منار السبيل": ۲۵۰

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر مفصل اور مفید بحث کی ہے، ہم مکمل بحث تحریر کرنے سے پہلے اس کا خلاصہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

اگر سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے کسی آدمی کی نماز فوت ہو جاتی ہے، تو جب وہ بیدار ہو یا اسے یاد آئے، اسی وقت اس کو ادا کرے۔ لیکن اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ سو جانے والے سے مراد وہ شخص ہے جس پر نیند کا غلبہ بلا ارادہ ہو جائے یا وہ بالارادہ سوئے لیکن بیدار ہونے کے لیے بیدار کرنے والے اسباب استعمال کرنے کے باوجود لیٹ ہو جائے۔

اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر اتنی تاخیر کرتا ہے کہ اس کو اس نماز کے وقت میں صرف ایک رکعت ملتی ہے تو ایسے آدمی کو نماز جاری رکھنی چاہیے، اس کی نماز ادا ہو گی، لیکن اس قدر تاخیر کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہو گا۔ احناف نے اس سلسلے میں نماز فجر اور نماز عصر میں جو فرق کیا ہے، وہ باطل اور بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر اتنی تاخیر کرتا ہے کہ نماز کا وقت فوت ہو جاتا ہے تو ایسے آدمی کے لیے اس نماز کو پا لینے یا اس کی قضائی دینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اس کبیرہ گناہ سے توبہ کرے اور آئندہ ایسا کرنے سے باز رہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ احادیث درج ذیل اہم فوائد پر مشتمل ہے:

(فائدہ اول) جو لوگ اس مسلک کے قائل ہیں کہ فجر کی دوسری رکعت میں سورج طلوع ہونے سے اور عصر کی آخری رکعت میں سورج غروب ہونے سے یہ نمازیں باطل ہو جاتی ہیں۔ اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ مذہب بالکل باطل ہے، امام نووی وغیرہ نے بھی یہی صراحت پیش کی۔

یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، لیکن اس باب کی احادیث کو اُن احادیث کے مخالف نہ سمجھا جائے، کیونکہ وہ عام ہیں اور یہ خاص ہیں اور علم الاصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام کو خاص کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے۔

احادیث کے مقابلے میں اپنے مخصوص مذہب کی خاطر تعصب کی ایک عجیب مثال: جناب زیلعی حنفی نے (نصب الرایۃ: ۱/ ۲۲۹) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج بالا اور اس موضوع کی دوسری احادیث پیش کرنے کے بعد کہا:

ہمارا (یعنی حنفیوں کا) مسلک یہ ہے کہ فجر کی نماز کے دوران سورج طلوع ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن یہ احادیث ہمارے مذہب کے حق میں مشکل ثابت ہوئی ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اے متعصبو! اگر کوئی صحیح حدیث تمہارے مذہب کے مخالف ثابت ہو جائے، تو کیا وہ مشکل بن جاتی ہے؟ کیا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا کہ ایسی صورت میں تم اپنے مسلک کو اشکال والا سمجھ لیتے؟

(فائدہ دوم) یہ احادیث ان لوگوں کا رد کرتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں نماز ادا کرنے کے لیے ایک پوری رکعت کی ادائیگی ضروری نہیں، بلکہ وقت کے اندر نماز کا کوئی جز، اگر چہ وہ تکبیر تحریمہ ہی ہو، پا لینے کی وجہ سے نماز ادا ہو جاتی ہے، امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور حنبلیوں کا مسلک بھی یہی ہے، یہ مسلک درج بالا حدیث کے مخالف ہے، کم از کم ایک رکعت کو پا لینا ضروری ہے۔

لیکن امام احمد کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا، جس نے نماز فجر ادا کرنا شروع کی، جب دوسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سورج طلوع ہو گیا، اب وہ کیا کرے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ اپنی نماز جاری رکھتے ہوئے پوری کر لے، اس کی نماز درست ہو گی۔ میں نے کہا: ابو جان! جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسی نماز کفایت نہیں کرتی، ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ انھوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کو طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت مل گئی، تو وہ پوری نماز پا لے گا۔''

(فائدہ سوم) اس حدیث کا تعلق اس آدمی سے ہے جو جان بوجھ کر نماز کو تنگ وقت میں لے جاتا ہے، اگر چہ ایسا آدمی گنہگار ہو گا، لیکن اس کی نماز ہو جائے گی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو منافق کی نماز ہوئی کہ (نمازی) سورج کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک وہ شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں آ گیا اور ادھر وہ اٹھا اور چار ٹھونگیں ماریں اور اللہ تعالی کا قلیل ذکر کیا۔'' (مسلم) یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں نے (صحیح أبي داود: ٤٤١) میں اس کی تخریج کی ہے۔

جو آدمی نادانستہ طور پر نماز چھوڑتا ہے، اس کی دو ہی صورتیں ہیں: وہ سونے والا ہو سکتا ہے، یا بھولنے والا۔ ایسے آدمی کا حکم اور ہے، جب بھی اسے نماز یاد آئے گی یا جب بھی وہ بیدار ہو گا، اسی وقت نماز پڑھے گا، اگر چہ وہ سورج کے طلوع یا غروب کا وقت ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی نماز ادا کرنا بھول جائے یا سو جائے، تو جب اسے یاد آئے، نماز پڑھ لے، ایسی صورت میں اس کے کفارے کی یہی صورت ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (سورۂ طه: ١٤) ...... ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔'' (بخاری، مسلم)

یہاں مزید دو امور قابل توجہ ہیں: نماز کو پا لینا اور گنہگار ہونا۔

اگر چہ اس حدیث کا تعلق نماز کو پا لینے سے ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تاخیر کی وجہ سے گناہ نہیں ملتا۔ اس قدر تاخیر کرنے والا بہر صورت گنہگار ہو گا، نماز اس کو نصیب ہو یا نہ ہو۔ اس حدیث مبارکہ کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہ ہے کہ کم از کم ایک رکعت کی وجہ سے اس کو نماز مل جائے گی، وگرنہ وہ اس نماز سے محروم رہ جائے گا۔ دونوں صورتوں میں گنہگار ضرور ہو گا، لیکن پہلی صورت میں نماز ادا ہو جائے گی اور دوسری صورت میں نماز فوت ہو جائے گی۔

(فائدہ چہارم) اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک رکعت ملنے کی صورت میں وہ اپنی نماز کو مکمل کر لے، چونکہ نماز کے وقت میں اسے ایک رکعت ادا کرنے کا موقع مل گیا ہے، اس لیے وہ اس فریضۂ نماز سے بری الذمہ ہو

جائے گا، لیکن اگر اسے وقت میں ایک رکعت بھی نہ مل سکی تو نماز کو مکمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی، چونکہ ایسی صورت میں نماز کا سارا وقت گزر چکا ہوگا، اس لیے اب اس کی تلافی ناممکن ہو جائے گی اور وہ بریٔ الذمہ نہیں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جو آدمی نماز کے وقت میں کم از کم ایک رکعت بھی نہ پا سکا، اس کی نماز نہیں ہوگی، اب اسے ایسی نماز کی ادائیگی یا قضا کا حکم نہیں دیا جائے گا، شارع علیہ السلام کے نزدیک ایسی نماز کا کوئی کفارہ نہیں، تاکہ ایسا آدمی دوبارہ ایسا کرنے سے باز رہے۔ جو بندہ بھی جان بوجھ کر نماز کو اس کے وقت میں ادا نہیں کرے گا۔ اس کے لیے اس جرم کا (سوائے توبہ کے) کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر سونے والے اور بھولنے والے کو معذور سمجھ کر وقت کے خارج ہو جانے کے بعد بھی نماز کی ادائیگی کی گنجائش دی گئی ہے، تو جان بوجھ کر ترک کرنے والے کو یہ رخصت بالاولی ملنی چاہیے۔

لیکن دین کی معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے درج بالا بحث سے سمجھ چکے ہوں گے کہ ان کا یہ قیاس نہ صرف غلط ہے، بلکہ روئے زمین پر قیاس کی سب سے بدترین صورت ہے۔ سبحان اللہ! کیا غیر معذور کو معذور پر اور جان بوجھ کر ترک کرنے والے کو بھول کر چھوڑنے والے پر قیاس کیا جائے گا؟ کیا کفارہ کی رخصت نہ رکھنے والے شخص کو اس آدمی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، جسے کفارہ کی رخصت دی گئی ہو؟

دراصل یہ لوگ حدیثِ شریف کے مرادی مفہوم سے غافل ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس حدیث کی وضاحت کرنے کی توفیق دی، ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اس موضوع پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے انتہائی اہم اور بے نظیر بحث کی ہے، میں قارئین کے فائدہ کے لیے دو فصلیں نقل کرتا ہوں:

(پہلی فصل) یہ قیاس باطل ہے کیونکہ

(۱)...... ایک آدمی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہے، اس نے ان کی اطاعت میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن بھولنے یا سو جانے کی وجہ سے اس سے نماز رہ گئی، شریعت نے اس کو معذور سمجھا اور وقت کے بعد بھی قضائی کی صورت برقرار رکھی۔

اب کیا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے، اس کے حکم کو ضائع کر دیتا ہے اور جانتے بوجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حق کو ترک کر دیتا ہے۔ کیا ایسے آدمی کو اس شخص پر قیاس کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہے؟

(۲)...... جو آدمی نماز سے سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے معذور ٹھہرا، اس نے نماز کو اس کے غیر وقت میں ادا نہیں کیا، کیونکہ ایسے آدمی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا وہ وقت مقرر کیا ہے، جس میں وہ بیدار ہوتا ہے یا جب اس کو نماز یاد آتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بندہ نماز بھول جائے، تو اس کا وقت وہی ہوگا، جب اسے نماز یاد آئے گی۔'' گویا کہ شریعت نے ہر نماز کے دو اوقات مقرر کیے: وقتِ اختیار اور وقت عذر۔ جو شخص نیند یا بھول

چوک کی وجہ سے معذور ٹھہرا، اس نے وقتِ عذر میں نماز ادا کر لی، جو شریعت کے نزدیک اسی نماز کا ہی وقت ہے۔

اب غور فرمائیں کہ جو شخص جان بوجھ کر ایک نماز کے وقت کو ٹال دیتا ہے، اس کو معذور پر کیسے قیاس کیا جائے گا؟

(۳)..... شریعت نے اپنے تمام مصادر و موارد میں بھولنے والے اور جان بوجھ کر کام کرنے والے میں ہمیشہ فرق برقرار رکھا، (مثلاً دورانِ روزہ بھول کر کھانے پینے والا اور جان بوجھ کر کھانے پینے والا، اول الذکر کا روزہ صحیح ہوگا اور دوسرے کا باطل) یہ انتہائی واضح قانون ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نوع کو اس کی مخالف نوع پر قیاس کیا جائے؟

(۴)..... ہماری گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم معذور کو نماز پڑھنے کی تکلیف دے رہے اور جان بوجھ کر ترک کرنے والے کو رخصت دے رہے ہیں۔ دراصل ہم احادیث کی روشنی میں ایسے غافل شخص کے ساتھ سختی برت رہے ہیں، یعنی اس نے جان بوجھ کر ایسا جرم کیا ہے کہ اس کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ایسا آدمی آئندہ ایسی غفلت برتنے سے باز رہے گا۔

(دوسری فصل) تم لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے، وہ نمازِ عصر پالے گا۔'' یہ حدیث تو صحیح ہے، لیکن تم نے اس حدیث سے یہ استدلال کیسے کر لیا کہ اگر نمازِ عصر کو جان بوجھ کر اس کا وقت ختم ہونے تک مؤخر کر دیا جائے تو پھر بھی مقبول ہوگی؟

ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر مکمل وقت گزر جانے کے بعد بھی نماز ادا کرنا جائز ہوتی تو حدیثِ مبارکہ میں ایک رکعت کی قید نہ لگائی جاتی اور غروبِ آفتاب کے بعد بھی نماز عصر کی ادائیگی کو جائز قرار دیا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جس شخص کو نماز کی ایک رکعت اس کے وقت میں مل جائے وہ گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ جان بوجھ کر اس قدر تاخیر کرنے کی وجہ گناہ کا مستحق تو ٹھہرے گا۔

اگر تم لوگ یہ اعتراض کرو کہ اگر کوئی آدمی نماز عصر کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کرے کہ سورج غروب ہو جائے، تو وہ قضائی تو دے گا، لیکن وہ زیادہ گنہگار ہوگا۔

ہم کہیں گے کہ نبی کریم ﷺ نے وقت کے اندر ہی ایک رکعت کے ملنے یا نہ ملنے کی بنیاد پر تھوڑے یا زیادہ گناہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی حدیث میں تو صرف نماز کو پالینے اور اس کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے۔ ہاں یہ بات تو واضح ہے کہ جس آدمی سے نماز کلیۃً رہ جائے گی، اس کا گناہ ایک رکعت پالینے والے سے تو زیادہ ہوگا۔

(صحیحہ : ٦٦)

(٦١٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَدْرَكْتَ رَكْعَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَطَلَعَتْ فَصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرٰى۔))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تجھے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت مل جائے اور اس کے بعد سورج طلوع ہو جائے تو اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی ادا کر لے۔''

(الصحيحة:٢٤٧٥)

تخریج: أخرجه الطحاوي:١/ ٢٣٢، والبيهقي:١/ ٣٧٩، والزيادة له، وأحمد:٢/ ٢٣٦، والدار قطني: ١٤٧، وابن حبان: ١٥٧٩

شرح:...... ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر غروبِ آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پڑھ لی جائے، تو نمازی کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز جاری رکھے، ایسی نماز ادا ہوگی، نہ کہ قضا اور اسے کفایت کرے گی۔ یاد رہے کہ عصر کی نماز کو لیٹ کرنا ناپسندیدہ عمل ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔)) (مسلم) ...... ''یہ تو منافق کی نماز ہوئی کہ آدمی سورج کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں آ گیا اور ادھر وہ اٹھا اور چار ٹھونگیں ماریں اور اللہ تعالیٰ کا بہت تھوڑا ذکر کیا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلاوجہ تاخیر کی وجہ سے بندہ گنہگار ہوتا ہے، لیکن اس کی نماز مقبول ہوتی ہے، اس باب کی احادیث سے یہ وضاحت ہوئی کہ کسی نماز کی ادائیگی کے لیے وقت میں ایک رکعت پا لینا ضروری ہے، وگرنہ مکمل وقت گزر جانے کی وجہ سے نماز مردود ہوگی۔ امام نووی نے کہا: علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (نمازِ فجر کو طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کو غروبِ آفتاب تک) جان بوجھ کر مؤخر کرنا ناجائز ہے۔ (شرح مسلم)

اس باب کی پہلی حدیث سے نماز فجر اور نماز عصر دونوں کے بارے میں اور دوسری سے نماز فجر کے بارے میں رخصت ثابت ہوتی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ مبارکہ میں بھی عصر اور فجر دونوں کا ذکر کیا گیا ہے (مسلم: ٦٠٩)۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اس رخصت کو صرف عصر کی نماز کے ساتھ خاص کیا اور نماز فجر کے بارے میں کہا ہے کہ طلوعِ آفتاب سے نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن ان کا یہ قول مذکورہ بالا واضح احادیث کے مخالف ہے، لہٰذا اس کو ترک کر دیا جائے گا اور احادیث کی روشنی میں فجر کی نماز کے بارے میں اسی رخصت کو بحال رکھا جائے گا۔

یہی حال باقی تمام نمازوں کا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر بھی امام البانی رحمہ اللہ نے خوبصورت بحث کی ہے۔ ہم قارئین کے استفادے کے لیے وہ نقل کر دینا چاہتے ہیں، امام صاحب فرماتے ہیں:

اگر اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے تو ہر ذی شعور اور ذی بصیرت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سلسلے میں احناف کا مذہب باطل ہے، کیونکہ انھوں نے کہا: نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہونے کی صورت میں نماز باطل ہو جائے گی، اگرچہ اس نے ایک رکعت مکمل کر لی ہو۔ ان لوگوں نے اس موضوع پر مشتمل احادیث سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مختلف ہاتھ دکھائے ہیں۔ کسی کو غیر قادح علت کی وجہ سے اور کسی کی اسانید سے غفلت برتتے ہوئے ان

کو نا قابل حجت قرار دیتے گئے۔ جیسا کہ عصر حاضر کے متعصب شیخ کوثری نے کیا۔ کسی نے طلوع آفتاب کے وقت نماز سے نہی والی احادیث کی بنا پر ان روایات کو منسوخ قرار دیا اور کسی نے ان کو بچوں کے بالغ ہونے کے ساتھ خاص کر دیا، جیسا کہ طحاوی اور ان کے پیروکار کوثری نے کیا۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۲/ ۴۶) اس باب کی پہلی حدیث کے بعد کہا: اس حدیثِ مبارکہ میں طحاوی کا ردّ ہے، جس نے اس حدیث کو بچے کے بالغ ہونے، حائضہ کے حیض سے پاک ہونے اور کافر کے اسلام کے ساتھ خاص کیا اور اپنے مذہب کی تائید ونصرت کرتے ہوئے کہا کہ طلوع آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پا لینے سے یہ نماز فاسد ہی رہتی ہے، کیونکہ اس کی تکمیل کراہت کے وقت میں ہوتی ہے۔ اس بات کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کراہت کا تعلق فرضی اور نفلی دونوں نمازوں سے ہے، جو مشہور اختلافی مسئلہ ہے، امام ترمذی کہتے ہیں:

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی مسلک ہے (کہ طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پا لینے کی صورت میں نماز مکمل ہو جائے گی)، لیکن امام ابوحنیفہ نے اختلاف کیا اور کہا: اگر نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہو گیا، تو نماز باطل ہو جائے گی، انھوں نے اس مسلک کی تائید میں وہ احادیث پیش کیں، جن میں طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، بعض نے تو یہ دعوی بھی کیا ہے کہ نہی والی احادیث ناسخ ہیں۔ لیکن یہ دعوی دلیل کا محتاج ہے، صرف احتمال کی وجہ سے نسخ اختیار نہیں کیا جاتا، جبکہ دو مختلف موضوع والی احادیث میں جمع و تطبیق بھی ممکن ہو، یعنی نہی والی احادیث کو اس نفلی نماز پر محمول کیا جائے، جس کا کوئی سبب نہ ہو۔ بلا شک وشبہ تخصیص کا دعوی کرنا، دعویٔ نسخ سے بہتر ہے۔ (صحیحہ: ۲۴۷۵)

نماز بروقت ادا کرنا افضل عمل ہے

(٦١٥)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: ((اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنَ وَ الْجِهَادُ۔))

(الصحيحة:١٤٨٩)

ایک صحابیٔ رسول سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بروقت نماز ادا کرنا، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اور جہاد کرنا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥ / ٣٦٨، وأخرجه مسلم: ١/ ٦٣ دون قوله: ((الجهاد)) وسمى الرجل عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، وأخرجه الشيخان عن عبد الله، انه قال: سألت النبي ﷺ: أى العمل أحب (وفي رواية: افضل) الى الله؟ قال: ((الصلاة على وقتها (وفي رواية: لوقتها)۔ قال: ثم أي؟ قال: ثم بر الوالدين۔ قال: ثم أي؟ قال: الجهاد في سبيل الله۔ قال: حدثني بهن، ولو استزدته لزادني۔

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے، اللہ تعالی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ ﷺ نمازِ فجر کب ادا کرتے؟

(٦١٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ فِي مُرُوْطِنَا، وَنَنْصَرِفُ وَمَا يَعْرِفُ بَعْضُنَا وُجُوْهَ بَعْضٍ۔ (الصحيحة:٣٣٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتی تھیں، ہم نے اپنی اوڑھنیاں لپیٹی ہوتی تھیں، جب ہم نماز سے فارغ ہو کر واپس جاتیں تو (اندھیرے کی وجہ سے) کوئی کسی کے چہرے کو نہیں پہچان سکتی تھی۔

تخريج:أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ١/٢١٤

شرح:...... نماز فجر کا وقت بالاتفاق طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک جاری رہتا ہے، لیکن اس نماز کو اول وقت یعنی اندھیرے میں ادا کرنا افضل ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وَالصُّبْحُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ۔ (بخاری، مسلم) ...... نبی کریم ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں ہی پڑھ لیتے تھے۔

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثُمَّ صَلّٰى مَرَّةً أُخْرٰى فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذَالِكَ التَّغْلِيْسَ حَتّٰى مَاتَ، وَلَمْ يَعُدْ إِلٰى أَنْ يُسْفِرَ ...... رسول اللہ نے فجر کی نماز ایک دفعہ اندھیرے میں پڑھی اور دوسری دفعہ اسے خوب روشن کر کے پڑھا، پھر وفات تک آپ کی نمازِ (فجر) اندھیرے میں ہی رہی، آپ ﷺ نے دوبارہ کبھی اسے روشن کر کے نہیں پڑھا۔ (ابو داود: ٣٩٤، یہ روایت بخاری: ٥٢١ اور مسلم: ٦١٠ میں مختصر ہے)

یہ آپ ﷺ کی زندگی کا عمل رہا کہ وہ نماز فجر اندھیرے میں ہی ادا کرتے تھے، لیکن سیدنا رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُوْرِكُمْ۔)) (ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجه) ...... "نماز فجر صبح کے خوب واضح ہو جانے پر پڑھا کرو، یہ تمھارے اجر میں اضافے کا موجب ہو گی۔"

مذکورہ بالا دو احادیث میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے کہ ایک طرف تو آپ ﷺ اندھیرے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف روشنی میں پڑھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔

علمائے کرام نے درج ذیل تطبیقات دی ہیں:

امام شافعی اور امام احمد نے کہا: سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ فجر واضح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہنا چاہئے۔ امام ابن قیم اور امام طحاوی حنفی نے کہا: نماز کا آغاز تاریکی میں ہی کیا جائے اور قراءت اتنی لمبی کی جائے کہ صبح خوب روشن ہو جائے۔

سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا انس، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور امام احمد، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ نماز فجر اندھیرے میں ادا کی جائے۔ بہر حال اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل کی روشنی میں ہی سمجھنا چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے طویل بحث کے بعد کہا: میں کہتا ہوں کہ اندھیرے میں نمازِ فجر کی ادائیگی والی روایات، روشنی والی روایات سے تعداد میں زیادہ، صحیح ترین اور انتہائی قوی ہیں۔ اکثر اہل علم کا مذہب یہی ہے کہ اس نماز کو اندھیرے میں ادا کرنا افضل واولی ہے۔ (تحفة الاحوذی: ۱/ ۱۴۵)

فضیلۃ الشیخ ابوعمار عمر فاروق سعیدی نے سنن ابی داود کے ترجمہ وشرح:......۱/ ۳۵۹ میں ((اَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِاُجُوْرِكُمْ اَوْ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔)) کا ترجمہ یوں کیا: ''صبح طلوع ہونے پر ہی صبح کی نماز پڑھا کرو، بلا شبہ یہ تمہارے لیے بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔'' اور کہا: کچھ لوگ اس حدیث کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''سفیدی اور روشنی ہونے پر فجر کی نماز پڑھا کرو۔'' مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر القرون میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ثابت ہے کہ وہ سب فجر کی نماز ''غلس''، یعنی صبح کے اندھیرے ہی میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر صبح کے اندھیرے میں ہی قاتلانہ حملے ہوئے تھے، نیز لغوی طور پر ''اَصْبَحَ الرَّجُلُ'' کا معنی ہے: ''دَخَلَ فِی الصُّبْحِ''، یعنی صبح کے وقت میں داخل ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ شاید کچھ لوگ بہت زیادہ جلدی کرتے ہوئے قبل از وقت نماز پڑھ لیتے تھے تو اس حکم سے ان کی اصلاح فرمائی گئی۔ اور اس مفہوم کی دوسری روایت ((اَسْفِرُوا بِالصُّبْحِ)) بالمعنی روایت ہوئی ہے اور ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ یہ ارشادِ چاندنی راتوں سے متعلق ہے، کیونکہ ان راتوں میں صبح صادق کے نمایاں ہونے میں قدرے اشتباہ سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور علامہ طحاوی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ہے ''فجر کی نماز میں قراءت اتنی طویل کرو کہ فضا سفید ہو جائے۔'' بہر حال افضل یہی ہے کہ فجر صادق کے بعد جلد ہی اسے ادا کیا جائے اور اس کے بعد اس کا وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے تک رہتا ہے۔ (سعیدی صاحب کی بات ختم ہوئی)۔

قارئین کرام! اس حدیثِ مبارکہ کی اس قسم کی تاویلات کرنے کا سبب بننے والی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے۔ نعوذ باللہ پہلو تہی کرنا مقصود نہیں ہے۔

(٦١٧)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ۔ فَصَلّٰى حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ، ثُمَّ أَسْفَرَ بَعْدُ، ثُمَّ قَالَ: ((أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ؟ مَابَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ۔))

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ فجر کے وقت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواباً ایک دن) طلوع فجر کے وقت صبح کی نماز پڑھی اور (دوسرے دن) صبح روشن ہونے کے بعد پڑھی، پھر پوچھا: ''فجر کی نماز کے بارے میں دریافت کرنے والا کہاں ہے؟ (پھر وضاحت

(الصحيحة:١١١٥) کرتے ہوئے فرمایا کہ) ''اس نماز کا وقت ان دو اوقات کے درمیان ہے۔''

تخريج: أخرجه البزار: ٤٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جن لوگوں کا خیال ہے کہ افضل یہ ہے کہ اندھیرے میں نماز فجر ادا کی جائے، یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اسی وقت میں نماز فجر ادا کی، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ لیکن قراءت اتنی لمبی کی جائے کہ سلام پھیرتے وقت روشنی ہو چکی ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔)) ...... ''نماز فجر صبح کے خوب واضح ہو جانے پر پڑھا کرو، یہ تمھارے اجر میں اضافے کا موجب ہوگی۔'' یہ حدیث صحیح ہے (پہلے اس کی مکمل وضاحت بیان کی جا چکی ہے)۔ (صحیحہ: ١١١٥)

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ کے اقوال کو آپ ﷺ کے افعال کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ رسولِ معظم ﷺ ایک عمل کو افضل و اعظم قرار دیں اور اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس پر عمل نہ کریں، مگر شاذ و نادر۔

سفر کی وجہ سے نمازِ ظہر جلدی ادا کر لینا

(٦١٨)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: ((كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَقُلْنَا: زَالَتِ الشَّمْسُ، أَوْلَمْ تَزَلْ، صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ ارْتَحَلَ۔)) (الصحيحة:٢٧٨٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم سفر میں ہوتے تو نبی کریم ﷺ (اتنی جلدی) نمازِ ظہر پڑھ کر کوچ کرتے کہ ہم کہتے کہ ابھی تک سورج ڈھلا بھی ہے یا کہ نہیں۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٣/ ١١٣

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر سفر کے آغاز سے پہلے کسی نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو رختِ سفر باندھنے سے پہلے نماز ادا کر لینی چاہیے۔ اس حدیث میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سورج کے ڈھل جانے یا نہ ڈھلنے کے شک کا اظہار کیا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ وقت کی پہچان رکھتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے نماز ظہر زوال آفتاب کے بعد ہی ادا کی ہوگی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زوال کے فوراً بعد بغیر کسی تاخیر کے نماز ظہر ادا کرنا درست ہے۔

غروبِ آفتاب سے ہی نمازِ مغرب کا آغاز ہو جاتا ہے

(٦١٩)۔ عَنْ أَبِي مَحْذُوْرَةَ قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَذَّنْتَ الْمَغْرِبَ فَاحْدُرْهَا مَعَ الشَّمْسِ حَدْرًا۔)) (الصحيحة:٢٢٤٥)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''جب تو مغرب کی اذان دے تو سورج (کے غروب ہوتے ہی) جلدی جلدی دے دیا کر۔''

تخريـج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٧/ ٢١٠/ ٦٧٤٤

شــرح:...... نمازِ مغرب کے وقت کا آغاز غروبِ آفتاب سے ہی ہو جاتا ہے، مزید انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ سَاعَةً تَغْرُبُ الشَّمْسُ إِذَا غَـابَ حَـاجِبُهَا۔ نبی کریم ﷺ نمازِ مغرب اس وقت ادا کرتے تھے، جب سورج کی ٹکی کا اوپر والا کنارہ غروب ہوتا تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداود واللفظ له)

احادیث کے ساتھ ساتھ پوری امت کا اس حقیقت پر اجماع ہے کہ غروبِ آفتاب سے نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ عصر حاضر میں غروبِ آفتاب کے بعد مزید انتظار کرنے کی کیا وجہ ہے اور مسلمانوں کی اذانوں میں کیوں تقدیم و تاخیر ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا:

شام اور عمان کے علاقوں میں اس حدیث میں پیش کی گئی سنت کو ترک کیا جا چکا ہے، چونکہ میرا گھر ہملان کے پہاڑی علاقے میں ہے، میں نے خود سورج کو طلوع اور غروب ہوتے ہوئے دیکھا، یہ لوگ میرے علم کے مطابق غروبِ آفتاب کے دس منٹ بعد مغرب کی اذان دیتے ہیں، حالانکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ عمان کے وسطی علاقے اور اس کی وادیوں میں سورج غائب ہو چکا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اس علاقے میں ہمارے علاقے کی بہ نسبت جلدی سورج غروب ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف طلوعِ فجر سے آدھا گھنٹہ پہلے نمازِ فجر کی اذان دینا شروع کر دیتے ہیں۔ (فانا لله وانا اليه راجعون)

نمازِ مغرب جلدی ادا کرنے کا حکم

(٦٢٠)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَرْفُوعاً: ((صَلُّوْا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ مَعَ سُقُوْطِ الشَّمْسِ بَادِرُوْا بِهَا طُلُوْعَ النَّجْمِ۔)) (الصحيحة: ١٩١٥)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سورج غروب ہوتے ہی اور ستاروں کے ظہور سے قبل مغرب کی نماز پڑھ لیا کرو۔''

تخريـج: رواه الطبراني: رقم۔ ٤٠٥٨، ٤٠٥٩، واحمد: ٥/ ٤١٥

شــرح:...... اگرچہ نمازِ مغرب کا وقت شفق (سرخی) کے غروب ہونے تک رہتا، لیکن افضل یہی ہے کہ اس نماز کو غروبِ آفتاب کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے۔ بعض احباب کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا محلِّ نظر ہے کہ نمازِ مغرب سے قبل دو رکعت نفل نہیں پڑھنی چاہئیں، کیونکہ جس ہستی نے نمازِ مغرب کو جلدی ادا کرنے کی تعلیم دی، اسی نے مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کی بھی تعلیم دی اور آپ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام نے عمل بھی کیا۔ ہمیں چاہیے کہ ایک حدیث کو دوسری احادیث کی روشنی میں سمجھیں اور احادیث میں تناقض و تضاد پیدا نہ ہونے دیں۔ جبکہ حقیقت میں

ہے بھی نہیں۔

نمازِ عشا کا وقت

(٦٢١)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ جُهَيْنَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: مَتٰى أُصَلِّي الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ؟ قَالَ: ((إِذَا مَلَأَ اللَّيْلُ بَطْنَ كُلِّ وَادٍ فَصَلِّ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔))

(الصحيحة: ١٥٢٠)

جہینہ قبیلے کا ایک صحابی بیان کرتا ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: میں عشا کی نماز کب پڑھا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نمازِ عشا اس وقت ادا کیا کر جب رات ہر وادی کے پیٹ کو بھر دے (یعنی جب رات پوری وادی پر چھا جائے)۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٥، وابن أبي شيبة في "المصنف" ١/ ٣٣١

شرح:...... نماز عشا کا وقت شفق (سرخی) کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور نصف رات تک جاری رہتا ہے، نہ کہ طلوعِ فجر تک۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیرا اچھی طرح چھا جائے اور ایسا غروبِ شفق کے بعد ہی ہوتا ہے۔ شریعت کی روشنی میں نمازِ عشا کی ابتدا کا اصل کلیہ غروبِ شفق ہی ہے۔

نمازِ عشا تاخیر سے ادا کرنا امتِ محمد ﷺ کا خاصہ ہے

(٦٢٢)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِيْنَ قَدِمُوْا مَعِي فِي السَّفِيْنَةِ نُزُوْلًا فِي بَقِيْعِ (بَطْحَانَ) وَالنَّبِيُّ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ، فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ أَنَا وَأَصْحَابِي، وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: عَلٰى رِسْلِكُمْ! أَبْشِرُوْا إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ، أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ۔)) أَوْ قَالَ: ((مَا صَلّٰى هٰذِهِ الصَّلَاةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ۔)) لَا يَدْرِيْ أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ؟ قَالَ

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور کشتی میں میرے ساتھ آنے والے ساتھیوں نے وادیٔ بقیع بطحان میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا، جبکہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں فروکش تھے۔ ہم میں سے کچھ لوگ باری باری ہر روز آپ ﷺ کے ساتھ نمازِ عشا ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ جس دن میں اور میرے ساتھی آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کسی کام میں مصروف تھے، اس لیے نمازِ عشا کو مؤخر کیا اور اتنی تاخیر کی کہ (تقریبا) نصف رات گزر گئی۔ (بالآخر) نبی کریم ﷺ تشریف لائے، نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے فرمایا: ''ذرا ٹھہرو! خوش ہو جاؤ، اللہ تعالی نے تم پر انعام کیا ہے، تمھارے علاوہ کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اس گھڑی نماز پڑھ رہا ہو'' یا فرمایا: ''تمھارے علاوہ کسی نے بھی یہ نماز (اس وقت میں) ادا نہیں کی۔'' راوی کو یاد نہیں رہا کہ آپ ﷺ نے کون سا جملہ

أَبُوْ مُوْسٰى: فَرَجَعْنَا فَرِحِيْنَ بِمَا سَمِعْنَا مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَوْلُهُ: (ابْهَارَّ) أَيْ: انْتَصَفَ، وَبُهْرَةُ كُلِّ شَيْءٍ: وَسْطُهُ۔ وَقِيْلَ: (ابْهَارَّ اللَّيْلُ): إِذَا طَلَعَتْ نُجُوْمُهُ وَاسْتَنَارَتْ، وَالْأَوَّلُ أَكْثَرُ۔ (الصحيحة: ٣٩٦٩)

ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ہم خوشی خوشی گھر لوٹے۔ حدیث میں لفظ "اِبْهَارَّ" کے معانی "نصف ہونے" کے ہیں، ہر چیز کے وسط کو "بُهْرَةٌ" کہتے ہیں۔ لیکن ایک قول کے مطابق "اِبْهَارَّ اللَّيْلُ" اس وقت کہا جاتا ہے جب ستارے طلوع ہو کر چمکنے لگ جائیں۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مستعمل ہے۔

تخریج: أخرجه البخاري ٥٦٧۔ الفتح، ومسلم: ٢/ ١١٧، وأبو عوانة: ١/ ٣٦٣۔ ٣٦٤

شرح:...... عام نمازوں اور دوسری نیکیوں کے بارے میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ ان کو پہلے وقت میں اور پہلی فرصت میں جلد از جلد ادا کیا جائے، لیکن عشا کی نماز کے بارے میں شریعت نے یہ قانون پیش کیا ہے کہ اس کو تاخیر سے پڑھنا نہ صرف افضل ہے، بلکہ ان امت کا خاصہ بھی ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نیکیوں کی توفیق ہونا اور اس امت کو سابقہ امتوں کی بہ نسبت مخصوص نیکیاں کرنے کا موقع ملنا اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے، یعنی جو جتنا نیک ہوگا، اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ممنون ہوگا۔

نمازِ عصر تاخیر سے ادا کرنا منافقانہ وصف ہے

(٦٢٣)۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَيْجٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ الْمُنَافِقِ؟ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعَصْرَ، حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ كَثَرْبِ الْبَقَرَةِ صَلَّاهَا۔)) (الصحيحة: ١٧٤٥)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمھیں منافق کی نماز کے بارے میں بتلاؤں؟ وہ عصر کی نماز لیٹ کرتا رہتا ہے، حتی کہ جب سورج غروب ہونے کے انتہائی قریب ہو جاتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے۔"

تخریج: أخرجه الدارقطني في "سننه": صـ ٩٤، والحاكم: ١/ ١٩٥

شرح:...... اگرچہ نمازِ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے، لیکن خواہ مخواہ کی غفلت اور سستی کی وجہ سے نماز مؤخر کر دینا مومنانہ صفت نہیں ہے۔ اگر شریعت نے ہماری آسانی کے لیے اور ہماری مجبوریوں اور مصروفیتوں کو مدنظر رکھ کر عصر کی ادائیگی میں غروبِ آفتاب تک گنجائش دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی غفلت اور سستی کی بنا پر اس نماز کو اتنا مؤخر کر دیں کہ ہمیں منافق کہا جائے۔

نماز کے مکروہ اوقات

(٦٢٤)۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ:

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! میں آپ

يَـانَبِيَّ اللّٰهِإِنِّي أَسْأَلُكَ عَمَّا أَنْتَ بِهِ عَالِمٌ ، وَأَنَـا بِـهِ جَاهِلٌ ، مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سَاعَةٌ تُـكْـرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَاصَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَـطْلُعَ الشَّمْسُ ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بِقَرْنَيْ شَيْطَـانٍ فَإِذَا طَلَعَتْ فَصَلِّ ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَحْضُوْرَةٌ وَمُتَقَبَّلَةٌ ، حَتّٰى تَعْتَدِلَ عَلٰى رَأْسِكَ مِثْلَ الرُّمْحِ ، فَإِذَا اعْتَدَلَتْ عَلٰى رَأْسِكَ ، فَـإِنَّ تِـلْكَ السَّـاعَةَ تُسْجَرُ فِيهَـا جَهَنَّمُ ، وَتُـفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُهَا حَتّٰى تَزُوْلَ عَنْ حَـاجِبِكَ الْأَيْـمَـنِ ، فَـإِذَا زَالَتْ عَنْ حَـاجِبِكَ الْأَيْـمَـنِ فَـصَـلِّ ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَحْضُوْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ دَعِ الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ ـ))

(الصحيحة: ١٣٧١)

سے ایسی چیز کے بارے سوال کرنا چاہتا ہوں جسے آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا، کیا دن اور رات میں کوئی ایسی گھڑی بھی ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فجر کی نماز پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک مزید نماز پڑھنے سے رک جایا کر، کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں میں طلوع ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہو جائے تو تو نماز پڑھ سکتا ہے، اس میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں اور وہ قبول بھی ہوتی ہے، یہاں تک کہ سورج تیرے سر پر نیزے کی طرح کھڑا ہو جائے (یعنی زوال کا وقت شروع ہو جائے)، یہ ایسی گھڑی ہے جس میں جہنم کو گرم کیا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جب سورج ڈھل جائے تو تو نمازِ عصر تک نماز ادا کر سکتا ہے، اس نماز میں بھی فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بھی قبول ہوتی ہے۔ پھر عصر سے غروبِ آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھ۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣١٢، والحاكم: ٣/ ٥١٨

شرح:...... حدیثِ مبارکہ میں تین معینہ اوقات کے علاوہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں نفلی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ذہن نشین رہے کہ یہاں مطلق طور پر بعد از نماز عصر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن پہلے دو مقامات پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے، کہ نمازِ عصر کے بعد جب تک سورج بلند اور سفید نظر آ رہا ہو، اس وقت تک نماز پڑھنا جائز ہے۔

(٦٢٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُصَلُّوْا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ وَتَغْرُبُ عَلٰى قَرْنِ شَيْطَانٍ وَصَلُّوْا بَيْنَ ذٰلِكَ مَا شِئْتُمْ ـ)) (الصحيحة: ٣١٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”طلوعِ آفتاب یا غروبِ آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو، کیونکہ یہ شیطان کے سینگ پر طلوع اور غروب ہوتا ہے، (طلوع اور غروب) کے درمیان جیسے چاہو نماز پڑھو۔“

تخريج: رواه أبو يعلى في "مسنده": ٢٠٠/ ٢، والبزار: ١/ ٢٩٣/ ٦١٣

(٦٢٦)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ نَافِعٍ قَالَ: رَآنِي أَبُوْ بَشِيْرٍ الْأَنْصَارِيُّ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا أُصَلِّي صَلَاةَ الضُّحٰى حِيْنَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَعَابَ عَلٰى ذٰلِكَ وَنَهَانِي، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا تُصَلُّوْا حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔)) (الصحيحة:٣٠٤١)

سعید بن نافع کہتے ہیں ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ، جو صحابیٔ رسول ہیں، نے مجھے دیکھا اور میں طلوعِ آفتاب کے وقت چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا، انھوں نے میرے اس عمل کو معیوب قرار دیا اور مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک نماز نہ پڑھو، جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے، کیونکہ یہ شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٦، وابنه أيضا، والبخاري في "كنى التاريخ": ١٥/ ١٠٧، والبزار في "مسنده": ١/ ٣٣٦-٣٣٧، وكذا أبو يعلي: ٣/ ١٤٣/ ١٥٧٢، والطبراني في "الأوسط": ٢/ ١٠٦/ ١/ ٦٦٦٨

شرح:...... اس موضوع کی مختلف احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن میں پانچ اوقات میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے: (۱) نمازِ فجر کے بعد (۲) طلوعِ آفتاب کے وقت (۳) زوال کے وقت (۴) عصر کے بعد (۵) غروبِ آفتاب کے وقت۔

لیکن اگر نمازِ فجر سے پہلے والی سنتیں رہ جائیں تو وہ نمازِ فجر کے بعد ادا کی جا سکتی ہیں اور عصر کے بعد سورج زرد ہونے تک نفلی نماز ادا کرنا جائز ہے، پہلے بحث ہو چکی ہے۔

مکہ مکرمہ میں نماز کے لیے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے

(٦٢٧)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ أَخَذَ بِحَلْقَةِ بَابِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، إِلَّا بِمَكَّةَ، إِلَّا بِمَكَّةَ، إِلَّا بِمَكَّةَ۔)) (الصحيحة:٣٤١٢)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ انھوں نے بابِ کعبہ کا کڑا پکڑ کر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور (اسی طرح) فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک کوئی نماز نہیں، مگر مکہ میں، مگر مکہ میں، مگر مکہ میں۔'' (یعنی مکہ میں ہر وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے)۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ١٦٥، والدارقطني في "سننه": ١/ ٤٢٤/ ٦، والبيهقي: ٢/ ٤٦١ من طريق محمد بن أدريس الشافعي، والبيهقي أيضا، والطبراني في "المعجم الأوسط": ١/ ٤٦٨/ ٨٥١

شرح:...... مکہ مکرمہ کو مکروہ اوقات سے خاص کر دیا گیا ہے، وہاں ہر وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت کتنی دیر تک نماز پڑھنا منع ہے؟ نماز کے لیے کل مکروہ اوقات

(٦٢٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا بَدَا (وَفِي لَفْظٍ طَلَعَ) حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَبْرُزَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيْبَ۔)) (الصحيحة:٣٩٦٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو اس کے مکمل نمایاں ہونے تک نماز نہ پڑھو، اسی طرح جب سورج کا کنارہ غروب ہونا شروع ہو جائے تو اس کے مکمل غروب ہونے تک نماز نہ پڑھو۔''

تخريج: أخرجه البخاري:٥٨٣، ٣٢٧٢، ومسلم:٢/ ٢٠٧ ــ ١٠٨. وأبو عوانة:١/ ٣٨٣، والنسائي:١/ ٦٦، والبيهقي:٢/ ٤٥٣، وأحمد: ٢/ ١٣، ١٩/ ١٠٦

شرح:...... صحیح بخاری کی ایک روایت میں ''حَتّٰى تَبْرُزَ'' کی بجائے ''حَتّٰى تَرْتَفِعَ'' کے الفاظ ہیں اور اسی کتاب کی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ''حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ'' کے الفاظ ہیں۔

دن کے دورانیے میں کل پانچ اوقات ایسے ہیں، جن میں نماز پڑھنا منع ہے: (۱) نماز فجر کے بعد (۲) طلوع آفتاب کے وقت (۳) زوال کے وقت (۴) عصر کے بعد (۵) غروبِ آفتاب کے وقت۔ عصر کے بعد کچھ وقت تک نفلی نماز ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ۔ (بخاری، مسلم) وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ قَالَتْ: وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی بھی ترک نہیں کیں اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے: اس ذات کی قسم جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو جا ملے۔ اگرچہ عام پر طور یہ کہا جاتا ہے کہ بعد از نمازِ عصر سرے سے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور اس موضوع پر مطلق احادیث بھی موجود ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نمازِ عصر کے بعد نفلی نماز سے مطلق طور پر منع کیا ہے، وہاں درج ذیل فرمان کے ساتھ قید لگا کر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً مُرْتَفِعَةً۔ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، ہاں (عصر کے بعد) جب تک سورج سفید، صاف اور بلند ہو (تو نماز پڑھی جا سکتی ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد جب تک سورج سفید اور بلند ہو، اس وقت تک نماز پڑھنا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ طلوع آفتاب کی تکمیل کے بعد کراہت کا وقت ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس مسئلے میں درج ذیل تفصیل کو سامنے رکھا جائے: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین اوقات میں

نماز پڑھنے اور میت کو دفنانے سے منع فرمایا، (ان میں ایک گھڑی یہ ہے:) ((حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ۔)) (مسلم) ..... "جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے۔" جبکہ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((..... ثُمَّ اقْصِرْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَتَرْتَفِعَ قِيْسَ رُمْحٍ اَوْ رُمْحَيْنِ .....۔)) (ابو داود) "..... پھر نماز ادا کرنے سے رک جا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور ایک دو نیزے بلند ہو جائے۔"

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "فَتَرْتَفِعَ قِيْسَ رُمْحٍ ....." کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ کراہت کا وقت صرف سورج کے طلوع ہونے سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کا بلند ہونا ضروری ہے، صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ)) ..... "یہاں تک کہ سورج روشن کر دے۔" اور مسلم میں سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ الفاظ یہ ہیں: ((حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ بَازِغَةً۔)) ان روایات سے معلوم ہوا کہ طلوع سے مراد صرف سورج کا ظاہر ہونا مراد نہیں، بلکہ اس کا بلند ہونا اور روشن ہونا ہے۔ قاضی عیاض نے بھی یہی بات ذکر کی، جبکہ امام نووی نے کہا ہے: اگر مختلف روایات کو جمع کیا جائے تو یہی بات متعین ہوگی کہ سورج بلند ہونے تک کراہت کا وقت قائم رہتا ہے۔ (عون المعبود: ۲/ ۶۳۸)

تو ان احادیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نفلی نماز کا آغاز طلوعِ آفتاب کے فوراً بعد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ سورج کے ایک دو نیزے بلند ہونے کا انتظار کیا جائے۔

نمازیں جمع کر کے ادا کرنا

(۶۲۹)۔ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ قَارَوَنْدَ، قَالَ: سَأَلْنَا سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلَاةِ أَبِيْهِ فِي السَّفَرِ؟ فَأَخْبَرَ، عَنْ أَبِيْهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمْ الْأَمْرُ يَخْشٰى فَوْتَهُ فَلْيُصَلِّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ يَعْنِي: الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ۔))

(الصحيحة: ۱۳۷۰)

کثیر بن قاروند کہتے ہیں کہ ہم نے سالم بن عبد اللہ سے ان کے باپ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی سفری نماز کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کسی کو ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ اس طریقے سے نماز پڑھ لیا کرے (یعنی دو نمازوں کو جمع کر لیا کرے)۔"

تخريج: أخرجه النسائي: ۱/ ۹۸، والطبراني في "المعجم الكبير" ۳/ ۱۹۴۔۲/ ۱

شــــرح:..... جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، وہاں سفر کی صعوبتوں اور مجبوریوں کی بنا پر ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ جمع کرنے کی رخصت بھی دی ہے، معلوم ہوا کہ سفر کے دوران ظہر اور عصر کو زوالِ آفتاب کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک اور مغرب اور عشا کو غروبِ آفتاب سے

نصف رات تک ادا کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زوالِ آفتاب سے پہلے سفر کا آغاز فرماتے تو نمازِ ظہر کو مؤخر کرتے، یہاں تک نمازِ عصر کا وقت ہو جاتا۔ پھر سواری سے نیچے تشریف لاتے اور ظہر و عصر دونوں کو اکٹھا ادا فرما لیتے اور اگر سفر کی ابتدا سے پہلے سورج زوال پذیر ہو جاتا تو نمازِ ظہر ادا کر کے سفر پر روانہ ہو جاتے۔ (بخاری، مسلم)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد سفر کا ارادہ فرماتے تو ظہر و عصر کو اکٹھا ادا فرما لیتے تھے۔ (ابوداود، ترمذی)

جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سفر میں جانے کی جلدی ہوتی، تو مغرب و عشا کو شفق (سرخی) کے غائب ہونے (یعنی مغرب کا وقت ختم ہو جانے) کے بعد ادا کرتے اور کہتے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشا کو جمع کر لیتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

قارئینِ کرام! میں نے بعض افراد کو غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ ظہر یا نماز عصر ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح بعض لوگ فجر کی نماز کے لیے بیدار ہونے کی کوئی فکر نہیں کرتے، بلکہ جاگ آنے کے باوجود پھر سے سونے کی کوشش کرتے ہیں اور طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ مقاصدِ شریعت اور روح اسلام سے غافل ہیں اور اپنی سہولتوں کے گرویدہ ہیں۔ اگر شریعت نے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ جمع کرنے کی اجازت دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خود اس رخصت میں مزید اضافہ کر لیں۔

عام حالات میں پانچ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں۔ لیکن سفر، بارش یا خوف کی بنا پر پانچ نمازوں کو تین اوقات میں ادا کیا جا سکتا ہے: (۱) سفر و حضر میں نماز فجر کا وقت ایک ہے۔ (۲) ظہر و عصر کو زوال آفتاب کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک ادا کرنا اور (۳) مغرب و عشا کو غروبِ آفتاب سے لے کر نصف رات تک ادا کرنا۔ جس طرح حضر میں پانچ اوقات کا خیال رکھا جاتا ہے، یہی معاملہ ان تین اوقات کا ہے، اس سے مزید رخصت کا استدلال نہ کیا جائے۔

(۶۳۰)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: صَلّٰى بِنَا بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيَةً ، وَسَبْعاً۔ اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔ (الصحیحۃ:۲۷۹۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہمیں اکٹھی آٹھ اور سات رکعتیں پڑھائیں، (یعنی ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو جمع کر کے پڑھایا۔)

تخریج: أخرجه الشيخان، وأبو عوانة في "صحاحهم" من طرق عديدة ...... عن ابن عباس رضي الله عنه قال: فذكره مرفوعا، وهو مخرج في "ارواء الغليل": ۳/ ۳۶ و "صحيح ابى داود": ۱۰۹۹

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حقیقت یہ ہے کہ میرے علم میں کوئی ایسی واضح حدیث نہیں ہے، جو بارش میں نمازیں جمع کرنے پر دلالت کرے، البتہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ان الفاظ (مِنْ غَيْرِ

خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ) (یعنی بغیر کسی خوف اور بارش کے نمازیں کرنا) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں بارش کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا معروف تھا اور اسی وجہ سے اس رخصت پر سلف کا عمل جاری رہا، جیسا کہ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بہت سے آثار منقول ہیں۔

امام نافع کہتے ہیں: ہمارے حکمرانوں کی یہ روٹین تھی کہ وہ بارش والی رات کو مغرب مؤخر کر کے اور عشا کو جلدی کر کے دونوں نمازیں سرخی کے غائب ہونے سے پہلے ادا کر لیتے تھے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور اس جمع میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ عبید اللہ کہتے ہیں: میں نے قاسم اور سالم کو دیکھا کہ وہ بھی بارش کے موسم میں ان امرا کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

(٦٣١)۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الْأُوْلٰى وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، فَقِيْلَ لَهُ، فَقَالَ: ((صَنَعْتُ هٰذَا لِكَيْ لَا تُحْرَجَ أُمَّتِيْ۔)) (الصحيحة:٢٨٣٧)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کیا۔ جب آپ ﷺ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ”میں نے یہ نمازیں اس انداز میں اس لیے پڑھی ہیں تا کہ میری امت تنگی میں نہ پڑے۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٠/ ٢٦٩/ ١٠٥٢٥، وفي "الأوسط": ١/ ٤٦/ ١

شرح: ...... ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں:

جمع صوری: اس جمع کو کہتے ہیں، جس میں ہر نماز کو اس کے اصل وقت میں ادا کیا جاتا ہے، یعنی ظہر اور مغرب کو آخری وقت میں اور عصر اور عشا کو پہلے وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔

جمع حقیقی: جان بوجھ کر ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا، یعنی ظہر و عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں یا عصر کے وقت میں ادا کرنا، اسی طرح مغرب و عشا دونوں کو مغرب کے وقت میں یا عشا کے وقت میں ادا کرنا۔

امام البانی رحمہ اللہ کی درج ذیل بحث کا خلاصہ یہ ہے: خوف، بارش اور سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو ایک دوسرے کے وقت میں ادا کرنا جائز ہے۔ حضر میں کسی عذر کی بنا پر اور بعض اوقات عذر کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

جمع تقدیم: دو نمازوں کو پہلی نماز کے وقت میں ادا کرنا، جیسے ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں ادا کرنا

جمع تاخیر: دو نمازوں کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا، مثلاً ظہر و عصر کو عصر کے وقت میں ادا کرنا۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام شوکانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا جائے گا، یعنی ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے پہلے وقت میں ادا کیا گیا۔ اس خیال کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے طویل بحث کی، حدیث کی تاویل کرنے میں تکلف برتا، مختلف امور سے اپنے موقف کا استدلال کرتے رہے اور اس سے جمع حقیقی کو ثابت نہ کیا، جو کہ سفر

والی احادیث سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کی توجہ اس نقطے کی طرف مبذول کراؤں کہ امام شوکانی آپ ﷺ کی حدیث کے اس حصے کو ذہن نشین نہ کر سکے:

((صَنَعْتُ هٰذَا لِكَيْ لا تُحْرِجَ أُمَّتِي۔))

''میں نے یہ نمازیں اس انداز میں اس لیے پڑھی ہیں تا کہ میری امت تنگی میں نہ پڑے۔''

یہ الفاظ جمع حقیقی کے حق میں واضح نص ہیں، کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں امت سے گناہ اور حرام کام کا اثر ختم کرنے کے لیے (رَفْعَ الْحَرَجْ) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے، مزید اس کو یوں سمجھیں کہ حرج اور تنگی نہ ہونے کی صورت میں مؤاخذہ کیا جائے گا، جیسا کہ بارش اور سردی کی وجہ سے نمازِ جمعہ اور نمازِ باجماعت ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے، جب سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو جمعہ کے دن اذان میں "اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ" (نماز گھروں میں ادا کرلو) کہنے کا حکم دیا تو بعض لوگوں نے اس کلمہ پر انکار کیا، اس پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسے لگتا ہے کہ تم لوگ اس جملے کا انکار کر رہے ہو، حالانکہ اس ہستی نے یہ الفاظ کہلوائے تھے، جو مجھ سے بہتر ہے، ان کی مراد نبی کریم ﷺ تھے۔ ایسے موسم میں نمازِ جمعہ ادا کرنا عزیمت ہے، لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو تنگی میں ڈال دوں۔ (بخاری: ٦١٦، ٦٦٨، ٩٠١، موقوف الفاظ ابن ابی شیبہ (٢/ ١٥٣) کے ہیں۔)

نعیم بن نحام کہتے ہیں: سخت سردی تھی، صبح کی اذان ہونے لگی، میں اپنی بیوی کی چادر میں لیٹا ہوا تھا، میں نے کہا: کاش مؤذن "وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ" کہہ دے، ...... اگر کوئی نہ آئے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے مؤذن نے "وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ" کہہ دیا۔ (مسند احمد: ٤/ ٣٢٠)

ہر کوئی جانتا ہے کہ جمعہ کی نماز اور نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔ جب شریعت بارش کے دوران نہ آنے والوں سے حرج اور تنگی کی نفی کرے گی، تو یہ ایک نیا حکم قرار پائے گا۔ جب بارش والا عذر نہیں ہوگا تو نمازیوں کو بلانے کے لیے عام اذان ہوگی، جس میں کسی کو مستثنی نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں: ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ بے شمار نصوص سے واضح ہوتا ہے۔ (...... جو آدمی جان بوجھ کر نماز کو اس کے وقت سے پہلے یا اس کا وقت گزر جانے کے بعد ادا کرے گا، وہ گنہگار ہوگا اور اس کی نماز قبول نہیں ہوگی)۔ لیکن آپ ﷺ نے دو نمازوں کو جمع کیا اور اپنی امت سے حرج اور تنگی کو دور کر دیا۔ یہ واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی جمع، حقیقی تھی۔ ان اصول و قرائن کے باوجود اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرنے سے اس حدیث کا متن بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے، جیسا کہ ہر انصاف پسند اور غور و فکر کرنے والے آدمی کی یہی رائے ہے، کیونکہ جمع صوری میں تو سرے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے اس کو جمع صوری پر

محمول کرنا، اس بارے میں امام نووی نے بلا مبالغہ درست کہا: یہ تاویل باطل ہے، حدیث کے ظاہری مفہوم کے مخالف ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

درج ذیل دو امور سے تاکیدِ مزید پیدا ہوتی ہے:

(اول) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے خوف اور بارش کے بغیر نمازیں جمع کی تھیں۔ اس سے قوی اشارہ ملتا ہے کہ دورانِ بارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمع کرنا حاضرین کے نزدیک معروف تھا۔ لیکن کیا بارش کے دوران جمع صوری کرتے تھے؟ یقیناً نہیں، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام امام نافع اس کے بارے میں ہمیں بتلائیں گے، وہ کہتے ہیں: بارش والی رات کو ہمارے اُمرا مغرب کو مؤخر کر کے اور عشا کو معجّل کر کے دونوں کو سرخی کے غروب سے پہلے ادا کر لیتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

عبید اللہ، جو نافع سے یہ روایت بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے سالم اور قاسم کو بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۲۳۴ بسند صحیح غایة)

میں (البانی) کہتا ہوں: ''سرخی کے غائب ہونے سے پہلے نمازوں کو ادا کر لینا'' اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمع حقیقی تھی، کیونکہ نمازِ مغرب کا وقت غروبِ شفق تک جاری رہتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، میں نے اس کی (صحیح أبی داود: ٤٢٥) میں تخریج کی ہے۔

(دوم) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نمازوں کو جمع کرنے کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے:

((صَنَعْتُ هٰذَا لِكَيْ لَا تُحْرِجَ أُمَّتِي.))

''میں نے یہ نمازیں اس انداز میں اس لیے پڑھی ہیں تاکہ میری امت تنگی میں نہ پڑے۔''

سفر میں نمازیں جمع کرنے کی بھی یہی وجہ بیان کی گئی ہے، جیسا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے دوران ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کیا۔ ابو طفیل کہتے ہیں: میں نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے جمع کرنے پر آمادہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا: آپ کا ارادہ یہ تھا کہ امت تنگی میں نہ پڑے۔ (صحیح مسلم) میں نے (ارواء الغلیل: ۳/ ۳۱) میں اس کی تخریج کی ہے۔ ابوداود وغیرہ کی روایت میں ہے: یہ جمع تقدیم و تاخیر کے ساتھ تھی، یہی بات سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے: ارواء الغلیل: ٥٧٨، ٥٧٩)

میں کہتا ہوں: اگر آپ سابقہ بحث ذہن نشین کر لیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اس حدیث کی صحیح مراد جمع حقیقی ہی ہے، جس کے ذریعے امت کو بسا اوقات لاحق ہونے والی تنگی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ رہا مسئلہ جمع صوری کا، تو سفر ہو یا حضر ہو، اس میں سرے سے کوئی حرج ہی نہیں ہے، (کیونکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جاتا ہے)۔

احناف نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے جمع حقیقی کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن جمہور علما و فقہا جمع حقیقی کے

قائل ہیں، جمہور نے جتنے دلائل پیش کیے، ان میں جمع تقدیم کی بھی وضاحت ہے، یہ دلائل حنفیوں کی تاویلات کو باطل کرتے ہیں۔ بعض احادیث میں جمع تاخیر کا ذکر بھی ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: إِذَا عَجِلَ عَلَيْهِ السَّفَرُ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلٰى أَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ، فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ۔ ...... اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں جلدی ہوتی تو ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک مؤخر کر کے دونوں کو اکٹھا (عصر کے وقت میں) ادا کرتے اور مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ اس وقت جمع کرتے، جب سرخی غروب ہو چکی ہوتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

میں یہ کہنا مناسب سمجھوں گا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کی یہ علت بیان کی ہے: ((صَنَعْتُ هٰذَا لِكَيْ لَا تُحْرِجَ أُمَّتِي۔)) ...... ''میں نے یہ نمازیں اس انداز میں اس لیے پڑھی ہیں تاکہ میری امت تنگی میں نہ پڑے۔''

اس وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی عذر، تنگی اور حرج ہو تو نمازوں کو جمع کر لینا جائز ہے، وگرنہ نہیں۔ افراد، حالات اور مقامات کو دیکھ کر عذر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ سلف صالحین میں سے جن علما و فقہا نے ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے نمازوں کو علی الاطلاق جمع کرنے کی اجازت دی ہے، انھوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کو عادت اور رواج نہ بنا لیا جائے، جیسا کہ شیعہ لوگوں نے کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ جو آدمی مساجد میں پانچوں نمازیں ان کے مقررہ اوقات میں باجماعت کرنے کا حریص ہوگا، وہ عذر کے بغیر اس حدیث پر عمل نہیں کرے گا۔ والله سبحانه وتعالى اعلم۔ (صحیحہ: ۲۸۳۷) رحم الله الالبانی رحمة واسعة

سفر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا

(٦٣٢)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ، أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى أَنْ يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ، فَيُصَلِّيْهِمَا جَمِيْعاً، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ، عَجَّلَ الْعَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ، وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعاً، ثُمَّ سَارَ وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، عَجَّلَ الْعِشَاءَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک (کے سفر) میں تھے۔ اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کر جاتے تو ظہر کی نماز کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے عصر کے ساتھ جمع کرتے اور دونوں کو اکٹھا پڑھتے اور اگر سورج کے ڈھلنے کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر کے ساتھ عصر بھی پڑھ لیتے اور پھر سفر شروع کرتے۔ اسی طرح اگر غروبِ آفتاب سے پہلے کوچ کر جاتے تو مغرب کو مؤخر کرتے، یہاں تک کہ اسے عشا کے ساتھ پڑھتے اور اگر غروبِ آفتاب کے بعد سفر شروع کرتے تو عشا کی نماز کو

فَصَلاَّهَامَعَ الْمَغْرِبِ۔ (الصحيحة:١٦٤) جلدی کر کے مغرب کے ساتھ ہی پڑھ لیتے۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٦٠، وأبوداود: ١٢٠٦، ١٢٢٠، والترمذي: ٢/ ٤٣٨، والنسائي: ١/ ٩٨، ومالك: ١/ ١٤٣/ ٢، والدارمي: ١/ ٣٥٦، والطحاوي: ١/ ٩٥، والدارقطني: ١٥١، والبيهقي: ٣/ ١٦٢، ١٦٣، وأحمد: ٥/ ٢٤١-٢٤٢

شرح:...... یہ حدیث مبارکہ سفر میں جمع حقیقی کی انتہائی واضح دلیل ہے، بعض احباب سفر کے دوران بھی نمازوں کے جمع کر کے ادا کرنے کے قائل نہیں اور جن احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کیا، ان کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، یعنی ظہر وعصر کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے پہلے وقت میں ادا کیا جائے، لیکن مذکورہ بالا حدیث اس حقیقت کا ٹھوس ثبوت ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت میں اور عصر کو ظہر کے وقت میں ادا کرنا درست ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث مبارکہ کئی مسائل پر مشتمل ہے:

(۱) عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ بھی سفر میں نمازیں جمع کر کے ادا کرنا جائز ہے، جمہور علما کا یہی مسلک ہے، مگر احناف نے جمع والی احادیث کو جمع صوری پر محمول کر کے جمہور کی مخالفت کی ہے، لیکن جمہور نے کئی طرح سے ان کا ردّ پیش کیا ہے، مثلا:

(أ)...... جمع کو جمع صوری پر محمول کرنا احادیث کے ظاہری مفہوم کے مخالف ہے۔

(ب)...... جمع کی غرض و غایت لوگوں کو آسانی فراہم کرنا اور ان سے تنگی کو دور کرنا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی جمع کا مقصد امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنا تھا۔

(ج)...... بعض احادیث میں جمع حقیقی کی وضاحت احناف کی تاویل کو باطل کر دیتی ہے، مثلا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے نمازِ ظہر اتنی مؤخر کی کہ عصر کا ابتدائی وقت ہو گیا، پھر ان دونوں کو جمع کر کے ادا کیا۔ (مسلم)

(د)...... اس باب کی حدیث بھی احناف کی تاویل کو ردّ کرتی ہے، جس میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے سفر کا آغاز زوالِ آفتاب کے بعد ہوتا تو آپ ﷺ عصر کو جلدی کر کے ظہر کے ساتھ پڑھ لیتے، اسی طرح اگر آپ اپنے مقام سے مغرب کے بعد کوچ کرتے تو عشا کو جلدی کر کے مغرب کے ساتھ ادا کر لیتے۔

(۲) جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں، جیسا کہ امام شافعی نے (الأم: ١/ ٦٧) میں کہا اور اسی طرح امام احمد اور امام اسحاق بھی ان دونوں صورتوں کے قائل ہے، ان کے بارے میں امام ترمذی نے وضاحت کی ہے۔

جمع تقدیم: دو نمازوں کو پہلی نماز کے وقت میں ادا کرنا، جیسے ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں ادا کرنا

جمع تاخیر: دو نمازوں کو بعد والی نماز کے وقت میں ادا کرنا، مثلا ظہر وعصر کو عصر کے وقت میں ادا کرنا۔

(۳) پڑاؤ کی حالت میں نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ چلنے میں جلدی ہونے کی صورت میں اس کا جواز ملتا ہے۔ امام شافعی نے (الأم) میں امام مالک کی سند سے حدیث بیان کرنے کے بعد کہا: اس صورت میں آپ ﷺ پڑاؤ کی حالت میں تھے، نہ کہ چلنے کی حالت میں، کیونکہ حدیث کے الفاظ (دَخَلَ ...... ثُمَّ خَرَجَ۔ ...... آپ داخل ہوئے ...... پھر نکلے) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مقام پر اترے ہوئے تھے، لہٰذا مسافر چل رہا ہو یا اس نے کسی مقام پر پڑاؤ ڈالا ہوا ہو، اس کے لیے جمع کرنا جائز ہے۔ (پڑاؤ کی حالت کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک مسافر کسی مقام پر ظہر سے پہلے اترتا ہے اور عصر کے وقت کے بعد تک وہیں ٹھہرا رہتا ہے، ایسی صورت میں بھی اس کے لیے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے (مجموعة الرسائل والمسائل: ۲/ ۲۶، ۲۷) میں اس باب والی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کہا: جمع، تین درجات پر مشتمل ہے: (۱) جب مسافر پہلی نماز کے وقت میں سفر کر رہا ہو تو دوسری نماز کے وقت میں اتر کر دونوں نمازیں ادا کرے گا، بخاری و مسلم کی احادیث میں سیدنا انس اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی صورت مروی ہے، حج کے موقع پر مزدلفہ میں نمازیں جمع کرنا اسی قبیل سے ہے۔ (۲) جب مسافر نے دوسری نماز کے وقت میں سفر کرنا ہو تو پہلی نماز کے وقت میں دونوں نمازیں جمع کر لے، عرفہ کے مقام پر جمع کرنے کا تعلق اسی صورت سے ہے، سنن میں اس صورت پر دلالت کرنے والی روایات موجود ہیں۔ (۳) رہا مسئلہ اس صورت کا کہ مسافر ایک مقام پر پہلی نماز کے وقت میں اترا اور دوسری نماز تک اس کا پڑاؤ جاری رہا، میرے علم کے مطابق اس صورت کا ذکر صرف سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے خیمے میں اترے، ظہر کو مؤخر کیا، پھر باہر تشریف لائے اور ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا کیا، پھر اپنے خیمے میں داخل ہو گئے، پھر باہر تشریف لائے اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کیا، کیونکہ دخول و خروج کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کسی منزل میں اترے ہوئے تھے، جب مسافر چل رہا ہو تو اس کے ٹھہرنے اور چلنے کو عربی زبان میں "نَزَلَ وَرَكِبَ" (یعنی اترے اور سوار ہوئے) کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے، نہ کہ "دَخَلَ وَخَرَجَ" کے ساتھ۔

نبی کریم ﷺ کا آخری غزوہ، غزوۂ تبوک تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے صرف حجۃ الوداع کے لیے سفر کیا اور حج کے موقع پر روایات کے مطابق صرف عرفہ اور مزدلفہ میں نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں، منی کے مقام پر نمازیں کیسے ادا کی گئیں؟ احادیث میں صرف قصر کا ذکر ہے، جمع کا نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ بعض اوقات جمع کرتے ہیں اور بسا اوقات نہیں کرتے تھے، بلکہ غالب عمل جمع نہ کرنا ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کی طرح جمع بھی سفر کی سنتوں میں سے ہے، بلکہ وہ بھی ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے، وہ ضرورت سفر میں ہو یا حضر میں، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی امت سے تنگی اور حرج کو دور کرنے کے لیے حضر میں بھی نمازیں جمع کر کے ادا کی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اگر مسافر ضرورت محسوس کرے تو جمع تقدیم یا جمع تاخیر کے

ساتھ نمازیں جمع کر کے ادا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر مسافر بوقت ظہر پڑاؤ ڈالتا ہے اور راحت و آرام، خورد ونوش اور نیند کی ضرورت محسوس کرتا ہے، تو وہ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ ادا کر لے۔ علی هذا القياس۔

جو مسافر کسی گاؤں یا شہر میں کچھ ایام کے لیے ٹھہرا ہوا ہے، تو وہ قصر نماز ادا کرے، لیکن جمع کرنے سے بچنا چاہیے، جیسا کہ وہ مسافر ہونے کے باوجود سواری پر نماز نہیں پڑھتا اور تیمّم نہیں کرتا، کیونکہ اس کو ان رخصتوں کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہی معاملہ جمع کا ہے، رہا مسئلہ قصر نماز کا، تو وہ تو سفری نماز کی سنت ہے۔ (صحیحہ: ١٦٤)

(٦٣٣)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ۔ (الصحيحة: ٣٠٤٠)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه لبزار في "مسنده": ١/ ٣٣٠۔ ٣٣١، وأخرجه الطبراني في "الاوسط" بلفظ أتم وهو: جمع رسول الله ﷺ بين الظهر والعصر، وبين المغرب و العشاء، أخر المغرب و عجل العشاء، فصلاهما جميعا۔

بارہ سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کا صلہ

(٦٣٤)۔ عَنْ أَبِي مُوسَى يَرْفَعُهُ: ((مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشَرَ رَكْعَةً، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢٣٤٧)

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بارہ رکعات پڑھیں، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٥٨/ ٢۔ زوائده، واحمد: ٤/ ٤١٣

شرح:...... ان بارہ رکعات کی تفصیل یہ ہے: ظہر سے پہلے چار، اس کے بعد دو، مغرب کے بعد دو، عشا کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو۔

قبل از ظہر چار سنتوں کی فضیلت

(٦٣٥)۔ عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَرْفُوعاً مُرْسَلاً: ((أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ يَعْدِلْنَ بِصَلَاةِ السَّحَرِ۔)) (الصحيحة: ١٤٣١)

ابو صالح مرفوعًا اور مرسلًا دونوں طرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نمازِ ظہر سے قبل چار سنتیں، سحری کے وقت کی نماز کے برابر ہو جاتی ہیں۔“

تخريج: رواه ابن أبي شيبه في "المصنف" ٢/ ١٥/ ٢

شرح:...... ظہر سے قبل چار رکعت نفل (جنھیں عام طور پر سنتِ مؤکدہ کہا جاتا ہے) پڑھنا مسنون ہے، اس حدیث میں ان کی فضیلت کو ثابت کرتے ہوئے ان کو سحری کے وقت کی نمازِ تہجد سے تشبیہ دی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ سحری کے وقت کی نماز انتہائی افضل ہے۔ ان سنتوں کی اہمیت دوسری احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ سیدہ ام

حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ أَلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔)) (مسلم)...... ''جو مسلمان ہر روز اللہ تعالی کے لیے بارہ (۱۲) رکعت نفلی نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔'' ترمذی کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل یہ ہے: فجر سے پہلے دو، ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو، مغرب کے بعد دو اور عشا کے بعد دو۔ان بارہ رکعات میں ظہر سے پہلے والی چار سنتیں بھی داخل ہیں۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰى أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعًا بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔)) (ابوداود، ترمذی، ابن ماجه) ...... ''جو شخص باقاعدگی سے ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد چار رکعتیں ادا کرتا رہا تو اللہ تعالی اسے آتشِ جہنم کے لیے حرام کر دے گا۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ پہلی فرصت میں فرضی نمازوں اور ان سے پہلے اور بعد والی سنتوں کا خوب اہتمام کریں۔

(٦٣٦)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى مَرْفُوْعاً: ((مَنْ صَلَّى الضُّحٰى أَرْبَعاً، وَقَبْلَ الْأُوْلٰى أَرْبَعاً، بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔))

(الصحيحة:٢٣٤٩)

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے چار رکعت نمازِ چاشت اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جائے گا۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ١/٥٩

قبل از ظہر سنتوں کی ادائیگی کی کیفیت

(٦٣٧)۔ عَنْ قَابُوْسٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: أَرْسَلَ أَبِيْ اِمْرَأَةً إِلٰى عَائِشَةَ يَسْأَلُهَا: أَيُّ الصَّلَاةِ كَانَتْ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُوَاظِبَ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعاً يُطِيْلُ فِيْهِنَّ الْقِيَامَ وَيُحْسِنُ فِيْهِنَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ، فَأَمَّا مَا لَمْ يَكُنْ يَدَعُ صَحِيْحاً وَلَا مَرِيْضاً وَلَا غَائِباً وَلَا شَاهِدًا فَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

(الصحيحة:٢٧٠٥)

قابوس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے ایک عورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے سوال کرے کہ کس نماز پر ہمیشگی کرنا رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں لمبا قیام کرتے اور اچھے انداز میں رکوع و سجود کیا کرتے تھے اور صحت مند یا مریض ہوتے نیز سفر و حضر میں (کسی صورت میں بھی) فجر کی دو سنتیں ترک نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٤٣، والطبراني في "الأوسط": ٧٦١٠، والخطيب في "التاريخ": ٦/ ٢٨٤۔

قبل از ظہر چار سنتوں کی ادائیگی کی وجہ

(٦٣٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ ، قَالَ: كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ ۔ بَعْدَ الزَّوَالِ ۔ أَرْبَعاً وَيَقُوْلُ: إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ فِيْهَا فَأُحِبُّ أَنْ أُقَدِّمَ فِيْهَا عَمَلاً صَالِحاً ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٤)

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے اور فرماتے: ''اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میں نیک عمل آگے بھیجوں۔''

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٣/ ٤١١ ، والترمذي: ٤٧٨ ، وروى ابن ماجه أتم منه مثله

نماز جمعہ سے پہلے والی سنتوں کی تعداد

(٦٣٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ، قَالَ: دَخَلَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ، وَلَا تَعُوْدَنَّ لِمِثْلِ هٰذَا ۔)) يَعْنِيَ التَّأْخِيْرَ فِي الْمَجِيْءِ إِلَى الْجُمُعَةِ ۔ قَالَ: فَرَكَعَهُمَا ثُمَّ جَلَسَ ۔ (الصحيحة: ٤٦٦ ، ٢٨٩٣)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سلیک غطفانی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''دو رکعتیں پڑھ لے اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔'' یعنی جمعہ سے لیٹ نہیں ہونا۔ اس نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر بیٹھ گیا۔

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٥٦٩ ، والدارقطني: ١٦٩

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٤/ ٩٢/ ٢٤٩٥ ، والدارقطني في "سننه": ٢/ ١٦/ ١١

شرح :...... نمازِ ظہر سے پہلے چار سنتیں مسنون ہیں، لیکن نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی معین سنتیں نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع ہونے سے پہلے نمازی کو اس کی مرضی کے مطابق نفل نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، یعنی جتنی وہ چاہے، نفلی نماز پڑھے۔ (بخاری) ابتدائے خطبہ سے پہلے یا دورانِ خطبہ پہنچنے والوں کو کم از کم دو رکعات پڑھ کر بیٹھنا چاہیے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے معلوم ہوتا ہے اور جمعہ کے بعد بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق دو اور مسلم کی روایت کے مطابق چار سنتیں ادا کرنا مسنون ہیں۔ اس حدیث میں سلیک غطفانی کو جن دو رکعتوں کے پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ تحیۃ المسجد ہیں۔ دو رکعتوں کا حکم دینے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ جمعہ میں تاخیر سے آنے سے منع فرمایا ہے، سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطبہ میں حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب ہو کر بیٹھا کرو، (خواہ مخواہ تاخیر کرنے سے بچو) کیونکہ آدمی (اپنی غفلت کی بنا پر) اس قسم کی تاخیر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے جنت سے مؤخر کر دیا جاتا ہے، اگرچہ اس نے داخل بھی ہونا ہو۔ (ابو داود: ١١٩٨، صحیحہ: ٣٦٥)

اس حدیث اور دوسری احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، معلوم نہیں کہ بعض افراد خطبہ کے دوران اس سنت پر عمل کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔

فجر کی دو سنتوں کی فضیلت

(٦٤٠)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ زَادَكُمْ صَلَاةً إِلٰى صَلَاتِكُمْ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ أَلَا وَهِيَ رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ۔)) (الصحيحة:١١٤١)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی نے تمھیں ایک اور نماز عطا کی ہے۔ وہ تمھارے حق میں سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ نماز، فجر کی نماز سے پہلے والی دو سنتیں ہیں۔''

تخريج: أخرجه البيهقي: ٢/ ٤٦٩

شرح:...... انسان فطرتی طور پر محسوس چیز کو ہی محسوس کرتا ہے، اس لیے اس حدیث کی طرح کئی احادیث میں دنیوی امور کی مثالیں بیان کر کے بات سمجھائی گئی ہے، چونکہ عہد نبوی میں عربوں کے ہاں سب سے قیمتی مال سرخ اونٹ تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا تذکرہ کر کے اپنے امتیوں کو فجر کی دو سنتوں پر دوام اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔)) (مسلم) ...... ''نمازِ فجر سے پہلے والی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔''

فجر سے پہلے والی سنتوں پر دوام اختیار کرنا

(٦٤١)۔ عَنْ قَابُوْسٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: أَرْسَلَ أَبِي امْرَأَةً إِلٰى عَائِشَةَ يَسْأَلُهَا: أَيُّ الصَّلَاةِ كَانَتْ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُوَاظِبَ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا يُطِيْلُ فِيْهِنَّ الْقِيَامَ وَيُحْسِنُ فِيْهِنَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ، فَأَمَّا مَالَمْ يَكُنْ يَدَعُ صَحِيْحًا وَلَا مَرِيْضًا وَلَا غَائِبًا وَلَا شَاهِدًا فَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

(الصحيحة:٢٧٠٥)

قابوس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے ایک عورت کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان سے سوال کرے کہ کس نماز پر ہمیشگی کرنا رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں لمبا قیام کرتے اور اچھے انداز میں رکوع و سجود کیا کرتے تھے اور صحت مند یا مریض ہونے یا سفر و حضر میں (کسی صورت میں بھی) فجر کی دو سنتیں ترک نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٤٣، والطبراني في "الأوسط": ٧٦١٠، والخطيب في "التاريخ": ٦/ ٢٨٤۔

شرح:...... اس میں نماز فجر سے پہلے والی دو سنتوں کو دوام کے ساتھ ادا کرنے کا بیان ہے۔

فجر اور مغرب والی سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنا

(٦٤٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ لَا يَدَعُهُمَا، قَالَتْ: وَكَانَ يَقُوْلُ: ((نِعْمَتِ السُّوْرَتَانِ يُقْرَأُ بِهِمَا فِي رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ۔))

(الصحيحة: ٦٤٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور فجر سے پہلے والی دو سنتوں کو ترک نہیں کرتے تھے اور فرماتے: ''دو بہترین سورتیں ہیں، جنھیں فجر سے پہلے والی دو رکعتوں میں پڑھا جاتا ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ١٢١/ ٢، واحمد: ٦/ ٢٣٩، وابن ماجه: ١١٥٠، وليس عنده الاربع قبل الظهر

شرح:...... ارکانِ اسلام میں سب سے اہم، بنیادی اور اللہ تعالی کا انتہائی پسندیدہ رکن توحید ہے، جس کے بغیر کسی رکنِ اسلام اور فریضۂ دین کی کوئی اہمیت و مقبولیت نہیں۔ سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون میں اس موضوع کو انتہائی واشگاف انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو سورتوں کو بہترین قرار دیا۔

(٦٤٣)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: كَانَ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَي الْفَجْرِ، وَالرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ وَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔﴾ (الصحيحة: ٣٣٢٨)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی پہلی والی دو اور مغرب کی بعد والی دو سنتوں میں ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٢/ ٤٢٤/ ١٣٥٦٤، ورواه النسائي في "سننه" ١/ ١٥٤ أتم منه، وأخرجه أحمد: ٢/ ٩٤، والترمذي: ٤١٧، وابن ماجه: ١١٤٩ دون ذكر ركعتين بعد المغرب

شرح:...... ہمارے ہاں خواص و عوام کی یہ فطرت بن چکی ہے کہ وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد بغیر سوچے سمجھے سورۂ اخلاص کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔

ذہن نشین کر لیں کہ جب تک آدمی احادیث کے مطابق نماز میں مختلف سورتوں کی تلاوت یا اذکار کی پابندی نہیں کرتا، شاید وہ دورانِ نماز خشوع و خضوع سے بھی محروم رہتا ہو، کاش اسے اس چیز کا احساس ہو

آپ ﷺ نے جن مختصر سورتوں کی تعیین کے ساتھ بعض نمازوں کی بعض رکعتوں میں تلاوت کی، ہمیں ان کا التزام کرنا چاہیے ویسے بھی جب تک سورۂ فاتحہ کے بعد تلاوت کے سلسلے میں تنوع پیدا نہ کیا جائے، اس وقت تک نمازی

نماز کے حقیقی لطف سے محروم رہتا ہے۔

نمازِ فجر سے پہلے والے سنتیں رہ جانے کی صورت میں کب ادا کی جائیں؟

(٦٤٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَي الْفَجْرِ، فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٦١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو فجر کی دو سنتیں نہ پڑھ سکا، وہ طلوعِ آفتاب کے بعد ادا کر لے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي:٤٢٣، وابن خزيمة:١١١٧، وابن حبان:٦١٣، والحاكم:١/ ٢٧٣و٣٠٧، والبيهقي:٢/ ٤٨٤

شرح:...... اگر فجر کی سنتیں جماعت سے پہلے ادا نہ کی جا سکیں تو جماعت کے بعد بھی ان کی ادائیگی درست ہے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بھی۔

سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی، (میں نے فرض نماز سے فارغ ہو کر پہلے والی دو سنتیں ادا کرنا شروع کر دیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ((مَهْلًا يَا قَيْسُ! أَصَلَاتَانِ مَعًا؟)) یعنی ''قیس! ٹھہر جاؤ، کیا دو (فرض) نمازیں ایک وقت میں؟'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں فجر کی دو سنتیں (نماز سے پہلے) ادا نہ کر سکا (لہٰذا اب پڑھی ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَلَا اِذَنْ)) ......''تو پھر کوئی حرج نہیں۔'' (ابو داود: ١٢٦٧، ترمذی: ٤٢٢)

صحابی رسول کہتے ہیں کہ جب میں مسجد میں آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر پڑھا رہے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو میں فجر کی دو سنتیں ادا کرنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ((مَا هَاتَانِ الرَّكْعَتَانِ؟)) یعنی ''یہ دو رکعتیں کونسی نماز ہے؟'' میں نے کہا: یہ دو سنتیں ہیں جو میں فجر سے پہلے نہ پڑھ سکا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کچھ نہ کہا۔ (دارقطنی: ١٤٢٤، بیہقی: ٢/ ٤٨٣، ابن حبان: ٦٢٤، مستدرك حاكم: ١/ ٢٧٤)

معلوم ہوا کہ جب مؤذن نمازِ فجر کیلیے اقامت کہنا شروع کر دے، اور کسی نمازی کی سنتیں رہتی ہوں تو وہ سب سے پہلے فرضی نماز با جماعت ادا کرے گا اور نماز کے بعد یا طلوع آفتاب کے بعد دو سنتیں ادا کر لے گا۔

نماز عصر کے بعد دو رکعت سنتیں

(٦٤٥)۔ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيْلَ لَهُ؟ فَقَالَ: لَوْ لَمْ أُصَلِّهِمَا إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ مَسْرُوْقاً يُصَلِّيْهِمَا،

ابراہیم بن محمد بن منتشر بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ انھیں کہا گیا (کہ یہ نماز کیوں پڑھتے ہو)؟ انھوں نے کہا: اگر میں یہ دو رکعتیں صرف اس لیے پڑھتا کہ میں نے مسروق کو پڑھتے دیکھا تو یہ بھی قابل

لَكَانَ ثِقَةً ، وَلٰكِنِّي سَأَلْتُ عَائِشَةَ؟ فَقَالَتْ: كَانَ ﷺ لَايَدَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

(الصحيحة: ٢٩٢٠، ٣١٧٤)

اعتماد بات تھی۔ لیکن میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی بابت سوال کیا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے دو اور عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا ترک نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن شيبة في "المصنف": ٢/ ٣٥٢

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ٣٥٢، والحديث مخرج في "الصحيحين"

شرح:...... نماز عصر کے بعد نفلی نماز پڑھنا اس وقت تک درست ہے، جب تک سورج بلند اور صاف نظر آ رہا ہو۔ امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام ابن ابی شیبہ نے سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ وہ عصر کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے، ان میں سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ، ابو الشعثا، عمرو بن میمون، اسود بن یزید اور ابو وائل شامل ہیں۔ نیز محمد بن منتشر اور مسروق بھی یہ نماز ادا کرتے تھے۔

رہا مسئلہ یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس نماز کی ادائیگی پر کیوں مارا کرتے تھے؟ تو یہ ان کا ذاتی اجتہاد تھا، جس کا تعلق "بـاب سدّ الذريعة" سے ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ٢/ ٦٥) میں درج ذیل دو روایات بیان کر کے اس کی وضاحت کی ہے۔

(أ) زید بن خالد کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے عصر کے بعد دو رکعتوں کی ادائیگی پر سزا دی .... پس سیدنا عمر نے کہا: يَا زَيْدُ: لَوْلَا اَنِّي اَخْشٰى اَنْ يَّتَّخِذَهُمَا النَّاسُ سُلَّمًا اِلَى الصَّلَاةِ حَتَّى اللَّيْلِ لَمْ اَضْرِبْ فِيْهِمَا۔ ...... اے زید! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ ان دو رکعتوں کو ذریعہ بنا کر رات تک نماز ادا کرتے رہیں گے، تو میں نے سزا نہیں دینی تھی۔ (مسند احمد: ٤/ ١٥٥، مصنف عبد الرزاق: ٢/ ٤٣١، ٤٣٢)

اسی قسم کی روایت سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا تھا: وَلٰكِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّأْتِيَ بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يُصَلُّوْنَ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ اِلَى الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَمُرُّوْا بِالسَّاعَةِ الَّتِيْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْهَا۔ ...... میں ڈرتا ہوں کہ تمھارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ اس نماز کو عصر سے مغرب تک پڑھیں گے اور (بالآخر اس نماز کو) اس گھڑی میں لے جائیں گے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد: ٤/ ١٠٢)

شریح کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں سوال کیا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ ظہر کی نماز اور اس کے بعد دو رکعت سنت ادا کرتے، پھر عصر کی نماز اور اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے۔ میں نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو عصر کے بعد والی دو رکعتوں کی وجہ سے منع کرتے اور پڑھنے والے کو سزا دیتے تھے، اس کی کیا وجہ ہے؟

انھوں نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ تیری قوم کے لوگ کم سمجھ اور انجان ہیں، یہ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد عصر تک نفلی نماز ادا کرتے رہتے ہیں، پھر اسی طرح نمازِ عصر ادا کر کے (ان دو رکعتوں کی رخصت سے گنجائش نکالتے ہوئے) مغرب تک نماز پڑھتے رہتے ہیں، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سزا دی اور بالکل درست کیا۔ (مسند السراج: ق ۱۳۲/ ۱)

میں (البانی) کہتا ہوں: اس کی سند صحیح ہے، یہ سابقہ دو آثار کا قوی شاہد ہے، انتہائی صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دو رکعتوں سے منع کرنے کی وجہ دو رکعتیں نہیں تھی، جیسا کہ اکثر لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے۔ سیدنا عمر کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس نماز کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کر دیں کہ سورج زرد ہو جائے اور پھر اس کو کراہت کے وقت میں ادا کریں۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا مسنون ہے، بشرطیکہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے ادا کی جائیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سزا دینا ان کا اجتہادی مسئلہ تھا، بعض صحابہ نے ان کی موافقت کی تھی اور بعض نے مخالفت، یعنی یہ نماز ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟ اس کے بارے میں صحابہ کرام میں بھی دو فریق پائے جاتے تھے، ایسی صورت میں سنت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی نمازِ عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا ثبوت ملتا ہے، وہ کہتے ہیں: میں بھی اپنے ساتھیوں کی طرح نماز پڑھتا ہوں، کسی کو دن یا رات کی کسی گھڑی میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتا، ہاں اتنا کہوں گا کہ طلوع آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھی جائے۔ (بخاری: ۵۸۹)

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، لیکن جب آپ خلیفہ بنے تو انھوں نے یہ نماز ترک کر دی، جب سیدنا عمر فوت ہو گئے تو انھوں نے ان دو رکعتوں کی ادائیگی شروع کر دی۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دو رکعات کی وجہ سے لوگوں کو سزا دیتے تھے، اس لیے میں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن طاوس کہتے ہیں: میرے باپ طاوس تابعی بھی ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۲/۴۳۳، اس اثر کی سند صحیح ہے)

اب ہم یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ جو اہل سنت سنتوں کو زندہ کرنے اور بدعتوں کا قلع قمع کرنے کے حریص ہیں، ان کو نماز عصر کے بعد ان دو رکعتوں کی ادائیگی کا التزام کرنا چاہیے، بشرطیکہ جب نماز عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کیا جائے، (یا یوں کہیے کہ جب تک سورج زرد نہ ہو۔) وباللہ التوفیق۔ (صحیحہ: ۲۹۲۰)

(٦٤٦)۔ عَنْ عَلِيٍّ: نَهٰى ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔ (الصحيحة: ٢٠٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، الا یہ کہ سورج بلند ہو۔

تخريج: رواه أبو داود: ۱/ ۲۰۰، والنسائی: ۱/ ۹۷، وعنه ابن حزم فی "المحلی": ۳/ ۳۱، وأبو يعلى فی "مسنده": ۱/ ۱۱۹، وابن حبان فی "صحيحه": ۶۲۱، ۶۲۲، وابن الجارود فی "المنتقى": ۲۸۱، والبيهقی: ۲/ ۴۵۸، والطيالسی: ۱/ ۷۵۔من ترتيبه، وأحمد: ۱/ ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۴۱، والمحاملی فی "الأمالی": ۳/ ۹۵/ ۱، والضياء فی "الأحاديث المختارة": ۱/ ۲۵۸و۲۵۹

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی نماز نہیں۔"

یہ حدیث مطلق ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت اس کی مقیّد ہے، امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اسی جمع و تطبیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی عادل راوی کی زیادتی ہے، جس کو ترک کرنا ناجائز ہے۔

پھر امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کے مخالف اور موافق دونوں روایات منقول ہیں۔

پھر انھوں نے اور ضیاء نے (المختارة: ۱/ ۱۸۵) میں اپنی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرضی نماز کے بعد دو رکعت سنت پڑھتے تھے، سوائے فجر اور عصر کے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: سیدنا علی کی اس حدیث کی سابقہ حدیث سے مطلق طور پر کوئی مخالفت نہیں، کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں نہیں پڑھیں، جبکہ سابقہ حدیث اس بات پر دلالت تو نہیں کرتی کہ آپ نے پڑھی ہیں۔ اُس سے تو اس نماز کا سورج کے زرد ہونے تک کا جواز ملتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس امر کا جواز ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فعلی طور پر سرانجام دیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ سیدہ ام سلمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے بعد والی دو سنتیں نمازِ عصر کے بعد ادا کی ہیں۔ پھر سیدہ عائشہ نے کہا: اس کے بعد انھوں نے ان پر دوام اختیار کیا۔ یہ حدیث مذکورہ بالا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے، لیکن ان میں جمع و تطبیق بڑی آسان ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان کیا۔ اس ضمن میں یہ قانون مسلم ہے کہ ہمیشہ مثبت بات، منفی بات پر غالب آ جاتی ہے، یعنی علم رکھنے والے کی بات، علم نہ رکھنے والے کی بات پر حجت ہوتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے مطابق عصر کے بعد والی نماز کی نفی کی، بعد میں ان کو دوسرے صحابہ کے واسطے سے علم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، جیسا کہ امام بیہقی اپنی سند بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: عاصم بن ضمرہ بیان کرتے ہیں: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ نے ہمیں نمازِ عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں، پھر اپنے خیمے میں چلے گئے، میں نے آپ کو دیکھا کہ مزید دو رکعتیں ادا کر رہے تھے۔

اس موقوف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ جواز والی حدیث پر عمل کیا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ (۴/۳) نے مؤذن رسول سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ، انھوں نے کہا: نماز سے تو غروبِ آفتاب کے وقت منع کیا گیا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس کی سند صحیح ہے اور یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا قوی شاہد ہے۔

مزید امام ابن حزم رحمہ اللہ نے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کی مشروعیت صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے، جو چاہتا ہے ان کی کتاب کا مراجعہ کر لے۔

اس بحث میں زیادہ اعتماد اس حدیث پر ہونا چاہیے، جس سے نماز عصر سے لے کر سورج کے زرد ہونے تک نفلی نماز کی گنجائش ملتی ہے، ابن حزم نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ حافظ عراقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں، جو زیادہ تر سنت کے خلاف دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

پھر مجھے سیدنا علی کی حدیث کی ایک اور سند ملی، اس کے متن کے الفاظ یہ تھے:

((لَاتُصَلُّوْا بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا اَنْ تُصَلُّوْا وَالشَّمْسُ مَرْتَفِعَةٌ۔)) ...... ''عصر کی نماز نہ پڑھو، ہاں جب تک سورج بلند رہے (تو پڑھ سکتے ہو۔)'' (مسند احمد: ۱/ ۱۳۰)

یہ جید سند ہے، عاصم بن ضمرہ سلولی کے علاوہ تمام راوی، بخاری و مسلم کے ہیں۔ یہ عاصم صدوق ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے اور امام ابن خزیمہ (۲/ ۲۶۵) نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس سند سے اس حدیث کو بہت زیادہ قوت مل رہی ہے، بالخصوص عاصم کی سند سے، کیونکہ یہی راوی ہے، جس نے سیدنا علی سے یہ حدیث بیان کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ امام بیہقی نے اس روایت کی وجہ سے حدیث کو معلول قرار دیا، لیکن ہم اس اعتراض کا جواب دے چکے ہیں، پھر عاصم کی سند سے بیان ہونے والی روایت کے ذریعے ہمیں اپنے جواب کے مزید صحیح ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تعریف ہے، جس نے ہمیں توفیق بخشی۔ اس کا ایک اور حسن درجے کا شاہد سیدنا انس سے مروی ہے، جو (صحیحہ:۳۱۴) میں ہے۔ (صحیحہ: ۲۰۰)

رحم الله الالبانی رحمة واسعة.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے شاہد سے امام البانی رحمہ اللہ کی مراد یہ روایت ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَاتُصَلُّوْا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ وَتَغْرُبُ عَلٰى قَرْنِ شَيْطَان، وَصَلُّوْا بَيْنَ ذَالِكَ مَا شِئْتُمْ۔)) (مسند ابی یعلی: ۲۰۰/ ۲،صحیحہ: ۳۱٤) ...... ''طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے اوقات میں نماز نہ پڑھو، کیونکہ سورج شیطان کے سینگ پر طلوع اور غروب ہوتا ہے، ان (دو اوقات) کے درمیانی وقفے میں جتنی چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔''

(٦٤٧)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ، فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَرَآهُ عُمَرُ، فَقَالَ لَهُ: اِجْلِسْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَصْلٌ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْسَنَ ابْنُ الْخَطَّابِ۔)) (الصحيحة:٢٥٤٩)

ایک صحابیٔ رسول سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی، (سلام کے بعد) ایک آدمی نے فوراً نماز پڑھنا شروع کر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور کہا: بیٹھ جا، اہل کتاب اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن خطاب نے اچھا کیا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٨

(٦٤٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ، فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي بَعْدَهَا فَرَآهُ عُمَرُ فَأَخَذَ بِرِدَائِهِ أَوْ بِثَوْبِهِ فَقَالَ لَهُ: اِجْلِسْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَصْلٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْسَنَ (وَفِي رِوَايَةٍ: صَدَقَ) ابْنُ الْخَطَّابِ۔))

(الصحيحة: ٣١٧٣)

عبداللہ بن رباح، ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی، ایک آدمی مزید نماز پڑھنے کے لیے فوراً کھڑا ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور اس کی چادر یا کپڑے کو پکڑ کر کہا: بیٹھ جا، اہل کتاب اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں وقفہ نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن خطاب نے اچھا کیا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''(ابن خطاب نے) سچ کہا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٨، وابو يعلى فى "مسنده": ١٣/ ١٠٧/ ٣١٦٦، وعبد الرزاق فى "المصنف": ٢/ ٤٣٢/ ٣٩٧٣

شرح:...... معلوم ہوا کہ فرض نماز اور اس کے بعد ادا کی جانے والی نفلی نماز کے درمیان کچھ وقفہ ہونا چاہیے۔ نیز اس حدیث سے واضح طور پر نمازِ عصر کے بعد نفلی نماز پڑھنے کا ثبوت مل رہا ہے۔ اس کا بیّن ثبوت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، جو بیان کرتی ہیں: مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ۔ (بخاری، مسلم) وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ قَالَتْ: وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ ......رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی بھی ترک نہیں کیں اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے: اس ذات کی قسم جس نے رسول اللہ ﷺ کو فوت کیا، آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو جا ملے۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ (عصر کے بعد والی) دو رکعتیں پڑھتے تو تھے، لیکن مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں امت مشقت میں نہ پڑ جائے، آپ ﷺ اپنی

امت کے حق میں تخفیف پسند کرتے تھے۔ (بخاری: ۵۹۰)

امام البانی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث میں ایک اہم فائدے کا بیان ہے کہ عصر کے بعد مزید نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ناجائز ہونے کی صورت میں اس آدمی پر انکار کر دیا جاتا، یہ حدیث آپ ﷺ کی فعلی حدیث کے موافق ہے، جس کے مطابق آپ ﷺ خود عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھی۔ نیز آپ ﷺ کی اس درج ذیل مطلق حدیث کو دوسری صحیح مقید احادیث کی روشنی میں سورج کے زرد ہونے پر محمول کیا جائے گا:

((لَاصَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔)) ”عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں۔“ (صحیحہ: ۲۰٤۹)

اعتراض: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، مسئلہ کی وضاحت ہونی چاہئے۔

جواب: آپ ﷺ نے جہاں نمازِ عصر کے بعد نفلی نماز سے علی الاطلاق منع کیا ہے، وہاں درج ذیل فرمان کے ساتھ قید لگا کر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً مُرْتَفِعَةً۔ ......رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، ہاں (عصر کے بعد) جب تک سورج سفید، صاف اور بلند ہو (تو نماز پڑھی جا سکتی ہے)۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُصَلُّوْا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ وَتَغْرُبُ عَلٰی قَرْنِ شَيْطَانٍ، وَصَلُّوْا بَيْنَ ذَالِكَ مَا شِئْتُمْ۔)) (مسند ابی یعلی: ۲/ ۲۰۰، صحیحہ: ۳۱٤) ......”طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے اوقات میں نماز نہ پڑھو، کیونکہ سورج شیطان کے سینگ پر طلوع اور غروب ہوتا ہے، ان (دو اوقات) کے درمیانی وقفے میں جتنی چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔“

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا علی اور سیدنا انس (صحیحہ:۳۱۴) کی ان احادیث سے ثابت ہوتا کہ فقہی کتب میں بیان کیے جانے والا یہ مسلک درست نہیں کہ عصر کے بعد علی الاطلاق نماز پڑھنا منع ہے، اگرچہ سورج بلند اور صاف ہی کیوں نہ ہو۔ اُن فقہا کے دلائل وہ عام احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں مطلق طور پر عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔ لیکن ان تمام احادیث کے عموم ان دو احادیث سے مقیّد کیا جائے گا۔ (صحیحہ:۳۱۴)

آپ ﷺ کے قول اور فعل سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد جب تک سورج سفید اور بلند ہو، اس وقت تک نماز پڑھنا درست ہے۔ اللہ تعالی ہمیں تمام سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ جو لوگ نماز عصر کے بعد علی الاطلاق نماز سے منع کرتے ہیں، یقیناً وہ رسول اللہ ﷺ کی عام احادیث سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جن احادیثِ مبارکہ میں عصر کے بعد مخصوص وقت تک

نماز کی ادائیگی کی اجازت دی گئی ہے، وہ ان سے کیوں غفلت برتتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی تو آپ ﷺ کی احادیث ہی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایک موضوع سے متعلقہ ساری احادیث کو جمع کیا کریں اور ان میں جمع و تطبیق دے کر تمام احادیث پر عمل کریں۔

اگر آپ محلی ابن حزم، مصنف ابن ابی شیبہ اور شرح معانی الآثار کا مطالعہ کریں تو صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کو نماز عصر کے بعد نفلی نماز کے جواز کا قائل پائیں گے۔

اس موضوع پر مزید دو دلائل، جو اس عمل کو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

آپ ﷺ ظہر کے بعد مصروف ہو گئے اور ظہر کے بعد والی دو سنتیں عصر کے بعد ادا کیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا: أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتَا؟ اگر یہ دو رکعتیں ہم سے فوت ہو جائیں تو کیا ہم بھی اس طرح کی قضائی دے سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ (مسند احمد: ٦/ ٣١٥)

حافظ ابن حجر نے سیدہ ام سلمہ والے الفاظ کو امام طحاوی کی طرف منسوب کیا اور کہا: یہ ضعیف روایت ہے، اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ (فتح الباری: ۲/ ۸۲) امام مبارکپوری نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا۔

دوسری حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور دوسروں کو منع کرتے تھے۔ (ابوداود: ۱۲۸۰) لیکن امام البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔

معلوم ہوا کہ عصر کے بعد والی نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت سنتیں ادا کرنا

(٦٤٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الْمُزَنِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: ((صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ۔)) ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ۔)) خَافَ أَنْ يَحْسَبَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (الصحيحة:٢٣٣)

حضرت عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: ”مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرو، (مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرو)۔“ پھر تیسری دفعہ فرمایا: ”جو چاہے پڑھ لے۔“ آپ ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ اس کو (لازمی) سنت و طریقہ نہ سمجھ لیں۔

تخريج: أخرجه ابن نصر في "قيام الليل": ٢٨، وهو عند البخاري و غيره من الستة من طرق اخرى دون قوله في اوله: صلى قبل المغرب ركعتين۔

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا حکم وجوب کے لیے اور نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کا حکم دینے کے بعد ان کو پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا۔

حدیث کے الفاظ ''مغرب سے پہلے'' سے مراد نمازِ مغرب سے پہلے اور غروبِ آفتاب کے بعد ہے۔ امام ابن حبان نے بھی اس حدیث پر اسی قسم کا باب قائم کیا ہے اور عظیم صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا ہے۔

(٦٥٠)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: كَانَ الْمُؤَذِّنُ يُؤَذِّنُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ، فَيَبْتَدِرُ لُبَابُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ السَّوَارِيَ ، يُصَلُّوْنَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ ، حَتّٰى يَخْرُجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فَيَجِيْءُ الْغَرِيْبُ فَيَحْسَبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهَا ، وَكَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ يَسِيْرٌ۔ (الصحيحة:٢٣٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب مؤذن نمازِ مغرب کی اذان سے فارغ ہوتا تو برگزیدہ صحابۂ کرام ستونوں کی طرف لپکتے اور (انھیں سترہ بنا کر) مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ لوگ اتنی کثرت سے یہ دو رکعتیں پڑھتے کہ اجنبی آدمی کو محسوس ہوتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے (اور لوگ بعد والی سنتیں ادا کر رہے ہیں)۔ اذان اور اقامت کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ہوتا تھا۔

تخريج: أخرجه البخاري:٢/ ٨٥، ومسلم: ٢/ ٢١٢، وابن نصر: ٢٦. وابن خزيمة: ١٢٨٨، وابن حبان: ١٥٨٨ ـ الاحسان، وأحمد: ٣/ ٢٨٠، وابو عوانه في "صحيحه": ٢/ ٢٦٥، والبيهقي: ٢/ ٤٧٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون عمل ہے، اس باب کی احادیث کے علاوہ مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دو روایات اس باب میں موجود ہیں، پہلی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور حکم دونوں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کا کثرت سے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

(۳) سیدنا عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ۔))...... ''ہر اذان اور اقامت کے مابین نماز ہے۔'' تیسری دفعہ فرمایا: جو چاہے یہ نماز پڑھے۔ (بخاری: ٦٢٤، مسلم: ٨٣٨) یہ عام حکم نمازِ مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان والی دو رکعتوں کو بھی شامل ہے۔

(۴) سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ صَلَاةٍ مَفْرُوْضَةٍ إِلَّا وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ۔)) (صحيح ابن حبان: ٢٤٤٦، سنن دارقطني: ١/ ٢٦٧، صحيحة: ٢٣٢)
......''نہیں ہے کوئی فرضی نماز، مگر اس سے پہلے (کم از کم) دو رکعت (نفلی نماز) ہے۔''

(۵) مرثد بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: کیا میں آپ کو ابو تمیم تابعی کے بارے میں تعجب انگیز بات سناؤں؟ وہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتا ہے۔ سیدنا عقبہ نے کہا: یقیناً ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا: اب کیوں نہیں پڑھتے؟ انھوں نے کہا: مصروفیت کی

وجہ سے۔(بخاری:۱۱۸۴)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غروبِ آفتاب کے بعد اور نمازِ مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ راوی نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، لیکن نہ ان کا حکم دیتے اور نہ ان سے منع کرتے۔(مسلم: ۸۳٦)

علامہ سندھی حنفی نے کہا: ظاہر تو یہی ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں جائز بلکہ مندوب ہیں، میں منع کرنے والوں کے پاس کوئی شافی جواب نہ پا سکا۔(حاشية السندهي على النسائي: ۱/ ۲۸۳، ۲/ ۲۸)

معلوم نہیں کہ بعض لوگ اس موضوع پر صحیح اور صریح روایات ہونے کے باوجود ان دو رکعتوں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

امام البانی رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت لکھا: اس حدیثِ مبارکہ سے نمازِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھنے کی واضح مشروعیت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا اہتمام کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برقرار رکھا، دوسری عام احادیث سے بھی اس نماز کا ثبوت ملتا ہے، مثلا سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ صَلَاةٍ مَفْرُوْضَةٍ إِلَّا وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ۔)) (صحيح ابن حبان: ٦١٥، صحيحة: ٢٣٢) ...... ''نہیں ہے کوئی فرضی نماز، مگر اس سے پہلے (کم از کم) دو رکعت (نفلی نماز) ہے۔''

امام احمد، امام اسحٰق اور محدثین کا یہی مذہب ہے ...... لیکن بعض مقلد مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پر دلالت کرنے والی ان صریح احادیث کو رد کر دیتے ہیں۔(صحيحه: ٢٣٤)

ہر فرض نماز سے پہلے کم از کم دو رکعت نفلی نماز کا وجود

(٦٥١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مَرْفُوْعاً: ((مَا مِنْ صَلَاةٍ مَفْرُوْضَةٍ إِلَّا وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ۔)) (الصحيحة: ٢٣٢)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں ہے کوئی فرضی نماز، مگر اس سے پہلے (کم از کم) دو رکعت (نفلی نماز) ہے۔''

تخريج: أخرجه عباس الترقفي في "حديثه": ١/٤١، وابن نصر في "قيام الليل": ٢٦، والروياني في "مسنده": ١/٢٣٨، وابن حبان في "صحيحه": ٦١٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٦٩/ ٢١٠/ ٢، وابن عدي في "الكامل": ٢/٤٦، والدارقطني في "سننه": ٩٩

شرح:...... نمازِ فجر سے پہلے دو اور نمازِ ظہر سے پہلے چار رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں اور عصر سے پہلے چار رکعات سنت غیر مؤکدہ ہیں، ان کے مختلف دلائل موجود ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مغرب اور عشا کی نمازوں سے پہلے بھی دو رکعت سنت پڑھنے کا ثبوت مل گیا ہے، اگر عصر سے پہلے چار سنتیں پڑھنے کا وقت نہ ہو تو اس حدیث پر عمل کر کے دو رکعتیں پڑھ لی جائیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عصر کی طرح عشا سے پہلے بھی چار رکعت سنتیں غیر مؤکدہ ہیں، لیکن ان کی یہ بات بلا دلیل ہے، اس حدیث کی روشنی میں کم از کم دو رکعات کی ادائیگی کرنا چاہیے۔ ہاں اگر وقت ہو تو دوسری عام روایات کی روشنی میں نفلی نماز پڑھی جا سکتی ہے، جس کی کوئی حد معین نہیں۔

سفر میں سننِ رواتبہ نہ پڑھنے کی رخصت

(٦٥٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ ﷺ لَا يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا۔ (الصحيحة:٢٨١٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سفر میں (فرضی نمازوں) سے پہلے اور بعد میں سنتیں نہیں پڑھتے تھے۔

تخریج: أخرجه السراج في "مسنده": ق ١٢٠/ ٢، وأخرجه الشيخان باتم منه

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی حدیث کو اس مسئلہ میں مطلق طور پر سامنے نہ رکھا جائے، کیونکہ آپ ﷺ سفر و حضر میں فجر کی دو سنتوں اور نماز وتر کا اہتمام کرتے تھے۔ (دیکھیں: فتح الباری: ٢/ ٥٧٨۔ ٥٧٩) (صحیحہ: ٢٨١٦)

علما و محدثین کا اتفاق ہے کہ سفر میں عام نوافل پڑھنا مستحبّ ہیں اور آپ ﷺ سے عملاً ثابت بھی ہیں، رہا مسئلہ فرضی نمازوں سے پہلے اور بعد والی سنتوں کا تو آپ ﷺ سفر میں نماز فجر سے پہلے والی دو سنتیں تو باقاعدگی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور سیدنا برا بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اٹھارہ سفروں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سورج ڈھل جانے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔ (ابوداود: ١٢٢٢، ترمذی: ٥٥٠)، (اس حدیث کی سند کے راوی ابو بسرہ غفاری کو امام عجلی نے ثقہ کہا اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا) امام ابوداود اور امام ترمذی دونوں نے اس حدیث پر ''التطوع فی السفر'' کا باب قائم کیا ہے۔ بہرحال یہ گنجائش موجود ہے کہ یہ دو رکعتیں ظہر سے پہلے والی سنتیں ہوں۔

ان دو احادیث سے یہ استدلال کرنا بجا طور پر درست ہوگا کہ سفر میں سنن رواتبہ ادا کی جا سکتی ہے۔ مزید آپ خود غور و فکر کر لیں۔

مغرب اور عشا کے درمیانی وقفے میں نماز پڑھنا

(٦٥٣)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ((كَانَ ﷺ يُصَلِّي مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔)) (الصحيحة:٢١٣٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب اور عشا کے مابین (نفلی) نماز پڑھتے تھے۔

تخریج: أخرجه ابن نصر فی "قيام الليل": ٣٢، والبيهقی: ٣/ ٢٠

شرح: ...... مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفلی نماز ادا کرنا سنن مؤکدہ میں سے ہے اور مغرب و عشا کے مابین

چھ اور بیس رکعات والی احادیث ضعیف ہیں، لیکن اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عام دوسرے اوقات کی طرح مغرب اور عشا کے درمیانے وقت میں نفلی نماز ادا کرنا درست ہے۔

دن کو آپ ﷺ کی نفلی نماز کی روٹین

(٦٥٤)۔ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، قَالَ: سَأَلْنَا عَلِيًّا عَنْ تَطَوُّعِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنَّهَارِ؟ فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَاتُطِيقُوْنَهُ، قَالَ: قُلْنَا: أَخْبِرْنَا بِهِ نَأْخُذْ مِنْهُ مَا أَطَقْنَا قَالَ: كَانَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ أَمْهَلَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا۔ يَعْنِي: مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ۔ مِقْدَارُهَا مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ هَاهُنَا۔ مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُمْهِلُ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا۔ يَعْنِي: مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ۔ مِقْدَارُهَا مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ هَاهُنَا۔ يَعْنِي: مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ۔ قَامَ فَصَلَّى أَرْبَعاً، قَبْلَ الْعَصْرِ، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ يَجْعَلُ التَّسْلِيْمَ فِي آخِرِهِ۔ (الصحيحة:٢٣٧)

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں: ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نبی کریم کی نفلی نماز، جو وہ دن کو پڑھتے تھے، کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا: بلاشبہ تم لوگوں میں وہ نماز ادا کرنے کی سکت ہی نہیں۔ ہم نے کہا: آپ ہمیں بتلا تو دیں، ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق عمل کر لے گا۔ انھوں نے کہا: جب آپ ﷺ نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تو (مزید) نماز پڑھنے سے رک جاتے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا اور مشرق میں اتنا بلند ہو جاتا جتنا کہ نمازِ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے، اس وقت میں آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھتے، پھر ٹھہر جاتے یہاں تک سورج مشرق کی جانب اتنا بلند ہو جاتا جتنا کہ مغرب کی طرف بوقتِ ظہر ہوتا ہے، آپ ﷺ اس وقت میں چار رکعتیں پڑھتے، پھر سورج ڈھلنے کے بعد قبل از ظہر چار، بعد از ظہر دو اور قبل از عصر چار رکعات پڑھتے، (چار رکعات نماز میں) ہر دو رکعتوں کے بعد مقرب فرشتوں، نبیوں اور ان کے پیروکار مسلمانوں کے لیے سلامتی کی دعا کر کے فاصلہ کرتے اور آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦٥٠و١٣٧٥، وابنه: ١٢٠٢، والترمذي: ٢/ ٢٩٤، ٤٩٣۔ ٤٩٤، والنسائي: ١/ ١٣٩۔١٤٠، وابن ماجه: ١/ ٣٥٤، والطيالسي: ١/ ١١٣۔١١٤، وعنه البيهقي: ٢/ ٢٧٣، والترمذي:أيضا في"الشمائل": ٢/ ١٠٣۔١٠٤

شرح:...... ظاہر یہی ہے کہ دن کے شروع میں پڑھی جانے والی دو اور چار رکعات نماز اشراق ہی ہوگی، جس کو تاخیر کر کے گرمی میں پڑھا جائے تو ''صلاۃ الاوابین'' کہلاتی ہے۔

حدیث کے آخری قطعے ''اور آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ دن میں چار رکعت سنتوں کو ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، جیسا کہ پاکستان میں اکثر نمازیوں کی روٹین ہے۔ عصر کی نماز سے پہلے چار سنتوں کی

ادائیگی کے طریقہ میں دو رکعتوں کے بعد فرشتوں، نبیوں اور ان کے پیروکاروں پر جس سلامتی کا ذکر ہے، اس سے مراد درمیانہ تشہد ہے، مختلف دلائل سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ درج ذیل حدیث چار رکعتوں کو دو سلاموں کے ادا کرنے پر دلالت کرتی ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى۔)) ......''رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔''

امام البانی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، میں نے اس کی تخریج (صحیح ابی داود: ۱۱۷۲) اور (الحوض المورود فی زوائد منتقی ابن الجارود: ۱۲۳) میں کی ہے۔

اس باب کی حدیث سے چار رکعت سنت کو ایک سلام کے ساتھ اور اس حدیث سے دو سلاموں کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، ان کے مابین جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ باب کی حدیث کو جواز پر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو افضلیت پر محمول کیا جائے، جیسا کہ رات کی نفلی نماز کا معاملہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۲۳۷) یعنی چار رکعت سنتوں کو ایک سلام کے ساتھ بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور دو دو رکعت کر کے بھی۔

نمازِ فجر کے بعد نمازِ ضحیٰ پڑھ کر آنے کی فضیلت

(٦٥٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ، قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثاً، فَأَعْظَمُوا الْغَنِيْمَةَ، وَأَسْرَعُوا الْكَرَّةَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَارَأَيْنَا بَعْثَ قَوْمٍ بِأَسْرَعَ كَرَّةً وَأَعْظَمَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ، فَقَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَسْرَعَ كَرَّةً وَأَعْظَمَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ؟ رَجُلٌ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهُ، ثُمَّ تَحَمَّلَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْغَدَاةَ، ثُمَّ عَقَّبَ بِصَلَاةِ الضُّحٰى، فَقَدْ أَسْرَعَ الْكَرَّةَ، وَأَعْظَمَ الْغَنِيْمَةَ۔)) (الصحيحة:٢٥٣١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، وہ بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کر کے جلدی واپس آ گیا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے تو یہی لشکر دیکھا ہے جو بڑا جلدی واپس آیا اور بہت زیادہ مالِ غنیمت لے کر لوٹا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس (آدمی) کی خبر نہ دوں، جو اس لشکر سے جلد لوٹنے والا اور اس سے زیادہ مالِ غنیمت حاصل کرنے والا ہو؟ (میری مراد) وہ آدمی ہے، جو اپنے گھر میں اچھے انداز میں وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف چل پڑتا ہے، نمازِ فجر ادا کرتا ہے، اس کے بعد نمازِ چاشت پڑھ کر (مسجد سے واپس لوٹتا ہے)، اس نے لوٹنے میں بھی جلدی کی اور مالِ غنیمت بھی زیادہ حاصل کیا۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٤/ ١٥٣٠، ١٥٣١، من طريقه ابن حبان: ٦٢٩، وابن عدي في "الكامل": ٢/ ٢٧٥

شرح:...... حکمت و دانائی کا وصف نبی کریم ﷺ میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک محسوس چیز، جس کا تعلق دنیوی فائدے سے ہے، پر تعجب کر رہے ہیں، تو انھیں غیر محسوس چیز کی طرف منتقل کیا۔ یعنی جو آدمی نماز فجر کے لیے گھر سے روانہ ہوتا ہے اور نمازِ چاشت ادا کر کے واپس آتا ہے تو ایسے آدمی کو روحانی طور پر اور اخروی اعتبار سے جتنا فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ دنیوی اعتبار سے جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ غنیمت حاصل کرنے والے شخص کو نہیں ہوتا ہے۔

(٦٥٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٣)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نمازِ فجر باجماعت ادا کی، اس کے بعد بیٹھ کر ذکر کرتا رہا، حتی کہ سورج طلوع ہو گیا، پھر اس نے دو رکعتیں پڑھیں، تو اسے مکمل، مکمل اور مکمل حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٥٨٦، والأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٩٠/ ١٩٣٠

شرح:...... اس حدیث میں اللہ تعالی کے کمال فضل و احسان کی عظیم جھلک پیش کی گئی ہے، لیکن ہمارے ہاں اکثر لوگ یہ اجر و ثواب حاصل کرنے سے محروم ہیں، بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ طویل زندگیاں بیت جانے کے باوجود کثیر مسلمانوں کو اس حدیث پر عمل کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہو گا۔ ہمیں اپنے طرزِ حیات کا جائزہ لینا چاہیے اور شرعی احکام کو اپنے نفس اور نیند پر ترجیح دینی چاہیے، تاکہ دنیا و آخرت کے لمحات پرسکون بن جائیں۔

فرض نمازوں اور ان کی سنت رکعات کی مسنون تعداد اور ان کے دلائل

نماز	پہلے والی سنتیں	فرض رکعات	بعد والی سنتیں
فجر	۲	۲	
ظہر	۲ یا ۴	۴	۲ یا ۴
عصر	۲ یا ۴	۴	۲
مغرب	۲	۳	۲
عشاء	۲	۴	۲
جمعۂ مبارکہ	ظہر کی طرح مقررہ سنتیں نہیں	۲	۲ یا ۴

نمازوں کی سنت رکعات کے دلائل:

یاد رہنا چاہیے کہ سنت رکعات سے مراد نفلی نماز ہے، روزِ قیامت فرائض کی کمی نوافل سے پوری کی جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اللہ تعالی فرمائے گا: ((اُنْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَتُكَمِّلُوْنَ بِهٖ فَرِيْضَتَهٗ۔)) (ابوداود: ۸۶٤، ابن ماجہ: ۱٤۲۶) ......"دیکھو! اگر تمہیں میرے بندے کی نفلی عبادت ملے تو اس کے ساتھ اس کے (ناقص) فرائض کو مکمل کر دو۔"

درج بالا نفلی رکعات کو ثابت کرنے کے لیے ہم صرف ایک ایک دلیل پر اکتفا کریں گے:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ أَلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔)) (صحیح مسلم: ۷۲۸) ...... جو مسلمان ہر روز اللہ تعالی کے لیے بارہ (12) رکعت نفلی نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔ جامع ترمذی (۴۱۴، ۴۱۵) کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل یہ ہے: فجر سے پہلے دو، ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو، مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو۔

اسی نفلی نماز کو ہمارے معاشرے میں سننِ مؤکدہ کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر سے قبل دو سنتیں پڑھیں۔ (صحیح بخاری: ۱۱۷۲، ۱۱۸۰، صحیح مسلم: ۷۲۹) لیکن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکورہ فضیلت چار سنتیں پڑھنے سے ہی حاصل ہوگی۔

سیدۃ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰى أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعًا بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔)) (ابوداود: ۱۲۶۹، نسائی: ۱۸۱٤، ترمذی: ٤۲۸، ابن ماجہ: ۱۱۶۰)...... "جو شخص باقاعدگی سے ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد چار رکعتیں ادا کرتا رہا تو اللہ تعالی اسے آتشِ جہنم کے لیے حرام کر دے گا۔"

معلوم ہوا کہ ظہر کے بعد بھی چار رکعتیں مشروع ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔)) (ابوداود: ۱۲۷۱، ترمذی: ٤۳۰) ......"اللہ تعالی اس شخص پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں۔"

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ)) قَالَهَا ثَلَاثًا۔ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ۔)) (صحیح بخاری: ٦۲٤، صحیح مسلم: ۸۳۸) ......"ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، لیکن جو چاہتا ہے وہ پڑھ لے۔"

نبی اکرم ﷺ سے نماز عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہیں۔ (ابوداود: ۱۲۷۲)
معلوم ہوا کہ نمازِ عشاء سے پہلے بھی نفل نماز پڑھنا مسنون عمل ہے۔ ہاں جو لوگ صرف چار رکعتیں سنت ادا کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ۔)) قَالَ فِيْ الثَّالِثَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ)) كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (صحیح بخاری: ۱۱۸۳) وفی روایة ابن حبان: (۱۵۸۶) ان النبی ﷺ صلی قبل المغرب رکعتین۔..... ''مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھو، مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھو۔'' تیسری دفعہ فرمایا: ''جو چاہے وہ پڑھ لے۔'' آپ ﷺ نے یہ بات اس اندیشے کے پیش نظر فرمائی کہ کہیں لوگ اسے سنتِ (لازمہ) نہ بنا لیں۔ اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (خود بھی) قبل از مغرب دو رکعتیں پڑھیں۔

سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: کیا آپ کے لیے یہ تعجب انگیز نہیں کہ سیدنا ابوتمیم رضی اللہ عنہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں؟ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (اس میں کون سے تعجب کی بات ہے، کیونکہ) ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پڑھتے تھے۔ میں نے کہا: آج کل کیوں نہیں پڑھتے؟ انھوں نے کہا: مصروفیت کی وجہ سے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۸٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا۔)) (مسلم: ۸۸۱)..... جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہتا ہے، وہ چار رکعت پڑھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ...... وَكَانَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ، فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهِ۔ (صحیح بخاری: ۹۳۷، صحیح مسلم: ۸۸۱)...... رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد چلے جاتے تھے اور گھر جا کر دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔

تنبیہ: ..... قبل از ظہر چار رکعتیں مسنون ہیں، لیکن جمعہ سے پہلے کوئی مقررہ سنتیں نہیں ہیں، البتہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے نمازی اپنی مرضی کے مطابق زیادہ سے زیادہ نفل پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ''ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ'' (صحیح بخاری) اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ'' (صحیح مسلم: ۸۵۷) سے معلوم ہوتا ہے اور (صحیح بخاری: ۱۱۶۶، صحیح مسلم: ۸۷۵ کی روایت کے مطابق) اگر کوئی آدمی خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں پہنچے گا تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے گا۔

سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ (صحیح بخاری: ۵۹۰، صحیح مسلم: ۸۳۵) وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ قَالَتْ: وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى

لَـقِـيَ الـلّٰـهَ . ...رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی بھی ترک نہیں کیں اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے: اس ذات کی قسم جس نے رسول اللہ ﷺ کو فوت کیا، آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالی کو جا ملے۔

معلوم ہوا کہ نمازِ عصر کے بعد بھی دو سنتیں پڑھنا درست ہے۔

اعتراض: عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، اور اس کے حق میں دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں، جبکہ اس حدیث سے دو رکعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: آپ ﷺ نے جہاں نمازِ عصر کے بعد نفلی نماز سے علی الاطلاق منع کیا ہے، وہاں درج ذیل فرمان کے ساتھ قید لگا کر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً مُرْتَفِعَةً۔ (ابوداود: ١٢٧٤، نسائی: ٥٧٤) ......رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، ہاں (عصر کے بعد) جب تک سورج سفید، صاف اور بلند ہو (تو نماز پڑھی جا سکتی ہے)۔

آپ ﷺ کے قول اور فعل سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد جب تک سورج سفید اور بلند ہو، اس وقت تک نماز پڑھنا درست ہے۔ اللہ تعالی ہمیں تمام سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کھانے کو نمازِ باجماعت پر ترجیح دینا

(٦٥٧)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه يُخْبِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ وَأَحَدُكُمْ صَائِمٌ ، فَلْيَبْدَأْ بِالْعَشَاءِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ ، وَلَا تَعَجَّلُوْا عَنْ عَشَائِكُمْ۔)) (الصحيحة:٣٩٦٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب (مغرب کی) نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے اور تم میں سے کوئی روزے دار ہو تو وہ نمازِ مغرب سے پہلے کھانا کھا لیا کرے۔ (ایسی صورت میں) کھانا کھانے سے جلدی نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٢٠٦٥، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٥٠٧٥، وأخرجه مسلم: ٢/ ٧٢ ولم يقل: ((وأحدكم صائم))، ورواه البخاري: ٦٧٢

شرح:...... آخری جملے کا معنی یہ ہے کہ تمہیں نماز کے سلسلے میں اتنی جلدی نہ ہو کہ کھانا کھانے سے پہلے اس کو ادا کرنا شروع کر دو۔

نماز مکمل توجہ اور انہماک کی متقاضی ہے اور یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب انسان حسبِ استطاعت اپنی طبعی ضروریات پوری کر کے نماز پڑھے، یہی وجہ ہے کہ روزے دار کو نمازِ مغرب سے پہلے کھانا کھانے کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے نفس کا میلان کھانے پینے کی طرف ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ۔)) (مسلم) ......''اس وقت نماز نہیں ہوتی جب کھانا حاضر ہو اور جب دو خبیث چیزیں (یعنی پیشاب اور پائخانہ) دھکیل کر رہی ہوں۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنے کے تمام اسباب مہیا کریں۔

امام کا باآواز بلند ''آمین'' کہنا

(٦٥٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ: ((آمِيْنَ۔)) (الصحيحة:٤٦٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کی قراءت سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کرتے ہوئے آمین کہتے۔

تخريج: أخرجه ابن حبان:٤٦٢، والدارقطني: ١٢٧، والحاكم: ١/ ٢٢٣، والبيهقي: ٢/ ٥٨ واخرجه ابوداود: ٩٣٤. بلفظ: كان رسول الله ﷺ اذا تلا ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ قال: آمين، حتى يسمع من يليه من الصف الاول، ورواه ابن ماجه: ٨٥٣، بهذا اللفظ، وزاد: فيرتج بها المسجد، (ليكن فيه ابو عبد الله لا يعرف حاله وبشر ضعفه احمد وقال ابن حبان: يروى الموضوعات، ...... ومما يقوى الحديث ويشهد لصحته حديث وائل......

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کا بلند آواز سے آمین کہنا مشروع ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحق وغیرہ کا یہی مسلک ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور ان کے پیروکار اس کے قائل نہیں ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں، سوائے ان عمومات کے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ذکر میں اصل قانون یہ ہے کہ آواز کو پست رکھا جائے۔ لیکن اس قسم کے عام دلائل، اس باب کی خاص اور واضح روایات کے مقابلے میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اس حقیقت کو ایسے اہل علم سمجھ پائیں گے، جن کو اللہ تعالیٰ نے عقلی جمود اور مذہبی تعصب سے پاک رکھا ہے۔ (صحیحہ: ٤٦٤)

''آمین'' کہنے کی فضیلت

(٦٥٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوْا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔)) (الصحيحة:١٢٦٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ (اس وقت) فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کرے گی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ٢٠٧، والنسائي: ١/ ١٤٧، وابن ماجه: ٨٥١، وابن الجارود: ١٩٠،

وأحمد: ٢/ ٢٣٨

شـــرح:...... نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد ''آمین'' کہنے کی اہمیت عیاں ہو رہی ہے، نیز اس حدیث سے امام کا باآواز بلند آمین کہنا ثابت ہو رہا ہے، درج ذیل اور دیگر احادیث کی روشنی میں مقتدی اور امام دونوں کو جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنی چاہئے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى آمِين، فَأَكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ آمِين۔ (ابن ماجه، صحيح ابن خزيمه) ''جس قدر یہودی، آمین سے چڑتے ہیں، اتنا کسی اور چیز سے نہیں چڑتے، لہٰذا تم کثرت سے آمین کہنا۔''

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کے بعد بلند آواز سے ''آمین'' کہتے تھے۔ (ابوداود، ترمذی) امام ابوحنیفہ کے استاد امام عطا بن ابورباح کہتے ہیں: میں نے دوسو (٢٠٠) صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ بیت اللہ میں جب امام ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہتا تو سب بلند آواز سے ''آمین'' کہتے۔ (بیہقی)

نعیم مجمر کہتے ہیں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز پڑھائی۔ پھر نعیم اس طریقے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے آمین کہی اور جو لوگ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے بھی آمین کہی۔ (نسائی)

(٦٦٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَأَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ عَلَى دُعَائِهِ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔))

(الصحيحة: ٢٥٣٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھ کر آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ فرشتے بھی امام کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کر گئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى: ٤/ ١٤٠٨

شـــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے یہ استدلال کرنا بھی درست ہے کہ مقتدیوں کو ''آمین'' باآواز بلند کہنا چاہیے، ایک دوسری کتاب میں میں نے اسی استنباط کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا ہے، کیونکہ یہ استدلال سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اثر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کے مطابق ہے۔ (صحيحه: ٢٥٣٤)

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا کون سا اثر مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام البانی رحمہ اللہ نے خود کہا: پھر میں نے امام بخاری کو دیکھا، انھوں نے صیغۂ جزم کے ساتھ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا معلق اثر ذکر کیا۔ جس پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ٢/ ٢٠٨) میں کہا: عبد الرزاق نے اس اثر کو ابن جریج عن عطاء کی سند سے موصول

بیان کیا ہے، ابن جریج نے عطا سے پوچھا: کیا عبد اللہ بن زبیر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین کہتے تھے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، اور اس کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے، حتی کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔ پھر انھوں نے کہا: آمین دعا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ روایت مصنف عبد الرزاق (٢٦٤٠) میں ہے اور امام ابن حزم نے انہی کی سند کے ساتھ (المحلى : ٣/ ٣٦٤) میں بیان کی ہے۔

چونکہ ابن جریج نے یہ روایت عطا سے براہِ راست لینے کی وضاحت کی ہے، اس لیے ان کی تدلیس کا خطرہ ٹل گیا ہے اور ابن زبیر کا اثر ثابت ہو گیا ہے۔

اسی قسم کا اثر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ابو رافع کہتے ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کے مؤذن تھے۔ انھوں نے مروان پر شرط لگائی ہوئی تھی کہ وہ اس وقت تک ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ نہیں کہہ سکتا، جب ان کے آنے کا علم نہ ہو جائے۔ پس جب مروان ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا تھا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''آمین'' کہتے اور اپنی آواز کو لمبا کرتے اور کہتے تھے: جب زمین والوں کی آمین، آسمان والوں کی آمین سے موافقت کرتی ہے تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ (بيهقي : ٢/ ٥٩) اس کی سند صحیح ہے۔

سیّدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے آمین بالجہر کہنا صحیح ثابت ہو گیا ہے، اس کے برعکس کسی صحابی سے کوئی اثر ثابت نہیں ہے، اس لیے اسی بات پر دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

(سلسلة الاحاديث الضعيفة: ٩٥٢)

(٦٦١)۔ عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْيَهُوْدَ لَيَحْسُدُوْنَكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِيْنِ۔)) (الصحيحة: ٦٩٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودی لوگ تمہاری (ان دو خصلتوں) پر تم سے حسد کرتے ہیں: سلام کہنا اور آمین کہنا۔''

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "أحاديث مشايخ أبي القاسم الأصم": ٣٥/ ١، والخطيب في "التاريخ": ١١/ ٤٣، والضياء المقدسي في "المختارة": ٤٥/ ١

(٦٦٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ دَخَلَ يَهُوْدِيٌّ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((وَعَلَيْكَ)) فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ، فَسَكَتُّ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ، فَقَالَ: ((عَلَيْكَ)) فَهَمَمْتُ أَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور (السلام علیکم کی بجائے) کہا: اے محمد! اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی آپ پر موت اور ہلاکت ہو)۔ آپ ﷺ نے یوں جواب دیا: ''وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے بات تو کرنا چاہی لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ ﷺ ناپسند کریں گے، اس لیے میں خاموش رہی۔ ایک دوسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ

أَتَكَلَّمَ ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ ، ثُمَّ دَخَلَ الثَّالِثُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ: فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ: وَعَلَيْكَ السَّامُ وَغَضَبُ اللّٰهِ وَلَعْنَتُهُ إِخْوَانَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ! أَتُحَيُّوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا لَمْ يُحَيِّهِ اللّٰهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ ، قَالُوْا قَوْلًا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِمْ ، إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ حُسُدٌ ، وَإِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلَى السَّلَامِ ، وَعَلٰى آمين.))

(الصحيحة:٦٩١)

عَلَيْكُم (آپ پر موت اور ہلاکت پڑے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔" اب کی بار بھی میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آپ ﷺ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے (خاموش رہی)۔ پھر تیسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں یوں بول اٹھی: بندرو اور خنزیرو! تم پر ہلاکت ہو، اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو۔ جس انداز میں اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو سلام نہیں دیا، کیا تم وہ انداز اختیار کرنا چاہتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی بدزبانی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا، ان (یہودیوں) نے "اَلسَّامُ عَلَيْكَ" کہا اور ہم نے بھی (بدگوئی سے بچتے ہوئے صرف "وَعَلَيْكَ، کہہ کر) جواب دے دیا۔ دراصل یہودی حاسد قوم ہے اور (ہماری کسی) خصلت پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین پر کرتے ہیں۔"

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في"صحيحه": ١/ ٧٣/ ٢ ، واخرجه ابن ماجه: ١/ ٢٨١ مقتصرا على الجملة الاخيرة

شرح:...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخری جملے پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: ان دو احادیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ سلام کی طرح امام کے پیچھے مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے، کیونکہ جہر سے ہی یہودیوں کے غصے اور حسد کو ہوا ملے گی۔ یہ بڑی واضح بات ہے، مزید آپ خود غور و فکر کریں۔ (صحيحه: ٦٩٢)

یہ اسلام ہی ہے جس نے ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلامتی کا پیغام دینے اور سلامتی، رحمت اور برکت کی دعا دینے کی تعلیم دی ہے۔ جب تک سلام اور آمین باآواز بلند نہ کہے جائیں اس وقت تک یہودیوں کا حسد کرنا ناممکن ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ سلام کو بھی عام کریں اور سلام کی طرح آمین بھی جہراً کہیں۔

امام کی اقتدا ضروری ہے..... مقتدی "آمین" کب کہے؟ کیا مقتدی بھی "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے گا؟

(٦٦٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ ﷺ يُعَلِّمُنَا يَقُوْلُ: ((لَا تُبَادِرُوْا الْإِمَامَ بِالرُّكُوْعِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز کی تعلیم دی اور فرمایا: "رکوع و سجود کرنے میں

وَالسُّجُوْدِ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَالَ ﴿وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا: آمِيْن فَإِنَّهُ إِذَا وَافَقَ كَلَامُهُ كَلَامَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَلَا تَرْفَعُوْا قَبْلَهُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔)) (الصحيحة: ٣٤٧٦)

امام سے پہل نہ کرو، جب وہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہے تب تم "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہو، جب وہ "وَلَا الضَّالِّيْن" کہے تو تم "آمین" کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کر گئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے، جب امام رکوع کرے تب تم رکوع کرو، جب وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہے تو تم "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد" کہو اور اس سے پہلے سر مت اٹھاؤ اور (اسی طرح) جب وہ سجدہ کرے تو تب تم سجدہ کرو۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٢٠، وأبو عوانة: ٢/ ١٢١، والبيهقي في "سننه": ٢/ ٩٢، وأحمد: ٢/ ٤٤٠، وأخرجه البخاري: ٧٨٢، ٤٤٧٥، والنسائي: ١/ ١٤٧

شــــرح: ...... امام کا مقتدیوں پر اولین اور بنیادی حق یہ ہے کہ وہ نماز کے ارکان کی ادائیگی میں اس کی پیروی کریں، بعض مقتدی جھکتے اور اٹھتے وقت جلد بازی سے کام لیتے ہیں، اس بنا پر وہ معمولی طوالت کے ساتھ نماز پڑھانے والے امام سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا کہ ایک امام ابھی تک "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کے بعد "حَمْدًا كَثِيْرًا ......" کہنے کا ارادہ ہی کرتا تھا کہ بعض مقتدی سجدے کے قریب پہنچ چکے ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں اصل قصوروار انتہائی مختصر نماز پڑھانے والے اور نماز سے متعلقہ اسلامی آداب واحکام کی وضاحت نہ کرنے والے ائمہ وخطبا ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ لوگوں کے خیر خواہ بن کر نمازوں کے سلسلے میں ان کی تربیت کریں اور نماز میں طویل وخفیف دونوں انداز اختیار کر کے مقتدیوں کو اپنی اقتدا کا پابند بنائیں، نہ کہ عرصۂ دراز سے جاری رہنے والی روٹین کا اور انھیں درج ذیل حدیث کا مصداق بننے سے بچائیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ اَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا اسے اس بات کا ڈر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے۔"

اس حدیث سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ مقتدی کو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ یہاں مقتدی کو یہ کلمہ کہنے سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے لیے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنے کے وقت کا تعین کیا گیا ہے۔ درج ذیل دلائل کی بنا پر ہر کسی کو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہنا چاہئے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہا اور فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔)) (بخاری) ...... "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

"سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" نماز کی ترتیب میں شامل ہے اور امام کی اقتدا میں اس کے نہ پڑھنے پر دلالت کرنے والی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَاتَتِمُّ صَلَاةٌ لِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ حَتّٰی ...... یُکَبِّرَ ...... ثُمَّ یَرْکَعَ ...... ثُمَّ یَقُوْلَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حَتّٰی یَسْتَوِیَ قَائِمًا۔)) (ابو داود، حاکم) ...... ''کسی آدمی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ تکبیر نہ کہے ...... رکوع نہ کرے ...... اور پھر "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" نہ کہے ......''

یہ حدیث واضح نص ہے کہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی، لہٰذا اس کلمہ سے مقتدیوں کو روکنے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔ یہی معاملہ "وَلَا الضَّالِّیْنَ" اور "آمِیْنَ" کا ہے، کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی فرضیت دوسری نصوص سے ثابت ہو چکی ہے۔

اگر مسجد میں تھوکنا پڑ جائے تو

(٦٦٤)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِی وَقَّاصٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فِی الْمَسْجِدِ فَلْيُغَيِّبْهَا، لَا تُصِبْ جِلْدَةَ مُؤْمِنٍ أَوْ ثَوْبَهٗ فَتُؤْذِيَهٗ۔))

(الصحيحة: ١٢٦٥)

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں تھوکے تو اس کو وہاں ڈھانک دے تاکہ وہ کسی مسلمان کے جسم یا کپڑے پر نہ لگے، کیونکہ اس سے اسے تکلیف ہو گی۔''

تخریج: رواه أحمد: ١/ ١٧٩، وابن أبي شيبة: ٢/ ٨٠/ ٢، وابن خزيمة في "صحيحة" ١/ ١٤١/ ٢، وأبو يعلي: صـ ٢٣٠، والضياء في "المختارة" ١/ ٣٣١

شرح: ...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِی الدُّوْرِ وَ اَنْ تُنَظَّفَ وَ تُطَيَّبَ۔ (ابو داود، ترمذی) ...... رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مساجد تعمیر کرنے اور انہیں پاکیزہ اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبُصَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ تھوک کو دفن کرنا ہے۔''

کچی زمین والی مسجد میں تھوک کو زمین میں غائب کرنا ممکن ہے، عصر حاضر میں اگر کسی کو مجبوراً تھوکنا پڑ جائے تو اسے کپڑے وغیرہ کے ساتھ صاف کیا جائے یا پھر پانی سے دھویا جائے۔ ان احادیث سے یہ استدلال کرنا بھی درست ہے کہ آدمی کو کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے جس سے مسجد کی صفائی متاثر ہوتی ہو۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی مومن کو کوئی تکلیف نہیں دینی چاہئے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان

اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث میں مسجد سے تھوک کے اثرات کو ختم کرنے کی وجہ مسلمان کے جسم اور اس کے لباس کی حفاظت ہے، اس سے مسلمان کی حرمتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ بوقتِ ضرورت مسجد میں تھوکنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی سمت میں تھوک دیکھی، جو آپ پر بڑی ہی گراں گزری، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صاف کیا اور فرمایا: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ۔)) (بخاری) ......’’جب تم میں کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ قبلہ والی سمت میں نہ تھوکا کرے، البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔‘‘ پھر (تیسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا، اس میں تھوکا اور اس کو مل دیا اور فرمایا: ’’یا پھر اس طرح کر لیا کرے۔‘‘

اس موضوع پر دلالت کرنے والی کئی ایک احادیث ہیں۔

عصر حاضر میں مساجد کی خوبصورت عمارتوں اور اس میں بچھی ہوئی خوبصورت چٹائیوں اور قالینوں کی وجہ سے درج بالا احادیث کو سمجھنے میں دقت پیش آئی ہے۔ یہ احادیث اس وقت بیان کی گئی تھیں، جب مساجد کا فرش نرم مٹی اور ریت پر مشتمل ہوتا تھا اور ان میں بچھانے کے لیے صفیں بھی نہیں ہوتی تھیں، چونکہ آجکل مساجد میں تھوک کو مٹی میں چھپانا ممکن نہیں، اس لیے حتی الوسع تھوکنے سے گریز کیا جائے، اگر مجبوری ہو تو بعد مکمل صفائی کا اہتمام کیا جائے۔

دورانِ نماز تھوکنے کے آداب

(٦٦٥)۔ عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِذَا صَلَّيْتَ فَلَا تَبْصُقْ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَلَا عَنْ يَمِيْنِكَ، وَلٰكِنِ ابْصُقْ تِلْقَاءَ شِمَالِكَ إِنْ كَانَ فَارِغاً وَإِلَّا فَتَحْتَ قَدَمَيْكَ وَادْلُكْهُ۔)) (الصحيحة:١٢٢٣)

حضرت طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، نبی پاک سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب تو نماز پڑھے تو نہ اپنے سامنے تھوک اور نہ ہی دائیں طرف، بلکہ اگر بائیں جانب خالی ہے تو اُدھر تھوک لے، وگرنہ اپنے قدموں تلے تھوک کر اُس کو مل دے۔

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ١١٩، والحاكم: ١/ ٢٥٦، والبيهقي: ٢/ ٢٩٢، وأحمد: ٦/ ٣٩٦

(٦٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ، فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَادَامَ فِي الصَّلَاةِ، وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ، فَإِنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے دائیں تھوکے

مَـلَكاً، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيدَ فِنُهَا۔)) (الصحيحة: ٣٩٧٤)

کیونکہ اُس کے دائیں فرشتہ ہوتا ہے۔ (البتہ) اپنی بائیں جانب تھوک لے یا پاؤں تلے تھوک کر اُسے دفن کر دے۔

تـخـريـــج: أخرجه البخاري:٤١٦ـ فتح، وابن حبان :٢٢٦٦، وأحمد: ٢/ ٣١٨، والسلمي في "صحيفة همام بن منبه": ٤٥/ ١١٩ كلهم من طريق عبدالرزاق، وهذا في "مصنفه": ١/ ٤٣١/ ١٦٨٦

شـرح:...... مذکورہ بالا دونوں احادیث میں مسئلہ کی پوری وضاحت اور وجوہات بیان کی گئی ہیں، لیکن عصر حاضر میں مساجد کا ماحول اور صورتحال دورِ نبوی سے مختلف ہے، کیونکہ قالین یا فرش وغیرہ میں تھوک دفن کرنا ناممکن ہے، جو کہ اس گناہ کا کفارہ ہے۔ لہٰذا جہاں مسجد کچی نہ ہو، وہاں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل کرنا چاہئے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے میں تھوک کر اس کو مل دینے کی تعلیم دی ہے، تا کہ تھوک روکنے کی تکلیف بھی نہ ہو اور مسجد کی طہارت میں بھی خلل نہ آئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گویا کہ میں اب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے میں تھوک کر اسے مَل رہے تھے۔ (مسلم) البتہ جو لوگ گھروں میں نفلی نماز ادا کر رہے ہوں اور ان کو تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس باب کی احادیث میں بیان کیے گئے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

(٦٦٧)۔ عَـنْ حُـذَيْـفَةَ قَـالَ: إِنَّ رَسُـوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ: ((إِذَا قَـامَ أَحَـدُكُمْ أَوْ قَالَ الـرَّجُـلُ۔ فِـي صَلاتِـهِ يُـقْبِلُ اللّٰـهُ عَلَيْـهِ بِـوَجْهِـهِ، فَلَا يَبْـزُقَـنَّ أَحَدُكُمْ فِي قِبْلَتِهِ، وَلَا يَبْزُقَنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ فَإِنَّ كَاتِبَ الْحَسَنَاتِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَلٰكِنْ لِيَبْزُقَنَّ عَنْ يَسَارِهِ۔))

(الصحيحة: ١٠٦٢)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنے چہرے کے ساتھ اس پر متوجہ ہوتے ہیں، اس لیے نمازی اپنے سامنے نہ تھوکے اور دائیں جانب بھی نہ تھوکے کیونکہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں طرف ہوتا ہے، (البتہ) اسے بائیں جانب تھوک لینا چاہئے۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر في "الصلاة" ٢٤/ ١

شـرح:...... نمازی کو اپنے مقام و مرتبہ پر غور کرنا چاہئے کہ جب وہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالی سے سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ مکمل انہماک اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کیا کریں۔

قبلہ والی سمت میں تھوکنا منع ہے

(٦٦٨)۔ عَـنْ عَبْـدِالـلّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً يُـصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ، فَتَفَلَ فِي الْقِبْلَةِ وَهُوَ يُصَلِّي

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نمازِ ظہر پڑھائے، اس نے نماز پڑھانے کی حالت میں جہت قبلہ میں تھوکا۔ جب نماز

لِلنَّاسِ، فَلَمَّا كَانَ صَلَاةُ الْعَصْرِ، أَرْسَلَ إِلَى آخَرَ، فَأَشْفَقَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أُنْزِلَ فِيَّ؟ قَالَ: ((لَا، وَلٰكِنَّكَ تَفَلْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَأَنْتَ تَؤُمُّ النَّاسَ فَآذَيْتَ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ۔)) (الصحيحة:٣٣٧٦)

عصر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے ایک دوسرے آدمی کو (امامت کے لیے) بھیجا، پہلا شخص ڈر گیا اور اس نے آپ ﷺ کے پاس آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، (کوئی حکم نازل نہیں ہوا، بات یہ ہے کہ) جب تو لوگوں کو امامت کروا رہا تھا تو تو نے اپنے سامنے تھوکا اور اس طرح اللہ اور فرشتوں کو تکلیف دی (اس وجہ سے میں نے تجھے منصبِ امامت سے پیچھے ہٹا دیا)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٣/ ٤٣۔ ٤٤/ ١٠٤

شرح:...... قبلہ کی جہت میں تھوکنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر نمازی کو دورانِ نماز تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ نہ دائیں طرف تھوکے اور نہ قبلہ کی سمت میں اور اگر اس کے بائیں طرف کوئی اور نمازی نہیں ہے تو بائیں طرف تھوک لے، ورنہ اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے یا اپنے کسی کپڑے پر تھوک کر اسے مل دے۔ سابقہ عنوان میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ امام کون کون سی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ اللہ تعالی ہمارے حالات پر بھی رحم فرمائے۔

جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنا

(٦٦٩)۔ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ، عَنْ أَبِيْهِ مِحْجَنٍ: أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأُذِّنَ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى، ثُمَّ رَجَعَ، وَمِحْجَنٌ فِي مَجْلِسِهِ لَمْ يُصَلِّ مَعَهُ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ؟ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ؟)) فَقَالَ: بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلٰكِنِّيْ قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ، وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔)) (الصحيحة:١٣٣٧)

بسر بن محجن اپنے باپ حضرت محجن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مجلس میں شریک تھے، نماز کے لیے اذان دی گئی، آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ جب (نماز پڑھ کر) واپس آئے تو دیکھا کہ محجن وہیں بیٹھا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کس چیز نے تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے روک دیا؟ کیا تو مسلمان نہیں ہے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، (میں مسلمان ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ) میں نے اپنے گھر میں نماز ادا کر لی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو آئے (اور لوگ نماز پڑھ رہے ہوں) تو

ان کے ساتھ نماز ادا کر لیا کر، اگر چہ تو نماز پڑھ چکا ہو۔“

تخریج: أخرجه مالك في "الموطأ" ١/ ١٣٢/ ٨ وعنه النسائي: ١/ ١٣٧، وابن حبان: ٤٣٣، والحاكم: ١/ ٢٤٤، وأحمد: ٤/ ٣٤

شرح:...... غور فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کو جس آدمی کے بارے میں یہ شبہ ہوا کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، اس سے اسلام کی نفی کر دی۔ معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا بنیادی ستون ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔)) (بخاری، مسلم) ......”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

اس حدیث میں جو مسئلہ سمجھانا مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ نظم کا خیال رکھتے ہوئے جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے، جیسا کہ آپ ﷺ نے گھر میں نماز پڑھ لینے والے دو آدمیوں سے فرمایا تھا: ((إِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَصَلِّيَا مَعَهُ فَإِنَّهَا لَكُمْ نَافِلَةٌ۔)) (ابو داود، ترمذی، نسائی) ......”اگر گھروں میں نماز پڑھ چکنے کے بعد امام کو اس حال میں پالو کہ اس نے ابھی تک نماز نہ پڑھائی ہو تو اس کے ساتھ تم بھی نماز پڑھ لو یہ (دوسری دفعہ والی نماز) تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔“

اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو آدمی جماعت مکمل ہو چکنے کے بعد مسجد میں پہنچے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینے والے کسی آدمی کو اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لینی چاہیے تاکہ وہ بھی جماعت کے اجر و ثواب سے محروم نہ رہے، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ((أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ۔)) ......”کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔“ پس ایک آدمی اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(ابوداود: ٥٧٤، ترمذی: ٢٢٠)

جو لوگ جماعت کی اہمیت سے غافل ہیں، وہ اس قسم کی احادیثِ مبارکہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے

(٦٧٠)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ مَرْفُوْعاً: ((خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ بُيُوْتُهُنَّ۔))

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھر ہیں۔“

(الصحيحة:١٣٩٦)

تخریج: رواه أحمد: ٦/ ٣٠١، وعبد الرحمن بن نصر الدمشقي في "الفوائد" ١/ ٢٢١/ ٢، وابن

خزيمة: رقم ١٦٨٤، والحاكم: ١/ ٢٠٩، والقضاعي: ٢/ ١٠٢/ ١

(٦٧١)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَأَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ لَهَا مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا، وَلَأَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا خَيْرٌ لَهَا مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ، وَلَأَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ خَيْرٌ لَهَا مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ۔))

(الصحيحة:٢١٤٢)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت کا (اپنی مخصوص) اقامت گاہ میں نماز پڑھنا (عام) کمرے میں پڑھنے سے بہتر ہے اور عام کمرے میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ":٤/ ٢/ ٢٦٥، والبيهقي في "السنن":٣/ ١٣٢، و "شعب الايمان":٢/ ٤٧٥/ ١

شرح:...... یعنی عورت کا انتہائی مخفی مقام میں نماز پڑھنا افضل ہے، ہاں اگر وہ مسجد میں جانا چاہے تو شریعت نے اس کو رخصت دی ہے، لیکن بعض شروط کا بھی تعین کیا ہے۔

عورتوں کا مسجد میں آنا اور اس کے آداب

(٦٧٢)۔ عَنْ زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا خَرَجَتْ إِحْدَاكُنَّ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا تَقْرَبَنَّ طِيْباً۔)) (الصحيحة: ١٠٩٤)

حضرت زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد کی طرف جائے تو خوشبو ہرگز نہ لگائے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٦/ ٣٦٣، وابن سعد: ٨/ ٢٩٠، والنسائي: ٢/ ٢٨٣، وابن عساكر: ١٧/ ٢٧٤/ ١، وأخرجه مسلم: ٢/ ٣٣ بلفظ: ((اذا شهدت احداكن العشاء فلا تمس طيبا۔))

شرح:...... بلاشبہ عورتوں کا گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے انھیں مسجد میں آ کر نماز ادا کرنے کی رخصت دی ہے اور آپ ﷺ کے زمانے میں وہ مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَائُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''اگر تمہاری عورتیں رات کو مساجد میں جانے کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دیا کرو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔)) (ابوداود) ...... ''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔'' جبکہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک شرط کی قید لگاتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔))

(مسلم) ...... ”جب تم میں کوئی عورت مسجد میں حاضر ہونا چاہے تو وہ خوشبو مت لگائے۔“ مزید برآں نبی کریم ﷺ کے عصرِ مبارک میں خواتین مساجد میں نماز ادا کیا کرتی تھیں، لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ بسا اوقات عورتوں کو اس قسم کی رخصت پر عمل پیرا ہونے کا موقع دیں اور ان پر مکمل اور سخت پابندی نہ کریں، اگرچہ گھروں میں ان کا نماز پڑھنا افضل ہے۔

(٦٧٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْتَغْتَسِلْ مِنَ الطِّيْبِ كَمَا تَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ۔)) (الصحيحة: ١٠٣١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب عورت مسجد کی طرف جائے تو خوشبو (کا اثر ختم کرنے کے لیے) جنابت کے غسل کی طرح نہائے۔“

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٢٨٣

شرح: ...... علامہ عظیم آبادی کہتے ہیں: ملا علی قاری نے کہا: اگر عورت نے تمام جسم پر خوشبو لگائی ہوئی ہو، تو اسے زائل کرنے کے لیے غسل ہی کرنا چاہیے، لیکن اگر جسم کے کسی مخصوص حصے پر لگائی ہوئی ہو، تو اس حصے کا دھو لینا ہی کافی ہے۔ لیکن میں (عظیم آبادی) کہتا ہوں کہ حدیث کے ظاہری معنی کو دیکھا جائے تو دونوں صورتوں میں نہانا ہوگا۔ (عون المعبود: ٢/ ١٨٩٩)

حدیثِ مبارکہ کا مقصود تو یہی ہے کہ خوشبو کے اثرات زائل کیے جائیں، اس لیے قاری کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(٦٧٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُوْرًا، فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔)) (الصحيحة: ٣٦٠٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو عورت (خوشبو والی) دھونی لگائے وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشا پڑھنے کے لیے نہ آئے۔“

تخريج: رواه مسلم: ٢/ ٣٤، وأبوداود: ٤١٧٥، والنسائي في "الصغرى": ٨/ ١٥٤، "الكبرى": ٩٤٢٤، ٩٤٣٠، والبيهقي: ٣/ ١٣٣، والبغوي في "شرح السنة": ٨٦١، وأبو عوانة في "مسنده": ٢/ ١٧، وأبويعلي: ٥٤٥

شرح: ...... معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت مسجد میں نماز ادا کرنے کی رخصت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو وہ خوشبو لگانے سے گریز کرے، اگر وہ خوشبو لگا چکی ہو تو اس کے آثار زائل کرے یا پھر گھر میں ہی نماز ادا کر لے۔

قارئین کرام! میرے ذاتی مشاہدے کی بات ہے کہ عصر حاضر کی بعض عورتیں طبعی طور پر مسجد میں جا کر نماز پڑھنے، جمعہ ادا کرنے، کوئی تبلیغی و اصلاحی پروگرام سننے اور تراویح پڑھنے کا شوق اور رغبت نہیں رکھتیں، بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ اس مزاج کی عورتیں مسجد میں جانے والی عورتوں پر دبے انداز میں طعن بھی کر دیتی ہیں۔ لیکن یہی عورتیں بازاروں

میں کھلے عام خریداری کرتے ہوئے، مکمل میک اپ کر کے لوگوں کی خوشی اور بعض اجتماعات میں شریک پائی جاتی ہیں۔ آخر کیوں؟

ایسی بیچاریاں احادیثِ مبارکہ کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا افضل قرار دیا ہے؟ کیا یہی سبب نہیں کہ وہ عورت ہیں؟ اور اس کے لیے گھر سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے؟

ایسی عورتوں سے میرا سوال یہ ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کر کے ''شاپنگ'' کا ڈھونگ رچا کر بازاروں میں کیوں گھس جاتی ہیں؟ کون بتلائے کہ وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود کس کے سامنے اپنی زینت و آرائش کا اظہار کرنا چاہتی ہیں؟ اگر اللہ تعالی نے عورت کو جائز دائرے میں رہ کر انتہائی زینت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے تو صرف خاوند کے لیے، تاکہ خاوند کے دل میں اس کی محبت میں اضافہ ہو سکے۔ لیکن ہائے افسوس! گھر میں عورتیں ''سلیپنگ ڈریس'' یا کام کاج کے ملبوسات میں گزارا کرتی ہیں اور بھیڑیے بازاری صفت انسانوں کے سامنے مکمل میک اپ کر کے۔ یہی معاملہ مہندی، شادی اور ولیمہ کے ''فنکشنز'' کا ہے۔ میرا ارادہ رنگ میں بھنگ ڈالنے کا نہیں ہے، لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ جس مجلس میں غیر محرموں کے ساتھ اختلاط کا خطرہ ہو، نامکمل ملبوسات کی وجہ سے جسم کے بعض حصوں پر غیر ارادی طور پر نگاہ پڑنے کا اندیشہ ہو، ایسی عورتوں نے ان محفلوں میں بھی جانے کے بارے میں کبھی نبی کریم ﷺ کی ارشاداتِ عالیہ کا سہارا لیا ہے؟

عصر حاضر کی ایک بڑی مصیبت دلہن کی تیاری اور اس کی نمائش ہے، عورت اپنی زندگی میں سب سے زیادہ حسن دلہن کی صورت میں پیش کرتی ہے، لیکن اس دن فلم میکر کیا، ویٹر کیا، غیر محرم کیا، ایرا غیرا کیا، ہر کسی کو اسے بغور دیکھنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے اور عورتوں کے لیے مساجد میں نہ جانے کو مناسب سمجھنے والے غیرت مند سربراہانِ خاندان بھی وہاں موجود ہوتے ہیں، لیکن چپ سادھ کر بیٹھے رہتے ہیں۔ (ہائے شریعتِ مطہرہ کی مظلومیت!) ایسے لگتا ہے کہ اگر انھوں نے اس رواج کی مخالفت کی تو زمین و آسمان کی ترتیب بدل جائے گی۔ اللہ تعالی ہمیں اپنی عزتیں محفوظ کرنے کی توفیق دے اور ہماری حرمتوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حکمت و دانائی سے بدرجۂ اتم متصف حضرت محمد ﷺ ایسی شریعت لے کر آئے، جس میں اعتدال اور میانہ روی ہے۔ اگر اس شریعت نے نمازِ باجماعت کے ثواب کو دیکھ کر، جماعت کے بہانے زیادہ ذکر کر لینے کو مدنظر رکھ کر، مسجد کی طرف چل کر جانے کے اجر کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اور کئی دوسرے امور کی وجہ سے عورتوں کے لیے مساجد میں جانے کو برداشت کیا ہے تو اسی شریعت نے ان کی پردہ نشینی کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے لیے گھر کی چار دیواری کو بہتر سمجھ کر گھروں میں ہی نماز پڑھنے کو بھی افضل قرار دیا ہے۔ جس پیغمبر نے اپنے خیر و برکت والے زمانے میں عورتوں کو گھروں کے مخفی حصوں میں نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے، اسی نبی کے عہدِ مبارک میں اور اسی کی اقتدا میں فجر و عشا سمیت تمام

نمازیں پڑھنے کے لیے عورتیں بکثرت مسجد میں آیا کرتی تھیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ کوئی مسلک اس مسئلے کو اپنا امتیاز نہ سمجھے کہ عورتوں کو ہر صورت میں مسجد میں جانا چاہیے یا ان پر اس سلسلے میں سخت پابندی لگا دینی چاہیے۔ شریعت نے دونوں راہیں ہمارے سامنے رکھ دی ہیں، حالات کو ملحوظ خاطر رکھ کر کسی ایک صورت کی مخالفت کیے بغیر دوسری صورت کو وقتی طور پر زیادہ مناسب سمجھا جا سکتا ہے۔ مسجد میں ان کو جگہ فراہم کرنی چاہیے کہ اگر وہ اس رخصت پر عمل کرنا چاہیں تو آسانی کے ساتھ کر سکیں۔

بعض گناہوں کی وجہ سے نمازیوں، روزے داروں، حاجیوں اور مجاہدوں کا جہنم میں جانا بھی ممکن ہے

(٦٧٥)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ وَأَمِنُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مُجَادَلَةُ أَحَدِكُمْ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَقِّ يَكُوْنُ لَهُ فِي الدُّنْيَا بِأَشَدَّ مِنْ مُجَادَلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِرَبِّهِمْ فِي إِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ أُدْخِلُوْا النَّارَ۔ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! إِخْوَانُنَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا ، وَيَصُوْمُوْنَ مَعَنَا ، وَيَحُجُّوْنَ مَعَنَا ، وَيُجَاهِدُوْنَ مَعَنَا فَأَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ۔ قَالَ: فَيَقُوْلُ: اِذْهَبُوْا فَأَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ ، فَيَأْتُوْنَهُمْ ، فَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِصُوَرِهِمْ ، لَاتَأْكُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ لَمْ تَغْشَ الْوَجْهَ فَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ النَّارُ إِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ إِلٰى كَعْبَيْهِ فَيُخْرِجُوْنَ مِنْهَا بَشَرًا كَثِيْرًا فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! قَدْ أَخْرَجْنَا مَنْ أَمَرْتَنَا۔ قَالَ: ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ فَيَتَكَلَّمُوْنَ يَقُوْلُ: أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مؤمن جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے اور بے فکر ہو جائیں گے تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ جہنم میں داخل ہونے والے اپنے مومن بھائیوں کے بارے میں اپنے ربّ سے بہت زور شور سے بحث و مباحثہ کریں گے، جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے دنیوی حق کو حاصل کرنے کے لیے جھگڑتا ہے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہمارے بھائی، جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے، روزے رکھتے، حج ادا کرتے اور جہاد کرتے تھے، تو نے ان کو آگ میں داخل کر دیا ہے، (ایسا کیوں ہے)؟ اللہ تعالیٰ کہیں گے: جاؤ، جن کو پہچانتے ہو، انھیں نکال لاؤ۔ وہ ان کے پاس جائیں گے، انھیں ان کی شکلوں سے پہچانیں گے، کیونکہ آگ ان کی صورتوں یعنی چہروں کو نہیں جلائے گی، کسی پر آگ کا اثر نصف پنڈلی تک ہو گا اور کسی پر گھٹنوں تک، وہ وہاں سے بہت سے انسانوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے: اے ہمارے ربّ! جن کے بارے میں تو نے ہمیں حکم دیا تھا، ہم ان کو نکال لائے ہیں۔ وہ پھر وہی بات کریں گے (کہ ہمارے بھائی جہنم میں ہیں)، جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جس کے دل میں دینار

يَقُوْلُوْنَ : رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا أَحَداً مِمَّنْ أَمَرْتَنَا۔ ثُمَّ يَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ نِصْفِ دِيْنَارٍ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقاً كَثِيْراً، ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا مِمَّنْ أَمَرْتَنَا...... حَتّٰى يَقُوْلَ: أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقاً كَثِيْراً قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: فَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَلْيَقْرَأْ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ إِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْراً عَظِيْمًا﴾ (النساء: ٤٠) قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! قَدْ أَخْرَجْنَا مَنْ أَمَرْتَنَا، فَلَمْ يَبْقَ فِي النَّارِ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ۔ قَالَ: ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ: شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ، وَشَفَعَتِ الأَنْبِيَاءُ، وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنُ، وَبَقِيَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ قَالَ: فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ۔ أَوْ قَالَ: قَبْضَتَيْنِ۔ نَاساً لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْراً قَطُّ، قَدِ احْتَرَقُوْا حَتّٰى صَارُوْا حُمَمًا۔ قَالَ: فَيُؤْتٰى بِهِمْ إِلٰى مَاءٍ يُقَالُ لَهُ: (الْحَيَاةُ) فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ قَدْ رَأَيْتُمُوْهَا إِلٰى جَانِبِ الصَّخْرَةِ، وَإِلٰى جَانِبِ الشَّجَرَةِ، فَمَا كَانَ إِلَى الشَّمْسِ مِنْهَا كَانَ أَخْضَرَ، وَمَاكَانَ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ كَانَ أَبْيَضَ قَالَ: فَيَخْرُجُوْنَ مِنْ أَجْسَادِهِمْ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ، وَفِي أَعْنَاقِهِمُ الْخَاتَمُ (وَفِي رِوَايَةٍ: الْخَوَاتِمُ) عُتَقَاءُ اللّٰهِ قَالَ:فَيُقَالُ

کے وزن کے بقدر ایمان ہے، اسے بھی نکال لاؤ۔ وہ جائیں گے اور بہت سارے انسانوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تو نے ہمیں جن کو نکالنے کا حکم دیا ہم نے ان میں کسی کو نہیں چھوڑا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیسری بار چلو اور جس کے دل میں نصف دینار کے وزن کے بقدر ایمان ہے، اسے بھی جہنم سے باہر نکال لاؤ۔ وہ بہت سے لوگوں کو نکال کر پھر کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تو نے جن کا حکم دیا، ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا...... حتی کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے، اسے بھی نکال لاؤ۔ سو وہ بہت سوں کو نکال لائیں گے۔'' حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں: جو آدمی اس حدیث کی تصدیق نہ کرے وہ یہ آیت پڑھے: ﴿اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا، اگر (کسی کی) کوئی نیکی ہوگی تو وہ اسے کئی گنا بڑھا دے گا اور اپنی جناب سے اجر عظیم عطا کرے گا﴾ (سورۂ نساء: ۴۰) ''پھر وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تیرے حکم کے مطابق ہم (ذرہ برابر ایمان والوں) کو بھی جہنم سے نکال لائے ہیں، اب وہاں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس کے دل میں کوئی خیر ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: فرشتے سفارش کر چکے، انبیا سفارش کر چکے اور مومنوں نے بھی سفارش کر لی۔ اب صرف ''اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ'' باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود جہنم سے ایسے لوگوں کی ایک یا دو مٹھیاں بھر کر لائیں گے، جنھوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ ان کو ''حیاۃ'' نامی پانی کے پاس لایا جائے گا اور ان پر یہ پانی بہایا جائے گا، ان کا جسم سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں اگنے والے دانے کی طرح اگے گا۔ تم لوگوں نے کسی چٹان یا درخت کے پاس ایسا دانہ اگتا ہوا دیکھا ہوگا، سورج کی سمت

لَهُـمْ: أُدْخُلُـوْا الْجَنَّةَ ، فَمَا تَمَنَّيْتُمْ وَرَأَيْتُمْ مِـنْ شَـيْءٍ فَهُـوَ لَـكُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ۔ فَيَقُوْلُ أَهْـلُ الْـجَـنَّةِ: هٰـؤُلَاءِ عُتَـقَاءُ الرَّحْمٰنِ أَدْخَلَهُـمُ الْـجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ، وَلَا خَيْـرٍ قَـدَّمُوْهُ قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا ! أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَداً مِنْ الْعَالَمِيْنَ قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَـإِنَّ لَكَ عِنْدِي أَفْضَلَ مِنْهُ فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! وَمَا أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: فَيَقُوْلُ: رِضَائِيْ عَنْكُمْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا۔))

(الصحيحة: ۳۰۵٤)

میں اگنے والے بوٹے سبز اور سائے میں اگنے والے سفید ہوتے ہے۔ اس پانی کے بہانے سے ان کے جسم موتی کی طرح ہو جائیں گے اور ان کی گردنوں میں ”عُتَقَاءُ اللّٰه“ یعنی ”اللہ تعالی کے آزادشدہ“ کی مہر ہوگی۔ انھیں کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، جو کچھ تمنا کرو گے اور جو کچھ دیکھو گے، وہ اور مزید اس کی مثل بھی تمھیں دیا جائے گا۔ اہلِ جنت کہیں گے: یہ لوگ رحمٰن کے آزادشدہ ہیں، اللہ تعالی نے ان کو بغیر کسی عمل اور بغیر کسی خیر و بھلائی کے جنت میں داخل کر دیا ہے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: میرے پاس تمھارے لیے اس سے بھی افضل چیز ہے۔ وہ پوچھیں گے: ہمارے ربّ! وہ افضل چیز کون سی ہے؟ اللہ تعالی فرمائیں گے: میں تم سے راضی ہو گیا ہوں، اب تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔“

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ۱۱/ ٤٠٩/ ٤١١، ومن طريقه أحمد: ۳/ ... ٩٤، والنسائي: ۲/ ۲۷۰، وابن ماجه: ٦٠، والترمذي: ۲٥۹۸ مختصرا، وأخرجه البخاري: ۷٤۳۹، ومسلم: ۱/ ۱۱٤ أتم منه، وأوله: ((هل تضارّون في رؤية الشمس والقمر ......))

شــرح: ...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے، لیکن اس باب سے مطابقت رکھنے والے حصے میں بہت سخت یہ وعید بیان کی گئی ہے کہ نمازی، روزے دار، حاجی اور مجاہد لوگ بھی اپنے جرائم کی بنا پر جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالی ان کو محض اپنی رحمت کی بنا پر یا کسی نبی و ولی کی سفارش، جو اس کی رحمت کا ہی ایک انداز ہوگا، کا بہانہ بنا کر جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں گے۔ اللہ تعالی ہمیں برائیوں سے بچنے والا نیکوکار بنا دیں۔ آمین

قارئین کرام! ہمارے ہاں بعض نیکیوں میں حصہ لینے والے لوگ اپنی نیکیوں پر ضرورت سے زائد اعتماد کر کے قسما قسم کے اعمالِ صالحہ کو سرانجام دینے سے غافل ہو جاتے ہیں اور دوسروں کی برائیوں پر تبصرہ کرنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ مثلا آپ نے دیکھا ہو گا کہ کئی نمازی اور حاجی حضرات بداخلاقی اور سخت مزاجی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کو اپنی نیکیوں پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ ہر دوسرے کو کم تر سمجھتے ہیں اور اس پر خوب برستے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ صوم و صلاۃ اور ذکر و اذکار کے تو پابند ہوتے ہیں، لیکن رشتہ داروں اور ہمسائیوں کی حقوق میں بہت زیادہ غفلت برتتے ہیں، بلکہ سرے سے ان کو ان کے حقوق کے تقاضوں کا ہی کوئی علم نہیں ہوتا۔

ہمیں چاہیے کہ نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کے سلسلے میں مکمل شریعت کو سامنے رکھیں، نہ کہ چند نیکیوں کو سر

انجام دینے اور چند برائیوں سے بچنے کو مکمل دین سمجھ لیں۔

اذان دینے کا ثواب

(٦٧٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ أَذَّنَ اثْنَتَي عَشَرَ سَنَةً، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً، وَبِإِقَامَتِهِ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً۔)) (الصحيحة: ٤٢)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بارہ سال اذان دی، اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی اور ہر دفعہ اس کی اذان پر ساٹھ اور اقامت پر تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔''

تخريج: رواه ابن ماجه: ٧٢٨، والحاكم: ١/ ٢٠٥، وعنه البيهقي: ١/ ٤٣٣، وابن عدي: ١/٢٢٠، والبغوي في "شرح السنة": ١/ ٥٨/ ١-٢، والضياء في "المنتقى من مسموعاته بمرو: ١/٣٢

شرح:...... اذان دینا انتہائی اجر و ثواب پر مشتمل عمل ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ اذان اور صف اول میں کتنا (ثواب) ہے تو (اس اجر کے حصول کے لیے اتنے لوگ جمع ہو جائیں کہ) ان کے سامنے ایک ہی چارہ کار ہو کہ قرعہ کر لیتے ہیں۔'' (بخاری، مسلم) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے، اسے سننے والا ہر جن، ہر انسان اور ہر چیز اس کے لیے روزِ قیامت گواہی دے گی۔'' (بخاری)

لیکن ان فضائل کے باوجود اذان دینے کے سلسلے میں عجیب قسم کی بے رغبتی ہے، شاید بعض لوگ ایسے بھی ہوں کہ نہ انھوں نے زندگی بھر اذان دی ہوگی اور نہ ان میں اس کی تڑپ پیدا ہوئی ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالی) رہا مسئلہ پہلی صف کا، تو جس مسجد میں نمازیوں کی دو تین صفیں بن جاتی ہیں، وہاں اکثر طور پر ابتدائے نماز کے وقت پانچ چھ نمازی ہوتے ہیں اور کئی لوگ پہلے پہنچ جانے کے باوجود پچھلی صفوں میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ سب دینی امور میں بے رغبتی کی صورتیں ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث میں بارہ سال لگا تار اذان دینے والی کی فضیلت کا بیان ہے، یہ حقیقت تو واضح ہے کہ اس فضیلت کے حصول کے لیے اس عمل کا اللہ تعالی کے لیے خالص ہونا ضروری ہے۔ اس کا مقصد روزی کا حصول، نمود و نمائش اور صیت و شہرت نہیں ہونا چاہیے۔

ایک دفعہ ایک آدمی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں اللہ تعالی کے لیے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن انھوں نے آگے سے کہا: تو گواہ رہنا کہ میں تجھ سے اللہ تعالی کے لیے بغض رکھتا ہوں۔ اس نے کہا: کیا وجہ ہے؟ انھوں نے کہا: تو ترنم سے اور سریلی آواز میں اذان دیتا ہے اور پھر اس پر اجرت لیتا ہے۔ (المعجم الكبير للطبراني: ١٢/ ٢٦٤/ ١٣٠٥٩)

تعجب ہے کہ علمائے اسلام اور مبلغ حضرات نے بھی عملی طور پر اس عظیم عبادت اور شعار اسلام سے بے رخی اختیار کر رکھی ہے، بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی عالم کسی مسجد میں اذان دے رہا ہو، بلکہ بسا اوقات وہ اذان دینے سے شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور انھیں تعجب ہوتا ہے کہ وہ یہ نیکی کریں، لیکن امامت کی باری آتی ہے تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، بلکہ جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ بس اللہ تعالی کے سامنے اپنا شکوہ دائر کرواتے ہیں کہ اس زمانے میں اتنی اجنبیت کیوں پائی جا رہی ہے۔ (صحیحہ : ٤٢)

دوہری اذان اور اکہری اقامت

(٦٧٧)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِشْفَعِ الْأَذَانَ، وَأَوْتِرِ الإِقَامَةَ۔)) (الصحيحة:١٢٧٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اذان دوہری اور اقامت اکہری کہا کر۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني في "الأفراد" رقم ٥٠ ج ٢

شرح: ...... سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((أُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْإِقَامَةَ۔)) (بخاری، مسلم) ...... سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ) حکم دیا گیا وہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے الفاظ ایک ایک دفعہ کہے (یعنی اذان دوہری ہو اور اقامت اکہری)۔ سیدنا عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کو کسی آدمی نے خواب میں دوہری اذان اور اکہری اقامت کی تعلیم دی، جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔)) ...... ''بے شک ان شاء اللہ یہ خواب حق ہے۔'' یہی خواب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا، آپ ﷺ نے ان کی بھی تصدیق کی۔ (ابوداود: ٤٩٩، ابن ماجه: ٧٠٦)

ترجیع والی اذان کہنا بھی سنت ہے، جس میں "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" چار چار دفعہ کہا جاتا ہے۔ (مسلم) امام شافعی، امام احمد، امام مالک اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک یہ اذان مستحب ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو ترجیع والی اذان سکھائی تو اس کے ساتھ اقامت کے دو دو کلمات کی تعلیم دی۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے: سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے کہا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ سُنَّةَ الْاَذَانِ . ... اے اللہ کے رسول! مجھے مسنون اذان کی تعلیم دو۔ جواباً آپ ﷺ نے ترجیع والی اذان کی تعلیم دی۔ (ابوداود) اور ایک روایت میں ہے: سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اس کو اذان کے انیس اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ (ابوداود، ابن ماجہ، نسائی) اور کلمات کی یہ تعداد ترجیع والی اذان میں ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابو محذورہ کی درخواست پر ان کو مکہ مکرمہ کا مؤذن مقرر کیا تھا اور وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ۵۹ھ تک حرم مکی میں مؤذن مقرر رہے اور یہی اذان دیتے رہے۔

احناف ترجیع والی اذان کے قائل نہیں ہیں، ان کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابومحذورہ کو تعلیم دینے کی خاطر شہادتین کا دوبارہ تذکرہ کیا تھا، نہ کہ اذان کے کلمات کی حیثیت سے۔ لیکن اِن احادیث سے احناف کا ردّ ہو رہا ہے، جبکہ راویٔ حدیث نے خود بھی ترجیع والی اذان کو سنت سمجھا اور تقریباً پچاس سال تک یہی اذان دیتے رہے۔ اللہ تعالی ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احناف کا یہ خیال بھی ہے کہ سیدنا ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں ترجیع والی اذان کا ذکر نہیں ہے۔ جواباً گزارش ہو گی کہ سیدنا ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کے خواب کا واقعہ ایک ہجری کا ہے اور سیدنا ابومحذورہ کی اذان کا واقعہ ۸ھ کا ہے، دوسری گزارش یہ ہے کہ نصوص میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔

اذان کے کلمات کا جواب دینا

(٦٧٨)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أَنَّهُ قَالَ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُنَادِي يُثَوِّبُ بِالصَّلَاةِ فَقُوْلُوْا كَمَا يَقُوْلُ۔)) (الصحيحة:١٣٢٨)

سہل بن معاذ اپنے باپ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم مؤذن کو نماز کے لیے اذان دیتے سنو تو وہی کلمات دوہراؤ جو وہ کہہ رہا ہوتا ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٣٨

(٦٧٩)۔ عَنْ أَبِي رَافِعٍ كَانَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ مِثْلَ مَايَقُوْلُ، حَتّٰى إِذَا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ قَالَ: ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔)) (الصحيحة:٢٠٧٥)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مؤذن (کی اذان کی آواز) سنتے تو اسی طرح کہتے جس طرح وہ کہتا، لیکن جب وہ ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاة“ اور ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاح“ کہتا تو آپ ﷺ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه“ (برائی سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اللہ تعالی کی توفیق سے) کہتے۔

تخريج: أخرجه أحمد:٦/ ٩، والبغوي في ”الجعديات“: ٢/١٠٢، وابن السني:٨٩

شرح :...... اذان، اسلام کا عظیم شعار ہے اور کسی بستی میں مسلمانوں کے موجود ہونے یا نہ ہونے کی علامت ہے۔ اذان دینا عظیم کارِ ثواب ہے۔ بہرحال ایک مسجد میں ایک آدمی، جو خوش الحان جہوری الصوت ہو، ہی اذان دے سکتا ہے، لیکن اذان سننے والوں کے لیے اذان کے الفاظ دوہرانا ہر مسلمان کے لیے ممکن ہے، جو کہ انتہائی افضل عمل ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ، فَقَالَ اَحَدُكُمْ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ...... مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔)) (مسلم) ......(مفہومی ترجمہ) جو شخص مؤذن کے تمام کلمات کا جواب صدقِ دل سے دے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یاد رہے کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے جواب میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" (برائی سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے، مگر اللہ تعالی کی توفیق سے) کہنا چاہئے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ مکمل توجہ اور انہماک کے ساتھ مؤذن کے کلمات سنیں اور ان کا صدقِ دل سے جواب دیں۔

اسی طرح اذان کے بعد "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ......" دعا پڑھنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی سفارش ثابت ہو جاتی ہے۔

اذان کے وقت شیطان کی کیفیت

(٦٨٠)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ، ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ۔)) (الصحيحة:٣٥٠٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب شیطان اذان سنتا ہے تو (بھاگ کر) چلا جاتا ہے یہاں تک کہ روحا مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٥، وأبوعوانة: ١/ ٣٣٣، وابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٢٠٥/ ٣٩٣، وابن حبان: ١٦٦٢، والبيهقي: ١/ ٤٣٢، والبغوي في "شرح السنة": ٢/ ٢٧٦، وابن أبي شيبة: ١/ ٢٢٨۔ ٢٢٩، وأحمد: ٣/ ٣١٦

شرح:...... اذان، اللہ تعالی کی کبریائی و بڑائی، وحدانیت و یکتانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت و نبوت کی شہادتوں اور لوگوں کے لیے خیر و فلاح کی دعوتوں پر مشتمل ہے، جب یہ اثر انگیز الفاظ شیطان کے کانوں کے پردوں سے ٹکراتے ہیں تو وہ بے برداشتہ اور دل برداشتہ ہو کر بھاگ پڑتا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ کر سکون کی سانس لیتا ہے، جہاں اسلام کے عظیم شعار کے عظیم کلمات سنائی نہ دیتے ہوں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاذِيْنَ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان اس کے سننے سے بچنے کے لیے بھاگ نکلتا ہے، اس حال میں وہ گوز مار رہا ہوتا ہے۔''

سخت سردی یا بارش والے موسم میں اذان میں زیادتی

(٦٨١)۔ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ النَّحَّامِ مِنْ بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: نُوْدِيَ بِالصُّبْحِ فِي يَوْمٍ بَارِدٍ وَأَنَا فِيْ مِرْطِ امْرَأَتِيْ فَقُلْتُ: لَيْتَ الْمُنَادِيَ يُنَادِيْ: وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ، فَنَادٰى مُنَادِي النَّبِيِّ ﷺ: ((وَمَنْ قَعَدَ فَلَا

نعیم بن نحام، جن کا تعلق قبیلہ بنو عدی بن کعب سے تھا، کہتے ہیں: ایک رات خوب سردی تھی، صبح کی اذان ہو رہی تھی اور میں اپنی بیوی کی چادر میں (لیٹا ہوا) تھا۔ میں نے کہا: کاش مؤذن یہ بھی کہہ دے: "وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ" (اگر کوئی نہیں آنا چاہتا تو کوئی حرج نہیں)۔ (میں یہ سوچ ہی رہا تھا

حَرَجَ۔)) (الصحيحة:٢٦٠٥) کہ) نبی کریم ﷺ کے مؤذن نے کہہ دیا: "وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ"

تخریج: أخرجه ابن أبي شيبة في"المسند": ٢/ ٥/ ٢، والبيهقي: ١/ ٣٩٨

شرح:...... "ان الدین یسر" ...... دین آسان ہے۔ کا یہی مفہوم ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ جہاں شریعت نے عام حالات میں مسجد میں نماز باجماعت کو ضروری قرار دیا، وہاں کسی عذر کی وجہ سے رخصت کا اعلان بھی کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارش اور سردی کے موسم میں مؤذن کہے: ومن قعد فلا حرج۔ لیکن ایسے حالات میں اذان کے بعد "آلَا صَلُّوْا فِيْ الرِّحَالِ" (خبردار! گھروں میں نماز پڑھ لو) کہنا بھی مسنون ہے۔ (بخاری، مسلم) اور یہ بھی درست ہے کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بجائے "صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ" (گھروں میں نماز پڑھ لو) ہی کہہ دیا جائے۔ (بخاری، مسلم)

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث اس آیت کا مصداق ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (سورۂ حج: ٧٨) ......"اللہ تعالی نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

لیکن بڑا افسوس ہے کہ تمام مؤذنوں نے اس حدیث میں بیان کردہ سنت کو ترک کر دیا ہے۔ جب مؤذن اذان میں "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" (آؤ نماز کی طرف) کہتا ہے تو عملی طور پر اس کا جواب دینا یعنی مسجد کی طرف جانا اور مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے، ہاں اگر سخت سردی ہو یا بارش ہو رہی ہو تو مؤذن کو چاہیے کہ وہ اذان کے بعد "وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ" (اگر کوئی نہ آئے تو کوئی حرج نہیں) کہہ دے۔

اس موضوع پر مزید احادیث ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ سفر سردی والی یا بارش والی رات مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اذان دے اور آخر میں یہ کلمات کہہ دے: "آلَا صَلُّوْا فِيْ الرِّحَالِ" (خبردار! اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لو۔) (بخاری، مسلم۔ بعض روایات میں سفر کا ذکر نہیں ہے۔ امام شافعی نے (الأم: ١/ ٧٦) میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہا: میں پسند کرتا ہے کہ امام اپنے مؤذن کو اذان سے فراغت کے بعد یہ کلمات کہنے کا حکم دے، اگر مؤذن یہ کلمات دورانِ اذان کہہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن بارش کی وجہ سے اپنے مؤذن کو کہا: جب تو "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہے تو "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کی بجائے "صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ" (اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو) کہنا۔ (بخاری، مسلم)

آپ کو علم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں شریعت نے ایک اور رخصت بھی دے دی ہے اور وہ ہے بارش کی وجہ سے ظہر کے ساتھ اور اس کے وقت میں عصر پڑھ لینا اور مغرب کے ساتھ اور اس کے وقت میں عشا پڑھ لینا، جس کو جمع تقدیم

کہتے ہیں، سلف اس سنت پر عمل کرتے رہے ہیں، اسی کتاب میں ''نمازیں جمع کر کے ادا کرنا'' کے عنوان کے تحت اس کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بارش اور سردی کی وجہ سے اذان کے کلمات میں اضافہ کے سبب مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی رخصت مل گئی اور جو افراد ایسے موسم میں مسجد میں تشریف لے آئیں، انھیں یہ رخصت دے دی جاتی ہے کہ وہ دوسری نماز کو پہلی نماز کے وقت میں ہی ادا کر لیں۔ اللہ تعالی نے سچ فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۵۰) ...... ''یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔'' (صحیحہ: ۲۶۰۵)

سجدہ سہو کی مختلف کیفیات

(۶۸۲)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلّٰى أَوِ اثْنَتَيْنِ، فَلْيَبْنِ عَلٰى وَاحِدَةٍ، فَإِنْ لَّمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلّٰى أَوْ ثَلَاثًا؟ فَلْيَبْنِ عَلٰى ثِنْتَيْنِ، وَإِنْ لَّمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلّٰى أَوْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَبْنِ عَلٰى ثَلَاثٍ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ۔))

(الصحيحة:۱۳۵۶)

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی نماز میں بھول جائے اور وہ یہ نہ جان سکے کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو؟ تو اپنی نماز کی بنیاد ایک پر رکھے اور جب اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ دو پڑھی ہیں یا تین؟ تو دو پر بنیاد رکھے اور اسی طرح جب تین اور چار میں شک ہو جائے تو تین کو یقینی سمجھے اور (اس حساب سے نماز مکمل کر کے) سلام سے پہلے دو سجدے کر لے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ۱/ ۸۰۔ ۸۱، وابن ماجه: ۱۲۰۹، والطحاوي: ۱/ ۲۵۱، و الحاكم: ۱/ ۳۲۴۔ ۳۲۵، والبيهقي: ۲/ ۳۳۲، وأحمد: ۱/ ۱۹۰

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو احتیاطاً کم تعداد پر بنیاد رکھ کر نماز کی تکمیل کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لے۔

(۶۸۳)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ: صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ (وَفِي رِوَايَةٍ: صَلَاةَ الظُّهْرِ) فَقَامَ مِنَ اثْنَتَيْنِ وَلَمْ يَجْلِسْ فَسُبِّحَ بِهِ فَلَمَّا اعْتَدَلَ مَضٰى وَلَمْ يَرْجِعْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَمَضٰى حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا

حضرت عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک نماز اور (ایک روایت کے مطابق ظہر کی نماز) پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد (تشہد کے لیے) بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے، (آگاہ کرنے کے لیے) سبحان اللہ تو کہا گیا، لیکن جب آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہو گئے تو نماز جاری رکھی اور واپس نہ لوٹے، لوگ بھی آپ ﷺ کی اقتدا

السَّلَامُ، وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ، وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ، مَكَانَ مَانَسِيَ مِنَ الْجُلُوْسِ۔
(الصحيحة: ٢٤٥٧)

میں کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے نماز کو جاری رکھا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہونے لگے، صرف سلام باقی تھا اور لوگ بھی سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے، آپ ﷺ نے قبل از سلام بھولنے کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور ہر سجدے کے لیے "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا، پھر سلام پھیر دیا، لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدے کئے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٨٢٩، ١٢٢٤، ١٢٢٥، ١٣٣٠و ٦٦٧٠، ومسلم: ٢/ ٨٣، وابن حبان: ٢٦٦٦ـ٢٦٦٨، وابن خزيمة في "صحيحه" ٢/ ١١٥/ ١٠٣٠، والحاكم: ١/ ٣٣٢

(٦٨٤)۔ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَامَ الإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِماً فَلْيَجْلِسْ، فَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔))
(الصحيحة: ٣٢١)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام (بھول جائے اور تشہد کے لیے بیٹھنے کے بجائے) دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہونا شروع ہو جائے، اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو (تیسری رکعت جاری رکھے اور تشہد کے لیے) نہ بیٹھے اور (درمیانہ تشہد رہ جانے کی وجہ سے سلام سے پہلے) دو سجدے کر لے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١٠٣٦، وابن ماجه: ١٢٠٨، والدارقطني: ١٤٥، والبيهقي: ٢/ ٣٤٣، وأحمد: ٤/ ٢٥٣، ٢٥٣ـ٢٥٤

شرح: ...... معلوم ہوا کہ تین اور چار رکعتی نماز میں اگر درمیانہ تشہد رہ جائے تو اس بھول چوک کا ازالہ کرنے کے لیے سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لیے جائیں۔ ان احادیثِ مبارکہ پر مزید بحث ''درمیانہ تشہد رہ جانے کی صورت میں سہو کے سجدے'' کے عنوان کے تحت آئے گی۔

(٦٨٥)۔ عَنْ عِيَاضِ بْنِ هِلَالٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي سَعِيْدٍ: أَحَدُنَا يُصَلِّي فَلَايَدْرِي كَيْفَ صَلّٰى؟ فَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ كَيْفَ صَلّٰى، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔))
(الصحيحة: ١٣٦٢)

عیاض بن ہلال کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو سعید سے پوچھا: ایک آدمی نماز تو پڑھتا ہے لیکن وہ (بھول چوک کی وجہ سے) یہ نہیں جانتا کہ کتنی پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھے اور اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کتنی پڑھی ہے تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ۱/ ۲۳۶ ـ الحلبي، والترمذي: ۲/ ۲۴۳ ـ شاکر، وابن ماجه: ۱/ ۳۶۳، وأحمد: ۳/ ۱۲، وأخرج مسلم نحوه

شرح:...... نماز میں بھول جانا ایک ایسا فطرتی عمل ہے کہ کسی کو بھی اس سے مستثنی نہیں کیا جا سکتا، بہرحال اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے بھول چوک کی مختلف صورتوں اور ان کے ازالے کی وضاحت کر دی ہے، سہو کے بارے میں مختلف احادیثِ صحیحہ کا خلاصہ درج ذیل ہے، ذہن نشین کر لیں۔

(۱) اگر درمیانہ تشہد رہ جائے تو اس کا اعادہ کئے بغیر سہو کے سجدے سلام سے پہلے کیے جائیں۔ (بخاری، مسلم) اور سلام کے بعد کرنا بھی جائز ہیں۔ (ترمذی)

(۲) اگر رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے اور کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکے تو کم تعداد پر بنیاد رکھ کر نماز مکمل کی جائے اور قبل از سلام کئے جائیں۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ) مثال کے طور پر نمازی چار رکعت نماز ادا کر رہا تھا، اسے یہ شک پڑ گیا کہ وہ تین رکعات ادا کر چکا ہے یا چار۔ ایسی صورت اسے چاہیے کہ وہ تین رکعتیں ہی سمجھ کر چوتھی پوری کر کے سجدۂ سہو کرے۔

(۳) کسی رکن کی ادائیگی کے بغیر سلام پھیر دیا، تو سابقہ نماز کو بنیاد بنا کر اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیر کر سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔ (مسلم) مثلا چار رکعت والی نماز میں تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، جب حقیقتِ حال کا علم ہوا تو ایک رکعت مکمل کر کے سجدۂ سہو کیا جائے۔

(۴) نماز میں شک پڑ جائے اور مختلف قرائن کی مدد سے ایک صورت پر ظن غالب ہو جائے تو بعد از سلام سجدے کئے جائیں گے۔ (بخاری، مسلم)

(۵) اگر سلام کے بعد کسی زیادتی کا پتہ چلے یا ایسی کمی کا جس کا اعادہ نہیں کیا جاتا، تو اسی وقت سجدے کئے جائیں اور پھر سلام پھیرا جائے۔ (بخاری، مسلم) مثلا سلام پھیرنے کے بعد پتہ چلے کہ پانچ رکعتیں پڑھ لی گئی ہیں یا تشہد رہ گیا ہے۔

یہ مختلف صورتیں نبی کریم ﷺ سے فعلی طور پر یا قولی طور پر ثابت ہیں۔

اب نمازی کو چاہیے کہ بھول چوک کی مذکورہ بالا اور ان سے ملتی جلتی صورتوں میں مندرجہ بالا طریقے اختیار کرے، اگر کسی کا نسیان مذکورہ بالا صورتوں سے بالکل مختلف ہو تو سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کیا جائے، جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ۔)) (ابوداود، ابن ماجه) ...... ''ہر سہو میں دو سجدے بعد از سلام کئے جائیں گے۔''

تنبیہ: عام نمازی کے لیے یہ فیصلہ کرنا کیسے ممکن ہے کہ اسے بھول چوک کی فلاں کیفیت پر سجدۂ سہو کرنا چاہیے اور فلاں پر نہیں؟

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی بھوک چوک پر سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلا پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہونے کے بجائے نمازی تشہد کے لیے بیٹھ جائے اور تشہد کے ایک دو کلمات ادا کرنے کے بعد اسے اپنی خطا کا احساس ہو جائے اور وہ دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ علی ہذا القیاس۔ ایسی صورت میں (ان شاء اللہ) سہو کے سجدے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جیسا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ (وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ) وَإِنِ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ، وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔)) (ابوداود: ١٠٣٦، ابن ماجه: ١٢٠٨، صحيحه: ٣٢١، قوسین والے الفاظ دارقطنی کے ہیں)...... ''اگر امام دو رکعتوں کے بعد (تشہد کے لیے بیٹھنے کے بجائے) کھڑا ہو جائے اور مکمل کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو وہ بیٹھ جائے، ایسی صورت میں اس پر کوئی سہو نہیں ہوگا اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو (تشہد کے لیے) نہ بیٹھے (اور اپنی نماز جاری رکھے) اور سہو کے دو سجدے کر لے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول کر کھڑا ہونا، لیکن یاد آ جانے کی وجہ سے مکمل کھڑا ہونے سے پہلے بیٹھ جانا معمولی بھول چوک ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں سہو کے حکم کی نفی کر دی ہے۔

لیکن اگر نمازی سمجھتا ہے کہ اس کی بھول چوک کی مقدار اس قدر ہے کہ اسے معتبر سمجھ کر سجدۂ سہو کرنا چاہیے، جبکہ وہ کیفیت احادیث میں بیان شدہ کیفیات سے مختلف ہو تو وہ درج حدیث پر عمل کر لے:

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ۔)) (ابوداود، ابن ماجه)...... ''ہر سہو میں دو سجدے بعد از سلام کئے جائیں گے۔''

بہرحال ہر نمازی کو چاہیے کہ مذکورہ بالا تمام صورتیں مستحضر کر لے، تاکہ نماز کے دوران کسی بھول چوک کی بنا پر سجدۂ سہو کے بارے میں اس کا فیصلہ بصیرت والا اور طریقۂ محمدی کے قریب تر ہو۔

(٦٨٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَجْدَتَا السَّهْوِ تُجْزِئُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ كُلِّ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ۔)) (الصحيحة:١٨٨٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھول چوک کی وجہ سے کئے جانے والے دو سجدے نماز میں ہونے والی ہر قسم کی کمی و بیشی سے کفایت کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ١/٢١٨، والبزار في "مسنده": رقم: ٥٧٤، والطبراني في "الاوسط": رقم: ٧٢٩٦

شرح:...... اگر نادانستہ طور پر کوئی رکن رہ جائے تو مکمل ایک رکعت پڑھی جائے گی رکن سورۃ فاتحہ، رکوع اور سجدے ہیں، پھر سجدۂ سہو کرکے بھول چوک کی تلافی کی جائے گی، ہاں اگر کوئی فرض (واجب) رہ جاتا ہے، تو اسے ادا

کئے بغیر سجدۂ سہو کر لیے جائیں، وہ اس فرض سے کفایت کریں گے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے چار رکعت کے درمیان والا تشہد رہ گیا تھا، آپ ﷺ نے اسے دوہرائے بغیر سہو کے سجدے کر لیے تھے۔

درمیانہ تشہد رہ جانے کی صورت میں سہو کے سجدے

(٦٨٧)۔ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَامَ الإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِماً فَلْيَجْلِسْ ، فَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔))

(الصحيحة:٣٢١)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب امام (بھول جائے اور تشہد کے لیے بیٹھنے کے بجائے) دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہونا شروع ہو جائے، اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو (تیسری رکعت جاری رکھے اور تشہد کے لیے) نہ بیٹھے اور (درمیانہ تشہد رہ جانے کی وجہ سے سلام سے پہلے) دو سجدے کر لے۔“

تخريج:أخرجه أبوداود: ١٠٣٦ ، وابن ماجه: ١٢٠٨ ، والدارقطني: ١٤٥ ، والبيهقي: ٢/ ٣٤٣، وأحمد: ٤/ ٢٥٣، ٢٥٣۔٢٥٤

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو چیز کھڑے ہونے والے نمازی کو تشہد کی طرف لوٹنے سے روکتی ہے، وہ اس کا مکمل کھڑا ہونا ہے۔ اگر اسے مکمل کھڑا ہونے سے پہلے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، تو بیٹھ جانا ضروری ہے۔

اس مسئلہ میں بعض مسلک والوں نے یہ امتیاز پیش کیا ہے: اگر نمازی قیام کے قریب ہو تو کھڑا ہو جائے اور بیٹھنے کے قریب ہونے کی صورت میں بیٹھ جائے۔

یہ تفصیل جہاں بے دلیل ہے، وہاں اس حدیث کی مخالف بھی ہے۔ پس حدیث پر عمل کرو اور اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور لوگوں کی آرا کو ترک کر دو۔ جب حدیث آ جاتی ہے تو غور و فکر کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور جب اللہ تعالی کی نہر رواں ہو جاتی ہے تو عقل کی ندیاں باطل ہو جاتی ہے۔ (صحیحہ: ٣٢١)

اسی حدیث کے بعض طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جاتا ہے اور وہ بیٹھ جاتا ہے تو سہو کے سجدے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوا کہ معمولی بھول چوک پر سہو کے سجدے نہیں کئے جاتے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے۔

(٦٨٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ: صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک نماز اور (ایک روایت کے مطابق ظہر کی نماز)

(وَفِي رِوَايَةٍ: صَلَاةَ الظُّهْرِ) فَقَامَ مِنَ اثْنَتَيْنِ وَلَمْ يَجْلِسْ فَسُبِّحَ بِهِ، فَلَمَّا اعْتَدَلَ مَضَى وَلَمْ يَرْجِعْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَمَضَى حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السَّلَامُ، وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ، وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ، مَكَانَ مَانَسِيَ مِنَ الْجُلُوْسِ۔ (الصحيحة: ۲٤٥٧)

پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد (تشہد کے لیے) بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے، (آگاہ کرنے کے لیے) سبحان اللہ تو کہا گیا، لیکن جب آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہو گئے تو نماز جاری رکھی اور واپس نہ لوٹے، لوگ بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے نماز کو جاری رکھا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہونے لگے، صرف سلام باقی تھا اور لوگ بھی سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے، آپ ﷺ نے قبل از سلام بھولنے کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور ہر سجدے کے لیے "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا، پھر سلام پھیر دیا، لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدے کئے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ۸۲۹، ۱۲۲٤، ۱۲۲۵، ۱۳۳۰و ٦٦۷۰، ومسلم: ۲/ ۸۳، و ابن حبان: ۲٦٦٦ـ۲٦٦۸، وابن خزيمة في "صحيحه" ۲/ ۱۱۵/ ۱۰۳۰، والحاكم: ۱/ ۳۲۲

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے الفاظ "لیکن جب آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہو گئے تو نماز جاری رکھی اور واپس نہ لوٹے" میں قوی اشارہ موجود ہے کہ آپ ﷺ کا تشہد کی طرف نہ لوٹنے کی وجہ سیدھا کھڑے ہو جانا تھا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جاتا تو آپ تشہد کے لیے بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ کی قولی حدیث میں اس فرق کی وضاحت کر دی گئی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ، فَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔)) (صحيحه: ۳۲۱، یہ حدیث مختلف طرق کی بنا صحیح ہے، ایک سند جید ہے، میں نے (ارواء الغليل: ۳۸۸) اور (صحيح ابی داود: ۹٤۹) میں اس کی تخریج کی ہے۔) ......"جب امام (بھول جائے اور تشہد کے لیے بیٹھنے کے بجائے) دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہونا شروع ہو جائے، اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو جائے تو (تیسری رکعت جاری رکھے اور تشہد کے لیے) نہ بیٹھے اور (درمیانہ تشہد رہ جانے کی وجہ سے سلام سے پہلے) دو سجدے کرے۔"

بعض فقہی کتب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ بھولنے کی ایسی صورت میں اگر نمازی قیام کے قریب ہو تو کھڑا ہو جائے، وگرنہ تشہد کے لیے بیٹھ جائے۔ سننِ نبویہ میں اس فرق کی کوئی اصل نہیں۔

اے مسلمان! اپنے دین کی بنیاد دلائل پر رکھ۔ (صحيحه: ۲٤٥٧)

معلوم ہوا کہ اگر درمیانہ تشہد رہ جائے تو سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی، یاد رہے کہ ایسی صورت میں اگر امام کو سیدھا کھڑے ہونے سے قبل یاد آ جائے کہ تشہد رہ گیا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد یاد آئے تو مت بیٹھے، اپنی نماز جاری رکھے اور سجودِ سہو سے اس کی کمی کو پورا کر لے۔ سہو کی مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

دورانِ نماز سترے کا اہتمام کرنا

(٦٨٩)۔ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الرُّبَيِّعِ بْنِ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِسْتَتِرُوْا فِي صَلَاتِكُمْ (وَفِي رِوَايَةٍ: لِيَسْتَتِرْ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ) وَلَوْ بِسَهْمٍ۔)) (الصحيحة:٢٧٨٣)

عبدالملک بن ربیع بن سبرہ بن معبد اپنے باپ ربیع اور وہ ان کے دادا حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز میں سترہ رکھا کرو اگرچہ وہ تیر ہی ہو۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ: ''تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ نماز میں سترہ رکھے۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": رقم ٨١٠، وأبو يعلى: ٢/ ٢٣٩/ ٩٤١، والحاكم: ١/ ٥٥٢، والبيهقي: ٢/ ٢٧٠، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ٢٧٨، وأحمد: ٣/ ٤٠٤، والطبراني في "المعجم الكبير": ٧/ ١٣٣۔ ١٣٤، والبغوي في "شرح السنة": ٢/ ٤٠٣

(٦٩٠)۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى سُتْرَةٍ، فَلْيَدْنُ مِنْهَا، لَا يَمُرُّ الشَّيْطَانُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا۔)) (الصحيحة:١٣٨٦)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے تو اس کے قریب کھڑا ہو تا کہ نمازی اور سترے کے درمیان سے شیطان نہ گزرنے پائے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" ١/ ٧٩/ ٢، والبيهقي: ٢/ ٢٧٢ عن جبير ن مطعم رضي الله عنه، واخرجه ابوداود، والنسائي والطحاوي في "المشكل": ٣/ ٢٥١، والحاكم عن سهل بن ابي حثمة رضي الله عنه، ورواه الطحاوي و ابو نعيم في "الحلية": ٣/ ١٦٥ عن سهل بن سعد رضي الله عنه، وجملة القول: ان اصح الاسانيد رواية ابن عيينة عن سهل بن ابي حثمة، فالحديث من مسنده، لا من مسند جبير بن مطعم او غيره

شرح:...... نماز کے لیے سترے کا اہتمام کرنا نبوی سنت ہے، لیکن اکثر لوگ اس معاملے میں غفلت اور بے توجہی برت رہے ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم مدینہ میں تھے، جب مؤذن نمازِ مغرب کی اذان سے فارغ ہوتا، تو صحابہ کرام (مسجد کے) ستونوں کی طرف بڑھتے اور انھیں (سترہ بنا کر مغرب سے پہلے) دو رکعتیں پڑھتے۔ (مسلم) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی سترے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیُصَلِّ اِلٰی سُتْرَةٍ، وَلْیَدْنُ مِنْهَا۔)) (ابو داود، ابن ماجه) ...... ''جب کوئی آدمی نماز پڑھے تو سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور اس کے قریب ہو کر کھڑا ہو۔''

سیدنا سھل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَةٍ فَلْیَدْنُ مِنْهَا، لَایَقْطَعِ الشَّیْطَانُ عَلَیْهِ صَلَاتَهُ۔)) (ابو داود،نسائی) ......''جب کوئی آدمی سترہ رکھ کر نماز پڑھے تو اس کے قریب کھڑا ہو، تا کہ ایسا نہ ہو کہ شیطان اس کی نماز کاٹ ڈالے۔''

معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو تو شیطان کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔ سترہ کے بارے میں مزید احکام یہ ہیں: سترے کی لمبائی پالان کی پچھلی لکڑی کے طول جتنی ہونی چاہئے۔ (مسلم) امام عبیداللہ مبارکپوری نے کہا: پالان کی پچھلی لکڑی کی لمبائی کے بارے علما کے مختلف اقوال ہیں، کسی نے کہا کہ وہ ایک ہاتھ (ڈیڑھ فٹ) لمبی ہوتی ہے اور کسی نے کہا کہ وہ دو تہائی ہاتھ (ایک فٹ) لمبی ہوتی ہے اور یہی قول مشہور ہے۔ (مرعاة المفاتیح: ۲/ ٤٨٩) معلوم ہوا کہ سترہ کی اونچائی کم از کم ایک فٹ ہونی چاہئے۔ نمازی اور سترے کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ (بخاری) جس حدیث میں کوئی چیز نہ ملنے کی صورت میں لکیر کھینچنے کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہے۔ (ابو داود، ابن ماجه)

نمازی کے آگے سے بعض چیزوں کے گزرنے سے اس کی نماز منقطع ہونا

(٦٩١)۔ عَنْ أَبِی ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ مَمَرِّ الْحِمَارِ، وَالْمَرْأَةِ وَالْكَلْبِ الْأَسْوَدِ۔)) قُلْتُ: ـعَبْدُاللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ۔: مَا بَالُ الْأَسْوَدِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَصْفَرِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَحْمَرِ؟ فَقَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا سَأَلْتَنِی؟ فَقَالَ: ((اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ۔)) (الصحیحة:٣٣٢٣)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(نمازی کے سامنے سے) گدھے، عورت اور کالے کتے کے گزرنے سے نماز دوبارہ پڑھی جاتی ہے۔'' میں (عبداللہ بن صامت) نے کہا: زرد اور سرخ رنگ کے کتوں (کو چھوڑ کر) کالے کتے (کی تخصیص) کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ: ''کالا کتا شیطان ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في"صحيحه": ٢/ ٢١/ ٨٣١، ومن طريقه ابن حبان: ٤/ ٥٤ / ٢٣٨٤

شرح: ...... امام عبدالرحمن مبارکپوری کہتے ہیں: جمہور سلف وخلف کا یہی خیال ہے کہ کسی چیز کے گزرنے سے نماز منقطع نہیں ہوتی اور انھوں نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ نماز کے ثواب میں کمی آ جاتی ہے۔ (تحفة الاحوذی) اس حدیث کی یہی تاویل درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سیدنا سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَةٍ فَلْیَدْنُ مِنْهَا لَایَقْطَعُ الشَّیْطَانُ عَلَیْهِ صَلَاتَهُ۔)) (ابو داود)

......''جب کوئی آدمی سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے تو وہ اس کے قریب ہو جائے، تاکہ شیطان اس کی نماز کو منقطع نہ کر سکے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ سترہ نہ ہونے کی صورت میں شیطان نمازی کے سامنے سے گزرتا رہتا ہے، لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ سترہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے، جب شیطان کے گزرنے سے نماز منقطع نہیں ہوتی تو کالے کتے، جسے شیطان کہا گیا ہے، وغیرہ کے گزرنے سے نماز کیسے منقطع ہو سکتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا علی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: لَا يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ۔ (طحاوی) ......کوئی چیز مسلمان کی نماز کو منقطع نہیں کر سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سترہ کے بغیر نماز پڑھنا بعض احادیث میں ثابت ہے، لیکن سترہ کی اہمیت مسلّم ہے۔

نماز کے لیے مکمل لباس کا اہتمام اور وجہ

(٦٩٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ مَنْ تُزُيِّنَ لَهُ۔)) (الصحيحة:١٣٦٩)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی نماز پڑھے تو وہ دو کپڑے پہن لیا کرے، کیونکہ اللہ تعالی اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کیلیے زیب و زینت اختیار کی جائے۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" ١/ ٢٢١، والطبراني في "المعجم الأوسط" ١/ ٢٨/ ١، والبيهقي في "السنن الكبرى" ٢/ ٢٣٦، وأخرج ابوداود و غيره الشطر الاول من الحديث

شرح:...... حدیث میں دو کپڑوں سے مراد دو چادریں یا قمیص اور تہبند یا قمیص اور شلوار ہیں، دراصل عرب لوگ قلتِ مال کی وجہ سے مخصوص انداز میں ایک چادر لپیٹ کر نماز پڑھ لیتے تھے، انھیں دو کپڑے پہننے کی ترغیب دلائی گئی۔ عام طور پر ہم لوگ اپنے جسم اور لباس کی صفائی کا خیال رکھے بغیر مسجد میں گھس جاتے ہیں، عام کام کاج کے میلے کچیلے کپڑوں میں ہی مسجد میں چلے جانا ہمارا معمول بن چکا ہے، درج بالا اور مندرجہ ذیل فرمودات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی نے مرد کے لیے زیب و زینت کا جتنا سامان پیدا کیا ہے، خود اللہ تعالی اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے لیے یہ سامانِ زینت استعمال کیا جائے، انہی فرمودات کی روشنی میں سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہیئے، لیکن مساجد میں مروجہ پلاسٹک وغیرہ کی بدنما ٹوپیوں سے گریز کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ زینت نہیں ہوتیں۔

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يَبَنِيٓ آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورۂ اعراف: ٣١) ......''اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنی زینت کا اہتمام کیا کرو (یعنی لباس پہن لیا کرو)۔''

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ كِبْرٍ۔)) ......''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر (تکبر) ہو گا۔'' ایک آدمی نے سوال کیا: آدمی کو تو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں (تو اس کا

کیا بنے گا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔)) (مسلم) ... ''یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے، کبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسان کا حسن و جمال اختیار کرنا، اچھے کپڑے اور اچھے جوتے پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، بشرطیکہ وہ اپنے مال و دولت، حسن و جمال، جاہ و منصب، علم و فضل اور حسب و نسب کی وجہ سے خود کو اعلیٰ و برتر اور دوسروں کو کمتر اور حقیر نہ سمجھے۔ عام طور پر نمازِ فجر میں لوگ اور بالخصوص بچے اچھے لباس کا اہتمام نہیں کرتے، شاید یہ ہمارے منصب کے لیے مناسب نہ ہو۔

ذہن نشین رہے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعۂ مبارکہ کی نماز کے لیے سب سے قیمتی، حسین اور بہترین لباس پہننے کی تلقین فرمائی ہے۔

نمازِ جنازہ اور میت کا تذکرۂ خیر کرنے کی فضیلت

(٦٩٣)۔ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا صَلَّوْا عَلَى الْجَنَازَةِ وَأَثْنَوْا خَيْرًا، يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: أَجَزْتُ شَهَادَتَهُمْ فِيْمَا يَعْلَمُوْنَ، وَأَغْفِرُ لَهُ مَالَا يَعْلَمُوْنَ۔)) (الصحيحة:١٣٦٤)

حضرت ربیع بن معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب لوگ میت کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ان نیکیوں کی بنا پر اپنے بندوں کی شہادت کو نافذ کر دیا جن کو وہ جانتے ہیں اور ان برائیوں کو معاف کر دیا جن کو وہ نہیں جانتے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ الكبير" ٢/ ١/ ١٥٤

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے پیروکاروں کو یہ شرف بخشا ہے کہ لوگوں کے اچھا یا برا ہونے کے بارے میں ان کی شہادت معتبر ہوتی ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک میت کا جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کا تذکرۂ خیر کیا، یہ سن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی ہے۔'' اتنے میں لوگ ایک اور میت کا جنازہ لے کر گزرے، لوگوں نے اس کا برا تذکرہ کیا (یعنی اس کے قبیح اوصاف بیان کئے)۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی ہے۔'' سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا واجب ہوگئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم لوگوں نے اس (پہلے) آدمی کا تذکرۂ خیر کیا، تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جب (دوسرے) کا برا تذکرہ کیا، تو اس کے حق میں جہنم واجب ہوگئی ہے۔ (دراصل) تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے شاہد اور گواہ ہو۔'' (بخاری، مسلم) معلوم ہوا کہ لوگوں کی شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے، بشرطیکہ وہ گواہی شریعت کی روشنی میں نیک اوصاف کی بنا پر ہو اور شہادت دینے والے متقی اور عدل پسند لوگ ہوں۔

صاحبِ قرآن کا قرآن یاد رکھنے کا طریقہ

(٦٩٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قَامَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ فَقَرَأَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذَكَرَهُ، وَإِنْ لَّمْ يَقُمْ بِهِ نَسِيَهُ۔)) (الصحيحة:٥٩٧)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب صاحبِ قرآن رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کر کے قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اسے قرآن یاد رہتا ہے، وگرنہ قیام نہ کرنے کی صورت میں بھول جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم في "صحيحه": ٢/ ١٩١، ابن نصر في "قيام الليل": ٧٣

شرح:...... روئے زمین پر قرآن مجید واحد کتاب ہے جو ضخیم ہونے کے باوجود لفظ بلفظ زبانی یاد کر لی جاتی ہے، لیکن اس نعمتِ عظمی سے متصف رہنے کے لیے حافظِ قرآن کو کچھ پابندیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے، سب سے مشکل پابندی یہ ہے کہ وہ رات کی نماز میں قرآن مجید کا دور کیا کرے، یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے کے بعد تقریباً تمام حفاظِ کرام کو قرآن مجید یاد ہوتا ہے، کیونکہ وہ قیام اللیل میں دور کر چکے ہوتے ہیں۔ حفاظِ قرآن کو چاہئے کہ جہاں انھوں نے محنت و مشقت کر کے قرآن مجید حفظ کیا ہے، وہاں اپنے حفظ کو برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکنہ تدبیر استعمال کریں، بالخصوص اپنے آپ کو نیک ماحول میں ڈھال کر اور تہجد کی نماز ادا کر کے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حافظِ قرآن کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے، جس کے گھٹنے کو رسی سے باندھ دیا گیا ہو، اب اگر مالک نے اس رسی کا خیال رکھا تو اونٹ اس کے قابو میں رہے گا اور اگر رسی کو کھول دیا تو وہ بھاگ جائے گا۔'' (بخاری، مسلم)

دعائے استفتاح

(٦٩٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَانَ ﷺ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔)) (الصحيحة:٢٩٩٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو پڑھتے: ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔))...... ''اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیرا مرتبہ بلند ہے اور ما سوائے تیرے کوئی معبودِ (برحق) نہیں۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الدعاء": ٢/ ١٠٤٣/ ٥٠٦، وفي "الاوسط": ١/ ١٧١/ ٣١٩٠

شرح:...... تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں پڑھنا ثابت ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس حدیث کونشر کرنے اور اس کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے بہت اہتمام کرتے تھے، وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے اس دعا کو نماز میں ہی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔(ارواء الغلیل: ۲/ ۵۲) حالانکہ ان کو علم تھا کہ دعائے استفتاح کو پست اور مخفی انداز میں پڑھنا سنت ہے، دراصل وہ لوگوں کو تعلیم دینے پر حریص تھے اور وہ اس دعا کو اس انداز میں ادا کر کے اس حدیث پر عمل کرتے، جس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر کے قیام کی تلاوت کے دوران بعض آیات مقتدیوں کو سنا کر ادا کرتے تھے۔(صحیحه: ۲۹۹۶)

امام جس حالت میں ہو، تاخیر سے آنے والے بلا انتظار اس کے ساتھ مل جائیں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنا فرض ہے

(٦٩٦)۔ عَنِ ابْنِ مُغَفَّلِ الْمُزَنِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِذَا وَجَدتُّمُ الْإِمَامَ سَاجِداً فَاسْجُدُوا أَوْ رَاكِعاً فَارْكَعُوا، أَوْ قَائِماً فَقُومُوا، وَلَا تَعْتَدُّوا بِالسُّجُودِ إِذَا لَمْ تُدْرِكُوا الرَّكْعَةَ۔)) (الصحيحة:١١٨٨)

حضرت ابن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم امام کو سجدہ کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ سجدہ کرو، اگر رکوع کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ رکوع کرو اور اگر قیام کی حالت میں پاؤ تو اس کے ساتھ قیام شروع کر دو۔ لیکن جب تک رکوع نہ ملے اس وقت تک سجدوں کا کوئی اعتبار نہ کرو۔“

تخريج: أخرجه أسحاق بن منصور المروزي في "مسائل أحمد وأسحاق" ١/ ١٢٧/ ١ مصورة المكتب، والبيهقي: ٢/ ٨٩

شرح:...... ہر نمازی، وہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد، اس پر سورۂ فاتحہ کا ہر نماز کی ہر رکعت میں تلاوت کرنا فرض ہے، جیسا کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ”جس شخص نے (نماز میں) سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں۔“

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَائَةُ۔ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: ((لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُ وْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟)) قُلْنَا: نَعَمْ، هٰذًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ ﷺ: ((لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا۔)) (ابوداود، ترمذی) ...... ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازِ فجر ادا کر رہے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قراءت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرائت بھاری ہوگئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا: ”شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرائت کرتے ہو؟“ ہم نے کہا: جی ہاں، تیزی تیزی سے پڑھتے ہیں، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایسے نہ کیا کرو، ہاں سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“

یاد رہے کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے قائل اور فاعل

تھے۔ (کتاب القراء ہ للبیھقی) اور فقہ حنفی میں یہ قانون مسلّم ہے کہ راوی اپنی روایت کو زیادہ سمجھتا ہے۔ جیسا کہ جناب عینی حنفی نے لکھا: اَلصَّحَابِیُّ الرَّاوِیُّ اَعْلَمُ بِالْمَقْصُوْدِ . ...حدیث کو روایت کرنے والا صحابی اپنی روایت کے مقصود کو سب سے بڑھ کر سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری)

نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰی صَلَاۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَھِیَ خِدَاجٌ ، ثَلَاثًا ، غَیْرُ تَمَامٍ ......)) (مسلم) ......''جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کی تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، مکمل نہیں ہے۔'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (تو پھر کیسے پڑھیں)؟ انھوں نے کہا: دل میں تلاوت کرلیا کرو۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی امام کی اقتدا میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنے کا فتوی دیتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اہل ظاہر، امام ابن خزیمہ اور امام بخاری وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ جب تک قیام اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں ہوگی، رکعت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

امام البانی رحمہ اللہ رکوع ملنے پر رکعت کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، انھوں نے اس باب کی سیدنا ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیحہ میں ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے، لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور جن مرفوع احادیث کو بطورِ شواہد پیش کیا ہے وہ بھی ضعیف ہیں یا غیر واضح ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جلسے میں بیٹھنے کا طریقہ

(٦٩٧)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: ((مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَضَعَ أَلْيَتَيْكَ عَلَى عَقِبَيْكَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔))

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ سنت ہے کہ تو نماز میں دو سجدوں کے درمیان (جلسہ میں) اپنے سرینوں (چوتڑوں) کو اپنی ایڑیوں پر رکھے۔

(الصحیحة:٣٨٣)

تخریج: أخرجه الطبرانی فی "المعجم الکبیر": ٣/ ١٠٦/ ١ واخرجه مسلم و ابو عوانة بلفظ: قال طاوس: قلت لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین؟ قال: ھی السنة۔ فقلت: انا لنراہ جفاء بالرجل! قال: ھی سنة نبیك۔

شرح: ...... صحیحہ میں اس حدیث کے طرق میں اس تفصیل کا بیان بھی ہے: طاوس کہتے ہیں: میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ''اقعاء'' کے بارے میں سوال کیا، جس میں قدموں پر بیٹھا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: ایسا کرنا سنت ہے۔ طاوس نے پھر کہا: ہم تو اس کو اکھڑ مزاجی اور اجڈ پن خیال کرتے تھے۔ انھوں نے کہا: یہ تو تیرے نبی کی سنت ہے۔

نیز معاویہ بن خدیج رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے طاوس کو اقعاء کرتے ہوئے دیکھا اور کہا: آپ نماز میں اقعاء کر رہے تھے، کیوں؟ انھوں نے کہا: تو نے صرف مجھے اقعاء کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ یہ تو نماز کا ایک طریقہ ہے، میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو یہ اقعاء کرتے ہوئے دیکھا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں بیٹھنے کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کو ''اِقْعَاء'' کہتے ہیں، جس حدیث میں ''اِقْعَاء'' سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد یہ صورت ہے: پنڈلیوں اور رانوں کو کھڑا کر کے سرینوں پر بیٹھنا اور ہاتھ زمین پر رکھنا۔ معلوم ہوا کہ ''اِقْعَاء'' کی دو صورتیں ہیں، ایک مسنون ہے اور دوسری ممنوع۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث اور ان آثار سے معلوم ہوا کہ ''اقعاء'' کی مذکورہ قسم مشروع ہے، یہ سنت ہے اور ایسا کرنا عبادت ہے۔ یہ کسی عذر کی بنا پر نہیں تھا، جیسا کہ بعض متعصب لوگوں کا خیال ہے۔ ان کی بات کیسے درست ہو گی؟ جبکہ تین صحابہ نے سنت سمجھ کر اس پر عمل کیا اور جلیل القدر فقیہ تابعی طاوس نے ان کی پیروی کی اور امام احمد نے (مسائل المروزی: ۱۹) میں کہا: اہل مکہ بھی ''اقعاء'' کرتے تھے۔

پس جو آدمی اس سنت پر عمل کر کے اس کا احیا کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے یہی سلف کافی ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے دو طریقے ہیں: (۱) دائیاں پاؤں کھڑا رکھنا اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور (۲) دونوں پاؤں کو کھڑا رکھنا اور ان کی ایڑھیوں پر بیٹھ جانا، جسے اقعاء کہتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ آپ ﷺ کی سیرت کو اپناتے ہوئے مختلف اوقات میں دونوں طریقوں پر عمل کیا کریں، تاکہ آپ ﷺ کی کوئی سنت رہ نہ جائے۔ (صحیحہ: ۳۸۳)

''اِقْعَاء'' اور ''تَوَرُّك'' کے معانی اور ان کا نماز سے تعلق

(٦٩٨)۔ عَنْ أَنَسٍ: نَهٰى ﷺ عَنِ الْإِقْعَاءِ وَالتَّوَرُّكِ فِي الصَّلَاةِ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اقعاء اور تورّک سے منع فرمایا۔

(الصحيحة: ١٦٧٠)

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٢٣٣، والسراج في "مسنده": ٤/ ٧٣/ ١

شرح:...... ''جلسے میں بیٹھنے کا طریقہ'' کے عنوان کے تحت اِقعا کے جائز اور ناجائز صورت پر بحث ہو چکی ہے۔

''اِقْعَاء'' کی طرح ''تَوَرُّك'' کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک صورت جائز ہے، جبکہ دوسری جائز۔

تورّک کی ناجائز صورت: نماز میں کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو دونوں کولھوں کے برابر رکھنا۔

جائز صورت: نمازی کا آخری تشہد میں بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کے نیچے سے، باہر نکال کر کولہے پر بیٹھنا جبکہ انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو، جیسا کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:...... فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْأُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ۔ ...... جب آپ ﷺ آخری رکعت کے بعد (تشہد میں) بیٹھتے تو اپنے دائیں پاؤں کو (دائیں پنڈلی کے نیچے سے) آگے کو بڑھا دیتے، اپنے دائیں پاؤں کو گاڑھ کر رکھتے اور اپنے سرین پر بیٹھ جاتے۔ (بخاری)

تشہد کے الفاظ اور درمیانے تشہد میں بھی دعائیں پڑھنے کی اجازت

(٦٩٩)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كُنَّا لَا نَدْرِيْ مَا نَقُوْلُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، غَيْرَ أَنْ نُسَبِّحَ، وَنُكَبِّرَ، وَنَحْمَدَ رَبَّنَا، وَإِنَّ مُحَمَّداً عُلِّمَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ، فَقَالَ: ((إِذَا قَعَدْتُّمْ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَقُوْلُوْا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ! وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ۔)) (الصحيحة:٨٧٨)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ (نماز میں جب) دو رکعتوں (کے بعد بیٹھیں تو) کیا کہا کریں، اتنا ضرور ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تکبیر اور تحمید بیان کرتے رہتے تھے۔ بے شک محمد رسول اللہ ﷺ کو خیر و بھلائی کی ابتدا و انتہا کی تعلیم دی گئی۔ چنانچہ (ایک دن) آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم دو رکعتوں کے بعد بیٹھو تو پڑھا کرو: تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (یہ تشہد پڑھنے کے بعد) ایسی دعاؤں کا انتخاب کرے جو اسے پسند ہوں۔“

تخريج:أخرجه النسائي :١/ ١٧٤، وأحمد: ١/ ٤٣٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٥٥ / ١

شرح:...... تشہد یعنی ”اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ ......“ کے جو الفاظ اب ہم ادا کرتے ہیں، یہ ابتدائے اسلام میں مشروع نہیں تھے، بعد میں فرض ہوئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو رکعتوں کے بعد والے درمیانے تشہد میں بھی نمازی اپنی پسندیدہ اور مختار دعائیں کر سکتا ہے۔ نیز پہلے تشہد میں درود پڑھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ (نسائی) ہمیں معلوم نہیں کہ بعض احباب نے سختی سے درمیانے تشہد میں دعا اور درود پڑھنے سے کیوں روک دیا ہے؟

امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: اس حدیثِ مبارکہ میں ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ پہلے اور درمیانے تشہد میں بھی دعائیں کرنا مسنون عمل ہے، میں نے صرف امام ابن حزم کو اس کا قائل پایا ہے، اگرچہ انھوں نے ایسی مطلق احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جن کو مخالفین مقید روایات کے ذریعے ردّ کر سکتے ہیں، بہرحال یہی مسلک راجح ہے۔ اس باب کی حدیث تو اس مسئلہ میں اتنی واضح اور مفسر ہے کہ اس کو کسی طرح بھی مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر رحم کرے، جو انصاف کرتا ہے اور سنت کی پیروی کرتا ہے۔

اس حدیث سمیت کئی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلکی کتب میں کئی پہلو نبی کریم ﷺ کی سیرت سے منحرف ہیں۔ کیا یہ نکتہ متعصب لوگوں کو سنت کی درس و تدریس پر اور اس کے نور سے منور ہونے پر آمادہ کرے گا؟ ہو سکتا ہے۔

تنبیہ: ...... كَانَ لَا يَزِيدُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ۔ ...... نبی کریم ﷺ دو رکعتوں کے (بعد والے تشہد میں) تشہد والے الفاظ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے منکر ہے، میں اس کی وضاحت (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ٥٨١٦) میں کر چکا ہوں۔

ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا

(٧٠٠)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ تَشَهُّدٌ وَتَسْلِيمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَعَلَى مَنْ تَبِعَهُمْ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ۔)) (الصحيحة: ٢٨٧٦)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھنا ہے اور پیغمبروں اور ان کے پیروکار بندگانِ خدا کے لیے سلامتی کی دعا کرنا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٢٣/ ٣٦٧/ ٨٦٩

شرح: ...... تین یا چار رکعات والی نماز میں ہر دو رکعتوں کے بعد درمیان تشہد پڑھنا اسی حدیث کا مصداق ہے، لیکن یہ قانون تین اور پانچ وتر کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں وتر کی تین اور پانچ رکعتیں درمیانے تشہد کا وقفہ کئے بغیر لگاتار ادا کی جائیں گی۔ وتر کے موضوع پر تفصیل ان دو عناوین ''نمازِ وتر ایک سے نو تک'' اور ''تین رکعت نماز وتر میں دو کے بعد سلام پھیر دینا'' میں دیکھیں۔

دورانِ تشہد انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا

(٧٠١)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: كَانَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّاحَةِ فِي الصَّلَاةِ.)) (الصحيحة: ٣١٨١)

سیدنا عبد الرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (تشہد کے دوران) شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٠٧، والبخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ٢٩٦

(٧٠٢)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ: كَانَ ﷺ إِذَا جَلَسَ فِي الثِّنْتَيْنِ وَفِي الْأَرْبَعِ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ أَشَارَ بِإِصْبَعِهِ۔ (الصحيحة: ٢٢٤٨)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب رسول اللہ ﷺ دو یا چار رکعات کے بعد بیٹھتے تو اپنا ہاتھ گھٹنے پر رکھ دیتے اور (شہادت والی) انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے۔

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ١٧٣، والبيهقي: ٢/ ١٣٢، وأخرجه مسلم: ٢/ ٩٠ نحوه بلفظ: كان اذا قعد يدعو ...... ليس فيه الثنتين و الاربع

شرح: ...... ثابت ہوا کہ دورانِ تشہد شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے گا، لیکن ذہن نشین رہے کہ مکمل تشہد،

وہ پہلا ہو یا دوسرا، کے دوران انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا جاری رکھا جائے گا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَذَا قَعَدَ فِيْ التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّ خَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَدْعُوْ بِهَا)۔ (مسلم) جب رسول اللہ ﷺ تشہد کے لیے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور (دائیں ہاتھ کی) ترپن کی گرہ بنا کر شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِأُصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ ..... (مسلم) جب رسول اللہ ﷺ (نماز میں) تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے۔

تنبیہ: تشہد میں صرف "اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے کے وقت انگلی اٹھانا اور پھر رکھ دینا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

نماز سے فارغ ہونے کے لیے ایک سلام پھیرنا

(۷۰۳)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمَةً وَاحِدَةً۔ (الصحيحة:٣١٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (صرف) ایک طرف (بھی) سلام پھیرا کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" ض ١/ ٤٢/ ٢ ـ زوائد المعجمين، والبيهقي في "السنن": ٢/ ١٧٩.

شرح: ...... مسلم کی روایت کے مطابق بھی آپ ﷺ نے نماز وتر میں ایک سلام پر اکتفا کیا، اس لیے ایک سلام پھیرنا بھی مسنون عمل ہے، اگرچہ افضل دو سلام ہی ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، بلکہ ایک سلام کے بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں یہ روایت صحیح ترین ہے، امام بیہقی نے بھی بعض ایسی روایات نقل کی ہیں، جن کی اسانید میں کوئی نہ کوئی ضعف پایا جاتا ہے، لیکن فی الجملہ ان میں اس حدیث کا شاہد بننے کی صلاحیت موجود ہے، امام بیہقی نے خود ان روایات کے بعد کہا: صحابہ کی ایک جماعت سے ایک سلام پھیرنا مروی ہے، یہ جائز قسم کا اختلاف ہے اور ایک سلام پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

امام ترمذی نے بھی صحابہ کے حوالے سے اسی قسم کی بات کی اور پھر کہا: امام شافعی کہتے ہیں: اگر نمازی چاہے تو ایک سلام پھیر لے اور اگر چاہے تو دو سلام پھیر لے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: نماز کی تکمیل کے لیے ایک سلام پھیرنا فرض ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((......

وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ)).... ''نماز کی تحلیل سلام سے ہی ہوگی۔''

اور دو سلام پھیرنا سنت ہیں، جن میں دوسرے سلام کو بسا اوقات ترک کرنا جائز ہے۔

نبی کریم ﷺ کے نماز کے خارج ہونے کے لیے سلام پھیرنے کے چار طریقے تھے:

(اول)...... ایک سلام پر اکتفا کرنا، ایک سلام پھیرتے وقت چہرے کو معمولی سا دائیں طرف مائل کیا جائے گا۔ (ابن خزیمہ، بیہقی، احمد) (جبکہ دو سلام پھیرتے وقت چہرے کو مکمل طور پر دائیں بائیں پھیرا جائے گا)

(دوم)...... دائیں طرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' اور بائیں طرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ''۔ (نسائی، مسند احمد)

(سوم)...... دائیں اور بائیں دونوں طرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' کہنا۔ (ابوداود، نسائی، ترمذی)

(چہارم)...... دائیں طرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' اور بائیں طرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' کہنا۔ (ابوداود، ابن خزیمہ)

یہ چاروں صورتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، میں نے (صفة صلاة النبی ﷺ) میں سب کی تخریج کی ہے۔ (صحیحہ: ۳۱٦)

نماز کا مختصر طریقہ

ارشادِ نبوی ہے: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ (صحیح بخاری: ٦۳۱)...... ''تم نماز ایسے پڑھو، جیسا کہ تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔'' اس حکم نبوی کے بعد بھی بعض لوگ مرد اور عورت کے طریقہ نماز میں فرق کرتے ہیں، جبکہ یہ فرق نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آیئے! اب ہم رسول اللہ ﷺ کے مبارک اقوال و افعال کی روشنی میں نماز کی ادائیگی کا مکمل طریقہ بیان کرتے ہیں۔

نیت:...... ارشادِ نبوی ہے: اَنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (صحیح بخاری: ٦٦٨۹، صحیح مسلم: ۱۹۰۷) ...... ''اعمال کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے۔'' نیت کا محل دل ہے اور رسول اللہ ﷺ سے زبان سے نیت کرنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

تکبیر تحریمہ:...... قبلہ رخ ہو کر رفع الیدین کریں اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتے ہوئے نماز شروع کر دیں۔

تنبیہات:

(۱) رفع الیدین کے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک (صحیح بخاری: ۷۳٦، صحیح مسلم: ۳۹۰) یا کانوں تک اٹھایا جائے۔ (صحیح مسلم: ۳۹۱)

(۲) رفع الیدین کے وقت انگلیاں نارمل حالت میں کھلی ہوں، یعنی ان کے درمیان نہ زیادہ فاصلہ ہو اور نہ وہ ملی ہوئی

ہوں۔ (ابو داود)

(۳) رفع الیدین کے وقت ہاتھوں سے کانوں کو چھونا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

سینے پر ہاتھ باندھنا:...... خواتین وحضرات کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھا کریں۔ اسی کتاب میں اس عنوان پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

کھڑا ہونے کی کیفیت:......سر کو جھکا لیں اور اپنی نگاہ کو سجدہ گاہ پر رکھیں۔ (بیہقی، حاکم)

دعائے استفتاح:...... تکبیر تحریمہ کے بعد درج ذیل ادعیہ میں سے کوئی ایک دعا پڑھیں:

(۱) اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ (صحيح بخاری: ٧٤٤، صحيح مسلم:٥٩٨)

......اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال دے، جیسے تو نے مشرق ومغرب کے درمیان دوری رکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔

(۲) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (ابو داود:٧٧٥، نسائی: ٩٠٠، ٩٩١، ترمذی: ٢٤٢، ابن ماجه:٨٠٤)

اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیری بزرگی بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں۔

(۳) اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا، وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (صحيح مسلم:٦٠١)

اللہ سب سے بڑا ہے، بہت بڑا۔ ساری تعریف اس کی ہے، جو بہت زیادہ ہے۔ وہ پاک ہے، صبح وشام ہم اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کلمات کیلیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، ذُوْ الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ۔ (ابو داود:٨٧٤، نسائی: ١٠٧٠، ١١٤٦)

اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ وہ بادشاہی، قہر، بڑائی اور عظمت والا ہے۔

تعوذ:......کوئی ایک تعوذ پڑھیں:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ، مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ (ابو داود: ٧٧٥، ترمذی: ٢٤٢)

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود (کی شر) سے، اس کے خطرے سے، اس کی پھونکوں سے اور اس کے وسوسے سے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (مصنف عبد الرزاق: ۲۵۸۹، الاوسط لابن المنذر: ۱۳۷۷)
میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود (کی شر) سے۔

سورۂ فاتحہ: ...... ہر نمازی، وہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد، پر سورۂ فاتحہ کا ہر نماز میں تلاوت کرنا فرض ہے، دیکھیں: ''ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنا فرض ہے''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ آمِيْن۔(سورۂ فاتحہ)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو انتہائی رحم کرنے والا بہت مہربان ہے۔
ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ انتہائی رحم کرنے والا بہت مہربان ہے۔ جزاء کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہوئے۔ (آمین)

آمین کہنا: ...... جہری نماز میں امام اور مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں، اسی کتاب میں دیکھیں: ''آمین'' کہنے کی فضیلت'' اور اس موضوع سے متعلقہ دوسرے عنوان

سورۂ فاتحہ کے بعد تلاوت: ......سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرنا بلندئ درجات کا باعث اور روحِ نماز ہے، لہٰذا ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنے کی کوشش کی جائے اور روایتی انداز کو اپناتے ہوئے صرف کسی ایک سورت پر اکتفا نہ کیا جائے۔ اس ضمن میں درج ذیل تنبیہات کو مد نظر رکھیں۔

(۱) قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کا پڑھا جائے، جیسا کہ
ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا﴾ (سورۂ مزمل: ٤)...... ''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر۔''
(۲) ہر آیت پر وقف کیا جائے۔(ابو داود: ٤٠٠١، ترمذی: ٢٩٢٧ وله شاهد قوی فی مسند احمد: ٦/ ٢٨٨)
(۳) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرنا(صحیح بخاری: ٧٧٦، صحیح مسلم: ٤٥١) اور فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی تلاوت کرنا(صحیح مسلم: ٤٥٢) دونوں طرح درست ہے۔
(۴) بعض احباب ہونٹ بند کر کے تلاوت کر رہے ہوتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

رکوع: ...... ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہہ کر درج ذیل ہیئت کے ساتھ رکوع کیا جائے:

(۱) پیٹھ کو بالکل سیدھا کرنا۔(ابوداود: ٨٥٥، نسائی: ١٠٢٨، ترمذی: ٢٦٥)
(۲) سر نہ زیادہ نیچے ہو اور نہ زیادہ اونچا۔(صحیح مسلم٤٩٨)

(۳) ہتھیلیاں گھٹنوں پر یوں رکھی ہوئی ہوں گویا کہ ان کو پکڑا ہوا ہے (صحیح بخاری : ۸۲۸) اور انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہو۔ (مسند احمد : ٤ / ۱۲۰، ابو داود : ۸٦۳، نسائی : ۱۰۳۷)

(۴) کہنیوں کو پہلوؤں سے دور رکھنا۔ (ایضاً)

(۵) مکمل اطمینان کے ساتھ رکوع کرنا۔ (صحیح بخاری : ۷۹۳، صحیح مسلم : ۳۹۷)

(٦) بازوؤں کو کمان کی تانت کی طرح سیدھا رکھنا۔ (ابو داود : ۷۳٤، ترمذی : ۲٦۰)

اور درج ذیل ادعیہ میں کوئی ایک دعا پڑھنا:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔ (صحیح بخاری: ۷۹٤، صحیح مسلم: ٤٨٤)

اے ہمارے رب! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، اے اللہ! مجھے بخش دے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔ (مسلم:۷۷۲)

میرا رب پاک ہے، جو عظیم ہے۔

کم از کم تین دفعہ مستحب ہے۔ (مسند احمد : ٥ / ۳٤۳، ابو داود : ۸۷۰، ابن ماجه : ۸۸۸)

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ (مسلم: ٤٨٧)

نہایت پاک ہے فرشتوں اور روح (جبریل امین) کا رب۔

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ۔ (ابو داود : ۸۷۳، نسائی : ۱۰۵۰)

پاک ہے غلبے، بادشاہی، بڑائی اور بزرگی والا (اللہ)۔

تنبیه:...... مذکورہ بالا دعائیں بار بار پڑھی جا سکتی ہیں، زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر نہیں۔

پھر درج ذیل کلمات کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھایا جائے:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ۔ (صحیح بخاری : ۷۸۹، صحیح مسلم : ۳۹۲)

اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔

قبل از رکوع اور بعد از رکوع رفع الیدین کیا جائے، اسی کتاب میں اس عنوان پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

تنبیه:...... قبل از رکوع، بعد از رکوع اور تیسری رکعت کی ابتدا میں رفع الیدین نہ کرنا کسی مستند اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

قومه:...... قومہ میں درج ذیل دو دعاؤں میں سے کوئی ایک دعا پڑھنی چاہیے:

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ۔ (صحیح بخاری : ۷۹۹)

اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی واسطے تعریف ہے، بہت زیادہ، پاکیزہ اور بابرکت تعریف۔

جب صحابی نے یہ دعا پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے کوئی تینتیس چونتیس فرشتے دیکھے جو ان کلمات کا

ثواب لکھنے کے لیے جلدی کر رہے تھے۔"

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔ (صحیح مسلم: ٤٧٦)

اے ہمارے پروردگار اللہ! تیرے ہی واسطے تعریف ہے، آسمانوں بھر، زمین بھر اور ہر اس چیز کے بھراؤ کے برابر جو تو چاہے۔

تنبیہ:...... صرف "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" (صحیح بخاری: ٨٣٥) یا "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہنا بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری: ٧٨٩، صحیح مسلم: ٤٧٧)

قومہ میں بار بار "لِرَبِّيَ الْحَمْدُ" (میرے رب کے لیے تمام تعریف ہے) کا ذکر کرنا بھی درست ہے۔ (ابو داود: ٨٧٤، نسائی: ١١٣٣)

سجدہ:...... پھر آپ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے ہوئے درج ذیل ہیئت کے ساتھ سجدہ کیا جائے:

(۱) سجدے میں گرتے وقت ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھیں۔ (ابو داود: ۸۴۰، نسائی: ۱۰۹۰)

(۲) سات اعضا (ناک سمیت پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں) پر سجدہ کریں۔ (صحیح بخاری: ٨١٢، صحیح مسلم: ٤٩٠)

(۳) دونوں ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھیں (ابو داود: ٧٣٤، ترمذی: ٢٦٠، ابن ماجه: ٨٦٣) کہنیاں بھی زمین سے بلند ہوں (صحیح مسلم: ٤٩٤) اور سینہ، پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی ہوں، پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے جدا ہوں اور دونوں رانیں بھی ایک دوسرے سے الگ الگ رکھی جائیں۔ (ابو داود: ٧٣٠، ٧٣٤، ترمذی: ٣٠٤)

(۴) پاؤں کی ایڑیاں ملی ہوں (مستدرك حاكم: ١/ ٢٢٨، صحیح ابن خزیمه: ١/ ٣٢٨ حدیث: ٦٥٤) پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوں اور پاؤں کھڑے ہوں۔ (صحیح بخاری: ٨٢٨)

(۵) ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوں اور قبلہ رخ ہوں۔ (حاكم: ١/ ٢٢٧، بیهقی: ٢/ ١١٢)

(۶) ہاتھوں کو کندھوں (ابو داود: ٨٥٨، ترمذی: ٢٥٥، ابن ماجه: ٨٥٨) یا کانوں کے برابر رکھیں۔ (نسائی: ١١٠٣)

اور درج ذیل ادعیہ میں سے کوئی ایک دعا پڑھیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ (صحیح بخاری: ٧٩٤، مسلم: ٤٨٤)

اے ہمارے رب! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، اے اللہ! مجھے بخش دے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (مسلم: ٧٧٢)

میرا پروردگار پاک ہے، جو بلند و بالا ہے۔

کم از کم تین دفعہ کہنا مستحب ہے۔ (مسند احمد: ٥/ ٣٤٣، ابو داود: ٨٧٠، ابن ماجه: ٨٨٨)

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ۔(مسلم: ٤٨٧)

نہایت پاک ہے فرشتوں اور روح (جبریل امین) کا رب۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (مسلم: ٤٨٣)

اے اللہ! میرے چھوٹے اور بڑے، پہلے اور پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ، تمام گناہ بخش دے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا دعائیں بار بار پڑھی جا سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر نہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

پھر آپ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھائیں۔

جلسہ: ...... جلسہ میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھیں (صحیح مسلم: ٤٩٨) اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوں (نسائی: ١١٥٩) اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں (صحیح مسلم: ٤٩٨، ابو داود: ٧٣٠، ترمذی: ٣٠٤) یا دونوں پاؤں کھڑے رکھیں اور ان پر بیٹھ جائیں۔ (صحیح مسلم) اور درج ذیل دعا تکرار کے ساتھ پڑھیں:

رَبِّ اغْفِرْلِيْ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ - (ابو داود: ٨٧٤، نسائی: ١٠٧٠، ابن ماجه: ٨٩٧)

اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے۔

تنبیہ: دوسرے سجدے اور بقیہ رکعات میں مذکورہ بالا طریقہ کار ہی اپنائیں۔

جلسۂ استراحت: ...... پہلی اور تیسری رکعت کے بعد، یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے ایک دفعہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں اور پھر ہاتھوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوں۔ (صحیح بخاری: ٨٣٠)

تشہد: ...... درمیانے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ:

دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں (صحیح بخاری: ۸۲۸)

آخری تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ:

(۱) ...... دایاں پاؤں کھڑا رکھیں، بائیں پاؤں کو (دائیں پنڈلی کے نیچے سے باہر) نکالیں اور بائیں جانب کے کولہے پر بیٹھ جائیں۔ (صحیح بخاری: ۸۲۸) یا (۲) ...... دونوں پاؤں کو (دائیں) جانب نکال لیں اور بائیں جانب کے سرین پر بیٹھ جائیں۔ (صحیح مسلم: ۵۷۹، ابوداود: ۹۸۸، نسائی: ۱۲۷۶ مختصراً)

تشہد میں بازوؤں کی کیفیت:

(۱) ...... دونوں بازوؤں کو کہنیوں سمیت رانوں پر رکھ دینا۔ (نسائی: ۱۲۶۵)

(۲) ...... بائیں بازو کو سیدھا (یعنی اکڑا کر) رکھنا۔ (نسائی: ۱۲۷۱)

تنبیہ: ...... تشہد کے دوران اپنی نظر انگشتِ شہادت اور اس کے اشارے کی طرف رکھیں۔ (ابو داود:

۹۹۰، نسائي: ۱۱٦۱ واصله في مسلم: ۵۷۹) اور پڑھیں:
اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (صحيح بخاري: ۸۳۵، صحيح مسلم: ۴۰۲)

تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ کیلیے ہیں، اے نبی: آپ پر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں (یہ بھی) گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

تنبیہ:...... پہلے تشہد میں کوئی ایک یا زائد پسندیدہ دعائیں کرنا اور درود پڑھنا درست ہے۔ (نسائی:۱۱۶۴)
ہمیں معلوم نہیں کہ بعض احباب نے سختی سے اِس تشہد میں دعا اور درود پڑھنے سے کیوں روک دیا ہے؟

تشہد کے دوران شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا:...... مکمل تشہد، وہ پہلا ہو یا دوسرا، کے دوران انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا جاری رکھا جائے گا، جیسا کہ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَذَا قَعَدَ فِيْ التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّ خَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَدْعُوْ بِهَا).

(صحيح مسلم: ۵۸۰)

جب رسول اللہ ﷺ تشہد کے لیے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور (دائیں ہاتھ کی) ترپن کی گرہ بنا کر شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِأَصْبعِهِ السَّبَّابَةِ ......۔ (صحيح مسلم: ۵۷۹)

جب رسول اللہ ﷺ (نماز میں) تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے۔

تنبیہ:...... مذکورہ بالا دو احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تشہد کے دوران ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا اور رانوں پر رکھنا دونوں طرح درست ہے۔

تنبیہ:...... تشہد میں صرف "اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے کے وقت انگلی اٹھانا اور پھر رکھ دینا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اشارہ کرنے کے طریقے:

(۱) دو انگلیوں کو بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لینا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا۔ (ابو داود: ۹۵۷، نسائی: ۱۲٦۵، ابن ماجہ: ۹۱۲)

(۲) تین انگلیوں کو بند کر کے انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھنا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا۔ (صحیح مسلم: ۵۷۹)

(۳) ترپن کی گرہ لگانا (..... تین انگلیوں کو ہتھیلی کے قریب ترین حصے کے ساتھ بند کر کے انگوٹھے کو شہادت والی انگلی کی آخری گرہ کے نیچے رکھنا)۔ (صحیح مسلم: ۵۸۰)

تنبیہ:..... اشارے کے دوران انگلی کو حرکت دینا (نسائی: ۸۹۰) اور نہ دینا دونوں (مسند احمد: ٤/ ۵۷) طرح جائز ہے۔

درود پاک:..... درج ذیل دو میں سے کوئی ایک پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ! رحمت فرما محمد (ﷺ) آلِ محمد (ﷺ) پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور آل ابراہیم (علیہ السلام) پر، بیشک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت فرما محمد (ﷺ) اور آل محمد (ﷺ) پر جس طرح تو نے برکت فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور آل ابراہیم (علیہ السلام) پر، بیشک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۳۷۰)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ! رحمت فرما محمد (ﷺ)، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی آل ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ اور برکت فرما محمد (ﷺ)، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر جس طرح تو نے برکت فرمائی آل ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ بیشک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۳٦۹، صحیح مسلم: ٤۰۷)

درود کے بعد کی دعائیں:..... پہلی دعا کا اہتمام کریں، اس کے بعد درج ذیل اور خیر پر مشتمل کوئی دوسری دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں، صحیح بخاری (۸۳۵) اور صحیح مسلم (۴۰۲) کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے نمازی کو اس کی پسند کی دعائیں کرنے کی اجازت دی ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ

فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔ (صحیح مسلم: ٥٨٨)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم اور قبر کے عذاب سے، موت وحیات کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے کی شر سے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ دعا قرآن کی سورتوں کی طرح سکھاتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ ، اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (صحیح بخاری: ٨٣٤، صحیح مسلم: ٢٧٠٥)

اے اللہ! بلاشبہ میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے، اور تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا، پس اپنی جناب سے مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مطالبے پر انہیں یہ دعا سکھائی تھی۔

رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ (ابوداود: ١٥٢٢، مسند احمد: ٥/ ٢٤٤، نسائی: ١٣٠٤)

اے میرے رب! ذکر کرنے، شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔

یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہئے، جیسا کہ مسند احمد اور نسائی کی روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

سلام: ..... پھر دائیں اور بائیں دونوں طرف چہرہ پھیرتے ہوئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہیں۔

(ابوداود: ٩٩٦، ترمذی: ٢٩٥، نسائی: ١٣٢٠)

دائیں طرف چہرہ پھیرتے ہوئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه" کہیں اور بائیں طرف چہرہ پھیرتے ہوئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہیں۔ (ابوداود: ٩٩٧)

تنبیہ: ...... صرف ایک طرف بھی سلام پھیرنا درست ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ وتر میں ایک ہی سلام پر اکتفا کیا۔ (صحیح مسلم: ٧٤٦)

نماز کے بعد والے اذکار

(٧٠٤)۔ عَنْ أَبِی أُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِیِّ فِی دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، لَمْ يَحُلْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ۔)) (الصحيحة: ٩٧٢)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کی تو اس کے اور جنت کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، سوائے موت کے۔''

تخريج: أخرجه ابن السني: ١٢٩، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ١٨٢/ ١٠٠، والطبراني في "الكبير": ٨/ ١٣٤/ ٧٥٣٢، و"الاوسط": ٢/ ٢٠٩/ ٨٢٣٤، وابو نعيم في "اخبار أصبهان": ١/ ٣٥٤،

وابن السنی: ۱۲۰

شرح:...... یہ فرض نمازوں اور اللہ تعالی کے کلام کی برکت ہے۔لیکن بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ فرضی نمازوں کے بعد روایتی سی دعا مانگنے کے لیے چند لمحات کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور پھر سنتیں ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ان لوگوں کو عجلت اور سابق جاہلانہ زندگی کی روٹین نے دھوکا دے رکھا ہے۔

(۷۰۵)۔ عَنْ عُقْبَةَ ، قَالَ: قَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِقْرَؤُوْا الْمُعَوِّذَاتِ فِی دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔)) (الصحیحة: ٦٤٥)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ہر نماز کے بعد معوذات سورتیں (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھا کرو۔''

تخریج: أخرجه النسائی: ۱/ ۱۹٦ ، وابن خزیمة فی "صحیحه": ۷۵۵ ، وعنه ابن حبان: ۲۳٤۷ ، والطبرانی: ۱۷/ ۲۹۵/ ۸۱۲ ، ومن هذا الوجه رواه اصحاب السنن بنحوه ، وهو مخرج فی "صحیح ابی داود": ۱۳٦۳

شرح:...... عام طور پر فرضی نمازوں کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کی جاتی ہے،لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تلاوت بھی کرنی چاہئے۔

(۷۰٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: كَانَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔)) (الصحیحة: ۲۰۷٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے: جب رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے تو اس دعا کے پڑھنے کے بقدر بیٹھتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔)) اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے، اے جلال و اکرام والے! تو بابرکت ہے۔

تخریج: رواه مسلم: ۲/ ۹۵ ، وأبو یعلی فی "مسنده": ۲۲٤/ ۲ ، وابن منده فی "التوحید": ٦۱/ ۱

شرح:...... بلاشبہ نبی کریم ﷺ سے اس دعا کی مقدار سے زیادہ دیر بیٹھنا ثابت ہے۔اس لیے اس حدیث کو اگر اس کے ظاہری معنی پر محمول کریں تو معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ بسا اوقات اتنے مختصر وقت کے لیے بیٹھتے تھے، اور اگر زیادہ دیر بیٹھنے پر دلالت کرنے والی احادیث کو دیکھا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔)) کہتے اور پھر دائیں یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے اور بقیہ اذکار کرتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷۰۷)۔ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وراد بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی

فِيكِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ حِينَ يُسَلِّمُ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.)) (الصحيحة:١٩٦)

طرف ایک خط لکھوایا، اس میں یہ بات بھی تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر فرضی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، تعریف اسی کی ہے اوور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی شان والے کو اس کی شان تجھ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''

تخريج: رواه البخاري: ٢/ ٢٦٤-٢٦٥، ومسلم: ٢/ ٩٥، وأبوداود: ١/ ٢٣٦، والنسائي: ١/ ١٩٧، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ١١٢، وأحمد: ٤/ ٢٤٥، ٢٤٧، ٢٥٠، ٢٥٤، ٢٥٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس ذکر کا تعلق فرضی نماز کے بعد سے ہے، جو لوگ فرضی نمازوں کے بعد صرف "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ......" پڑھنے اور باقی اذکار بعد والی سنتوں کے بعد کرنے قائل ہیں، وہ اس ذکر کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں۔

دورانِ نماز، نمازی کی کیفیت

(٧٠٨)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: عِظْنِي وَأَوْجِزْ، فَقَالَ: ((إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ، فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ.)) (الصحيحة:٤٠١)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی بلیغ و مختصر نصیحت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نماز ادا کرے تو (اپنی زندگی کی) آخری نماز سمجھ کر ادا کر اور ایسا کلام مت کر کہ جس سے کل تجھے معذرت کرنا پڑے، نیز جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے ناامید (اور غنی) ہو جا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٣/ ٢/ ٢١٦، وابن ماجه: ٢/ ٥٤٢، وأحمد: ٥/ ٤١٢، وأبو نعيم في "الحلية": ١/ ٣٦٢، والبيهقي في "الزهد الكبير": ١٣/ ٢

شرح:...... محمد رسول اللہ ﷺ نے تین نصیحتوں میں پوری زندگی کا سکون جمع کر دیا ہے۔ کوئی بشر اپنی موت سے آگاہ نہیں ہے، اس لیے اسے چاہئے کہ وہ ہر نماز کو اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر انتہائی خوبصورت انداز میں ادا کرے، تاکہ اگر اس نماز کے بعد اس کو موت آ جاتی ہے تو وہی نماز اس کی نجات کے لیے کافی ہو جائے۔ دوسری نصیحت میں شارع علیہ السلام نے زبان کی حفاظت کی تعلیم دی ہے، تاکہ بعد میں کسی قسم کی شرمندگی اور ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے،

یہ زبان ہی ہے جس سے آدمی کی شخصیت عیاں ہوتی ہے، اگر زبان میں وقار ہے تو پورے وجود میں سنجیدگی ہو گی اور اگر زبان ہر چراگاہ میں چرنے کی عادی ہو تو جسم بھی بے حیا ہو جاتا ہے۔ تیسری نصیحت میں آپ ﷺ نے لالچ اور حرص جیسی مذموم صفات سے گریز کرنے کی تلقین کی ہے، کیونکہ ان قبیح صفات کی وجہ سے انسان میں کمینگی اور گھٹیا پن پیدا ہو جاتا ہے، جو اس کے مقام و مرتبہ کو جانوروں سے بھی گھٹا دیتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالی پر توکل کرے، اور اسے رازق سمجھے، لوگوں کے مال و دولت پر نگاہ نہ رکھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی فاقہ میں مبتلا ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جو آدمی اس کا اظہار اللہ تعالی کے سامنے کرے تو اللہ تعالی اسے رزق عطا فرمائے گا، وہ جلد ہو یا بہ دیر۔'' (ابوداود، ترمذی)

(۷۰۹)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ يَقُوْلُ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! حَدِّثْنِي حَدِيْثاً وَاجْعَلْهُ مُوْجَزًا، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((صَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ، كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ كُنْتَ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ وَأْيَسْ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ تَعِشْ غَنِيًّا، وَإِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة: ۱۹۱٤)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی حدیث بیان کرو، لیکن مختصر سی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کی طرح نماز پڑھا کر، جسے الوداع کہا جا رہا ہو (اور اس طرح نماز پڑھو کہ) گویا کہ تم اس (اللہ) کو دیکھ رہے ہو۔ اگر آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے تو (یہ تو یقین کر لو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے، جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے ناامید ہو جاؤ، غنی کی زندگی گزارو گے اور جن چیزوں سے معذرت کی جاتی ہے، ان سے بچو۔''

تخريج: أخرجه في"التاريخ": ۳/ ۲/ ۲۱٦، والمخلص في"الفوائد المنتقاة": ٦/ ٧٤/ ٢، والطبراني في"الأوسط": ٤٥٨٨، والقضاعي في"مسند الشهاب": ٨٠/ ٢، والبيهقي في"الزهد": ٦٢/ ١-٢، والقاضي الشريف أبو علي في"مشيخته": ١/ ١٧٣/ ٢، وابن النجار في"ذيل تاريخ بغداد": ١٠/ ١٦/ ١، والضياء المقدسي في"المختارة":

شرح:...... حدیث مبارکہ میں بیش قیمت نصیحتوں سے نوازا گیا ہے، خصوصاً ہر نماز کو اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر انتہائی احسن انداز میں ادا کرنا، کیونکہ کسی نہ کسی نماز کے بعد موت تو آئے گی، یہ نصیحت نماز کو اچھے انداز میں ادا کرنے پر اکساتی ہے اور آدمی اپنی اور بالخصوص اپنی زبان کی حفاظت کرے، تاکہ نامناسب جملوں یا نامناسب رویوں کے بعد اسے معذرت نہ کرنا پڑے۔ انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ سنجیدگی و وقار کے ساتھ پیش آئے اور اکھڑ پن، کھردرے مزاج یا زیادہ مذاق کرنے سے گریز کرے۔

قبولیتِ دعا کے اوقات

(٧١٠)۔ عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا نُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَاسْتُجِيْبَ الدُّعَاءُ۔)) (الصحيحة:١٤١٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده" رقم ٢١٠٦، والخطيب فى "التاريخ": ٨/ ٢٠٤، والضياء فى "المختارة": ١٢٧/ ٢

شرح:...... دن اور رات کا ہر لمحہ اللہ تعالی کی مخلوق ہے، جس آن اس کو پکارا جائے، وہ پکارنے والے کی قدر کرتا ہے، لیکن یہ اس کی حکمت و دانائی ہے کہ اس نے بعض اوقات کو بعض پر ترجیح دی ہے۔ ایک گھڑی کا ذکر اس حدیث مبارکہ میں کر دیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ مکمل توجہ اور انہماک اور صدقِ دل سے اذان کے کلمات کا جواب دیں اور ان کے بیچ اگر موقع ملے تو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا سوال کریں۔

(٧١١)۔ عَنْ مَكْحُوْلٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اُطْلُبُوْا إِجَابَةَ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْتِقَاءِ الْجُيُوْشِ وَإِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَنُزُوْلِ الْمَطَرِ۔)) (الصحيحة:١٤٦٩)

مکحول کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت قبولیتِ دعا کا مطالبہ کرو جب (میدانِ جنگ میں اسلام اور کفر کے) لشکر آپس میں ٹکرا رہے ہوں، نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی ہو اور بارش کا نزول ہو رہا ہو۔''

تخريج: أخرجه الشافعي في "الأم" ١/ ٢٢٣۔ ٢٢٤

شرح:...... اس حدیث میں قبولیتِ دعا کے لیے تین اوقات کا تعین کیا گیا ہے۔

(٧١٢)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ مَرْفُوْعاً: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، وَجَوْفُ اللَّيْلِ الآخِرِ أَجْوَبُهُ دَعْوَةً۔)) قَالَ: قُلْتُ: أَوْجَبُهُ؟ قَالَ: ((لَا، بَلْ أَجْوَبُهُ۔)) يَعْنِي بِذٰلِكَ الْإِجَابَةَ۔ (الصحيحة:١٩١٩)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور رات کے آخری حصے میں دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔'' میں نے کہا: کیا اس حصے میں دعا کرنا واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، نہیں، (میں کہہ رہا ہوں کہ) دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٨٧، والطبرانى فى "الكبير"، روى الترمذى الشطر الآخر منه

شرح:...... اگرچہ دن اور رات کی ہر گھڑی اللہ تعالی کی امانت ہے، وہ ہر وقت اپنے بندے کی پکاروں کا منتظر رہتا ہے، لیکن عام اوقات کی بہ نسبت بعض وقتوں میں اس کی رحمت اور قبولیت میں زیادہ وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ ممکن

ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ بعض گھڑیوں کا تعین کر کے بندے کی حرص کو بڑھا کر اسے اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونے کا موقع دیا جائے۔

جہاں نمازِ تہجد، رات کی آخری ساعتوں میں اللہ تعالی کو پکارنا اور اس سے خیر و عافیت کا سوال کرنا عظیم کارِ ثواب ہیں، وہاں فرزندانِ امت نے اسی حساب سے ان امور میں غفلت برتی ہے۔ اللہ تعالی سے استدعا ہے کہ وہ ہماری توجہ کو اعمالِ صالحہ کی طرف مبذول کر دے۔ (آمین)

رات کی آخری ساعتوں میں نمازِ تہجد ادا کرنا، اللہ تعالی کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا امت مسلمہ میں مفقود ہو چکا ہے، جو بہت بڑی غفلت اور کاہلی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم مفقود امور کی ادائیگی کی پابندی کریں تاکہ امت میں نیکی کا رجحان بڑھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالی آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر کہتے ہیں: کوئی ہے جو مجھے پکارے، تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، تاکہ میں اس کو عطا کر دوں۔ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے، تاکہ میں اس کو بخش دوں۔'' (بخاری، مسلم)

اگر دورانِ نماز وضو ٹوٹ جائے تو

(٧١٣)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ رِيْحاً فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ۔)) (الصحيحة: ١٤١٤)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر نماز میں کسی کی ہوا نکل جائے تو وہ چلا جائے اور وضو کرے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط" ٢٤/ ١ ـ ٢ من ترتيبه

شرح:...... چونکہ وضو، نماز کے لیے شرط ہے، اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، لہذا وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں نمازی کو چاہیے کہ وہ نماز ترک کر دے اور وضو کر کے دوبارہ مکمل نماز ادا کرے۔

سجدوں کی فضیلت

(٧١٤)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: مُرْنِي بِأَمْرٍ أَنْقَطِعُ بِهِ قَالَ: ((اِعْلَمْ أَنَّكَ لَاتَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ بِهَا عَنْكَ خَطِيْئَةً۔)) (الصحيحة: ١٤٨٨)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: آپ مجھے ایسا حکم دیں کہ میں اسی کا ہو کر رہ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جان لے کہ تو جب بھی اللہ تعالی کے لیے سجدہ کرتا ہے، تو وہ تجھے ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور تیرا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٤٨ ـ ٢٤٩ ـ ٢٥٥ ـ ٢٥٨، وابن نصر في "الصلاة" ٦٥/ ٢

شرح:...... اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا انتہائی عاجزی وانکساری کا اظہار ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان کو اس طریقۂ بندگی سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم کا (مسلمان) بیٹا سجدۂ تلاوت والی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے، اس حال میں کہ وہ رو رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے: ہائے میری ہلاکت! ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا، (اس نے اس حکم کو تسلیم کرتے ہوئے) سجدہ کیا، اسے جنت ملے گی، جبکہ میں نے سجدے کا حکم ملنے پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، جس کی وجہ سے مجھے آتش دوزخ ملے گی۔ (مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کو جنت میں اپنی مرافقت کے حصول کیلیے کثرت سے سجدے کرنے کا حکم دیا۔ (مسلم)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم کثرت سے نفلی نماز پڑھیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ سجدے کرنے کا شرف حاصل ہو اور قرآن مجید کی تلاوت کریں تاکہ سجدۂ تلاوت والی آیات پڑھنے اور پھر سجدے کرنے کا موقعہ ملے۔ یاد رہے کہ سجدۂ تلاوت والی آیت کے فوراً بعد سجدہ کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔

نمازِ فجر کے بعد نمازِ چاشت پڑھ کر لوٹنے والے شخص کی فضیلت

(۷۱۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثاً، فَأَعْظَمُوا الْغَنِيْمَةَ، وَأَسْرَعُوا الْكَرَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا رَأَيْنَا بَعْثَ قَوْمٍ بِأَسْرَعَ كَرَّةً وَأَعْظَمَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ، فَقَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَسْرَعَ كَرَّةً وَأَعْظَمَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ؟ رَجُلٌ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهُ ثُمَّ تَحَمَّلَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْغَدَاةَ، ثُمَّ عَقَّبَ بِصَلَاةِ الضُّحٰى، فَقَدْ أَسْرَعَ الْكَرَّةَ، وَأَعْظَمَ الْغَنِيْمَةَ))

(الصحيحة:۲۵۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا (جہادی) لشکر روانہ کیا، جس نے بکثرت غنیمت حاصل کی اور بہت جلدی واپس لوٹا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس سے جلدی لوٹنے والا اور زیادہ غنیمت حاصل کرنے والا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمھارے لیے (ایسے لشکر کی) نشاندہی نہ کروں جو اس سے بھی جلدی لوٹنے والا اور زیادہ غنیمت حاصل کرنے والا ہے؟ ایک آدمی جو گھر میں اچھے انداز میں وضو کرتا ہے، پھر مسجد کی طرف جاتا ہے، نمازِ فجر ادا کرتا ہے، پھر نمازِ ضحیٰ کے لیے وہیں بیٹھا رہتا ہے (یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لیتا ہے)، ایسا آدمی جلدی لوٹنے والا اور زیادہ غنیمت حاصل کرنے والا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٤/ ١٥٣٠، ١٥٣١، من طريقه ابن حبان: ٦٢٩، وابن عدي في "الكامل": ٢/ ٢٧٥

شرح:...... حکمت و دانائی کا وصف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ

صحابہ رضی اللہ عنہم ایک محسوس چیز، جس کا تعلق دنیوی فائدے سے ہے، پر تعجب کر رہے ہیں، تو انھیں غیر محسوس چیز کی طرف منتقل کیا۔ یعنی جو آدمی نماز فجر کے لیے گھر سے روانہ ہوتا ہے اور نمازِ چاشت ادا کر کے واپس آتا ہے تو ایسے آدمی کو روحانی طور پر اور اخروی اعتبار سے جتنا فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ دنیوی اعتبار سے جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ غنیمت حاصل کرنے والے کو نہیں ہوتا ہے۔

(۷۱٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ ، تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٣)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے نمازِ فجر باجماعت ادا کی، اس کے بعد بیٹھ کر ذکر کرتا رہا، حتی کہ سورج طلوع ہو گیا، پھر اس نے دو رکعتیں پڑھیں، تو اسے مکمل، مکمل اور مکمل حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔“

تخریج: أخرجه الترمذي: ٥٨٦ ، والأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٩٠/ ١٩٣٠

شرح: ...... اس حدیث میں اللہ تعالی کے کمال فضل واحسان کی عظیم جھلک پیش کی گئی ہے، لیکن ہمارے ہاں اکثر لوگ یہ اجر و ثواب حاصل کرنے سے محروم ہیں، بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ طویل زندگیاں بیت جانے کے باوجود کثیر مسلمانوں کو اس حدیث پر عمل کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہو گا۔ ہمیں اپنے طرزِ حیات کا جائزہ لینا چاہیے اور شرعی احکام کو اپنے نفس اور نیند پر ترجیح دینا چاہیے، تاکہ دنیا و آخرت کے لحات پرسکون بن جائیں۔

نمازِ فجر سے طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرنا

(۷۱۷)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ: كَانَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (الصحيحة: ٢٩٥٤)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تو اسی جائے نماز میں طلوعِ آفتاب تک چار زانو ہو کر بیٹھے رہتے۔

تخریج: أخرجه أبوداود: ٤٨٥٠ ، وأخرجه مسلم و غيره من طرق اخرى عن سماك بالفاظ وزيادات متعددة دون التربع ، وهو مخرج في "صحيح ابى داود": ١١٧١ ، وهذه السلسلة: ٤٦٣

شرح: ...... نماز فجر ادا کر کے طلوع آفتاب تک جائے نماز میں بیٹھے بہت زیادہ اجر و ثواب والا عمل ہے، علی الاطلاق جب فرضی نماز کے بعد نمازی اسی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے تو فرشتے تو اس کی بخشش، اس کے لیے رحمت اور قبولیتِ توبہ کی دعا تو کرتے ہی ہیں، لیکن نمازِ فجر کے بعد بیٹھے رہنا انتہائی افضل عمل ہے، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نمازِ فجر باجماعت ادا کی، پھر طلوعِ آفتاب تک بیٹھا اللہ تعالی کا ذکر کرتا رہا، پھر دو رکعت نماز (ضحیٰ) ادا کی تو اسے مکمل، مکمل اور مکمل حج و عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (صحیحہ: ۳۴۰۳)

''صلاۃ الاوّابین'' ادا کرنے والے کی فضیلت

(۷۱۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((لَايُحَافِظُ عَلٰى صَلَاةِ الضُّحٰى إِلَّا أَوَّابٌ وَهِيَ صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ.)) (الصحيحة:۷۰۳، ۱۹۹٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہت توبہ کرنے والا فرد ہی چاشت کی نماز کی حفاظت کرتا ہے اور یہی صلاۃ الاوّابین (بہت توبہ کرنے والوں کی نماز) ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ۱/ ۱۳۳/ ۱، والحاكم: ۱/ ۳۱٤، والطبراني في "الاوسط": ۱/ ۲۲۷/ ۲/ ٤۰۲۲

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ۱۲۲٤، والحاكم: ۱/ ۳۱٤

شرح:...... یہ ایک واضح دلیل ہے کہ نماز ضحیٰ اور نماز چاشت کو ہی ''صلاۃ الاوابین'' کہتے ہیں، اگرچہ عوام میں مشہور ہے کہ نماز مغرب کے بعد یہ نماز ادا کی جاتی ہے، لیکن یہ محض خام خیالی ہے۔ عصرِ حاضر میں خواص وعوام نماز ضحیٰ کی ادائیگی سے غافل ہیں، حالانکہ دو رکعت نمازِ ضحیٰ ادا کرنے سے انسان کے ۳٦۰ جوڑوں کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔

''صلاۃ الاوّابین'' کا وقت

(۷۱۹)۔ عَنِ الْقَاسِمِ الشَّيْبَانِيِّ أَنَّ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَأٰى قَوْماً يُصَلُّوْنَ فِي الضُّحٰى، فَقَالَ: أَمَا لَقَدْ عَلِمُوْا أَنَّ الصَّلَاةَ فِي غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ.)) (الصحيحة:۱۱٦٤)

قاسم شیبانی کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا: خبردار! یقیناً یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس نماز کو دوسرے وقت میں (یعنی مؤخر کر کے) پڑھنا افضل ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اوّابین (یعنی اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنے والے لوگوں) کی نماز اس وقت ہے جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں گرمی کی شدت سے جلنے لگیں۔''

تخريج: رواه مسلم: ۲/ ۱۷۱، وأحمد: ٤/ ۳٦٦۔ ۳٦۷۔ ۳۷۰۔ ۳۷۵، وابن خزيمة: ۱۱۲۷، وابو عوانة: ۲/ ۲۷۰، ۲۷۱

شرح:...... نماز ضحیٰ کا وقت طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد سے شروع ہو کر زوالِ آفتاب سے پہلے تک جاری رہتا ہے، جب اس نماز کو مؤخر کر کے ادا کیا جائے تو اسے ''صلاۃ الاوّابین'' کہتے ہیں اور یہی عمل افضل ہے۔ اس نماز کی دو، چار اور آٹھ رکعات ثابت ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ''صلاۃ الاوابین'' نماز مغرب کے بعد ادا کی جاتی ہے، لیکن نماز مغرب کے بعد چھ یا بیس رکعات پڑھنے کے بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ ضعیف اور ناقابلِ حجت ہیں۔

اس نماز کی رکعات کی تعداد یہ ہے:

دو رکعات (بخاری، مسلم) چار رکعات (ابوداود، ترمذی)

آٹھ رکعات (بخاری، مسلم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحٰى اَرْبَعًا، وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

رسول اللہ ﷺ نمازِ چاشت کی چار رکعات اور (بسا اوقات) زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ (مسلم) ......

نمازِ چاشت کی فضیلت

(۷۲۰)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى مَرْفُوْعاً: ((مَنْ صَلَّى الضُّحٰى أَرْبَعاً، وَقَبْلَ الْأُوْلٰى أَرْبَعاً، بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:۲۳٤۹)

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے چار رکعت نمازِ چاشت اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جائے گا۔“

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ۱/ ٥٩

(۷۲۱)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوْعاً: ((يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔)) (الصحيحة:۵۷۷)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر شخص کے ہر عضو پر صدقہ (واجب) ہے، ہر مرتبہ ”سُبْحَانَ اللّٰه“ کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰه“ کہنا صدقہ ہے، ہر مرتبہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه“ کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ”اَللّٰهُ اَكْبَر“ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب سے وہ دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی جو کوئی شخص چاشت کے وقت ادا کرے گا۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ۲/ ۱۵۸، وأبو داود: ۲/ ۲٥۹، وأحمد: ٥/ ۱٦۷، ۱٦۸

شرح: ...... دوسری احادیث میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ودیعت رکھے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ جوڑ اللہ تعالی کی کتنی بڑی نعمت ہے، اگر ہڈیوں کے جوڑ سلب کر لیے جائیں تو انسان کا جینا دوبھر ہو جائے گا، کھانے پینے کے معاملے میں اس کا انحصار دوسروں پر ہو گا، قضائے حاجت کے معاملہ وہ کسی کا محتاج ہو گا۔ چلن پھرن، اٹھک بیٹھک، غرضیکہ وہ ہر چیز میں دوسروں کی نظرِ کرم کا منتظر ہو گا۔ لیکن کیا ہم نماز اشراق یا نماز چاشت ادا کر کے ان عظیم نعمتوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں یا دن بدن اللہ تعالی کے مقروض بنتے جا رہے ہیں۔ صرف دو رکعتوں سے ۳۶۰ جوڑوں کا ٹیکس ادا ہو جاتا ہے۔

فقرا لوگ، صدقہ وخیرات کرنے والے امرا سے کیسے سبقت لے سکتے ہیں؟

(٧٢٢)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قِيْلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الْأَمْوَالِ وَ الدُّثُوْرِ بِالْأَجْرِ، يَقُوْلُوْنَ كَمَا نَقُوْلُ، وَيُنْفِقُوْنَ وَلَا نُنْفِقُ، قَالَ لِي: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ أَدْرَكْتُمْ مَنْ قَبْلَكُمْ، وَفُتُّمْ مَنْ بَعْدَكُمْ؟ تَحْمِدُوْنَ اللّٰهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، وَتُسَبِّحُوْنَهُ، وَتُكَبِّرُوْنَهُ، ثَلَاثاً وَثَلَاثِيْنَ، وَثَلَاثاً وَثَلَاثِيْنَ، وَأَرْبَعاً وَثَلَاثِيْنَ۔)) (الصحيحة: ١١٢٥)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے کہا (جبکہ سفیان کی روایت کے مطابق ابو ذر نے خود کہا کہ) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اجر وثواب تو مال دار لوگ لے گئے ہیں، (اور وہ اس طرح کہ جو نماز وغیرہ) وہ پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں، لیکن وہ خرچ کرتے ہیں اور ہم خرچ نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو اپنے پہلوں کو پا لو گے اور اپنے بعد والوں سے سبقت لے جاؤ گے۔ (اس طرح کیا کرو کہ) ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' تینتیس دفعہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' اور چونتیس دفعہ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہا کرو۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٩٢٧، وأحمد: ٥/ ١٥٨

شـــرح:...... اگرچہ اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کرنا عظیم عمل ہے، لیکن جو لوگ اپنی کمزور مالی حالت کی بنا پر صدقہ وخیرات جیسی حسنات سرانجام نہیں دے سکتے تو انھیں ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالی کا ذکر ایسا نسخۂ کیمیا ہے کہ جس کا کوئی مقابل اور متبادل نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالی کی رحمتوں سے استفادہ کریں اور توشۂ آخرت میں اضافہ کریں۔

وضوء کے بغیر نماز ادا کرنا سنگین جرم ہے

(٧٢٣)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((أُمِرَ بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ أَنْ يُضْرَبَ فِي قَبْرِهِ مِئَةَ جَلْدَةٍ، فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى صَارَتْ جَلْدَةٌ وَاحِدَةٌ، فَجُلِدَ جَلْدَةً وَاحِدَةً، فَامْتَلَأَ قَبْرُهُ عَلَيْهِ نَاراً، فَلَمَّا ارْتَفَعَ وَأَفَاقَ قَالَ: عَلَى مَا جَلَدْتُمُوْنِي؟ قَالُوْا: إِنَّكَ صَلَّيْتَ صَلَاةً وَاحِدَةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ، وَمَرَرْتَ عَلَى مَظْلُوْمٍ فَلَمْ تَنْصُرْهُ۔)) (الصحيحة: ٢٧٧٤)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک بندۂ خدا کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اسے قبر میں سو کوڑے لگائے جائیں، وہ (تخفیف کا) سوال کرتا اور دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک کوڑہ رہ گیا (باقی معاف کر دیے گئے)، جب یہ کوڑا اسے لگایا گیا تو اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ جب اس (سزا کا اثر) زائل ہوا اور اسے افاقہ ہوا تو اس نے پوچھا کہ (فرشتو!) تم نے کس بنا پر مجھے کوڑا لگایا؟ انھوں نے کہا کہ تو نے ایک نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی اور تو ایک مظلوم کے پاس سے گزرا تھا اور اس کی مدد نہیں کی تھی۔''

تخریج: أخرجه الطحاوی فی "مشکل الآثار": ٤/ ٢٣١

شرح: ...... وضو، نماز کی بنیادی شرط ہے، وضو کے بغیر نماز پڑھنا سنگین جرم ہے، جس کی سنگینی کا اس حدیث سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

جہاں مظلوم لوگوں کی معاونت اور کفالت عظیم عمل ہے، وہاں ان سے بے رخی اختیار کرنا کبیرہ گناہ ہے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمان، سیدنا صہیب اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہم جیسے نادار اور بے کس صحابہ کے گروہ کو معمولی زجر وتوبیخ کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! شاید وہ غریب صحابہ تجھ پر ناراض ہو گئے ہوں اور اگر ایسے ہوا تو تیرے رب کو تجھ پر غصہ آ جائے گا۔'' پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور پوچھا: بھائیو! کیا تم لوگ مجھ سے نالاں ہو؟ انھوں نے کہا: اے ہمارے بھائی! نہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے۔ (مسلم)

سوچنا چاہئے! کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مال و دولت، حسب ونسب، قیادت وسیادت وغیرہ کے نشے میں آ کر کسی مظلوم کا دل دکھا بیٹھیں۔ جہاں تک ہو سکے ہمیں غربا وفقرا سے اخلاقی تعاون اور مالی معاونت کرنی چاہئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکینوں کی کفالت کرنے والا اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو، اس قیام کرنے والے بندے کی طرح ہو جو قیام کر کر کے اکتاتا نہ ہو اور اس روزے دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ ترک نہ کرتا ہو۔'' (بخاری، مسلم)

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: امام طحاوی نے اس حدیث کے بعد کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تارکِ نماز کافر نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو اس کی دعا باطل قرار پاتی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ (سورۂ رعد: ١٤) ...... ''کافروں کی ہر دعا گمراہی میں ہے۔'' (کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس کی دعا کی وجہ سے ننانوے کوڑے معاف کر دیے گئے، حالانکہ وضو کے بغیر نماز پڑھنے والا بے نماز ہی ہوتا ہے۔)

ابن عبد البر نے ان کا یہ قول (التمهيد: ٤/ ٢٣٩) میں نقل کیا اور اس کو برقرار رکھا، بلکہ اس کی تائید کرتے ہوئے تارکِ نماز کے کفر پر دلالت کرنے والی احادیث کی تاویل کرتے ہوئے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر فرضی نماز ترک کی، اس نے کفر کیا۔'' یہ اور اس قسم کی احادیث کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی نماز کا انکار کرتے ہوئے، تکبر کرتے ہوئے اور اس کی فرضیت کا اقرار نہ کرتے ہوئے اس کو ترک کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے عام احادیث کے الفاظ مدنظر رکھ کر تارکِ نماز کو کافر قرار دیا، ابن عبد البر نے ان کا الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: ان لوگوں کو چاہیے کہ قتل کرنے والے، مسلمان کو گالیاں دینے والے اور زنا کرنے والے کو بھی کافر قرار دیں، کیونکہ ان کے بارے میں بھی ان کے کفر پر دلالت کرنے والی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن علمائے اسلام نے ایسی تمام احادیث کی بنا پر مومن کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا، ہاں ایسا فرد ان کے نزدیک فاسق ہے۔ تو پھر یہ بات بھی

مناسب ہوگی کہ ترکِ نماز پر کافر قرار دینے والی وعیدوں کی تاویل کی جائے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہی مسلک حق ہے۔

دراصل نماز اسلام کا اہم رکن ہے، اس کو ترک کرنا سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے، قرآن و حدیث میں بیسیوں دفعہ اس کی ادائیگی پر جنت و بہشت کی خوشخبریاں سنائی گئیں اور اس کو ترک کرنے پر آتشِ دوزخ کی وعیدیں دی گئیں، ترکِ نماز آدمی کے ناقص الایمان ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو بے نمازوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔ بہرحال ہے یہ جرم شرک کی طرح ناقابل معافی نہیں ہے۔

ابتدائے اقامت کے بعد نفلی نماز نہیں ہوتی

(٧٢٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّي، وَالْمُؤَذِّنُ يُقِيْمُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَصَلَاتَانِ مَعاً؟)) (الصحيحة:٢٥٨٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور اُدھر مؤذن اقامت کہہ رہا تھا، آپ ﷺ نے اس نمازی سے کہا: ''آیا دو نمازیں اکٹھی (پڑھی جا سکتی ہیں)؟''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٢٨٣/ ١

شرح:...... اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اقامت کے بعد صرف فرضی نماز ہوتی ہے، اگر کوئی آدمی کوئی اور نفلی نماز یا سنتیں پڑھ رہا ہے تو گویا وہ دو فرضی نمازیں پڑھنا چاہتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کا اس کو اقامت کے بعد نفلی نماز سے ڈانٹنے کا ایک انداز تھا۔ نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔)) (مسلم) وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ حِبَّانَ: ((اِذَا اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْاِقَامَةِ۔)) ...... ''جب (فرضی) نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو اس فرضی نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ جب فرضی نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نفلی نماز نہیں ہوتی۔'' اور صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: جب مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے (تو کوئی نماز نہیں ہوتی)۔

سیدنا عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ دو سنتیں پڑھ رہا تھا، جبکہ (نمازِ فجر کے لیے) اقامت کہہ دی گئی تھی، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو اس شخص سے پوچھا: ''کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہوگئی ہے، کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہوگئی ہے؟'' (بخاری، مسلم)

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، ایک آدمی آیا، اس نے جماعت میں شریک ہونے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر جماعت کے ساتھ آ ملا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے فرمایا: ((يَا فُلَانُ! بِأَيِّ صَلَاتَيْكَ اعْتَدَدْتَّ بِالَّتِي صَلَّيْتَ وَحْدَكَ اَوْ بِالَّتِي صَلَّيْتَ مَعَنَا۔)) (مسلم) ...... ''او فلاں! تو نے ان دو نمازوں میں سے کون سی نماز کو (فرضی نماز) شمار کیا ہے، جو علیحدہ پڑھی ہے یا جو

ہمارے ساتھ پڑھی ہے۔'' اس حدیث کو مطلب یہ ہوا کہ اقامت ِنماز کے بعد صرف فرضی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

امام مبارکپوری نے اس موضوع پر مختلف احادیث نقل کرتے ہوئے کہا: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی، نبی کریم ﷺ نے مجھے کھینچا اور فرمایا: ''کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھنا چاہتا ہے؟'' امام ابو داود طیالسی، بیہقی، بزار، ابو یعلی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے ...... سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کی فجر کی دو سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا، جبکہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا، آپ ﷺ نے اس آدمی کے کندھے کو پکڑا اور فرمایا: ''تو نے یہ سنتیں پہلے کیوں نہیں پڑھ لی تھیں؟'' اسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا اور عراقی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے۔(تحفة الاحوذی: ١/ ٢٣٢)

معلوم ہوا کہ جو لوگ سنتیں وغیرہ پڑھ رہے ہوں، انھیں چاہئے کہ وہ فوراً جماعت میں شریک ہو جائیں اور اپنی نماز ترک کر دیں۔ بعض مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ تاخیر سے آنے والے لوگ فجر کی جماعت کے دوران ادھر ادھر پہلے والی دو سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ نے تو ایسی صورت میں نفل اور سنت نماز کی نفی کر رکھی ہے۔

عید الاضحیٰ والے دن نماز اور خطبہ کی ترتیب

(٧٢٥)۔ عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْساً نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمُصَلّٰى يَوْمَ الأَضْحٰى، فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ، وَقَالَ: ((إِنَّ أَوَّلَ مَنْسَكِ (وَفِي رِوَايَةٍ: نُسُكِ) يَوْمِكُمْ هٰذَا الصَّلَاةُ۔)) فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقَوْمَ بِوَجْهِهِ، ثُمَّ أُعْطِيَ قَوْساً أَوْ عَصاً فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا، فَحَمِدَاللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ۔

(الصحيحة:١٦٧٨)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم عید الاضحیٰ والے دن عیدگاہ میں بیٹھے نبی کریم ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ تشریف لائے، لوگوں کو سلام کہا اور فرمایا: ''آج کے دن کی پہلی (مخصوص) عبادت یہ نماز ہے۔'' پھر آپ ﷺ آگے بڑھے، لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، سلام پھیرا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کو ٹیک لگانے کے لیے ایک کمان یا لاٹھی دی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی اور لوگوں کو کچھ امور کا حکم دیا اور کچھ چیزوں سے منع کیا۔

تخريج: أخرج أحمد: ٤/ ٢٨٢، والطبراني في "الكبير": رقم ١١٦٩، والحديث فى "الصحيحين" وغيرهما نحوه

شرح:...... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما خطبۂ عید سے پہلے نمازِ عید ادا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم) یہ اور دیگر احادیث مبارکہ سے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب بنو امیہ کے خلیفہ مروان نے پہلی دفعہ نماز سے پہلے خطبہ دیا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تھا: اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ (مسلم)

لیکن آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان احادیث کے واضح ہو جانے کے بعد مختلف بہانوں کا سہارا لے کر عید کی نماز سے پہلے، خطبے کی روٹین کو بحال رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت دے۔ (آمین)

ساٹھ برسوں کی نمازوں کی عدمِ مقبولیت کی وجہ

(۷۲۶)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّي سِتِّيْنَ سَنَةً، وَمَا تُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ، وَلَعَلَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَلَا يُتِمُّ السُّجُوْدَ، وَيُتِمُّ السُّجُوْدَ وَلَا يُتِمُّ الرُّكُوْعَ۔)) (الصحيحة:۲۵۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے، لیکن اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ رکوع تو پورا کرتا ہو لیکن سجدے مکمل نہ کرتا ہو یا سجدے تو پورے کرتا ہو لیکن رکوع پورا نہ کرتا ہو۔“

تخريج: أخرجه الأصبهاني في "الترهيب":ق۲۳۶/ ۲

شرح:...... ”پٹھانوں والی نماز“ پڑھنے والوں کے لیے نہایت سخت وعید ہے۔ ہمارے ہاں اکثر لوگوں کی نمازوں میں بہت عجلت پائی جاتی ہے اور ان کے ائمہ و خطبا کے موضوعات میں اس قسم کی ہدایات بھی بہت کم ملتی ہیں۔ نماز میں رکوع و سجود کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَاتُجْزِىءُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔)) (ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ...... ”آدمی کی نماز اس وقت تک اسے کفایت ہی نہیں کرتی جب تک رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے۔“

سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَايَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى صَلٰوةِ عَبْدٍ لَايُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهُ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا۔)) (مسند احمد) ......”اللہ تعالی اس آدمی کی نماز کی طرف دیکھتے تک نہیں جو اس نماز کے رکوع اور سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔“

غور فرمائیں کہ اس حدیث میں ”رکوع“ کو ”خشوع“ کہا گیا ہے، یعنی رکوع کو خشوع و خضوع سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ روایتی عجلت اور مصروفیت کا بہانہ پیش کرنے سے باز آ کر سکون و آرام اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی جلدی جلدی میں نماز پڑھنے کی وجہ سے مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کا مصداق نہ ٹھہرا دیا جائے۔

عید کے موقع پر تکبیرات کی ابتدا و انتہا کا وقت

(۷۲۷)۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ (مُرْسلاً) أَنَّ رَسُوْلَ

امام زہری مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ فَيُكَبِّرُ حَتّٰى يَـأْتِـيَ الْـمُـصَلّٰى وَحَتّٰى يَقْضِيَ الصَّلَاةَ، فَـإِذَا قَـضَـى الـصَّلَاةَ قَـطَـعَ التَّكْبِيْرَ۔ (الصحيحة: ۱۷۱)

عید الفطر والے دن نکلتے اور تکبیرات کہتے رہتے، یہاں تک کہ عید گاہ میں پہنچ کر نماز ادا کر لیتے، نماز کی تکمیل کے بعد تکبیرات کہنا بند کر دیتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ۲/ ۱/ ۲، والبيهقي: ۳/ ۲۷۹

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کے راستے میں مسلمانوں کا بلند آواز سے تکبیرات کہنا مشروع عمل ہے، لیکن اکثر مسلمانوں نے اس سلسلے میں تساہل برتنا شروع کر دیا ہے، اس کا سبب دین کے معاملے میں بے رغبتی ہے اور سنت کے اظہار میں شرمندگی اور تکبیرات کو باآواز بلند کہنے سے بزدلی محسوس کرنا ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ وہ لوگ بھی اس بے عملی میں مبتلا ہے، جو لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ وہ بھی لوگوں کو صرف وہی بات سمجھانے پر اکتفا کرتے ہیں، جو ان کا ذہن قبول کرتا ہے۔ لیکن جس امر کی ان کو اشد ضرورت ہوتی ہے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ بلکہ وہ ایسے ضروری امور میں بحث کرنے کو اور اپنے قول و فعل کے ذریعے وعظ و نصیحت کرنے کو گھٹیا حرکت سمجھتے ہیں۔ (فانا لله وانا اليه راجعون)

اس مقام پر یہ بات ذکر کر دینا مناسب ہے کہ اجتماع کی صورت میں اور ایک آواز کے ساتھ بلند آواز سے تکبیرات کہنا مشروع نہیں ہے، بلکہ ہر وہ ذکر جس میں آواز بلند کرنے کا حکم ہو یا نہ ہو، اس کو اجتماعی شکل میں سرانجام دینا غیر مشروع ہے۔ ہمیں ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کو ذہن نشین رکھنا چاہیے: ((وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔)) ...... ''بہترین سیرت، حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔'' (صحيحه: ۱۷۱)

امام زہری کہتے ہیں: جب لوگ عید کے موقع پر گھروں سے نکلتے تو عید گاہ پہنچنے اور امام کے آنے تک تکبیرات کہتے رہتے تھے، جب امام آتا تو وہ خاموش ہو جاتے اور جب وہ اللہ اکبر کہتا تو وہ بھی اللہ اکبر کہتے۔ (مصنف ابن ابی شیبه)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ والے دنوں میں عید گاہ پہنچنے تک باآواز بلند تکبیرات کہتے تھے اور پھر امام کے آنے تک کہتے رہتے۔ (دارقطنی)

معلوم ہوا کہ عید الفطر کے موقع پر تکبیرات کا وقت گھر سے خروج کے وقت سے شروع ہو کر عید گاہ پہنچنے تک جاری رہتا ہے۔ کسی صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے تکبیرات کے کوئی معینہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ اَجَلُّ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' کے الفاظ، سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا'' کے الفاظ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ“ کے الفاظ منقول ہیں۔ منقول ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا مدعا یہ ہے کہ عید کے دن کو مخصوص وقت میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بڑائی ہونی چاہیے، وہ کسی انداز میں بھی کی جا سکتی ہے۔

عید الاضحیٰ کے موقع پر تکبیرات کا وقت: ......سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحِ فِيْهَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ۔)) یعنی ایام العشر: ......”(ذوالحجہ کے پہلے) دس دنوں کی بہ نسبت کوئی دن نہیں ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل زیادہ پسند ہو۔“ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی (ان دنوں کے عمل سے زیادہ افضل) نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ۔)) ......”اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، الا یہ کہ کوئی آدمی اپنے نفس اور مال کے ساتھ (جہاد کے لیے) نکلے اور کوئی چیز واپس لے کر نہ لوٹے۔“ (صحیح بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کیا گیا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

سیدنا نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَ شُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) ......”ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دن ہیں۔“ (صحیح مسلم)

ان دنوں میں تکبیرات کہنے کے بارے میں صحابہ کرام سے مختلف آثار منقول ہیں اور یکم ذوالحجہ سے (۱۳) ذوالحجہ تک یہ ذکر کرنے کے بارے میں کوئی نہ کوئی موقوف قول مل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ابن منذر کی روایات کے مطابق سب سے صحیح اقوال سیدنا علی اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ہیں کہ عرفہ کے دن یعنی (۹) ذوالحجہ سے لے کر منیٰ کے آخری دن یعنی (۱۳) ذوالحجہ تک تکبیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (فتح الباری: ۲/ ۵۸۷)

امام شوکانی نے کہا: یہ تکبیرات نماز کے بعد والے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں، مستحب اور مستحسن یہ ہے کہ ان دنوں میں ہر وقت تکبیرات کہی جائیں۔ (نیل الاوطار: ۳/ ۳۷۵)

نماز میں معذور آدمی کا ٹیک لگانا

(۷۲۸)۔ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ ، قَالَ: قَدِمْتُ الرَّقَّةَ ، فَقَالَ لِي بَعْضُ أَصْحَابِي: هَلْ لَكَ فِي رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: قُلْتُ: غَنِيْمَةٌ فَدَفَعْنَا إِلَى وَابِصَةَ ، قُلْتُ لِصَاحِبِيْ: نَبْدَأُ فَنَنْظُرُ إِلَى دَلِّهِ ، فَإِذَا عَلَيْهِ قَلَنْسُوَةٌ لَاطِئَةٌ ذَاتُ أُذُنَيْنِ ،

ہلال بن یساف کہتے ہے: میں رقہ میں گیا، میرے ساتھیوں نے مجھے کہا: کیا تجھے کسی صحابی سے ملاقات کرنے کی رغبت ہے؟ میں نے کہا: یہ تو غنیمت ہے۔ چنانچہ ہم حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ میں نے اپنے رفیق سے کہا: ہم پہلے اس کی ظاہری وضع قطع پر نگاہ ڈالیں گے۔ (ہم کیا دیکھتے ہیں کہ) ان کے سر پر دو پھندنوں یا کونوں والی دو پلی ٹوپی ہے

وَبُرْنُسُ خَزٍّ أَغْبَرُ، وَإِذَا هُوَ مُعْتَمِدٌ عَلَى عَصًا فِي صَلَاتِهِ، فَقُلْنَا لَهُ بَعْدَ أَنْ سَلَّمْنَا؟ قَالَ: حَدَّثَتْنِي أُمُّ قَيْسٍ بِنْتُ مِحْصَنٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا أَسَنَّ وَحَمَلَ اللَّحْمَ، اِتَّخَذَ عَمُوْداً فِي مُصَلَّاهُ يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ۔ (الصحيحة:۳۱۹)

اور خاکی رنگ کا اونی اور آستین دار کرتا پہنا ہوا ہے اور وہ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے سلام کہا اور (نماز میں لاٹھی کا سہارا لینے کے بارے میں) پوچھا۔ انھوں نے کہا: حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمر رسیدہ ہوئے اور آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو ایک ستون کا سہارا لے کر نماز پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه أبو داود: ۹٤۸، والحاكم: ۱/ ۲٦٤، وعنه والبيهقي: ۲/ ۲۸۸

شرح:...... معلوم ہوا کہ کسی عذر کی وجہ سے نماز میں کسی چیز کا سہارا لے کر کھڑا ہوا جا سکتا ہے۔

شیاطین کا مختلف شکلوں میں گھروں میں گھسنا

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ، جو سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کو سخت ظلمت اور بارش کے باوجود مسجد میں نمازِ عشا ادا کرنے کی وجہ سے ملا

(۷۲۹)۔ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنَ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ، قَالَ: كَانَتْ لَيْلَةٌ شَدِيْدَةُ الظُّلْمَةِ وَالْمَطَرِ، فَقُلْتُ: لَوْ أَنِّي اغْتَنَمْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ شُهُوْدَ الْعَتَمَةِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ! فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَبْصَرَنِي وَمَعَهُ عُرْجُوْنٌ يَمْشِي عَلَيْهِ، فَقَالَ: ((مَالَكَ يَاقَتَادَةُ! هٰهُنَا هٰذِهِ السَّاعَةَ؟)) قُلْتُ: اِغْتَنَمْتُ شُهُوْدَ الصَّلَاةِ مَعَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَأَعْطَانِي الْعُرْجُوْنَ، فَقَالَ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ خَلَفَكَ فِي أَهْلِكَ فَاذْهَبْ بِهٰذَا الْعُرْجُوْنِ، فَامْسِكْ بِهِ حَتّٰى تَأْتِيَ بَيْتَكَ فَخُذْهُ مِنْ وَّرَاءِ الْبَيْتِ فَاضْرِبْهُ بِالْعُرْجُوْنِ۔)) فَخَرَجْتُ مِنَ الْمَسْجِدِ

عاصم بن عمر بن قتادہ اپنے باپ سے، اور وہ ان کے دادا حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: سخت اندھیری رات تھی، بارش ہو رہی تھی، میں نے کہا: مجھے اس رات سے استفادہ کرتے ہوئے نمازِ عشا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم ﷺ (نماز پڑھا کر) واپس پلٹے اور کھجور کی شاخ پر ٹیک لگا کر چل رہے تھے، جب مجھے دیکھا تو پوچھا: ''قتادہ! تجھے کیا ہوا! اس گھڑی میں یہاں، (کیا وجہ ہے)؟'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی غرض سے آیا۔ آپ ﷺ نے مجھے وہ شاخ دی اور فرمایا: ''تیرے آنے کے بعد شیطان تیرے گھر میں گھسا ہے، اس شاخ کو لے جا، گھر پہنچنے تک اس شاخ کو تھامے رکھنا، (جب تو گھر پہنچے تو شیطان کو) گھر کے پیچھے سے پکڑ لینا اور اس شاخ کے ساتھ اسے مارنا۔'' میں مسجد سے نکل پڑا، وہ شاخ شمع کی

فَأَضَاءَ الْعُرْجُوْنُ مِثْلَ الشَّمْعَةِ نُوْراً، فَأَتَضَأْتُ بِهِ، فَأَتَيْتُ أَهْلِي فَوَجَدْتُهُمْ رُقُوْداً، فَنَظَرْتُ فِي الزَّاوِيَةِ فَإِذَا فِيْهَا قُنْفُذٌ فَلَمْ أَزَلْ أَضْرِبُهُ بِالْعُرْجُوْنِ حَتّٰى خَرَجَ۔ (الصحيحة:٣٠٣٦)

طرح مجھے روشنی مہیا کرتی رہی، میں اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچ گیا، وہ سارے سو چکے تھے، میں نے گھر کے ایک کونے میں ایک سیہی (ایک جانور جس کے جسم پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ہیں) دیکھی، میں اسے شاخ کے ساتھ مارتا رہا یہاں تک کہ وہ نکل گئی۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٩/ ٥، والطبراني: ١٩/ ١٣

شرح:...... سبحان اللہ! صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیر و بھلائی کے امور میں کس قدر حریص اور سبقت لے جانے والے تھے کہ سخت اندھیری اور بارش والی رات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز عشا کی ادائیگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین مختلف شکلوں کا روپ دھار سکتے ہیں، اس کی احادیث میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

نمازِ تہجد، صالحیت کا تقاضا ہے

(٧٣٠)۔ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنْتُ غُلَاماً شَابّاً عَزَباً فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكُنْتُ أَبِيْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَكَانَ مَنْ رَأَى مِنَّا رُؤْيَا، يَقُصُّهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ، فَأَرِنِي رُؤْيَا يُعَبِّرُهَا لِي النَّبِيُّ ﷺ۔ فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِي فَانْطَلَقَا بِي، فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ، فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ، فَانْطَلَقَا بِيْ إِلَى النَّارِ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ، وَإِذَا فِيْهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُ بَعْضَهُمْ، فَأَخَذُوْا بِي ذَاتَ الْيَمِيْنِ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِحَفْصَةَ۔ فَزَعَمَتْ حَفْصَةُ أَنَّهَا قَصَّتْهَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((إِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ، لَوْ كَانَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ۔)) قَالَ: فَكَانَ

سالم، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں کنوارا نوجوان تھا، نبی کریم ﷺ کے عہد میں مسجد میں رات گزارتا تھا، ہم میں جو آدمی کوئی خواب دیکھتا اسے آپ ﷺ سے بیان کرتا تھا۔ (ایک دن) میں نے کہا: اے اللہ! اگر میرے لیے تیرے پاس خیر و بھلائی ہے تو مجھے خواب دکھا، تاکہ نبی کریم ﷺ اس کی تعبیر کریں۔ میں سو گیا، میں نے دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے لے کر چل دیے، انھیں ایک تیسرا فرشتہ ملا، اس نے مجھے کہا: گھبرائیے مت، سو وہ مجھے آگ کی طرف لے گئے، وہ کنویں کی منڈیر کی طرح لپیٹی ہوئی تھی، اس میں کچھ لوگ تھے، میں بعض کو پہچانتا بھی تھا، پھر وہ مجھے دائیں طرف لے گئے (اتنے میں مجھے جاگ آ گئی)۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک عبداللہ نیک آدمی ہے، کاش کہ وہ رات کو کثرت سے نماز پڑھتا۔'' سالم کہتے

عَبْدُاللّٰهِ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ۔ (الصحيحة: ٣٥٣٣)

ہیں کہ اس کے بعد عبداللہ رات کو کثرت سے نماز پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ١٢٩١/ ٣٩١٩، وأخرجه البخاري: ٣٧٣٨، ٣٧٣٩، ومسلم: ٧/ ١٥٨

شرح:...... رات کی نماز مومن کی عظیم صفت اور پارسا و متقی لوگوں کا شیوہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي جَنَّاتٍ وَّعُيُوْنٍ.... كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ.﴾ (سورۂ ذاریات: ۱۵ تا ۱۸)...... ''بیشک پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔...... (ان کی صفات یہ ہیں کہ) وہ رات کو کم سوتے ہیں اور سحریوں کے وقت بخشش طلب کرتے ہیں۔''

سحری کے وقت کی فضیلت وعظمت کا اندازہ لگائیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر کہتے ہیں: کوئی ہے جو مجھے پکارے، تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، تاکہ میں اس کو عطا کر دوں۔ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے، تاکہ میں اس کو بخش دوں۔'' (بخاری، مسلم) سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی رات کو اپنی اہلیہ کو جگاتا ہے اور پھر دونوں دو رکعت نماز با جماعت ادا کرتے ہیں تو انھیں ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھ لیا جاتا۔'' (ابوداود) مذکورہ بالا اور کئی دوسرے فضائل کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مخصوص انداز میں رات کی نماز پڑھنے کی تلقین کی۔

نمازِ تہجد سے پہلے دو خفیف رکعات ادا کرنا

(٧٣١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: كَانَ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔ (الصحيحة: ٣١٩٩)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو دو خفیف سی دو رکعتوں سے آغاز کرتے۔

تخريج: أخرجه أبو عوانة في "صحيحه": ٢/ ٣٣١۔ الثانية، ومن طريقه الأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٨٢/ ١٩١١، والبغوي في "شرح السنة": ٤/ ١٨/ ٩٠٨ وابن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ٣٧٣، ومن طريقه: البيهقي في "السنن": ٣/ ٦

شرح:...... رات کی نماز کی ابتدا دو خفیف سی رکعتوں سے کرنی چاہیے، پھر طویل قیام کرنا چاہیے۔

رات کی نماز دو دو رکعت ہے

(٧٣٢)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ مَرْفُوْعاً: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، وَجَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ أَجْوَبُهُ دَعْوَةً۔)) قَالَ: قُلْتُ:

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور رات کے آخری حصے میں دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔'' میں نے کہا:

أَوْجَبُهُ؟ قَالَ: ((لَا، بَلْ أَجْوَبُهُ.)) يَعْنِي بِذٰلِكَ الْإِجَابَةَ. (الصحيحة:۱۹۱۹)

کیا اس حصے میں دعا کرنا واجب ہے؟ آپ انے فرمایا: ''نہیں، نہیں، (میں کہہ رہا ہوں کہ) دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٨٧، والطبرانی فی "الکبیر"، روی الترمذی الشطر الآخر منه

شرح:...... دن رات کی ہر ایک گھڑی اللہ تعالی کی امانت ہے، ہر لمحہ اسے پکارا جا سکتا ہے اور وہ ہر آن سنتا اور قبول کرتا ہے۔ لیکن اس نے خود بعض اوقات کو بعض پر فضیلت دی ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بندے خاص چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، نہ کہ عام چیزوں کی طرف۔ رات کی آخری ساعتوں میں اللہ تعالی کو پکارنا اور نمازِ تہجد ادا کرنا امت مسلمہ میں مفقود ہو چکا ہے، جو بہت بڑی غفلت اور کاہلی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مفقود امور کی ادائیگی کی پابندی کریں تا کہ امت میں نیکی کا رجحان بڑھے۔

مؤمن کا شرف نماز تہجد میں ہے

(۷۳۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ، وَعِزُّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ.)) (الصحيحة:۱۹۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا اعزاز رات کی نمازِ (تہجد) میں ہے اور اس کی عزت و آبرو اس چیز سے بے نیاز ہو جانے میں ہے جو (دنیا کی صورت میں) لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔''

تخريج: أخرجه العقيلي في "الضعفاء": صـ ۱۲۷، وابن عساكر فی "تاريخ دمشق": ٤/ ٩٩/ ١، ٨/ ٣٧/ ١ وتمام فی "الفوائد": ق ١٧٢/ ١

شرح:...... رات کو نماز ادا کرنا اور لالچی وحریص نہ ہونا، دو ایسی صفاتِ جمیلہ ہیں کہ انسان کے عزت و احترام کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ اس کے دل و دماغ کو تسکین اور اس کو زندگی کا لطف نصیب ہوتا ہے اور چہرے پر نورانی کرنوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ جو انسان ان دو صفات سے محروم ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو مطمئن اور معزز سمجھتا ہے تو یہ محض اس کی خام خیالی ہے اور یہ بات بجا طور پر درست ہو گی کہ اسے سکون اور عدم سکون کا تجربہ ہی نہیں ہے۔ اگر کسی کو میری گزارشات سے اتفاق نہیں تو وہ چند دن تجربہ کر کے دیکھ لے۔

دورانِ سفر نمازِ تہجد ادا کرنے کا طریقہ نمازِ وتر کے بعد مزید نفل پڑھنا کیسے ہیں؟

(۷۳٤)۔ عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذَا السَّفَرَ جَهْدٌ وَثِقْلٌ، فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چونکہ یہ سفر باعثِ مشقت و زحمت ہے، اس لیے ہر کوئی وتر

رَكْعَتَيْنِ ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ ـ)) (الصحيحة:١٩٩٣)

کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لے، اگر (قیام کرنے کے لیے) جاگ آ گئی تو ٹھیک، وگرنہ یہی دو رکعتیں اسے کفایت کر جائیں گی۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ١/ ٣٧٤، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢/ ١٥٩/ ١١٠٣، وابن حبان: ٦٨٣، والدار قطني: صـ ١٧٧، والطبراني في "الكبير": ١٤١٠

شرح:...... ثابت ہوا کہ سفر کے دوران حسب استطاعت نمازِ تہجد کا اہتمام کرنا چاہیے، نیز یہ حقیقت بھی عیاں ہو رہی ہے کہ نمازِ وتر کے بعد نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ امام البانی کی درج ذیل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ روٹین کے ساتھ نمازِ تہجد پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ آخر میں نمازِ وتر ادا کیا کرے، نیز وہ وتروں کے بعد مزید دو رکعات پڑھ سکتا ہے اور جو آدمی کسی عذر کی وجہ سے رات کے شروع میں ہی وتر سمیت نماز تہجد پڑھ لینا چاہتا ہو، تو وہ پڑھ لے، لیکن اگر وہ رات کے آخری حصے میں بیدار ہو جائے تو وتر توڑے بغیر مزید نفلی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ آدمی جو نماز وتر پڑھ کر سو جاتا ہو، لیکن کسی رات کو اتفاقی طور پر کھڑا ہو کر نفلی نماز ادا کرنا چاہتا ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے، اسے وتر توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: امام ابن خزیمہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا: جو چاہے، وتر کے بعد نفلی نماز پڑھ سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد جو دو رکعات ادا کرتے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں تھا۔ ہاں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعات کی ادائیگی کا جو حکم دیا ہے، یہ مندوب اور مستحب ہے، نہ کہ فرض اور واجب۔ (صحیحہ: ۱۹۹۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قولی حدیث سے نمازِ وتر کے بعد نفلی نماز کی ادائیگی کی رخصت ثابت ہوتی ہے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر کے بعد خود بھی دو رکعت نماز ادا کی۔ (مسلم)

لیکن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔)) ......''رات کو اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھا کرو۔''

امام عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: ائمۂ اربعہ، امام ثوری اور امام ابن مبارک وغیرہ کا خیال ہے کہ نمازِ وتر کے بعد اس کو توڑے بغیر مزید نفلی نماز ادا کی جا سکتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں، ان علمائے کرام نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دیے گئے حکم کو استحباب پر محمول کیا اور مزید نماز کی ادائیگی کو جائز سمجھا۔

جمع و تطبیق کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم رات کو قیام کرنا چاہو تو نمازِ وتر کو شروع میں یا درمیان میں ادا کرنے کی بجائے آخر میں ادا کرو۔ (مرعاۃ المصابیح: ۲/ ٤)

اس دوسری تطبیق کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی روٹین کے ساتھ رات کو قیام کرتا ہے، اس کو آخر میں نمازِ وتر ادا کرنی چاہیے، مثلا ہر کوئی رمضان میں نماز تراویح باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہے، جو نمازِ تہجد ہی کی ایک صورت ہے۔ ایسی صورت میں اس حدیث کی روشنی میں یہ درست نہیں ہوگا کہ آٹھ رکعت تراویح سے پہلے یا چار رکعتوں کی ادائیگی کے بعد وتر پڑھ لیے جائیں اور باقی نماز بعد میں پوری کر لی جائے۔

لیکن اگر کوئی آدمی رات کو وتر کی نماز پڑھ لیتا ہے اور پھر اسے سابقہ روٹین کے بغیر قیام کرنے کا خیال آ جاتا ہے، یا اگر کوئی آدمی سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے رات کے آخری پہر کو بیدار نہ ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس باب کی پہلی روایت یعنی سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کر لے۔

بہر حال دونوں صورتوں میں نمازِ وتر کے بعد دو رکعت ادا کرنا تو درست ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مکمل کرنے اور نماز وتر ادا کر چکنے کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا طریقہ...... نماز میں کلام کرنا حرام ہے

(۷۳۵)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَجُلاً سَلَّمَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَرَدَّ النَّبِيُّ بِإِشَارَةٍ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّا كُنَّا نَرُدُّ السَّلَامَ فِي صَلَاتِنَا، فَنُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة:۲۹۱۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے ذریعے اس کے سلام کا جواب دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''ہم نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے، لیکن اب ہمیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني": ۱/ ۲٦۳، والبزار في "مسنده": ۱/ ۲٦۸/ ۵۵٤۔ كشف الأستار، والطبراني في "المعجم الأوسط": ۲/ ۲٤٦/ ۱/ ۸۷۹۵

شرح:...... ابتدائے اسلام میں نماز کے دوران کسی سے ہم کلام ہونا جائز تھا، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۸) ......''(تمام) نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی (عصر کی) نماز کی اور اللہ تعالی کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔''

تو نماز میں کلام کرنا حرام ہو گیا۔ لیکن نماز کے دوران بعض امور کو اشاروں کے ذریعے سرانجام دینے کی رخصت دی گئی، ان میں سے ایک سلام کا جواب دینا ہے، جس کا اس حدیثِ مبارکہ میں ذکر ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب کیسے دیتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: يَقُوْلُ هٰكَذَا وَ بَسَطَ كَفَّهُ۔ اس طرح کرتے تھے، پھر (کیفیت بیان کرنے کے لیے) اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ (ابوداود، ترمذی) امام نافع کہتے ہیں: سیدنا عبد

اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اسے سلام کہا، اس نے بول کر جواب دیا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف پلٹ کر آئے اور اسے کہا: جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے سلام کہا جائے تو وہ بول کر جواب نہ دے، بلکہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرے۔ (مؤطا امام مالک) لہٰذا ثابت ہوا کہ نمازیوں پر سلام کرنا چاہیے اور ان کو چاہیے کہ وہ اشارہ کر کے جواب دے دیا کریں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث انتہائی صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ دورِ مکہ کے دوران ابتدائے اسلام میں نمازی بول کر سلام کا جواب دیتا تھا، مدینہ منورہ میں اس طریقہ کو منسوخ کر کے اشارہ کے ساتھ جواب دینے کی اجازت دی گئی۔ اگر معاملہ اس طرح ہے تو نمازی کو سلام کہنا مستحب ہوگا، کیونکہ حضرت محمد ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کو برقرار رکھا، جب انھوں نے آپ کو سلام کہا اور آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے صحابہ نے بھی آپ کو سلام کہا تھا اور آپ نے ان کے سلام کو برقرار رکھا۔ اس مسئلہ کی وضاحت مختلف اسانید سے ثابت ہونے والی کافی ساری معروف احادیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا انصار السنہ کو چاہیے کہ وہ ان احادیث پر عمل کریں، ان کو لوگوں تک پہنچانے میں اور ان کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلانے میں نرمی برتیں، کیونکہ لوگوں کو جس چیز کا علم نہ ہو، وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں، بالخصوص خواہش پرست اور بدعتی لوگ۔ (صحیحہ: ۲۹۱۷)

(۷۳٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي فَيَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ إِنَّهُ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَ هُوَ يُصَلِّي فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ، فَظَنَّ عَبْدُ اللّٰهِ أَنَّ ذٰلِكَ مِنْ مُوْجِدَةٍ مِن رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُنْتُ أُسَلِّمُ عَلَيْكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي فَتَرُدُّ عَلَيَّ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْكَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ، فَظَنَنْتُ أَنَّ ذٰلِكَ مِنْ مُوْجَدَةٍ عَلَيَّ فَقَالَ: ((لَا، وَلٰكِنَّا نُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ، إِلَّا بِالْقُرْآنِ وَالذِّكْرِ)) (الصحيحة: ۲۳۸۰)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سلام کہتا تھا، اس حال میں کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، اور آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے تھے۔ (ایک دن) اس نے سلام کہا، لیکن آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو نماز کی حالت میں سلام کہتا تھا اور آپ مجھے جواب دیتے تھے، لیکن آج میں نے سلام کہا اور آپ نے جواب نہ دیا، میں یہ سمجھا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسی بات نہیں ہے، دراصل ہمیں نماز میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، ماسوائے قرآن مجید اور (اللہ کے) ذکر کے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ۳/ ٦٥ / ۱، والقصة صحيحة، فقد اخرجها الطبراني من طرق

متعددة عن ابن مسعود بالفاظ متقاربة، ولكن ليس في شئي منها قول: ((الا بالقرآن والذكر))، وكذلك اخرجه ابوداود، والنسائي واحمد وغيرهم۔ ليكن في رواية النسائي ما يشهد لهذه الزيادة، وله شاهد آخر ايضا، رواه مسلم عن معاوية بن حكم السلمي

(۷۳۷)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعاً: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى قُبَاءَ يُصَلِّي فِيْهِ، فَجَاءَتْهُ الْأَنْصَارُ، فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي، قَالَ: فَقُلْتُ لِبِلَالٍ: كَيْفَ رَأَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي؟ قَالَ: يَقُوْلُ هٰكَذَا وَبَسَطَ كَفَّهُ وَبَسَطَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ كَفَّهُ، وَجَعَلَ بَطْنَهُ أَسْفَلَ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ إِلَى فَوْقَ۔ (الصحيحة:۱۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ (مسجد) قبا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ انصاری لوگ آئے اور آپ ﷺ کو سلام کہا۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جب وہ سلام کرتے تھے تو آپ ﷺ نماز کی حالت میں ان کے سلام کا جواب کیسے دیتے تھے؟ انھوں نے کہا: اس طرح کرتے تھے۔ پھر اپنی ہتھیلی کو پھیلایا۔ (یہ کیفیت بیان کرتے ہوئے) جعفر بن عون نے اپنی ہتھیلی پھیلائی اور اس کا اندرونی حصہ نیچے کو رکھا اور بیرونی اوپر کو۔

تخريج: أخرجه أبو داود: ۹۲۷، وبقية أصحاب السنن، واحمد: ۲/ ۳۰

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا: ''نمازی، مؤذن اور قاریٔ قرآن پر سلام کرنے کا حکم'' اور کہا: امام مروزی نے (المسائل: ص۲۲) میں کہا: میں نے امام احمد سے کہا: کیا نماز میں مصروف لوگوں کو سلام کہا جائے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر انھوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا کہ جب ان سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ ﷺ (نماز میں) سلام کا جواب کیسے دیتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ اشارہ کرتے تھے۔

فقہ مالکی کے بعض محققین نے نمازی کا اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینے والا مسلک اختیار کیا۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے (العارضة: ۲ / ۱۶۲) میں کہا: نماز میں کبھی تو سلام کا جواب دینے کے لیے اشارہ کیا جاتا ہے اور بسا اوقات نمازی کو پیش آنے والی ضرورت کی وجہ سے۔ سلام کے جواب کے بارے میں مختلف صحیح آثار و احادیث مروی ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے مسجدِ قبا میں کیا۔

میں ایک دن طرطوشی کی مجلس میں تھا، اسی مسئلہ پر مذاکرہ ہونے لگا، ہم نے بطورِ دلیل ایک حدیث پیش کی اور اس سے حجت پکڑی۔ مجلس کے آخر سے ایک عام آدمی کھڑا ہوا اور کہا: شاید آپ ﷺ کے اشارے کا مطلب سلام کہنے والوں کو سلام کہنے سے منع کرنا ہو۔ ہمیں اس کی (نام نہاد) فقہ پر بڑی حیرانگی ہوئی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ سلام والی حدیث کو روایت کرنے والا صحابی آپ ﷺ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا ہی سمجھا تھا، اس لیے اصولِ فقہ کے قوانین کے مطابق یہ حدیث اپنے باب میں قطعی ہوگی۔ (حیرانگی سے مراد اس کی فقہ پر تنقید کرنا ہے)

بڑی حیران کن بات ہے کہ امام نووی نے (الأذكار) میں پہلے نمازی پر سلام کہنے کو مکروہ قرار دیا اور پھر کہا: مستحب یہ ہے کہ نمازی اشارہ کر کے سلام کا جواب دے دے، زبان سے کوئی لفظ نہ کہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: حیرانی کی بات یہ ہے کہ اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینے کو مستحب کہہ دیا اور سلام کرنے کو مکروہ، حالانکہ جواب کو مستحب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کہنا بھی مستحب ہے اور جواب کو مکروہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کہنا بھی مکروہ ہے۔

اگر جواب دینا مکروہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سلام کا اشارے کے ساتھ جواب نہ دے کر اس کی وضاحت کر دیتے، کیونکہ یہ مسلمہ قانون ہے کہ کسی مسئلہ کی وضاحت کو اس کی ضرورت و حاجت کے وقت سے مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

اس حدیث اور اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن اور قارئ قرآن کو بھی سلام کہنا چاہیے، کیونکہ ہر ایک کو سلام کہنا مشروع ہے، اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے، اگر نمازی کو سلام کہنا مستحب ہے تو مؤذن اور قاری تو بالاولی سلام کے مستحق ٹھہریں گے۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نے مسند میں ایک حدیث پڑھی تھی، جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والی ایک جماعت کو سلام کہا تھا، میں چاہتا ہوں کہ اس حدیث تک رسائی حاصل کر کے اس کی سند پر بحث کروں، لیکن فی الحال وہ مجھے نہیں مل رہی۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا مؤذن اور قاری سلام کا جواب لفظ کے ساتھ دیں یا اشارے کے ساتھ؟ پہلی بات زیادہ واضح معلوم ہو رہی ہے، امام نووی نے کہا: عام حالات کی طرح مؤذن کا بول کر سلام کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یہ معمولی سا عمل ہے، اس سے اذان باطل ہوتی ہے نہ اس میں خلل پڑتا ہے۔ (صحیحہ: ۱۸۵)

نمازی کو سلام کہنا

(۷۳۸)۔ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوفاً: ((مَا أُحِبُّ أَنْ أُسَلِّمَ عَلَى الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّي، وَلَوْ سَلَّمَ عَلَيَّ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ.))

(الصحيحة:۲۲۱۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نہیں چاہتا کہ نماز پڑھنے والے آدمی کو سلام کہوں، ہاں اگر مجھے کسی نے سلام کہا تو میں اس کو جواب ضرور دوں گا۔

تخريج: موقوف، أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني":۱/ ۲٦٤

شرح:...... پچھلے باب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نمازی کو سلام کہنے کو برقرار رکھا، یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے ہے، جس کو آپ ﷺ کے مبارک عمل پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

خواتین و حضرات کا نماز میں اجازت کا جواب دینے کا طریقہ
نماز میں ایسا اشارہ کرنا جس سے کوئی بات سمجھی جا سکے

(۷۳۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا اسْتُؤْذِنَ عَلَى الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّي فَإِذْنُهُ التَّسْبِيْحُ، وَإِذَا اسْتُؤْذِنَ عَلَى الْمَرْأَةِ وَهِيَ تُصَلِّي، فَإِذْنُهَا التَّصْفِيْقُ۔)) (الصحيحة:٤٩٧)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اس سے اجازت طلب کی جائے تو وہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہہ کر اجازت دے دے اور جب عورت نماز پڑھ رہی ہو اور اس سے اجازت طلب کی جائے تو وہ تالی بجا کر اجازت دے۔''

تخریج:أخرجه أبو الشيخ فى "الأقران": ٤/ ١ ، والبيهقى فى "السنن الكبرى": ٢/ ٢٤٧ ، ورواه مسلم والترمذى مختصرا بلفظ: ((التسبيح للرجال والتصفيق للنساء ، وكذالك اخرجه الشيخان وغيرهما من طرق اخرى عن ابى هريرة مرفوعا

شرح:...... سبحان اللہ! جہاں اس حقیقت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ دانستہ طور پر کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، وہاں اللہ تعالی نے نماز میں صبر وتحمل، خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کو برقرار رکھنے کے لیے جن امور کی اجازت دی ہے، ان میں ایک کا بیان اس حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ نماز میں مرد سبحان اللہ کہہ کر اور عورت تالی بجا کر اجازت لینے والے آدمی پر اپنی کیفیت واضح کر سکتے ہیں۔ اس حدیث میں نمازی اور اجازت لینے والے دونوں کی مصلحت کا خیال رکھا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ نمازی دورانِ نماز سبحان اللہ کہہ کر اجازت طلب کرنے والے کو اجازت دے کر اپنی نماز کو سکون کے ساتھ جاری رکھے اور اجازت لینے والے کو بھی انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

ابتدائے اسلام میں نماز کے دوران کسی سے ہم کلام ہونا جائز تھا، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ٢٣٨) ......''(تمام) نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی (عصر کی) نماز کی اور اللہ تعالی کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔''

تو نماز میں کلام کرنا حرام ہو گیا۔ لیکن نماز کے دوران بعض امور کو اشاروں کے ذریعے سرانجام دینے کی رخصت دی گئی، یہ اسلام کی کمال حکمت عملی ہے کہ اس نے اشارہ کرنے کی رخصت دے کر نمازیوں کو کوئی قسم کی بے چینیوں اور خشوع وخضوع کے منافی امور سے محفوظ کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی آدمی دورانِ نماز کسی کو روکنا چاہتا ہو یا اس حالت میں کوئی فرد اس سے اجازت طلب کرتا ہے، تو بجائے اس کے کہ وہ جلدی جلدی اور انتہائی بے سکون انداز میں نماز کی تکمیل کرے، اسے چاہیے کہ وہ شریعت کی رخصتوں پر عمل کرتے ہوئے اشارہ کر کے یا سبحان اللہ کہہ کر اپنے مقصود کی وضاحت کر دے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا:

اس حدیث سے بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ نماز مردوں کا سبحان اللہ کہہ کر اور عورتوں کا تالی بجا کر اجازت کا جواب دینا جائز ہے۔ ہاتھ اور سر سے اشارہ کرنا تو بالاولی جائز ہوگا اور اس کا جواز کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے، میں بعض کی تخریج صحیح ابوداود میں ان نمبروں (٨٥٨، ٨٥٩، ٨٦٠، ٨٧٠) کے تحت کی۔

احناف نے اس موضوع پر یہ حدیث پیش کی: ((مَنْ اَشَارَ فِي صَلَاتِهِ اِشَارَةً تُفْهَمُ عَنْهُ فَلْيُعِدْ لَهَا۔)) ......''جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا، جس سے کوئی بات سمجھی جا سکتی ہے، تو وہ اپنی نماز دوبارہ ادا کرے۔''

میں نے اس حدیث کے ضعف کی حقیقت کی وضاحت (ضعیف ابي داود:۱۶۹) اور (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ١١٠٤) میں کی ہے۔(صحیحہ: ٤٩٧)

ہم قارئین کے استفادہ کے لیے مذکورہ بالا حدیث پر کی گئی بحث نقل کر دیتے ہیں، امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ((مَنْ اَشَارَ فِي صَلَاتِهِ اِشَارَةً تُفْهَمُ عَنْهُ فَلْيُعِدْ لَهَا۔))يَعْنِيْ الصَّلَاةَ. ..... ''جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا، جس سے کوئی بات سمجھی جا سکتی ہے، تو وہ اپنے نماز دوبارہ ادا کرے۔''

یہ حدیث منکر، اس کو امام ابوداود (۹۴۴)، امام طحاوی (۱/ ۲۶۳) اور امام دارقطنی (۱۹۵۔ ۱۹۶) نے روایت کیا ہے، اس حدیث کے ضعف کی وجہ ابن اسحٰق ہے، جو مدلس ہے اور اس نے یہ روایت ''عن'' کے ساتھ بیان کی ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ جناب زیلعی حنفی نے اس حدیث کو (نصب الرایۃ: ۲/ ۹۰) میں ''حدیث جید'' کہا، حالانکہ وہ ابن جوزی سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انھوں نے اس کو اسی علت کی بنا پر ''التحقیق'' میں معلول کہا۔

فقہ حنفی کی کتاب (الھدایۃ) میں حنفی مسلک کے حق میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا: ''نمازی زبان سے سلام کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہاتھ سے اشارہ کر کے دے سکتا ہے، کیونکہ یہ معنوی طور پر کلام ہوگی۔ اگر کوئی نمازی سلام کی نیت سے کسی سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔''

اس مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے، جس کا ضعف واضح ہو چکا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث صحیحہ کے مخالف بھی ہے، جن کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اشارہ کرنا ثابت ہے۔ اسی لیے ہم نے اس حدیث کو منکر کہا، ابن ابوداود کے سابقہ کلام میں یہ اشارہ موجود ہے، اسی لیے عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب احکام (۱۳۷۰) میں اس حدیث کے بعد کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مسلم وغیرہ کی احادیث کی روشنی میں اشارہ کرنا جائز ہے۔

ان کی مراد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے ذریعے سلام کا جواب دیا تھا، میں نے اس کی تخریج (صحیح ابی داود: ٨٥٩) میں کی ہے، اور سیدنا انس (صحیح ابی داود: ٨٧١) کی حدیث سے بھی اشارے کا ثبوت ملتا ہے۔ (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ١١٠٤)

نماز کے دوران ضرورت کے پیش نظر اشارہ کرنے کے مزید دلائل:

(۱)......سیدہ اسما رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سورج گرہن کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف پڑھا رہے تھے، خواتین و حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا: لوگوں کو کیا ہوا (کہ وہ اب نماز پڑھ رہے ہیں)؟ انھوں نے نماز ہی میں آسمان (یعنی سورج) کی طرف اشارہ کیا اور ''سبحان اللہ'' کہا۔ میں نے کہا: یہ کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے ''جی ہاں'' کا اشارہ کیا۔ (بخاری: ۱۰۵۳) یہ واقعہ نہ

صرف نبی کریم ﷺ کی موجودگی کا ہے، بلکہ آپ کی اقتدا میں کھڑے ہونے والی عورتوں کا ہے، اس میں دو دفعہ اشارے اور ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کا ذکر ہے۔

(۲)......سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ صلح کرانے کے لیے بنو عمرو کی طرف گئے، مسجد نبوی میں نماز کا وقت ہو گیا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امامت کے فرائض ادا کرنا شروع کیے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے ابو بکر صدیق کو متنبہ کرنے کے لیے تالیاں بجائیں، چونکہ وہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لیے لوگوں نے کثرت سے تالیاں بجانا شروع کر دیں، بالآخر انھوں نے پیچھے دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صف میں کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے (نماز میں ہی) ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے مقام پر ٹھہرے رہو اور (نماز کی امامت جاری رکھو)۔'' آخر میں آپ ﷺ نے ایسی صورتحال میں مردوں کو سبحان اللہ کہنے اور عورتوں کو تالی بجانے کا حکم دیا۔ (بخاری: ۶۸۴)

(۳)......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بیمار ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی، جبکہ آپ کی اقتدا کرنے والے لوگ کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر امام کی اقتدا کے مسئلہ کی وضاحت کی۔ (بخاری: ۶۸۸)

(۴)......سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ عصر کی نماز کے بعد ظہر کے بعد والی دو رکعتیں ادا کر رہے تھے، تو اس دوران آپ ﷺ نے سوال کرنے والی لونڈی کی طرف اشارہ کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ (بخاری: ۱۲۳۳)

ان اور اس موضوع پر دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ نماز کسی کی طرف اشارہ کرنے کی رخصت شریعت نے برقرار رکھی ہے۔

(۷٤۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: كَانَ ﷺ يُصَلِّي فَإِذَا سَجَدَ، وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى ظَهْرِهِ فَإِذَا أَرَادُوْا أَنْ يَمْنَعُوْهُمَا، أَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ دَعُوْهُمَا فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ وَضَعَهُمَا فِي حِجْرِهِ، وَقَالَ: ((مَنْ أَحَبَّنِي، فَلْيُحِبَّ هٰذَيْنِ۔)) (الصحيحة: ۳۱۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے، جب سجدہ کرتے تو حسن اور حسین اچھل کر آپ کی پیٹھ پر چڑھ جاتے۔ جب صحابہ ارادہ کرتے کہ انھیں روکیں تو آپ ﷺ اشارہ کرتے کہ ان کو (اپنے حال پر) چھوڑ دو۔ جب نماز پوری کرتے تو انھیں اپنی گودی میں بٹھا لیتے اور فرماتے: ''جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان دونوں سے محبت کرے۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ۸۸۷، وأبويعلى في "مسنده": ۶۰/ ۲

شرح:...... اگر نماز کے سجدوں کے دوران کوئی بچہ نمازی کی کمر پر سوار ہو جاتا ہے تو وہ سجدے کو طویل کر سکتا

ہے۔ نیز اس حدیث سے پتہ چلا کہ نماز میں اشارہ کرنا درست ہے۔

(٧٤١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، وَأَبِي بَشِيْرٍ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ ذَاتَ يَوْمٍ، فَمَرَّتِ امْرَأَةٌ بِالْبَطْحَاءِ، فَأَشَارَ إِلَيْهَا أَنْ تَأَخَّرِيْ، فَرَجَعَتْ حَتّٰى صَلّٰى، ثُمَّ مَرَّتْ۔ (الصحيحة:٣٠٤٢)

حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو ایک دن وادیٔ بطحا میں نماز پڑھا رہے تھے، ایک عورت نے سامنے سے گزرنا چاہا، آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ٹھیر جا۔ پس وہ پیچھے ہٹ گئی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ سامنے سے گزر گئی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٦ من طريق عبدالله، والطبراني في"المعجم الكبير": ٢٢/ ٢٩٤/ ٧٥١

شــــرح:...... شریعت نے دورانِ نماز اشارہ کرنے کی رخصت کو برقرار رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے نمازی کئی بے چینیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ کو نماز میں راحت ملتی تھی

(٧٤٢)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ، وَامْرَأَةٌ تُصَلِّي بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَحَسَّ الْتَفَتَ إِلَيْهَا، فَقَالَ لَهَا: ((اضْطَجِعِي إِنْ شِئْتِ۔)) قَالَتْ: إِنِّي أَجِدُ نَشَاطًا، قَالَ: ((إِنَّكِ لَسْتِ مِثْلِيْ، إِنَّمَا جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔)) (الصحيحة: ١١٠٧، ٣٣٢٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھ رہے تھے، ایک عورت بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہی تھی، جب آپ ﷺ کو محسوس ہوا تو اسے فرمایا: ”اگر تو چاہتی ہے تو لیٹ جا۔“ اس نے کہا: میں ابھی ہشاش بشاش ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو میری مثل تو نہیں نا، میری تو آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“

١١٠٧: تخريج: أخرجه ابن نصر في"الصلاة" ٦٨/ ٢، والعقيلي في ترجمة يحيىٰ بن عثمان

٣٣٢٩:تخريج: أخرجه ابن نصر في"تعظيم قدر الصلاة": ق ٦٨/ ٢، وأخرجه العقيلي: ٤/ ٤٢٠ مختصرا، والخطيب: ١٤/ ١٩٠ أتم منه

شــــرح:...... نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو نمازِ تہجد پڑھنے کی بہت زیادہ تلقین کی ہے، اس نماز کے بعض فضائل اسی کتاب میں قلم بند کیے جا چکے ہیں۔ لیکن اس حدیث میں آپ ﷺ ایک عورت کو منع فرما رہے ہیں۔ بلاشبہ اس کی تطبیق یہ ہوگی کہ آپ ﷺ انتہائی طوالت کے ساتھ رات کا قیام کرتے تھے، جو اس صحابیہ کی بس کی بات نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اسے منع فرما دیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو قیام اللیل سے مطلق طور پر سے منع کر دیا گیا ہے۔

نماز رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک

(۷۴۳)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔)) (الصحيحة:۱۸۰۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

تخریج: رواه العقيلي في "الضعفاء": ٤٦٥، والخطيب في ترجمة يحيىٰ هذا: ١٢/ ٣٧١، ١٤/ ١٩٠

(۷۴۳م)۔ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔)) (الصحيحة: ۳۲۹۱)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٢٠/ ٤٢٠/ ١٠١٢

شرح:...... کائنات میں سب سے عظیم وجلیل، حمید و مجید اور علیم و کریم ہستی اللہ تعالیٰ کی ہے اور نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشیاں کرنے اور ہم کلام ہونے کا افضل و اعلیٰ ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عقل و دانش اور حکمت و دانائی والوں کو نماز میں تسکین نصیب ہوتی ہے اور سب سے بڑے حکیم و دانا محمد رسول اللہ ﷺ تھے، آپ ﷺ ایک ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی تلاوت کر لیتے تھے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ ہمیں نماز میں تسکین نصیب ہو، نماز ہمارے دکھوں کے لیے رحمت کا پیغام بن کر آئے۔

نماز میں اس سے غافل کرنے والے امور سے دور رہا جائے

(۷۴۴)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خَمِيصَةٌ، فَأَعْطَاهَا أَبَا جَهْمٍ، فَقِيلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذِهِ الْخَمِيصَةَ خَيْرٌ مِنَ الْإِنْبِجَانِيَةِ۔ فَقَالَ: ((إِنَّهَا تُلْهِيْنِي عَنْ صَلَاتِي أَوْ قَالَ: تَشْغَلُنِي۔)) (الصحيحة: ۲۷۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پھول بوٹیوں والی قمیص تھی، جو ابو جہم نے آپ کو ﷺ کو دی تھی، آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ قمیص، انجانیہ قمیص سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو مجھے نماز سے غافل یا مشغول کرنے لگی تھی۔''

تخریج: أخرجه ابن راهويه في "المسند": ٤/ ٦٤/ ٢، وأخرجه البخاري: ٤/ ٩٣/ ١، ومسلم: ٢/ ٧٨ من طرق اخرى

شرح:...... مسئلہ انتہائی واضح ہے کہ نقش و نگار والے مصلوں اور قالینوں پر اور منقّش پردوں کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ ہر فرد کے لیے خلل کا باعث بن سکتے ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو مستثنی نہیں سمجھا تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ سیدنا عثمان بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنَّهُ لَا

يَنْبَغِي اَنْ يَّكُوْنَ فِي قِبْلَةِ الْبَيْتِ شَيْءٌ يُّلْهِي الْمُصَلِّيَ.)) (ابوداود) ..... ''بلاشبہ یہ مناسب و جائز نہیں ہے کہ گھر کے قبلہ کی سمت میں کوئی ایسی چیز ہو جو نمازی کو غافل کر دے۔''

لیکن آج کل مساجد کی دیواروں پر نقش و نگار، خوبصورت اور جاذب نظر ٹائلوں کا کام زور شور کے ساتھ کیا جا رہا ہے، پردوں کے عجیب و غریب ڈیزائن لٹکائے جا رہے ہیں، منبر و محراب کو حسین سے حسین انداز میں پیش کیا جا رہا ہے اور مزین قالین بچھائے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں ایسا کرنے والوں کے ارادے کیا ہیں، ویسے ان کی یہ تمام کاروائیاں نمازیوں کے حق میں مضر اور نقصان دہ ہیں۔

آپ ﷺ کی طویل نماز اور فرزندانِ امت کے حق میں دعائیں

(٧٤٥)۔ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ، قَالَ: صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً صَلَاةً، فَأَطَالَ فِيْهَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَطَلْتَ الْيَوْمَ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: ((إِنِّي صَلَّيْتُ صَلَاةَ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ، سَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لِأُمَّتِي ثَلَاثاً فَأَعْطَانِيَ اثْنَتَيْنِ، وَرَدَّ عَلَيَّ وَاحِدَةً، سَأَلْتُهُ أَن لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِم عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَايُهْلِكَهُمْ غَرَقاً، فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُهُ أَن لَّايَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ، فَرَدَّهَا عَلَيَّ.))

(الصحيحة: ١٧٢٤)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لمبی نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آج آپ نے بہت لمبی نماز پڑھائی ہے، (کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آج ترہیب اور ترغیب والی نماز پڑھی ہے، میں نے اللہ تعالی سے اپنی امت کے لیے تین چیزوں کا سوال کیا ہے، اس نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک دعا قبول نہیں کی۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ میری امت پر غیروں کو بطورِ دشمن مسلط نہ کرے، اس نے مجھے یہ چیز عطا کر دی۔ (دوسرے نمبر پر) میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو غرق نہ کرے، اس نے یہ دعا بھی قبول کر لی اور میں نے (تیسرے نمبر پر) یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو آپس میں لڑنے سے بچائے، لیکن اس نے یہ دعا قبول نہ کی۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٣٩٥١، وابن خزيمة في "صحيحه": رقم۔ ١٢١٨، وأحمد: ٥/ ٢٤٠

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے خیر خواہی کرتے ہوئے ان کے حق میں تین دعائیں کیں، لیکن اللہ تعالی نے ایک دعا قبول نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی دعائیں اور التجائیں منوانے پر قادر نہیں تھے، صرف اللہ تعالی ہی ہے جس کی مشیت اور ارادہ کارفرما ہے۔ پھر بھی بعض لوگ آپ ﷺ کو مختارِ کل سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق

(٧٤٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَشُهُوْدُ الْجَنَازَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَاللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ)) (الصحيحة: ١٨٠٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ تین (حقوق) ہر مسلمان پر واجب ہیں: مریض کی تیمار داری کرنا، جنازوں میں حاضر ہونا اور جب چھینکنے والا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہے تو اسے ”یَرْحَمُكَ اللّٰہُ“ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہنا۔“

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥١٩، وأخرجه ابن ماجه: ١٤٣٥، واحمد: ٢/ ٣٣٢ بلفظ: ((خمس من حق المسلم على المسلم: رد التحية، واجابة الدعوة، وشهود الجنازة، وعيادة المريض، وتشميت العاطس اذا حمد الله۔)) وروى مسلم نحو رواية ابن ماجه و احمد

شرح:...... تیمار داری کرنا، جنازہ ادا کرنا اور چھینک کر ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ کہنے والے کو ”یَرْحَمُكَ اللّٰہُ“ کہنا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حق ہیں، جن کی ادائیگی ضروری ہے، ہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے، ہر آدمی پر فرض نہیں۔ اس ضمن میں اس حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھنا از حد ضروری ہے کہ ہم تیمارداری اور نمازِ جنازہ کے لیے اپنے رشتے اور تعلق کو بنیاد بناتے ہیں، نہ کہ اسلام کو۔ یاد رہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کا تعلق اہل میت سے نہیں ہوتا، میت سے ہوتا ہے اور تیمار داری کا تعلق دوست اور رشتہ دار سے نہیں ہوتا، مسلمان سے ہوتا ہے۔ ہم بظاہر نیکیاں تو کرتے ہیں، لیکن بیچ میں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا نام کم پایا جاتا ہے، زیادہ تر ظاہر پرستی کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ رہا مسئلہ چھینک کے احکام و مسائل کا تو امتِ مسلمہ کی اکثریت ان سے غافل ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ چھینکنے والا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ کہے، سننے والا ”یَرْحَمُكَ اللّٰہُ“ کہے اور پھر چھینکنے والا ”یَهْدِیْكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ“ کہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کی تمام جزئیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جوتوں میں نماز پڑھنا

(٧٤٧)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ: قِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هَلْ أَدْرَكْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: جَاءَ نَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَسْجِدِنَا (قُبَاءَ) فَجِئْتُ وَأَنَا غُلَامٌ حَدَثٌ حَتّٰى جَلَسْتُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَجَلَسَ أَبُوْ بَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ دَعَا بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ أَعْطَانِيْهِ،

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت عبد اللہ ابو حبیبہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تو نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات یاد کی ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے، میں اس وقت نوعمر لڑکا تھا، میں آیا اور آپ ﷺ کی دائیں جانب بیٹھ گیا اور ابو بکر آپ ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے مشروب منگوایا، کچھ پیا اور باقی مجھے دے دیا، کیونکہ میں

وَأَنَا عَنْ يَمِيْنِهِ ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي ، فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ۔ (الصحيحة: ٢٩٤١)

دائیں جانب بیٹھا تھا، میں نے وہ مشروب پی لیا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جوتوں سمیت نماز پڑھ رہے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٢١ ، وابن أبي عاصم في "الوحدان": ٤/ ١٦٧/ ٢١٤٨

شــرح: ...... ایک سے زائد لوگوں کو کھانا کھلانے، پانی پلانے، چائے وائے پلانے اور کوئی ہدیہ و تحفہ وغیرہ تقسیم کرتے وقت دائیں طرف سے ابتدا ہونی چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں عام مجالس میں اس سنت سے مکمل بے رخی برتی جاتی ہے، ہم نے بزعم خود لوگوں کو مراتب میں تقسیم کر دیا ہے، کوئی اہل علم کو ترجیح دیتا ہے، کوئی سیاسی لیڈر کو اہمیت دیتا ہے، کوئی اپنے دوست کے گیت گاتا ہے۔ الغرض ہر کوئی اس سنت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے نفس کی ترجیحات کو مقدم کرتا ہے اور کوئی چیز تقسیم کرتے وقت دائیں طرف سے شروع نہیں کرتا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لیے بکری کا دودھ دوہا گیا، اس میں پانی ملایا گیا اور پھر آپ ﷺ کو تھما دیا گیا۔ آپ ﷺ نے پیا۔ آپ کی بائیں جانب ابو بکر صدیق اور دائیں جانب ایک بدو بیٹھا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اپنے منہ سے پیالہ ہٹایا تو سیدنا عمر رضی اللہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آپ بدو کو دے دیں گے، اس لیے انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابو بکر کو دو۔ لیکن آپ ﷺ نے دودھ دائیں طرف والے بدو کو تھما دیا اور فرمایا: ((اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ۔)) ''دائیں طرف والے کو مقدم کرو، دائیں طرف والے کو مقدم کرو۔'' (بخاری: ۲۳۵۲، مسلم: ۲۰۲۹) اور مسلم کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْأَیْمَنُوْنَ ، اَلْأَیْمَنُوْنَ ، اَلْأَیْمَنُوْنَ۔)) قَالَ أَنَسٌ: فَهِيَ سُنَّةٌ ، فَهِيَ سُنَّةٌ ، فَهِيَ سُنَّةٌ۔ ...... ''دائیں جانب والے، دائیں جانب والے، دائیں جانب والے (مقدم ہیں)۔'' سیدنا انس نے کہا: پس یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے۔

سوال یہ ہے کہ دودھ لانے والے نے دائیں جانب کو ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کو کیوں تھمایا؟ امام البانی رحمہ اللہ جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: دراصل نبی کریم ﷺ نے مشروب طلب کیا تھا، اس لیے آپ سے ابتدا کی گئی۔ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ دائیں جانب کو ترک کر کے بڑی عمر والے سے ابتدا کی جائے گی، جیسا کہ آجکل عام ہے۔ دیکھئے! نبی کریم ﷺ نے خود اس سنت کا خیال رکھتے ہوئے بدو کو ابو بکر صدیق جیسی عظیم شخصیت پر مقدم کیا اور پھر وضاحت یہ فرمائی کی دائیں طرف والوں کو ہی مقدم کرنا چاہیے۔ (صحیحہ: ۱۷۷۱) جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سفارش بھی کی تھی کہ ابو بکر کو ترجیح دی جائے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے، اس مسئلہ میں کثیر احادیث تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔ بعض احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ (صحیحہ: ۲۹۴۱) بلکہ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے، لہٰذا تم ان کی مخالفت

کرو۔'' (ابو داود: ٦٥٢)

جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونے اور اس میں نماز پڑھنے کا صرف ایک ادب ہے کہ جوتا ظاہری طور پر نجاست سے پاک ہونا چاہیے۔ یاد رہے کہ شریعت نے جوتے پر لگی ہوئی نجاست کو زمین پر رگڑ کر صاف کرنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ دھونے کا، جیسا کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنا درست ہے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ لے، اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے، تو جوتوں کو زمین پر رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔'' (ابو داود: ٦٥٠)

اگر ہم عصر حاضر میں قالینوں اور چٹائیوں کی وجہ سے مساجد میں جوتوں سمیت گھسنا ناپسند کرتے ہیں، تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے احترام میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ یعنی سب سے پہلے ہمیں انشراح صدر کے ساتھ تسلیم کرنا چاہیے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے، اس کے بعد مسجد اور اس میں بچھی ہوئی صفوں کی صفائی کا خیال کر کے ننگے پاؤں داخل ہونے کی رائے دی جا سکتی ہے۔

بطورِ مصلحت بعض نمازوں کا حکم دینا

(٧٤٨)۔ عَنْ فُضَالَةَ اللَّيْثِيِّ ، قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ فِيْمَا عَلَّمَنِي أَنْ قَالَ لِي: ((حَافِظْ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ۔)) فَقُلْتُ: إِنَّ هٰذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيْهَا أَشْغَالٌ ، فَمُرْنِي بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا أَنَا فَعَلْتُهُ أَجْزَأَ عَنِّي ، قَالَ: ((حَافِظْ عَلَى الْعَصْرَيْنِ: صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوْبِهَا)) (الصحيحة: ١٨١٣)

حضرت فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ امور کی تعلیم دی، ان میں سے ایک امر یہ بھی تھا: ''پانچوں نمازوں کی محافظت کیا کر۔'' میں نے کہا: ان گھڑیوں میں تو میں مصروف رہتا ہوں، آپ مجھے کوئی ایسا جامع و مانع حکم دیں کہ میں اس پر عمل کرتا رہوں اور وہ مجھے کفایت کرتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو نمازوں یعنی طلوع آفتاب سے پہلے والی اور غروبِ آفتاب سے پہلے والی نمازوں کی محافظت کرتا رہ۔''

تخريج: رواه أبوداود: ٤٥٣۔ صحيحه، والطحاوي في "المشكل": ١/ ٤٤٠، وابن حبان: ٢٨٢، والحاكم: ١/ ٢٠، ٣/ ٦٢٨، والبيهقي والحافظ ابن حجر في "الأحاديث العاليات": رقم۔ ٣١

شرح:...... کسی آدمی کے دماغ میں یہ نکتہ سرایت نہ کر جائے کہ دو نمازوں پر اکتفا کرنا بھی درست ہے، علمائے حق کے نزدیک اس حدیث کے دو معانی مراد لینا ممکن ہیں: (۱) اس آدمی کو اس کی مصروفیت کی وجہ سے جماعت سے پیچھے رہنے کی رخصت دی گئی تھی، نہ کہ ترکِ نماز کی، امام البانی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے اور (۲) وہ کوئی نو مسلم آدمی تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت نے اس بات کا تقاضا کیا کہ فی الحال اس کو رخصت دی جائے، جب ایمان میں رسوخ پیدا ہو جائے گا تو اس کے لیے پانچ نمازوں کی ادائیگی ممکن ہو جائے گی اور یہی بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے کہ جب

کوئی مبلّغ کسی بے نمازی کو پانچ نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے، لیکن وہ اس بات پر مصرّ ہے کہ وہ صرف دو تین نمازیں پڑھے گا تو اس حدیث کی روشنی میں اسے کہا جا سکتا ہے کہ چلو تم دو تین ہی پڑھتے رہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

درج ذیل روایت کو دیکھا جائے تو دوسرا معنی راجح اور درست معلوم ہوتا ہے:

ابوزبیر بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ثقیف قبیلہ کی بیعت کے بارے، میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ اس قبیلے نے (بیعت کرتے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط عائد کی تھی کہ ان پر صدقہ ہو گا نہ جہاد۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سَيَتَصَدَّقُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ إِذَا أَسْلَمُوْا۔)) .... ''عنقریب جب یہ لوگ (پکے) مسلمان ہو جائیں گے تو صدقہ بھی دیں گیا اور جہاد بھی کریں گے۔'' (مسند احمد: ۳/ ۳٤١، صحيحه: ١٨٨٨)

یہ حدیث اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت کی کسی بڑی مصلحت کی خاطر کسی کو عارضی طور پر اسلام کے بعض احکام سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف قبیلہ والے لوگوں کی شرطیں تسلیم نہ کرتے تو ممکن تھا کہ وہ کفر پر اڑے رہتے، جو کہ بہت بڑی مفسدت تھی، اس مفسدت سے تو وہ ناقص اسلام ہی بہتر ہے، جس میں جہاد اور صدقہ نہ ہوں، جبکہ رخصت دینے والے کو یہ امید بھی ہو کہ عنقریب یہ لوگ تمام اسلامی احکام کو تسلیم کر لیں گے۔ یہی معاملہ اس باب کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچوں نمازیں نہ پڑھنے سے بہرحال دو ادا کر لینا بہتر ہے، ان دو کے ذریعے آہستہ آہستہ پانچ کا قائل کرنا ممکن ہو جائے گا۔ قربان جایئے حکیم و دانا پیغمبر کی حکمت و دانائی پر۔

قاعد اور قائم کی نمازوں کے اجر و ثواب میں فرق

(٧٤٩)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ۔)) (الصحيحة: ٣٠٣٣)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کا اجر کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی بہ نسبت نصف ہے۔''

تخريج: قد صح هذا عن جمع من اصحاب رسول الله ﷺ في "الصحيحين" و "السنن" و غيرهما، وقد خرجت الكثير منها قديما في "الروض النضير": ٥٨٥، ٧٧٦ و "صحيح ابي داود": ٨٧٦، و "الارواء": ٢/ ٢٠٦/ ٤٥٥

شرح:...... جہاں تک ہو سکے کھڑے ہو کر ہی نماز کا اہتمام کرنا چاہئے۔ عام طور پر عوام الناس میں شائع ہونے والی پاکٹ سائز کتابوں میں لکھا ہوتا ہے کہ نفلی نماز بیٹھ کر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مکمل ثواب لینے کے بجائے عوام کو آدھا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب کیوں دلائی جاتی ہے۔

نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کا سہارا لینا اور ہاتھوں کی کیفیت

(٧٥٠)۔ عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ يَعْجِنُ فِي الصَّلَاةِ

ازرق بن قیس کہتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نماز میں کھڑے ہونے کے لیے ہاتھوں پر سہارا

يَعْتَمِدُ عَلٰى يَدَيْهِ إِذَا قَامَ ، فَقُلْتُ: مَاهٰذَا يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَعْجِنُ فِي الصَّلَاةِ۔

لیتے ۔ میں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! یہ انداز کیسا؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ بھی نماز میں (کھڑے ہونے کے لیے) ہاتھوں کا سہارا لیتے تھے۔

(الصحيحة: ٢٦٧٤)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ١/ ٢٣٩/ ١ـ مصورة الجامعة الاسلامية: رقم ٤١٩

شــــرح:...... معلوم ہوا کہ جب نمازی دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہوگا تو وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر ان پر سہارا لے کر کھڑا ہوگا۔

امام البانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ایک فاضل بھائی نے نماز میں کھڑے ہونے کی کیفیت کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا اور ۱۴۰۶ھ (موافق ۱۹۸۵ء) کونشر کیا۔ وہ علمائے اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے بعض صحیح احادیث کی تاویلات کرتے رہے اور اپنی تاویلات کو قوت دینے کے لیے، احادیث ضعیفہ کی بھرمار کرتے رہے۔

ہم نے جو حدیث اس باب میں نقل کی ہے، یہ صحیح ہے، لیکن انھوں نے مختلف امور اور علتوں کی بنا پر اس کو ضعیف قرار دینے کوشش کی۔ ان کی ان ساری کوششوں سے ان کی نام نہاد اہلیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، ان کو چاہیے تھا کہ جو کام ان کو زیب نہیں دیتا، اس میں دخل نہ دیتے، میں نے اپنی کتاب (تمام المنة : صـ١٩٦ تا ٢٠٧) ان کی فقہی اور حدیثی خطاؤں کا طویل اور واضح جائزہ لیا ہے۔ وسعت کے خواہشمند خود مطالعہ کر لیں۔ (صحيحه : ٢٦٧٤)

سنن اربعہ کی جس حدیث میں "وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ" (جب آپ ﷺ نماز میں کھڑے ہوتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے تھے) کا ذکر ہے، وہ شریک قاضی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

معذور کا تکیہ وغیرہ پر سجدہ کرنا منع ہے

(٧٥١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: عَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِهِ مَرِيْضاً وَأَنَا مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي عَلٰى عُوْدٍ، فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْعُوْدِ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ، فَطَرَحَ الْعُوْدَ وَأَخَذَ وِسَادَةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((دَعْهَا عَنْكَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ اپنے ایک بیمار کی عیادت کرنے کے لیے نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، جب اس کے پاس پہنچے تو (کیا دیکھتے ہیں کہ) وہ ایک لکڑی پر نماز پڑھ رہا ہے اور (سجدہ کرتے وقت) اپنی پیشانی اس پر ٹیکتا ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور لکڑی کو پھینک دیا، اس نے تکیہ پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو ہٹا دے، اگر تجھے زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت ہے تو ٹھیک، وگرنہ

مِنْ رُكُوْعِكَ۔)) (الصحيحة:۳۲۳)

اشارے سے نماز پڑھ اور سجدوں کے لیے رکوع کی بہ نسبت زیادہ جھک۔''

تخریج:أخرجه الطبرانی فی "المعجم الکبیر": ۳/ ۱۸۹/ ۲

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر کوئی مریض سجدے کی ادائیگی اس کی اصل حالت میں زمین پرنہیں کر سکتا تو وہ تکیہ یا ٹیبل وغیرہ کا استعمال نہ کرے، کیونکہ سجدہ کرنے کے صرف دو طریقے ہیں: (۱) زمین پر، جو کہ اصل طریقہ ہے اور (۲) اشارے سے، جو کہ کسی مجبوری کی بنا پر ہے۔

نماز، تین حصوں پر مشتمل ہے

(۷۵۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلصَّلَاةُ ثَلَاثَةُ أَثْلَاثٍ: اَلطُّهُوْرُ ثُلُثٌ، وَالرُّكُوْعُ ثُلُثٌ وَالسُّجُوْدُ ثُلُثٌ، فَمَنْ أَدَّاهَا بِحَقِّهَا قُبِلَتْ مِنْهُ وَقُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَمَنْ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ۔)) (الصحيحة:۲۵۳۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز تین حصوں پر مشتمل ہے: ایک تہائی حصہ طہارت ہے، ایک تہائی رکوع اور ایک تہائی سجدے ہیں۔ جس نے نماز کو کما حقہ ادا کیا اس کے بقیہ اعمال بھی مقبول ہوں گے اور جس کی نماز مردود ہو گئی، اس کے بقیہ اعمال بھی رائیگاں جائیں گے۔''

تخریج: أخرجه البزار فی "مسنده":۱/ ۱۷۷/ ۳۴۹

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہو رہا ہے کہ طہارت، رکوع اور سجود نماز کے اہم ترین ارکان ہیں اور ان کے بغیر کسی صورت میں نماز مقبول نہیں ہو گی، یاد رہے کہ اس حدیث سے تکبیر تحریمہ، قیام، تشہد اور سلام وغیرہ کی فرضیت و اہمیت میں کوئی کمی نہیں آ رہی، اس سے صرف تین ارکان کی اہمیت کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ طہارت مکمل کر کے نماز میں رکوع و سجود جیسے ارکان اطمینان و اعتدال کے ساتھ ادا کیے جائیں، نہ کہ جلد بازی میں۔

فجر کی اقسام اور ان کے احکام

(۷۵۳)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْفَجْرُ فَجْرَانِ، فَجْرٌ يُقَالُ لَهُ: ذَنَبُ السِّرْحَانِ، وَهُوَ الْكَاذِبُ يَذْهَبُ طُوْلًا، وَلَا يَذْهَبُ عَرْضًا، وَالْفَجْرُ الْآخَرُ يَذْهَبُ عَرْضًا وَلَا يَذْهَبُ طُوْلًا۔)) (الصحيحة :۲۰۰۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو قسمیں ہیں: ایک فجرِ کاذب ہے، جس میں روشنی بھیڑیے کی دم کی طرح اوپر کو اٹھتی ہے، نہ کہ چوڑائی میں اور دوسری فجر (صادق) ہے جس میں روشنی عرضاً پھیلتی ہے، نہ کہ طولاً۔''

تخریج: أخرجه الحاكم وعنه البيهقي: ١/ ٣٧٧، والديلمي ٢/ ٣٤٤

(٧٥٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْفَجْرُ فَجْرَان: فَجْرٌ يُحَرِّمُ فِيْهِ الطَّعَامُ، وَتَحِلُّ فِيْهِ الصَّلَاةُ، وَفَجْرٌ تَحْرُمُ فِيْهِ الصَّلَاةُ، وَيَحِلُّ فِيْهِ الطَّعَامُ۔)) (الصحيحة: ٦٩٣)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو قسمیں ہیں: (۱) فجر (صادق) ہے، جس میں (سحری کا کھانا) کھانا حرام ہوتا ہے اور نمازِ (فجر) پڑھنا درست ہوتا ہے اور (۲) فجرِ (کاذب) ہے، جس میں نمازِ (فجر) کی ادائیگی حرام ہوتی ہے اور (سحری کا کھانا) کھانا درست ہوتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٥٢/ ٢، وعنه الحاكم: ١/ ٤٢٥، والبيهقي: ١/ ٣٧٧، ٤٥٧، ٤/ ٢١٦

شرح:...... فجر کی دو اقسام ہیں: فجر کاذب اور فجر صادق۔ نمازِ فجر اور روزہ کے وقت کی ابتدا فجر صادق سے ہوتی ہے، فجر کاذب تو رات کا ہی حصہ ہے، جس میں سحری کرنا جائز ہوتا ہے اور نماز فجر ادا کرنا حرام۔ اگلی حدیث میں ان دونوں کی اقسام کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی فقاہت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام ابن خزیمہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرضی نماز کی ادائیگی اس کے وقت سے پہلے ناجائز ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: امام بیہقی نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا: ''طلوع فجر سے پہلے نماز فجر کی ابتدا کرنے والے کا نماز کا اعادہ کرنا''

اس حدیث میں یہ بڑی اہم تنبیہ ہے کہ فجر صادق کے طلوع کے بعد نماز فجر کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، نہ کہ اس سے پہلے۔ عمان کی طرح کئی صوبوں اور شہروں میں مؤذنین فجر صادق سے آدھا گھنٹہ پہلے اذان دے دیتے ہیں، اس سلسلے میں وہ ماہرین فلکیات کے مرتب ٹائم ٹیبل پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ یہ لوگ خطا پر ہیں۔ دمشق، جزائر، مغرب، کویت، مدینہ منورہ اور طائف کے کئی علاقوں میں بھی طلوعِ فجر سے پہلے اذان دے دی جاتی ہے۔ واللہ المستعان۔ (صحیحہ: ٦٩٣)

پاکستان کے بعض علاقوں کی بعض مساجد میں بھی نماز فجر کی اذان کے بارے میں احتیاط نہیں کی جاتی اور وقت سے دس بارہ اور اٹھارہ بیس منٹ پہلے ہی اذان دی جاتی ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

تکبیرات الانتقال کب کہی جائیں؟

(٧٥٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: ((كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ كَبَّرَ ثُمَّ يَسْجُدُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے، پھر سجدہ

الْقَعْدَةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَامَ۔)) (الصحيحة: ٦٠٤)

کرتے اور جب درمیانی قعدہ بیٹھنے کے بعد اٹھنے (کا ارادہ کرتے) تو "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہتے، پھر اٹھتے تھے۔

تخریج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٢٨٤/ ٢، وفي معناه ما اخرجه البخاري: ٢/ ٢١٢، واحمد: ٢/ ٤٥٤ بلفظ: ......

شرح:...... معلوم ہوا کی تکبیرات الانتقال دوسری حالت میں منتقل ہونے کی ابتدا میں ہی کہی جاتی ہیں، بعض احباب کا خیال ہے کہ اماموں کو چاہئے کہ وہ دوسری حالت میں منتقل ہو چکنے کے بعد تکبیر یا سمع اللہ ..... کہیں تا کہ مقتدی اپنے اماموں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ان احباب کو سوچنا چاہئے کہ وہ امت مسلمہ کے حق میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر خیر خواہ نہیں ہیں، جب تک نبوی منہج کے مطابق تربیت نہیں کی جائے گی، اس وقت تک فلاح نہیں ہو سکتی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم مقتدیوں پر اصل مسئلہ کی وضاحت کر کے ان کو امام کی اقتدا کا پابند بنائیں، جب صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہوتے تھے تو وہ جہاں آپ ﷺ کی تکبیرات کا انتظار کرتے وہاں ممکنہ صورت میں آپ ﷺ کے وجود پر بھی نظر رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سجدے میں اپنی پیشانی رکھ دیتے تھے تو پھر ہم سجدہ کے لیے جھکنا شروع کرتے تھے۔ لہٰذا ائمہ حضرات لوگوں کی تربیت اس طرح کریں کہ تکبیرات الانتقال کے بعد وہ کتنا انتظار کر کے امام کی اتباع کریں۔

نمازِ فجر کے بعد خوابوں کے بارے میں سوال کرنا

(٧٦٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ يَقُوْلُ: ((هَلْ رَأَى أَحَدُكُمْ مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟)) وَيَقُوْلُ: ((لَيْسَ يَبْقَى بَعْدِيْ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔))

(الصحيحة: ٤٧٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تو پوچھتے: ''کیا کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟'' اور مزید فرماتے: ''نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے نیک خواب کے۔''

تخریج: أخرجه مالك في "الموطأ": ٢/ ٩٥٦/ ٢، وعنه الحاكم: ٤/ ٣٩٠، والشطر الثاني منه اخرجه البخاري: ٤/ ٣٤٩

شرح:...... جبکہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبوت سے صرف مبشرات ہی باقی رہ گئی ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نیک خواب۔''

ابن التین نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موت سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور وحی کے بعد صرف خواب ہی ہے جس کے ذریعے مستقبل میں ہونے والی کسی چیز کا علم ہو سکتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۴۶۵)

دراصل نیک خواب کسی اچھی چیز کی پیشین گوئی ہوتی ہے اور پیشین گوئی کرنا نبوت کا خاصہ ہے، جو وحی کے ذریعے ہوتا ہے، اس اعتبار سے نیک خواب اور نبوت میں مماثلت پائی جاتی ہے، جس کی بنا پر آپ ﷺ نے نیک خواب کو نبوت کا جزو قرار دیا۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حدیث میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، ماسوائے مبشرات کے، یعنی نیک خواب، جس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک گمراہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نبوت کا اختتام نہیں ہوتا، بلکہ ابھی تک نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری ہے۔ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ان لوگوں نے اس حدیث کی اور اس باب کی تمام احادیث کی تاویلات پیش کی ہیں، اسی طرح انھوں نے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (سورۂ احزاب: ٤٠) کی تحریف کی اور کہا کہ "خاتم النبیین" کے معانی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نبیوں کی زینت ہیں یا پھر آپ ﷺ نئی شریعت پیش کرنے والے آخری رسول ہیں، رہا مسئلہ نبوت کا، جس میں نئی شریعت سازی نہیں کی جاتی، تو وہ ابھی تک جاری ہے۔ (صحیحہ: ٤٧٣)

اس موضوع پر یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے بیٹے ابراہیم کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے اور اگر وہ زندہ رہتے تو وہ نبی و صدیق ہوتے اور اگر وہ زندہ رہتے تو میں ان کے قبطی ماموؤں کو آزاد کر دیتا اور کسی قبطی کو غلام نہ بنایا جاتا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبوت کا سلسلہ بند نہیں ہوا، لیکن یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں ابراہیم بن عثمان ہے، جس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

جب کہ اس کے برعکس صحیح روایات کا بیان یہ ہے:

سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا: ابراہیم بچپنے میں ہی فوت ہو گئے، اگر حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی نبی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا تو آپ ﷺ کا بیٹا زندہ رہتا، لیکن سرے سے آپ کے بعد نبی کوئی نہیں ہے۔ (بخاری)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ، ابراہیم پر رحم کرے، اگر وہ زندہ رہتے تو نبی و صدیق ہوتے، لیکن انھوں نے باقی نہیں رہنا تھا، کیونکہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ (مسند احمد: ٣/١٣٣، ابن مندہ) دوسرا جملہ صرف ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔

یہ روایات اگرچہ موقوف ہیں، لیکن مرفوع کے حکم میں ہیں، کیونکہ ان کے مضمون کا تعلق غیبی امور سے ہے، جن میں رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس بحث سے پتہ چلا کہ قادیانیوں کا مقدر ضلالت و گمراہی ہے، ان جھوٹوں نے اپنے باطل دعوی کو رواج دینے

کے لیے اسی ضعیف حدیث سے استدلال کیا تھا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ لیکن ہم نے جو آثار ذکر کیے ہیں کہ ابراہیم کے بچپنے میں فوت ہونے کی وجہ ہی یہی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد نبیوں کا سلسلہ ختم ہونا تھا، ان آثار نے ان کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا ہے۔ ان باطل پرستوں نے ان آثار کو موقوف قرار دے کر جان تو چھڑانا چاہی، لیکن ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ ان کی دلیل ہی سرے سے ضعیف ہے۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة : ۲۲۰)

بعد از رکوع قنوتِ نازلہ کرنا

(۷٦۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ فِي آخِرِ رَكْعَةٍ قَنَتَ۔

(الصحيحة:۲۰۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو دعائے قنوت کرتے۔

تخريج: رواه ابن نصر في "قيام الليل": ۱۳۲، وأخرجه البخاري: ۳/ ۲۱۷، و مسلم، و احمد اتمّ منه

شرح:...... جب امتِ مسلمہ پر دشمنوں کی طرف سے کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی تھی تو آپ ﷺ فرضی نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ کرتے تھے، آج بھی یہ سنت برقرار ہے اور ضرورت کے وقت اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

قنوتِ نازلہ کا سبب

(۷٦۲)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ لَا يَقْنُتُ إِلَّا إِذَا دَعَا لِقَوْمٍ، أَوْ دَعَا عَلٰى قَوْمٍ۔

(الصحيحة:٦٣٩)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعائے قنوت نہیں کرتے تھے مگر اس وقت جب کسی قوم کے لیے دعا یا بددعا کرتے۔

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ٦٢٠

شرح:...... جب آپ ﷺ مظلوم مسلمانوں کے حق میں دعا اور دشمنانِ اسلام کے حق میں بددعا کرنا چاہتے تھے تو فرضی نمازوں میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ کرتے تھے۔

تمام اعمالِ صالحہ اللہ تعالی کی توفیق سے سرانجام پاتے ہیں

(۷٦۳)۔ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: كَانَ إِذَا صَلّٰى هَمَسَ فَقَالَ: ((أَفَطِنْتُمْ لِذٰلِكَ؟ إِنِّي ذَكَرْتُ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَعْطِيَ جُنُوْداً مِنْ قَوْمِهِ، فَقَالَ: مَنْ يُكَافِئُ هٰؤُلَاءِ أَوْ مَنْ يُقَاتِلُ هٰؤُلَاءِ؟ أَوْ كَلِمَةً شِبْهَهَا، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تو چپکے چپکے کچھ کلمات کہتے، (ایک دن ہم سے) پوچھا: "تمھیں کوئی سمجھ آئی ہے؟ دراصل مجھے سابقہ انبیا میں سے ایک نبی یاد آیا، جسے اس کی قوم میں سے کئی لشکر دیے گئے تھے، اس نبی نے کہا: کون ہے جو ان کے ہم پلہ ہوگا یا کون

أَنِ اخْتَرْ لِقَوْمِكَ إِحْدٰى ثَلَاثٍ: أَنْ أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ، أَوِ الْجُوْعَ، أَوِ الْمَوْتَ۔ فَاسْتَشَارَ قَوْمَهُ فِي ذٰلِكَ؟ فَقَالُوْا: نَكِلُ ذٰلِكَ إِلَيْكَ أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ، فَقَامَ فَصَلّٰى، وَكَانُوْا إِذَا فَزِعُوْا، فَزِعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: يَارَبِّ أَمَّا الْجُوْعُ أَوِ الْعَدُوُّ، فَلَا وَلٰكِنَّ الْمَوْتَ فَسُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَمَاتَ مِنْهُمْ سَبْعُوْنَ أَلْفاً فَهَمْسِي الَّذِي تَرَوْنَ أَنِّي أَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ بِكَ أُقَاتِلُ، وَبِكَ أُصَاوِلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔)) (الصحيحة: ۱۰۶۱)

ہے جوان کا مقابلہ کرے گا؟ یا اس قسم کی بات کی۔ اللہ تعالی نے اس کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر: میں ان پر ان کا دشمن مسلط کر دوں یا بھوک کو یا موت کو؟ اس نے اپنی قوم سے مشورہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا: آپ اللہ کے نبی ہیں، اس لیے ہم یہ معاملہ آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جب وہ گھبرا جاتے تو نماز کا سہارا لیتے تھے۔ اس نے کہا: اے میرے رب! نہ بھوک مسلط کر اور نہ دشمن، چلو موت سہی۔ اللہ تعالی نے ان پر تین دنوں کے لیے موت کو مسلط کر دیا۔ ان میں سے ستر ہزار افراد مر گئے۔ اس لیے میں چپکے چپکے یہ کلمات کہتا ہوں، جیسا کہ تم نے سنا ہے: اے اللہ! میں تیری توفیق سے لڑتا ہوں، تیری توفیق سے کسی سے مقابلہ کرتا ہوں اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر تیری ہی توفیق سے۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر في "الصلاة" ۲/۳۵، والامام احمد: ٤/ ۳۳۳، ٦/ ١٦

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ آدمی کو یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اس کی صلاحیتوں، لیاقتوں، اہلیتوں، قابلیتوں، عزتوں اور مالوں کا اصل سرچشمہ اللہ تعالی کی ذات ہے، کسی کو کسی صفت کی بنا فخر و ناز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۷٦٤)۔ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلّٰى هَمَسَ شَيْئًا لَا أَفْهَمُهُ، وَلَا يُخْبِرُنَا بِهِ قَالَ: ((أَفَطِنْتُمْ لِي؟)) قُلْنَا: نَعَمْ۔ قَالَ: ((إِنِّي ذَكَرْتُ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أُعْطِيَ جُنُوْدًا مِنْ قَوْمِهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَعْجَبَ بِأُمَّتِهِ فَقَالَ مَنْ يُكَافِئُ لِهٰؤُلَاءِ؟ أَوْ مَنْ يَقُوْمُ لِهٰؤُلَاءِ؟ أَوْ غَيْرَهَا مِنَ الْكَلَامِ (وَفِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرٰى: مَنْ يَقُوْمُ لِهٰؤُلَاءِ؟ وَلَمْ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو چپکے چپکے کچھ کلمات کہتے، نہ میں سمجھ سکا اور نہ آپ ﷺ نے ہمیں بتایا۔ (ایک دن) آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم سمجھ گئے ہو کہ میں کچھ کلمات کہتا ہوں؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ایک ایسے نبی کی یاد آئی جسے اپنی قوم میں سے کئی لشکر دیے گئے، اس نے اپنی امت پر اتراتے ہوئے کہا: کون ہے جوان کے ہم پلہ ہوگا؟ یا کون ہے جو ان کا مقابلہ کر سکے گا؟ یا اس قسم کی بات کی

يَشُكُّ) فَأَوْحَى إِلَيْهِ أَنِ اخْتَرْ لِقَوْمِكَ إِحْدٰى ثَلَاثٍ، إِمَّا أَنْ نُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوّاً مِنْ غَيْرِهِمْ، أَوِ الْجُوْعَ، أَوِ الْمَوْتَ، فَاسْتَشَارَ قَوْمَهُ فِي ذٰلِكَ۔ فَقَالُوا: اَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ فَكُلُّ ذٰلِكَ اِلَيْكَ۔ خِرْ لَنَا، فَقَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَكَانُوا إِذَا فَزِعُوْا فَزِعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى مَاشَاءَ اللّٰهُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: أَيْ رَبِّ! أَمَّا عَدُوٌّ مِنْ غَيْرِهِمْ، فَلَا، أَوِ الْجُوْعُ، فَلَا، وَلٰكِنَ الْمَوْتَ فَسَلَّطَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ، فَمَاتَ مِنْهُمْ فِي يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفاً فَهَمْسِيَ الَّذِيْ تَرَوْنَ أَنِّي أَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ بِكَ أُحَاوِلُ، وَبِكَ أُصَوْلُ وَبِكَ أُقَاتِلُ۔)) (الصحيحة:٢٤٥٩)

(ایک روایت میں صرف یہ الفاظ ہیں: کون ہے جو ان کا مقابلہ کرے گا؟) اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے ان تین امور میں سے ایک کو اختیار کر: ہم تیری امت پر ان کا دشمن مسلط کر دیں یا بھوک یا موت۔ اس نے اپنی قوم سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا: تو اللہ کا نبی ہے، معاملہ تیرے سپرد ہے، تو خود اختیار کر لے۔ اس نے نماز شروع کر دی، جب وہ گھبرا جاتے تو نماز کا سہارا لیتے تھے، اس نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، پھر کہا: اے میرے ربّ: ان پر ان کے دشمن کو بھی مسلط نہیں کرنا اور بھوک کو بھی، چلو موت ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی، ایک دن میں ان میں سے ستر ہزار افراد مر گئے۔ یہ تھا میرا گنگنانا، جیسا کہ تم دیکھ رہے تھے، میں نے کہا: اے اللہ! میں تو تیری توفیق سے حائل ہوتا ہوں، تیری توفیق سے حملہ کرتا ہوں اور تیری توفیق سے لڑتا ہوں۔''

تخریج: أخرجه أخرجه أحمد: ٦/ ١٦

شــرح:...... انسان کبھی بھی اپنی اعلی سے اعلی صلاحیتوں کو اپنے کمال کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ہے، قارون ایک باغی اور نافرمان انسان تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بے حد وحساب مال و دولت عطا کیا تھا، جب اس نے یہ دعوی کیا کہ ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي﴾ کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ میری اپنی فہم و بصیرت اور علم و عقل کا نتیجہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ دعوی اتنا ناگوار گزرا کہ اس نے اس کو اور اس کے خزانوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ لہٰذا اگر کسی خاندان یا کسی فرد کو اس کی تعلیمی صلاحیتوں یا سماجی لیاقتوں وغیرہ کے ذریعے عزت ملی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے، اور اس کے سامنے عام انسان کی بہ نسبت زیادہ عاجزی وانکساری کا اظہار کرے۔

ہمارے ہاں عام لوگ اپنی برادری و ذات، حسب ونسب، مال و دولت اور جاہ وحشمت کی بنا پر اپنے آپ کو اعلی و برتر سمجھ کر دوسروں کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں، یہ ان لوگوں کی کم ظرفی اور بے عقلی ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کی کیفیت ......رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا

(٧٦٥)۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ

علقمہ بن وائل اپنے باپ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو

عَلٰی شِمَالِہٖ بِیَمِیْنِہٖ۔ (الصحیحۃ:۲۲۴۷) بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔

تخریج: أخرجه یعقوب الفسوی فی"المعرفة":۳/ ۱۲۱، ومن طریقه البیهقی فی"السنن الکبری":۲/ ۲۸، والطبرانی فی"الکبیر":۲۲/ ۹/ ۱، والنسائی: ۱/ ۱۴۱، ورواه احمد: ٤/ ۳۱٦ مختصرا بلفظ: روایت رسول الله ﷺ واضعا یمینه علی شماله فی الصلاة۔ وأخرجه مسلم: ۲/ ۱۳، وابو عوانة: ۲/ ۱۰٦، واحمد: ٤/ ۳۱۷، وابوداود، والنسائی مفصّلا

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی آدمی اس حدیث کے صرف اس جملے کی طرف دیکھے اور اسے یہ پتہ نہ ہو کہ یہ کسی حدیث کا اختصار ہے، تو وہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہر قیام میں ہاتھ باندھنے کی مشروعیت کا فیصلہ کرے گا۔ لیکن درحقیقت اس حدیث سے بعد از رکوع ہاتھ باندھنے کا استدلال کرنا خطا اور غلطی ہے، کیونکہ اگر اس مکمل حدیث اور اس کے سیاق، سباق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں جس قیام کا ذکر ہے، اس کا تعلق رکوع سے پہلے سے ہے۔ ہم صرف عاصم راوی کی روایت بیان کرتے ہیں: وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرف دیکھوں گا اور (نوٹ کروں گا کہ) آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں۔ پھر انھوں نے کہا؛ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، قبلہ رخ ہوئے، اللہ اکبر کہا اور کانوں تک اپنے ہاتھ بلند کیے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیا۔ جب رکوع کا ارادہ کیا تو تکبیر تحریمہ کی طرح رفع الیدین کیا، پھر اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا، جب رکوع سے سر اٹھایا تو پہلے کی طرح رفع الیدین کیا۔ جب سجدہ کیا تو اپنا سر اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھا اور (سر اور ہاتھوں کی آپس کی ترکیب رفع الیدین کے وقت والی تھی)۔ (ابوداود، نسائی، مسند احمد) میں نے (صحیح ابوداود: ۷۱٦، ۷۱۷) میں اس کی تخریج کی ہے۔

غور فرمائیں کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ، قبل از رکوع اور بعد از رکوع کے مواقع کا رفع الیدین ذکر کیا اور رکوع کے رفع الیدین کے وقت وہ کہتے ہیں کہ اس موقع کا رفع الیدین تکبیر تحریمہ والے رفع الیدین کی طرح تھا، (یعنی انھوں نے بڑی باریک بینی سے آپ ﷺ کی نماز کا جائزہ لیا)۔ اگر آپ ﷺ نے بعد از رکوع بھی ہاتھ باندھے ہوتے تو وہ ضرور ذکر کرتے۔ اس باب کی مختصر روایت، اس طویل روایت کا اختصار ہے، جس میں قیام کی حالت میں صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، جس سے قاری کو وہم ہوتا ہے کہ رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں بھی ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ (صحیحہ: ۲۲٤۷)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۝﴾ (سورۂ نور: ٥٦)...... ''نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو، (اگر تم ایسا کرو گے تو) یقیناً تم پر رحم کیا جائے گا۔''

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ نماز، جو دینِ اسلام کا بنیادی اور انتہائی اہم رکن ہے، کی ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی ضروری ہے، بصورتِ دیگر وہ اللہ تعالی کے ہاں مقبول نہیں ہو گی، رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اپنے افعال واقوال کی پیروی کا حکم دیا ہے، جیسا کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ)) ...... ''تم نماز ایسے پڑھو، جیسا کہ تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' (صحیح البخاری: ۱/۸۸، حدیث: ٦٣١)

زیر بحث مسئلہ پر پاکستان کے ایک محقق عالم دین غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری نے ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا، ہم قارئین کے فائدے کے لیے ان کی تحریر پیش کرتے ہیں:

اس حکمِ نبوی کے بعد ہمیں بطور مسلمان یہ دیکھنا ہے کہ آیا ہماری نمازیں رسول اللہ ﷺ کے مبارک طریقہ سے کتنی موافقت رکھتی ہیں؟ اور کہاں کہاں ہم آپ ﷺ کے طریقۂ نماز کی مخالفت کرتے ہیں؟ بعض لوگ نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا سنت سمجھتے ہیں، حالانکہ شرعاً اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، نبوی طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھے جائیں، دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر (۱): ...... سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ((كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ" وَقَالَ اَبُوْ حَازِمٍ: "لا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَالِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ.)) ...... ''لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھیں۔'' (صحیح البخاری: ۱/۱۰۲، حدیث: ۷٤٠، مؤطا امام مالك: ۱/۱٥٩، حدیث: ٣٣٧، مسند احمد: ٥/٣٣٦)

لغتِ عرب کی مشہور و مستند کتاب ''لسان العرب'' لابن منظور (۸/٩٣) میں لکھا ہے کہ: ((اَلذِّرَاعُ: مَا بَيْنَ طَرْفِ الْمِرْفَقِ إِلٰى طَرْفِ الْاِصْبَعِ الْوُسْطٰى.)) ...... ''ذِرَاع'' کہنی کے کنارے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتا ہے۔''

جناب وحید الزمان قاسمی کیرانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ''انسان کا ذراع کہنی کے سرے سے درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتا ہے۔'' (القاموس الوحید: صـ ٥٦٨)

اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو زیر ناف ہاتھ آ ہی نہیں سکتے۔

دلیل نمبر (۲): ...... سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ((وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ.)) ...... ''نبی کریم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک بائیں ہتھیلی کی پشت، کلائی اور ساعد (کلائی سے لے کر کہنی تک) پر رکھا۔'' (سنن ابی داود: ۱/۱۰٥، حدیث: ۷۲٦، سنن النسائی: ۲/۱۲٦، حدیث: ۸۹۰، مسند احمد: ٤/٣۱۸)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۴۸۰)، امام ابن حبان (۴۸۵: موارد) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ نووی (خلاصة

الأحكام: ١/٣٥٦) اور نیموی حنفی (آثار السنن: ٣٢٣) نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ یہ حدیث پہلی حدیث کی مؤید ہے، جب دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھا جائے، تو ہاتھ خود بخود سینے پر آجاتے ہیں۔

دلیل نمبر (۳): ......سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ((رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هٰذِهِ عَلٰى صَدْرِهِ، وَوَصَفَ يَحْيَى الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصِلِ.)) ......''میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ (بعد از سلام) آپ اپنی دائیں اور بائیں دونوں جانب پھرتے تھے، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے تھے، راویٔ حدیث یحییٰ (بن سعید القطان) نے یہ طریقہ بیان کیا کہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ کے اوپر رکھا۔''

(مسند احمد: ٥/ ٢٢٦، التحقيق لابن الجوزي: ١/ ٣٣٨، حديث: ٤٣٤، فتح الباري: ٢/ ٢٢٤، جامع المسانيد والسنن للحافظ ابن كثير: ١٢/ ٢٩٦، ٢٩٧، حديث: ٩٦٩٣)

نیموی حنفی نے اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ (آثار السنن: ٣٢٦)

یہ حدیث مسند امام احمد کے تمام نسخوں میں موجود ہے، ابن الجوزی وغیرہ نے وہاں سے نقل کی ہے۔

راویٔ حدیث سماک بن حرب ''حسن الحدیث'' ہے، اس نے اختلاط سے پہلے یہ حدیث بیان کی ہے، امام یعقوب بن سفیان الفارسی نے سماک کے بارے میں کہا: ((وَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَدِيْمًا مِثْلُ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ فَحَدِيْثُهُمْ عَنْهُ صَحِيْحٌ مُسْتَقِيْمٌ.)) ...''شعبہ اور سفیان وغیرہ کی طرح جن راویوں نے سماک سے قدیم (یعنی اختلاط سے پہلے) حدیث سنی، ان کی حدیث سماک سے ''صحیح'' اور ''مستقیم'' ہے۔''

یہ بات امام دارقطنی نے بھی کہی ہے۔ (سؤالات السلمي للدارقطني: ١٥٨)

یہ حدیث امام سفیان ثوری نے ان سے سماع کی تصریح کے ساتھ روایت کی ہے۔

سماک بن حرب صحیح مسلم کے راوی ہیں، جمہور نے ان کی توثیق کر رکھی ہے،

(۱)......امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ ''ثقہ'' ہے، (الجرح والتعديل: ٤/ ٢٧٩)

(۲)......امام ابو حاتم الرازی نے ''صدوق ثقہ'' کہا ہے، (الجرح والتعديل: ٤/ ٢٨٠)

(۳)......امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: ((سِمَاكٌ اَصْلَحُ حَدِيْثًا مِنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ)) ......''سماک بن حرب حدیث میں عبد الملک بن عمیر سے زیادہ درست ہے۔'' (الجرح والتعديل: ٤/ ٢٧٩)

(۴)......امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: ''مَا يَسْقُطُ لِسِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ حَدِيْثٌ'' ......''سماک بن حرب کی کوئی حدیث ضعیف نہیں ہے'' (تاريخ بغداد: ٩/ ٢١٥)

(۵)......امام ابن عدی کہتے ہیں: ''وَحَدِيْثُهُ حِسَانٌ عَنْ مَنْ رَوٰى عَنْهُ، وَهُوَ صَدُوْقٌ لَا بَأْسَ بِهِ'' ......''سماک جس سے بھی روایت کرے، اس کی احادیث ''حسن'' ہوتی ہیں، وہ ''صدوق'' ہے، اس میں کوئی حرج نہیں

ہے۔“ (الکامل: ۱۳۰۰/۳)

(۶)......امام ابن شاہین نے ان کو ”الثقات: ص ۵۰۵“ میں ذکر کیا

(۷)......امام ابن حبان نے ان کو ”الثقات: ۳۳۹/٤“ میں ذکر کیا ہے اور ”یُخطِئُ کَثِیْرًا“ کہا ہے، تو یہ جرح مردود ہے، کیونکہ خود امام ابن حبان نے اپنی ”صحیح: ۱٤۳/۱“ میں سماک کی احادیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

تنبیہ: ......حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”وَقَالَ ابْنُ حِبَّان: كَانَ (عُمَرُ بْنُ شَبِيْبٍ) صَدُوْقًا، لٰكِنَّهُ يُخْطِئُ كَثِيْرًا عَلَى قِلَّةِ رِوَايَتِهِ، قُلْتُ: هٰذَا فِيْهِ تَنَاقُضٌ، فَالصَّدُوْقُ لَا يُكْثِرُ خَطَؤُهُ وَكَثِيْرُ الْخَطَأَ مَعَ الْقِلَّةِ هُوَ الْمَتْرُوْكُ۔“ ......”امام ابن حبان کہتے ہیں: کہ راوی (عمر بن شبیب) ”صدوق“ تھا، لیکن روایات کی قلت کے باوجود کثرت سے خطا کھاتا تھا، میں (ذہبی) کہتا ہوں: اس میں تناقض ہے، ”صدوق“ کثرت سے خطا نہیں کھاتا، روایات کی قلت کے باجود ”کثیر الخطأ“ متروک ہوتا ہے۔“ (سیر أعلام النبلاء: ٤٢٩/٩)

(۸)......امام ابن خزیمہ (۸/۱)

(۹)......امام حاکم

(۱۰)......امام ابن الجارود (۲۵، ۸۲۸)

(۱۱)......امام الضیاء المقدسی (المختارۃ)

(۱۲)......امام ابن عبد البر (الاستیعاب: ٦١٥/٣) نے سماک کی حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(۱۳)......حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”الحافظ، الامام الکبیر“ (سیر أعلام النبلاء: ٢٤٥/٥) نیز لکھتے ہیں: ”صدوق جلیل“ (المغنی فی الضعفاء: ٢٦٤٩)

(۱۴)......حافظ ابن کثیر نے ان کی ایک روایت کی سند کو ”جید“ کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: سورۂ طه: ٣)

(۱۵)......حافظ ہیثمی ان کی ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ۔“ (مجمع الزوائد: ١٨٢/٤)

(۱۶)......امام بخاری نے ان سے استشہاداً روایت لی ہے۔

(۱۷)......امام شعبہ نے بھی ان سے روایت لی ہے، وہ غالبًا ثقہ سے روایت لیتے ہیں۔

(۱۸)......حافظ ابن حجر نے ان کی ایک حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (تغلیق التعلیق لابن حجر: ٢٦٦/٣)

(۱۹)......ابن ترکمانی حنفی نے سماک بن حرب کی ایک حدیث کو ”صحیح علی شرط مسلم“ کہا ہے۔ (الجوھر النقی: ٣٣/٦)

سماک بن حرب پر کی گئی جروح اور ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”مُضْطَرِبُ الْحَدِيْثِ“ (الجرح والتعدیل: ٢٧٩/٤)

اس قول کی سند میں محمد بن حمویہ بن الحسن کی توثیق نہیں مل سکی۔

(۲)۔۔۔۔۔امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: "وکان شعبة یضعفه" ۔۔۔۔۔"امام شعبہ اسے "ضعیف" کہتے تھے" (تاریخ بغداد: ۹/۲۱۵)

یہ قول منقطع ہے، کیونکہ امام یحییٰ بن معین کی امام شعبہ سے ملاقات نہیں ہے۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: "کان شعبة ینکر حدیث سماك بن حرب عن مصعب بن سعد۔" ۔۔۔۔۔"امام شعبہ مصعب سے سماک کی حدیث کو منکر سمجھتے تھے۔" (تقدمة الجرح والتعدیل: ۱۵۷) یادر ہے کہ اس جرح کا تعلق مخصوص راوی سے ہے۔

(۳)۔۔۔۔۔امام محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی کہتے ہیں: "یقولون أنه کان یغلط ویختلفون فی حدیثه" ۔۔۔۔۔"وہ کہتے ہیں کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور وہ اس کی حدیث میں اختلاف کرتے تھے۔" (تاریخ بغداد: ۹/۲۱٦) چونکہ جمہور نے سماک کی توثیق کر رکھی ہے، "یقولون" نامعلوم لوگ ہیں، لہٰذا جرح مردود ہے۔

(۴)۔۔۔۔۔امام عجلی کہتے ہیں: "وکان سفیان الثوری یضعفه بعض الضعف" ۔۔۔۔۔"امام سفیان ثوری اس میں کچھ ضعف بیان کرتے تھے۔" (تاریخ الثقات: ٦۲۱، تاریخ بغداد: ۹/۲۱٦)

یہ قول منقطع ہے، کیونکہ امام سفیان ثوری ۱٦۱ھ میں فوت ہوئے اور امام عجلی ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔

(۵)۔۔۔۔۔ابن خراش کہتے ہیں: "فی حدیثه لین" ۔۔۔۔۔"اس کی حدیث میں لین ہے۔" (تاریخ بغداد: ۹/۲۱٦) ابن خراش خود ضعیف ہے اور اس قول کے راوی محمد بن داؤد کی توثیق نہیں مل سکی۔

(٦)۔۔۔۔۔امام عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: "سماك ضعیف فی الحدیث۔" ۔۔۔۔۔"سماک بن حرب حدیث میں ضعیف ہے۔" (تهذیب التهذیب: ۴/۲۰۴)

یہ قول بلاسند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، ثابت ہونے کی صورت میں اختلاط کے بعد کی احادیث پر محمول ہے۔

(۷)۔۔۔۔۔جریر بن عبدالحمید نے ان کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو ان کی روایت کو ترک کر دیا۔ (الکامل لابن عدی: ۳/۱۲۹۹)

یہ کوئی سببِ جرح نہیں ہے، کیونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔

الحاصل:۔۔۔۔۔سماک بن حرب "حسن الحدیث" ہیں، لیکن "مختلط" ہیں، ان کی اختلاط سے پہلے کی روایات صحیح ہیں، ان پر کی گئی جروح کو حالتِ اختلاط پر محمول کیا جائے گا، لہٰذا آپ بلاتردد حجت ہیں۔ جمہور نے اس روایت کے دوسرے راوی قبیصہ بن ہلب کی توثیق کر رکھی ہے، امام عجلی نے اسے "کوفی تابعی ثقه" کہا ہے (ثقات العجلی: ۱۳۷۹)، امام ابن حبان نے اس کو "الثقات: ۵/۳۱۹" میں ذکر کیا ہے، امام ترمذی (۲۵۲) اور حافظ بغوی (۳/۳۱) نے ان کی حدیث کو "حسن" کہا ہے، امام علی بن مدینی اور امام نسائی کا اسے "مجہول" کہنا باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

اعتراض:...... نیموی حنفی نے "عَلٰی صَدْرِہٖ" کی زیادتی کو "غیر محفوظ" کہا ہے۔

جواب:...... "عَلٰی صَدْرِہٖ" کے الفاظ امام یحییٰ بن سعید قطان، جو ثقہ حافظ ہیں، نے سفیان ثوری سے روایت کیے ہیں، اگر سفیان کے دوسرے شاگردوں نے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے، تو اس سے کوئی نقصان و حرج نہیں ہے، کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، جیسا کہ امام بخاری فرماتے ہیں: "والزیادۃ مقبولۃ" ......" (ثقہ کی) زیادتی قبول ہوتی ہے۔" (صحیح البخاری: کتاب الزکاۃ؛ باب العشر فیما یسقی من ماء السماء: ۱/۲۰۱، تحت حدیث: ۱۴۸۳) امام دارقطنی کہتے ہیں: "وزیادۃ الثقۃ مقبولۃ عندنا۔" ......" ہمارے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔" (الألزامات والتتبع: ۳۲۰، العلل: ۲/۲۲۵، نیز دیکھیں: السنن الکبری للبیہقی: ۱/۱۶، ۳/۱۲۳)

ایک دوسری روایت، جس کو امام حمیدی نے "مسند" بیان کیا ہے، جب کہ دوسرے راویوں نے "مرسل" بیان کیا ہے، تو نیموی حنفی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "عبد الله بن الزبير الحميدي ثقة حافظ امام، وهو أحد شيوخ البخاري، فزيادته هذه تقبل جدًّا، لأنها ليست منافيةً لرواية من هو أوثقُ منه۔" ...... "عبداللہ بن زبیر حمیدی ثقہ امام اور حافظ ہیں، امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں، ان کی یہ زیادتی قبول ہوگی، کیونکہ یہ زیادتی اس راوی کی روایت کے منافی نہیں ہے، جو ان سے "اوثق" ہے۔" (التعلیق الحسن از نیموی: ص ۱۷)

لیکن حدیثِ ہلب رضی اللہ عنہ کے راوی امام یحییٰ بن سعید القطان، جو ثقہ حافظ ہیں، ان کی "علی صدرہ" کی زیادتی غیر محفوظ کیوں؟

اس سے نیموی صاحب کی تضاد بیانی ثابت ہوتی ہے، دراصل تقلید پرستوں کے اپنے وضع کردہ من پسند بے بنیاد اصول ہیں، جب چاہیں اور جہاں چاہیں ان کا خون کر دیں، دیکھیں نیموی صاحب نے ایک مقام پر "ثقہ" کی زیادتی کو مقبول قرار دیا، جبکہ دوسرے مقام پر مردود، درحقیقت اپنے مذہب کے خلاف صحیح حدیث پر طعن کرنا، ان کے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (۱۲۹۲۔۱۳۵۲ھ) نے اس حقیقت کا اعتراف کچھ اس طرح کیا ہے: "وَقَدْ بَلَوْتُهُمْ أَنَّهُمْ يُسَوُّوْنَ الْقَوَاعِدَ لِلنَّقِيْضَيْنِ فَأَيُّ رَجَاءٍ مِّنْهَا بَعْدَهٗ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُهُمْ حَدِيْثًا ضَعِيْفًا وَافَقَ مَذْهَبَهٗ يُسَوِّيْ لَهٗ ضَابِطَةً وَيَقُوْلُ: إِنَّ الضُّعْفَ يَنْجَبِرُ بِتَعَدُّدِ الطُّرُقِ، وَإِنْ رَأَى حَدِيْثًا صَحِيْحًا خَالَفَ مَذْهَبَهٗ يُسَوِّيْ لَهٗ ضَابِطَةً أَيْضًا وَيَقُوْلُ: إِنَّهٗ شَاذٌّ. وَهٰكَذَا جَرَّبْتُهُمْ فِيْ مَوَاضِعَ يَفْعَلُوْنَ كَذَالِكَ۔" ......" میں نے ان (حنفیوں) کو آزمایا ہے، متناقض و مخالف ادلہ سے استدلال کے لیے قواعد وضع کرتے ہیں، ایسے قواعد کا کیا اعتبار ہے؟ جب یہ کسی ضعیف حدیث کو اپنے مذہب کے موافق پاتے ہیں، تو اس کے لیے ضابطہ بنا کر کہتے ہیں کہ تعددِ طرق کی بناء پر اس ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، لیکن جب کسی صحیح حدیث کو اپنے

مذہب کے مخالف پاتے ہیں، تو کسی وضع کردہ ضابطے کا سہارا لے کر اسے شاذ قرار دیتے ہیں، میں نے کئی مقامات پر ان کو ایسا کرتے ہوئے آزمایا ہے۔'' (فیض الباری: ۲/۳٤۸)

یہ حدیث ''حسن'' درجہ کی ہے، سینے پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت پر واضح اور ٹھوس دلیل ہے، حق پرست کے لیے ایک ہی صحیح دلیل کافی ہوتی ہے، معاند اور ہٹ دھرم کے لیے دلائل کے انبار بھی ناکافی ہیں۔

دلیل نمبر (۴): ۔۔۔۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ۔'' ۔۔۔۔ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھے۔'' (صحیح ابن خزیمہ: ۱/۲٤۳، حدیث: ٤۷۹، أحکام القرآن للطحاوی: ۱/۱۸٦، حدیث: ۳۲۹)

اس میں امام سفیان ثوری کی تدلیس ہے، باقی سند ''حسن'' ہے، لیکن یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اس کے راوی مؤمل بن اسماعیل کی جمہور نے توثیق کر رکھی ہے۔

(۱) ۔۔۔۔ امام یحییٰ بن معین نے کہا کہ ''ثقہ'' ہے۔ (تاریخ ابن معین: ص ۵۹۱، روایة الدوری، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۸/۳۷٤)

(۲) ۔۔۔۔ امام احمد بن حنبل اور امام علی بن مدینی نے ان سے روایت لی ہے، وہ عموماً ثقہ سے روایت لیتے ہیں، امام احمد بن حنبل کا قول: ''کان یخطیء'' موجب جرح نہیں،

(۳) ۔۔۔۔ ابن حبان نے ان کو ''الثقات: ۹/۱۸۷'' میں ذکر کیا ہے۔

(۴) ۔۔۔۔ ابن شاہین نے بھی ''الثقات: ص ۲۳۲'' میں ذکر کیا ہے۔

(۵) ۔۔۔۔ امام ضیا المقدسی نے ''المختارة: ۱/۳٤۵'' میں ذکر کیا ہے، یہ ان کے نزدیک ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

امام ابوزرعہ، امام محمد بن نصر مروزی، امام ساجی اور عبد الباقی بن قانع کی جرح بلاسند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، ''تہذیب التہذیب: ۱۰/۳۸۱'' امام دارقطنی کا قول ''ثقة کثیر الخطأ'' بے ثبوت ہے، جبکہ امام دارقطنی نے ان کی حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے، امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں: ''صدوق شدید فی السنة، کثیر الخطأ، یکتب حدیثه'' (الجرح والتعدیل: ۸/۳۷٤) اس قول میں ''کثیر الخطأ'' کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''اذا وثق أبو حاتم رجلا فتمسك بقوله، فانه لا یوثق ألا رجلا صحیح الحدیث، وأذا لین رجلا اوقال فیه لایحتج به فتوقف، حتی تری ما قال غیره فیه، فان وثقه احد فلا تبن علی تجریح أبی حاتم، فانه متعنت فی الرجال، قد قال فی طائفة من رجال الصحاح: لیس بحجة، لیس بالقوی او نحو ذالك۔'' ۔۔۔۔ ''جب امام ابو حاتم الرازی کسی آدمی کی توثیق کریں تو ان کے قول کو مضبوطی سے پکڑ لے، کیونکہ وہ ایسے آدمی کی توثیق کرتے ہیں جو صحیح

الحدیث ہو، جب وہ کسی راوی کی تلیین و کمزوری بیان کریں یا کسی کے بارے میں "لا یحتج" کہہ دیں تو آپ توقف کریں، یہاں تک کہ آپ دیکھ لیں کہ دوسرے ائمہ نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے، اگر اس راوی کی کسی نے توثیق کر دی، تو امام ابو حاتم کی جرح پر بنیاد نہ ڈالیں کیونکہ وہ راویوں کے بارے میں متشدد ہیں، انہوں نے بخاری و مسلم کے راویوں کی ایک جماعت کے بارے میں "لیس بحجة" اور "لیس بالقوی" وغیرہ کہہ دیا ہے۔" (سیر أعلام النبلاء: ١٣/ ٢٦٠) نیز دیکھیں: (نصب الرایة: ٢/ ٤٣٩) تو ثابت ہوا کہ محمد بن اسماعیل کے بارے میں امام ابو حاتمؒ کا "کثیر الخطأ" کہنا شاذ ہے۔

(٦)......ابن سعد نے کہا: "ثقة کثیر الغلط" (الطبقات لابن سعد: ٥/ ٥٠١) لیکن ابن سعدؒ متشدد ہیں، اس قول میں جمہور کے مخالف ہیں نیز وہ عموماً جرح و تعدیل میں واقدی متروک پر اعتماد کرتے ہیں۔

(٧)......حافظ ہیثمی نے مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ٤/ ٣٣٣)

(٨)......امام الجرح والتعدیل حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "کان (مؤمل بن اسماعیل) من ثقات البصریین۔" ......مؤمل بن اسماعیل ثقہ بصریوں میں سے تھے۔" (اَلْعِبَر فِیْ خَبَرِ مَنْ غَبَر: ١/ ٢٧٤)

(٩)......جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب نے مؤمل بن اسماعیل کو "ثقہ" قرار دیا ہے۔ (أعلاء السنن: ٣/ ١٠٨) اس کی دو روایتوں کو "حسن" کہا ہے۔ (أعلاء السنن: ٣/ ٦٩، ٩٥)

مؤمل بن اسماعیل کے حق میں امام بخاریؒ کے قول "منکر الحدیث" کو حافظ مزی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے بلا سند ذکر کیا ہے، امام بخاری کی کسی تصنیف میں یہ قول مذکور نہیں ہے، جبکہ خود امام بخاری نے اپنی صحیح کے شواہد میں اس سے روایت لی ہے۔ (دیکھیں: صحیح البخاری: ١/ ٣٧٢، حدیث: ٢٠٠٧، ٢/ ١٠٤٩، حدیث: ٧٠٨٣)

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ راویٔ حدیث مؤمل امام بخاری کے نزدیک "منکر الحدیث" نہیں ہے۔

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: "کل من ذکره البخاری فی "تواریخه" ولم یطعن فیه فهو ثقة۔" ......"ہر وہ راوی ثقہ ہوگا جس کو امام بخاری نے اپنی "تواریخ" میں ذکر کیا اور اس پر طعن نہیں کیا۔" (قواعد فی علوم الحدیث از ظفر احمد تهانوی: صـ ٢٢٣)

اس دیوبندی اصول کے مطابق مؤمل ثقہ ہے۔

اعتراض: ......حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "فی حدیثه عن الثوری ضعف" ......"امام سفیان ثوری سے مؤمل کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔" (فتح الباری: ٩/ ٢٣٩، تحت حدیث: ٥١٧٢)

جواب: ......قال الأمام ابن ابی حاتم: انا یعقوب بن اسحق فی ما کتب ألیَّ، قال: نا عثمان بن سعید، قال: قلت: لیحییٰ بن معین: ای شیء حال المؤمل فی سفیان؟ فقال: هو ثقة۔" ......"امام عثمان بن سعید الدارمی کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ مؤمل جب سفیان سے

روایت کرے، تو کیسا ہے، فرمایا: ''وہ اس وقت ثقہ ہوتا ہے۔'' (الجرح والتعدیل: ۳۷٤/۸، وسندہ حسن) اس قول کے راوی یعقوب بن اسحٰق کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "یعقوب بن اسحق ابو الفضل الھروی الحافظ، سمع عثمان بن سعید الدارمی ومن بعدہ، وصنف جزأً فی الرد علی اللفظیة، روی عنه عبد الرحمن بن أبی حاتم بالأجازة، وھو أکبر منه" (تاریخ الأسلام للذھبی: ۸٤/۲۵)

مؤمل بن اسماعیل کی سفیان ثوری سے روایت کو امام ابن خزیمہ (۲۴۳/۱)، امام ترمذی (۱۹۴۸)، امام دارقطنی (۱۸٦/۲)، حافظ بغوی (شرح السنۃ: ۴۴۲/۱)، امام حاکم (۳۸۴/۱)، حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر: ۴۲۳/۴، تحت سورۃ معارج: ۳۷) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

لہٰذا امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین کے قول کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر کا قول حجت نہیں ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کی ''تصحیح'' کی ہے، جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی ایک دوسری روایت کے بارے لکھتے ہیں: "أخرجه ابن خزیمة فی صحیحه فھو صحیح عندہ۔" ......''اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے، پس یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔'' (معارف السنن از بنوری: ۱۵۰/۲) اس روایت کے دوسرے راوی عاصم بن کلیب ''حسن الحدیث'' ہیں، جمہور نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام عجلی

دلیل نمبر (۵):......ابن جریر الضبی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا: "رَأَیْتُ عَلِیًّا رضی اللہ عنہ یُمْسِكُ شِمَالَهُ بِیَمِیْنِهٖ عَلَی الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ۔" ......''میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کوگٹی سے پکڑ کر انہیں ناف کے اوپر رکھا ہوا تھا۔'' (ابو داود: ۷۵۷، ابن ابی شیبه: ۳۹۰/۱، التاریخ الکبیر للبخاری: ۲۱۱/۲، صحیح البخاری مع فتح الباری: ۷۱/۲ معلقًا)

یہ اثر ''حسن'' ہے، اس کو امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ: ۳۰،۲۹/۲) میں اور حافظ ابن حجر نے (تغلیق التعلیق: ٤٤۳/۲) میں ''حسن'' کہا ہے، اس کا راوی ابو بدر شجاع بن ولید کی امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین نے توثیق کی ہے، اس کی روایت ''حسن'' درجہ سے کم نہیں ہے۔

دلیل نمبر (٦):......طاؤس کہتے ہیں: "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِهِ الْیُسْرٰی ثُمَّ یَشُدُّ بَیْنَهُمَا عَلٰی صَدْرِہٖ، وَھُوَ فِی الصَّلَاةِ۔" ......''رسول اللہ ﷺ حالتِ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر مضبوطی سے سینے پر باندھ لیتے تھے۔'' (ابوداود: ۷۵۹، المراسیل لأبی داود: ۳۳، معرفة السنن والآثار للبیھقی: ۳٤۰/۲، التمھید لابن عبد البر: ۷۰/۲۰)

تبصرہ:...... یہ روایت مرسل صحیح ہے، سلیمان بن موسیٰ الشامی راوی کی امام دحیم الشامی، امام یحییٰ بن معین اور جمہور نے توثیق کر رکھی ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ان سے روایت لی ہے۔

جناب سرفراز صفدر دیوبندی کہتے ہیں: "وثقه الجمھور" ......''سلیمان بن موسیٰ کو جمہور نے ثقہ کہا ہے۔''

(خزائن السنن: ۲/ ۸۹)

جو لوگ ''مرسل حدیث'' کو علی الاطلاق حجت قرار دیتے ہیں، ان کو اس مرسل صحیح پر عمل کرتے ہوئے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا چاہئیں۔

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: "أما أهل القرون الثلاث فمرسلهم مقبول عندنا مطلقًا۔" ...... ''قرون ثلاثہ کے راویوں کی مرسل ہمارے نزدیک مطلق طور پر قبول ہے۔'' (قواعد فی علوم الحديث: صـ ۱۳۹، ۱۵۹)

جناب شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب نے کیا خوب لکھا ہے: "أن الأحناف أيضا ربما يغمضون عن هذه القيود في حجية المرسل حين يقعون في البحث مع خصومهم، ويبنون دعاويهم على قبول كل مرسل من مراسيل المحدثين، بل بقبول كل منقطع ومعضل عندهم، مع أن الدليل الذي أقاموا على حجية المرسل لا ينهض عليه، فليُتنبه له۔" ...... ''احناف کئی بار مرسل کے حجت ہونے کے بارے میں قیود سے چشم پوشی کرتے ہیں، جس وقت وہ اپنے حریفوں سے بحث کرتے ہیں، تو وہ اپنے دعوی کی بنیاد مراسیل محدثین میں سے ہر مرسل کے قبول کرنے پر قائم کرتے ہیں (یعنی وہ ہر مرسل کو قبول کرتے ہیں) جو ان کے نزدیک منقطع اور معضل ہو اس کو بھی قبول کرتے ہیں، باجود اس کے کہ جو دلیل مرسل کے حجت ہونے پر قائم کرتے ہیں، وہ اس کے لیے کافی نہیں، پس چاہیے کہ بات سمجھی جائے۔'' (مقدمة فتح الملهم: صـ ۸۱)

حافظ ابن حزم ایک دوسرے مسئلہ میں لکھتے ہیں: "بالمرسل احتججتم علينا فخذوه أو فلا تحتجوا به۔" ...... ''تم مرسل روایت کو ہمارے خلاف پیش کرتے ہو، تو اب یہاں اس کو قبول کرو، یا اس سے حجت نہ پکڑو۔'' (المحلى: ٦/ ٣٧)

ماحصل یہ ہے کہ احناف کو ان اصولوں کی بنیاد پر یہ مرسل صحیح بھی قبول کرنی چاہیے۔ یاد رہے کہ ہمارے نزدیک ''مرسل'' روایت حجت نہیں ہے، ہم نے یہ روایت الزاما پیش کی ہے۔

زیر ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ

دلیل نمبر (۱): ...... سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَضَعُ يَمِيْنَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔" ...... ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۹۰)

تبصرہ: ...... واضح رہے کہ اس حدیث میں "تحت السرة" کے الفاظ قاسم بن قُطلوبُغا حنفی (۸۰۲۔ ۸۷۹ھ) نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، محدث البقاعی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "كان (قاسم بن قطلوبغا) كذابا يضع الحديث۔" ...... ''قاسم بن قطلوبغا پرلے درجے کا جھوٹا تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔'' (الضوء

اللامع للسخاوی: ۱۸۸/۶)

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے پہلے اس روایت میں ''تحت السرۃ'' (یعنی زیر ناف) کے الفاظ موجود نہیں تھے۔

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں: "وفی المصنف لابن أبی شیبة تحت السرة، فاضطربت الروایة جدا وأول من نبه علی تلك الزیادة الأخیرة العلامة القاسم بن قطلوبغا، ثم ان لفظ تحت السرة لم یوجد فی بعض نسخه، فظن الملا الحیاة السندهی انه وقع فیه سقط وحذف ثم صار متن الأثر مرفوعا، قلت ولا عجب ان یکون کذالك، فانی راجعت ثلاث نسخ المصنف فما وجدته فی واحدة منها۔" ......''مصنف ابن ابی شیبہ میں "تحت السرۃ" کے الفاظ ہیں، یہ روایت سخت ترین مضطرب ہے، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے سب سے پہلے ان الفاظ کی زیادتی بیان کی، پھر "تحت السرۃ" کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے بعض نسخوں میں نہیں پائے گئے، ملا حیات سندھی کا یہ خیال ہے کہ اس حدیث میں سقط اور حذف واقع ہوا ہے، پھر یہی (قولِ تابعی کے) الفاظ مرفوع حدیث کا متن بن گئے، اور اس طرح ہو جانا تعجب والی بات نہیں ہے، کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کے تین نسخوں کا مراجعہ کیا اور کسی ایک نسخے میں بھی یہ الفاظ نہیں پائے۔'' (فیض الباری: ۲۶۷/۲)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں: ''لیکن احقر (تقی عثمانی) کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اول تو اس لیے کہ اس روایت میں "تحت السرۃ" کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگر چہ علامہ نیموی نے ''آثار السنن'' میں ''مصنف'' کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ ان میں یہ زیادتی مذکور ہے، تب بھی اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے۔'' (درسِ ترمذی: ۲۳/۲)

جب یہ زیادتی کسی معتبر نسخے میں موجود نہیں ہے، بقول تقی عثمانی صاحب کسی مطبوعہ نسخے میں بھی نہیں مل سکی، جس کی بناء پر انہوں نے اس حدیث کو مشکوک اور اس سے استدلال کو کمزور قرار دیا ہے، پھر بھی بعض ناعاقبت اندیشوں نے تحریف سے کام لیتے ہوئے مصنف کے بعض مطبوعہ نسخوں میں "تحت السرۃ" کے الفاظ بڑھا دیے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ بھی یاد رہے کہ نیموی صاحب کا متعدد نسخوں میں اس زیادتی کے ثابت ہونے کا دعوی مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔

دلیل نمبر (۲): ......قَالَ الْإِمَامُ الْبَيْهَقِيُّ: اَخْبَرَنَا اَبُوْ الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ بِبَغْدَادَ، اَنْبَأَ أَبُوْ عَمْرِو بْنِ السَّمَاكِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُنَادِيْ، ثَنَا أَبُوْ حُذَيْفَةَ، ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ زَرْبِيٍّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: مِنْ أَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْإِفْطَارِ وَتَأْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ يَمِيْنِكَ عَلٰى شِمَالِكَ فِيْ الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔" ......''سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (تین چیزیں) نبوی خصائل میں سے ہیں: روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا، سحری کھانے میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔''

(الخلافيات للبيهقي : ق ٢٧ ب، مختصر الخلافيات : ١/٣٤٢)

تبصرہ : ...... یہ حدیث ضعیف ہے، امام بیہقی اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "تفرد به سعيد بن زربي وليس بالقوي۔" ...... "اس روایت کو بیان کرنے میں سعید بن زربی منفرد ہے، وہ قوی نہیں ہے۔" نیز امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ (السنن الكبرى للبيهقي : ١/٣٨٣)

امام ابوحاتم الرازی کہتے ہیں: "سعيد بن زربي ضعيف الحديث، منكر الحديث، عنده عجائب من المناكير۔" ...... "سعید بن زربی ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے، اس کے پاس عجیب وغریب منکر روایات ہیں۔" (الجرح والتعديل : ٤/٢٤)

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: "ليس بشيء" ...... "یہ راوی کچھ بھی نہیں ہے۔" (تاريخ ابن معين : ٢/١٩٩، الجرح والتعديل : ٤/٢٤)

امام بخاری کہتے ہیں: "عنده عجائب" ...... "اس کے پاس عجیب وغریب روایات ہیں۔" (التاريخ الكبير : ٣/٤٧٣)

امام نسائی کہتے ہیں: "ليس بثقة" ...... "یہ راوی ثقہ نہیں ہے۔" (ضعفاء النسائي : ص ٥٤)

امام دارقطنی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ (سنن دارقطني : ١/٢٤٤) نیز اس کو "متروک" بھی کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروكين للدارقطني : ٢٧٢)

امام ابن حبان کہتے ہے: "يروي الموضوعات عن الأثبات۔" ...... "یہ ثقہ راویوں کے حوالے سے جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔" (المجروحين لابن حبان : ١/٣١٨)

حافظ ابن الجوزی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (التحقيق لابن الجوزي : ١/٢٤٦)

حافظ عبدالحق الأشبیلی کہتے ہیں: "عنده عجائب، لا يتابع عليها، وهو ضعيف الحديث۔" ...... "اس کے پاس ایسی عجیب وغریب روایات ہیں، جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی، یہ ضعیف الحدیث ہے۔" (كتاب الأحكام الوسطى : ١/٣٤٢)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "ضعفوه" ...... "محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔" (الكاشف : ١/٢٨٥)

حافظ ابن حجر نے اسے (تقریب میں) منکر الحدیث اور (فتح الباري : ٢/١٠٣، التلخيص الحبير ١/١٧٩ میں) ضعیف کہا ہے۔

امام عینی حنفی لکھتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ (عمدة القاري : ٥/١٧٥)

امام زیلعی حنفی نے اس پر جرح ذکر کی ہے۔ (دیکھیں: نصب الراية : ١/٢٨٥)

اس کی ایک دوسری حدیث کو حافظ نووی نے سخت ترین ضعیف کہا ہے۔ (خلاصة الأحكام از نووي :

۶۷۴/۲)

دلیل نمبر (۳): ..... سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔" ..... "ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔" (زوائد مسند الامام احمد: ۱/۱۱۰، ابوداود: ۷۵۶، دارقطنی: ۱/۲۸۶، السنن الکبری للبیهقی: ۲/۳۱، مصنف ابن ابی شیبه: ۱/۳۹۱)

تبصرہ: ..... یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحٰق الکوفی الواسطی راوی ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے "ضعیف" کہا ہے۔ (تقریب التھذیب: ص۱۹۸، فتح الباری: ۱۳/۵۲۳)

امام زیلعی حنفی، حافظ نووی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "هو حديث متفق على تضعيفه، فان عبد الرحمن بن اسحق ضعيف بالاتفاق۔" ..... "اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، کیونکہ اس میں عبد الرحمٰن بن اسحٰق راوی بالاتفاق ضعیف ہے۔" (نصب الراية: ۱/۳۱۴، خلاصة الأحكام للنووي: ۱/۲۵۵، شرح صحیح مسلم: ۱/۱۷۳)

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں: "عبد الرحمن بن اسحق ابو شيبه الواسطي، وهو متفق على ضعفه۔" ..... "عبد الرحمٰن بن اسحٰق کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔" (العرف الشذی: ۱/۷۶، ۷۸، ۱۵۶)

نیز کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن اسحٰق ضعیف ہے۔ (فیض الباری: ۳/۲۵۹، مشکلات القرآن: ص۹۱)

نیموی حنفی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (التعلیق الحسن: ص: ۹۱)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں: "اس روایت کا مدار عبد الرحمٰن بن اسحٰق پر ہے، جو ضعیف ہے۔" (درس ترمذی: ۲/۲۴)

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں زیاد بن زید "مجهول" راوی ہے۔ (تقریب التھذیب: ص ۱۱۰)

امام ابن القطان کہتے ہیں: "لا يعرف" ..... "یہ غیر معروف راوی ہے۔" (نصب الراية از زیلعی حنفی: ۱/۳۱۴)

یاد رہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا ثابت ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

جناب سرفراز صفدر دیوبندی صاحب امام ابن القیم سے نقل کرتے ہیں: "حديث على صحيح" حضرت علی کی حدیث "صحیح" ہے۔" (خزائن السنن: ص ۳۳۶)

آگے چل کر "ضروری نوٹ" کی سرخی جما کر لکھتے ہیں: "ہم نے اپنے استدلال میں ابوداود، السنن الکبری، دار قطنی، مسند احمد کی وہ روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آتی ہے، پیش نہیں کی، جس میں "تحت السرة" کے لفظ

ہیں، جس کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: "متفقون علی ضعفه" کیونکہ اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحٰق الکوفی ہے، قاضی شوکانی "نیل الأوطار" میں لکھتے ہیں: قال النووی: "هو ضعیف بالاتفاق۔" (خزائن السنن: صـ ۳۳۷)

مطلب صاف ظاہر ہے کہ جناب سرفراز صاحب یہ باور کرا رہے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث زیر ناف ہاتھ باندھنے کے بارے میں، جو ابوداود، السنن الکبری وغیرہ میں آتی ہے، وہ ضعیف ہے اور نا قابل استدلال ہے، کیونکہ اس میں عبد الرحمٰن بن اسحٰق ضعیف بالاتفاق ہے، ہم جس روایت سے استدلال پکڑتے ہیں، وہ ابن ابی شیبہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کو امام ابن القیم نے صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہی ضعیف راوی عبد الرحمٰن بن اسحٰق الواسطی موجود ہے۔ (دیکھیں: مصنف ابن ابی شیبه: ۱/ ۳۹۱)

جبکہ جناب سرفراز صفدر صاحب خود کہتے ہیں: (مصنف ابن ابی شیبه: ۱/ ۳۹۱) طبع کراچی میں یہ الفاظ ہیں: "عن علی قال: من سنة الصلاة أن توضع الأيدی على الأيدی تحت السرر وفی السند عبد الرحمن بن اسحق۔" (خزائن السنن: صـ ۳۳۶)

اندازہ لگائیں کہ کتنا بڑا دھوکہ اور چال بازی ہے کہ وہی راوی جس کو "ضعیف بالاتفاق" تسلیم کیا ہے، اسی کے ضعف کو ڈکار کر اس کی روایت سے حجت پکڑ رہے ہیں، آخر ایسی تضاد بیانی کی کیا وجوہات ہیں؟ امانتِ علمی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب یہ حقیقت تسلیم کر چکے ہیں کہ اس روایت کا مدار عبد الرحمٰن بن اسحٰق پر ہے، جو ضعیف ہے۔ (درس ترمذی: ۲/ ۲٤)

دلیل نمبر (۴): ......ابو وائل کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔" ...... "نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔" (ابوداود: ۷۵۸، التمهید: ۲۰/ ۷۸)

تبصرہ: ......اس کی سند میں وہی عبد الرحمٰن بن اسحٰق الواسطی ضعیف راوی ہے، جس کا حال اوپر گزر چکا ہے، امام ابوداود خود اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "لیس بالقوی۔" ...... "یہ حدیث قوی نہیں ہے۔"

دلیل نمبر (۵): ......ابن عبد البر نے کہا: "ذکر الأثرم: قال حدثنا ابو الولید الطیالسی، قال: حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن عقبة بن صهبان سَمِعَ عَلِيًّا، يَقُوْلُ فِي قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قَالَ: وَضْعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى تَحْتَ السُّرَّةِ۔" ...... "عقبہ بن صہبان کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد "دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا" ہے۔" (التمهید: ۲۰/ ۷۸)

تبصرہ: ......(۱) یہ روایت (التاریخ الکبیر للبخاری: ۶/۴۳۷، السنن الکبری للبیهقی: ۲/۳۰، الأوسط لابن المنذر: ۳/۹۱، حدیث: ۱۲۸۶، أحکام القرآن للأمام الطحاوی: ۱/۱۸۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۶/۲۱۲، الکشف والبیان المعروف به تفسیر الثعلبی: ۱/۳۱۰) وغیرهم میں عاصم الجحدری عن أبیه عن عقبه سے ہے، عاصم الجحدری اور عقبہ کے درمیان عاصم کے باپ کا واسطہ ہے، یہ "المزید فی متصل الأسانید" میں سے ہے، عاصم کا اس روایت میں عقبہ سے "حدثنی" ثابت نہیں ہے، عاصم کا باپ مجہول الحال ہے، لہٰذا روایت ضعیف ہے۔

(۲)......اس روایت کو امام ابن ترکمانی حنفی نے "مضطرب" قرار دیا ہے، اس روایت کو کسی حنفی امام نے پیش نہیں کیا، کسی ثقہ مسلمان نے "تحت السرة" کے الفاظ کی زیادتی کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا، جبکہ "التمهید" ایک متداول کتاب ہے، معلوم ہوتا ہے کہ "تحت السرة" کی بجائے "علی الصدر" کے الفاظ ہو سکتے ہیں، یہ مخطوط دیکھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے۔

(۳)......خلیفۂ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عمل اس تفسیر کے خلاف ہے، وہ اس طرح کہ آپ ص سے ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا ثابت ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دلیل نمبر (۶):......ابن حزم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً اور ''مسند الامام زید'' میں سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین باتیں تمام انبیا کرام کے اخلاق سے ہیں: افطاری میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا۔'' (مجموعۂ رسائل از محمد امین اوکاڑوی: ۱/۳۲۷، حدیث اور اهلحدیث: صـ ۲۷۷)

تبصرہ:......مسند الامام زید، زیدی شیعوں کی جھوٹی کتاب ہے، اس کتاب کی سند میں عمرو بن خالد الواسطی راوی بالاتفاق وضاع (یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) اور کذاب ہے۔

امام ابوزرعہ الرازی نے کہا: "وکان یضع الحدیث" ......''یہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔'' (الجرح والتعدیل: ۶/۲۳۰)

امام اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں: "کان عمرو بن خالد الواسطی یضع الحدیث۔" ......''عمرو بن خالد حدیثیں گھڑتا تھا۔'' (أیضاً)

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: "کذاب، غیر ثقة، ولا مأمون۔" ......''یہ کذاب تھا، ثقہ اور مامون نہیں تھا۔'' (أیضاً)

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: "متروك الحدیث لیس یسوی شیئا۔" ......''یہ متروک الحدیث ہے، یہ کسی چیز کے ہم پلہ نہیں ہے۔'' (أیضاً)

امام ابوحاتم الرازی کہتے ہیں:"متروك الحديث ، ذاهب الحديث ، لايشتغل به۔" ......''یہ متروک الحدیث اور ذاہب الحدیث ہے، اس کی حدیث کے ساتھ مشغول نہ ہوا جائے۔'' (أیضاً)

اس کتاب کی سند کا دوسرا راوی عبدالعزیز بن اسحق بن البقال غالی شیعہ اور ضعیف ہے۔ (دیکھیں: لسان المیزان: ٤/ ٢٥، تاریخ بغداد: ١/ ٤٥٨)

اس کتاب میں بہت ساری من گھڑت روایات ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کتاب موضوع اور من گھڑت ہے، کسی سنی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کتاب سے روایت پیش کرے۔

جناب انورشاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:"ألا أن الآفة في كتابه من حيث جهالة ناقليه۔"......''مصیبت یہ ہے کہ اس کتاب کے ناقلین مجہول ہیں۔'' (فیض الباری: ٢/ ٢٤١)

دلیل نمبر (۷):...... ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبه: ١/ ٣٩١)

تبصرہ:......(۱) یہ نہ قرآن ہے، نہ حدیث اور نہ اجماع۔

(۲) حنفی لوگ، امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، نہ کہ ابراہیم نخعی کے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ باسند صحیح امام ابوحنیفہ سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ثبوت پیش کریں، ورنہ تسلیم کریں کہ وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں ہیں۔

قارئین کرام! یقینی بات ہے کہ اس تحریر کا ایک دفعہ کا مطالعہ آپ کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا، اس لیے بار بار بغور پڑھیں اور جانبین کے دلائل کا جائزہ لیں۔

دورانِ سجدہ ناک زمین پر رکھنا

(٧٦٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ أَتٰی عَلٰی رَجُلٍ یَسْجُدُ عَلٰی وَجْهِهٖ وَلَا یَضَعُ أَنْفَهٗ، قَالَ: ((ضَعْ أَنْفَكَ یَسْجُدُ مَعَكَ۔)) (الصحیحة:١٦٤٤)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس آئے جو اپنے چہرے پر سجدہ تو کر رہا تھا لیکن اس کی ناک زمین پر نہیں لگ رہی تھا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اپنی ناک کو بھی (زمین پر) رکھ دے، تاکہ وہ بھی تیرے ساتھ سجدہ کرے۔''

تخریج: أخرجه أبونعیم في "أخبار أصبهان": ١/ ١٩٢، ورواه الدارقطني والبيهقي نحوه موصولا

شرح:...... سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ: الْجَبْهَةِ۔ وَاَشَارَ بِیَدِهٖ عَلٰی اَنْفِهٖ۔ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ۔)) (بخاری، مسلم) ......''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں: پیشانی پر۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دو ہاتھوں پر اور دو گھٹنوں پر اور پاؤں کے (دو پنجوں) پر۔'' (بخاری، مسلم) بلکہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَا يُصِيبُ أَنْفُهُ مِنَ الْأَرْضِ مَا يُصِيبُ الْجَبِيْنُ۔)) (دارقطنی، طبرانی) ......''اس آدمی کی کوئی نماز نہیں، جس کی ناک زمین کے اس حصے پر نہ لگے، جس پر پیشانی لگ رہی ہو۔''

دوران سجدہ بازوؤں کی کیفیت

(۷٦۷)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ كَشْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ سَاجِدٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: گویا میں (اب بھی) رسول اللہ ﷺ کے پہلو کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، اس حال میں کہ آپ ﷺ سجدہ کر رہے تھے۔

(الصحيحة:٣١٩٥)

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٥، وله شواهد كثيرة عن جمع من الصحابة

شرح:...... مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ سجدہ کے دوران بازوؤں کو جسم سے دور اور زمین سے اٹھا کر رکھنا چاہئے، صحیح بخاری میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

ہتھیلیوں کے گداز حصے پر سجدہ کرنا

(۷٦۸)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: كَانَ ﷺ يَسْجُدُ عَلَى أَلْيَتَيِ الْكَفِّ۔

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہتھیلی کے گداز حصے پر سجدہ کرتے تھے۔

(الصحيحة:٢٩٦٦)

تخریج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٣٢٣/ ٦٣٩، ومن طريقه ابن حبان: ٤٩٠۔ موارد، والحاكم:١/ ٢٢٧، وعنه البيهقي:٢/ ١٠٧، وأحمد: ٤/ ٢٩٥

شرح:...... مفہوم یہ ہے کہ سجدوں میں ہاتھوں کو ہتھیلیوں کے بل رکھنا چاہیے، جو ایک مسلّم مسئلہ ہے۔

اطمینان سے رکوع و سجود نہ کرنے والے کی نماز مقبول نہیں

(۷٦۹)۔ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيِّ الْحَنَفِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهُ بَيْنَ رُكُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا۔))

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی اس بندے کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا، جس میں وہ رکوع و سجود کے دوران کمر سیدھی نہیں کرتا۔''

(الصحيحة: ٢٥٣٦)

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ٤/ ٢٢

شرح:...... یہ اعتدال اور اطمینان کی اہمیت پر دلالت کرنے والا فرمانِ نبوی ہے، اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوگی:

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو نماز سے چوری کرتا ہے، وہ سب سے برا چور ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! نماز سے چوری کیسے ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مکمل طریقے سے رکوع و سجود ادا نہیں کرتا۔'' (مسند احمد: ۵/۳۱۰)

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَ السُّجُودِ۔)) (ابوداود: ۸۵۵، ترمذی: ۲۶۵، ابن ماجہ: ۸۷۰، نسائی:) ...... ''آدمی کی نماز اس کو اس وقت تک کفایت نہیں کرتی، جب تک وہ رکوع و سجود میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ رکوع و سجود مکمل طریقے سے ادا نہیں کر رہا تھا، جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: تو نے تو نماز نہیں پڑھی۔ اگر تو اس حالت میں مر گیا، تو اس فطرت پر نہیں مرے گا، جس پر اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ (بخاری: ۷۹۱)

ان روایات کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ اپنی نمازوں میں سکون و اطمینان پیدا کریں اور خواہ مخواہ کی جلدی کرنے سے باز آ جائیں، اکثر مساجد کے زیادہ نمازی بہت جلدی میں نماز پڑھتے ہیں، لیکن وہاں کے ائمہ و خطباء ان کی اس قابل ترس حالت پر خاموش رہتے ہیں، شاید ان کی فقہ کے نزدیک ایسی نماز مکمل ہو۔

سجدے میں ٹھونگیں مارنا اور زمین پر بازو پھیلا دینا منع ہے

(۷۷۰)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ: نَهٰى ﷺ عَنْ نُقْرَةِ الْغُرَابِ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ، وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ۔)) (الصحيحة: ١١٦٨)

حضرت عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کے ٹھونگ مارنے (کی طرح عجلت کے ساتھ سجدہ کرنے سے)، اور (سجدے میں) درندے کی طرح بازو بچھانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع کیا کہ آدمی مسجد میں ایک جگہ کو اپنے لیے اس طرح خاص کر لے جس طرح اونٹ کرتا ہے۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ١٣٨، والنسائي: ١/ ١٦٧، والدارمي: ١/ ٣٠٣، وابن ماجه: ١/ ٤٣٧، وابن خزيمة: ١/ ١٤٢/ ١، وابن حبان: ٤٧٦، والحاكم: ١/ ٢٢٩، وأحمد: ٣/ ٤٢٨

شرح:...... مسائل بالکل واضح ہیں کہ سجدہ سکون کے ساتھ کیا جائے، سجدے میں بازو زمین سے بلند رکھے جائیں اور مسجد میں کسی جگہ کو نماز کے لیے اس طرح خاص نہ کر لیا جائے کہ پہلے پہنچ کر وہاں بیٹھ جانے والے کو اٹھا دیا جائے۔ نماز کے لیے آنے والوں کو چاہیے کہ ان کو جہاں جگہ ملے، وہاں بیٹھتے جائیں اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں۔

رکوع میں پیٹھ کی کیفیت

(۷۷۱)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: كَانَ إِذَا

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

رَكَعَ لَوْصُبَّ عَلٰى ظَهْرِهِ مَاءٌ لَاسْتَقَرَّ۔ (الصحيحة:۳۳۳۱)

اللہ ﷺ (اس انداز میں) رکوع کرتے کہ اگر آپ ﷺ کی کمر پر پانی بہادیا جاتا تو وہ بھی ٹھہر جاتا۔

تخريج: ذكره ابن أبي حاتم في "كتاب العلل": ۱/ ۱٤۲، وذكر البراء في هذا الحديث ليس بمحفوظ، ورواه ابوداود في "المراسيل": ۹۵/ ٤۳

شرح:...... یہ صرف نبی کریم ﷺ کا فعل ہی نہیں، جو کہ بنسبت مسلمان کے کافی وشافی ہوتا ہے، بلکہ سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُجْزِىءُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔)) (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجه) ......"ایسی نماز کفایت نہیں کرتی جس کے رکوع وسجدہ میں آدمی اپنی پیٹھ (بالکل) سیدھی نہ کرے۔ اس سنت لازمہ پر عمل کرنا صرف اس وقت ممکن ہے جب آدمی اعتدال اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھے گا۔

سجدے اور رکوع کی تسبیح

(۷۷۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كَانَ نَبِيُّكُمْ إِذَا كَانَ رَاكِعاً أَوْ سَاجِداً قَالَ: ((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔)) (الصحيحة:۳۰۳۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تمھارے نبی رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھتے تھے: "تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔"

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" ۱/ ۲٦۳/ ٥٤۲۔ كشف الأستار، والطبراني في "المعجم الكبير" ۱۰/ ۱۹۲/ ۱۰۳۰۲، و"الأوسط" أيضا: ۱/ ۱۲۹/ ۸۳۱، وكذا في "الدعاء" ۲/ ۱۰٦۲/ ٥۹۳، لكنه لم يذكر راكعا

شرح:...... معلوم ہوا کہ رکوع وسجود میں یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔

(۷۷۳)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: كَانَ إِذَا كَانَ رَاكِعاً أَوْ سَاجِداً، قَالَ: ((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ، وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔)) (الصحيحة:۲۰۸٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع یا سجدے کی حالت میں ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ، وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔)) ......"تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔"

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۷۲/ ۱، واحمد: ۳٦۸۳، ۳۷٤٥

شرح:...... ہمارے ہاں تکبیر تحریمہ کے بعد، رکوع میں، رکوع کے بعد، سجدے میں اور سلام سے پہلے، ان

مقامات پر روٹین کے مطابق صرف اور صرف ایک ایک دعا پڑھی جاتی ہے، جبکہ آپ ﷺ سے ان تمام مقامات پر مختلف دعائیں پڑھنا ثابت ہیں۔ یاد رہے کہ مختلف دعائیں پڑھنے کی وجہ سے نماز کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر سجدے کی مختلف دعاؤں میں سے چند ایک یہ ہیں:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (مسلم) میرا پروردگار پاک ہے، جو بلند وبالا ہے۔ کم از کم تین دفعہ کہنا مستحب ہے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ ...... (مسلم) نہایت پاک ہے فرشتوں اور روح (جبریل امین) کا رب۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (مسلم) اے اللہ! میرے چھوٹے اور بڑے، پہلے اور پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ، تمام گناہ بخش دے۔

اب جو نمازی "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کی روٹین کو چھوڑ کر سجدوں میں مختلف قسم کی دعائیں پڑھے گا اور ان کے معانی پر غور کرے گا تو یقیناً اس کی نماز کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا۔

شاید یہ بات لکھنا مناسب ہو کہ جس انداز میں عجمی لوگوں کو ایک ایک کلمہ ''رٹا'' لگوا کر نماز یاد کروائی جاتی ہے، اگر وہ دورانِ نماز ایک ہی ذکر یا دعا پر پابند رہیں گے تو وہ طبعی طور پر اس دعا کے پڑھنے کے اس قدر عادی بن جائیں گے کہ آہستہ آہستہ ان کی توجہ معانی سے بالکل ہٹ کر رہ جائے گی۔ میں نے خود ایک آدمی کو ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کی عمر تقریباً پچاس سال ہوگی، بلا مبالغہ اس نے چار پانچ منٹوں میں بارہ رکعات مکمل کر لیں۔ جب میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے کہا: میں طویل عرصے سے نماز پڑھ رہا ہوں، اب اسے جلدی جلدی ادا کرنے کا مجھے خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ اب یوں سمجھیے کہ میں جونہی نماز شروع کرتا ہوں تو ایک کیسٹ چل پڑتی ہے، جو بہت جلد مکمل ہو جاتی ہے۔ ایسے نمازی، نماز کے حقیقی لطف سے محروم رہتے ہیں اور ان کی قبل از نماز اور بعد از نماز ہر دو حالتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

رفع الیدین قبل از رکوع و بعد از رکوع

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم (بنولیث کے تیرہ) نوجوان لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور بیس دن قیام کیا، جب آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اب ہم گھر جانا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے ہمیں واپس جانے کی اجازت دی اور فرمایا: ...... صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (اس طرح نماز پڑھنا، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا) ......۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ۶۲۸، ۶۳۱ مع الفتح)

یہی مالک بن حویرث رفع الیدین عندالرکوع کی حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔

اس بحث میں ''رفع الیدین'' سے مراد رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں

ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔

اس ضمن میں مجھے سب سے زیادہ حیرانی حنفی مقلدین پر ہے، جو ایک طرف یہ نظریہ بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ائمہ اربعہ برحق ہیں، ان میں سے کسی ایک کی تقلید کی جا سکتی ہے، لیکن دوسری طرف ''رفع الیدین'' کا بھرپور ردّ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد تینوں رفع الیدین کرتے تھے۔

رفع الیدین کے اثبات پر دلالت کرنے والی صحیح ترین اور کثیر احادیث کا لحاظ کرتے ہوئے احناف کو زیادہ سے زیادہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ ﷺ سے رفع الیدین کرنا بھی ثابت ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس دکھائی دیا اور انھوں نے ان تمام احادیث کو ردّ کرنا شروع کر دیا، جن کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ ہم مجتہد ہیں، اس مسئلہ میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض کی اور آپ ﷺ نے اس نماز کا طریقہ بیان کیا اور ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ'' فرما کر نماز کے تمام امور میں اپنی اقتدا کرنے کا حکم دیا۔ جیسے یہ نماز روزِ فرضیت سے تکبیر تحریمہ، اس کے لیے کیے جانے والے رفع الیدین، قراءت، قیام، رکوع و سجود وغیرہ پر مشتمل تھی، اسی طرح اس میں رکوع سے پہلے والا اور رکوع سے بعد والا رفع الیدین بھی پایا جاتا تھا۔ ہم بعض دلائل کا ذکر کریں گے:

(۱) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ حِيْنَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوْعِ وَ يَفْعَلُ ذَالِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ۔ ...... میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھوں کو کندھوں تک بلند کرتے، اسی طرح جب رکوع کے لیے ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو (رفع الیدین کرتے تھے) اور سجدوں میں اس طرح نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۵، ۷۳٦، صحیح مسلم: ۳۹۰، مسند احمد: ۱/ ۱٤۷، ٤٥۲٦، ابوداود: ۷۲۱، ترمذی: ۲۵۵، نسائی: ۱۰۲۵، ابن ماجہ: ۸۵۸، مؤطا امام مالک: ۱/ ۷۵، مؤطا امام محمد: ۱۰۰)

امام علی بن مدینی نے کہا: یہ حدیث مخلوق پر حجت ہے، ہر وہ انسان جو اس کو سنے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر عمل کرے (اور رفع الیدین کرے)، کیونکہ اس کی سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۲) ...... ابو قلابہ کہتے ہیں: جب سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو رفع الیدین کیا، اسی طرح جب رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا تو پھر رفع الیدین کیا اور یہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری: ۷۳۷، صحیح مسلم: ۳۹۱، مسند احمد: ۱۵۱۷۲، نسائی: ۸۸۰، ابن ماجہ: ۸۵۹)

اہم تنبیہ: ...... سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بنولیث کے وفد کے ساتھ اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس

تشریف لائے، جب آپ غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔(فتح الباری: ۲/ ۱٤۱) اور غزوۂ تبوک ۹ ھ کے ساتویں مہینے رجب میں ہوا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں رفع الیدین جاری رہا۔

(۳)...... سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز میں داخل ہوئے تو "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا اور (کانوں کے برابر تک) رفع الیدین کیا، پھر اپنا کپڑا لپیٹ لیا اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیا، پھر جب آپ ﷺ نے رکوع کرنا چاہا تو ہاتھوں کو کپڑے سے نکالا اور اسی طرح رفع الیدین کیا، پھر جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہا تو رفع الیدین کیا۔(صحیح مسلم: ٤٠١، مسند احمد: ١٨٣٩٨، ابوداود: ٧٢٣، ترمذی: ٢٦٨، نسائی: ٨٧٩، ابن ماجه: ٨٦٧)

اس حدیث کی سند کے ایک راوی محمد بن جحادہ کہتے ہیں: جب میں نے یہ حدیث امام حسن بصری کو بیان کی تو انھوں نے کہا: هِيَ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَهُ مَنْ فَعَلَهُ وَ تَرَكَهُ مَنْ تَرَكَهُ۔ ..... یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، جس نے اسے اختیار کیا، سو اختیار کیا اور جس نے اسے چھوڑ دیا، سو چھوڑ دیا۔ (ابوداود: ٧٢٣)

اهم تنبيه:...... سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ۹ ھ میں مسلمان ہوئے، یہ اگلے سال سردی کے موسم میں دوبارہ تشریف لائے، یہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری موسم سرما تھا۔ (دیکھئے: عمدة القاری: ٥/ ٢٧٤، صحيح ابن حبان: ٣/ ١٦٩) انھوں نے دونوں موقعوں پر رفع الیدین کی حدیث بیان کی۔ رفع الیدین کے ''منسوخ'' ہونے کا بے بنیاد دعوی کرنے والے متنبہ رہیں۔

(۴)...... سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ سمیت دس صحابہ کرام میں موجود تھے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں تم سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوں۔ دوسرے صحابہ نے کہا: اللہ کی قسم! نہ تو ہم سے پہلے مسلمان ہوا اور نہ ہم سے زیادہ صحبت اختیار کی (تو کیسے زیادہ علم رکھتا ہے)، چلو پیش کرو۔

سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور ہر ہڈی اپنی جگہ پر ٹھہر جاتی، پھر قراءت کرتے، پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور رکوع کرتے، رکوع میں اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھتے اور دورانِ رکوع سر اونچا رکھتے نہ نیچا، پھر سر اٹھاتے، "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہتے اور کندھوں تک رفع الیدین کرتے۔

صحابہ نے کہا: تو نے سچ کہا، نبی کریم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداود: ٧٣٠، ترمذی: ٢٦٠، نسائی: ١١٨١، ابن ماجه: ٨٦٢، احمد: ٢٣٠٨٨)

(۵)...... سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرضی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہتے اور کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتے، اور جب تلاوت پوری کرنے کے بعد رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر اسی طرح (رفع الیدین) کرتے تھے، اور نماز میں بیٹھنے کی حالت میں ایسا نہ کرتے، اور جب

دو رکعتوں کے بعد (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوتے تو پھر رفع الیدین کرتے تھے۔ (ابو داود: ۷٤٤، ترمذی: ۳٤۲۳، ابن ماجه: ۸٦٤)

(٦)...... سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاؤں، پھر انھوں نے "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا اور رفع الیدین کیا، پھر (رکوع کے لیے) "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا، پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے وقت "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه" کہا اور رفع الیدین کیا۔ (سنن دار قطنی: ۱/ ۲۹۲)

(۷)...... عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں: صَلَّيْتُ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ فَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَاِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكُوْعِ، وَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ: صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَاِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكُوْعِ۔ ...... میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انھوں نے ابتدائے نماز میں اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا۔ (سنن کبری بیهقی: ۲/ ۷۳)

اهم تنبیه:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پرانے اور گہرے رفیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت کی حالت میں مسجد نبوی میں اپنی آخری نماز ادا کر رہے تھے، اس وقت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب آپ کی اقتدا میں کھڑے تھے۔ رفع الیدین کے بارے میں اگر ایسی عظیم ہستیاں شہادت دے دیں تو اسے قبول کر لیا جانا چاہیے۔

(۸)...... عبداللہ بن قاسم کہتے ہیں: لوگ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور کہا: لوگو! چہرے میری طرف کرو، میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اور جس کا حکم دیتے تھے۔ پھر آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنے کندھوں تک رفع الیدین کیا اور "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا، پھر اپنی نظر جھکا لی، پھر کندھوں کے برابر رفع الیدین کیا اور "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہہ کر رکوع کیا اور جب رکوع سے کھڑے ہوئے تو اسی طرح (رفع الیدین) کیا۔ (نصب الراية: ۱/ ٤۱٦، مسند الفاروق لابن كثير: ۱/ ۱٦۵)

جب سعید بن جبیر تابعی سے رفع الیدین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: یہ نماز کی زینت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام شروع نماز میں، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ (سنن کبری بیهقی: ۲/ ۷۵)

امام بخاری نے کہا: وَلَمْ يَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهُ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ۔ ...... کسی ایک صحابی سے بھی رفع الیدین نہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۴۰، ۱۷۶)

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں: رَأَيْتُ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكُوعِ۔ ...... میں نے امام مالک کو دیکھا کہ وہ ابتدائے نماز میں اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔(تاریخ دمشق لابن عساکر: ٥٥/ ١٣٤)

محمد بن عبداللہ نے کہا: یہی امام مالک کا قول ہے اور وہ اسی پر فوت ہوئے اور یہی سنت ہے اور میں بھی اسی کا عامل ہوں۔ (تاریخ دمشق: ٥٥/ ١٣٤)

امام ابوداود کہتے ہیں: میں نے امام احمد کو دیکھا ہے وہ رکوع سے پہلے اور بعد میں ابتدائے نماز والا رفع الیدین کرتے تھے اور کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور بعض اوقات شروع نماز والے رفع الیدین سے ذرا کم بلند کرتے تھے۔ (مسائل احمد روایة ابی داود: ص ٣٣)

محمد بن نصر مروزی نے کہا: (رفع الیدین قبل از رکوع اور بعد از رکوع پر) اہل کوفہ کے علاوہ علمائے امصار نے اجماع کیا ہے۔(فتح الباری: ٢/ ٢٥٧)

مولانا عبدالحیٔ حنفی نے کہا: نبی کریم ﷺ سے رفع الیدین کرنے کا بہت کافی اور نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رفع الیدین منسوخ ہیں، ان کا قول بے دلیل ہے۔(التعلیق الممجد: ص ٩١)

شاہ ولی اللہ دہلوی نے کہا: جب آدمی رکوع کرنے کا ارادہ کرے تو رفع الیدین کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو رفع الیدین کرے۔ میں رفع الیدین کرنے والوں کو نہ کرنے والوں سے اچھا سمجھتا ہوں، کیونکہ رفع الیدین کی حدیثیں بہت زیادہ اور بہت صحیح ہیں۔ (حجة الله البالغة: ٢/ ١٠)

خلاصہ کلام: ...... درج ذیل صحابہ کرام نے رفع الیدین عندالرکوع کی روایات بیان کی ہیں:

سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا مالک بن حویرث، سیدنا وائل بن حجر، سیدنا ابوحمید ساعدی، سیدنا ابو قتادہ، سیدنا سہل بن سعد ساعدی، سیدنا ابو اسید ساعدی، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا ابوموسی اشعری، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم۔

اس کثرت کی وجہ سے امام ابن جوزی، حافظ ابن حجر، امام ابن حزم، امام سیوطی، امام سخاوی اور امام ابن تیمیہ وغیرہ نے رفع الیدین کی احادیث کو متواتر قرار دیا۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد درج ذیل صحابہ سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے اور کسی کا انکار ثابت نہیں ہے۔
سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا مالک بن حویرث، سیدنا ابوموسی اشعری، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا انس بن مالک، سیدنا جابر، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہم۔

جن بڑے بڑے ائمہ کرام سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:
امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام علی بن مدینی، امام اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی، امام عبداللہ بن مبارک، امام

عبدالرحمٰن بن مہدی، امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالی

تنبیہ :...... جن روایات میں ''کانوں تک'' رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے، ان روایات کے سیاق وسباق اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کانوں کو چھونا نہیں، بلکہ اونچائی میں کانوں کے برابر بلند کرنا مراد ہے۔

جن روایات میں رکوع سے پہلے یا بعد میں عدم رفع الیدین کا ذکر ہے، وہ ضعیف اور نا قابل حجت ہیں۔ ان روایات کی تفصیل کے لیے حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی صاحب کی کتاب "نور العینین فی رفع الیدین" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اگر کوئی عدل وانصاف کا لحاظ رکھے تو اسے رفع الیدین قبل از رکوع اور بعد از رکوع پر دلالت کرنے والی احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

دورانِ نماز سنت کے مطابق اشارہ کرنے کی فضیلت

(٧٧٤)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ مَرْفُوْعًا: ((يُكْتَبُ فِيْ كُلِّ إِشَارَةٍ يُشِيْرُ الرَّجُلُ بِيَدِهِ فِيْ صَلَاتِهِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، كُلُّ أُصْبَعٍ حَسَنَةٌ۔)) (الصحيحة ٣٢٨٦)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی اپنی نماز میں اپنے ہاتھ کے ساتھ جو اشارہ کرتا ہے، اس کے عوض اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، یعنی ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أبي عثمان البحيري في "الفوائد": ق٣٩/ ٢، والديلمي: ٤/ ٣٤٤

شرح :...... رفع الیدین کرنا ہاتھ سے اشارہ کرنے کی ایک صورت ہے، یعنی جو سعادت مند سنتِ نبوی کے مطابق قبل از رکوع اور بعد از رکوع رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، انھیں ایک دفعہ رفع الیدین کرنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں، یعنی چار رکعتی نماز میں گیارہ دفعہ رفع الیدین کرنے کا موقع ملتا ہے، جس کی وجہ سے ایک ہزار نیکیوں کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ (ان شاء اللہ تعالی)

قصر نماز کی مسافت کی مقدار

(٧٧٥)۔ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَزِيْدَ الْهُنَائِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قَصْرِ الصَّلَاةِ۔ وَكُنْتُ أَخْرُجُ إِلَى الْكُوْفَةِ فَأُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى أَرْجِعَ؟ فَقَالَ أَنَسٌ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ (شَكَّ شُعْبَةُ) قَصَرَ الصَّلَاةَ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (الصحيحة:١٦٣)

یحییٰ بن یزید ہنائی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قصر نماز کے بارے میں سوال کیا، کیونکہ میں جب کوفہ کی طرف سفر کرتا تو واپس آنے تک (ظہر، عصر اور عشا کی) دو دو رکعتیں پڑھتا تھا۔ انھوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین میل یا تین فرسخ کی مسافت تک جاتے تو قصر نماز پڑھتے اور ایک روایت میں ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ راویٔ حدیث امام شعبہ کو میل یا فرسخ کا شک ہوا۔

تخریج: أخرجه مسلم: ٢/ ١٤٥، وابوداود: ١٢٠١، وابن ابی شیبة: ٢/ ١٠٨/ ١/ ٢، و أحمد: ٣/ ١٢٩، والبیهقی: ٣/ ١٤٦

شرح:...... ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں اور عربوں کا قدیم میل اڑھائی کلومیٹر کے برابر پڑتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین فرسخ ۲۲، ۲۳ کلومیٹر کے برابر پڑتے ہیں۔ قصر کی کم از کم حد کے بارے میں جتنے اقوال منقول ہیں، ان میں سب سے زیادہ قوی قول تین فرسخ والا ہے، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، جو انتہائی واضح اور غیر مبہم ہے۔ یعنی جب کسی آدمی کا ارادہ ۲۲، ۲۳ کلومیٹر سفر کرنے کا ہو تو وہ اپنے شہر یا بستی سے نکلنے کے بعد قصر کرے گا۔

اس کے علاوہ سفر کے تعین کے جتنے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، ان کی بنیاد مبہم دلائل، احتمالات اور غیر مرفوع روایات پر ہے۔ بعض احباب ہوائی جہاز اور موٹر کاروں جیسے سفر کے جدید اور سریع وسائل کی بنا پر اس مسافت کو کم سمجھ کر کہتے ہیں کہ آج کل قصر کی ضرورت نہیں، کیونکہ سفر میں آسانیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ ذہن نشین کر لیں کہ شریعت کے قوانین اٹل اور غیر متغیر ہیں، سائنسی ترقی کی آخری حد مقرر نہیں، نیز یہ یقین دہانی نہیں کرائی جا سکتی ہے کہ سائنسی وسائل کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا، کیونکہ بلاشک وشبہ قیامت سے پہلے ایسا زمانہ پھر آئے گا جس میں پرانے طرز کا انداز زندگی اپنایا جائے گا۔ لہٰذا زمانۂ حال کی ترقیوں کی وجہ سے شرعی مسائل کسی قسم کی تبدیلی قبول نہیں کریں گے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مسافر تین فرسخ کی مسافت کے سفر کے دوران قصر کر سکتا ہے، تقریباً ایک فرسخ، آٹھ کلومیٹر کا ہوتا ہے۔

خطابی نے (معالم السنن: ۲/ ۴۹) میں کہا: اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو تین فرسخ کو قصر نماز کی حد مقرر کیا جا سکتا ہے، لیکن میرے علم کے مطابق کوئی فقیہ بھی اس مسلک کا قائل نہیں تھا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: کئی پہلوؤں سے خطابی کا کلام قابل نقد ہے:

(اول)...... حدیث صحیح ثابت ہے، اس کی صحت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔

(دوم)...... اگر خطابی کو علم نہیں، تو اس سے نہ حدیث متأثر ہوتی ہے اور نہ فقہا کا اس پر عمل ممتنع قرار پاتا ہے، کیونکہ عدمِ علم سے عدمِ وجود لازم نہیں آتا۔

(سوم)...... اس حدیث کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اسی مسافت کے قائل تھے اور ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن یزید ہنائی نے بھی اسی مسافت کا فتوی دیا، بلکہ بعض صحابہ سے تو اس سے کم مسافت پر قصر کرنا ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تین میل کی مسافت پر نماز قصر کی جائے گی۔ (ابن ابی شیبه: ٢/ ٤٤٣، ارواء الغلیل: ٥٦١)

دوسری سند کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں دن کی ایک گھڑی سفر کرتا ہوں اور قصر شروع کر دیتا

ہوں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ میں مقیم ہوتے اور منی کی طرف جاتے تو وہاں قصر کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۲/ ۴۵۱)

اس کی مزید تائید اس طرح ہوتی ہے کہ جب اہل مکہ حجۃ الوداع کے موقع پر منی کی طرف گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصر نماز پڑھی، جیسا کہ کتب حدیث اور کتب سیرت میں معروف ہے۔ یاد رہے کہ منی، مکہ سے ایک فرسخ (یعنی سات آٹھ کلو میٹر) پر واقع ہے۔

جبلہ بن سحیم نے کہا: میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: میں تو ایک میل کی مسافت طے کرنے پر قصر نماز پڑھتا ہوں۔

مؤطا امام مالک میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قصر نماز کے لیے مذکورہ بالا مسافت سے زیادہ مسافت بیان کی گئی ہے، تو گزارش ہے کہ یہ عمل ہے، جو اس سفر سے کم پر قصر کرنے کی نفی نہیں کرتا۔

یہ مختلف آثار تھے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کم مسافت پر نماز قصر کرنا جائز ہے، اس لیے ان کو مردود قرار دینا جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۲/ ٤٦٧، ٤٦٨) میں کہا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث قصر کی مسافت کے سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح اور واضح ترین ہے، لیکن مخالفین نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اتنی مسافت کے بعد قصر نماز ادا کی جاتی تھی، رہا مسئلہ زیادہ سے زیادہ مسافت کا تعین نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ تاویل بعید ہے، حالانکہ امام بیہقی نے اپنی روایت میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ یحیٰ بن یزید نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے قصر نماز کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کوفہ سے بصرہ کی طرف سفر کرتا ہے اور واپس آنے تک دو دو رکعتیں ادا کرتا ہے، سیدنا انس نے جواب میں یہی حدیث پیش کرتے ہوئے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین میل یا تین فرسخ کی مسافت تک جاتے تو قصر نماز پڑھتے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ سوال سفر میں قصر نماز کے جواز کے بارے میں تھا، نہ کہ اس مقام کی بابت، جہاں سے قصر کی ابتدا ہوگی۔ قصر اور سفر کے بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ مسافت کی کوئی قید نہ لگائی جائے، بلکہ جب کوئی اپنے شہر سے تجاوز کر جائے تو اسے قصر نماز ادا کرنی چاہیے۔

امام قرطبی نے تین میل یا تین فرسخ میں شک پڑنے کی وجہ سے اس حدیث کو مردود قرار دیا ہے۔ لیکن اگر راوی کو میل یا فرسخ میں شک پڑ جائے تو اس وجہ سے سرے سے اس حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ احتیاط کرتے ہوئے تین فرسخ مراد لیے جائیں، جو کہ نو میل بنتے ہیں۔

عبد الرحمن بن حرملہ نے کہا: میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا: کیا میں مدینہ سے ایک منزل پر قصر نماز پڑھ سکتا ہوں اور روزہ ترک کر سکتا ہوں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ (ابن ابی شیبہ: ۳/ ۲۰)

لجلاج کہتے ہیں: ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین میل سفر کرتے تھے اور قصر نماز ادا کرتے تھے اور روزہ افطار کر دیتے تھے۔

ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کی فقہ کے مطابق حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی مسافت سے کم فاصلے پر بھی قصر کرنا جائز ہے۔ دراصل قرآن وسنت میں سفر کو مطلق طور پر بیان کیا گیا اور اس کی کسی قسم کی حد بندی نہیں کی گئی، مثلا ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (سورۂ نساء: ۱۰۱) ...... ''جب تم زمین میں چل رہے ہوتو قصر نماز ادا کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔''

معلوم ہوا کہ اس آیت اور اس باب کی حدیث میں سرے سے کوئی تعارض ہی نہیں، کیونکہ حدیث نے تین میل یا تین فرسخ سے کم مسافت پر قصر نماز کی نفی تو نہیں کی، اسی لیے علامہ ابن قیم نے (زاد المعاد فی هدی خیر العباد: ۱/ ۱۸۹) میں کہا: نبی کریم ﷺ نے قصر نماز اور افطارِ رمضان کے لیے محدود مسافت کا تعین نہیں کیا، صرف مطلق سفر اور زمین میں چلنے کا ذکر کیا، جیسا کہ ہر سفر میں تیمم کا ذکر مطلق طور پر کیا، یہ جو آپ ﷺ سے ایک یا دو یا تین دنوں کی مسافت کی روایات بیان کی جاتی ہے، وہ بہر حال صحیح نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا: ہر وہ ''اسم'' جس کی لغت اور شرع میں حد بندی نہیں کی گئی، اس کو عرف عام کی روشنی میں سمجھا جائے۔ اس لیے یہ دیکھا جائے کہ لوگوں کے عرف میں کتنی مسافت کو ''سفر'' کہا جاتا ہے، اس کے ساتھ شرعی حکم کو معلق کر دیا جائے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: کتنی مسافت پر نماز قصر کی جائے؟ اس کے بارے میں علمائے کرام کا بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، تقریباً بیس اقوال ملتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی رائے اقرب الی الصواب اور اسلام کے سہولت آمیز مزاج کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ لوگوں کو ایک دن یا تین دنوں کی مسافت یا کسی مخصوص حد بندی کا مکلّف ٹھہرانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کو ان راستوں کی مسافتوں کا علم ہو، جن پر وہ سفر کر رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ لوگ اس قسم کی پیمائشوں کی طاقت نہیں رکھتے۔ بالخصوص اس راستے کی، جس پر پہلی دفعہ سفر کیا جا رہا ہو۔

اس حدیث میں ایک شرعی فائدہ یہ بھی ہے کہ شہر سے نکل جانے کے بعد قصر کی ابتدا ہوگی، جمہور علما کا یہی مسلک ہے، جیسا کہ امام شوکانی (نیل الاوطار: ۳/۸۳) میں کہتے ہیں: بعض کوفیوں کا خیال ہے کہ سفر کا ارادہ کر لینے والا قصر نماز پڑھ سکتا ہے، اگرچہ وہ ابھی تک اپنے گھر میں ہی ہو اور کوئی کہتا ہے کہ سواری پر سوار ہونے سے قصر کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ علمائے کرام کا اس نقطے پر تو اتفاق ہے جب مسافر اپنے شہر کی حدود سے نکل جائے گا تو وہ قصر کرے گا۔ اختلاف اس میں ہے کہ آیا وہ اس سے پہلے بھی قصر کر سکتا ہے۔ اگر ''اصل'' کو دیکھا جائے تو اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ میرے علم کے مطابق نبی کریم ﷺ نے جب بھی قصر نماز ادا کی، اس وقت مدینہ منورہ سے باہر نکل چکے ہوتے تھے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: کافی ساری احادیث سے یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے، میں سیدنا انس، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کی اس موضوع سے متعلقہ احادیث کی تخریج (ارواء الغلیل) میں کی ہے، آپ اس

کتاب کی (۵۶۲) نمبر حدیث دیکھیں۔ (صحیحہ:۱۶۳)

امام البانی رحمہ اللہ نے طویل بحث کی ہے، شاید عام قاری اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ اس لیے اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

کتنے فاصلے پر قصر نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ دو آرا کا سہارا لیا جا سکتا ہے:

(۱)..... تین میلوں یا تین فرسخوں کی مسافت قصر کرنے یا نہ کرنے کے لیے حد فاصل ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲)..... شریعت میں قصر نماز کے لیے سفر کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا، بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا گیا۔ امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور امام البانی کی یہی رائے ہے۔ ان آرا کے علاوہ کوئی تیسرا مسلک کسی مضبوط دلیل پر قائم نہیں ہے۔

قصر نماز کے لیے کسی شخص کا سفر کا ارادہ کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے شہر یا بستی سے نکل جانا ضروری ہے۔

بحث کے دوران یہ کہا گیا کہ لوگوں کے لیے کسی راستے کی مسافت کو معلوم کرنا انتہائی مشکل عمل ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی آدمی اس خیال کو چیلنج کر دے، کیونکہ اس دور میں یہ چیز مشکل نہیں رہی۔ گزارش یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو پندرہویں صدی جاری ہے، اس لیے ایک ڈیڑھ صدی سے رائج سائنسی دور کی روشنی کسی شرعی مسئلے کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، جبکہ یہ دور جلدی ختم ہونے والا بھی ہے۔

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا منسوخ ہو گیا
کھانا کھانے کے بعد نماز کے لیے کلی کرنا ضروری نہیں

(۷۷۶)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَمُرُّ بِالْقِدْرِ فَيَأْخُذُ الْعَرْقَ فَيُصِيْبُ مِنْهُ، ثُمَّ يُصَلِّي وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً۔ وَفِي رِوَايَةٍ: فَمَا تَوَضَّأَ وَلَا تَمَضْمَضَ۔ (الصحيحة:۳۰۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہانڈی کے پاس سے گزرتے تو گوشت والی ہڈی نکال لیتے اور اس سے گوشت نوچتے، پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ پانی تک کو نہ چھوتے اور ایک روایت میں ہے: نہ وضو کیا اور نہ کلی کی۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف" ۱/ ۵۰، وعنه أبو يعلي: ۷/ ۴۲۷/ ۴۴۴۹، وأحمد: ۶/ ۱۶۱، والبزار في "مسنده": ۱/ ۱۵۳/ ۲۹۸

شرح:...... بلاشک وشبہ اگر کوئی کھانا وغیرہ کھا کر نماز ادا کرنی ہو تو کلی کر لینا افضل ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا، پھر پانی منگوا کر کلی کی اور فرمایا: ''اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔'' (بخاری، مسلم) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَضْمِضُوْا مِنَ اللَّبَنِ۔)) (ابن ماجه) ......''دودھ پی کر کلی کیا

کرو۔'' لیکن آپ ﷺ کا کلی کرنا یا اس کا حکم دینا مستحب ہے، جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کلی کیے بغیر بھی نماز پڑھی ہے۔

آپ ﷺ کا اپنی بیویوں کی چادروں میں نماز نہ پڑھنا

(۷۷۷)۔ عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ ﷺ لَا يُصَلِّي فِي لُحُفِنَا۔ (الصحيحة: ٣٣٢١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری چادروں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه أصحاب "السنن": وغيرهم، وإسناده عند أبي داود: ٦٤٥

شرح:...... جبکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک ہی چادر کا بعض حصہ آپ ﷺ پر ہوتا اور بعض حصہ آپ ﷺ کی حائضہ بیوی پر ہوتا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (ابو داود: ٣٦٩، ابن ماجه: ٦٥٣) اسی قسم کی روایت صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ امام ابوداود نے ان دو احادیث پر یہ باب قائم کیا ہے: "بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ"

ان میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان دو احادیث کو جواز پر اور اوپر والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو چادر میں کسی نجاست کے خدشے کی بنا پر احتیاط اور ورع پر محمول کریں گے، جیسا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زوجۂ رسول سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے، جس میں مجامعت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: جب دیکھتے کہ اس میں کوئی نجاست لگی ہوئی نہیں ہے تو اسی میں پڑھ لیتے تھے۔ (نسائی، ابو داود، ابن ماجه)

سرخ اور پوستین والی چادروں میں نماز پڑھنا

(۷۷۸)۔ عَنْ رَاشِدٍ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحِمَّانِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَلَيْهِ فَرْوٌ أَحْمَرُ فَقَالَ: كَانَتْ لُحُفُنَا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَلْبَسُهَا وَنُصَلِّي فِيْهَا۔ (الصحيحة: ٢٧٩١)

ابو محمد راشد حمانی کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر چمڑے کا سرخ لباس دیکھا اور انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی قسم کی ہماری چادریں ہوتی تھیں، ہم انھیں زیب تن کرتے تھے اور ان میں نماز بھی پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٣٣٥/ ٥٦٣

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو چادر یا کمبل وغیرہ سوتے وقت استعمال کیا جاتا ہے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

رات کو وعظ و نصیحت کرنا

(۷۷۹)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، قَالَ: كَانَ يُحَدِّثُنَا عَامَّةَ لَيْلِهِ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں رات کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کے بارے میں

لَايَقُوْمُ إِلَّا لِعُظْمِ صَلَاةٍ۔ (الصحيحة:٣٠٢٥)

(روایات) بیان کرتے رہے، صرف عظمتِ نماز کی خاطر کھڑے ہوتے تھے۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٢/ ٣٧٩، وأحمد: ٤/ ٤٣٧، ٤٤٤، والبزار: ١/ ١٩٩۔ ١٢٠، والطبراني في "المعجم الكبير" ١٨/ ٢٠٧/ ٥١٠، وأخرجه ابو داود: ٣٦٦٣، واحمد: ٤/ ٤٣٧ لكن جعلا "عبد الله بن عمرو" مكان "عمران بن حصين"

شرح: ...... بنو اسرائیل کی تاریخ میں کئی سبق آموز واقعات کا تذکرہ ملتا ہے، وہ لوگ اللہ تعالی کے انعامات کے مستحق بھی بنتے رہے اور اس کے عذابوں کے حقدار بھی ٹھہرتے رہے۔ ان کے بعض احکام امتِ مسلمہ کے حق میں باقی ہیں اور بعض ختم ہو چکے ہیں۔

نمازیوں کی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے نماز باجماعت جلد یا بتاخیر قائم کرنا

(٧٨٠)۔ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ النِّدَاءِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا رَأَى أَهْلَ الْمَسْجِدِ قَلِيْلاً جَلَسَ حَتّٰى يَرٰى مِنْهُمْ جَمَاعَةً، ثُمَّ يُصَلِّيْ، وَكَانَ إِذَا خَرَجَ فَرَاٰى جَمَاعَةً، أَقَامَ الصَّلَاةَ۔ (الصحيحة:٣٢١٩)

حضرت سالم ابونضرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اذان کے بعد مسجد کی طرف جاتے تھے، جب آپ ﷺ دیکھتے کہ نمازی کم ہیں تو بیٹھ جاتے، حتی کہ پوری جماعت اکٹھی ہو جاتی تو نماز پڑھاتے اور جب آپ ﷺ گھر سے نکلتے اور دیکھتے کہ نمازیوں کی جماعت (پہلے ہی سے) جمع ہے تو نماز کھڑی کر دیتے تھے۔

تخريج: أخرجه البيهقي في "السنن": ٢/ ١٩، وابوداود: ٥٤٥

شرح: ...... یہ ہے لوگوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا، عصرِ حاضر کے مصائب میں سے ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ گھڑیوں کے مطابق نمازوں کے اوقات کے تعین نے امام اور مقتدی کے حقوق غصب کر لیے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ لوگوں کی مصلحت کی خاطر وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے، لیکن اتنا یاد رہے کہ کسی انسانی سہولت کی خاطر شرعی احکام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب سوئی معینہ وقت پر پہنچے گی تو انتظار کرنے والے مقتدی کھڑے ہو جائیں گے۔ آیا امام صاحب پہنچے ہیں یا نہیں، اگر پہنچ گئے ہیں تو نماز پڑھ رہے ہیں یا فارغ بیٹھے ہیں، نمازیوں کی بھاری تعداد سنتیں پڑھ رہی ہے یا فارغ بیٹھی ہے، نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے یا چند لمحوں میں ہو جائے گی؟ ایسے لگتا ہے کہ وقت کے انتظار میں بیٹھنے والے مقتدیوں کا ان امور سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کا امام اور شریعت گھڑی ہے۔

میری اس گزارش پر بعض لوگ اعتراض کریں گے کہ آجکل وقت بڑا مختصر ہوتا ہے، لہٰذا مقررہ وقت کے مطابق جو آدمی نماز کے لیے آتا ہے، اسے تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ عاجزانہ التماس یہ ہوگی کہ مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں تمام نمازیوں یا ان کی بھاری اکثریت کو کوئی ایمرجنسی نہیں ہوتی، لیکن جلد بازی والی روٹین برقرار رہتی ہے۔ دوسری بات

یہ ہے کہ اگر ظہر اور عصر جیسی نمازوں میں تین، چار، پانچ منٹ انتظار کر لیا جائے، تو کون سا نظامِ زندگی معطل ہو جائے گا۔ ہر آدمی کے پاس دوست سے ملاقات کرنے کے لیے، اس کی ضیافت کرنے کے لیے اور قریبی اور دور کے تعلق داروں کی خوشی غمی میں شرکت کرنے لیے کئی دنوں کی گنجائش موجود ہوتی ہے، نمازِ عشا کی ادائیگی کے بعد دو تین گھنٹوں تک ڈرامے دیکھنے یا ویسے گپ شپ لگانے کا وقت موجود ہوتا ہے، پر تکلف کھانے کی تیاری اور کھانے کے لیے گھنٹوں وقت صرف کرنے کے لیے موجود ہوتا ہے، صرف چائے نوشی کے لیے بیس پچیس منٹ صرف کئے جا سکتے ہیں .... علی ہذا القیاس۔ لیکن امتِ مسلمہ کے عظیم قائد و رہبر محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور اداؤں کا لحاظ کرنے کے لیے تین چار منٹ کا انتظار کرنے کے لیے تنگی محسوس ہوتی ہے۔ (اللہ تعالی کی پناہ) عوام کی سہولت کے لیے وقت کا تعین کرنا درست بات ہے، لیکن بہر حال سنتوں کا لحاظ کرنا اس سے بڑی مصلحت ہے اور معمولی انتظار سے عوام کی سہولت ان کی مشکل میں نہیں بدل سکتی، بلکہ یہ انتظار زندگی کے لیے برکات کا سبب بنے گا۔

یاد رہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے انتہائی غیر محسوس انداز میں برکتیں نازل ہوتی ہیں، جن سے انسان کے دل و دماغ کو بھی سکون ملتا ہے اور اس کے مال و دولت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، لیکن برکاتِ ربانی کے حصول کا واحد ذریعہ شرعی احکام کی بجا آوری ہے۔

نمازِ عیدین کی ادائیگی کا طریقہ

(۷۸۱)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، كَانَ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلّٰى صَلَاتَهُ وَسَلَّمَ قَامَ قَائِماً عَلٰى رِجْلَيْهِ فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِي مُصَلَّاهُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهُ لِلنَّاسِ، أَوْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَمَرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُوْلُ: ((تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا۔)) وَكَانَ أَكْثَرَ مَنْ يَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (الصحيحة:٢٩٦٨)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے روز نکلتے اور (عید گاہ میں) ابتدا نماز سے کرتے۔ جب نماز پڑھ لیتے اور سلام پھیر دیتے تھے تو کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ میں بیٹھے رہتے۔ اگر کسی وفد کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتے، اس کے علاوہ جو بھی حاجت ہوتی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور فرماتے: ''صدقہ کیا کرو، صدقہ کیا کرو، صدقہ کیا کرو'' زیادہ تر صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں، پھر آپ ﷺ (اپنے گھر) کو واپس چلے جاتے۔

تخريج: أخرجه مسلم :٣/ ٢٠۔ والسياق له۔، والنسائي في "الصغرى" و "الكبرى" أيضا: ١/ ٥٤٩/ ١٧٨٥۔ والزيادة الثالثة له۔، وابن ماجه :١٢٨٨ والزيادة الثانية له، وابن خزيمة في "صحيحه": ١٤٤٩، والزيادة الثالثة له أيضا، وابن حبان: ٣٣١١، والبيهقي :٣/ ٢٩٧، ولهما الزيادة الأولى، وعبد الرزاق

في "المصنف": ۳/ ۲۸۰/ ۵٦۳٤، وعنه أحمد: ۳/ ٥٤، وابن أبي شيبة في "مصنفه": ۲/ ۱۸۸، ۳/ ۱۱۰- ۱۱۱، وأحمد أيضا: ۳/ ۳٦، ٤۲، ٥٤، وأبو يعلي في "مسنده": ۲/ ٤۹۸/ ۱۳٤۳ وأخرجه البخاري: ۹٥٦ مع بعض الاختصار

شــــرح:...... نبی کریم ﷺ عیدگاہ میں پہنچ کر سب سے پہلے نماز عید ادا کرتے اور اس کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے، بنوامیہ کے خلیفہ مروان نے نماز سے پہلے خطبہ دینے کو رواج دیا، آجکل بھی بعض لوگ مروان کی ترتیب پر قائم ہیں۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے روز کثرت سے صدقہ کرنا چاہیے۔

نماز عیدین میں چھ یا بارہ تکبیرات کہنا

(۷۸۲)۔ عَنِ الْوَضِيْنِ بْنِ عَطَاءٍ، أَنَّ الْقَاسِمَ أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ، قَالَ: حَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عِيْدٍ، فَكَبَّرَ أَرْبَعاً ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ حِيْنَ انْصَرَفَ قَالَ: ((لَا تَنْسَوْا كَتَكْبِيْرِ الْجَنَائِزِ۔)) وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ، وَقَبَضَ إِبْهَامَهُ، يَعْنِي فِي صَلَاةِ الْعِيْدِ۔ (الصحيحة: ۲۹۹۷)

وضین بن عطا کہتے: مجھ سے ابوعبدالرحمٰن قاسم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے کسی صحابیٔ رسول نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کے روز نماز پڑھائی اور چار چار تکبیریں کہیں، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''بھولنا نہیں، جنازے کی تکبیرات کی طرح (چار تکبیریں اس نماز میں بھی ہیں)۔'' پھر آپ ﷺ نے (بات سمجھانے کے لیے) انگوٹھا بند کر کے (بقیہ چار) انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني": ٤/ ۳٤٥۔ طبع مصر

شــــرح:...... اس سے مراد وہی چھ تکبیریں ہیں، جو ہمارے ہاں احناف کا طریقۂ کار ہے، اگر پہلی رکعت کی تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت کی رکوع والی تکبیر کو شمار کیا جائے تو ہر رکعت میں تکبیرات کی تعداد چار چار اور کل آٹھ بنتی ہے، جن میں نمازِ عید کی خاص تکبیرات چھ ہیں۔ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: جو چار چار تکبیرات کہنا چاہتا ہے، وہ اس مذکورہ بالا حدیث اور دوسرے آثار کی بنا پر کہہ سکتا ہے اور جو پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات کہنا چاہتا ہے، وہ بھی کہہ سکتا ہے، کیونکہ اس کے حق میں بھی ایک مسند حدیث موجود ہے، جس کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا اور یہ طریقہ کئی صحابہ سے بھی منقول ہے، اس لیے حدیث پورے مجموعہ کی بنا پر درجۂ صحت تک پہنچ جاتی ہے۔ (صحیحہ: ۲۹۹۷)

بارہ تکبیرات پر دلالت کرنے والی احادیث:......سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلتَّكْبِيْرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُوْلٰى وَ خَمْسٌ فِي

الْأُخْرٰی وَالْقِرَاءَ ةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا۔)) (ابوداود، ابن ماجه) ...... ''عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں میں قراءت سے پہلے کہی جائیں گی۔''

سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیرات کہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عیدین میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (ابن ماجہ)

سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا جابر، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا ابو ایوب، سیدنا زید بن ثابت اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم اور امام احمد، امام شافعی اور امام مالک اور دیگر کئی ائمہ کا یہی مسلک کہ نمازِ عیدین میں بارہ تکبیریں کہی جائیں۔ اس موضوع پر بعض احادیث میں ضعف ہے، لیکن وہ شواہد کی بنا پر صحیح ہیں۔

خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں چھڑی لینا

(۷۸۳)۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ بِمِخْصَرَةٍ فِيْ يَدِهِ۔ (الصحيحة: ۳۰۳۷)

عامر بن عبد اللہ بن زبیر اپنے باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ میں چھڑی لے کر خطبہ دیتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات": ۱/ ۳۷۷، والبزار في "مسنده": ۱/ ۳۰۶، وابو الشيخ في "أخلاق النبي ﷺ": ۱۲۸، والبغوي في "شرح السنة": ٤/ ۲٤۳

مقامِ ابراہیم کے پاس نماز ادا کرنا

"فَلْيَدْعُ نَادِيَه۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَة" کا شانِ نزول

(۷۸۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْمَقَامِ، فَمَرَّ بِهِ أَبُوْ جَهْلِ ابْنُ هِشَامٍ فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هٰذَا؟ وَتَوَعَّدَهُ، فَأَغْلَظَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَانْتَهَرَهُ، فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ بِأَيِّ شَيْءٍ تُهَدِّدُنِي؟ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَكْثَرُ هٰذَا الْوَادِيْ نَادِيًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَه۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔﴾ (العلق: ۱۷۔۱۸) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْ دَعَا نَادِيَهُ، أَخَذَتْهُ زَبَانِيَةُ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ کے پاس سے ابو جہل بن ہشام گزرا اور کہا: او محمد! میں نے تجھے یہاں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا؟ اس نے آپ ﷺ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں۔ آپ ﷺ نے بھی اسے کڑا جواب دیا اور خوب جھڑکا۔ اس نے کہا: او محمد! تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے؟ آگاہ ہو جا، اللہ کی قسم! اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور میری مجلس والے ہیں۔ اللہ تعالی نے یہ آیات نازل کیں: ''یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔

الْعَذَابِ مِنْ سَاعَتِهِ۔ (الصحيحة:۲۷۵)

ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے۔'' (سورۂ علق : ۱۷، ۱۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔

تخریج: رواه الترمذي: ۲/ ۲۳۸، وابن جرير في "تفسيره": ۳۰/ ۱٦٤ وقد رواه البخاري والطبراني في "الكبير"، وغيره من طرق اخرى

شرح:...... صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ابوجہل آگے بڑھا اور آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا، لیکن ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا: میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔

بچوں کا دورانِ سجدہ نمازی کی کمر پر بیٹھ جانا

(۷۸۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كَانَ يُصَلِّي وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَلْعَبَانِ وَيَقْعُدَانِ عَلَى ظَهْرِهِ، فَأَخَذَ الْمُسْلِمُوْنَ يُمِيطُوْنَهُمَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: ((ذَرُوْهُمَا بِأَبِيْ وَأُمِّيْ مَنْ أَحَبَّنِيْ، فَلْيُحِبَّ هٰذَيْنِ۔)) (الصحيحة:۴۰۰۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور حسن وحسین کھیلتے کھیلتے آپ کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔ صحابہ نے انھیں دور کرنے کی کوشش کی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میرے ماں باپ تم لوگوں پر قربان ہوں، ان کو چھوڑ دو، جو مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ ان سے بھی محبت کرے۔''

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ۸/ ۳۰۵، وابن ابی شيبة فی "المصنف": ۱۲/ ۹۵/ ۱۲۲۲۳، وابن خزيمة: ۸۸۷، وابن حبان: ۲۲۳۳

شرح:...... جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ کے اوپر سے ہٹانا چاہا تھا تو آپ ﷺ نے اشارہ کر کے ان کو منع کر دیا تھا، جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے، جب سجدہ کرتے تو حسن اور حسین اچھل کر آپ کی پیٹھ پر چڑھ جاتے۔ جب صحابہ ارادہ کرتے کہ انھیں روکیں تو آپ ﷺ اشارہ کرتے کہ ان کو (اپنے حال پر) چھوڑ دو۔ جب نماز پوری کرتے تو انھیں اپنی گودی میں بٹھا لیتے اور فرماتے: ((مَنْ أَحَبَّنِي، فَلْيُحِبَّ هٰذَيْنِ۔)) ...... ''جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان دونوں سے محبت کرے۔'' (صحيح ابن خزيمه: ۸۸۷، مسند ابو يعلى: ۲/ ۶۰، صحيحه: ۳۱۲)

معلوم ہوا کہ بچوں کی اس کاروائی سے نماز متاثر نہیں ہوتی، بشرطیکہ نمازی کلماتِ نماز کو سمجھ کر ادا کرنے والا ہو۔ نیز

نماز میں ضرورت کے مطابق اشارہ کرنا درست ہے۔اس کی تفصیل ''خواتین وحضرات کا نماز میں اجازت کا جواب دینے کا طریقہ'' کے عنوان میں گزر چکی ہے، مطالعہ کر لیں۔

نفلی نماز کے دوران دروازہ کھولنا

(٧٩٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي قَائِماً تَطَوُّعاً، وَالْبَابُ فِي الْقِبْلَةِ مُغْلَقٌ عَلَيْهِ فَاسْتَفْتَحْتُ الْبَابَ، فَمَشَى عَلَى يَمِينِهِ أَوْ شِمَالِهِ، فَفَتَحَ الْبَابَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَانِهِ۔ (الصحيحة:٢٧١٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نفلی نماز پڑھ رہے تھے، قبلہ کی سمت میں (یعنی آپ ﷺ کے سامنے) دروازہ تھا، جو بند تھا۔ جب میں نے دروازہ کھولنے کی فرمائش کی، تو آپ ﷺ اپنی دائیں یا بائیں جانب سے (سامنے کو) چلے، دروازہ کھولا اور اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔

تخریج: أخرجه النسائی :١/ ١٧٨، وابن حبان: ٥٣٠، والبيهقی:٢/ ٢٦٥

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے نماز میں بچھو اور سانپ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔(ابوداود، ترمذی) صحابہ کرام کو تعلیم دینے کی خاطر منبر پر نماز پڑھائی اور سجدے کرنے کے لیے نیچے اتر آئے اور پھر منبر پر چڑھ گئے۔ (بخاری، مسلم) آپ ﷺ نے بائیں طرف کھڑے ہونے والے مقتدی کو گھما کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ (بخاری، مسلم) آپ ﷺ نے دائیں اور بائیں دونوں جانبوں کی طرف کھڑے ہونے والے مقتدیوں کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ (مسلم) آپ ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے سخت گرمی کی وجہ سے کچھ کنکریاں ہاتھ میں پکڑ لیں، تاکہ وہ ٹھنڈی رہیں، جب بھی وہ سجدہ کرتے تو زمین کی حرارت سے بچنے کے لیے ان کو زمین پر بچھا دیتے۔ (ابوداود) ان احادیث اور اس موضوع سے متعلقہ دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اس قسم کی حرکات وسکنات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ شریعتِ اسلامیہ کی کمال حکمت ہے کہ جہاں اس نے دورانِ نماز عجز و انکساری اور خشوع وخضوع کو اپنانے اور فضول حرکتوں سے گریز کرنے کا حکم دیا، وہاں انسانی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور نماز کے سکون کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے بعض گنجائشوں کو بھی برداشت کر لیا۔ مثال کے طور پر ایک آدمی نماز شروع ہی کرتا ہے کہ اس کے دروازے پر دستک ہونے لگتی ہے، دو ہی صورتیں ہیں: یا تو نماز توڑ دے یا پھر سلگتے بھرتے ہوئے نماز سے پار ہو جائے۔ شریعت نے ان دونوں صورتوں کو نامناسب قرار دے کر تیسری شق کی اجازت دے دی، کہ نماز میں تھوڑی بہت نقل وحرکت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ضروری تنبیہ یہ ہے کہ اگر نمازی، نماز کے کلمات کو سمجھ کر ادا کر رہا ہو تو ایسی حرکات سے نماز میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگوں نے بغیر کسی غور وفکر کے نماز، ذکر اور قرآن کے الفاظ رٹے ہوتے ہیں، جب بیچ میں کوئی معمولی سی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو ان کی نماز ان پر خلط ملط ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ

سلام پھیرنے کے بعد دوسروں پر برس پڑتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ نے نماز میں خشوع وخضوع اور عجز و انکساری اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے تو آپ ﷺ نے ہی یہ رخصتیں عطا کی ہیں۔

چٹائی پر نماز پڑھنا

(۷۹۱)۔ عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ يَقُوْمُ فَيُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ عَلَى خُمْرَتِهِ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: وَأَنَا نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ، مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي طَرَفُ ثَوْبِهِ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (الصحيحة:۳۳۴۳)

رسول اللہ ﷺ کی بیوی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ رات کو اپنی چٹائی پر نماز پڑھتے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ ہی آپ کی سجدہ گاہ کے برابر لیٹی ہوتی، جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو آپ کے کپڑے کا کنارہ مجھے لگتا، جبکہ میں حائضہ ہوتی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣٣٠، والحديث رواه الشيخان واصحاب السنن وغيرهم بالفاظ نحوه

شرح:...... زمین پر کوئی چٹائی یا دری وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن نقش و نگار والی جائے نمازوں سے گریز کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا سجدے میں سو جانا

(۷۹۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كَانَ يَنَامُ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَمَا يُعْرَفُ نَوْمُهُ إِلَّا بِنَفْخِهِ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَمْضِي فِي صَلَاتِهِ۔ (الصحيحة:۲۹۲۵)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سجدے کی حالت میں سو جاتے، سانس لینے کی آواز سے آپ ﷺ کی نیند کا پتہ چل جاتا تھا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور اپنی نماز کو جاری رکھتے۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١/ ١٣٣، ومن طريقه البغوي في "شرح السنة": ١/ ٣٣٨، والطبراني في "الكبير": ٩٩٩٥

شرح:...... یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، اس لیے آپ ﷺ کے ہوش و حواس اور وضو برقرار رہتا تھا۔

بحالت نماز، نمازی کے کپڑے سے منی کھرچنا

(۷۹۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا: كَانَتْ تَحُتُّ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي۔ (الصحيحة:۳۱۷۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ آپ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ لیتی تھیں، اس حال میں کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ١٤٧/ ٢٩٠، وأخرجه مسلم: ١/ ١٦٤ بلفظ: فيصبي فيه

شرح: ...... مادہ منویہ کو زائل کرنے کے دو طریقے ہیں: (۱) دھونا (بخاری، مسلم) (۲) کھرچ دینا (مسلم)۔

لیلۃ القدر کی تلاش

(٧٩٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ؟ فَقَالَ: ((كُنْتُ أُعْلِمْتُهَا ثُمَّ أُفْلِتَتْ مِنِّي، فَاطْلُبُوْهَا فِي سَبْعٍ بَقِيْنَ، أَوْثَلَاثٍ بَقِيْنَ۔)) (الصحيحة:١١١٢)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں سوال کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کی علامتیں بتائی گئی تھیں، لیکن پھر چھین لی گئیں۔ تم اسے (اختتامِ رمضان سے) سات یا تین دن پہلے (یعنی ۲۳ یا ۲۷ رمضان کو) تلاش کرو۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" صـ ١٠٩۔ زوائده نسخة المكتب الأسلامي

شرح: ...... اس باب کی مختلف احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں آخری اور حتمی فیصلہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شبِ قدر کو تلاش کیا جائے۔

نماز میں ظاہری خشوع کی فضیلت

(٧٩٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَأَنْ يُمْسِكَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَنِ الْحَصٰى فِي الصَّلَاةِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ مِئَةِ نَاقَةٍ، كُلِّهَا سُوْدُ الْحَدَقِ، فَإِنْ غَلَبَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فَلْيَمْسَحْ مَسْحَةً وَاحِدَةً۔)) (الصحيحة:٣٠٦٢)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا نماز میں ہاتھ کو کنکریوں سے روکے رکھنا، سیاہ آنکھ والی سو اونٹنیوں سے بہتر ہے، اگر شیطان غالب آ ہی جائے تو ایک دفعہ (ہاتھ پھیر کر) صاف کر لے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٢٨، ٣٨٤، وعبد بن حميد في "المنتخب": رقم۔ ١١٤٣، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ١٨٤، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢/ ٥٢/ ٨٩٧، وابن ابي شيبة في "المصنف": ٢/ ٤١١

شرح: ...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ٢٣٨) ...... ''نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔'' عاجزی و انکساری اور خشوع و خضوع کا تعلق نمازی کے دل و دماغ اور ظاہری جسم دونوں سے ہے، نماز میں جسم پر بھی خوف و خشیت کے آثار نمایاں ہونے چاہئیں اور فضول حرکات و سکنات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

بعض نمازی طبعی طور پر سر میں خارش کرنے، داڑھی کے بالوں کو چھیڑنے، ناک میں انگلی ڈالنے اور کپڑوں اور

بالوں کو سنوارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ حدیثِ مبارکہ اس امر میں واضح نص ہے کہ نمازی کو فضول حرکات سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، ہاں اگر واقعی کوئی ضرورت محسوس ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ہر آدمی کو قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا چاہیے

(۷۹٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((لِيُصَلِّ الرَّجُلُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يَلِيْهِ وَلَا يَتَتَبَّعِ الْمَسَاجِدَ۔)) (الصحيحة: ۲۲۰۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کو چاہیے کہ قریبی مسجد میں نماز پڑھ لیا کرے اور مساجد کی تلاش میں نہ پھرے۔''

تخريج: رواه تمام الرازي: ۲۱۷/ ۲، والطبراني: ۳/ ۱۹۹/ ۲، والعقيلي في "الضعفاء": ۳٤۸

شــــرح ...... یہی روحِ اسلام ہے اور تفرقہ بازی اور نفرتوں کو ختم کرنے والا عنصر ہے، لیکن عصرِ حاضر میں انتظامیہ مسجد کو بھی چاہیے کہ وہ مسجد کا ماحول ہر قسم کے آدمی کے لیے سازگار رکھیں اور اس کو چند آدمیوں کی چاہتوں کے لیے مخصوص نہ کر دیں۔

مسجد قبا میں نماز ادا کرنے کا اجر وثواب

(۷۹۷)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: قَالَ أَبِي: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ خَرَجَ حَتّٰى أَتَى هٰذَا الْمَسْجِدَ۔ مَسْجِدَ قُبَاءٍ۔ فَصَلّٰى فِيْهِ كَانَ لَهُ عِدْلُ عُمْرَةٍ۔)) (الصحيحة: ۳٤٤٦)

ابوامامہ بن سہل بن حنیف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی (گھر سے) نکلے اور اس (مسجدِ قبا) میں آ کر نماز پڑھے، تو یہ نماز اس کے لیے (ثواب کے لحاظ سے) عمرہ کے برابر ہوگی۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "التاريخ": ۱/ ۱/ ۹٦، والنسائي: ۱/ ۱۱۳، وابن ماجه: ۱٤۱۲، والحاكم: ۳/ ۱۲، ومن طريقه: البيهقي في "الشعب الأيمان": ۳/ ٤۹۹/ ٤۱۹۱، وأحمد: ۳/ ٤۸۷، والطبراني في "المعجم الكبير": ٦/ ۹۰-۹۱/ ٥٥٥۸، ٥٥٥۹، ٥٥٦۱، ٥٥٦۲

شرح :...... اس حدیث میں مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

مسجد میں داخل یا خارج ہوتے وقت کس پاؤں کو مقدم کیا جائے؟

(۷۹۸)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: ((مِنَ السُّنَّةِ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِكَ الْيُمْنٰى، وَإِذَا خَرَجْتَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِكَ الْيُسْرٰى۔)) (الصحيحة: ۲٤۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ سنت ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو دائیں پاؤں سے اور جب نکلے تو بائیں پاؤں سے ابتدا کرے۔

تخریج: أخرجه الحاكم :١/ ٢١٨ ، وعنه البيهقي:٢/ ٤٤٢

شرح :...... لیکن جوتے اتارنے اور پہننے کا معاملہ اس حدیث کے برعکس ہے، یعنی مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیں پاؤں کو مقدم کرنا ہے، لیکن جوتا پہلے بائیں پاؤں سے اتارنا مسنون ہے، اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے باہر رکھنا چاہئے، لیکن جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہننا چاہئے، ان سنتوں پر عمل کرنے کے لیے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

فرض نمازوں میں کی گئی کم و کاست کو نفلی نماز سے پورا کیا جائے گا

(٧٩٩)۔ عَنْ عَائِذِ بْنِ قُرْطٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ صَلّٰی صَلَاةً لَمْ يُتِمُّهَا ، زِيْدَ عَلَيْهَا مِنْ سُبْحَاتِهِ حَتّٰى تَتِمَّ۔)) (الصحيحة:٢٣٥٠)

حضرت عائذ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے (فرضی) نماز پڑھی اور اس کی تکمیل نہیں کی تو اس کی نفلی نماز کے ذریعے اس (کمی) کو پورا کر دیا جائے گا۔“

تخريج: رواه ابن منده في "المعرفة":٢/ ١٠٩/ ١ و الضياء في "المختارة":٦٠/ ١ ، ٢ ، من طريق الطبراني ، وهذا في "المعجم الكبير":١٨/ ٢٢/ ٣٧

شرح :...... یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان کہ فرائض میں کی گئی کم و کاست کو نوافل کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں کثرت کے ساتھ نفلی نماز کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(٨٠٠)۔ عَنْ عَائِذِ بْنِ قُرْطٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَنْ صَلّٰی صَلَاةً لَمْ يُتِمَّهَا ، زِيْدَ عَلَيْهَا مِنْ سُبْحَاتِهِ حَتّٰى تَتِمَّ۔)) (الصحيحة:٣١٨٦)

حضرت عائذ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے (فرضی) نماز پڑھی اور اسے مکمل نہ کیا تو اس کی نفلی نماز کے ذریعے اسے مکمل کر دیا جائے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير":١٨/ ٢٢

نماز میں دس یا سو یا ہزار آیات تلاوت کرنے کا صلہ

(٨٠١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَّمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ مِئَةَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ، وَمَنْ قَرَأَ بِأَلْفَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔)) (الصحيحة:٦٤٢)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے (رات کو) دس آیات کے ساتھ قیام کیا اسے غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا، جس نے سو آیتوں کے ساتھ قیام کیا اسے عاجزی کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے اور جس نے ہزار آیتوں کے ساتھ قیام کیا اسے ڈھیروں اجر حاصل کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔“

تخریج: أخرجه أبو داود: ١/ ٢٢١ـ التازية، وابن خزيمة فی "صحیحه": ١/ ١٢٥، وابن حبان: ٦٦٢، وابن السنی: ٦٩٧

شرح: ...... یعنی جب آدمی رات کو دس آیات کی تلاوت پر مشتمل نماز بھی نہیں پڑھ سکتا تو اس کا شمار غافلوں میں کیا جاتا ہے، ایک آسان سی ترکیب ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ عشا کی سنتوں کے بعد حسب استطاعت دو، چار، چھ یا آٹھ رکعت نفل پڑھ کر نماز وتر ادا کر لے تو اس کا شمار بھی ان لوگوں میں ہو جائے گا جو تہجد گزار ہوتے ہیں۔ (ان شاء اللہ تعالی)، کیونکہ نماز تہجد کا وقت نماز عشا سے طلوع فجر تک جاری رہتا ہے، اس سے بھی بہترین صورت یہ ہے کہ جو لوگ رات کو دیر سے سونے کے عادی ہیں، وہ سوتے وقت دو چار نفلی رکعات اور وتر نماز پڑھ لیا کریں۔

(٨٠٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِئَةَ آيَةٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، أَوْ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ۔)) (الصحیحة:٦٤٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ایک رات میں (قیام کے دوران) سو آیتوں کی تلاوت کی اسے غافل لوگوں میں نہیں لکھا جاتا یا اسے قیام کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔“

تخریج: أخرجه ابن نصر فی "قیام اللیل": ٦٦، وابن خزيمة فی "صحیحه": ١/ ١٢٤/ ٢

(٨٠٣)۔ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَرَأَ بِمِئَةِ آيَةٍ فِي لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ۔)) (الصحیحة:٦٤٤)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ایک رات کے (قیام میں) سو آیات تلاوت کیں، اس کے حق میں پوری رات کے قیام کا ثواب لکھا جائے گا۔“

تخریج: أخرجه الدارمی: ٢/ ٤٦٤، واحمد فی "المسند": ٤/ ١٠٣، والطبرانی فی "الکبیر": ٢/ ٣٨/ ١٢٥٢، والنسائی فی "عمل الیوم واللیلة": ٤٣٦/ ٧١٧

شرح: ...... یہ بھی اللہ تعالی کا خاص فضل ہے کہ ۲۵، ۳۰ منٹوں میں سو (۱۰۰) آیات پر مشتمل نماز پڑھ لیں اور اللہ تعالی سے دس بارہ گھنٹے کی رات کے قیام کا ثواب وصول کر لیں۔

(٨٠٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ حَافَظَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ، لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ، وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِئَةَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ۔)) (الصحیحة:٦٥٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ان فرضی نمازوں پر محافظت کی، اس کو غافل لوگوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے رات کو (قیام کرتے ہوئے) سو آیات کی تلاوت کر لی، اسے فرمانبرداروں میں لکھ دیا جائے گا۔“

تخریج: أخرجه ابن خزيمة فی "صحیحه": ٢/ ١٨٠/ ١١٤٢، والحاکم: ١/ ٣٠٨

شرح:...... معلوم ہوا کہ جو آدمی فرضی نماز ادا کرنے سے عاجز ہے، وہ غافل ہے۔ لیکن جو آدمی پانچ نمازوں کی ادائیگی کے بعد رات کی نماز میں سو آیات کی تلاوت کر لیتا ہے، اللہ تعالی اس کو اپنے فرمانبردار بندوں میں شمار کر لیتے ہیں۔

نماز کی حالت میں بالوں کو سر کے پیچھے اکٹھے کر کے باندھنا منع ہے

(۸۰۵)۔ عَنْ مِخْوَلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعْدٍ۔ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔ يَقُوْلُ رَأَيْتُ أَبَا رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ رَأَى الْحَسَنَ وَهُوَ يُصَلِّي، وَقَدْ عَقَصَ شَعْرَهُ، فَأَطْلَقَهُ، أَوْنَهَى عَنْهُ، وَقَالَ: نَهَى ﷺ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ عَاقِصٌ شَعْرَهُ۔)) (الصحيحة:۲۳۸۶)

مخول کہتے ہیں: میں نے مدینہ منورہ کے باشندے ابو سعد کو کہتے سنا، اس نے کہا: میں نے دیکھا کہ حسن نماز پڑھ رہا تھا، اس نے اپنے بال، سر پر اکٹھے کر کے باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو رافع نے اس کے بالوں کو کھول دیا یا ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے بال اس کے سر کے پیچھے اکٹھے کر کے بندھے ہوئے ہوں۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه:۱/ ۳۲۳، وأحمد:۶/ ۸ و ۳۹۱، والدارمي:۱/ ۳۲۰

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: قدیم عربوں کی یہ طبعی عادت تھی کہ جن کے لمبے بال ہوتے تھے، وہ ان کو اکٹھا کر کے باندھ لیتے تھے، اب بھی بعض علاقوں میں کچھ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے نماز کی حالت میں اس طرح کرنے سے منع کر دیا اور بالوں کو کھولنے کا حکم دیا تاکہ سجدہ کی ادائیگی بدرجۂ اتم ہو سکے۔ (صحیحہ:۲۳۸۶)

خطبۂ جمعہ کے دوران دنیا کی خاطر چلا جانا سنگین جرم ہے

(۸۰۶)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَقَدِمَتْ عِيْرٌ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَابْتَدَرَهَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مَعَهُ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلاً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَوْ تَتَابَعْتُمْ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْكُمْ أَحَدٌ، لَسَالَ بِكُمُ الْوَادِيْ نَاراً۔)) فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِماً﴾(الْجُمُعَةُ:۱۱۔)) وَقَالَ: فِي الاثْنَيْ عَشَرَ الَّذِيْنَ ثَبَتُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، مدینہ میں ایک (تجارتی) قافلہ آیا، اصحاب رسول اس کی طرف لپک پڑے اور (مسجد میں) صرف بارہ آدمی بچے۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ صورتحال دیکھ کر) فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم سارے کے سارے چلے جاتے اور کوئی بھی باقی نہ بچتا تو اس وادی میں آگ بہہ پڑتی جو تمھیں بہا کر لے جاتی۔'' پھر یہ آیات نازل ہوئیں: ''جب وہ کوئی سودا بکتے دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔'' (سورۂ جمعہ: ۱۱) راوی کہتے ہیں: جو بارہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ۔ (الصحيحة: ۳۱٤۷)

بیٹھے رہے، ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ۳/ ٤٦۸/ ۱۹۷۹، ومن طريقه: ابن حبان: ٦۸۷۷ ـ ط: المؤسسة، والترمذي: ۳۳۰۸، و خرجه البخاري: ۹۳٦، ٤۸۹۹، ومسلم: ۳/ ۱۰ لكن لم يذكر لفظ: ((والذى نفسي بيده ... لسال بكم الوادي نارا۔))

شرح:...... معلوم ہوا کہ خطبے کے دوران کسی دنیوی مقصد کے لیے اٹھ کر جانا گھناؤنا جرم ہے۔

کون سی مسجد میں اعتکاف کیا جائے؟

(۸۰۷)۔ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ لِعَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَوْمٌ عُكُوْفٌ بَيْنَ دَارِكَ وَدَارِ أَبِي مُوْسٰى لَاتُغَيِّرُ (وَفِي رِوَايَةٍ: لَاتَنْهَاهُمْ)؟ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا اِعْتِكَافَ إِلَّا فِي الْمَسَاجِدِ الثَّلَاثَةِ۔)) فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ: لَعَلَّكَ نَسِيْتَ وَحَفِظُوْا، أَوْ أَخْطَأْتَ وَأَصَابُوْا۔ (الصحيحة: ۲۷۸٦)

ابو وائل کہتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: کچھ لوگ تمھارے اور ابوموسی کے گھر کے درمیان اعتکاف کی نیت سے بیٹھے ہیں اور آپ انھیں منع نہیں کرتے؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اعتکاف نہیں ہے، مگر تین مساجد میں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید تو بھول گیا ہو اور انھیں یاد ہو یا شاید تجھے غلطی لگی ہو اور وہ درست ہوں۔

تخريج: أخرجه الاسمعيلي في "المعجم": ۱۱۲/ ۲، عن شيخه العباس بن أحمد الوشا: حدثنا محمد بن الفرج، والبيهقي في "السنن": ٤/ ۳۱٦، والطحاوي في "المشكل": ٤/ ۲۰، وعبد الرزاق في "المصنف" ٤/ ۳٤۸/ ۸۰۱٦، وعنه الطبراني: ۹/ ۳۵۰/ ۹۵۱۱

شرح: کون کون سی مساجد میں اعتکاف جائز ہے؟ بلاشبہ اعتکاف کے لیے صرف مسجد کا ہی انتخاب کیا جائے گا، نہ کہ گھر کا۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۸۷) ......''عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو۔'' چونکہ یہاں اللہ تعالی نے مساجد کا عام ذکر کیا ہے، لہٰذا ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہوگا۔

جبکہ امام البانی وغیرہ کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اعتکاف صرف تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی) میں جائز ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ آیت عام ہے، اس حدیث نے اس کی تخصیص کر دی ہے۔ جمہور نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد افضل اور اکمل اعتکاف ہے جو ان تین مساجد میں کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهُ۔)) ......''جس آدمی میں امانت نہ ہو، اس کا تو کوئی ایمان نہیں

ہوتا۔ یعنی اس کا ایمان افضل اور اکمل نہیں ہوتا۔'' (دیکھئے: صحیحہ : ۲۷۸٦) (واللہ اعلم بالصواب)

قبر پر یا قبر رخ ہو کا نماز پڑھنا منع ہے

(۸۰۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((لَا تُصَلُّوْا إِلٰى قَبْرٍ، وَلَا تُصَلُّوْا عَلٰى قَبْرٍ۔)) (الصحيحة:١٠١٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور نہ قبر کے اوپر۔''

تخريج: رواه الطبراني في "المعجم الكبير" ٣/ ١٤٥/ ٢

نماز اور سلام کو ناقص چھوڑنا منع ہے

(۸۰۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا غِرَارَ فِي صَلَاةٍ وَلَا تَسْلِيْمٍ۔)) (الصحيحة:٣١٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نہ نماز (کے ارکان) میں نقص پیدا کرنا جائز ہے اور نہ (نماز میں) سلام دینا۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٩٢٨، والحاكم: ١/ ٢٦٤، كلاهما عن الامام أحمد، وهذا في "المسند": ٢/ ٤٦١، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٢٢٩

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو عمرو شیبانی نے کہا: ''لَا غِرَارَ'' کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز سے اس حال میں نہ نکلے کہ اسے نماز کے کسی حصے کے باقی رہنے کا گمان ہو، بلکہ (وہ اس وقت سلام پھیرے) جب اسے نماز کے مکمل ہونے کا یقین ہو۔ ابن اثیر نے کہا: ''غِرَارُ الصَّلَاةِ'' سے مراد نماز کی کیفیات وارکان میں نقص کرنا ہے اور ''غِرَارُ التَّسْلِيْمِ'' سے مراد یہ ہے کہ نمازی (جوابًا) ''وَعَلَيْكَ'' کہے۔ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''وَلَا تَسْلِيْمَ'' کا یہ معنی نہیں کہ غیر نمازی، نمازی کو سلام نہ کہے، کیونکہ کئی احادیث میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کو سلام کہتے تھے (اور آپ ﷺ اشارے سے جواب دیتے تھے)۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رسول اللہ ﷺ مسجد قبا میں گئے اور نماز پڑھ رہے تھے، اسی اثنا میں انصاری لوگ آئے اور آپ کو سلام کہا، حالانکہ آپ نماز میں تھے۔ میں نے سیدنا بلال سے پوچھا: جب یہ لوگ آپ ﷺ کو حالت نماز میں سلام کہتے تو آپ ﷺ ان کا جواب کیسے دیتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ (اشارہ کرتے ہوئے) اس طرح کرتے تھے۔ پھر (آپ کے ہاتھ کی کیفیت بیان کرنے کے لیے) سیدنا انس رضی اللہ نے اپنی ہتھیلی کو آگے کی طرف پھیلا دیا۔ (ابوداود) (صحیحہ: ۳۱۸)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جب تک نمازی کو نماز کی تکمیل کا یقین نہ ہو جائے وہ سلام نہیں پھیر سکتا، نیز وہ سلام کا جواب بول کر نہیں دے سکتا، کیونکہ اسے کلام کہتے ہیں، جو نماز میں حرام ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اذان کے بعد بلا عذر مسجد سے نکلنے والا اور پھر نہ لوٹنے والا منافق ہے

(۸۱۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَسْمَعُ النِّدَاءَ أَحَدٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْهُ۔ إِلَّا لِحَاجَةٍ۔ ثُمَّ لَا يَرْجِعُ إِلَّا مُنَافِقٌ۔)) (الصحيحة: ٢٥١٨)

نے فرمایا: ''وہ آدمی منافق ہے، جو میری اس مسجد میں موجود ہو، اذان سنے اور ضرورت کے بغیر نکل جائے اور پھر واپس نہ لوٹے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٢٧/ ١، ومن طريقه أبو نعيم في "صفة النفاق": ٢٩/ ١، و أخرج احمد و الطيالسي في "مسنديهما" نحوه۔

شرح:...... اذان کے بعد بلا عذر مسجد سے نکلنا منع ہے، جیسا کہ ابوشعثا کہتے ہیں: ہم لوگ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تھے، جب مؤذن نے نماز عصر کے لیے اذان دی تو ایک آدمی مسجد سے نکل پڑا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آدمی نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ (مسلم)

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں مسجد نبوی کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس حدیث کا مفہوم تمام مساجد کو شامل ہے، کیونکہ کثیر احادیث جماعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور مسجد سے نکلنے کی وجہ سے یہ واجب فوت ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تائید ابوشعثا کی روایت سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تھے، جب موذن نے نماز عصر کی اذان دی تو آدمی چلا اور مسجد سے نکل گیا۔ جنابِ ابو ہریرہ نے اسے دیکھ کر کہا: اس آدمی نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ (مسلم) (صحیحہ: ۲۵۱۸)

جو لوگ مسجد کے انتہائی قریب اور فارغ ہونے کے باوجود نماز باجماعت کا یا سرے سے نماز کا اہتمام نہیں کرتے، ان کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے۔

وضو ٹوٹ جانے کا وسوسہ ڈالنے کے لیے شیطان کی کاروائیاں

(٨١١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَنْقُرُ عِنْدَ عِجَانِهِ، فَلَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْ يَجِدَ رِيْحاً۔)) (الصحيحة: ٣٠٢٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شیطان آدمی کے پاس آتا ہے اور (اسے وسوسہ ڈالنے کے لیے) اس کی دبر (یعنی پائخانہ کی جگہ) کے پاس پھونک مارتا ہے، (ایسی صورت میں) آدمی اس وقت تک (وضو کرنے کے لیے) نہ جائے جب تک ہوا کی آواز نہ سن لے یا اس کی بو نہ پا لے۔''

تخريج: أخرجه أبو أسحاق الحربي في "غريب الحديث" ٥/ ٩٨/ ١، والبزار في "مسنده": ١/ ١٤٧/ ٢٨١، والطبران في "الكبير": ١١/ ٢٢٢/ ١١٥٥٦

شرح:...... شریعت کی روشنی میں یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ''اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ'' ......شک کی وجہ سے

یقین زائل نہیں ہوتا۔ جب آدمی ایک دفعہ وضو کر لیتا ہے تو جب تک اسے وضو ٹوٹنے کا یقین نہیں ہو جاتا، اس وقت تک وضو برقرار رہتا ہے، کسی شک و شبہ سے وضو متاثر نہیں ہوتا، بعض لوگ وہمی ہوتے ہیں، اس حدیث میں ان کو تسلی دلائی گئی ہے کہ جب تک ان کو ہوا خارج ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ باوضو ہی رہیں گے، محض پائخانہ کی جگہ پر کسی چیز کا احساس ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

جن مقامات پر نمازی کی نگاہ پڑتی ہے، ان کا نقش و نگار والا ہونا کیسا ہے؟

(۸۱۲)۔ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عَلٰى خُمْرَةٍ، فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! اِرْفَعِي عَنَّا حَصِيْرَكِ هٰذَا قَدْ خَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ يَفْتِنُ النَّاسَ۔))

(الصحيحة:۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔ (ایک دن) فرمایا: ”عائشہ! اپنی یہ چٹائی اٹھا لو، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر دے گی۔“

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٦/ ٢٤٨، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢/ ١٠٥/ ١٠١١، والسراج في "مسنده": ق ١٠٣/ ١

شرح:...... نمازی کے سامنے کوئی نقش و نگار والی ایسی چیز نہ ہو جو اس کو اپنی طرف متوجہ کر دے۔ سیدنا عثمان بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ قِبْلَةِ الْبَيْتِ شَيْءٌ يُلْهِي الْمُصَلِّيَ۔)) (ابوداود) ...... ”یہ جائز نہیں کہ گھر کی قبلہ والی سمت میں کوئی ایسی چیز ہو جو نمازی کو غافل کر دے۔“ آپ ﷺ نے خود جب ابوجہم رضی اللہ عنہ والی قمیص، جس میں نقوش اور نشانات تھے، میں نماز پڑھی تو فراغت کے بعد اسے اتار پھینکا اور فرمایا کہ اس نے تو مجھے غافل کر دیا تھا۔ (بخاری، مسلم) عام طور پر مساجد میں صفوں، قالینوں اور جائے نمازوں پر ایسا نقش و نگار کیا جاتا ہے کہ پہلی دفعہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا ہے، مسجد کے سامنے والی دیوار پر مختلف ڈیزائنوں میں آیات و احادیث اور اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات لکھنا یا کسی انداز میں اس کو مزین کرنا اسی ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے والے تمام اسباب موجود ہونے چاہئیں اور نماز سے توجہ ہٹانے والے عناصر جیسے منقش دیواریں، سینریاں، بیل بوٹے والے پردے اور نقش و نگار والی قالین اور جائے نمازیں وغیرہ، سب کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ آجکل اکثر و بیشتر مسجدوں اور گھروں میں نمازی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والے بہت سے ایسے اسباب موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود اکثر نمازیوں کو ان چیزوں کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ ابھی تک ہم نماز کی روح کو نہیں سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ اس عبادت کے ذریعے ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ان چیزوں سے متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا تو پندرہویں صدی کے ہم جیسے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔

عورتیں ناقص دین کیوں ہیں؟

(٨١٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَأَتَى النِّسَاءَ فِي الْمَسْجِدِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِنَّ، فَقَالَ: ((يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَوَاقِصِ عَقْلٍ قَطُّ أَوْ دِينٍ أَذْهَبَ لِقُلُوبِ ذَوِي الْأَلْبَابِ مِنْكُنَّ، وَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، تَقَرَّبْنَ إِلَى اللّٰهِ بِمَا اسْتَطَعْتُنَّ۔)) وَكَانَ فِي النِّسَاءِ امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ...... فَسَاقَ الْحَدِيْثَ، فَقَالَتْ: فَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعُقُوْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((أَمَّا مَا ذَكَرْتُ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِكُنَّ، فَالْحَيْضَةُ الَّتِي تُصِيبُكُنَّ، تَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَمْكُثَ لَا تُصَلِّي، وَأَمَّا مَاذَكَرْتُ مِنْ نُقْصَانِ عُقُوْلِكُنَّ فَشَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ الرَّجُلِ۔)) (الصحيحة:٣١٤٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر سے فارغ ہوئے، مسجد میں تشریف فرما عورتوں کے پاس آئے، ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، میں نے عقل اور دین میں ناقص ہونے کے باوجود تم عورتوں سے زیادہ کسی عقل مند پر غالب آجانے والا کوئی نہیں دیکھا اور میں نے قیامت کے دن جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی، لہٰذا حسبِ استطاعت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔“ عورتوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی موجود تھی ...... راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے جو نقصانِ دین کی بات کی، وہ یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو حیض آتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نماز پڑھنے سے رکی رہتی ہے، (اس سے دین میں کمی آجاتی ہے) اور عقل کا نقصان یہ ہے کہ ایک عورت کی گواہی، مرد کی نصف شہادت کے برابر ہے۔“

تخريج: أخرج مسلم: ١/ ٦١، والنسائي في"الكبرى": ٥/ ٤٠٠/ ٩٢٧١، وابن خزيمة في"صحيحه": ٤/ ١٠٦ـ ١٠٧ـ ببعضه، والطحاوي في"شرح المعاني": ١/ ٣٠٩، وأحمد في "المسند": ٢/ ٣٧٣ـ ٣٧٤، وأبويعلي في"مسنده": ١١/ ٤٦٢ـ ٤٦٤، وابن عبدالبر في "التمهيد": ٣/ ٣٢٣، وأخرجه الترمذي: ٧/ ٢٦١٦ ببعض اختصاره

شرح:...... اس نقص میں عورتوں کا کوئی قصور نہیں، لیکن ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾ (سورۂ مائدہ: ٥٤) ..... ”یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔“ اس قانونِ ربانی کے تحت مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور ان میں ایسی صفات ودیعت رکھ دی گئیں جن سے عورتیں محروم ہیں۔ بہرحال عورت ہو یا مرد ہر ایک اپنے قول و کردار کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنتا ہے۔ میدان کھلا ہے، جو چاہے، جیسے چاہے، زندگی گزار لے۔ اگر حشر کے میدان میں جوابدہی کا احساس پیدا کر لے تو کامیاب ہو جائے۔

قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی اقسام

(٨١٤)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَكُوْنُ خَلْفٌ مِنْ بَعْدِ سِتِّيْنَ سَنَةً ﴿أَضَاعُوْا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوْا الشَّهْوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ثُمَّ يَكُوْنُ خَلْفٌ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يَعْدُوْ تَرَاقِيَهُمْ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةٌ: مُؤْمِنٌ وَمُنَافِقٌ وَفَاجِرٌ۔)) (الصحيحة:٣٠٣٤)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ساٹھ سال کے بعد نااہل لوگ پیدا ہوں گے، (ارشادِ باری تعالی ہے:) ﴿انھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا﴾ (سورہ مریم: ٥٩) پھر ایسے نااہل لوگ آئیں گے جو قرآن مجید کی تلاوت تو کریں گے، لیکن وہ تلاوت ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی (یعنی ان پر بے اثر ہوگی)۔ تین قسم کے لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں: مومن، منافق اور فاسق۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٢/ ٦٧/ ٧٥٢۔ الأحسان، والحاكم: ٢/ ٣٧٤، ٤/ ٥٤٧

شرح:...... تلاوتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس نقطے سے غفلت نہیں برتنی چاہیے کہ نزول قرآن کا اولین مقصد قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جو آدمی قرآن مجید کی تلاوت تو بڑی باقاعدگی سے کرتا ہے، لیکن وہ عملی طور پر اسے اپنی زندگی میں نافذ نہیں کرتا، تو ایسے آدمی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تلاوت اس کے گلے سے نیچے اتر کر اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر رہی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن مجید کے ساتھ مومنوں والا رویہ اختیار کریں، نہ کہ منافقوں اور فاجروں والا۔ قرآن مجید کا حق یہ ہے اسے پڑھا جائے، سمجھا جائے اور شب و روز کے معمولات میں اس کو نافذ کیا جائے۔ چونکہ آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرما دی کہ قرآن کے ساتھ ناجائز سلوک کرنے والے لوگ آئیں گے، لہذا ہمیں متنبہ ہو جانا چاہئے۔

ایک مقتدی کا امام کی دائیں جانب اس کے برابر کھڑے ہونا

(٨١٥)۔ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتٰى أُمَّ حَرَامٍ، فَأَتَيْنَاهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ، فَقَالَ: ((رُدُّوا هٰذَا فِي وِعَائِهِ، وَهٰذَا فِي سِقَائِهِ، فَإِنِّي صَائِمٌ۔)) قَالَ: ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعاً، فَأَقَامَ أُمَّ حَرَامٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا، وَأَقَامَنِي عَنْ يَمِيْنِهِ۔ فِيْمَا يَحْسِبُ ثَابِتٌ۔ قَالَ: فَصَلّٰى

جنابِ ثابت، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، ہم کھجور اور گھی آپ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (کھجور) برتن میں اور یہ (گھی) مشکیزے میں واپس کر دو، کیونکہ میں روزے دار ہوں۔'' پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہمیں دو رکعت نفلی نماز پڑھائی، ام حرام اور ام سلیم کو ہمارے پیچھے اور مجھے اپنی دائیں

بِنَا تَطَوُّعاً عَلٰى بِسَاطٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ، قَالَتْ: أُمُّ سُلَيْمٍ: إِنَّ لِي خُوَيْصَةً، خُوَيْدِمُكَ أَنَسٌ، اُدْعُ اللّٰهَ لَهُ، فَمَا تَرَكَ يَوْمَئِذٍ خَيْراً مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا دَعَا لِي بِهِ ثُمَّ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيهِ.)) قَالَ أَنَسٌ: فَأَخْبَرَتْنِي ابْنَتِي أَنِّي قَدْ رُزِقْتُ مِنْ صُلْبِي بِضْعاً وَتِسْعِينَ، وَمَا أَصْبَحَ فِي الْأَنْصَارِ رَجُلٌ أَكْثَرَ مِنِّي مَالاً ثُمَّ قَالَ أَنَسٌ: يَا ثَابِتُ! مَا أَمْلِكُ صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا خَاتَمِي۔

(الصحيحة:١٤١)

جانب کھڑا کیا، جیسا کہ ثابت نے بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں چٹائی پر نفلی نماز پڑھائی۔ جب نماز مکمل کی تو ام سلیم نے کہا: یہ آپ کا پیارا سا خادم انس ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں۔ جواباً آپ ﷺ نے ان کے لیے دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی کی دعا کی۔ پھر فرمایا: ”اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں کثرت فرما اور پھر اس کے لیے اس میں برکت فرما۔“ انس کہتے ہیں: مجھے میری بیٹی نے بتلایا کہ میری اولاد میں نوے سے زائد افراد ہو چکے ہیں اور انصار کا کوئی آدمی مجھ سے زیادہ مال والا نہیں تھا۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ثابت! میں سونے اور چاندی کا مالک نہیں ہوں، مگر اس انگوٹھی کا۔

تخريج: رواه البخاري: ١/ ٤٩٤، ومسلم: ٢/ ١٢٨، أبوداود: ٦٠٨، و أحمد: ٣/ ١٠٨، ١٩٣-١٩٤، وأبو عوانه: ٢/ ٧٧، والطيالسي: ٢٠٢٧، وفي بعضها اختصار۔

شرح:...... معلوم ہوا کہ نفلی روزے کی وجہ سے دعوت کو مسترد کر دینا چاہئے، جیسا کہ آپ ﷺ نے کیا ہے۔ نیز مال و دولت اور آل و اولاد میں برکت و کثرت کی دعا کرنا اور کسی نیک آدمی سے کروانا بھی درست ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: فقہ الحدیث یہ ہے کہ ایک مقتدی، امام کی دائیں جانب اور اس کے برابر کھڑا ہوگا، اس سے آگے ہوگا نہ پیچھے، کیونکہ اگر تقدم و تاخر کی کوئی صورت ہوتی تو راوی نقل کر دیتا، حالانکہ آپ ﷺ کی اقتدا میں ایک صحابی کا نماز پڑھنا ایک سے زیادہ بار پیش آیا۔ اس موضوع پر بخاری و مسلم میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایات مروی ہیں، میں نے (ارواء الغليل: ٥٣٣) میں ان کی تخریج کی ہے۔ امام بخاری نے سیدنا عبد اللہ بن عباس کی حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ”بَابُ يَقُومُ عَنْ يَمِيْنِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً، إِذَا كَانَا اِثْنَيْنِ“ (جب کل دو آدمی ہوں گے تو مقتدی، امام کی دائیں جانب اور اس کے برابر کھڑا ہوگا)

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ٢/ ١٦٠) میں کہا: ”سواء“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام سے آگے تھے نہ پیچھے، امام صاحب نے اس مسلک کا استدلال سیدنا ابن عباس کی حدیث کے بعض طرق میں وارد ہونے والے الفاظ ”فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ“ سے کیا، کیونکہ ان الفاظ کا ظاہری معنی برابری پر دلالت کرتا ہے۔ عبد الرزاق بیان کرتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا: میں نے امام عطا سے کہا: ایک مقتدی، امام کے ساتھ کیسے کھڑا ہوگا؟ انھوں نے کہا: دائیں جانب۔ میں نے کہا: کیا اس کے اس قدر برابر کھڑا ہوگا (کہ ایسا معلوم ہو کہ) وہ دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

میں نے کہا: کیا آپ یہ پسند کریں کہ وہ اس کے برابر اور اس کے ساتھ اس طرح مل کر کھڑا ہو کہ دونوں کے درمیان کوئی شگاف نہ رہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ مؤطا امام مالک میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا اثر ثابت ہے۔ ان تمام احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مقتدی، امام کے برابر کھڑا ہو گا۔

بعض مذاہب اس امر کے قائل ہیں کہ ایک مقتدی کو امام سے معمولی پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے۔ یہ ایک بے دلیل مذہب ہے اور احادیث صحیحہ کے مخالف بھی ہے۔ مقلدوں کو چاہیے کہ وہ ان احادیث کو ترجیح دے کر اپنے ائمہ کے اقوال کو ترک کر دیں، کیونکہ بہترین سیرت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ (صحیحہ:۱۴۱)

(٨١٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَصَلَّيْتُ خَلْفَهُ، فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَجَرَّنِي فَجَعَلَنِي حِذَاءَهُ، فَلَمَّا أَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى صَلَاتِهِ خَنَسْتُ، فَصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لِي: ((مَاشَأْنِي (وَفِي رِوَايَةٍ: مَالَكَ) أَجْعَلُكَ حِذَائِي فَتَخْنَسُ؟۔)) (فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوَيَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاءَكَ، وَأَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَّذِي أَعْطَاكَ اللّٰهُ، قَالَ: فَأَعْجَبْتُهُ، فَدَعَا اللّٰهَ لِي أَنْ يَزِيْدَنِي عِلْماً وَفَهْماً، زَادَ أَحْمَدُ: قَالَ: ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَامَ حَتّٰى سَمِعْتُهُ يَنْفُخُ، ثُمَّ أَتَاهُ بِلَالٌ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! الصَّلَاةَ، فَقَامَ فَصَلّٰى مَا أَعَادَ وُضُوْءً۔

(الصحيحة: ٦٠٦، ٢٥٩٠)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز شروع کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں مشغول ہوئے تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہے، جب فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا: ''تجھے کیا ہوا، میں نے تجھے اپنے برابر کھڑا کیا اور تو پیچھے ہٹ گیا؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بھلا کیا کسی کو زیب دیتا ہے کہ وہ آپ کے برابر نماز پڑھے، آپ تو اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا کیا ہے۔ (میں نے ان باتوں کے ذریعے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت و تعجب میں ڈال دیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ میرے علم و فہم میں اضافہ فرمائے۔

امام احمد کی روایت میں یہ زیادتی ہے: پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ سو گئے اور سانس لینے کی آواز آنے لگی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! نماز پڑھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔

٦٠٦: تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٣٣٠

٢٥٩٠: تخريج: أخرجه الحاكم: ٣/ ٥٣٤، وأحمد: ١/ ٣٣٠

شرح: ...... معلوم ہوا کہ جب مقتدی ایک ہو تو اسے امام کے بالکل ساتھ کھڑا ہونا چاہیے، جیسا کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر کھڑا کیا۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث ایک اہم فقہی مسئلہ پر مشتمل ہے، اکثر فقہی کتب میں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا، بلکہ بعض کتب میں اس مسئلہ کی مخالفت کی گئی ہے۔

سنت یہ ہے کہ ایک مقتدی امام کی دائیں جانب اور اس کے برابر کھڑا ہو۔ جبکہ بعض مذاہب و مسالک میں کہا گیا ہے کہ مقتدی، امام سے اتنا پیچھے کھڑا ہو کہ اس کے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑھیوں کے برابر ہوں۔ امام مالک نے مؤطا میں کہا: امام نافع کہتے ہیں: صرف میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، انھوں نے اپنے ہاتھ کے ذریعے مجھے اپنے برابر کھڑا کر دیا۔

پھر امام مالک نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: میں دوپہر کے وقت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ نفلی نماز پڑھ رہے تھے، میں (جماعت کی نیت سے) ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا، لیکن انھوں نے مجھے اپنے قریب کیا اور دائیں جانب اپنے برابر کھڑا کر دیا، جب یرفا آئے تو میں پیچھے ہٹ گئے اور آپ کے پیچھے صف بنا لی۔ اس کی سند صحیح ہے۔

بلکہ مرض الموت کے دوران جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، تو آپ ﷺ ان کی بائیں جانب ان کے برابر بیٹھ گئے۔ امام بخاری نے اس حدیث پر ایک یہ باب قائم کیا ہے: بَـابُ يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سِوَاءً ، إِذَا كَانَا اِثْنَيْنِ۔ ..... جب کل نماز دو ہوں گے تو مقتدی امام کی دائیں جانب بالکل اس کے برابر کھڑا ہو گا۔ (صحیحہ: ۲۵۹۰)

نماز وتر کا وقت

(۸۱۷)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِيْ بَكْرٍ: أَيَّ حِيْنٍ تُوْتِرُ؟ قَالَ: أَوَّلَ اللَّيْلِ بَعْدَ الْعَتَمَةِ ، فَأَنْتَ يَا عُمَرُ؟ فَقَالَ آخِرَ اللَّيْلِ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَابَكْرٍ فَأَخَذْتَ بِالْوُثْقٰى ، وَأَمَّا أَنْتَ يَاعُمَرُ فَأَخَذْتَ بِالْقُوَّةِ۔))

(الصحيحة:۲۵۹۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم کس وقت نمازِ وتر ادا کرتے ہو؟'' انھوں نے کہا: عشا کے بعد رات کے اول حصے میں۔ پھر آپ ﷺ نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: ''اور عمر تم کب (پڑھتے ہو)؟ انھوں نے کہا: رات کے آخری حصے میں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر تم نے تو محتاط عمل اختیار کیا ہے اور عمر تم نے قوی (یعنی مشکل) عمل اپنایا ہے۔''

تخريج: رواه ابن ماجه: ۱/ ۳۶۳، وأحمد:۳/ ۳۰۹/ ۳۳۰

شرح :...... بالاتفاق نمازِ وتر کا وقت نماز عشا سے طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے، رات کے آخری حصے میں نماز وتر کی ادائیگی افضل عمل ہے، لیکن یہ مشکل ہونے کی وجہ سے قوی الاعضا ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ کہیں بیدار نہ ہونے کی صورت میں یہ نماز اپنے وقت سے لیٹ ہو جائے اور جو ابتدائے رات میں ہی یہ نماز پڑھ لیتا ہے، تو وہ اس قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کی طرف حدیثِ مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(۸۱۸)۔ عَنْ أَبِی تَمِیْمِ الْجَیْشَانِیِّ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ خَطَبَ النَّاسَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: إِنَّ أَبَا بَصْرَةَ حَدَّثَنِی أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلَاةً، وَهِیَ الْوِتْرُ فَصَلُّوْهَا بَیْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلٰی صَلَاةِ الْفَجْرِ۔)) قَالَ أَبُوْ تَمِیْمٍ: فَأَخَذَ بِیَدِی أَبُوْ ذَرٍّ، فَسَارَ إِلَی الْمَسْجِدِ إِلٰی أَبِی بَصْرَةَ، فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَا قَالَ عَمْرٌو؟ قَالَ أَبُوْ بَصْرَةَ: أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

(الصحیحۃ:۱۰۸)

ابوتمیم جیشانی سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ابوبصرہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے تمہیں مزید ایک نماز عطا کی ہے، جو کہ وتر ہے، اسے نمازِ عشا اور نمازِ فجر کے درمیانے وقفے میں پڑھ لیا کرو۔'' ابوتمیم نے کہا: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ابوبصرہ کی طرف چل دیے، (اس کے پاس پہنچے اور) پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے وہ حدیث سنی ہے جو عمرو نے بیان کی ہے؟ ابو بصرہ نے کہا: (جی ہاں،) میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی۔

تخریج: رواہ الامام أحمد: ٦/ ٧ و ٣٧٩، والطبرانی فی المعجم الکبیر": ١/ ١٠٠/ ١، والطحاوی فی "شرح المعانی": ١/ ٢٥٠، والحارث بن اسامه فی "مسنده" ٣١/ ١- زوائده، والطبرانی فی "الکبیر" ١/ ١٠٤/ ٢، والدولابی فی "الکنی" ١/ ١٣

شرح :...... مسئلہ بالکل واضح ہے اور امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازِ وتر کا وقت نمازِ عشا سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے فقہ الحدیث پر بحث کرتے ہوئے کہا: اس حدیث میں نماز وتر پڑھنے کا حکم دیا گیا اور امر کا ظاہری معنی وجوب کا تقاضا کرتا ہے، احناف اسی کے قائل ہے، لیکن جمہور علما کے نزدیک نماز وتر واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔ اگر انتہائی قطعی دلائل کی روشنی میں ایک دن اور رات میں حصر کے ساتھ صرف پانچ فرض نمازوں کا تذکرہ نہ ہوتا تو احناف کا قول برحق ہوتا۔

لیکن ایک دن میں صرف پانچ نمازوں کی فرضیت پر دلالت کرنے والی احادیث کی روشنی میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس حدیثِ مبارکہ میں دیا گیا حکم وجوب کے لیے نہیں، بلکہ استحباب کی تاکید کے لیے ہے۔ اس تاویل پر حیرانگی

کی ضرورت نہیں کیونکہ احادیث مبارکہ میں مذکورہ کئی اوامر کو قطعی دلائل سے کم اہمیت والے قرائن کی روشنی میں وجوب سے پھیر دیا گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس معاملے احناف نے خود امر کے حقیقی معانی سے انحراف کیا ہے اور نماز وتر کو پانچ نمازوں کی طرح واجب نہیں قرار دیا۔ ان کا خیال ہے کہ فرض نمازوں اور سنت نمازوں کے درمیان کا مرتبہ نماز وتر کا ہے، ثبوت کے لحاظ سے یہ نماز، فرض نمازوں سے کمزور اور تاکید کے اعتبار سے سنت نمازوں سے قوی ہے۔

واضح رہے کہ حنفیوں کے اس قول کی بنیاد ان کی مخصوص اور جدید اصطلاح پر ہے، صحابہ کرام اور سلف صالحین اس اصطلاح سے غیر متعارف تھے۔ ان کا خیال ہے کہ ثبوت اور ثواب کے لحاظ سے واجب اور فرض میں فرق ہے، ان کی کتب میں مزید تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

احناف کی اصطلاح کا مطلب یہ ہوا کہ وتر کی نماز ترک کرنے والے کو فرض نماز ترک کرنے والے کی بہ نسبت کم عذاب دیا جائے گا، یہی ان لوگوں کے اجتہادی مسلک کا تقاضا ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ جب ایک بدو نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے عزم کا یوں اظہار کیا تھا کہ وہ ان پانچ فرض نمازوں کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں کرے گا، لیکن ان سے زیادہ بھی نہیں پڑھے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا ہے تو کامیاب ہو جائے گا۔'' (بخاری، مسلم) سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف پانچ نمازوں کی ادائیگی پر کامیابی کی جو بشارت سنائی ہے، کیا اس کے ساتھ وتر کی نماز ترک کرنے کی وجہ سے عذاب بھی ہوگا؟ کوئی شک نہیں کہ بدو کے عزم پر کامیابی و کامرانی کی بشارت سنانا وتر کو غیر واجب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اسی لیے جمہور علما کا اس نماز کے سنت ہونے اور واجب نہ ہونے پر اتفاق ہے اور یہی مسلک برحق ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم خیر خواہی کرتے ہوئے اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے کہیں گے کہ نماز وتر کا اہتمام کیا جائے اور اس معاملے میں کاہلی و سستی برتنے سے گریز کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۱۰۸)

(۸۱۹)۔ عَنِ الأَغَرِّ الْمُزَنِي: أَنَّ رَجُلاً أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ إِنِّي أَصْبَحْتُ وَلَمْ أُوْتِرْ، فَقَالَ: ((إِنَّمَا الْوِتْرُ بِاللَّيْلِ۔)) قَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنِّي أَصْبَحْتُ وَلَمْ أُوْتِرْ قَالَ: ((فَأَوْتِرْ۔))
(الصحيحة: ۱۷۱۲)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے نبی: صبح ہو گئی ہے اور میں نے نمازِ وتر نہیں پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وتر تو رات کی نماز ہے۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! صبح ہو گئی ہے اور میں نے وتر کی نماز نہیں پڑھی (اب میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''نمازِ وتر پڑھ لے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": رقم ۸۹۱

شرح:...... بالاتفاق نمازِ وتر کا وقت نمازِ عشا سے شروع ہو کر نمازِ فجر تک جاری رہتا ہے، اگر آدمی نیند یا بھول

چوک کی وجہ سے وتر ادا نہیں کر سکتا ہے تو شریعت نے اس کے لیے یہ گنجائش رکھی ہے کہ جب وہ بیدار ہو یا جب اسے یاد آئے وہ نماز وتر ادا کر لے، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ۔)) (ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ) ...... ''جو شخص وتر کے وقت سو یا رہ جائے یا اسے وتر پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے یا جب وہ بیدار ہو اسی وقت پڑھ لے۔''

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: پانچ نمازوں کے معینہ اوقات کی طرح وتر کا وقت بھی مقرر ہے، اگر کوئی شخص نمازِ وتر سے سو جاتا ہے یا بھول جاتا ہے تو جب وہ بیدار ہوگا یا اسے یاد آئے گا، اسی وقت وتر پڑھے گا، اگرچہ اس کا وقت گزر چکا ہو، جیسا کہ فرضی نمازوں کے بارے میں یہی قاعدہ ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ''فَاَوْتِرْ'' ...... اب وتر پڑھ لے، کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: ((اِنَّمَا الْوِتْرُ بِاللَّيْلِ۔)) ...... ''نمازِ وتر تو رات کو ہوتی ہے۔'' اس مسئلہ میں واضح حدیث ہے، دیکھئے: مشکوۃ المصابیح: ١٢٦٨، ارواء الغلیل: ٤٢٢۔ (صحیحہ: ١٧١٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ وَلَمْ يُوْتِرْ فَلْيُوْتِرْ۔)) ...... ''اگر کسی نے صبح تک وتر نہ پڑھے ہوں، تو وہ صبح کو ہی ادا کر لیا کرے۔''

لیکن یہ روایت ضعیف ہے، اس کی وضاحت (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ٢٣٣٣) میں ہو چکی ہے۔

اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کو معذور پر محمول کریں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَوْتِرُوْا قَبْلَ اَنْ تُصْبِحُوْا۔)) (مسلم) ...... ''صبح ہونے سے پہلے پہلے نمازِ وتر ادا کر لیا کرو۔''

نیز فرمایا: ((مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ اَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ۔)) (ابو داود) ...... ''جو آدمی وتر کی نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے، ادا کر لے۔'' (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ٢٣٣٣)

نمازِ وتر کب پڑھی جائے؟

(٨٢٠)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ خَافَ أَلَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ۔)) (الصحيحة: ٢٦١٠)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی کو رات کے آخری حصے میں بیدار نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو، وہ ابتدائے رات میں وتر کی نماز ادا کر لیا کرے اور جس کو یہ امید ہو کہ آخر رات بیدار ہو جائے گا تو وہ رات کے آخری حصے میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے آخری حصے کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ١٧٤-١٧٥، وأبو عوانة: ٧/ ٣١، والترمذي: ٤٥٦، وابن ماجه: ١/ ٣٦٠، وكذا عبدالرزاق في "المصنف": ٤٦٢٣، وابن نصر في "قيام الليل": ص١١٦، وابن الجارود

فی "المنتقی": ۲۶۹، وابن خزیمة: ۱۰۸۶، والبیهقی: ۳/ ۳۵، وأحمد: ۳/ ۳۸۹

شرح:...... بلاشبہ نماز وتر کا وقت نمازِ عشا سے طلوع فجر تک جاری رہتا ہے، لیکن اس نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

کیا نمازِ وتر فرض ہے؟

(۸۲۱)۔ عَنْ أَبِي إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهِمْ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، فَذَكَرُوْا الْوِتْرَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: وَاجِبٌ۔ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: سُنَّةٌ. فَقَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتُ: أَمَا أَنَا فَأَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ((أَتَانِي جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ لَكَ: إِنِّي قَدْ فَرَضْتُ عَلٰى أُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، مَنْ وَافَاهُنَّ عَلٰى وُضُوْئِهِنَّ، وَمَوَاقِيْتِهِنَّ، وَسُجُوْدِهِنَّ، فَإِنَّهُ لَهُ عِنْدِيْ بِهِنَّ عَهْدًا أَنْ أُدْخِلَهُ بِهِنَّ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَنِي قَدْ أَنْقَصَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا۔ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا۔ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدِيْ عَهْدٌ، إِنْ شِئْتُ عَذَّبْتُهُ وَإِنْ شِئْتُ رَحِمْتُهُ۔))

(الصحیحة: ۸٤۲)

ابوادریس خولانی کہتے ہیں: میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں بیٹھا تھا، ان میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔انھوں نے نمازِ وتر (کے حکم پر) بحث کی، بعض نے کہا کہ نمازِ وتر واجب ہے، جبکہ بعض نے اسے سنت قرار دیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (اپنی رائے پیش کرتے ہوئے) کہا: میں تو گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ”میرے پاس اللہ تعالی کی طرف سے جبریل آئے اور کہا: اے محمد! اللہ تعالی نے آپ سے فرمایا ہے: میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو آدمی وضو، اوقات اور سجود (وغیرہ) سمیت ان کا پورا حق ادا کرے گا، اس سے میرا معاہدہ ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں گا، اور جو آدمی ان کی ادائیگی میں کمی کر کے مجھے ملے گا تو اس کے لیے میرے ہاں کوئی عہد نہیں ہے، چاہوں تو عذاب دوں اور چاہوں تو رحم کر دوں۔“

تخریج: أخرجه الطيالسي في "المسند": ۱/ ٦٦/ ۲۵۱۔ ترتیبه، وابو نعیم فی "الحلیة": ۵/ ۱۲٦، وابوداود، وهو مخرج فی "صحیح ابی داود": ٤۵۱، ۱۲۷٦

شرح:...... اس حدیث سے جہاں اہمیتِ نماز کا علم ہو رہا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی ادائیگی پرسکون انداز میں ہونی چاہیے۔ جلد بازی کی وجہ سے نہ صرف بندے کی نماز متاثر ہوتی ہے، بلکہ بندہ خود حقیقی سکون سے محروم رہتا ہے۔

غور فرمائیں کہ جو آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت، اوقاتِ نماز اور ارکانِ نماز کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے، اللہ تعالی اس سے اسے جنت میں داخل کرنے کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔ لیکن جو نماز کی ادائیگی میں کم و کاست سے کام لیتا ہے، اس سے اللہ تعالی کا کوئی معاہدہ نہیں رہتا ہے، وہ اسے عذاب بھی دے سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نمازِ وتر سنت اور نفل ہے، نہ کہ واجب اور فرض۔ امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور جمہور علما کا بھی یہی مسلک ہے کہ وتر کا حکم سنت مؤکدہ کا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فرض نمازوں کی طرح وتر حتمی و لازمی نہیں ہے، بلکہ یہ سنت ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا۔ (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) نیز سیدنا عبدا للہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهُ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (مسلم: ۷۰۰) ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر نفلی نماز پڑھتے تھے، جس جہت کی طرف وہ متوجہ ہوتی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کی کوئی پروانہ کرتے تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ وتر بھی سواری پر ادا کر لیتے تھے، لیکن فرضی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ وتر فرض یا واجب نہیں ہے، وگرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی سواری پر ادا نہ کرتے۔ ''نماز وتر کا وقت'' کے عنوان میں نماز وتر کے وجوب یا عدم وجوب پر مزید بحث کی جا چکی ہے۔ مطالعہ کر لیں۔

رکعاتِ وتر ایک سے نو تک

(۸۲۲)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ الآخِرَةَ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَا يَزِيْدُ عَلَيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ: أَتُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَاتَزِيْدُ عَلَيْهَا يَا أَبَا إِسْحَاقَ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَلَّذِيْ لَايَنَامُ حَتّٰى يُوْتِرَ حَازِمٌ۔))

(الصحيحة: ۲۲۰۸)

سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عشا کی نماز مسجدِ نبوی میں پڑتا تھا، اس کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتا تھا۔ مجھے کہا جاتا تھا: ابو اسحاق! آپ نمازِ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں، زیادہ نہیں پڑھتے، (کیا وجہ ہے)؟ میں کہتا: جی ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''وہ دور اندیشی سے کام لے رہا ہے جو سونے سے پہلے وتر ادا کر لیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۱/ ۱۷۰

(۸۲۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْتَرَ بِخَمْسٍ، وَأَوْتَرَ بِسَبْعٍ۔

(الصحيحة: ۲۹۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) پانچ اور (کبھی) سات وتر پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن نصر المروزي في "قيام الليل": ص ۱۲۱۔ هند، وابن حبان في "صحيحه": ٤/ ۷۱/ ۲٤۲۹

شرح:...... وتر کی رکعات کی درج ذیل تعداد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱)......ایک وتر (صحیح بخاری: ۹۹۰، صحیح مسلم: ۷٤۹)

(۲)......تین وتر (صحیح بخاری: ۲۰۱۳، صحیح مسلم: ۷۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات وتر پڑھو (اور تین پڑھ کر) مغرب کی مشابہت نہ کرو۔ (دارقطنی: ۱٦۳٤ بیهقی: ۳/ ۳۱، شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۹۲)

اگر تین نمازِ وتر ایک سلام اور ایک تشہد کے ساتھ یا پھر دو سلاموں کے ساتھ پڑھے جائیں تو نمازِ مغرب کے ساتھ مشابہت نہیں رہتی۔

(۳)......پانچ وتر۔ بیچ میں کوئی تشہد نہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۳۷)

(۴)......سات وتر (صحیح مسلم: ۷٤٦) چھ رکعات کے بعد درمیانہ تشہد ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۷٤٦ مختصرًا، ابوداود: ۱۳٤۲، نسائی: ۱٦۰۲)

(۵)......نو وتر۔ آٹھویں رکعت کے بعد درمیانہ تشہد ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۷٤٦)

اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں کہ بعض احباب اِن بیّن دلائل اور گنجائش کے باوجود صرف تین رکعات کے درست ہونے اور باقی تعداد کے درست نہ ہونے پر کیوں مصرّ ہیں؟

تین رکعت نماز وتر میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دینا

(۸۲٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ يُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ، وَكَانَ يَتَكَلَّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ۔ (الصحيحة: ۲۹٦۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے اور دو رکعتوں کے بعد آخری رکعت کی ادا کرنے سے پہلے باتیں بھی کر لیتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن شيبة: ۲/ ۲۹۱، واصله في "صحيح مسلم": ۲/ ۱٦٥ أتم منه دون قوله: "وكان يتكلم ......"

شرح:...... تین رکعت نماز وتر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں: (۱) لگاتار تین رکعتیں ادا کرنا اور (۲) دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دینا اور پھر ایک رکعت ادا کر کے سلام پھیرنا۔ اس حدیث میں دوسری صورت کو بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ امام البانی نے کہا: یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی قوی شاہد ہے، کہ وہ نماز وتر کی دو اور ایک رکعت کے مابین سلام پھیر کر اپنی کسی ضرورت کا حکم دیتے تھے۔ (صحیحہ: ۲۹٦۲)

نمازِ وتر کے بعد نفلی نماز ادا کرنا درست ہے

(۸۲٥)۔ عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذَا السَّفَرَ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جَهْدٌ وَثِقَلٌ، فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ.)) (الصحيحة:١٩٩٣)

''چونکہ یہ سفر باعثِ مشقت وزحمت ہے، اس لیے ہر کوئی وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لے، اگر (قیام کرنے کے لیے) جاگ آ گئی تو ٹھیک، وگرنہ یہی دو رکعتیں اسے کفایت کر جائیں گی۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ١/ ٣٧٤، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢/ ١٥٩/ ١١٠٣، وابن حبان: ٦٨٣، والدار قطني: صـ ١٧٧، والطبراني في "الكبير": ١٤١٠

شرح:...... ثابت ہوا کہ سفر کے دوران حسبِ استطاعت نمازِ تہجد پڑھنی چاہئے، نیز یہ حقیقت بھی عیاں ہو رہی ہے کہ نمازِ وتر کے بعد نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: امام ابن خزیمہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا: جو چاہے، وتر کے بعد نفلی نماز پڑھ سکتا ہے اور نبی کریم ﷺ وتر کے بعد جو دو رکعات ادا کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کا خاصہ نہیں تھا۔ ہاں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ آپ ﷺ نے ہمیں (سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں) جن دو رکعات کا حکم دیا ہے، یہ مندوب اور مستحب ہے، نہ کہ فرض اور واجب۔ (صحیحہ:۱۹۹۳)

آپ ﷺ کی اس قولی حدیث سے نمازِ وتر کے بعد نفلی نماز کی ادائیگی کی رخصت ثابت ہوتی ہے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے نمازِ وتر کے بعد خود بھی دو رکعت نماز ادا کی۔ (مسلم) لیکن سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا۔)) ...... ''رات کو اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھا کرو۔''

امام عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: ائمہ اربعہ، امام ثوری اور امام ابن مبارک وغیرہ کا خیال ہے کہ نمازِ وتر کے بعد اس کو توڑے بغیر مزید نفلی نماز ادا کی جا سکتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں ہیں، ان علمائے کرام نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دیے گئے حکم کو مستحب اور مندوب پر محمول کیا اور مزید نماز کی ادائیگی کو جائز سمجھا۔

جمع و تطبیق کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ سیدنا عبد اللہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم رات کو قیام کرنا چاہو تو نمازِ وتر کو شروع میں یا درمیان میں ادا کرنے کی بجائے آخر میں ادا کیا کرو۔ (مرعاة المصابيح: ٢/ ٤)

دوسری تطبیق کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی روٹین کے ساتھ رات کو قیام کرتا ہے، اس کو آخر میں نمازِ وتر ادا کرنے چاہیے، مثلا ہر کوئی رمضان میں نماز تراویح باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس حدیث کی روشنی میں یہ درست نہیں ہوگا کہ آٹھ رکعت تراویح سے پہلے یا چار رکعتوں کی ادائیگی کے بعد وتر پڑھ لیے جائیں اور باقی نماز بعد میں پوری کر لی جائے، بلکہ آخر میں وتر ادا کیے جائیں گے۔

لیکن اگر کوئی آدمی رات کو وتر کی نماز پڑھ لیتا ہے اور پھر اسے سابقہ روٹین کے بغیر قیام کرنے کا خیال آ جاتا ہے، یا اگر کوئی آدمی سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے رات کے آخری پہر کو بیدار نہ ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس باب کی پہلی روایت یعنی سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کر لے۔

بہر حال دونوں صورتوں نماز وتر کے بعد دو رکعت ادا کرنا تو درست ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مکمل کرنے اور نماز وتر ادا کر چکنے کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❀❀❀❀

اَلصِّيَامُ وَالْقِيَامُ

روزے اور قیام کا بیان

الصیام (الصوم) :لغوی معنی: رُکنا، امساک

اصطلاحی تعریف:...... اللہ تعالی کی ایک عبادت ہے، جس میں ایک مسلمان طلوع فجر سے غروبِ آفتاب تک تمام مفطِرات سے رکا رہتا ہے۔

القیام: لغوی معنی: کھڑا ہونا، سیدھا ہونا، جاگنا، ٹھیراؤ، جماؤ، اٹھاؤ

اصطلاحی تعریف:...... نماز میں رکوع سے پہلے والی حالت اور رات کی نماز پر ''قیام'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس باب میں مؤخر الذکر مراد ہے۔

ماہِ رمضان کی فضیلت

(٨٢٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔))

(الصحيحة:١٣٠٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٢١، والنسائي: ١/ ٢٩٨و ٢٩٩، وأحمد: ٢/ ٣٥١، ٣٧٨، وأخرج البخاري نحوه

شرح:...... یہ حدیثِ طیبہ ماہِ رمضان کی عزت وعظمت پر دلالت کرتی ہے کہ اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اس حدیث کی مختلف توجیہات و تاویلات پیش کرتے ہیں کہ جنت کے دروازوں سے مراد رحمت و بخشش کے دروازے اور جہنم کے دروازوں سے مراد غضب کے دروازے ہیں۔ جبکہ صحیح اور حق یہی ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر ہی محمول کیا جائے اور اس سے جنت اور

جہنم کے حقیقی دروازے مراد لیے جائیں۔

(۸۲۷)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((هٰذَا رَمَضَانُ قَدْ جَاءَ كُمْ ، تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ النَّارِ ، وَتُسَلْسَلُ فِيْهِ الشَّيَاطِيْنُ۔))

(الصحيحة:۳۵۷۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ماہِ رمضان ہے، تمہارے پاس پہنچ چکا ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ۱/ ۲۹۶، وأحمد: ۳/ ۲۳٦، والصحيح ان هذا الحديث حديث ابی هريرة، لا انس، وهكذا اخرجه الشيخان وغيرهما

(۸۲۸)۔ عَنْ عُرْفَجَةَ ، قَالَ: كُنْتُ فِي بَيْتٍ فِيْهِ عُتْبَةُ بْنُ فَرْقَدٍ ، فَأَرَدْتُ أَنْ أُحَدِّثَ بِحَدِيْثٍ ، وَكَانَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ كَأَنَّهُ أَوْلٰى بِالْحَدِيْثِ مِنِّي فَحَدَّثَ الرَّجُلُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((فِي رَمَضَانَ تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ (وَفِي رِوَايَةٍ: الْجَنَّةِ) وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ النِّيْرَانِ ، وَيُصَفَّدُ فِيْهِ كُلُّ شَيْطٰنٍ مَرِيْدٍ ، وَيُنَادِي مُنَادٍ (وَفِي رِوَايَةٍ: مَلَكٌ) كُلَّ لَيْلَةٍ: يَاطَالِبَ الْخَيْرِ هَلُمَّ وَيَاطَالِبَ الشَّرِّ أَمْسِكْ۔))

(الصحيحة:۱۸٦۸)

عرفجہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک گھر میں تھا، وہاں عتبہ بن فرقد بھی تھے، میں نے ایک حدیث بیان کرنا چاہی، لیکن وہاں ایک صحابیٔ رسول تشریف فرما تھے، ایسے لگتا تھا کہ وہ حدیث بیان کرنے میں مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، پس انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''رمضان میں آسمان (اور ایک روایت کے مطابق) جنت کے دوروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ہر سرکش (اور شریر و خبیث) شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے، اور اعلان کرنے والا فرشتہ ہر رات کو اعلان کرتا ہے: اے خیر و بھلائی کو چاہنے والے! آ جا اور اے برائی کے طلبگار! رک جا۔''

تخريج: أخرجه النسائي ۱/ ۳۰۰، وأحمد: ٤/ ۳۱۱-۳۱۲و ٥/ ٤۱۱

شرح:...... اس حدیث کے آخری جملے سے پتہ چلا کہ یہ خیر و بھلائی کو پانے اور شر و فساد سے دور رہنے کا مہینہ ہے۔ کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ رمضان میں نیکیاں کرنے اور برائیوں سے دور رہنے کا اہتمام نہ کرے۔

رمضان کے تیس روزے، الا یہ کہ......

(۸۲۹)۔ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَصُمْ ثَلَاثِيْنَ ، إِلَّا أَنْ تَرَى الْهِلَالَ قَبْلَ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان آ جائے تو تیس روزے رکھنا، الّا یہ کہ چاند پہلے دیکھ لے۔''

ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة:١٣٠٨)

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل الآثار" ١/ ٢١٠، وأحمد: ٤/ ٣٧٧، والطبراني في "المعجم الكبير"

شرح: ...... واضح بات ہے کہ اگر انتیس تاریخ کی شام کو چاند نظر آ جائے تو ٹھیک، وگرنہ تیس دن پورے کیے جائیں۔

دورانِ سفر روزہ رکھنا کیسا ہے؟

(٨٣٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِطَعَامٍ وَهُوَ (بِمَرِّ الظَّهْرَانَ) فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ: ((أُدْنُوا فَكُلَا۔)) فَقَالَا: إِنَّا صَائِمَانِ فَقَالَ: ((اِرْحَلُوْا لِصَاحِبَيْكُمْ! وَاعْمَلُوْا لِصَاحِبَيْكُمْ، أُدْنُوا فَكُلَا۔)) (الصحيحة: ٨٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا، اس حال میں آپ "مرّ الظهران" مقام پر تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔" انہوں نے کہا: ہم تو روزے دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے ساتھیوں کے لیے سواری پر کجاوہ باندھو اور اُن کے لیے کام کرو، قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔"

تخريج: رواه أبوبكر بن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ١٤٩/ ٢، والفريابي في "الصيام": ٤/ ٦٤/ ١، والنسائي: ١/ ٣١٥، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢٠٣١، وابن حبان: ٩١١۔ موارد، وابن دحيم في "الامالي": ٢/ ١، والحاكم: ١/ ٤٣٣

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارا مقصود آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: "اپنے ساتھیوں کے لیے سواری پر کجاوہ باندھو اور اُن کے لیے کام کرو، قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔"

دراصل آپ ﷺ دورانِ سفر روزہ رکھنے والوں پر انکار کرتے ہوئے یہ وضاحت کر رہے ہیں کہ ان کا روزہ نہ رکھنا افضل تھا، تاکہ (اپنا کام کاج خود کرتے) اور لوگوں کو تنگ نہ کرتے۔

ابن خزیمہ نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے والا دن کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد روزہ توڑ سکتا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی ان کے اس استدلال کو (فتح الباری: ۴/ ۱۵۸) میں برقرار رکھا۔ (کیونکہ آپ ﷺ نے صدیق و فاروق کو روزہ توڑ دینے کا حکم دیا۔)

اس کی مزید وضاحت فریابی (۱/۶۷) کی روایت سے ہوتی ہے، جس کے مطابق سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تم سفر میں روزہ نہ رکھا کرو، کیونکہ جب دوسرے لوگ کھانا کھانے لگیں گے تو کہیں گے: روزے دار کے لیے کھانا سنبھال کے رکھ دو، اسی طرح جب وہ کام کریں گے تو کہیں گے: روزے دار کی بھی خدمت کرو، اس طرح وہ تیرا اجر لے لیں گے۔ اس قول کی سند کے رواۃ ثقہ ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس حدیثِ مبارکہ میں اخلاقِ حسنہ کے ایک پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر

آدمی کو اپنے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے معاملات خود حل کرنے چاہئیں اور کسی دوسرے پر آس لگا کر نہیں بیٹھے رہنا چاہیے اور کسی سے ذاتی خدمت لینے سے گریز کرنا چاہیے، اگرچہ وہ کسی شرعی سبب کی بنا پر ہو، جیسے روزہ۔

تو پھر کیا اس حدیث میں ان لوگوں پر واضح ردّ نہیں کیا گیا ہے، جو اپنے علمی اثر و رسوخ کی بنا پر لوگوں سے ناحق فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو اس امر پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی خدمت کیا کریں، اگرچہ وہ جوتے اٹھانے کی صورت میں ہو؟

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑے احسن انداز میں خدمت کرتے تھے، حتی کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے بھی اٹھاتے تھے۔

ہمارا جواب یہ ہوگا کہ کیا اس استدلال کا یہی مطلب ہے نا، کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو تزکیہ کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں اور اپنے حق میں یہ اعتراف کرنا چاہتے ہیں کہ وہ علم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں، تاکہ ان کے حق میں یہ قیاس درست ثابت ہو سکے؟

اللہ کی قسم! اگر ان کے پاس یہ صراحت موجود ہو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں تو پھر بھی ان کے حق میں یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، یہ صحابۂ کرام، جن کے حق میں خیر و بھلائی کی شہادتیں موجود ہیں، بالخصوص عشرہ مبشرہ، لیکن پھر بھی وہ اپنے ذاتی امور خود سرانجام دیتے تھے اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا، جو دوسروں سے خدمت کرواتا ہو، جیسا کہ آج کل کے اہل علم کا اپنے شاگردوں اور مریدوں سے سلسلہ چل رہا ہے۔ کیا ان کے پاس دوسروں سے خدمت لینے کی کوئی دلیل موجود نہ تھی؟

یہ وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس فاسد ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو عجز و انکساری اپنانے اور رشد و ہدایت پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (صحیحہ: ۸۵)

(۸۳۱)۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ: ((أَيَّ ذٰلِكَ عَلَيْكَ أَيْسَرُ فَافْعَلْ۔)) (الصحيحة: ٢٨٨٤)

حضرت حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تمہارے لیے آسان ہے وہ کرلو۔''

تخريج: أخرجه تمام في "الفوائد" ق ١٦١/ ١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیثِ مبارکہ میں مسافر کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی رخصت دینے کا سبب بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے لوگوں کو آسانی فراہم کرنا۔ بلا شک و شبہ لوگوں کی قدرتوں اور طبیعتوں کو دیکھا جائے تو ''آسانی'' کا کوئی معین کلیہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رمضان میں لوگوں کے ساتھ روزہ رکھ لینا آسان

ہے اور بعد میں قضائی دینا مشکل ہے، اسی لیے وہ دورانِ سفر بھی روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، جبکہ بعض کا خیال ہے کہ بعد میں قضائی دینا کوئی پریشان کن معاملہ نہیں ہے، اس لیے وہ رخصت پر عمل کرتے ہیں۔ سچ فرمایا اللہ تعالی نے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۵۸)...... ''اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتے ہیں، نہ کہ مشکل کا۔'' (صحیحہ:۲۸۸۴)

مزید کہا: سفر میں رمضان کے روزے رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں علما وفقہا کے اقوال معروف ہیں۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ دورانِ سفر روزہ ترک کرنا رخصت ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہی عمل محبوب ہے، الا یہ کہ روزے کی قضا دینا مشکل سمجھی جاتی ہو، ایسی صورت میں روزہ رکھ لینا ہی پسندیدہ عمل ہوگا۔ واللہ اعلم۔ اس موضوع پر وسیع مطالعہ کے خواہش مندوں کو نیل الاوطار اور اہل علم وتحقیق کی دوسری کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (صحیحہ:۹۳۲)

(۸۳۲)۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَمَنْ أَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُوْمَ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة:۱۹۲)

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اے اللہ کے رسول! میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، (اگر میں ایسے کروں تو) کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''یہ اللہ تعالی کی طرف سے رخصت ہے، جو اس کو قبول کرے گا، سو اچھی بات ہوگی اور جو روزہ رکھنا چاہے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''

تخريج: رواه مسلم: ۳/ ۱٤٥، والنسائي: ۱/ ۳۱۷، والبيهقي: ٤/ ۲٤۳

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مجد الدین شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے (المنتقی) میں کہا: اس حدیث میں قوی دلالت پائی جاتی ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(روزہ رکھنے والے پر) کوئی گناہ نہیں ہوگا۔''

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ دورانِ سفر روزہ رکھنے کی بہ نسبت روزہ نہ رکھنا راجح اور افضل ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس حدیث کا یہ ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، کیونکہ یہاں گناہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور ایسا کرنے والے پر کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس فعل پر ثواب ملے گا یا نہیں، اس کا جواب اس دلیل سے نہیں، بلکہ دوسری نصوص کی روشنی میں دیا جائے گا۔ اگر ان تمام امور کو سامنے رکھا جائے، جن کے فاعل سے گناہ کی نفی کی گئی ہے، تو معلوم ہوگا کہ اس صورت کی دو اقسام ہیں:

(اول)...... گناہ کی نفی سے مراد صرف تنگی کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس فعل کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم ایک ہی ہوتا ہے، زیادہ تر یہی قسم دیکھنے میں آئی ہے، مثلا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ: اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ.)) (صحیحہ: ۱۹۳)...... ''احرام والا آدمی اِن پانچ جانوروں کو قتل کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوتا: کوا، چیل، چوہیا، بچھو اور باؤلا کتا (یا ہر کاٹنے والا درندہ)۔''

واضح بات ہے کہ اس حدیث میں گناہ کی نفی سے مراد ان جانوروں کے قتل کو جائز قرار دینا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ ایسا کرنا مستحب ہے یا واجب ہے یا ایسا نہ کرنا افضل ہے۔

(دوم)...... گناہ کی نفی سے مراد تنگی کو دور کرنا ہوتا ہے، فی نفسہ وہ فعل مشروع اور فضیلت والا ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات واجب بھی ہوتا ہے، کسی وہم و گمان کا ازالہ کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلا:

عروہ کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۵۸)...... ''بیشک صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لیے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔''

اور کہا: اللہ کی قسم! کوئی آدمی صفا مروہ کی سعی نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا۔

سیدہ نے جواب دیا: میرے بھانجے! تو نے نامناسب بات کہی ہے، جو مفہوم تو نے پیش کیا، اگر یہ درست ہوتا تو ((لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا)) کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، جو قبولیتِ اسلام سے قبل مشلّل کے پاس موجود ''مناۃ'' بت کے لیے تلبیہ کہتے تھے اور صفا مروہ کی سعی کرنے میں حرج محسوس کرتے تھے۔ جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم صفا و مروہ کی سعی کرنے میں حرج محسوس کرتے تھے، ان کے جواب کے لیے اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سعی کو سنت کو قرار دیا، کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو ترک کر دے۔ (صحیح بخاری: ۱/ ٤١٤، مسند احمد: ٦/ ١٤٤، ٢٢٧)

جب ہم اس تفصیل کی وضاحت کے بعد آپ ﷺ کی اس حدیث پر غور کرتے ہیں: ''جو پسند کرتا ہے، وہ سفر میں روزہ رکھ لے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔'' تو معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ کیا روزہ ترک کرنا افضل ہے یا روزہ رکھنا؟ اس کا جواب اس حدیث میں نہیں پایا جاتا۔

لیکن یہ بات تو معروف ہے کہ سفر میں رمضان کا روزہ رکھنا عبادت ہے اور آپ ﷺ نے خود بھی روزے کا

اہتمام کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ رکھنا ہی مشروع ہے، اس لیے دورانِ سفر روزہ ترک کرنے کو اچھا عمل قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ روزے سے زیادہ اچھا ہے، کیونکہ روزہ رکھنا بھی اچھا عمل ثابت ہو چکا ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ یہ حدیث روزہ رکھنے یا نہ رکھنے پر برابر کی دلالت کرتی ہے، نہ کہ ترکِ روزہ کی افضلیت پر۔ (صحیحہ: ۱۹۲، ۱۹۳)

(٨٣٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي رَجُلٌ أَسْرُدُ الصَّوْمَ، فَأَصُوْمُ فِي السَّفَرِ؟ قَالَ: ((صُمْ إِنْ شِئْتَ وَأَفْطِرْ إِنْ شِئْتَ۔))

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: بے شک حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میں لگاتار روزے رکھتا ہوں، تو کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(تیری مرضی ہے) چاہے تو روزہ رکھ لے اور چاہے تو ترک کر دے۔“

(الصحيحة:١٩٤)

تخريج: أخرجه الشيخان، وغيرهما من أصحاب الستة، وابن أبي شيبة: ٢/ ١٥٠/ ١، وعنه أبو حفص الكناني في "الأمالي": ١٧/ ١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے سیدنا حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سفر میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں اختیار دیا اور کسی ایک عمل کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی، حالانکہ یہ قصہ ایک ہی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ افضلیت کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ درج ذیل حدیث سے یہ استدلال کرنا ممکن ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهٗ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهٗ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: كَمَا يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى عَزَائِمُهٗ۔)) ...... ”بیشک اللہ تعالی پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جیسے وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانیوں کا ارتکاب کیا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے: جیسے وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لازمی امور پر عمل کیا جائے۔“

اس حدیث سے یہ استدلال کرنا بالکل درست ہے کہ دورانِ سفر روزہ نہ رکھنا افضل ہے، لیکن ممکن ہے کہ حکم اس آدمی کے بارے میں ہو جو قضا دیتے وقت تنگی محسوس نہ کرتا ہو اور سفر میں روزہ کی وجہ سے اسے کوئی مشقت پیش آتی ہو، وگرنہ رخصت کا مقصود فوت ہو جائے گا۔ مزید آپ خود سوچ لیں۔

رہا مسئلہ اس حدیث کا: ((مَنْ اَفْطَرَ (يَعْنِيْ: فِي السَّفَرِ) فَرُخْصَةٌ، وَمَنْ صَامَ فَالصَّوْمُ اَفْضَلُ۔)) ...... ”سفر میں روزہ نہ رکھنا رخصت اور روزہ رکھنا افضل ہے۔“ تو گزارش ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، اس کی تفصیل (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ٩٣٦) میں مل سکتی ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سارے نزاعات ہی ختم ہو جاتے، لیکن اس کے ضعیف ہونے کے بعد اجتہاد و استنباط کی گنجائش پیدا ہو گئی۔

(صحیحہ: ۱۹۴)

(٨٣٤)۔ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِراً يَقُوْلُ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ يُقَلِّبُ ظَهْرَهُ لِبَطْنِهِ، فَسَأَلَ عَنْهُ؟ فَقَالُوْا: صَائِمٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، فَدَعَاهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُفْطِرَ فَقَالَ: ((أَمَا يَكْفِيكَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى تَصُوْمَ۔)) (الصحيحة: ٢٥٩٥)

ابوزبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا؟ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! یہ روزے دار ہے۔ آپ نے اسے بلایا اور روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''کیا تجھے یہ (نیک عمل) کافی نہیں ہے کہ تو رسول اللہ کی صحبت میں اللہ تعالی کے راستے میں ہے کہ تو نے روزہ رکھنا بھی شروع کر دیا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٢٧، وله طرق اخرى عن جابر بنحوه في "الصحيحين" وغيرهما

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں بڑی واضح دلالت موجود ہے کہ اس وقت سفر میں روزہ رکھنا ناجائز ہوگا، جب مسافر کو اس کی وجہ سے تکلیف ہوگی، اسی پر آپ ﷺ کی درج ذیل دو احادیث کو محمول کیا جائے گا: ((لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ۔)) ......''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔'' اور آپ ﷺ نے سفر میں روزہ نہ توڑنے والوں کے بارے میں کہا تھا: ((أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ۔))......''یہی لوگ نافرمان ہیں۔''

جس آدمی کو دورانِ سفر روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف نہ ہو رہی ہو تو اسے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار ہے، یہ اس باب کی مختلف احادیث کا خلاصہ اور جمع و تطبیق ہے۔ (صحیحہ: ۲۵۹۵)

(٨٣٥)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: كَانَ ﷺ يَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَيُفْطِرُ، وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ لَايَدَعُهُمَا، يَقُوْلُ: لَايَزِيْدُ عَلَيْهِمَا يَعْنِي: الْفَرِيْضَةَ۔ (الصحيحة:١٩١)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دورانِ سفر روزہ رکھتے بھی تھے اور ترک بھی کرتے تھے اور (سفر میں ظہر و عصر و عشا کی) کی دو دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے اور دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي: ١/ ٣٣٣، وأحمد: ١/ ٤٠٢ و٤٠٧، والبزار: ١/ ٤٧٠/ ٩٩٢

دورانِ سفر روزہ توڑ دینا

(٨٣٦)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى نَهْرٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ عَلٰى بَغْلٍ، وَالنَّاسُ صِيَامٌ، وَالْمُشَاةُ كَثِيْرٌ، فَقَالَ: ((اِشْرَبُوْا۔)) فَجَعَلُوْا يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ فَقَالَ: ((اشْرَبُوْا فَإِنِّي أَيْسَرُكُمْ۔)) فَجَعَلُوْا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانی کی ایک نہر کے پاس سے گزرے، آپ خچر پر سوار تھے، لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا اور پیدل چلنے والے لوگ بہت زیادہ تھے۔ آپ نے فرمایا: ''پی لو۔'' وہ آپ کی طرف دیکھنا شروع ہو گئے، آپ نے فرمایا: ''پی لو میں تم سب سے زیادہ

يَـنْـظُـرُوْنَ إِلَيْـهِ ، فَـحَوَّلَ وَرِكَهُ ، فَشَرِبَ وَشَرِبَ النَّاسُ ۔ (الصحيحة:٢٥٧٥)

قوت والا ہوں۔ انھوں نے پھر آپ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنا سرین پھیرا اور پانی پیا، پھر صحابہ نے بھی پی لیا۔

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده":ق ٧٠/ ٢

شرح :...... سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام روزے کی حالت میں تھے، جب آپ "کراع غمیم" وادی میں پہنچے تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ روزے کی وجہ سے لوگوں کو کافی مشقت ہو رہی ہے اور وہ آپ کے منتظر ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور لوگوں کے سامنے پی لیا، یہ عصر کے بعد کا واقعہ تھا، بعض لوگوں نے تو آپ ﷺ کی اتباع کی اور روزہ توڑ دیا، لیکن بعض لوگوں نے ایسا کرنے سے گریز کیا۔ جب آپ ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ ابھی تک بعض لوگ روزے کی حالت میں ہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ نافرمان ہیں۔'' (صحیح مسلم)

ان دو احادیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں رمضان کا روزہ توڑا جا سکتا ہے، بعد میں صرف قضائی دی جائے گی اور کوئی کفارہ نہیں پڑے گا۔

شعبان کے روزے رکھنا

(٨٣٧)۔ عَـنْ أَبِـي هُرَيْرَةَ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْـدٍ (وَلَـمْ يَقُلْ النِّسَائِي: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ) قَـالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَاكَ تَصُوْمُ فِي شَهْرٍ لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ فِي شَهْرٍ مِثْلَ مَاتَصُوْمُ فِيْـهِ؟ قَـالَ: ((أَيُّ شَهْرٍ؟)) قُلْتُ: شَعْبَانَ . قَـالَ: ((شَـعْبَـانُ بَيْـنَ رَجَـبَ وَرَمَضَانَ ، يَـغْـفِـلُ الـنَّـاسُ عَـنْـهُ ، تُرْفَعُ فِيهِ أَعْمَالُ الْعِبَادِ ، فَأُحِبُّ أَنْ لَّا يُرْفَعَ عَمَلِي إِلَّا وَأَنَا صَـائِـمٌ۔)) قَـالَ: أَرَاكَ تَـصُـوْمُ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ فَلَاتَدَعُهُمَا؟ قَالَ: ((إِنَّ أَعْمَالَ الْعِبَادِ......)) الحديث۔

(الصحيحة:١٨٩٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، امام نسائی نے ابو ہریرہ کا نام ذکر نہیں کیا، حضرت اسامہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ ایک مہینے میں بہت روزے رکھتے ہیں، جبکہ دوسرے ماہ میں اتنے روزے نہیں رکھتے، (کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون سا مہینہ؟'' میں نے کہا: شعبان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شعبان، جو رجب اور رمضان کا درمیانی مہینہ ہے، سے کئی لوگ غافل ہیں۔ اس مہینے میں لوگوں کے اعمال (آسمانوں کی طرف) اٹھائے جاتے ہیں، میں چاہتا ہے کہ میرا عمل اس حال میں اٹھایا جائے کہ میں روزے دار ہوں۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ سوموار اور جمعرات کا روزہ ترک نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں بھی

بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔"

تخریج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٢٢، وأبوبكر محمد بن الحسن المقرىء الحيارى(!) الطبرى العباد، في "الأمالي": ٣/ ٢

شرح: ...... سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے علاوہ) سال کے کسی دوسرے مکمل مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے، مگر شعبان کے، اس ماہ کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے ساتھ ملا دیتے تھے۔ (ابوداود: ٢٣٣٦، ترمذی: ٧٣٦، نسائی: ٢١٧٥، ابن ماجه: ١٦٤٨) دوسری روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مکمل شعبان سے مراد اس مہینے کے اکثر دنوں کے روزے رکھنے ہیں۔

لیکن سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوا .)) ...... "جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھا کرو۔"

اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جس کی پندرہ شعبان سے پہلے سے روزہ رکھنے کی عادت نہ ہو، ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ شعبان کے دوسرے نصف میں بھی روزے نہ رکھے۔

لیکن اگر کوئی شخص روٹین کے ساتھ بعض روزوں کا اہتمام کرتا ہے، مثلا سوموار اور جمعرات کے روزے، یا جو شخص شعبان کے شروع سے ہی روزے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے تو وہ شعبان کے دوسرے نصف میں بھی روزے رکھ سکتا ہے۔

رمضان سے متصل پہلے شعبان کے روزے نہ رکھے جائیں، الا یہ کہ ......

(٨٣٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ، وَلَا تَخْلِطُوْا بِرَمَضَانَ، إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صِيَامًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ، وَصُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَإِنَّهَا لَيْسَتْ تُغْمٰى عَلَيْكُمُ الْعِدَّةُ۔)) (الصحيحة: ٥٦٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان کے لیے شعبان کے چاند (کی تاریخ کو) شمار کر کے رکھو اور اُس کو رمضان کے ساتھ نہ ملا دو، ہاں اگر کوئی آدمی (با قاعدہ کسی مخصوص) دن کا روزہ رکھتا ہو اور وہ اس دن سے موافقت کر جائے (تو روزہ رکھا جا سکتا ہے)۔ چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو، اگر (انتیس تاریخ کی شام کو) چاند بادلوں میں یا کہر میں چھپ جائے تو گنتی تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی (اس کا اعتبار کر کے تیس دن پورے کرلو)۔"

تخریج: أخرجه الدارقطني: ٢٣٠، والحاكم: ١/ ٤٢٥، وعنهما البيهقي: ٤/ ٢٠٦ج، والبغوى في "شرح السنة": ٢/ ١٨٢-١، وكذالك اخرجه الترمذي: ١/ ١٣٣

(٨٣٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی

قَالَ: ((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، وَأَفْطِرُوْا الرُّؤْيَتَهُ، فَإِنْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سَحَابٌ أَوْ ظُلْمَةٌ أَوْ هَبْوَةٌ، فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ، لَاتَسْتَقْبِلُوْا الشَّهْرَ اسْتِقْبَالاً وَلَا تَصِلُوْا رَمَضَانَ بِيَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ۔))

(الصحيحة:١٩١٧)

کریم ﷺ نے فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کو ہی افطار کرو۔ اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل، اندھیرا یا گردوغبار حائل ہو جائے تو پھر (شعبان کی تیس کی) گنتی پوری کرلو۔ مہینے کا استقبال نہ کرو اور نہ ہی رمضان کو شعبان کے دن کے ساتھ ملاؤ۔''

تخريج: رواه أبو عبيد في "غريب الحديث": ٥٩/١، والنسائي: ٣٠٦/١، واحمد: / ٢٢٦ نحوه

شرح:...... رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہیے، اسلامی مہینہ کبھی انتیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دنوں کا۔ شعبان کی انتیس تاریخ کو اگر موسم کی خرابی کی وجہ سے مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن مکمل کرنے چاہئیں۔ شک کی بنا پر روزہ رکھنا منع ہے۔ اور ویسے بھی ماہِ شعبان اور ماہِ رمضان کی گنتی میں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ)) رسول اللہ ﷺ جس قدر احتیاط و اہتمام سے ماہِ شعبان کے دن شمار کیا کرتے تھے اور کسی ماہ کے نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح رمضان کو شعبان سے نہیں ملانا چاہیے، اگر منگل کو یکم رمضان ہے تو استقبال رمضان کے لیے سوموار کا روزہ رکھنا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص پابندی سے کسی دن کے روزے کا اہتمام کرتا ہے، مثلا سوموار اور جمعرات وغیرہ کا روزہ، تو وہ اپنی روٹین کو برقرار رکھ سکتا ہے، اگرچہ شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ ہو جائے۔ صرف رمضان کی مناسبت سے روزہ رکھنا منع ہے۔

یوم عاشورا کا روزہ

اگر یکم رمضان کے روزے کی اطلاع طلوعِ فجر کے بعد ملے تو.... کیا طلوعِ فجر کے بعد فرضی روزے کی نیت کی جا سکتی ہے؟

(٨٤٠)۔ قَالَ ﷺ: ((أَذِّنْ فِي قَوْمِكَ أَوْفِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ: مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ إِلَى اللَّيْلِ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَالرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ صَيْفِيٍّ وَهِنْدِ بْنِ أَسْمَاءَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَرِجَالٍ لَّمْ يُسَمَّوْا مِنْ أَسْلَمَ، وَمَعْبَدٍ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس عاشورا والے دن اپنی قوم میں یا لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھانا کھا لیا ہے، وہ دن کے بقیہ حصے کا روزہ رکھ لے اور جس نے کھانا نہیں کھایا، وہ (مکمل دن) کا روزہ رکھے۔'' یہ حدیث حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت ربیع بنت معوذ، حضرت محمد بن صیفی، حضرت ہند بن اسما، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اسلم قبیلے کے مبہم افراد سے، معبد قرشی سے اور محمد بن سیرین سے مرسلا مروی ہے۔

الْقُرْشِيِّ ، وَمُحَمَّدِ بْنِ سِيرِيْنَ مُرْسَلاً۔

(الصحيحة:٢٦٢٤)

تخريج: ورد من حديث سلمة بن الأكوع ، والربيع بنت معوذ، ومحمد بن صيفي، وهند بن أسماء، وأبي هريرة، وعبدالله بن عباس ، ورجال لم يسموا من أسلم ، ومعبد القرشي، و محمد بن سيرين مرسلا

(١)أما حديث سلمة : أخرجه البخاري : ٤/ ١١٣ ، ١٣/ ٢٠٥ ، والنسائي : ١/ ٣١٩، وفي "الكبرى": ق٢٢/ ١ ، وابن خزيمة : ٢٠٩٢ ، ومسلم : ٣/ ١٥١ ، والدارمي:٢/ ٢٢ ، و البيهقي: ٤/ ٢٢٠ و٢٨٨ ، وأحمد: ٤/ ٤٧ ، ٤٨ ، وابن حبان :٥/ ٢٥٢ ، ٣٦١٠/

(٢) وأما حديث الربيع؛ فأخرجه البخاري :٤/ ١٦٣ ، ومسلم : ٣/ ١٥٢ .....

(٣) وأما حديث محمد بن صيفي؛ فأخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٣/ ٥٤ ، وعنه ابن ماجه : ١/ ٥٢٨ ، وابن خزيمة : ٢٠٩١ ، وابن حبان : ٩٣٢۔موارد، وأحمد: ٤/ ٤٨٨ ،

(٤) وأما حديث هند بن أسماء؛ فأخرجه أحمد: ٣/ ٤٨٤ ، والطحاوي: ١/ ٣٣٦

(٥) وأما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه أحمد: ٢/ ٣٥٩

(٦) وأما حديث ابن عباس؛ فأخرجه أحمد: ١/ ٢٣٢

(٧) وأما حديث الرجال الأسلميين؛ فأخرجه النسائي في "الكبرى": ٣٨/ ١

(٨) وأما حديث معبد القرشي؛ فرواه عبد الرزاق :٧٨٣٥

(٩) وأما مرسل ابن سيرين؛ فرواه ابن شيبة: ٣/ ٥٧

شرح :......امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیثِ مبارکہ دو اہم فوائد پر مشتمل ہے:

(اول):......ابتدائے اسلام میں عاشورا (محرم کی دس تاریخ) کا روزہ فرض تھا، جیسا کہ اس کے لیے کیے گئے اہتمام اور کھانا کھا لینے والوں کو دن کے باقی حصے کا روزہ رکھنے کے حکم سے عیاں ہو رہا ہے، کیونکہ نفلی روزے میں اس قسم کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا کہ صبح کھانا کھا لینے کے بعد اس کی تکمیل کی جائے، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے (تہذیب السنن: ۳/ ۳۲۷) میں اس کی وضاحت کی ہے۔ نیز اس موضوع کی دیگر احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشورا کا روزہ فرض تھا، رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد عاشورا کا روزہ مستحب قرار دیا گیا۔

(دوم):......جس آدمی پر روزہ سحری کے وقت کے گزر جانے کے بعد فرض ہو، مثلا: سحری کا وقت گزر جانے کے بعد کسی وقت پاگل کی دیوانگی کا دور ہو جانا، بچے کا بالغ ہو جانا، کافر کا مشرّف باسلام ہونا اور رمضان کے چاند کے نظر آنے کی اطلاع موصول ہونا۔ ان تمام صورتوں میں ان تمام افراد پر جب روزہ فرض ہو گا، اسی وقت ان کا نیت کر لینا کافی ہو گا، اگرچہ انھوں نے کھا پی بھی لیا ہو، مجبوری کی یہ حالتیں درج ذیل حدیث سے مستثنی ہوں گی: ((مَنْ لَمْ

يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ۔)) ...... ''جس نے طلوع فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیت نہ کی، اس کا کوئی روزہ نہیں ہوگا۔''

یہ صحیح حدیث ہے، میں نے (صحیح أبي داود: ٢١١٨) میں اس کی تحقیق پیش کی ہے۔ ہم نے اس حدیث سے جو استدلال پیش کیا ہے، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ امام شوکانی اور دیگر محققین کی بھی یہی رائے ہے۔

اعتراض: ...... اس حدیث کا تعلق تو یوم عاشورا سے ہے، جبکہ اس سے استدلال کر کے رمضان کے بارے میں جو دعوی پیش کیا گیا ہے، وہ عام ہے؟

جواب: ...... لفظوں کی حد تک یہ اعتراض درست ہے، حقیقت یہ ہے کہ عاشورا کا روزہ بھی فرض تھا اور رمضان کے روزے بھی فرض ہیں، دونوں کا مشترک وصف فرضیت ہے، اس لیے ہمارا استدلال درست ہے۔

ابو الحسن سندھی نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں کہا: جو احادیث عاشورا کے روزے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے، جس کے مطابق آپ ﷺ نے اس روزے کا اتنا اہتمام کیا کہ اس سے اس کا فرض ہونا لازم آتا ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ دوسری احادیث اس روزے کے منسوخ ہونے کی شہادت دیتی ہیں اور اس کی منسوخیت پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔

لیکن اس روزے کے منسوخ ہونے کے باوجود اس سے یہ استدلال کرنا درست ہے کہ دن کو فرضی روزے کی نیت کی جا سکتی ہے۔

اس استدلال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ عاشورا کا روزہ تو منسوخ ہو چکا ہے، اس لیے اس حدیث سے کوئی استدلال کرنا بے معنی ہوگا، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دو امور پر دلالت کرتی ہے:

(١) عاشورا کا روزہ فرض ہے اور

(٢) دن کو بھی فرضی روزے کی نیت کی جا سکتی ہے۔

پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن اس کے نسخ سے دوسرے حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔

ابھی تک ایک مسئلہ باقی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں پر رات کو روزے کی نیت کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے، جب ان کو روزے کا علم ہو، اگر طلوع فجر کے بعد دن کے کسی حصے میں پتہ چلے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو ایسی صورت میں اسی وقت نیت کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اگر رات کو ہی رمضان کا چاند نظر آنے کا علم ہو جائے تو سحری سے پہلے روزے کی نیت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ مختلف نصوص شرعیہ میں یہی جمع و تطبیق حق ہے۔ امام ابن حزم کی (المحلى: ٦/ ١١٦) میں پیش کی گئی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے، انھوں نے اپنی بحث کے آخر میں کہا: سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے، جیسا کہ عبد الکریم جزری بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے یکم رمضان کی صبح ہو جانے کے بعد یہ گواہی دی کہ انھوں

نے رات کو چاند دیکھا تھا۔ ان کی اس شہادت کو معتبر سمجھتے ہوئے عمر بن عبدالعزیز نے یہ حکم نافذ کیا: جس نے کچھ کھا پی لیا ہے، وہ دن کے بقیہ حصے میں (کھانے پینے سے) رکا رہے اور جس نے کھایا پیا نہیں، وہ اس دن کا روزہ پورا کرے۔
(المصنف لابن ابی شیبہ: ۳ / ٦٩ وسنده صحيح على شرط الشيخين)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، وہ (الاختیارات العلمية: ٤/ ٦٣) میں کہتے ہیں: دن کو فرض روزے کی نیت کر لینا بھی درست ہے، لیکن یہ حکم اس شخص کے لیے جسے رات کو روزوں کی فرضیت کا علم نہ ہو سکا اور طلوع فجر کے بعد دن کے کسی وقت میں شہادتوں کے ذریعے رات کو رمضان کا چاند نظر آنے کا پتہ چلا، ایسا شخص بقیہ دن کا روزہ پورا کرے، اس پر کوئی قضا نہیں ہوگی، اگر چہ اس نے کچھ کھا پی بھی لیا ہو۔''

پھر امام ابن قیم اور امام شوکانی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا، تفصیلی بحث کا خواہشمند درج ذیل کتب کا مطالعہ کرے:
مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۱۰۹، ۱۱۷۔۱۱۸، زاد المعاد: ۱/ ۲۳۵، تهذيب السنن: ۳/ ۳۲۸، نیل الاوطار: ٤/ ١٦٧

اس بحث سے مسلمانوں کی ایک بڑی مشکل آسان ہو سکتی ہے، اور وہ ہے مختلف مطالع کی وجہ سے ہلال رمضان کے نظر آنے یا نہ آنے میں باہمی اختلاف۔ ظاہر بات ہے کہ اگر چاند ایک علاقے میں نظر آ جاتا ہے تو ضروری نہیں کہ ہر علاقہ والے اس کو دیکھ سکیں۔ مثلا: اگر چاند مغرب میں نظر آتا ہے تو ناممکن ہوگا کہ مشرق والوں کو بھی نظر آ سکے۔
اگر علمائے اسلام کا یہ خیال ہے کہ درج ذیل حدیث: ((...... وَصُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ......۔))
(صحیحہ: ٥٦٥)...... '' چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو۔''

اپنے عموم پر باقی ہے اور مختلف مطالع کے ساتھ اس کو مقید کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ مطالع کا سلسلہ غیر محدود اور غیر معین ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ عصر حاضر میں تو ممکن ہے کہ اگر ایک ملک میں چاند نظر آ جاتا ہے تو وہ میڈیا کے ذریعے تمام اسلامی ممالک کو مطلع کر سکتے ہیں، اس صورت میں جس کو رؤیت ہلال کی خبر ہوگی، وہ روزہ رکھے گا، اگر چہ یہ خبر یکم رمضان کو غروب آفتاب سے کچھ وقت پہلے موصول ہو، اس پر کوئی قضا نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس واجب کو ادا کر دیا ہے اور اللہ تعالی کا اصول ہے کہ وہ کسی کی طاقت سے بڑھ کر اس کو تکلیف نہیں دیتا۔

ہمارا خیال ہے کہ تمام اسلامی حکومتیں روزہ رکھنے اور عید منانے کے دن کو متحد و مربوط کریں، جیسا کہ حج کا معاملہ ہے، ہم یہ نہ دیکھنے پائیں کسی علاقے والے اپنے ملک کے ساتھ اور دوسرے علاقے والے دوسرے ملک کے ساتھ روزہ رکھ رہے ہوں۔ اللہ تعالی ہی ہے، جو توفیق دیتا ہے۔ (صحیحہ: ۲٦٢٤) اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاِمَامَ الْجَلِيْلَ الْفَقِيْهَ الْاَلْبَانِيَ۔

(٨٤١)۔ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ

نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان کیا کہ انھوں نے یوم عاشورا کو رسول اللہ ﷺ کو یہ

اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ: ((إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ كَانَ يَصُوْمُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُوْمَهُ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتْرُكَهُ، فَلْيَتْرُكْهُ۔)) (الصحيحة:٣٥٤٨)

فرماتے ہوئے سنا: ''عہد جاہلیت والے لوگ اس دن کا روزہ رکھتے تھے، اب جو اس کا روزہ رکھنا پسند کرتا ہے، وہ رکھ لے اور جو چھوڑنا پسند کرتا ہے، وہ چھوڑ دے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٤٧۔ ١٤٨، والبيهقي في"السنن": ٤/ ٢٩٠، وأخرجه البخاري: ١٨٩٢، ٤٥٠١، وأحمد: ٢/ ٥٧، ١٤٣

(٨٤٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَامَهُ وَالْمُسْلِمُوْنَ قَبْلَ أَنْ يُفْتَرَضَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((إِنَّ عَاشُوْرَاءَ يَوْمٌ مِنْ أَيَّامِ اللّٰهِ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ۔)) (الصحيحة: ٣٥٣١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دورِ جاہلیت کے لوگ یومِ عاشورا (یعنی دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے اور رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمان بھی روزہ رکھتے تھے۔ جب رمضان فرض ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی کے دنوں میں سے ایک دن عاشورا ہے، جو چاہتا ہے اس کا روزہ رکھ لے اور جو چاہتا ہے نہ رکھے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٤٧، وابن أبي شيبة في"المصنف": ٣/ ٥٥، وأحمد: ٢/ ١٤٣، والبيهقي في"السنن": ٤/ ٢٨٩

یوم عاشورا کے ساتھ نو محرم کا روزہ بھی رکھنا چاہیے

(٨٤٣)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((إِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ إِلَى قَابِلٍ صُمْتُ التَّاسِعَ، مَخَافَةَ أَنْ يَفُوْتَنِي يَوْمُ عَاشُوْرَاءِ۔)) (الصحيحة:٣٥٠)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا، تاکہ یوم عاشورا کا روزہ فوت ہو جانے کا خطرہ (ختم ہو جائے)۔''

تخريج:أخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ٣/ ٩٩/ ٢، واخرجه مسلم و غيره دون قوله: ((مخافة......))

شرح:...... سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے عاشورا کے روزے کے ثواب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔'' (مسلم: ١١٦٢)

یوم عاشورا سے مراد محرم کا دسواں دن ہے، اس دن کے روزے کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھتے تھے، سبب دریافت کرنے پر انھوں نے بتلایا کہ اللہ تعالی

نے اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ (بخاری: ٢٠٠٤، مسلم: ١١٣٠)

لیکن جب آپ ﷺ اور صحابہ نے اس دن کے روزے کا اہتمام کیا تو لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہود و نصاریٰ بھی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگلے سال ہم ان شاء اللہ نو محرم کا روزہ رکھیں گے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا۔'' لیکن آپ ﷺ اس خواہش پر عمل نہ کر سکے اور اسی سال وفات پا گئے۔ (مسلم: ١١٣٤)

آپ ﷺ کے اس عزم کے دو مطلب لیے جا سکتے ہیں: (۱) آئندہ دس محرم کے ساتھ ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھیں گے، تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو۔ (۲) آئندہ صرف نو محرم کا روزہ رکھیں گے، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ اس لیے سلف صالحین کے ہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا، اگرچہ جمہور علما و فقہا کی رائے یہی ہے کہ یوم عاشورا دس محرم ہی ہے، جبکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ یوم عاشورا نو محرم ہے۔

جمہور کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس صورت میں آپ ﷺ کے عزم کا یہ معنی ہوگا کہ ہم دس محرم کے ساتھ ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھیں گے، تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو سکے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ہفتہ والے دن روزہ رکھنے سے منع کیا، آپ ﷺ کا مقصود یہودیوں کی مشابہت سے بچنا تھا، جیسا کہ شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی نے کہا، لیکن پھر اس صورت میں اجازت دے دی کہ اگر اس کے ساتھ جمعہ کے دن کا روزہ رکھا جائے تو سنیچر وار کا روزہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔

ایک اور مثال سے اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے: سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ....صحابہ نے کہا: اے اللہ رسول! بیشک اہل کتاب چمڑے کے موزے پہنتے ہیں اور جوتے نہیں پہنتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنْتَعِلُوْا وَتَخَفَّفُوْا وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ۔)) ......''تم جوتے بھی پہنو اور موزے بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

(صحيحه: ١٢٤٥، أحمد: ٥/٢٦٤، الشعب للبيهقي: ٢/٢٥٩/٢)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اہل کتاب کی مخالفت کے لیے موزوں کو ترک کی تعلیم نہیں دی، بلکہ ان کے ساتھ جوتوں کے استعمال کا اضافہ کر دیا۔ مخالفت کی صورت یہ ہوگئی کہ وہ صرف موزے پہنتے ہیں اور ہم موزے بھی پہنتے ہیں اور جوتے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح دس محرم کے ساتھ ساتھ نو محرم کا روزہ رکھنا بھی اہل کتاب کے ساتھ مخالفت کرنے کی ایک صورت ہے۔ واللہ اعلم

شب قدر

(٨٤٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ، أَنَّ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا، وَأُرَانِي صُبْحَهَا أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِيْنٍ۔)) قَالَ: فَمُطِرْنَا لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ، فَصَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَانْصَرَفَ، وَإِنَّ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ عَلٰى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ۔ (الصحيحة:٣٩٨٥)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے شب قدر دکھائی گئی، لیکن پھر بھلا دی گئی۔ میرا خیال ہے کہ اس رات کی صبح کو میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہاں ہوں گا۔'' انھوں نے کہا: (رمضان کی) تئیس تاریخ کو بارش ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو (دیکھا گیا کہ) آپ کے چہرے اور ناک کو پانی اور مٹی کا نشان تھا۔

تخريج: أخرجه مسلم:٣/ ١٧٣، والبيهقي:٤/ ٣٠٩

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں رمضان کی تئیسویں رات قدر والی تھی، اس سے ان لوگوں کا ردّ ہو جاتا ہے، جو صرف ستائیسویں تاریخ کو قدر والی رات قرار دیتے ہیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا تھا اور نہ آپ علم غیب جانتے تھے، وگرنہ یہ دعوی کرنے والے لوگ اس چیز کے بارے میں کیا کہیں گے کہ پہلے آپ ﷺ کو شب قدر کی نشانیاں بتا دیں، پھر بھلا دیں گئیں؟ کیا ہر چیز کا علم رکھنے والی اور علم غیب جاننے والی ذات بھی بھول سکتی ہے؟

(٨٤٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ أَيْقَظَنِي بَعْضُ أَهْلِي فَنَسِيْتُهَا، فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ۔)) (الصحيحة:٣٩٨٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے میری کسی بیوی نے بیدار کر دیا، پس میں اس کو بھول گیا، تم اس کو آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔''

تخريج: أخرجه مسلم:٣/ ١٧١، والدارمي:٢/ ٢٨، والنسائي في "السنن الكبرى": ٢/ ٢٧٠/ ٣٣٩٢، وابن حبان:٥/ ٢٧٢/ ٣٦٧٠، والبيهقي:٤/ ٣٠٨

(٨٤٦)۔ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أُطْلُبُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَإِنْ غُلِبْتُمْ فَلَا تُغْلَبُوْا عَلَى السَّبْعِ الْبَوَاقِي۔)) (الصحيحة:١٤٧١)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شب قدر (ماہِ) رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو، اگر اتنا نہ کر سکو تو (ایسا نہ ہونے پائے کہ) تم آخری سات راتوں سے بھی مغلوب ہو جاؤ۔''

تخريج: أخرجه عبد الله بن أحمد في "زوائد المسند" ١/ ١٣٣

شرح:...... ہر عبادت گزار کو بالخصوص طاق راتوں کا قیام ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ دلائل کی رو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ طاق راتوں میں سے کوئی ایک شب قدر ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس عظیم عبادت کی

بجائے اس رات کے جشن اور چراغاں میں مصروف رہتے ہیں۔

(۸٤۷)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَقَالَ: ((إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَإِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسٰى أَنْ يَكُوْنَ خَيْراً لَّكُمْ، الْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ۔)) (الصحيحة:۳۵۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کے (تعین کے) بارے میں آگاہ کرنے کے لیے نکلے، (راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ) دو مسلمان آدمی جھگڑ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تو تم لوگوں کو شب قدر کے بارے میں بتلانے کے لیے نکلا تھا، لیکن فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے، اس وجہ سے (اس کی علامتیں یا اس کا تعین) اٹھا لیا گیا، ممکن ہے کہ یہی چیز تمہارے لیے بہتر ہو، اب اس کو ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں راتوں میں تلاش کرو۔

تخريج: رواه البخاري:٤٩، ٢٠٢٣، ٦٠٤٩، والشافعي في "مسنده": ٧٣٧، والدارمي: ٢/ ٢٧۔ ٢٨، والنسائي في "الكبرى": ٣٣٩٤، ٣٣٩٥، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٢/ ٥١٤ و ٣/ ٧٣، وابن خزيمة: ٢١٩٨، وابن حبان: ٣٦٧٩، والبغوي في "شرح السنة": ١٨٢١، والبيهقي: ٤/ ٣١١، وأحمد: ٥/ ٣١٣ و ٣١٩، وابن عبدالبر في "التمهيد": ٢/ ٢٠٠

شرح:...... ہم نے "اَلْتَمِسُوْهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ" کا معنی ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں کیا ہے، کیونکہ اسماعیل کی جعفر کی روایت میں ان الفاظ کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے: "اَیْ فِيْ تِسْعٍ وَ عِشْرِيْنَ وَ سَبْعٍ وَ عِشْرِيْنَ وَ خَمْسٍ وَ عِشْرِيْنَ" البتہ مسند احمد کی روایت میں ہے: "فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى" کے الفاظ ہیں۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ٤/ ٣٣٨) بہر حال اس اختلاف سے اصل نتیجے پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ شب قدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔

(۸٤۸)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔)) (الصحيحة:٣٦١٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔''

تخريج: رواه البخاري: ٢٠١٧، وأحمد: ٦/ ٧٣، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣٠٨، والبغوي في "شرح السنة": ١٨٢٤، وفي "تفسيره": ٨/ ٤٨٧

(۸٤۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَيْلَةُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَابِعَةٍ أَوْ تَاسِعَةٍ وَعِشْرِيْنَ، إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ الْحَصٰى۔)) (الصحيحة:٢٢٠٥)

نے فرمایا: ''شبِ قدر، ستائیسویں یا انتیسویں تاریخ کو ہوتی ہے، اس رات کو کنکریوں سے زیادہ فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ٢٥٤٥، وعنه أحمد: ٢/ ٥١٩، كذا ابن خزيمة في "صحيحه": ٢٢٣/ ٢

شرح:...... مندرجہ بالا اور اس موضوع کی دوسری روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں کا قیام کرنے کا اہتمام کیا جائے، ان ہی میں شبِ قدر کا وجود ملتا ہے، ان پانچ راتوں کو قیام کرنے والا لیلۃ القدر کو پالے گا۔ جس حدیث میں صرف ستائیسویں رات کا ذکر ہے، حافظ ابن حجر نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ویسے بھی اگر اس موضوع کی تمام روایات پر نگاہ ڈالی جائے تو وہ احادیث جن میں ان پانچ طاق راتوں میں سے بھی تخصیص کر دی گئی تو ان کو اسی سال کے رمضان کی شبِ قدر پر محمول کیا جائے گا۔ اس تاویل کا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایک رمضان کی تئیسویں رات قدر والی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرضی روزہ توڑنا کیسا ہے؟
کیا نفلی روزہ توڑنے کی قضا ہے؟

(٨٥٠)۔ عَنْ أُمِّ هَانِي: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ شَرِبَ شَرَابًا فَنَاوَلَهَا لِتَشْرَبَ، فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ وَلٰكِنْ كَرِهْتُ أَنْ أَرُدَّ سُؤْرَكَ فَقَالَ: ((إِنْ كَانَ قَضَاءٌ مِنْ رَمَضَانَ فَاقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ، وَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَإِنْ شِئْتِ فَاقْضِي وَإِنْ شِئْتِ فَلَاتَقْضِي۔)) (الصحيحة:٢٨٠٢)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پانی پیا اور (باقی ماندہ پانی) مجھے تھما دیا، تاکہ میں پی لوں۔ میں نے کہا: میں روزے دار بھی تھی، لیکن یہ بات بھی ناپسند تھی کہ آپ کا جوٹھا واپس کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ روزہ قضائے رمضان کا ہے تو پھر رکھ لینا اور اگر نفلی ہے تو (تیری مرضی ہے) چاہے تو قضائی دے دینا اور چاہے تو قضائی نہ دینا۔''

تخریج: أخرجه بهذا اللفظ أحمد: ٦/ ٣٤٣۔٣٤٤، والدارمي: ٢/ ١٦، والطحاوي في "شرح المعاني": ١/ ٣٥٣۔هندية، والطيالسي أيضا رقم: ١٦١٦، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٤٠٧/ ٩٩٠

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام شوکانی نے (السيل الجرار: ٢/ ١٥١) میں صاحبِ (حدائق الأزهار) کی یہ رائے پیش کی کہ وہ شخص گنہگار ہوگا جو روزوں کی قضائی دیتے ہوئے روزہ توڑ دیتا ہے، پھر انھوں نے اس حدیث کی روشنی میں اس کی رائے کا ردّ کیا اور کہا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضا کرنے والے روزہ توڑ کر اس کی جگہ کسی دوسرے دن کا روزہ رکھ سکتا ہے، اگرچہ

اس روایت میں کچھ نقد ہے، لیکن یہ ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ قضا کرنے والے کے لیے روزہ توڑ دینا جائز نہیں ہے۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں:

(اولاً)...... حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث امام شوکانی کے دعوے کی تائید نہیں کرتی، کیونکہ آپ ﷺ کا کسی آدمی کو توڑے ہوئے روزے کی قضائی کا حکم دینا، اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ روزہ توڑنا جائز ہے، یہ نقطہ واضح ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ رمضان میں بالاتفاق روزہ توڑنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے روزہ توڑنے والے کو کفارہ کی ادائیگی کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ روزہ کی قضا کا بھی حکم دیا۔ میں نے یہ حدیث تمام طرق سمیت (صحیح أبی داود: ۲۰۷۳) میں بیان کی ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر نے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے امام شوکانی نے (النیل الأوطار: ٤/ ١٨٤ـ ١٨٥) اور (السیل الجرار: ٢/ ١٢٠ـ ١٢١) میں اس حدیث کو قوی قرار دیا۔

اسی طرح اس حدیث کا معاملہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نے سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کو توڑے ہوئے روزے کی قضا کا حکم دیا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ روزہ توڑنا جائز ہو گیا ہے۔

(ثانیاً)...... جامع ترمذی وغیرہ کی روایت کے مطابق سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: (اے اللہ کے رسول!) میں نے گناہ کیا ہے، آپ میرے لیے بخشش طلب کریں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' انھوں نے کہا: میں نے روزہ توڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا کوئی قضا دے رہی تھیں؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔

دیکھیں: اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی ہیں، تو یہ گنجائش ہی ختم ہو گئی کہ ان پر روزہ توڑنے کا انکار کیا جائے، اگرچہ وہ قضا کا روزہ ہو۔ صرف یہ صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس کے لیے اس روزے کی قضا دینے کی وضاحت کر دی جائے، جو کہ اس حدیث میں کر دی گئی ہے۔

امام ابوداود نے اپنی روایت میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعاً۔)) ...... ''اگر نفلی روزہ تھا تو تیرا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

اس روایت کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ فرضی روزہ توڑنے کی صورت میں اس کا نقصان ہوتا۔

(ثالثاً)...... اصل کا اعتبار کرنا بھی ایک دلیل ہے، جیسے رمضان میں بغیر عذر کے روزہ توڑنا جائز نہیں ہے، یہی معاملہ رمضان کے قضا والے روزے کا ہے۔ جو ان دو صورتوں میں فرق کرے گا، وہ دلیل پیش کرے گا۔

(رابعاً)...... امام شوکانی نے (نیل الاوطار: ٤/ ٢٢٠) میں ابن منیر کے درج قول کو درست تسلیم کیا: ''بغیر عذر کے نفلی روزے کو توڑ دینے کی حرمت عام دلائل سے ثابت ہوتی ہے، جیسے ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تُبْطِلُوٓا أَعْمَالَكُمْ۔﴾ (سورۂ محمد: ٣٣) ...... ''اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔'' یہ بات علیحدہ ہے کہ خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے، جیسے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے......''

ابن منیر کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ہماری رائے کی واضح دلیل ہے کہ بغیر عذر کے فرضی روزہ توڑنا گناہ ہے اور کوئی ایسی خاص دلیل نہیں ہے، جو اس کے جواز پر دلالت کرے۔ والله سبحانه وتعالى اعلم۔ (صحیحہ:۲۸۰۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے فرضی روزہ توڑنے والا گنہگار ہوگا، لیکن اسے قضائی دینا پڑے گی، ہاں اگر کوئی مباشرت اور ہم بستری کے ذریعے روزہ توڑتا ہے تو اس نے قضائی بھی دینی ہے اور کفارہ بھی ادا کرنا ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ لگاتار روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

موسم سرما میں روزے مفت کی غنیمت ہیں

(۸۵۱)۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ مَرْفُوعاً: ((الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ الْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ۔)) (الصحيحة:۱۹۲۲)

حضرت عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سردیوں کے روزے مفت کی غنیمت ہیں۔''

تخريج: رواه أحمد: ٤/ ٣٣٥، وأبوعبيد في "الغريب": ٩٥/ ٢، والسري بن يحي في "حديث الثوري": ٢٠٤/ ١، وابن أبي الدنيا في "التهجد": ٢/ ٦٠/ ٢، أبوالعباس الأصم في "جزء من حديثه": ١٩٢/ ٢ مجموع ٢٤، وابن ابى شيبة فى "المصنف": ٢/ ١٨١/ ٢، والبيهقى فى "السنن": ٤/ ٢٩٦

شرح: ...... حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ دن چھوٹے ہوتے ہیں اور پیاس کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہوتا، ایسے میں مسلمان کو ایسا مال غنیمت اکٹھا کر لینا چاہیے۔

نفلی روزوں کی افضل کمیت

(۸۵۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَفْضَلُ الصَّوْمِ: صَوْمُ أَخِي دَاوُدَ، كَانَ يَصُوْمُ يَوْماً، وَيُفْطِرُ يَوْماً وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى۔)) (الصحيحة: ۳۹۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بھائی حضرت داود (علیہ السلام) کے روزے سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور جب دشمن کا سامنا ہوتا تو بھاگتے نہیں تھے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٧٧٠، وأحمد: ٢/ ١٦٤، ١٩٠، وأخرجه الشيخان ايضا

شرح: ...... معلوم ہوا کہ روزوں کی افضل کمیت یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن ترک کیا جائے۔

ایک ماہ میں صرف تین روزے رکھنے کا حکم

(۸۵۳)۔ عَنْ كَهْمَسٍ الْهِلَالِيِّ، قَالَ:

حضرت کہمس ہلالی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے اسلام قبول

أَسْلَمْتُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ بِإِسْلَامِي ، فَمَكَثْتُ حَوْلًا وَقَدْ ضَمَّرْتُ وَنَحَلَ جِسْمِي ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَخَفَضَ فِيَّ الْبَصَرَ ثُمَّ رَفَعَهُ ، قُلْتُ: أَمَا تَعْرِفُنِي؟ قَالَ: ((وَمَنْ أَنْتَ؟)) قُلْتُ: أَنَا كَهْمَسٌ الْهِلَالِيُّ ، قَالَ: ((فَمَا بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى؟)) قُلْتُ: مَا أَفْطَرْتُ بَعْدَكَ نَهَاراً ، وَلَا نِمْتُ لَيْلاً فَقَالَ: ((وَمَنْ أَمَرَكَ أَنْ تُعَذِّبَ نَفْسَكَ؟ صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ ، وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ يَوْماً۔)) قُلْتُ: زِدْنِي ، قَالَ: ((صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ ، وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ يَوْمَيْنِ۔)) قُلْتُ: زِدْنِي أَجِدُ قُوَّةً ، قَالَ: ((صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔)) (الصحيحة:٢٦٢٣)

کیا، تو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اپنے اسلام کے بارے میں آگاہ کیا (اور چلا گیا)۔ پھر میں نے وہاں ایک سال تک قیام کیا۔ لیکن میں دبلا پتلا ہو گیا اور میرا جسم کمزور پڑ گیا۔ پھر میں آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے (میرے وجود کے) نیچے والے حصے پر نگاہ ڈالی اور پھر اوپر والے حصے پر۔ (یعنی آپ نے مجھے پہچاننے کے لیے بغور دیکھا)۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے پہچانتے نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کون ہو؟'' میں نے کہا: میں کہمس ہلالی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اتنا کمزور نظر کیوں آ رہا ہے؟'' اس نے کہا: میں نے آپ (سے ملاقات کرنے) کے بعد ایک دن بھی افطار نہیں کیا اور نہ کسی رات کو سویا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کس نے تجھے حکم دیا کہ تو اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کر دے؟ صبر والے مہینے کے روزے اور (باقی مہینوں میں سے) ہر ماہ میں ایک روزہ رکھا لیا کر۔'' میں نے کہا: میرے لیے زیادہ (روزوں کی گنجائش) نکالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ' صبر والے ماہ کے روزے رکھ لے اور ہر ماہ میں دو دنوں کے۔'' اس نے کہا: میرے لیے مزید (گنجائش) نکالیں، کیونکہ مجھ میں طاقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر والے مہینے کے روزے رکھ لے اور ہر ماہ میں تین دنوں کے۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "التاريخ الكبير": ٤/ ١/ ٢٣٨۔٢٣٩ ، والطيالسي في "مسنده": ٣١ ، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٩/ ١٩٤/ رقم ٤٣٥

شرح:...... ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، اگر ایک ماہ میں تین روزے رکھ لیے جائیں تو پورے مہینے کے روزوں کا ثواب ملے گا، اگر ساری زندگی یہی روٹین جاری رہے تو ساری زندگی کے روزوں کے ثواب ملے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ۔)) ...... ''ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا، سارا سال روزہ رکھنے کے برابر ہے یا (ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے)۔'' (بخاری: ١٩٧٩، مسلم: ١١٥٩)

(٨٥٤)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ

معاویہ بن قرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر ماہ تین روزے رکھنا زمانہ بھر کے

شَهْرٍ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِفْطَارُهُ۔)) روزے رکھنا بھی ہیں اور افطار کرنا بھی۔"

(الصحيحة:٢٨٠٦)

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٩، ٥/ ٣٤، وابن حبان: ٣٦٤٥

شرح:...... چونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، اس طرح ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کی وجہ سے تیس روزوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور چھبیس ستائیس دن افطار کرنے کی سہولت بھی مل جاتی ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس حدیث کی تائید آپ ﷺ کے درج ذیل ارشاد سے ہوتی ہے: ((مَنْ صَامَ الْاَبَدَ فَلَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ۔)) (أخرجه ابن حبان وغيره بسند صحيح كما في التعليق الرغيب: ٢/ ٨٨) ...... "جس نے ہمیشہ روزے رکھے، اس نے نہ روزہ رکھا، نہ افطار کیا۔"

شارع علیہ السلام نے ہر ماہ کے تین روزوں کو پورے زمانے کے روزوں کے برابر قرار دیا ہے، اس لیے، جو آدمی ہر ماہ میں تین ایام کا اہتمام کرے گا، وہ گویا کہ پورے زمانے کے روزے بھی رکھ لے گا اور افطار بھی کر رہا ہے (کہ ایک ماہ میں چھبیس ستائیس دن روزے نہیں رکھتا)۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۲۸۰۶)

ایام بیض کے روزے

(٨٥٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَانَ ﷺ لَا يُفْطِرُ أَيَّامَ الْبِيْضِ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ۔

(الصحيحة:٥٨٠)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سفر ہوتا یا حضر، آپ ﷺ ایام بیض کے روزے ترک نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه النسائي في "سننه": ١/ ٣٢١

(٨٥٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِأَرْنَبٍ قَدْ شَوَاهَا، وَجَاءَ مَعَهَا بِأَدَمِهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَمْسَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَأْكُلْ، وَأَمْسَكَ أَصْحَابُهُ فَلَمْ يَأْكُلُوْا وَأَمْسَكَ الْأَعْرَابِيُّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَأْكُلَ؟)) قَالَ إِنِّي أَصُوْمُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنَ الشَّهْرِ، قَالَ: ((إِنْ كُنْتَ صَائِمًا فَصُمْ أَيَّامَ الْغُرِّ۔)) يَعْنِي: اَلْأَيَّامَ الْبِيْضِ۔

(الصحيحة:١٥٦٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بھونا ہوا خرگوش اور اس کے ساتھ اس کا سالن بھی لے کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ رکے رہے اور نہ کھایا اور صحابہ کرام بھی رک گئے اور کچھ نہ کھایا اور بدو خود بھی رکا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو کیوں نہیں کھا رہا؟" اس نے کہا: میں ہر ماہ کو تین روزے رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے روزے رکھنے ہیں تو چمک والے (یعنی چاندنی راتوں والے) دنوں کا روزہ رکھا کرو۔" آپ ﷺ کی مراد ایام بیض تھے۔

تخریج: أخرجه النسائي: ۱/ ۳۲۸، وابن حبان: ۹٤٥، وأحمد: ۲/ ۳۳٦و ۳٤٦

شرح: ...... ایام بیض کی وضاحت سنن ابی داود کی ایک صحیح روایت میں موجود ہے، حضرت ملحان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نَصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ قَالَ وَقَالَ هُنَّ: ((كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ.)) ...... رسول اللہ ﷺ ہمیں ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''یہ زمانہ بھر کے روزوں کی مانند ہے۔''

ایام بیض کے تین روزوں کو زمانہ بھر کے روزوں کی مانند قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، اگر ایک ماہ میں تین روزے رکھ لیے جائیں تو پورے مہینے کے روزوں کا ثواب ملے گا، اگر ساری زندگی یہی روٹین جاری رہے تو ساری زندگی کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

سال کے چھ دنوں کا روزہ رکھنا منع ہے

(۸۵۷)۔ عَنْ أَنَسٍ: نَهَى ﷺ عَنْ صَوْمِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنَ السَّنَةِ: ثَلَاثَةِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، وَيَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحٰى، وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ مُخْتَصَّةً مِّنَ الْأَيَّامِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سال میں چھ دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا: ایام تشریق کے تین دن، عید الفطر کا دن، عید الاضحیٰ کا دن، جمعہ کے دن کو خاص کر کے روزہ رکھنا۔

(الصحيحة: ۲۳۹۸)

تخریج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ۱/ ۱۹۱، والطحاوي في "شرح المعاني": ۱/ ٤۲۹

شرح: ...... ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا بھی منع ہے، جیسا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَصُمْ يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِي فَرِيْضَةٍ وَلَوْ لَمْ تَجِدْ إِلَّا لِحَاءَ شَجَرَةٍ فَأَفْطِرْ عَلَيْهِ.)) ...... ''سنیچروار کا روزہ نہیں رکھنا، الا یہ کہ فرضی روزے ہوں۔ اگر تجھے درخت کی چھال کے علاوہ کچھ نہ ملے، تو وہی کھا کر (روزہ نہ رکھنے کی علامت پیش کر دینا)۔ (صحیحہ: ۳۱۰۱) ہاں اگر ہفتہ کے دن کے ساتھ جمعہ کے دن کا روزہ بھی رکھا لیا جائے تو پھر درست ہو گا۔

قیام اللیل میں دو دو رکعت قیام

(۸۵۸)۔ عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ ﷺ إِذَا تَهَجَّدَ يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ تہجد پڑھتے تو دو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

(الصحيحة: ۲۳٦٥)

تخریج: رواه ابن نصر في "قيام الليل": ص ٥٠

شرح: ...... آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ دو دو رکعت ادا کر کے رات کا قیام مکمل کرتے تھے، نماز وتر کا مسئلہ

علیحدہ ہے، اس کی ایک، تین، پانچ، سات اور نو رکعتیں ادا کرنا مسنون ہیں۔

ایک رکعت نمازِ وتر درست ہے

(۸۵۹)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَا يَزِيْدُ عَلَيْهَا، فَيُقَالُ لَهُ: أَتُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ لَا تَزِيْدُ عَلَيْهَا يَا أَبَا إِسْحَاقَ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَلَّذِي لَا يَنَامُ حَتّٰى يُوْتِرَ حَازِمٌ۔))

(الصحيحة:۲۲۰۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ مسجد نبوی میں نمازِ عشا ادا کرتے تھے اور اس کے بعد صرف ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ ان کو کہا گیا: ابو اسحاق! تم صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہو اور مزید کوئی نماز نہیں پڑھتے، (کیا وجہ ہے)؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''وہ بندہ محتاط (اور دور اندیش ہے) جو سونے سے پہلے وتر ادا کر لیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد:۱/ ۱۷۰

شرح:......وتر کی رکعات کی درج ذیل تعداد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱) ایک وتر (صحیح بخاری: ۹۹۰، صحیح مسلم: ۷۴۹)

(۲)...... تین وتر (صحیح بخاری: ۲۰۱۳، صحیح مسلم: ۷۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات وتر پڑھو (اور تین پڑھ کر) مغرب کی مشابہت نہ کرو۔ (دارقطنی: ۱۶۳۴ بیہقی: ۳/ ۳۱، شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۹۲)

معلوم ہوا کہ تین وتر یا تو ایک سلام اور ایک تشہد کے ساتھ پڑھے جائیں یا پھر دو سلام کے ساتھ۔ ان دو صورتوں میں نمازِ وتر کی نمازِ مغرب کے ساتھ مشابہت نہیں رہتی۔

(۳) پانچ وتر۔ بیچ میں کوئی تشہد نہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۳۷)

(۴) سات وتر (صحیح مسلم: ۷۴۶) چھ رکعات کے بعد درمیانہ تشہد ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۷۴۶ مختصراً، ابوداود: ۱۳۴۲، نسائی: ۱۶۰۲)

(۵) نو وتر۔ آٹھویں رکعت کے بعد درمیانہ تشہد بیٹھیں۔ (صحیح مسلم: ۷۴۶)

اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں کہ بعض احباب ان بیّن دلائل کے باوجود صرف تین رکعات کے درست ہونے اور باقی تعداد کے درست نہ ہونے پر کیوں مصر ہیں؟

وتر رات کی نماز ہے

(۸۶۰)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ مَرْفُوْعاً: ((اَلْوِتْرُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

بِاللَّيْلِ۔)) (الصحيحة:٢٤١٣) اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نمازِ وتر رات کو ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٣/ ٤ ، وابو يعلى: ١/ ٣٣٢

شرح:...... بلاشک وشبہ وتر رات کی نماز ہے، نمازِ عشا سے طلوع فجر تک اس کا وقت جاری رہتا ہے،

سحری کا کھانا بابرکت ہے

(٨٦١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْبَرَكَةَ فِي السَّحُورِ وَالْكَيْلِ۔)) (الصحيحة:١٢٩١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سحری اور ناپ میں برکت رکھی ہے۔''

تخريج: رواه الخطيب في "الموضح" ١/ ٢٦٣

(٨٦٢)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ أَرَادَ أَنْ يَصُومَ فَلْيَتَسَحَّرْ بِشَيْءٍ۔)) (الصحيحة:٢٣٠٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو روزہ رکھنا چاہتا ہو، وہ کسی چیز کے ساتھ سحری کر لیا کرے۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٣/ ٣٦٧، ٣٧٩

(٨٦٣)۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ ، يَعْنِي: السَّحُوْرَ۔)) (الصحيحة:٢٩٨٣)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ بابرکت کھانے کی طرف۔'' آپ کی مراد سحری کا کھانا تھا۔

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الصغرى": ١/ ٣٠٤، وفي "الكبرى": ٢/ ٨٠/ ٢٤٧٥

(٨٦٤)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((عَلَيْكُمْ بِغَدَاءِ السَّحُوْرِ ، فَإِنَّهُ هُوَ الْغَدَاءُ الْمُبَارَكُ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٨)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سحری کا کھانا ضرور کھایا کرو، کیونکہ وہ بابرکت کھانا ہے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٠٤، وفي "الكبرى": ٢/ ٧٩/ ٢٤٧٤، وأحمد: ٤/ ١٣٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٠/ ٢٧١/ ٦٤١، و"مسند الشاميين": ٢/ ١٧١ ـ ١٧٢/ ١١٣٠

شرح:...... آپ ﷺ نے کئی احادیث میں سحری کھانے کی ترغیب دلائی ہے، اس لیے سحری کھانے کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر طبیعت کھانا کھانے پر آمادہ نہ ہو رہی ہو تو پھر بھی کوئی معمولی مقدار کھا پی کر اس حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

سحری کا کھانا کھانے والوں کی فضیلت

(۸٦٥)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٩)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٨٨٠۔ موارد، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٧/ ٢٢٢/ ٦٤٣٠، وأبونعيم في "الحلية": ٨/ ٣٢٠، والأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٢٦/ ١٧٦٦

(٨٦٥م)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ۔)) (الصحيحة:١٦٥٤)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔''

تخريج: رواه أبو العباس الأصم في "جزء من حديثه": ١٨٨/ ٢ مجموع ٢٤، وابن حبان: ٨٨٠، والروياني في "مسنده": ٢٤٩/ ١، والخلال أبوعبدالله في "المنتخب من المنتخب من تذكرة شيوخه": ٤٨/ ١، وكذا الطبراني في "الأوسط": ١/ ٩٩/ ٢

شرح:...... عجیب بات ہے کہ بندہ کھانا کھا رہا ہے اور اس کھانے کی وجہ سے اللہ تعالی اس پر رحمت بھیج رہا ہے اور فرشتے اس پر نزول رحمت کی دعا کر رہے ہیں۔ دراصل یہ روزے کی برکات ہیں۔

کھجور، سحری کا بہترین کھانا ہے

(٨٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔)) (الصحيحة:٥٦٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا سحری کا بہترین کھانا کھجور ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٨٨٣، والبيهقي: ٤/ ٢٣٦

شرح:...... طبی اعتبار سے کھجور ایک مکمل غذا ہے، بدن کے لیے انتہائی مفید ہے، اس لیے افطاری کی طرح سحری میں بھی کھجور کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بامر مجبوری طلوعِ فجر کے بعد سحری کھانا

(٨٦٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اس حال میں اذان سنے کہ برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس کو نہ رکھے، حتی کہ

حَاجَتَهُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة: ١٣٩٤) اپنی حاجت پوری کر لے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ١/ ٥٤٩- حلبي، وابن جرير الطبري في "التفسير" ٣/ ٥٢٦/ ٣٠١٥، وأبو محمد الجوهري في "الفوائد المنتقاة" ١/ ٢، والحاكم: ١/ ٤٢٦، والبيهقي: ٤/ ٢١٨، وأحمد: ٢/ ٤٢٣، ٥١٠

شرح: ...... اگرچہ کلیہ یہ ہے کہ طلوع فجر صادق سے ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کے لیے اذان فجر کو معیار قرار دیا تھا، کیونکہ طلوع فجر اور اذان فجر کا ایک وقت ہوتا ہے، اس حدیث میں ایک رخصت کا بیان ہے کہ اگر کسی آدمی سے تاخیر ہو جاتی ہے اور وہ اذان سے پہلے سحری سے فارغ نہیں ہو پاتا تو اسے چند لقمے کھا لینے کی اجازت ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور کیا جائے کہ ایسے شخص کو ضرورت پورا کرنے کی اجازت ہے، اس رخصت کا یہ مفہوم نہیں کہ اذان سننے کے بعد چائے والے اور مختلف ڈشوں کا اہتمام شروع ہو جائے۔

سحری آخری وقت میں اور افطار پہلے وقت میں کرنا

(٨٦٨)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوعًا: ((بَكِّرُوْا بِالْإِفْطَارِ، وَأَخِّرُوْا السُّحُوْرَ۔)) (الصحيحة: ١٧٧٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''افطاری میں جلدی کرو، لیکن سحری میں تاخیر کرو۔''

تخريج: قال السيوطي في "الجامع الكبير"، والديلمي: ٢/ ١/ ٣

شرح: ...... آپ ﷺ کا یہ حکم خیر و بھلائی کی علامت ہے، جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَايَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُو الْفِطْرَ۔)) ......''لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی پر رہیں گے، جب تک جلدی افطاری کریں گے۔'' (بخاری: ١٩٥٧، مسلم: ١٠٩٨) اور مسند احمد میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ((وأخر والسحور)) کے الفاظ بھی ہیں، یعنی افطاری میں جلدی کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سحری میں تاخیر بھی کرتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((اَحَبُّ عِبَادِيْ اِلَيَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔)) .... ''میرے سب سے محبوب بندے وہ ہیں جو افطاری کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ (ترمذی: ٧٠٠)

اس لیے غروب آفتاب کے بعد فوراً افطاری کر لینی چاہیے، سحری میں تاخیر کرنے کا یہ معنی ہے کہ اس کو آخری وقت میں کھایا جائے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض فرقوں کی یہ عادت ہے کہ وہ افطاری کو غروب آفتاب سے مؤخر کرتے ہیں اور سحری کے بند ہونے کا اعلان وقت سے پہلے کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ غروب آفتاب کے بعد مزید کچھ انتظار کرنا تقویٰ ہے۔ یہ عجیب تقویٰ ہے جو آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق خیر و بھلائی سے دور کر رہا ہے۔

افطاری کا وقت

(٨٦٩)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: كَانَ ﷺ إِذَا كَانَ صَائِماً أَمَرَ رَجُلاً فَأَوْفَى عَلَى نَشْزٍ فَإِذَا قَالَ: قَدْ غَابَتِ الشَّمْسُ، أَفْطَرَ۔ (الصحيحة:٢٠٨١)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ روزے دار ہوتے تو ایک آدمی کو حکم دیتے، وہ اونچی جگہ پر چڑھ جاتا، جب وہ کہتا کہ سورج غروب ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطاری کرتے۔

تخريج: أخرجه الحاكم:١/ ٤٣٤

(٨٧٠)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ لَا يُصَلِّي الْمَغْرِبَ وَهُوَ صَائِمٌ حَتَّى يُفْطِرَ، وَلَوْ عَلَى شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ۔ (الصحيحة:٢١١٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے دار ہوتے تو نمازِ مغرب پڑھنے سے پہلے افطاری کرتے، اگرچہ وہ پانی کا ایک گھونٹ ہوتا۔

تخريج: أخرجه ابن الأعرابي في "معجمه":٢٢٢/ ٢، والطبراني في "الاوسط": ١/ ١٠٠/ ٢، وابو يعلى، والبزار والضياء في "المختارة": ١٠١/ ١، وابن ابي شيبة في "المصنف": ٢/ ١٨٤

شرح:...... ہر کوئی یہ کلیہ تو تسلیم کرتا ہے کہ افطاری کا وقت یہی ہے، لیکن بعض لوگ عملاً تاخیر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کس چیز کے ساتھ افطاری کی جائے؟

(٨٧١)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ يَبْدَأُ إِذَا أَفْطَرَ بِالتَّمْرِ۔ (الصحيحة:٢١١٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطاری کرتے تو کھجور سے ابتدا کرتے۔

تخريج: رواه النسائي في "السنن الكبرى":٦٥/ ٢، والفريابي في "الصيام":٤/ ٦٢/ ٢. وعنه ابن عساكر:٤/ ٢٨٦/ ١، والضياء في "المختارة" ١/ ٢٩٢

(٨٧٢)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كَانَ ﷺ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلَى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ۔ (الصحيحة:٢٨٤٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے پہلے تازہ کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں کے ساتھ اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد وغيره من اصحاب السنن وقد خرجته مفصلا في "الأرواء": ٤/ ٤٥۔٥١، وصحيح أبي داود:٢٠٤

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کو مختصر تخریج کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو

اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے، کیونکہ اکثر روزے دار اس سے غافل ہو چکے ہیں۔ عام دعوتوں میں لذیذ ماکولات اور عمدہ مشروبات کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن وہاں تازہ یا خشک کھجور نظر نہیں آتی، اس سے بری بات یہ ہے کہ کھجوروں کے نہ ہونے کی صورت میں پانی پر افطاری کرتے ہوئے بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں کے لیے خوش خبری ہے، جو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کا مصداق بنتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (سورۂ زمر: ۱۸) ..... ''جو لوگ بات کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور یہی عقل مند ہیں۔''

(صحیحہ: ۲۸٤۰)

روزے اور روزے دار کی فضیلت

(۸۷۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيْدٍ، قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: إِنَّ الصَّوْمَ لِي، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ۔ إِنَّ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَيْنِ: إِذَا افْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ اللّٰهَ فَجَزَاهُ فَرِحَ۔ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔)) (الصحيحة:٣٥١٦)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یقیناً روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ بلاشبہ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: جب وہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اور وہ اُس کو بدلہ دے گا، تو وہ خوش ہو جائے گا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٥٨، والنسائي: ٢/ ٣٠٩، ٣١٠، وأحمد: ٣/ ٥، وأخرجه البخاري: ١٩٠٤، ٧٤٩٢

شرح:...... ویسے تو یہ حدیثِ مبارکہ آسان فہم ہے، لیکن اس میں بعض امور توضیح طلب ہیں۔ مسلمان کے اعمال صالحہ تو سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں، روزے کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) روزے میں ریاکاری کا اندیشہ کم ہوتا ہے، کیونکہ عام طور پر روزے دار کا عمل مخفی رہتا ہے اور یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ اس کا روزہ ہے، جبکہ باقی اعمال کا تعلق ظاہری حرکات سے ہوتا ہے، جیسے نماز، ذکر، حج، زکوۃ وغیرہ۔

(۲) روزے دار کو جزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس کے اجر و ثواب کا کوئی اندازہ نہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے، باقی عبادات کے اجر و ثواب کا کسی نہ کسی انداز میں تعین کر دیا گیا ہے۔

(۳) روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہی اس کا بدلہ دے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ روزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عبادت ہے۔

(۴) ''بیت اللہ'' کی طرح یہ تشریفی اور تعظیمی اضافت ہے، اگر چہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوتے ہیں۔

مزید جوابات کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری: (۴/ ۱۳۵)

روزے دار کی دو خوشیاں: پہلی خوشی سے مراد بھوک اور پیاس زائل ہونے کی وجہ سے طبعی مسرت ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس خوشی کا تعلق روزے کے بخیر و عافیت مکمل ہو جانے سے ہو، جس سے اللہ تعالیٰ کی تخفیف کا اندازہ ہوتا ہے اور اگلے دن کے روزے پر قوت نصیب ہوتی ہے۔ اور دوسری خوشی سے مراد اللہ تعالیٰ یا اجر وثواب کی وجہ سے نصیب ہونے والی مسرت ہے، جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ہوگا۔

''خلوف'' (بو) سے مراد روزے دار کے منہ کی وہ بو ہے جو بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے معدہ سے آتی ہے۔

روزے دار کا بیوی کا بوسہ لینا کیسا ہے؟

(۸۷٤)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ، اَنَّ اَنَسًا الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَ عَطَاءً: اَنَّهُ قَبَّلَ امْرَاَتَهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ صَائِمٌ، فَاَمَرَ امْرَاَتَهُ، فَسَاَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔)) فَاَخْبَرَتْهُ امْرَاَتُهُ، فَقَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يُرَخَّصُ لَهُ فِيْ اَشْيَاءَ، فَارْجِعِيْ اِلَيْهِ فَقُوْلِيْ لَهُ فَرَجَعَتْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: قَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يُرَخَّصُ لَهُ فِيْ اَشْيَاءَ فَقَالَ: ((اَنَا اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَعْلَمُكُمْ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة: ٣٢٩)

عطا بن یسار، ایک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کرے؟ اس نے آپ ﷺ سے پوچھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(کوئی مضائقہ نہیں) رسول اللہ ﷺ خود ایسا کرتے ہیں۔'' اس نے اپنے خاوند پر صورتحال کو واضح کیا، لیکن اس نے کہا: نبی کریم ﷺ کو تو بعض مخصوص چیزوں کی رخصت دی جاتی ہے (جو عام مومنوں کے لیے نہیں ہوتی) لہٰذا تو دوبارہ جا اور آپ کے سامنے میرا یہ اشکال پیش کر۔ وہ دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئی اور کہا: میرا خاوند کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تو بطور اختصاص بعض چیزوں کی اجازت دے دی جاتی ہے (لیکن ہم)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔''

تخريج: أخرجه رواه الامام أحمد: ٥/ ٤٣٤

شرح: ...... نبی کریم ﷺ کے تمام افعال واقوال اور عبادات ومعاملات فرزندانِ امت کے لیے حجت ہیں، کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ یہ کام تو رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا، ہمیں کوئی اور راستہ تلاش کرنا چاہیے۔
ہاں جہاں اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وضاحت ہو جائے کہ فلاں چیز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، تو امت کے افراد کو ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ جیسے بیک وقت چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا۔

(٨٧٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَمْرًا فَتَرَخَّصَ فِيْهِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِهِ، فَكَأَنَّهُمْ كَرِهُوْهُ تَنَزَّهُوْا عَنْهُ فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَقَامَ خَطِيْبًا، فَقَالَ: ((مَابَالُ رِجَالٍ بَلَغَهُمْ عَنِّي أَمْرٌ تَرَخَّصْتُ فِيْهِ، فَكَرِهُوْهُ وَتَنَزَّهُوْا عَنْهُ؟! فَوَاللّٰهِ! لَأَنَا أَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ، وَأَشَدُّهُمْ خَشْيَةً لَهُ۔)) (الصحيحة:٣٢٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا اور پھر اس میں رخصت دے دی۔ جب یہ بات صحابہ کرام تک پہنچی تو انھوں نے اس رخصت کو ناپسند کیا اور اس سے اجتناب کرنے لگے۔ جب آپ ﷺ کو (ان کے رویے) کا علم ہوا تو آپ ﷺ بطورِ خطیب کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، میری طرف سے ایک رخصت والا معاملہ ان تک پہنچا، لیکن انھوں نے ناپسند کیا اور اس سے گریز کرنے لگے؟ اللہ کی قسم! اللہ تعالی کو سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا بھی میں ہوں۔''

تخريج: رواه البخاري: ٦١٠١، ٧٣٠١، ومسلم: ٧/ ٩٠، وأحمد: ٦/ ٤٥، ١٨١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی دی گئی رخصت سے مراد روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا ہے۔ (صحیحہ: ٣٢٨)

(٨٧٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرَبِهِ۔ (الصحيحة:٢٢٠)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ روزے کی حالت میں (اپنی بیویوں کا) بوسہ بھی لے لیتے تھے اور ان کے ساتھ لیٹ بھی جایا کرتے تھے، لیکن وہ اپنی خواہش پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ١٢٠۔١٢١۔فتح، ومسلم: ٣/ ١٣٥، والشافعي في "سننه": ١/ ٢٦١، وأبوداود: ٢/ ٢٨٤۔عون، والترمذي: ٢/ ٤٨، تحفة، وابن ماجه: ١/ ٥١٦و٥١٧، والطحاوي: ١/ ٣٤٥، والبيهقي: ٤/ ٢٣٠، وأحمد: ٦/ ٤٢، ١٢٦

شرح: ...... "إِرْب" کے معانی عضو کے ہیں، مرادی معانی عضوِ خاص کے ہوں گے، جو جماع سے کنایہ ہیں۔

اگر اس لفظ کو "اَرَب" پڑھا جائے تو اس کے معنی حاجت اور ضرورت کے ہوں گے، متن میں یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں روزے دار کے لیے بوسہ لینے کے علاوہ مباشرت یعنی بیوی کے ساتھ لیٹنے اور اسے مس کرنے کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے،...........۔ (صحیحہ:۲۲۰)

(۸۷۷)۔ عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ ﷺ يُقَبِّلُنِي وَهُوَ صَائِمٌ وَأَنَا صَائِمَةٌ۔ (الصحيحة:۲۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ میرا بوسہ لے لیا کرتے تھے، حالانکہ آپ بھی روزے دار ہوتے اور میں بھی روزے دار ہوتی۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ۱/ ۳۷٤، وأحمد:٦/ ۱۳٤، ۱۷٥۔۱۷٦، ۱۷۹، ۲٦۹۔۲۷۰، ۲۷۰، والنسائي في "الكبرى": ق ۸۳/ ۲، والطيالسي: ۱/ ۱۸۷، والشافعي في "سننه": ۱/ ۲٦۰، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ۱/ ۳٤٦، والبيهقي: ٤/ ۲۲۳، وابو يعلى في "مسنده": ۲۱٥/ ۲ واخرجه مسلم في "صحيحه": ۳/ ۱۳٦ من طرق اخرى عن زياده دون السوال وزاد: في رمضان۔

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزے دار رمضان میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے، اگرچہ اس مسئلہ میں علما کے چار اقوال پائے جاتے ہیں، لیکن راجح قول یہی ہے کہ بوسہ لینا جائز ہے، ہاں اس معاملے میں بوسہ لینے والے کے حالات کو سامنا رکھنا چاہیے، اگر وہ نوجوان ہے اور اسے اپنے بارے میں خطرہ ہے کہ ہوسکتا ہے معاملہ جماع تک جا پہنچے گا، جس سے روزہ باطل ہو جائے، تو اسے رک جانا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ نے آپ ﷺ کے بارے میں "لیکن وہ اپنی خواہش پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے" کہہ کر اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ امام طحاوی (۱/۳٤٦) کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، جیسا کہ مسروق کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ روزے کی حالت میں میرا بوسہ بھی لے لیتے تھے اور میرے ساتھ لیٹ بھی جایا کرتے تھے، رہا مسئلہ تم لوگوں کا تو بوڑھے اور ضعیف آدمی کے لیے ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اگرچہ اس کی سند میں حریث بن عمرو ہے، ابن ابی حاتم نے اس پر کوئی جرح و تعدیل نقل نہیں کی، لیکن یہ فرق تو آپ ﷺ سے بھی مختلف طرق سے ثابت ہے، اس کی مزید تائید آپ ﷺ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ((دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ۔)) (ارواء الغليل: ۲۰۷٤، غاية المرام: ۱۷۹)...... "جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اسے اختیار کرو۔"

لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ روایات میں بوڑھے آدمی کا ذکر بطور تحدید نہیں، بلکہ بطور تمثیل کیا گیا ہے، کیونکہ عام طور پر عمر رسیدہ لوگوں میں شہوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ وگرنہ اس مسئلہ میں اصل قانون یہ ہے کہ شہوت، یا ارادے کی قوت اور ضعف کو سامنے رکھا جائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام روایات کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ بعض سے مطلق جواز ثابت ہوتا ہے، بعض

میں اس کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے ((وَلَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)) کہا گیا ہے اور بعض میں بوڑھے اور نوجوان میں فرق بیان کیا گیا ہے۔...... (صحیحہ: ۲۱۹)

(۸۷۸)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ شَابٌّ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أُقَبِّلُ وَأَنَا صَائِمٌ؟ قَالَ: ((لَا۔)) فَجَاءَ شَيْخٌ فَقَالَ: أُقَبِّلُ وَأَنَا صَائِمٌ؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) قَالَ: فَنَظَرَ بَعْضُنَا إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الشَّيْخَ يَمْلِكُ نَفْسَهُ۔)) (الصحيحة: ١٦٠٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے، ایک نوجوان آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ پھر ایک بوڑھا آدمی آیا اور اُس نے کہا: کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں۔“ ہم (اس فرق کی وجہ سے) ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک بوڑھا آدمی اپنے آپ پر قابو رکھ سکتا ہے۔“

تخریج: أخرجه أحمد ۲/ ۱۸۰ و ۲۲۱

شرح:...... آپ ﷺ نے اس حدیث میں بطورِ احتیاط بڑا اہم قانون بیان کر دیا ہے، امام البانی رحمہ اللہ کی گزشتہ بحث میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

روزے دار کا بیوی کے ساتھ لیٹنا

(۸۷۹)۔ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ: كَانَ ﷺ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، ثُمَّ يَجْعَلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا ثَوْبًا، يَعْنِي: الْفَرْجَ۔ (الصحيحة: ٢٢١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں (اس کے ساتھ) لیٹ جاتے تھے اور اپنے اور اس کی (شرمگاہ) کے مابین کپڑے کی آڑ رکھ لیتے تھے۔

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٦/ ٥٩، وابن خزيمه في "صحيحه": ١/ ٢٠١/ ٢

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ مباشرت سے مراد عورت کو چھونا ہے، لیکن شرمگاہ کے علاوہ۔ یہ حدیث ملا علی قاری کی بیان کی ہوئی تفسیر کی تائید کرتی ہے، وہ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس قول کے معتمد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور (یہی بات درست ہے) کیونکہ شرعی دلائل سے اس کی نفی ثابت نہیں ہوتی، اور اس ضمن میں سلف کے اقوال بھی پائے جاتے ہیں، مثلا اسی حدیث کی راویہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ امام طحاوی (۱/ ۳٤۷) بیان کرتے ہیں کہ حکیم بن عقال کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ روزے کی حالت میں مجھے میری بیوی کا کون سے حصہ حرام ہے؟ انھوں نے کہا: اس کی شرمگاہ۔........... (صحیحہ: ۲۲۱)

(۸۸۰)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرَبِهِ۔ (الصحيحة:۲۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ روزے کی حالت میں (اپنی بیویوں کا) بوسہ بھی لے لیتے تھے اور ان کے ساتھ لیٹ بھی جایا کرتے تھے، لیکن وہ اپنی خواہش پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ١٢٠۔١٢١۔فتح، ومسلم:٣/ ١٣٥، والشافعي في "سننه": ١/ ٢٦١، وأبوداود: ٢/ ٢٨٤۔عون، والترمذي: ٢/ ٤٨، تحفة، وابن ماجه: ١/ ٥١٦و٥١٧، والطحاوي: ١/ ٣٤٥، والبيهقي: ٤/ ٢٣٠، وأحمد: ٦/ ٤٢، ١٢٦

شرح:...... "اِرْب" کے معانی عضو کے ہیں، مرادی معانی عضوِ خاص کے ہوں گے، جو جماع سے کنایہ ہیں۔ اگر اس لفظ کو "اَرَب" پڑھا جائے تو اس کے معنی حاجت اور ضرورت کے ہوں گے، متن میں یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔

وصال کرنا منع ہے

(۸۸۱)۔ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا وِصَالَ فِي الصِّيَامِ۔)) (الصحيحة:۲۸۹٤)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزے میں وصال نہیں۔“

تخريج: أخرجه أبوداود الطيالسي في "مسنده": ١٧٦٥، وعبد الرزاق في "المصنف": ٤/ ٢٦٩/ ٧٧٥٨، والبيهقي في "السنن": ٧/ ٣١٩

(۸۸۲)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ۔)) (مَرَّتَيْنِ) قِيْلَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ؟ قَالَ: ((إِنِّي أَبِيْتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي فَاكْلَفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَاتُطِيْقُوْنَ۔)) (الصحيحة:٣٦٠٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: ”وصال سے بچو۔“ کہا گیا: آپ خود تو وصال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(میری حالت تو یہ ہے کہ) میں رات گزارتا ہوں اور میرا ربّ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، بس تم لوگ اپنی استطاعت کے مطابق اعمال کی تکلیف اٹھاؤ۔“

تخريج: جاء من حديث أبي هريرة، وله عنه ثمانية طرق: (نلخص التخريج) رواه عبدالرزاق:٧٧٥٤، والبخاري:١٩٦٥، ١٩٦٦، ٧٢٩٩، ، وأحمد: ٢/ ٣١٥، والبغوي:١٧٣٦، والبيهقي:٤/ ٢٨٢، ومسلم: ٣/ ١٣٣، وابن حبان: ٣٥٧٥، والدارمي:٢/ ٧،٨، ومالك: ١/ ٣٠١

شرح:...... وصال: غروبِ آفتاب کے بعد روزہ افطار نہ کرنا اور اس کو جاری رکھنا وصال کہلاتا ہے۔

چونکہ وصال میں مشقت کا پہلو زیادہ ہے، نیز اس کے سبب پیدا ہونے والے ضعف اور اکتاہٹ کی وجہ سے کئی

دوسرے نیکی کے کام رہ سکتے ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کو اس سے منع کر دیا تھا، لیکن درج ذیل دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا منع کرنے سے یہ مراد نہیں تھی کہ یہ حرام ہے:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُوَاصِلُوْا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ.)) ......''تم وصال نہ کرو، اگر کسی کا ارادہ ہو تو وہ سحری تک کر لیا کرے۔'' اس حدیث میں اگلے دن سحری تک وصال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال سے منع کیا، ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ خود تو وصال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں کون میری مثل ہو سکتا ہے؟ میں تو رات گزارتا ہوں اور میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔'' لیکن جب صحابہ نے وصال سے باز آنے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک دن وصال کیا، پھر دوسرے دن بھی کیا، پھر چاند نظر آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاند طلوع نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ مزید دنوں کا بھی وصال کرتا۔'' (بخاری: ١٩٦٥، مسلم: ١١٠٣)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کے حق میں وصال حرام نہیں ہے، کیونکہ اگر یہاں نہی حرمت کے لیے ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کو وصال پر برقرار نہ رکھتے، یہ قرینہ ہے کہ وصال سے نہی کراہت کے لیے ہے، جس کا مقصد رحمت و تخفیف ہے۔

ایک صحابی کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے سینگی اور وصال سے منع کیا، اپنے صحابہ پر شفقت کرتے ہوئے اور ان کو حرام قرار نہیں دیا۔ (ابوداود: ۲۳۷۴)

وصال کے دوران آپ ﷺ کو کھلانے پلانے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: (۱) آپ ﷺ کے لیے جنت کے ماکولات و مشروبات پیش کیے جاتے تھے اور ان سے وصال متاثر نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا حکم دنیوی کھانوں سے مختلف ہے۔ (۲) اس سے مراد وہ راحت، لذت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے نصیب ہوتی تھی۔

''وضح سے وضح تک روزے رکھو'' کا مفہوم

(۸۸۳)۔ عَنْ أَبِي الْمَلِيْحِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((صُوْمُوْا مِنْ وَضَحٍ إِلَى وَضَحٍ.)) (الصحيحة: ١٩١٨)

ابو ملیح بن اسامہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضح سے وضح تک روزہ رکھو۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": رقم ـ ٣٠٤٦

شرح:...... ''وَضَح'' کے مختلف معانی: روشنی، صبح کی سفیدی، چاند اس حدیثِ مبارکہ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ”وضح“ سے مراد صبح کی سفیدی ہے، یعنی ایک صبح سے دوسری صبح تک روزہ رکھو، مزید مفہومی معنی کرتے ہوئے کہیں کہ ایک سحری سے دوسری سحری تک روزہ رکھو، گویا کہ اس حدیث میں وصال کا حکم دیا جا رہا ہے۔

(۲) ”وضح“ سے مراد چاند کی روشنی یا چاند ہے، یعنی رمضان کے چاند سے لے کر شوال کے چاند تک روزے رکھو، اگر انتیس تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس دن پورے کرو۔

(۳) بعض لوگوں نے ایام بیض کے روزے مراد لیے ہیں، لیکن یہ بعید معنی معلوم ہوتا ہے۔

صرف جمعہ مبارکہ کا روزہ رکھنا منع ہے

(٨٨٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ إِلَّا فِي أَيَّامٍ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ۔

(الصحيحة: ١٠١٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کے روزے سے منع فرمایا، الا یہ کہ اُس سے پہلے یا اس کے بعد بھی روزہ رکھا جائے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي: ١/ ٣٣٩، واحمد: ٢/ ٣٩٢، ٣٩٤، ٤٠٧

(٨٨٥)۔ عَنْ بَشِيْرٍ، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: أَصُوْمُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلَا أُكَلِّمُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ أَحَداً؟ قَالَ: ((لَا تَصُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا فِي أَيَّامٍ هُوَ أَحَدُهَا، وَأَمَّا أَنْ لَا تُكَلِّمَ أَحَداً، فَلَعَمْرِي لَأَنْ تَكَلَّمَ بِمَعْرُوْفٍ وَتَنْهَى عَنْ مُنْكَرٍ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَسْكُتَ۔))

(الصحيحة: ٢٩٤٥)

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے کہا: میں جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا اور اس دن کسی سے بات نہیں کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھو، الا یہ کہ کئی دنوں کے روزے رکھے اور بیچ میں جمعہ کا دن آ جائے (تو پھر کوئی حرج نہیں)۔ رہا مسئلہ تیرا کسی کے ساتھ کلام نہ کرنے کا، تو میری عمر کی قسم! خیر کی بات کرنا اور برائی سے روکنا تیرے لیے خاموش رہنے سے بہتر ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٢٤۔٢٢٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢/ ٣١/ ١٢٣٢، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ٧٥۔٧٦، و"الشعب": ٦/ ٩٢/ ٧٥٧٨

(٨٨٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَبْلَهُ يَوْمٌ أَوْ بَعْدَهُ يَوْمٌ۔))

(الصحيحة: ٩٨١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو، الا یہ کہ اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن کا بھی روزہ رکھا جائے۔“

تخريج: أخرجه البخاري: ١٩٨٥، ومسلم أيضا، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٣/ ٤٣، والترمذي:

١/ ١٤٣، وابن ماجه: ١/ ٥٢٦، وابن حبان في "صحيحه": ٥/ ٢٤٩/ ٣٦٠٥، و أحمد: ٢/ ٤٩٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا منع ہے، اگر اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا بھی روزہ رکھا جائے تو درست ہے۔

سنیچر وار کو روزہ رکھنا کیسا ہے؟

(٨٨٧)۔ عَنْ عُبَيْدِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَهُوَ يَتَغَدَّى وَذٰلِكَ يَوْمُ السَّبْتِ فَقَالَ: ((تَعَالَيْ فَكُلِي۔)) فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ، فَقَالَ لَهَا: ((أَصُمْتِ أَمْسِ؟)) فَقَالَتْ: لَا۔ فَقَالَ: ((فَكُلِي، فَإِنَّ صِيَامَ يَوْمِ السَّبْتِ لَا لَكِ وَلَا عَلَيْكِ۔)) (الصحيحة: ٢٢٥)

عبید اعرج کہتے ہیں: میری دادی نے مجھے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور آپ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے، یہ سنیچر وار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ، کھانا کھاؤ۔'' انھوں نے کہا: میں روزے دار ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''گزشتہ کل روزہ رکھا تھا؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کھانا کھا لو، کیونکہ تجھے صرف سنیچر وار کے روزے کا ثواب ملے گا نہ عذاب۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣٦٨

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنیچر وار کے دن کا روزہ رکھنا علی الاطلاق منع ہے، الا یہ کہ وہ فرضی روزہ ہو، بعض دوسرے اہل علم بھی اسی رائے سے متفق ہیں، جیسا کہ امام طحاوی نے بیان کیا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر ہفتہ وار کو کوئی ایسا دن آ جائے، جس کا روزہ رکھنا افضل ہو، جیسے عرفہ کے دن کا روزہ ہے، تو اس حدیث کی وجہ سے روزہ نہ رکھا جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جمہور علما وفقہا کے مسلک کے مطابق سوموار یا جمعرات کو عید کا دن ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سوموار یا جمعرات کا روزہ نہیں رکھا جائے گا، کیونکہ عید کے دن سے روزہ رکھنے کی نہی عام ہے۔ (صحیحہ: ۲۲۵)

(٨٨٨)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَصُمْ يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِي فَرِيْضَةٍ وَلَوْ لَمْ تَجِدْ إِلَّا لِحَاءَ شَجَرَةٍ فَأَفْطِرْ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة: ٣١٠١)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سنیچر وار کا روزہ نہیں رکھنا، الّا یہ کہ فرضی روزے ہوں۔ اگر تجھے درخت کی چھال کے علاوہ کچھ نہ ملے، تو وہی کھا کر (روزہ نہ رکھنے کی علامت پیش کر دینا)۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ٣٠٣/ ٧٧٢٢

شرح:...... امام البانی نے کہا: اس حدیث کی یہ تاویل نہیں جا سکتی کہ صرف سنیچر وار کا روزہ رکھنا منع ہے، اگر اس کے ساتھ جمعہ کو یا اتوار کو روزہ رکھا جائے، تو درست ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں صرف فرضی روزے کا استثنا کیا ہے، حافظ ابن قیم نے (تہذیب السنن) میں کہا: ''یہ (سیدنا ابو امامہ رضی اللہ کی) حدیث اس بات پر

دلیل ہے کہ فرضی روزوں کے علاوہ ہفتہ وار کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا ہے، وہ صرف اس دن کا ہو یا اس کے ساتھ دوسرے دن کا بھی، کیونکہ حدیث میں صرف فرضی روزوں کو مستثنی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن کو کوئی اور روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر اس کے ساتھ روزہ ملانے کی گنجائش ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے: ''ہفتہ کے دن کو روزہ نہ رکھا کرو، الا یہ کہ اس سے پہلے والے یا بعد والے دن کا بھی روزہ رکھو۔'' جیسا کہ آپ ﷺ نے جمعۂ مبارکہ کے روزے کے بارے میں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ہفتہ کے روز کو صرف فرضی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔''

میں (البانی) کہتا ہوں: اگر ہفتہ وار کے ساتھ ملا کر روزہ رکھنا جائز ہوتا تو فرضی روزے کی بہ نسبت اس کو مستثنی کرنا زیادہ اہم ہوتا، کیونکہ اس کے بارے میں پیدا ہونے والا شبہ قوی ہے۔ لیکن جب آپ ﷺ نے صرف فرضی روزے کا استثنا کیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی اور استثنا نہیں کیا جا سکتا۔ (تمام المنة: ص ٤٠٦)

معلوم ایسے ہوتا ہے کہ امام البانی رحمہ اللہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے تکلف سے کام لے رہے ہیں، کیونکہ شریعت میں عام اور خاص کا قانون مسلمہ ہے، اگر اس حدیث میں صرف فرضی روزے کا استثنا کیا گیا ہے، تو دوسری احادیث میں سنیچر وار کو نفلی روزہ رکھنے کی گنجائش مل رہی ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ جمعہ کے دن کا روزہ بھی رکھا جائے۔

(۱) متن والی عبید اعرج کی حدیث، جس کے مطابق آپ ﷺ نے ہفتہ وار کو روزہ رکھنے والی خاتون سے پوچھا تھا کہ آیا اس نے کل جمعہ کو بھی روزہ رکھا تھا۔

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَصُوْمَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْماً قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ۔)) (بخاري: ١٩٨٥، مسلم: ١١٤٤) ...... ''کوئی آدمی ہرگز جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے، الا یہ کہ اس سے پہلے والے یا بعد والے دن کا بھی روزہ رکھے۔''

اس حدیث میں آپ ﷺ جمعہ کے ساتھ ہفتہ والے دن کو روزہ رکھنے کی رخصت دے رہے ہیں۔

(۳) ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ میرے پاس آئے اور میں روزے دار تھی، یہ جمعۂ مبارکہ کا دن تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تو نے کل بھی روزہ رکھا تھا؟'' میں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ توڑ دے۔'' (بخاری)

اس حدیث میں آپ ﷺ اس بنا پر روزہ توڑنے کا حکم دے رہے ہے کہ روزے دار نے نہ جمعرات کو روزہ رکھا اور نہ ہفتہ کے دن کو روزہ رکھنے کا ارادہ ہے۔

اس لیے یہاں کوئی قول اور فعل اور حظر و اباحت کا مسئلہ پیدا نہیں ہو رہا، بلکہ تخصیص کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل حدیث بھی قابل غور ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نَهٰى ﷺ عَنْ صَوْمِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنَ السَّنَةِ: ثَلَاثَةِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، وَيَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحٰى، وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ مُخْتَصَّةً مِنَ الْأَيَّامِ۔ (مسند طيالسي: ١/ ١٩١،

صحیحہ : ۲۳۹۸) ...... رسول اللہ ﷺ نے سال میں چھ دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا: ایام تشریق کے تین دن، عید الفطر کا دن، عید الاضحیٰ کا دن اور جمعہ کے دن کو خاص کر کے روزہ رکھنا۔

شرح :...... ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن کا خاص کر کے روزہ رکھنے سے منع کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ اگر اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ وار کو بھی روزہ رکھ لیا جائے تو درست ہوگا۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہفتہ کے دن کو روزہ رکھنا بھی منع ہے، الا یہ کہ فرضی روزہ ہو، آپ ﷺ نے صرف فرضی روزے کا استثنا کیا ہے۔ لیکن اس باب کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ سنیچر وار کا روزہ رکھنا درست ہے، کیونکہ اس مقام پر جن چھ ایام میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اس میں ہفتہ وار کو شامل نہیں کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی اباحت سامنے رکھ کر ہفتہ کے دن کے روزے کو بھی جائز قرار دیا جائے یا ہفتہ کے دن کے روزے کی نہی کو مقدم کیا جائے؟ میری رائے تو یہی ہے کہ نہی والی حدیث کو مقدم کیا جائے اور ہفتہ وار کو روزہ رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ میں نے اپنی کتاب (تمام المنة في التعليق على فقه السنة: ص ۴۰۵۔ ۴۰۸) میں اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے۔ (صحیحہ: ۲۳۹۸)

یہاں بھی امام صاحب تکلف برت رہے ہیں اور مذکورہ بالا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سیدنا امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذریعے خاص کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنیچر وار کو روزہ رکھنا منع ہے تو دوسری تین احادیث کی روشنی میں سیدنا امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخصیص کیوں نہیں کی جا سکتی کہ ہفتے کے دن روزہ رکھنے کی نہی سے مراد صرف ہفتے کے دن کا روزہ ہے، اگر اس کے ساتھ جمعہ کے دن کا روزہ ملا لیا جائے تو اس دن کا روزہ رکھنا بھی جائز ہوگا۔

روزے اور قیام سے جنسی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں

(۸۸۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَخْتَصِيَ؟ فَقَالَ ﷺ: ((خِصَاءُ أُمَّتِي الصِّيَامُ وَالْقِيَامُ۔)) (الصحيحة: ۱۸۳۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ مجھے خصی ہونے کی اجازت دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا خصی ہونا روزہ اور قیام ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ۲/ ۱۷۳، وابن عدي: ۱۱۱/ ۲، والبغوي في "شرح السنة": ۳/ ۱/ ۲

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ تعالی رقمطراز ہیں: جو نوجوان شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس حدیث مبارکہ میں ان کی رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ روزے کے ذریعے کثرتِ شہوت کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ استمنا بالید (مشت زنی) جائز نہیں ہے، یہ ان لوگوں کا سہارا ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ (سورهٔ بقره : ۶۱) ...... ''تم بہتر چیز کے بدلے ادنی چیز

کیوں طلب کرتے ہو۔"

استمنا بالید مومن کی صفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے صاحب ایمان لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ.﴾ (سورۂ مومنون: ۵، ۶، ۷) ...... "جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے، یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہے، جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: جس نے اپنی بیوی یا لونڈی کے علاوہ کوئی اور ذریعہ تلاش کیا، وہ حد سے تجاوز کر گیا۔ (مستدرك حاكم: ۲/ ۳۹۳، صحيحه على شرط الشيخين و وافقه الذهبي۔)

میت کی طرف سے روزے رکھنا

(۸۹۰)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّ أُخْتَهَا نَذَرَتْ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرًا وَأَنَّهَا رَكِبَتِ الْبَحْرَ فَمَاتَتْ وَلَمْ تَصُمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صُوْمِي عَنْ أُخْتِكِ۔)) (الصحيحة:۱۹۴۶)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اپنی بہن کا تذکرہ کیا کہ اس نے ایک ماہ کے روزوں کی نذر مانی، لیکن وہ ایک بحری سفر کے دوران فوت ہو گئی اور روزے نہ رکھ سکی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنی بہن کی طرف سے روزے رکھ لو۔"

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ۲٦۳۰، واحمد: ۱/ ۳۳۸، والحديث علقه البخاري، ووصله مسلم: ۳/ ۱۵٦ لكن لم يسق لفظه

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کا وہی معنی ہے، جو درج ذیل حدیث میں پیش کیا گیا: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "جو بندہ اس حال میں مر جائے کہ اس کے ذمے روزے ہوں، تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے پورے کرے۔"

ولی بھائی بھی ہو سکتا ہے اور بہن بھی، بہرحال ان دو احادیث میں جن روزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے مراد نذر کے روزے ہیں، جیسا کہ ابن قیم کی تحقیق سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ (صحیحہ: ۱۹۴۶)

لیکن صحیحین کی روایت عام ہے، اس لیے اس سے مراد ہر وہ روزہ ہے، جو میت کے ذمے ہو، وہ نذر کا ہو یا رمضان کا۔ جیسا کہ خطابی نے کہا: اس حدیث میں میت کا وہ روزہ مراد ہے، جو اس پر فرض تھا، وہ نذر کی صورت میں ہو یا رمضان کے روزوں کی قضا دینے کی صورت میں۔

ابتدائے رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے معاملے میں لوگوں کا خیال رکھنا

(۸۹۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ، وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔)) (الصحيحة:۲۲٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''روزہ اُس دن ہوگا، جس دن تم (سارے) روزہ رکھو گے، افطار اس دن ہوگا، جس دن تم (سارے) افطار کرو گے اور قربانیاں اس دن ہوں گے، جس دن تم (سارے) قربانیاں کرو گے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۳۷۔تحفة، والبيهقي في "سننه": ٤/ ۲٥۲، وابن ماجه: ۱/ ٥۰۹، والدارقطني في "سننه": ۳٥۷۔ ۳٥۸، وابوداود: ۱/ ۳٦٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ رمضان المبارک کی ابتدا و انتہا کے سلسلے میں جماعت اور لوگوں کی کثرت کا خیال رکھنا چاہیے۔''

امام صنعانی نے (سبل السلام: ۲/ ۷۲) میں لکھا: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے ثبوت کے لیے لوگوں کی موافقت ضروری ہے، اگر کسی آدمی کو چاند نظر آ جاتا ہے (لیکن لوگ اس کی شہادت پر اعتماد نہیں کر رہے) تو اسے چاہیے کہ دوسروں کی موافقت کرے اور نماز، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے احکام کے سلسلے میں لوگوں کے ساتھ چلے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے یہی مفہوم ادا کرتے ہوئے (تهذيب السنن: ۳/ ۲۱٤) میں کہا: ''ایک قول کے مطابق اس حدیث میں ان لوگوں کا ردّ ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص چاند کی منازل کا حساب کر کے چاند کے طلوع ہونے کا اندازہ کر لیتا ہے، وہ اسی اندازے کے مطابق روزہ رکھے اور عید الفطر منائے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اگر ایک شاہد، رمضان کے چاند کے نظر آنے کی گواہی دیتا ہے، لیکن قاضی اس کی شہادت پر فیصلہ نہیں کرتا تو لوگوں کی طرح اس شخص کا روزہ بھی نہیں ہوگا۔''

جناب ابو الحسن سندھی نے ابن ماجہ کے حاشیہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت ذکر کرنے کے بعد کہا: ''اس حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں آحاد کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے، ساری کی ساری ذمہ داری امام و حاکم اور جماعت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص چاند دیکھ لیتا ہے، لیکن حاکمِ وقت اس کی شہادت کو ردّ کر دیتا ہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاکم کی پیروی کرے اور اپنے حق کو وقعت دینے سے باز رہے۔''

میں (البانی) کہتا ہوں: اس حدیث کا یہی معنی متبادر الی الذہن ہے، اس کی مزید تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے ہوتی ہے، جب مسروق نے عرفہ کے دن یعنی نو ذوالحجہ کا روزہ اس خدشہ کی بنا پر نہیں رکھا کہ ممکن ہے کہ آج قربانی کا دن ہو، تو سیدہ نے اس کے لیے وضاحت کی ہے کہ اس اکیلے کی رؤیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اسے چاہیے کہ وہ

جماعت کی پیروی کرے، پھر انھوں نے کہا: اَلنَّحْرُ يَوْمَ يَنْحَرُ النَّاسُ وَالْفِطْرِ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ۔ ......قربانی اس دن کی جاتی ہے، جس دن لوگ قربانیاں کرتے ہیں اور افطار (یعنی اختتامِ رمضان) اس دن ہوتا ہے، جس دن لوگ افطار کرتے ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہی تفسیر، نرمی وسہولت آمیز شریعت کے زیادہ مناسب ہے، جس کا مقصد لوگوں میں اتحاد اور ان کی صفوں میں یگانگت پیدا کرنا ہے اور ان کو ایسی انفرادی آرا سے دور رکھنا ہے، جن سے ان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ شریعت نے روزوں، عیدوں اور جماعتوں میں اجتماعیت برقرار رکھنے کے لیے فردِ واحد کی رائے کا اعتبار نہیں کیا، اگرچہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو۔

آپ دیکھتے نہیں کہ صحابہ کرام ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے، حالانکہ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ عورت کو چھونے، شرمگاہ کو ہاتھ لگانے اور خون نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، جبکہ بعض کی رائے تھی کہ یہ امور نواقضِ وضو میں سے نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض صحابہ سفر میں پوری نماز پڑھتے تھے اور بعض قصر کرتے تھے۔ لیکن ان کے یہ اختلافات ان کو ایک امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے نہ روک سکے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دین میں تفرقہ بازی، اختلافِ رائے سے بدتر ہے۔ ...... (صحیحہ:۲۲۴)

بھوک کی شدت کے وقت کی دعا

(٨٩٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ ﷺ إِذَا تَضَوَّرَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: ((لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔)) (الصحيحة: ٢٠٦٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ رات کو بھوک کی شدت کی وجہ سے دوہرے ہوتے، تو یہ دعا پڑھتے: ''نہیں ہے کوئی معبودِ برحق، مگر اللہ، جو اکیلا اور زبردست ہے، آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیان والی تمام چیزوں کا رب ہے، وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر في "قيام الليل": ٤٣، وابن حبان: ٢٣٥٨، والحاكم: ١/ ٥٤٠، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٧٥٣، وابن منده في "التوحيد": ٦٦/ ١، والسهمي في "تاريخ جرجان": ١٠٣

شرح: ...... معلوم ہوا کہ بھوک کی شدت کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

((لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ.))

معلوم ہوتا ہے کہ رات کا ذکر اتفاقی طور پر ہے، دعا کا اصل تعلق بھوک کی شدت کے ساتھ ہے۔

اعتکاف اور اس کی قضا

(٨٩٣)۔ عَنْ أَنَسٍ: كَانَ ﷺ إِذَا كَانَ مُقِيْماً اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ،

حضرت انس سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ مقیم ہوتے تو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف

وَإِذَا سَفَرَ اعْتَكَفَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ عِشْرِيْنَ۔ (الصحیحة: ١٤١٠)

کرتے اور اگر ان دنوں سفر پر ہوتے تو اگلے سال کو بیس دنوں کا اعتکاف کرتے۔

تخريج: أخرجه الإمام أحمد: ٣/ ١٠٤، وعنه ابن حبان: ٩١٨، ورواه الترمذي: ١/ ١٥٣ نحوه

شرح:...... اعتکاف کے لغوی معنی ''بند رہنے، رکے رہنے اور کسی چیز کو لازم پکڑ لینے'' کے ہیں، شرعی اصطلاح میں اس سے مراد کسی آدمی کا اپنے آپ کو ایک خاص کیفیت کے ساتھ مسجد میں روک لینا ہے۔

اس کا حکم سنت اور استحباب کا ہے، اگر بامر مجبوری رہ جائے تو اس کی قضا دینا چاہیے، بہر حال وہ ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی آدمی اعتکاف کی نذر مان لے تو یہ واجب ہو جاتا ہے۔

اعتکاف کا اہتمام صرف مسجد میں کیا جائے، البتہ یہ اس کی کوئی خاص مقدار یا خاص وقت نہیں ہے، یعنی سال کے کسی مہینے میں اعتکاف کیا جا سکتا ہے، اور معتکف اپنی مرضی کے مطابق کم یا زیادہ دنوں کا تعین کر سکتا ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کرنے کی نیت کی تھی۔

رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزارا جائے؟

(٨٩٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔ (الصحیحة: ٢١٢٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ (رمضان کے) آخری عشرے میں (عبادت کرنے میں) جو محنت کرتے، وہ کسی اور عشرے میں نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ١٧٦، والترمذي: ١/ ١٥٢، وأحمد: ٦/ ٨٢/ ١٢٣، ٢٥٦

شرح:...... رمضان المبارک کا آخری عشرہ شب قدر کی وجہ سے ممتاز ہے، آپ ﷺ ان دنوں خوب عبادت کرنے کا اہتمام کرتے اور اپنی بیویوں کو جگاتے تھے، تاکہ وہ بھی خیر و بھلائی میں شریک ہو سکیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ ...... کا شانِ نزول

(٨٩٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ تُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ حَسْنَاءَ مِنْ أَجْمَلِ النِّسَاءِ، فَكَانَ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي آخِرِ صُفُوْفِ الرِّجَالِ فَيَنْظُرُوْنَ إِلَيْهَا، فَكَانَ أَحَدُهُمْ يَنْظُرُ إِلَيْهَا مِنْ تَحْتِ إِبِطِهِ إِذَا رَكَعَ وَكَانَ أَحَدُهُمْ يَتَقَدَّمُ إِلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى لَايَرَاهَا۔ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حسین عورتوں میں سے ایک انتہائی خوبصورت عورت آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھی، کچھ لوگ مردوں میں سے آخری صفوں میں نماز پڑھتے تھے، تاکہ اس کو دیکھ سکیں، اور وہ رکوع میں بغلوں کے نیچے سے اس کو دیکھتے تھے، جبکہ بعض لوگ آگے بڑھ کر پہلی صف میں کھڑے ہوتے، تاکہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے (دونوں کے رویوں کو بیان کرنے کے لیے) یہ آیت اتاری: ''ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾ اور پیچھے رہنے والوں کو جانتے ہیں۔'' (سورۂ حجر: ۲۴)

(الصحيحة: ٢٤٧٢)

تخريج: أخرجه أبوداود الطيالسي في"مسنده": ٢٧١٢، والبيهقي في "سننه": ٣/ ٩٨، والترمذي: ٢/ ١٩١، والنسائي: ١/ ١٣٩، وابن ماجه: ١٠٤٦، وابن خزيمة في "صحيحه": ١٦٩٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حافظ ابن کثیر نے (تفسير القرآن العظيم: ٥/ ١٢۔ ١٣) میں کہا: یہ بڑی غریب اور نا قابل تسلیم خبر ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: حافظ ابن کثیر نے جس غرابت اور تفرد کا دعوی کیا ہے، دوسرے طرق کی وجہ سے اس کی نفی ہو جاتی ہے،...... ان طرق میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن وہ ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں اور حدیث قابل عمل بن سکتی ہے۔ ان تمام طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت نماز کی صفوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ....

رہا مسئلہ اس حدیث کے نا قابل تسلیم ہونے کا، تو ممکن ہے کہ حافظ صاحب کی مراد یہ ہو کہ یہ متن معقول المعنی نہیں ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں نمازی صحابہ ایک عورت کو دیکھنے کی خاطر پچھلی صفوں میں کھڑے ہوں؟

ہم اس کا جواب یوں دیں گے کہ جب روایت ثابت ہو جاتی ہے تو غور وفکر کرنے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، حدیث کے ثبوت کے بعد اس کی نکارت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اگر ہم عقل کو معیار بنائیں گے تو کئی احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئے گا، یہ روش اہل السنہ اور اہل الحدیث کو زیب نہیں دیتی، یہ تو معتزلہ اور خواہش پرست لوگوں کا رویہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ پچھلی صفوں میں کھڑے ہونے والے یہ لوگ منافق ہوں یا نومسلم صحابہ ہوں، جو اُس وقت تک اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی آداب و اخلاق کے سانچے میں نہ ڈھال سکے ہوں۔ (صحیحہ: ۲۴۷۲)

فجر کی اقسام اور احکام

(٨٩٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ النُّعْمَانِ السُّحَيْمِيِّ، قَالَ: أَتَانِي قَيْسُ بْنُ طَلْقٍ فِي رَمَضَانَ آخِرَ اللَّيْلِ بَعْدَ مَا رَفَعْتُ يَدِيْ مِنَ السُّحُوْرِ لِخَوْفِ الصُّبْحِ، فَطَلَبَ مِنِّي بَعْضَ الْإِدَامِ، فَقُلْتُ لَهُ: يَاعَمَّاهُ! لَوْكَانَ بَقِيَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّيْلِ شَيْءٌ لَأَدْخَلْتُكَ إِلٰى طَعَامٍ عِنْدِي وَشَرَابٍ، قَالَ: عِنْدَكَ؟ فَدَخَلَ فَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ثَرِيْداً وَلَحْماً وَنَبِيْذاً،

عبداللہ بن نعمان سحیمی کہتے ہیں: رمضان کی رات کے آخری حصے کی بات ہے، قیس بن طلق کچھ سالن مانگنے کے لیے میرے پاس آئے، جبکہ میں صبح کے ڈر سے سحری کے کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں نے کہا: چچا جان! اگر رات کا کوئی حصہ باقی ہے (اور سحری کھانے کی گنجائش ہے) تو میں آپ کو کھانے پینے کے پاس بٹھا دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا: تیرے پاس کھانا پینا ہے؟ پس وہ اندر آ گئے، میں نے ثرید، گوشت اور نبیذ پیش کی۔ انھوں نے خود بھی کھایا پیا اور مجھے بھی اتنا

فَأَكَلَ وَشَرِبَ، وَأَكْرَهَنِي فَأَكَلْتُ وَشَرِبْتُ، إِنِّي لَوَجِلٌ مِنَ الصُّبْحِ، ثُمَّ قَالَ: حَدَّثَنِي طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا يَهِيْدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصَعَّدُ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْأَحْمَرُ۔))

(الصحيحة:٢٠٣١)

مجبور کیا کہ میں بھی کھانے پینے لگ گیا، حالانکہ میں صبح سے ڈر رہا تھا۔ پھر انھوں نے کہا: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم کھاؤ اور پیو، (سحری کھانے کے بارے میں) اوپر اٹھنے والی روشنی تم کو بے چین نہ کرنے پائے، اس کے باوجود تم کھاتے پیتے رہا کرو، حتی کہ سرخ روشنی (افق میں) پھیل جائے۔''

تخريج: أخرجه أبود ود: ١/ ٣٦٩-٣٧٠، والترمذي: ٧٠٥، وابن خزيمة: ١٩٣٠، والدارقطني: ٢٣١

شرح:...... فجر کی دو اقسام ہیں: فجر کاذب: اس میں روشنی اوپر کو بلند ہوتی، اس میں نماز فجر ادا کرنا حرام ہوتا ہے اور سحری کھانا جائز ہوتا ہے۔

فجر صادق:...... اس میں روشنی افق میں پھیل جاتی ہے، اس میں سحری کھانا حرام ہوتا ہے اور نماز فجر ادا کرنا درست ہوتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فجر صادق کا یہ وصف بیان کیا کہ وہ سرخ ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالی نے ﴿الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ ......﴾ (سورۂ بقرہ: ١٨٧) میں یہ وضاحت فرمائی کہ وہ سفید ہوتی ہے۔

حقیقت میں ان دو نصوص میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ فجر صادق پر دلالت کرنے والی روشنی کبھی سفید، کبھی سرخ اور کبھی سرخی مائل سفید ہوتی ہے، مطالع اور موسم بدلنے کی وجہ سے یہ فرق پڑتا رہتا ہے۔ (صحیحہ:٢٠٣١)

پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آنا کیسا ہے؟

(٨٩٧)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، حَدَّثَ: أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الثُّوْمُ وَالْبَصَلُ۔ قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَأَشَدُّ ذٰلِكَ كُلِّهِ الثُّوْمُ، أَفَتُحَرِّمُهُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((كُلُوْهُ وَمَنْ أَكَلَ مِنْكُمْ فَلَا يَقْرَبْ هٰذَا الْمَسْجِدَ، حَتّٰى يَذْهَبَ رِيْحُهُ مِنْهُ۔))

(الصحيحة:٢٠٣٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھوم اور پیاز کا ذکر ہونے لگا۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول! ان میں سب سے زیادہ بو والا تو تھوم ہے، آیا آپ اس کا کھانا حرام قرار دیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کو کھا سکتے ہو، لیکن جو کھائے گا، وہ اس وقت تک اس مسجد کے قریب نہیں آ سکتا، جب تک اس کی بو ختم نہ ہو جائے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٤٧، وابن خزيمة: ١٦٦٩، وابن حبان: ٣١٨

(٨٩٨)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ: نَهَى ﷺ عَنْ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَاثِ۔ نے لہسن، پیاز اور گندنا کھانے سے منع فرمایا۔

(الصحيحة:٢٣٨٩)

شرح:...... گندنا: ایک بدبودار قسم کی ترکاری جو پیاز کے مشابہ ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ اگر ان بدبودار چیزوں کو پکا کر ان کی بدبو ختم کر دی جائے تو ان کو کھا کر مسجد میں آنا درست ہوگا۔

موجودہ دور میں انسان کی خواہشات، چاہتیں اور زبان کے ''چسکے'' اس کے مذہب پر غالب ہیں، ہمارے ہاں کھانے کے ساتھ پیاز اور مولی وغیرہ بطور سلاد استعمال کئے جاتے ہیں۔ روکنے ٹوکنے کے باوجود کھانے والوں کی توجہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کی طرف جھکاؤ اختیار نہیں کرتی اور بعض احباب اتنا کہہ دیتے ہیں کہ پیاز وغیرہ کے بعد گڑ یا چینی وغیرہ کا استعمال کیا جائے تو بدبو ختم ہو جاتی ہے، لیکن وہ خود یہ نسخہ استعمال کئے بغیر مساجد کی طرف چل دیتے ہیں۔

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اذاں رہ گئی مگر روحِ بلالی نہ رہی

اس بے توجہی کا مطلب یہ ہوا کہ ہم فرشتوں کی قربت سے دور رہنا چاہتے، یا ان کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''جو آدمی اس بدبودار درخت کا پھل (پیاز) کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتے اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جس سے انسان کرتے ہیں۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وہ کسی آدمی سے پیاز اور لہسن کی بو محسوس کرتے تو اسے بقیع کی طرف نکل جانے کا حکم دے دیتے۔ (مسلم: ٥٦٧)

آخر کیا وجہ ہے کہ اس قسم کی وعیدوں کے باوجود ہم ان احادیث کے مفاہیم پر غور نہیں کرتے اور اپنے طبیعت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ کیا کچا پیاز وغیرہ کھانے والے آدمی کے لیے یہ وعید کافی نہیں ہے کہ اگر مسجد نبوی ہوتی اور رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے تو اسے مسجد نبوی سے باہر نکال دیا جاتا؟

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دی گئی رخصت قبول جائے

(٨٩٩)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَمْراً فَتَرَخَّصَ فِيْهِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَاساً مِنْ أَصْحَابِهِ، فَكَأَنَّهُمْ كَرِهُوْهُ وَتَنَزَّهُوْا عَنْهُ! فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَقَامَ خَطِيْباً، فَقَالَ: ((مَابَالُ رِجَالٍ بَلَغَهُمْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا اور پھر اس میں رخصت دے دی۔ جب یہ بات صحابہ کرام تک پہنچی تو انھوں نے اس رخصت کو ناپسند کیا اور اس سے اجتناب کرنے لگے۔ جب آپ ﷺ کو (ان کے رویے) کا علم ہوا تو آپ ﷺ بطورِ خطیب کھڑے ہوئے

عَنِّي أَمْرٌ تَرَخَّصْتُ فِيهِ، فَكَرِهُوهُ وَتَنَزَّهُوا عَنْهُ؟! فَوَاللّٰهِ! لَأَنَا أَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ، وَأَشَدُّهُمْ خَشْيَةً لَهُ۔)) (الصحيحة:۳۲۸)

اور فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، میری طرف سے ایک رخصت والا معاملہ ان تک پہنچا، لیکن انھوں نے اسے ناپسند کیا اور اس سے گریز کرنے لگے؟ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا بھی میں ہوں۔''

تخريج: رواه البخاري: ٦١٠١، ٧٣٠١، ومسلم: ٧/ ٩٠، وأحمد: ٦/ ٤٥، ١٨١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی دی گئی رخصت سے مراد روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا ہے۔ (صحیحہ: ۳۲۸)

(۹۰۰)۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ أَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُوْمَ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة:١٩٢)

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اے اللہ کے رسول! میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، (اگر میں ایسے کروں تو) کیا مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، جو اس کو قبول کرے گا، سو اچھی بات ہو گی اور جو روزہ رکھنا چاہے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''

تخريج: رواه مسلم: ٣/ ١٤٥، والنسائي: ١/ ٣١٧، والبيهقي: ٤/ ٢٤٣

کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

(۹۰۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلَا يَقْضِ۔)) (الصحيحة:٩٢٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس پر (روزے کی حالت میں) قے غالب آ جائے، اس پر کوئی قضائی نہیں۔''

تخريج: رواه الحربي في "غريب الحديث": ٥/ ٥٥/ ١، تكلمت (الالباني) عليه في "الارواء": ٩٢٣

شرح:...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ۔)) ...... ''جسے روزے کی حالت میں قے آ جائے اس پر قضا نہیں اور اگر کوئی جان بوجھ کر قے کر دے تو وہ قضائی دے۔'' (ابوداود: ۲۳۸۰، ترمذی: ۷۱٦، ابن ماجہ: ۱٦۷٦)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قے روزے دار پر غالب آ جائے تو کوئی حرج نہیں، روزہ برقرار رہے گا، لیکن اگر روزہ دار خود جان بوجھ کر قے کرتا ہے، تو وہ قضائی دے گا۔

عید الفطر کے روز ناشتہ کرنا سنت ہے

(۹۰۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَطْعَمَ يَوْمَ الْفِطْرِ، قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ وَلَوْ بِتَمْرَةٍ۔)) (الصحيحة: ۳۰۳۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عید کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھانا سنت ہے، اگرچہ کھجور ہو۔

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ۱/ ۳۱۲/ ۶۵۱، وأخرجه ابن ابی شيبة: ۲/ ۱۶۰، والطبرانی فی "المعجم الكبير": ۱۱/ ۱۴۱ بلفظ: من السنة أن لا تخرج يوم الفطر حتى تخرج الصدقة و تطعم شيئا قبل ان تخرج۔

شرح:...... آپ ﷺ عید الفطر کی صبح کو طاق عدد میں کھجوریں کھاتے تھے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کچھ کھا کر عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے تھے، لیکن عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ (ترمذی، ابن ماجه، احمد)

امام مبارکپوری کہتے ہیں: مسند احمد کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ واپس آکر قربانی کا گوشت کھاتے تھے، اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے: واپس آکر اپنی قربانی کا جگر کھاتے تھے، دارقطنی نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا اور یہ الفاظ زیادہ کیے: حتی کہ لوٹ آتے اور اپنی قربانی کا گوشت کھاتے۔ یہ زیادتی صحیح ہے، ابن قطان نے اس کو صحیح کہا، جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

نفلی روزے کی فضیلت

(۹۰۳)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ يَوْماً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بَاعَدَ اللّٰهُ مِنْهُ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ مِئَةِ عَامٍ۔)) (الصحيحة: ۲۵۶۵)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس سے جہنم کو سو سال کی مسافت تک دور کر دے گا۔''

تخريج: أخرجه النسائی: ۲/ ۳۱۴، وابن أبی عاصم فی "الجهاد" رقم ۱/ ۸۸/ ۲. و الطبرانی فی "الكبير": ۱۷/ ۳۳۵ رقم ۹۲۷

(۹۰۴)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ يَوْماً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔)) (الصحيحة: ۵۶۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اُس کے اور آگ کے درمیان خندق حائل کر دے گا، (اس کے دو کناروں کا فاصلہ) زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے جتنا ہوگا۔''

تخریج: أخرجه الترمذی فی "سننه": ۱۱/ ۳۲/ ۲

شرح:...... "فی سبیل اللہ" (اللہ تعالی کی راہ) سے کیا مراد ہے؟ دو احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) جہاد کے دوران روزہ رکھنا، اس طرح ایک وقت میں دو عبادات جمع ہو جائیں گی اور (۲) اللہ تعالی کی اطاعت مراد ہے، یعنی جو آدمی محض اللہ تعالی کی اطاعت سمجھ کر اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے روزہ رکھے۔

بیوی نفلی روزہ رکھنے کے لیے خاوند سے اجازت طلب کرے

(۹۰۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ يَوْماً تَطَوُّعاً فِي غَيْرِ رَمَضَانَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ.))
(الصحیحة: ۳۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب رمضان کا مہینہ نہ ہو تو کوئی عورت اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔"

تخریج: أخرجه الدارمی فی "سننه": ۲/ ۱۲

شرح:...... بیوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاوند کی اطاعت کرے، اس حدیث سے پتہ چلا کہ عام نفلی عبادات سے پہلے خاوند کا حق ادا کیا جائے۔ اس سے بیویوں کو اندازہ کر لینا چاہیے کہ ان کے خاوندوں کا ان پر کتنا حق ہے۔ خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزے کی ممانعت کی وجہ وظیفۂ زوجیت ہے۔

❀❀❀❀

اَلزَّكَاةُ وَالسَّخَاءُ وَالصَّدَقَةُ وَالْهِبَةُ

زکوۃ، سخاوت، صدقہ، ہبہ

الزکاۃ: لغوی معنی: پاک وصاف ہونا، اضافہ، بڑھوتری

اصطلاحی تعریف: ..... مخصوص مدت کے بعد یا فی الفور مخصوص اموال میں سے، مخصوص مقدار کے ساتھ واجب ہونے والا حق، جو شرعی مصارفِ زکوۃ میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔

السخاء: لغوی معنی: فیاضی، سخاوت، بخشش

اصطلاحی تعریف: ..... بوقتِ ضرورت اشیائے ضرورت خرچ کرنا اور حسبِ استطاعت حقدار تک پہنچانا۔

الصدقة: ہر وہ چیز جو ثواب وتقرب کی نیت سے اللہ تعالی کے لیے دی جائے۔

الهبة: لغوی معنی: ہبہ کرنا، عطیہ دینا

اصطلاحی تعریف: ..... بغیر عوض کے کسی شخص کو کوئی مال یا حق دینا، ہدیہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔

صدقہ کی فضیلت

(۹۰٦)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنُ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِيءُ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ الْقُبُوْرِ ، وَإِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ۔))(الصحيحة : ٣٤٨٤)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ، صدقہ کرنے والوں کی قبروں سے حرارت کو بجھا دیتا ہے اور مومن ہی ہے جو روزِ قیامت اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٧/ ٢٨٦/ ٧٨٨، والبيهقي في "الشعب": ٣/ ٢١٢/ ٣٣٤٧

شرح: ..... یہ صدقہ وخیرات کی برکتیں ہیں کہ عذابِ قبر کی حرارت کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور حشر کے میدان میں سایہ نصیب ہوتا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات آدمی ہیں، اللہ تعالی ان کو قیامت والے دن اپنے سائے تلے جگہ دے گا: ..... (ان میں سے ایک آدمی وہ ہے) جس نے کوئی صدقہ کیا اور اسے

چھپایا حتی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔'' (بخاری، مسلم)

آپ ﷺ، آپ کی آل اور آپ کے غلاموں کے لیے صدقہ حلال نہیں

(٩٠٧)۔ عَنْ أَبِي رَافِعٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلاً مِّنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ: اِصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبُ مِنْهَا فَقَالَ لَا، حَتّٰى آتِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَسْأَلَهَا۔ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: ((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔))

(الصحيحة:١٦١٣)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے بنومخزوم کے ایک آدمی کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، اس نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو بھی میرے ساتھ آجا، تاکہ تجھے بھی کچھ (مال وغیرہ) مل جائے۔ اس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کئے بغیر کوئی (فیصلہ) نہیں کر سکتا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اور قوم کے آزاد کردہ غلام انہی میں سے ہوتے ہیں (لہٰذا ان کا بھی یہی حکم ہوگا)۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ١/ ٢٦٢، والنسائي: ١/ ٣٦٦، والترمذي: ١/ ١٢٨، والحاكم: ١/ ٤٠٤، وأحمد: ٦/ ١٠ و ٣٩٠

شرح:...... آلِ محمد ﷺ کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور پکڑی اور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اوہ، اوہ۔ (تاکہ وہ پھینک دے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَهُ۔)) ......کیا تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (بخاری، مسلم)

راجح قول کے مطابق آلِ محمد ﷺ سے مراد بنوعبد المطلب اور بنو ہاشم ہیں، اور بنو ہاشم سے مراد سیدنا علی، سیدنا عباس، سیدنا عقیل اور سیدنا حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کے غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے غلاموں کے لیے بھی صدقہ حلال نہیں ہے، حنفی مذہب میں بھی یہی قول معروف ہے، البتہ ابن ملک کا قول اس کے مخالف ہے، لیکن علامہ ملا علی قاری نے (مرقاة المفاتيح: ٢/ ٤٤٨۔ ٤٤٩) میں اس پر رد کیا ہے، اس کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔ (صحيحه: ١٦١٣)

زیر کفالت افراد پر خرچ کرنا افضل ہے

(٩٠٨)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟

((إِبْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ، وَالصَّدَقَةُ عَنْ ظَهْرِ غِنيً۔)) (الصحيحة:٢٢٤٣)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جن افراد کی کفالت کا تو ذمہ دار ہے، ان کے ساتھ ابتدا کر اور صدقہ وہ ہوتا جس کے بعد غنیٰ باقی رہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٢٢٧/ ٣١٢٩، وفيه ابو صالح لم يوجد ترجمته، لكن تابعه جمع من الثقات عند الشيخين و غيرهما

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں اہل وعیال کی اولیت وفوقیت اور عفت وقناعت کا بیان ہے۔ شریعت نے ہمیشہ لوگوں کی مصلحت کو مقدم رکھا ہے، بیوی بچوں اور والدین کی کفالت کرنا فرض ہے، جبکہ دوسرے افراد پر صدقہ کرنا نفلی عبادت ہے، شریعت نے اس باب میں فرض کو نفل پر مقدم کیا ہے۔ اسی طرح شریعت نے انسان کو فقر و فاقہ سے بچانے کے لیے یہ وضاحت کی کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو تونگری اور بے نیازی کے بعد ہو۔

ہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بسا اوقات حالات و واقعات کو دیکھ کر گھر کا سارا مال صدقہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے یہ اقدام کرنا چاہئے، جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

لیکن ہوا یوں کہ عوام الناس نے اس موضوع کی احادیث سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل وعیال کی کفالت سے انتہائی تکلفات پر مشتمل زندگی مراد لی ہے۔ ایک دن میں ایک بھائی سے اس موضوع پر بات کر رہا تھا کہ ٹھیک ہے کہ آپ بال بچے دار ہیں، لیکن آپ پر آپ کے والدین کا حق بھی ہے، آپ ان کے بارے میں غفلت اور لاپرواہی کا شکار کیوں ہیں، حالانکہ آپ کی آمدنی بھی معقول ہے؟

جناب نے جوابًا گھر کے اخراجات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی، جن میں بجلی بل، گیس بل، دودھ بل، اے سی کی خریداری کے اخراجات، موٹر کار کے اخراجات، بچوں کی سکول اور ٹیوشن فیس، گھر کا کرایہ، ایک اور رنگین ٹی وی کی خریداری...... اور کئی اوٹ پٹانگ امور شامل تھے۔

میں نے مختلف آیات واحادیث کی روشنی میں کچھ کہنا چاہا، لیکن بے سود۔

قارئین کرام! اس حدیث کا یہ مطلب نہیں جو عام لوگوں نے سمجھ لیا ہے، صدقہ وخیرات مسلمان کی زندگی کا اہم ترین جزو ہے، جس کو پورا کرنے کے لیے خلوص اور جذبے کی ضرورت ہے، بھاری آمدنی کی نہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے بچوں کی اہم ضروریات پر توجہ دھریں اور دوسرے مسلمانوں کے حقوق سے غفلت مت برتیں۔

مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام نفلی و مستحب صدقہ وخیرات سے قبل اہل خانہ کا خیال رکھنا چاہئے، نہ کہ اپنی آمدنی اور کمائی کی اصل غرض وغایت بیوی بچوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کو سمجھنا چاہئے۔

(٩٠٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا أَعْطَى اللّٰهُ أَحَدَكُمْ خَيْراً

فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ.)) (الصحيحة:٢٥٦٨)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی کسی کو مال عطا کرے تو وہ اسے اپنے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا شروع کرے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٤، وأبو عوانة في "صحيحه": ٤/ ٤٠٠، وأحمد: ٤/ ٨٦، ٨٧، ٨٩، من طريقه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٨٠٣

شرح:...... اس حدیث مبارکہ کا وہی مفہوم ہے جو اس باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ انسان اپنی آمدنی سے سب سے پہلے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کا بندوبست کرے، پھر صدقہ و خیرات کے لیے دوسرے لوگوں کا انتخاب کرے، لیکن اپنے اخراجات سے مراد انتہائی پرتکلف زندگی نہیں ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدقہ و خیرات کی تعریف

(٩١٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا نَفَعَنَا مَالُ أَحَدٍ مَانَفَعَنَا مَالُ أَبِي بَكْرٍ.)) (الصحيحة: ٢٧١٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں جو نفع ابوبکر کے مال نے دیا، وہ کسی کے مال نے نہیں دیا۔''

تخريج: أخرجه ابن راهويه في "مسنده": ٤/ ٨٠/ ١، والحميدي: ١/ ١٢١/ ٢٥٠، وابو يعلى في "مسنده": ٣/ ١٠٩٠، وابن ابي عاصم في "السنة": ١٢٣٠

شرح:...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) (ترمذی) ......''سوائے ابوبکر کے ہم نے تمام کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے اور ان کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ اللہ تعالی ہی ان کو روزِ قیامت بدلہ دیں گے۔'' ان میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت کا بیان ہے۔

بیوی پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

(٩١١)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ.)) (الصحيحة: ٩٨٢)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا ثواب کی نیت سے اپنے اہل پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٥/ ١٧، و مسلم: ٣/ ٨١، والترمذي: ١/ ٣٥٦، وقال "حسن صحيح"، وابن حبان في "صحيحه": ٦/ ٢١٩/ ٤٢٢٤ و٤٢٢٥، وابن أبي شيبة: ٩/ ١٠٧، و أحمد: ٥/ ٢٧٣

شرح:...... اللہ تعالی نے گھر کے سربراہ پر اہل و عیال کی کفالت کرنا اور ان پر خرچ کرنے کو فرض قرار دیا ہے، لہٰذا جب آدمی یہ ذمہ داری ادا کرے تو اسے اللہ تعالی کا حکم سمجھ کر سرانجام دے، نہ کہ کسی اور مجبوری کو مدنظر رکھ کر۔

(۹۱۲)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَهِيَ لَهُ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة: ۷۲۹)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ۱/ ۲۰، والنسائي: ۱/ ۳۵۳، والطيالسي: صـ۸٦/ ٦١٥ و السياق له، وكذا الطبراني في "المعجم الكبير": ۱۷/ ۱۹٦/ ۵۲۲، ۵۲۳، وابن حبان: ٦/ ۲۱۹/ ٤۲۲٤، ٤۲۲۵

شرح:...... اہل و عیال پر خرچ کرنا ان کے سربراہ کا فریضہ ہے، جب وہ اس نیت سے یہ مطالبات پورے کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ ذمہ داری لگائی ہے، تو نہ صرف ان کے بال بچوں کو سکون ملے گا، بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ المیہ یہ ہے کہ ہماری روز مرہ زندگی کے اکثر افعال و اعمال شریعت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کو اپنی زندگی کی روٹین سمجھ کا سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ہمارا ذہن ان کے نیکی ہونے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ ان کی حیثیت معاشرے کے ایک رواج سے زیادہ نہیں رہتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر دینی و دنیوی معاملے میں نیت کو درست کرنے کی کوشش کرے۔

صدقے میں اعلیٰ چیزیں پیش کی جائیں
صدقہ کرتے وقت قرابتداروں کو ترجیح دی جائے

(۹۱۳)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ رضی اللہ عنہ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ، وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طِيْبٌ۔ قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾(آل عمران:۹۲) قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے انصاریوں میں کھجور کے باغات کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار تھے اور انہیں اپنے مالوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحا (نامی باغ) تھا، یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور باغ میں موجود خوش گوار پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے، تاآنکہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرو﴾ (سورۂ آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿تم ہر گز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے، تاآنکہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ

إِلَـىَّ بَيْـرُحَـاءُ، وِإِنَّهَـا صَـدَقَةٌ لِـلّٰـهِ، أَرْجُـوْبِـرَّهَـا وَذُخْـرَهَا عِنْدَاللّٰهِ، فَضَعْهَا يَـارَسُوْلَ اللّٰهِ! حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ۔ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((بَـخٍ! ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، ذٰلِكَ مَـالٌ رَابِـحٌ! وَقَـدْ سَـمِـعْـتُ مَاقُلْتَ وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ۔)) (الصحيحة:٣٩٨٢)

کروں اور مجھے اپنے مالوں میں سے سب سے زیادہ محبوب چیز بیرحا (باغ) ہے، میں اسے اللہ کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالی سے اس کے اجر وثواب کی اور اس کے پاس اس کے ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں، پس آپ اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے فہم کے مطابق جہاں مناسب سمجھیں، اسے خرچ کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''واہ واہ! یہ تو بڑا نفع بخش مال ہے، یہ تو بڑا نفع بخش مال ہے! تم نے جو کچھ کہا ہے، میں نے سن لیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔''

تخريج: أخرجه البخاري:١٤٦١، ومسلم:٣/ ٧٩، وأحمد: ٣/ ١٤١، ٢٥٦

شرح:...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے خون سے شجر اسلام کی آبیاری کرنے والی آغوشِ نبوت کی پروردہ اور پاکیزہ ہستیاں تھیں، وہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کے نہ صرف سخت پابند تھے، بلکہ اسی میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اللہ تعالی کا ایک فرمان سن کر اپنے بیش قیمت باغ کو اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ لیکن قربان جایئے محمد رسول اللہ ﷺ کی سخاوت اور حکمت پر کہ صلہ رحمی کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنے قیمتی مال کو قرابتداروں کی خاطر واپس لوٹایا جا رہا ہے۔

(٩١٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: أُهْدِيَ إِلَـى النَّبِيِّ ﷺ ضَـبٌّ فَـلَـمْ يَأْكُلْهُ، قَالَتْ عَـائِشَةُ: يَـارَسُـوْلَ الـلّٰـهِ! أَلَا نُـطْعِمُـهُ الْـمَسَاكِيْنَ؟ قَـالَ: ((لَاتُـطْـعِمُوْهُمْ مِمَّا لَاتَأْكُلُوْنَ۔)) (الصحيحة:٢٤٢٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ کو سانڈا بطورِ ہدیہ پیش کیا گیا، لیکن آپ نے نہیں کھایا۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم یہ مساکین کو کھلا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز تم خود نہیں کھاتے وہ کسی کو مت کھلاؤ۔''

تخريج: رواه أحمد:٦/ ١٠٥و١٤٤، والطبراني في "الأوسط":١/ ٩٠/ ١۔ مجمع البحرين

شرح:...... افضل واکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اچھی، قیمتی اور پسندیدہ چیز صدقہ کی جائے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ کمتر چیز یا ضرورت سے زائد چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جا سکتا یا اس کا اجر نہیں ملتا، یقیناً اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی باعث اجر ہے، گو کمال وافضلیت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے، اس حدیث میں اسی چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔

غیر مسلم پر بھی صدقہ کیا جا سکتا ہے

(۹۱۵)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ ﷺ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَصَدَّقُوْا إِلَّا عَلٰى أَهْلِ دِيْنِكُمْ.)) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ﴾ (البقرة:۲۷۲) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَصَدَّقُوْا عَلٰى أَهْلِ الْأَدْيَانِ.)) (الصحيحة: ۲۷٦٦)

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صرف اپنے دین والوں پر صدقہ کرو۔'' جب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: ﴿انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے، تمہیں صرف اللہ تعالی کی رضامندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے اور تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۷۲) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام اہل ادیان پر صدقہ کیا کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ۳/ ۱۷۷

شرح:...... عام صدقہ وخیرات کے لیے تو مصلحت وضرورت کو مدنظر رکھ کر مسلم وغیر مسلم میں سے کسی ایک یا دونوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، لیکن زکوۃ کی ادائیگی کی صورت میں غیر مسلم کا انتخاب صرف تالیفِ قلبی کی نیت سے کیا جائے گا۔

صدقۂ فطر

(۹۱٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ صَعِيْرٍ أَوْ عَنْ ثَعْلَبَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَدُّوْا صَاعاً مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ أَوْ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، عَنْ كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، وَصَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ.)) (الصحيحة: ۱۱۷۷)

عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر یا ثعلبہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر آزاد اور غلام اور چھوٹے بڑے کی طرف سے ایک صاع گندم (جو دو آدمیوں کی طرف سے ادا کیا جائے گا) کا، یا ایک صاع کھجور کا یا ایک صاع جو کا (بطور صدقۂ فطر) ادا کرو۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني: ۲۲۳و ۲۲٤، وأحمد: ٥/ ٤٣٢

شرح:...... صدقہ فطر سے مراد وہ زکوۃ ہے جو ماہ رمضان کے اختتام پر ہر مسلمان کی طرف سے نماز عید سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

صاع ایک پیمانے کا نام ہے، جس کا وزن تقریباً دوکلوسوگرام ہوتا ہے، تخمینی طور پر اڑھائی کلو بتایا جاتا ہے۔

یہ صدقہ صرف مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ''من المسلمین'' کے الفاظ بھی ہیں۔

گندم میں سے پورا یا نصف صاع صدقہ فطر دیا جائے گا؟ یہ صحابہ کرام میں بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں پاکستان میں گندم سستی اور کھجور مہنگی ہے، اسی طرح اُس وقت عرب میں کھجور سستی اور گندم مہنگی ہوتی تھی۔

جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج یا عمرے کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو لوٹنے سے پہلے لوگوں سے خطاب کیا اور کہا: میرا خیال ہے کہ شام کی گندم کا نصف صاع (قیمت میں) کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، لہٰذا آئندہ گندم کا نصف صاع ادا کیا کریں گے۔ لیکن سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اسی طرح (ایک صاع) ہی ادا کرتا رہا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گندم کا نصف صاع سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا۔ لیکن مذکورہ بالا حدیث نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ گندم میں سے واقعی نصف صاع ادا کیا جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۹۱۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَدُّوْا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ۔)) (الصحیحۃ: ۱۱۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کھانے کا ایک صاع ادا کیا کرو۔“

تخریج: أخرجه البیهقي: ٤/ ١٦٧، وأبونعیم في "الحلیة" ٣/ ١٢ و ٦/ ٢٦٢

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں لفظ ”طعام“ عام ہے، عبداللہ بن ثعلبہ بن ابو صعیر کی مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اس سے مراد گندم کے علاوہ دوسری اجناس ہوں گی، کیونکہ اس سلسلے میں گندم کا نصف صاع کفایت کرتا ہے، گندم کی یہ مقدار کئی دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے، علی سبیل المثال سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((...... مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ صَاعٍ مِمَّا سِوَاهُ مِنَ الطَّعَامِ۔)) (دار قطنی: ۲۲۰، ۲۲۱ من طریقین عن ابن جریج عنه)) ...... ”...... گندم سے دو مد اور اس کے علاوہ باقی کھانوں سے ایک صاع۔“ (صحیحہ: ۱۱۷۹) صاع میں چار مد ہوتے ہیں۔

صدقہ کرنے میں جلدی کرنا اور اس کی وجہ

مال کی معمولی مقدار کے ذریعے آتش دوزخ سے بچا جا سکتا ہے

(۹۱۸)۔ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَهُ رَجُلَانِ: أَحَدُهُمَا يَشْكُوْ الْعَيْلَةَ، وَالْآخَرُ يَشْكُوْ قَطْعَ السَّبِيْلِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَمَّا قَطْعُ السَّبِيْلِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكَ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، آپ کے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک نے فقر و فاقہ کی اور دوسرے نے راستے کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رہا مسئلہ راستے کے غیر محفوظ ہونے کا، تو تھوڑا عرصہ ہے،

إِلَّا قَلِيْلٌ حَتّٰى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلٰى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيْرٍ ، وَأَمَّا الْعَيْلَةُ ، فَإِنَّ السَّاعَةَ لَاتَقُوْمُ حَتّٰى يَطُوْفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ، لَايَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ، ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ لَهُ: أَلَمْ أُوتِكَ مَالاً؟ فَلَيَقُوْلَنَّ: بَلٰى۔ ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ: أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُوْلاً؟ فَلَيَقُوْلَنَّ: بَلٰى۔ فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَلَا يَرٰى إِلَّا النَّارَ ، ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهِ، فَلَا يَرٰى إِلَّا النَّارَ ، فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔)) (الصحيحة:۳٤۹٥)

اس کے بعد (اتنا امن ہو گا کہ) غلے والے قافلے بھی مکہ کی طرف بغیر محافظ کے روانہ ہوں گے اور جہاں تک غربت و افلاس کا تعلق ہے، تو (اس کی فکر نہ کرو) قیامت کے برپا ہونے سے پہلے تم میں سے ایک آدمی صدقہ لے کر گھومے گا لیکن (مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے) وہ ایسا فرد نہیں پائے گا جو اس کا صدقہ قبول کرے۔ (یاد رکھو کہ) تم میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا اور دونوں کے درمیان پردہ ہو گا نہ ترجمانی کرنے والا ترجمان۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا میں نے تجھے مال دیا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا میں نے تیری طرف رسول بھیجا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں۔ پس جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو صرف آگ نظر آئے گی اور بائیں جانب دیکھے گا تو اُدھر بھی صرف آگ نظر آئے گی۔ ہر کوئی آگ سے بچے، اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ساتھ، اگر وہ بھی نہ ہو تو اچھی بات کے ساتھ۔‘‘

تخریج: أخرجه البخاري: ١٤١٣ ، ابن حبان: ٧٣٣٠ ، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٧/ ٩٤/ ٢٢٤

شرح:...... معلوم ہوا کہ حسبِ استطاعت صدقات و خیرات جہنم سے بچنے کے بہت بڑے اسباب ہیں اور لیکن ہر ایک کے بس کی بات نہ ہونے کی وجہ سے شریعت نے ’’کلمۂ طیبہ‘‘ یعنی اچھی بات کہنے کی تلقین کر دی، جو ہر ایک کے لیے بغیر کسی مشقت کے ممکن ہے۔ آدمی صدقہ و خیرات کی صورت میں جو مال و دولت اللہ تعالیٰ کے پاس جمع کروا دیتا ہے، وہی اس کا حقیقی سرمایہ ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک بکری ذبح کی (اس کا کچھ تقسیم کر دیا اور کچھ رکھ دیا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر پوچھا کہ اس کا کتنا حصہ باقی ہے؟ ہم نے کہا: (ساری تقسیم کر دی گئی ہے) صرف ایک دستی بچی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔)) (ترمذی) ...... ’’(اس کا مطلب یہ ہوا کہ) ساری بچ گئی ہے، سوائے ایک دستی کے۔‘‘ (یعنی بکری کا جو حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے دراصل وہی باقی ہے جو روزِ قیامت کام آئے گا اور جو بچ گیا ہے اس کو ہم خود کھا کر فنا کر دیں گے)۔

نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص پاکیزہ (حلال) کی کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صدقہ قبول بھی پاکیزہ کمائی کا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے، پھر وہ اسے صاحبِ صدقہ کے لیے بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے ایک شخص اپنے بچھیرے کو پالتا اور بڑھاتا ہے

یہاں تک کہ (وہ کھجور) پہاڑ کی مانند ہو جاتی ہے۔'' (بخاری، مسلم)

پچھلے ادوار کی بہ نسبت آجکل مال و دولت کی کثرت ہے، صدقہ و زکوۃ کے مستحق افراد کم ہیں اور بعض علاقوں میں بالکل نہیں ہیں، لہذا ہمیں چاہیے کہ یہ نیکی سرانجام دینے میں عجلت سے کام لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری زندگی میں ہی مستحق لوگ بالکل ناپید ہو جائیں اور ہمیں صدقہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ غریب لوگوں کو بھی پانچ دس پندرہ بیس روپیوں کا صدقہ کر کے اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہیے۔

رہا مسئلہ اچھی بات کا، تو سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرْفَةً يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا، وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا۔)) فَقَالَ أَبُوْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيَ: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَبَاتَ قَائِمًا وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔)) (حاکم، طبرانی) ..... ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ اندر سے ان کا باہر کا منظر اور باہر سے اندر کا منظر نظر آتا ہے۔ سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کس کے لیے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اس کے لیے ہیں جو اچھی اور عمدہ گفتگو کرتا ہے، کھانا کھلاتا ہے اور جب (رات کو) لوگ سو رہے ہوتے تو وہ قیام کرتا ہے۔''

لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنی حیثیت کو دیکھ کر صدقہ و خیرات کی مختلف صورتوں میں اللہ تعالی کے عطا کئے گئے رزق میں سے کچھ مقدار صرف کرتے رہیں اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئیں۔

لیکن یہ بات ضروری ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے اور میٹھے بول بولنے کے لیے اپنی پسند یا معیار کے مطابق مخصوص افراد کا تعین نہ کیا جائے، بلکہ رشتۂ اسلام کو ترجیح دی جائے۔

زائد مال خرچ کر دینا بہتر ہے
صدقہ دینے والا شخص لینے والے سے بہتر ہے

(۹۱۹)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنْ تُعْطِ الْفَضْلَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ وَإِنْ تُمْسِكْهُ فَهُوَ شَرٌّ لَكَ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ، وَلَا يَلُوْمُ اللّٰهُ عَلَى الْكَفَافِ وَالْيَدُ الْعُلْيَاءُ خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔)) (الصحيحة:۲۴۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی فرماتا ہے: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد مال خرچ کر دے تو تیرے لیے بہتر ہے اور اگر روکے رکھے تو وہ تیرے لیے برا ہے اور اللہ تعالی برابر سرابر روزی پر ملامت نہیں کرتا اور ابتدا اپنے اہل و عیال کے ساتھ کر اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۲/ ۳۶۲

شرح:..... اس حدیث میں جہاں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت اور حاجت کے مطابق مال رکھنے کی

اجازت، بلکہ تاکید اور حکم ہے وہاں دوسری طرف ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کے مستحب ہونے اور مال کو روکے رکھنے کو انسان کے حق میں برا قرار دینے کا بیان بھی ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ دنیا و آخرت، دونوں جگہ صحیح نہیں۔ دنیا میں دولت کو جمع کرنے سے دولت کی گردش رک جاتی ہے، جس سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہے، نیز اس سے انسان میں دنیا سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اس میں صدقہ و جہاد کے جذبات ماند پڑ جاتے ہیں، رہا مسئلہ آخرت کا تو اس میں تو بخل کا انجام بد واضح ہی ہے۔

صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی

(۹۲۰)۔ قَالَ ﷺ: ((أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَبِلَالِ بْنِ رَبَاحٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَائِشَةَ رضی اللہ عنہم۔ (الصحيحة: ٢٦٦١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال! خرچ کیا کرو اور عرش والے سے مفلسی سے نہ ڈرا کرو۔'' یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا بلال بن رباح، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: ......(١) أما حديث أبي هريرة: أخرجه الطبراني في" المعجم الكبير": ١/ ١٠١/ ١، وفي "الأوسط": ٤/ ٤٨٦ـــ الجامعة الاسلامية، والقطيعي في"جزء الألف دينار": ق٤٠/ ١، و البزار: ٤/ ٢٥١/ ٣٦٥٥، وأبونعيم في "الحلية": ٢/ ١٨٠، والبيهقي في "الدلائل": ١/ ٣٤٧

(٢) وأما حديث بلال: أخرجه البزار :٣٦٥٣ـ كشف، والطبراني:١/ ١٠٧/ ١

(٣) وأما حديث ابن مسعود: أخرجه البزار :٣٦٥٣ـــ كشف الأستار، وابن الأعرابي: ١٢٢/ ٢، و الطبراني: ١/ ١٠٠/ ٢، ٣/ ٧٢/، والقضاعي:ق٦٤/ ٢

(٤) وأما حديث عائشة: أخرجه محمد بن الحسين الحراني في"الفوائد":ق٢٩/ ١

شرح:...... ہر کس و ناکس کے پاس جو کچھ ہے، وہ محض اللہ تعالی کا فضل اور احسان ہے، یہ کسی صلاحیت و قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے سب کچھ عطا کر کے پھر بطورِ قرض لینے کا مطالبہ کیا، اور اس قرض کو بہت اچھے انداز میں واپس کرنے کا وعدہ کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ۔)) ......''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔'' (مسلم) صدقہ و خیرات کی برکات کا اندازہ صرف اس بندۂ خدا کو ہو سکتا ہے، جو اس عظیم صفت سے متصف ہے، اس کو قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے، مال و دولت میں غیر محسوس، بلکہ بسا اوقات محسوس انداز میں بھرپور برکت ہوتی ہے، قلتیں کثرتوں میں تبدیل ہونے لگتی ہیں، کئی بلائیں ٹل جاتی ہیں اور اگر دنیا میں کچھ بھی نہ ملے تو صدقہ کے عوض آخرت میں ملنے والی جنت و بہشت اور اجر و ثواب ہی کافی ہے۔

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۶۱)..... ''جولوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو(۱۰۰) دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کے دیے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں کچھ نہ کچھ مقدار خرچ کرتے رہیں اور کبھی بھی اس کی وجہ سے مال و دولت میں کمی ہو جانے کا نہ سوچیں۔

صدقہ کی مختلف اقسام

(۹۲۱)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ مَرْفُوْعاً: ((مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ، فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ، فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة: ٤٥٢)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا اپنے آپ کو کھلانا تیرے لیے صدقہ ہے، تیرا اپنے بیٹے کو کھلانا تیرے لیے صدقہ ہے، تیرا اپنی بیوی کو کھلانا تیرے لیے صدقہ ہے اور تیرا اپنے خادم کو کھلانا تیرے لیے صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٣١، والطبرانی فی "الكبير": ٢٠/ ٢٦٨، والبخاری فی "الادب المفرد": ١٩٥

شرح: ..... اسلام میں ہر نیکی کی بنیاد نیت پر ہے، کسی نے کیا خوب کہا: "رُبَّ عَمَلٍ كَبِيْرٍ تُصَغِّرُهُ النِّيَّةُ وَرُبَّ عَمَلٍ صَغِيْرٍ تُعَظِّمُهُ النِّيَّةُ۔" ..... کتنے ہی عظیم اعمال ہیں، جنھیں نیت کم تر بنا دیتی ہے اور کتنے ہی معمولی معمولی نیک اعمال ہیں کہ جن کو نیت عظیم تر بنا دیتی ہے۔

اگر کوئی آدمی خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر رہا ہے تو وہ بے شمار اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے، لیکن اگر اسی صدقہ و خیرات کی بنیاد ریا کاری اور نمود و نمائش ہو تو ایسی ''نام نہاد نیکی'' اس کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ اس موقع پر خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز کا قول ذکر کرنا انتہائی مناسب ہے، وہ کہتے ہیں: ((لَا تَكُنْ مِمَّنْ يَتَّبِعُ الْحَقَّ إِذَا وَافَقَ هَوَاهُ وَيُخَالِفُهُ إِذَا خَالَفَ هُوَاهُ۔ فَإِذَا أَنْتَ لَا تُثَابُ عَلٰى مَا وَافَقْتَهُ مِنَ الْحَقِّ وَ تُعَاقَبُ عَلٰى مَا تَرَكْتَهُ مِنْهُ لِأَنَّكَ إِنَّمَا اتَّبَعْتَ هَوَاكَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ۔ (شرح العقيدة الطحاويه لابن ابی العز الحنفی)) ..... ''تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جا، جو اس وقت حق کی پیروی کرتے ہیں، جب ان کی خواہشات کے موافق ہوتا ہے اور اس وقت مخالفت کرتے ہیں، جب وہ ان کی تمناؤں کے مخالف ہوتا ہے، کیونکہ ایسے میں حق کی موافقت کرنے پر تجھے اجر و ثواب نہیں ملے گا اور اسے چھوڑنے پر سزا ملے گی، کیونکہ تو نے دونوں مقامات میں اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ مسلمان جب اپنے آپ پر، اپنے اہل و عیال پر اور اپنے نوکروں چاکروں پر خرچ کرے تو سب سے پہلے شریعت کی روشنی میں اپنی نیت کو درست کرے کہ وہ یہ رقم کیوں خرچ کر رہا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی ذمہ داری لگائی، یا وہ کون سی آیات اور احادیث کا مصداق بن رہا ہے۔

صدقے کی افضل صورتیں

(۹۲۲)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔)) (الصحيحة:٥٦٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کم سرمائے والے آدمی کی محنت کا صدقہ افضل ہے اور جن افراد کی کفالت کا تو ذمہ دار ہے، (مال خرچ کرنے کے سلسلے میں) ان سے ساتھ ابتدا کر۔''

تخريج: أخرجه البغوي في "حديث الجهم العلاء بن موسى": ٢/ ٢

شرح: ...... ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۂ ملك: ٢) ......''اس اللہ نے موت و حیات کا (نظام) پیدا کیا تاکہ تم (انسانوں) کو آزمائے کہ تم میں کون ہے جو اچھے عمل کرے گا۔''

دراصل اللہ تعالی کی قدردان نگاہ سب سے پہلے عمل کے حسن پر پڑتی ہے اور پھر عمل کی کثرت پر۔ ایک غریب آدمی نے محنت و مشقت کر کے معمولی مقدار میں مال و دولت اکٹھا کیا اور بمشکل اپنے اخراجات پورے کر کے اس کی انتہائی معمولی مقدار اللہ تعالی کے راستے میں اس تڑپ سے خرچ کی کہ اس کا نام بھی صدقہ کرنے والوں کی فہرست میں آ جائے۔ ایسے آدمی کے عمل کی قدر بہرحال ایک امیر زادے کے عمل سے زیادہ ہے، جو نعمتوں کی فراوانیوں کے ماحول میں پالا پوسا گیا ہو اور وہ اپنی آمدن کا کچھ حصہ اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کر دے۔

(۹۲۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الْمَنِيْحَةُ، تَغْدُوْا بِعِسَاءٍ، وَتَرُوْحُ بِعِسَاءٍ۔)) (الصحيحة: ٢٥٨٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(دودھ والا جانور) بطورِ عطیہ دینا افضل صدقہ ہے، جو صبح کو ایک پیالہ دودھ کا دے اور ایک شام کو۔''

تخريج: رواه الخطابي في "غريب الحديث": ١٠٦/ ٢، وأخرجه مسلم: ٣/ ٨٨ بلفظ: ((أَلَا رَجُلٌ يَمْنَحُ أَهْلَ بَيْتٍ نَاقَةً تَغْدُوْ بِعُسٍّ، وَتَرُوحُ بِعُسٍّ، إِنَّ أَجْرَهَا لَعَظِيْمٌ۔)) و البخاري: ٢٦٢٩، ٥٦٠٨ بلفظ: ((نِعمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً، اَلشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً، تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَ تَرُوحُ بِآخر۔))

شرح: ...... یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے، دراصل اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو رزق دینے کے دو انداز اختیار کیے ہیں: (۱) براہِ راست رزق دینا، یعنی ایسے اسباب مہیا کرنا کہ جن کی بنا پر وہ اپنی روزی کا خود اہتمام کرے اور (۲) کسی

کے لیے محض یہ سبب ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے یا لوگ اس پر از خود صدقہ کر دیں یا وہ لوگوں کے ہاں ملازمت اختیار کرے۔

وہ لوگ کتنے سعادت مند ہیں جو اللہ تعالی سے اسبابِ رزق وصول کرنے کے بعد اس کی آزمائش پر پورے اترتے ہیں اور ان لوگوں کی فکر کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالی نے اسبابِ روزی سے محروم رکھا ہوتا ہے۔ کسی شخص کو مستقل طور پر جانور دینے کے اجر و ثواب کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً اَعْلَاهَا مَنِيْحَةُ الْعَنْزِ ، مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ۔)) (بخاری) ......''چالیس خصلتیں ہیں، ان میں سب سے اعلی، بکری کا دودھ پینے کے لیے دے دینا ہے۔ جو عامل بھی ان میں سے کسی ایک خصلت پر، ثواب کی امید پر اور اللہ تعالی کی طرف سے کئے گئے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے عمل کرتا ہے، اللہ تعالی اسے ضرور جنت میں داخل فرماتا ہے۔''

(۹۲۳م): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَبْلُغُ بِهِ: ((أَلَا رَجُلٌ يَمْنَحُ أَهْلَ بَيْتٍ لَادَرَّلَهُمْ نَاقَةً مِنْ إِبِلِهِ تَغْدُوْ بِعُسٍّ وَتَرُوحُ بِعُسٍّ، إِنَّ أَجْرَهَا لَعَظِيْمٌ۔))(الصحیحة:۳٦۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ''کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو ایسے اہل خانہ کو اونٹنی بطور عطیہ دے دے کہ جن کے پاس دودھ نہیں ہے، وہ صبح کو ایک بڑا پیالہ دودھ کا دے اور ایک شام کو، بلاشبہ اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔''

تخریج: رواه مسلم: ۳/ ۸۸۔ واللفظ له۔، وأحمد: ۲/ ۲٤۲، وأبو يعلي: ٦٢٦٨

مخفی صدقہ غضبِ الٰہی کو مٹاتا ہے

(۹۲٤)۔ قَالَ ﷺ: ((صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ وَأَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ أُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنهم۔ (الصحیحة:۱۹۰۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مخفی صدقہ ربّ کے غضب کو مٹا دیتا ہے۔'' یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن جعفر، سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدہ ام سلمہ، سیدنا ابو امامہ، سیدنا معاویہ بن حیدہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (۱)۔ أما حديث عبدالله بن جعفر: فأخرجه الطبراني في "المعجم الصغير": صـ ۲۱٤ و "الأوسط": ۱/ ۹۳/ ۱، والقضاعي في "مسند الشهاب": ق ۱۱/ ۱

(۲)۔ وأما حديث أبي سعيد الخدري: فأخرجه العسكري في "كتاب السرائر": ١٧٩/ ١

(۳)۔ وأما حديث عبدالله بن عباس: فأخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٦/ ١٧/ ٢ في ترجمة داود بن عيسى هذا

(٤)۔ وأما حديث عمر بن الخطاب: فأخرجه أبو بكر الذكواني في "أثنا عشر مجلسا": ٩/ ٢

(٥)۔ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه القضاعي في "مسند الشهاب": ١١/ ١، وكتب ابن المحب فيما أظن ۔ على هامش النسخة۔

(٦)۔ وأما حديث أم سلمة: فيرويه الطبراني في "المعجم الأوسط": رقم ۔ ٦٢٢٢

(٧)۔ وأما حديث أبي أمامة: فأخرجه لؤلؤ في "الفوائد المنتقاة": ٢/ ٢١٥/ ١، و الطبراني في "الكبير": ٨٠١٤

(٨)۔ وأما حديث معاوية بن حيدة: فأخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٩٣/ ١، والقضاعي في "مسند الشهاب" ق ١١/ ٢، والضياء المقدسي في "المنتقي من مسموعاته بمرو": ٢٣/ ١

(٩)۔ وأما حديث أنس: فله عنه ثلاثة طرق، حسّن أحدهما الترمذي، وقد خرجتها في "إرواء الغليل": ٨٨٥

شرح:...... جن اعمال وافعال کو خفیہ طور پر سرانجام دینا ممکن ہو، ان کے بارے میں شریعت کی رائے یہ ہے کہ ان کو مخفی طور پر ہی سرانجام دیا جائے، کیونکہ یہی واحد انداز ہے جو اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا سبب بنتا ہے اور بندۂ خدا کے خلوص اور للّٰہیت کا سبب بنتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات آدمی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قیامت والے دن اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا، (ان میں سے ایک وہ ہے جو) صدقہ کرتا ہے اور اسے چھپاتا ہے، حتی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا کچھ خرچ کیا۔'' (بخاری، مسلم) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو اس عمل کی خبر نہیں ہونے دیتا۔

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ صدقے کو مخفی رکھنے کی غرض سے مستحق رشتہ داروں کو پس پشت ڈال دیتے ہے، ان کا یہ عمل احادیثِ مبارکہ کی رو سے درست نہیں ہے، کیونکہ صدقہ و خیرات کے اولین مستحق غریب قرابتدار ہوتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ مخفی انداز میں رشتہ داروں پر بھی صدقہ کرنا ممکن ہے، مثلا منی آڈر بھیج دینا اور اپنا نام واضح نہ کرنا یا کسی امانتدار شخص کا واسطہ استعمال کر لینا، وغیرہ وغیرہ۔

صدقہ کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے

(٩٢٥)۔ عَنْ عُقْبَةَ رضي الله عنه، قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ مُسْرِعاً فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازِ عصر پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی جلدی کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے

بَعْضِ حُجَرِ نِسَاءِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ، فَرَأَى أَنَّهُمْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهِ فَقَالَ: ((ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ مِنَ الصَّدَقَةِ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِيْ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((أَنْ يُمْسِيَ أَوْ يَبِيْتَ عِنْدَنَا فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ.)) (الصحيحة:٣٥٩٤)

ہوئے ایک بیوی کے گھر میں داخل ہو گئے۔لوگوں کو آپ کی سرعت سے تعجب ہوا، (اتنے میں) آپ ﷺ واپس آ گئے اور دیکھا کہ لوگوں کو آپ کی جلدی پر تعجب ہو رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے (سونے یا چاندی) کی زکوۃ کی ایک ڈلی یاد آئی، جو ہمارے پاس تھی۔ میں نے ناپسند کیا کہ وہ مجھے روک لے (اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ہمارے پاس شام کرے یا رات گزارے) اس لیے میں نے اسے (ابھی ابھی) تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔''

تخريج: رواه البخاري: ٨٥١، ١٢٢١، ١٤٣٠، ٦٢٧٥

شرح :...... اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان خیر و بھلائی کے جو امور سرانجام دینا چاہتا ہے، اسے پہلی فرصت میں اپنے ارادے پر عمل کرنا چاہیے۔

صدقہ کرنے والوں کے لیے جنت کا باب الصدقہ

(٩٢٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷛، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ نُوْدِيَ فِي الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! هٰذَا خَيْرٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ.)) قَالَ أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقِ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا عَلٰى أَحَدٍ يُدْعٰى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ، فَهَلْ يُدْعٰى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ.)) (الصحيحة:٢٨٧٩)

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا تو اسے جنت (کے دروازوں سے) یوں پکارا جائے گا: اے اللہ کے بندے یہ دروازہ بہتر ہے۔ پس جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا اسے ''بابُ الصلوۃ'' سے پکارا جائے گا، جو مجاہدین میں سے ہوگا، اسے ''بابُ الجہاد'' سے پکارا جائے گا، جو صدقہ کرنے والوں میں سے ہوگا اسے ''بابُ الصدقہ'' سے پکارا جائے گا اور جو روزہ رکھنے والوں میں سے ہوگا اسے ''بابُ الریّان'' سے پکارا جائے گا۔'' حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے کہا: اے اللہ کے رسول! جس کو ان دروازوں میں سے (کسی ایک دروازے سے) بھی پکارا گیا، اس کے لیے کوئی نقصان اور خسارہ نہیں (کیونکہ مقصود جنت میں داخلہ ہے)، لیکن کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’جی ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان ہی میں سے ہو گے۔‘‘

تخريج: أخرجه البخاري :١٨٩٧، ٢٨٤١، ٣٦٦٦، ومسلم :٣/ ٩١، والترمذي :٣٦٧٥ وصححه، والنسائي:١/ ٣١٢، ٢ ٣٣٢ـ٣٣٣، ٢/ ٥٨، وابن حبان :١/ ٢/٢٦٣ /٣٠٨، ومالك في "الموطأ": ٢/ ٢٤

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں جوڑا جوڑا خرچ کرنے والوں، نمازیوں، مجاہدوں، صدقہ کرنے والوں اور روزے داروں کی شان کا بیان ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ جس آدمی کے نامۂ اعمال میں جس نیک عمل کی کثرت ہو گی، اسی مناسبت سے اسے جنت کے مخصوص دروازے سے بلایا جائے گا، یہ مفہوم نہیں ہے کہ جہاد کی کثرت سے مراد نمازوں میں غفلت ہے یا نمازوں کی کثرت سے مراد رمضان کے روزوں میں سستی ہے۔ نیز اس حدیث سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت ثابت ہو رہی ہے کہ ان کا نام جنت کے ہر دروازے پر ہو گا۔

جوڑے سے مراد، دو کی تعداد ہے، یعنی ایک جنس میں سے دو چیزیں صدقہ کی جائیں، مثلا دو اونٹ، دو گائیں اور دو بکریاں وغیرہ، جیسا کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، جسے امام نسائی اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ انفاق

(٩٢٧)۔ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ لِي أَبُوْ ذَرٍّ: يَا ابْنَ أَخِي! كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ آخِذًا بِيَدِهِ فَقَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي أُحُدًا ذَهَبًا وَفِضَّةً أُنْفِقُهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمُوْتُ يَوْمَ أَمُوْتُ فَأَدَعُ مِنْهُ قِيْرَاطًا۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قِنْطَارًا؟ قَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! أَذْهَبُ إِلَى الْأَقَلِّ وَتَذْهَبُ إِلَى الْأَكْثَرِ، أُرِيْدُ الآخِرَةَ وَتُرِيْدُ الدُّنْيَا، قِيْرَاطًا)) فَأَعَادَهَا عَلَيَّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (الصحيحة:٣٤٩١)

عبیداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ابو ذر! اگر مجھے احد پہاڑ جتنا سونا یا چاندی مل جائے تو میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں گا۔ میں جس دن بھی مروں گا، یہ نہیں چاہوں گا کہ اس میں سے ایک قیراط بھی میرے پاس باقی ہو۔‘‘ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! (آپ کیا کہہ رہے ہیں) ایک قنطار؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! میں قلیل کی طرف جاتا ہوں اور تو کثیر کی طرف؟ میں آخرت کا ارادہ رکھتا ہوں اور تو دنیا کا؟ (میں کہہ رہا ہوں:) قیراط۔‘‘ یہ الفاظ تین دفعہ دوہرائے۔

تخريج: وله طريقان:

الأولى: عن سعيد بن كثير المدني: فأخرجه البزار في "مسنده": ٩/ ٣٤٢/ ٣٨٩٩، ٤/ ٢٥٢/ ٣٦٥٧۔

كشف الأستار، ٢/ ٤٩٢/ ٢٢٧٧ـ مختصر الزوائد

الثانية: ما يرويه محمد بن فضيل: فأخرجه أحمد: ٥/ ١٤٩، وابن جرير الطبري في "تهذيب الآثار": (مسند ابن عباس) صـ ٢٤٧/ ٤٠٧، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٣/ ٢٨٤/ ٣١٥٩

والحديث مخرج في "الصحيحين" وغيرهما أتم منه، دون قول ابي ذر ......

شرح:...... قیراط = (۱۔۲۵۵) ملی گرام۔

قنطار: اس کے دو معانی ہیں: (۱) مالِ کثیر، (۲) ایک مقدارِ وزن جو مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے، مصر میں قنطار (۱۰۰) رطل کے برابر ہوتا ہے اور رطل (۲۶۰۔۳۹۳) گرام کے برابر ہوتا ہے، جو (۳۹) کلوگرام سے زیادہ وزن بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا آپ ﷺ کا جذبہ یہ تھا، آپ ﷺ سخاوت کے وصف سے بدرجۂ اتم متصف تھے، آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور عملا اس وصف کو ثابت بھی کیا۔ غور فرمائیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو صرف اس بات پر سرزنش کی کہ انھوں نے ''قیراط'' کی بجائے ''قنطار'' سمجھا، جس کی مقدار زیادہ ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ انفاق

(٩٢٨)۔ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ بِطَوْقٍ فِيْهِ سَبْعُوْنَ مِثْقَالاً مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! خُذْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةَ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ، قَالَتْ: فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِثْقَالاً وَثَلَاثَةَ أَرْبَاعِ مِثْقَالٍ، فَوَجَّهَهُ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! خُذْ مِنْهُ الَّذِي جَعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ، قَالَتْ: فَقَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْأَصْنَافِ السِّتَّةِ، وَعَلٰى غَيْرِهِمْ، فَقَالَ: ((يَا فَاطِمَةُ! إِنَّ الْحَقَّ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُبْقِ لَكِ شَيْئًا۔)) قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! رَضِيْتُ لِنَفْسِي مَارَضِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهٖ وَرَسُوْلُهُ۔

(الصحيحة: ٢٩٧٨)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ہار لے کر آئی، اس میں ستر (۷۰) مثقال سونا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس میں سے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضۂ (زکوۃ) لے لیں۔ آپ ﷺ نے ایک اور تین چوتھائی مثقال لے لیا اور باقی واپس کر دیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ وہ حصہ لیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ مال ان چھ اصناف اور ان کے علاوہ دوسروں پر تقسیم کیا اور فرمایا: ''فاطمہ! بیشک حق تعالیٰ نے تیرے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں اپنے لیے اس چیز کو پسند کروں گی جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول راضی ہوں گے۔

تخريج: أخرجه أبو الشيخ في جزئه" انتقاء ابن مردويه": ٨٣/ ٣٠ـ طبع الرشد

شرح :...... ایک مثقال کا وزن (۴ـ۳۷ـ۴) گرام ہوتا ہے

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیثِ مبارکہ میں اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں عورتوں کے زیورات پر زکوۃ کے وجوب کا مسئلہ معروف تھا، ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ نے کئی احادیث میں اس کا حکم دیا ہوگا، میں نے (آداب الزفاف) میں بعض احادیث کا تذکرہ کیا ہے، اسی لیے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنا ہار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تا کہ آپ ﷺ اس سے اس کی زکوۃ وصول کر سکیں۔ اس حدیث کو بھی اس موضوع پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث کے ساتھ ملا لیا جائے، تا کہ جو لوگ زیورات پر زکوۃ کے عدمِ وجوب کا فتوی دیتے ہیں، وہ اِن احادیث کو تسلیم کر کے ان پر قناعت کر لیں اور اس طرح فقرا کو ان کے حق سے محروم نہ کریں۔ (صحیحہ: ۲۹۷۸)

(۹۲۹)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ، حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَغْزُوَ فَقَالَ: ((يَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ! إِنَّ مِنْ أَخْوَانِكُمْ قَوْماً لَيْسَ لَهُمْ مَالٌ وَلَا عَشِيْرَةٌ فَلْيَضُمَّ أَحَدُكُمْ إِلَيْهِ الرَّجُلَيْنِ أَوِ الثَّلَاثَةَ۔)) قَالَ جَابِرٌ: فَمَا لِأَحَدِنَا مِنْ ظَهْرٍ يَحْمِلُهُ إِلَّا عُقْبَةٌ كَعُقْبَةِ يَعْنِي أَحَدَهُمْ فَضَمَمْتُ إِلَيَّ اثْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً۔ قَالَ: مَالِي إِلَّا عُقْبَةٌ كَعُقْبَةِ أَحَدِهِمْ مِنْ جَمَلِي۔ (الصحيحة:۳۰۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوے کا ارادہ کیا اور فرمایا: ''مہاجرو اور انصاریو! تمھارے بعض بھائی ایسے ہیں کہ نہ ان کے پاس مال ہے اور نہ وہ قرابتداروں کے ہمراہ ہیں، تم میں سے (بعض لوگ) ان میں سے دو دو یا تین تین افراد اپنے ساتھ ملا لیں۔'' جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم میں سے ہر ایک کے پاس سواری نہیں تھی، بس ان کی باری کی طرح ہماری بھی سوار ہونے کی ایک باری تھی، میں نے دو یا تین افراد اپنے ساتھ ملا لیے۔ وہ کہتے ہیں: ان کی باری کی طرح میرے لیے بھی اپنے اونٹ پر سواری کی ایک باری تھی (یعنی اونٹ میرا تھا لیکن سب کی باریاں برابر کی تھیں)۔

تخريج: أخرجه أبو داود: ٣٥٣٤

شرح :...... جب مہاجرین بے گھر ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصاریوں نے ایثار کا ثبوت دیتے ہوئے دل کھول کر ان کا تعاون کیا۔ ایثار کے ان جذبوں کے بعد غزوات کے موقعوں پر مہاجرین اور انصار دونوں نے اپنے منصب کو برقرار رکھا اور مشکلات برداشت کر کے تنگ دست بھائیوں کا دست و بازو بننے کی ہر ممکن کوشش کی۔

خرچ کرنے والوں کے لیے فرشتوں کی دعا اور نہ کرنے والوں کے لیے ان کی بد دعا

(۹۳۰)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ قَطُّ، إِلَّا بُعِثَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں

بِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ أَهْلَ الْأَرْضِ، إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلَى رَبِّكُمْ، فَإِنَّ مَاقَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهَى وَلَا آبَتْ شَمْسٌ قَطُّ، إِلَّا بُعِثَ بِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ أَهْلَ الْأَرْضِ، إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً، وَأَعْطِ مُمْسِكاً مَالاً تَلَفاً.)) (الصحيحة:٤٤٣)

پہلوؤں میں دو فرشتے ہوتے ہیں، وہ جن و انس کے علاوہ زمین والوں کو سناتے ہوئے ندا دیتے ہیں: لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ۔ بلا شبہ کفایت کرنے والا قلیل مال، غافل کر دینے والے کثیر مال سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بھی سورج غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں پہلوؤں پر دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جو جن و انس کے علاوہ اہل زمین کو سناتے ہوئے اعلان کرتے ہیں: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٢٤٧٦، وأحمد: ٥/ ١٩٧، والطيالسي: ٩٧٩، ومن طريقهما أبو نعيم في "الحلية": ١/ ٢٢٦، ٢/ ٢٣٣، ٩/ ٦٠

شرح: ...... مال و دولت اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان ہے، لیکن اگر کوئی آدمی اس احسان کے نتیجہ میں اسلام کے احکام و مسائل سے غافل ہو جاتا ہے، تو یہی مال و دولت اس کے لیے وبال جان بن جاتا ہے، لہذا اگر اللہ تعالی نے کسی مسلمان پر رزق کی فراوانی کر رکھی ہے تو وہ عاجزی و انکساری اختیار کرے، نہ کہ بغاوت و ہٹ دھرمی۔ اسے سمجھنا چاہئے اللہ تعالی اسے بھی در در کی ٹھوکریں کھانے اور ایک ایک دمڑی کا محتاج کر سکتا تھا، لیکن اس نے احسان کیا اور اسے رزق کے وسائل براہِ راست عطا کر دیے۔ باقی مسائل میں حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے۔

(٩٣١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ مَرْفُوْعاً: ((مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً.)) (الصحيحة:٩٢٠)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دن، جس میں بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا متبادل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے (مال) کو ضائع فرما دے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣/ ٢٣٧، ومسلم: ٣/ ٨٣-٨٤، وابن جرير الطبري في "التهذيب": مسند ابن عباس ١/ ٢٦٧/ ٤٥٤، والبيهقي: ٤/ ١٨٧

شرح: ...... انفاق فی سبیل اللہ سے دنیا میں بھی مال و دولت میں برکت ہوتی ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی ملتا ہے، اجر و ثواب کا معاملہ تو کئی آیات و احادیث میں واضح کیا گیا ہے اور برکت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس کے مطابق فرشتے بہترین متبادل کا سوال کرتے ہیں۔

ہر مال سے جوڑا صدقہ کرنے کی فضیلت

(۹۳۲)۔ عَنْ صَعْصَعَةَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: لَقِيْتُ أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثْنِيْ۔ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُنْفِقُ مِنْ كُلِّ مَالٍ لَهُ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا اسْتَقْبَلَتْهُ حَجَبَةُ الْجَنَّةِ كُلُّهُمْ يَدْعُوْهُ إِلَى مَاعِنْدَهُ۔)) قُلْتُ: وَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: ((إِنْ كَانَتْ إِبِلًا فَبَعِيْرَيْنِ وَإِنْ كَانَتْ بَقَرًا فَبَقَرَتَيْنِ۔))

(الصحيحة: ٥٦٧)

صعصعہ بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ملا اور کہا کہ مجھے کوئی حدیث بیان کرو۔ انھوں نے کہا: لیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان بندہ ہر مال میں سے ایک ایک جوڑا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے اور اسے اپنی طرف والی نعمتوں کی طرف بلائیں گے۔'' میں نے کہا: (ہر مال میں سے ایک ایک جوڑا)، اس کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اونٹ ہیں تو دو اونٹ اور اگر گائیں ہیں تو دو گائیں (علی ہذا القیاس)۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٦٦، والدارمي: ١/ ٢٠٤، وابن حبان: ١٦٤٩۔ ١٦٥٢، والحاكم: ٢/ ٨٦، وأحمد: ٥/ ١٥١، ١٥٣، ١٥٩، ١٦٤

شرح:...... حدیث میں ہی توضیح کر دی گئی ہے کہ جوڑے سے مراد، دو کی تعداد ہے۔ یعنی دو بکرے، دو گائیں، دو اونٹ اور دو گھوڑے وغیرہ۔

بھوکے کو کھانا کھلانا

(۹۳۳)۔ عَنْ عَبَّادِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: أَصَابَتْنِي سَنَةٌ فَدَخَلْتُ حَائِطًا مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ فَفَرَكْتُ سُنْبُلًا فَأَكَلْتُ وَحَمَلْتُ فِي ثَوْبِي فَجَاءَ صَاحِبُهُ، فَضَرَبَنِي وَأَخَذَ ثَوْبِي فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ: ((مَاعَلَّمْتَهُ إِذْ كَانَ جَاهِلًا وَلَا أَطْعَمْتَهُ إِذْ كَانَ سَاغِبًا أَوْ جَائِعًا۔)) وَأَمَرَهُ فَرَدَّ عَلَيَّ ثَوْبِي وَأَعْطَانِي وَسْقًا أَوْ نِصْفَ وَسْقٍ مِنْ طَعَامٍ۔

(الصحيحة: ٤٥٣)

حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں قحط سالی میں مبتلا ہو گیا، میں مدینہ کے باغوں میں سے کسی ایک باغ میں داخل ہوا، ایک بالی کو ملا اور اس سے دانے نکالے۔ کچھ دانے کھا لیے اور کچھ کپڑے میں اٹھا لیے، اتنے میں باغ کا مالک آ گیا، اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا چھین لیا۔ میں (شکایت لے کر) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا (اور ساری بات بتائی)، آپ ﷺ نے (باغ کے اس مالک) سے فرمایا: ''وہ جاہل تھا تو نے اسے تعلیم نہیں دی اور وہ بھوکا تھا تو نے اسے کھلایا نہیں۔'' پھر آپ نے اسے حکم دیا، اس نے میرا کپڑا مجھے لوٹا دیا اور مجھے ایک یا نصف وسق کھانے کا بھی دیا۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٤٠٨۔٤٠٩، والنسائي: ٢/ ٢٠٩، وابن ماجه: ٢/ ٤٥، والحاكم:

۴/ ۱۳۳۔ وأحمد: ۴/ ۱۶۶

شرح:...... شرعی قانون کے مطابق اس آدمی کا باغ سے دانے اٹھا کر لے جانا غلطی تھی، چونکہ یہ آدمی جاہل تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے معذور قرار دیا اور مالک کو معمولی سی سرزنش کر دی۔

''صاع'' ایک پیمانے کا نام ہے، جو دو کلو سو گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک وسق میں (۶۰) صاع ہوتے ہیں۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز صدقہ کرنے کا حکم

(۹۳۴)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلّٰى صَلَاةً وَسَلَّمَ قَامَ قَائِماً عَلٰى رِجْلَيْهِ فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِي مُصَلَّاهُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهُ لِلنَّاسِ، أَوْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَمَرَهُمْ بِهَا، وَكَانَ يَقُوْلُ: ((تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا۔)) وَكَانَ أَكْثَرَ مَنْ يَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (الصحيحة: ۲۹۶۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے موقع پر نکلتے اور نماز سے ابتدا کرتے، جب نماز سے سلام پھیرتے تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے، لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ آپ کے سامنے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ اگر آپ کو کوئی لشکر بھیجنے کی ضرورت یا کوئی اور حاجت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتے اور اسے پورا کرنے کا حکم دیتے، نیز فرماتے: ''صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو۔'' زیادہ تر صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں۔ پھر آپ ﷺ پلٹ جاتے تھے۔

تخریج: أخرجه مسلم: ۳/ ۲۰۔ والسياق له۔، والنسائي في "الصغرى" و "الكبرى" أيضا: ۱/ ۵۴۹/ ۱۷۸۵۔ والزيادة الثالثة له۔، وابن ماجه: ۱۲۸۸ والزيادة الثانية له، وابن خزيمة في "صحيحه": ۱۴۴۹، والزيادة الثالثة له أيضا، وابن حبان: ۳۳۱۱، والبيهقي: ۳/ ۲۹۷، ولهما الزيادة الأولى، وعبد الرزاق في "المصنف": ۳/ ۲۸۰/ ۵۶۳۴، وعنه أحمد: ۳/ ۵۴، وابن أبي شيبة في "مصنفه": ۲/ ۱۸۸، ۳/ ۱۱۰۔ ۱۱۱، وأحمد أيضا: ۳/ ۳۶، ۴۲، ۵۴، وأبو يعلى في "مسنده": ۲/ ۴۹۸/ ۱۳۴۳، وأخرجه البخاري: ۹۵۶ مع بعض الاختصار

شرح:...... معلوم ہوا کہ عیدین کے روز مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنا چاہیے تاکہ فقراء و مساکین بھی عید کی خوشیوں میں بلا امتیاز شامل ہو سکیں۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چند ایک تنبیہات:

(اول)...... امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (زاد المعاد) میں "ھدیہ ﷺ فی العیدین" میں اس باب والی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی، لیکن اس میں "فیقف علی راحلته" (آپ ﷺ دورانِ خطبہ اپنی

سواری پر تھے) کے الفاظ روایت کیے اور اس روایت کا حوالہ نقل نہیں کیا۔ لیکن تعلیق لگانے والوں نے لکھا: اس کی سند صحیح ہے اور مصنف قریب ہی اس کی سند کے رواۃ نقل کرنے والے ہیں۔

لیکن اس روایت میں ''سواری'' کا کوئی ذکر نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ زاد المعاد کی روایت کا سیاق ابن ماجہ کا ہے، لیکن سنن ابن ماجہ میں بھی "رجليه" کے الفاظ ہیں، "الراحلة" کے نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہ کا جو نسخہ ابن قیم کے پاس تھا، اس میں ''راحلتہ'' کے الفاظ تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن قیم نے ان الفاظ پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا: مجھے ایسے لگتا تھا کہ یہ الفاظ کسی وہم کا نتیجہ ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ عید کے لیے پیدل جاتے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے نیزہ گاڑھ دیا جاتا تھا، البتہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دس ذوالحجہ کو منی میں سواری پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، .... ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس روایت میں "يقوم على رجليه" کے الفاظ ہی تھے، جیسا کہ سیدنا جابر کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے (خطبۂ عید کے دوران) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگائی، لیکن کاتب سے غلطی ہوگئی اور اس سے "رجليه" کے الفاظ "براحلته" میں تبدیل ہوگئے۔ واللہ اعلم۔

لیکن زاد المعاد پر تعلیق لگانے والوں پر بڑا تعجب ہے کہ جب انھوں نے داود کی اس حدیث کی تخریج کی اور جن مصادر کا ذکر کیا، ان میں ابن ماجہ بھی شامل تھے، لیکن انھوں نے اس کے محفوظ روایت کے الفاظ ''رجلیہ'' کی نشاندہی نہ کی......

(دوم)...... سابقہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر سے (التلخيص الحبير: ۲/ ۸۶) میں خطا ہوئی کہ انھوں نے ابن حبان کی مختصر اور شاذ روایت کو نسائی، ابن ماجہ اور احمد کی طرف منسوب کیا۔ ان کو یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ روایت شاذ ہے اور ابن خزیمہ کی اس روایت کے مخالف ہے، جس پر انھوں نے فتح الباری میں اعتماد کیا تھا اور یہ روایت مسلم اور کئی محدثین کی ان روایات کے مخالف ہے، جن میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ ابن حبان کی اس شاذ روایت پر خاموشی اختیار کرنے میں امام شوکانی نے (نيل الاوطار: ۳/ ۲۶۰) میں اور امام صنعانی نے (سبل السلام: ۲/ ۷۹) میں ابن حجر کی تقلید کی۔

(سوم)...... شیرازی نے (المهذب) میں اس شاذ حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹھ کر خطبہ دینا جائز ہے، لیکن آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لیے اس سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے، اس پر مستزاد یہ کہ دوسری احادیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔

(چہارم)...... شیخ احمد بنا رحمہ اللہ نے (الفتح الرباني في ترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيباني) میں مسند احمد کی مختصر روایت ''خطب قائم علی رجلیہ'' کو ''ابواب صلاۃ الجمعۃ'' میں بیان کیا ہے اور اس کی تخریج بیان کرتے ہوئے کہا: ''مجھے یہ حدیث صرف مسند احمد میں ملی ہے اور اس کی سند جید ہے۔''

شیخ احمد بنا کو چاہیے تھا کہ اس حدیث کو عیدین کے ابواب میں لکھتے، بشرطیکہ ان کو بعض سابقہ روایات کا استحضار

ہوتا، بالخصوص مسند احمد کی وہ روایات جن کو انھوں نے فقہی ابواب کے مطابق ترتیب دیا تھا۔(صحیحہ : ٢٩٦٨)

پانی طلب کرنے والے کا مطالبہ پورا کرنا بھی صدقہ ہے

(٩٣٥)۔ عَنْ أَبِي جرِيَ الْهُجَيْمِيِّ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا مِنْ قَوْمٍ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ ، فَعَلِّمْنَا شَيْئًا يَنْفَعُنَا اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهٖ قَالَ: ((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِي وَلَوْ أَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَوَجْهُكَ إِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ وَإِيَّاكَ وَتَسْبِيْلَ الْإِزَارِ ، فَإِنَّهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ ، وَالْخُيَلَاءُ لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَإِنِ امْرُؤٌ سَبَّكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تَسُبَّهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ ، فَإِنَّ أَجْرَهُ لَكَ ، وَوَبَالَهُ عَلٰى مَنْ قَالَهُ۔)) (الصحيحة: ١٣٥٢)

حضرت ابوجری ہجیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جنگل میں رہنے والے لوگ ہیں، آپ ہمیں کسی ایسی چیز کی تعلیم دیں جس کے ذریعے اللہ تعالی تبارک و تعالی ہمیں نفع دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی کے کسی کام کو حقیر مت سمجھنا، اگر چہ وہ پانی مانگنے والے کے ڈول میں پانی ڈالنے کی صورت میں ہو یا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ کلام کرنے کی صورت میں ہو۔ اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ عز وجل تکبر کو پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی آدمی تیرے عیب کو سامنے رکھ کر تجھے برا بھلا کہے تو تو اس کے کسی عیب، جسے تو جانتا ہے، کی بنا پر اسے گالی گلوچ نہ دے، کیونکہ اس چیز کا اجر تیرے لیے ہو گا اور وبال کہنے والے پر۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٦٣

شرح:...... ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ہر چھوٹا یا بڑا کام سرانجام دینے سے قبل اپنی نیتوں کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ فلاں کام کرنے کی بنیاد کیا ہے، ہم کئی لوگوں کو پانی شانی اور چائے وائے پلاتے رہتے ہیں، لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم احادیث پر عمل کرتے ہوئے نیکیاں کر رہے ہیں؟ ایک دفعہ نافع بن حبیب سے کسی نے کہا: کیا آپ فلاں میت کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے جائیں گے؟ انھوں نے کہا: ذرا ٹھیرو، میں نیت کرلوں (کہ میرے جانے کا مقصد کیا ہے)، پھر انھوں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: چلو، چلتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں ہمیں انتہائی بیش قیمت چند نصیحتیں فرمائی ہیں، ہر نصیحت اپنی جگہ پر واضح ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کے معمولات کا ان پند و نصائح سے موازنہ کیا جائے، عصرِ حاضر میں ہمارے معاشرے میں سب سے بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ حسنِ سلوک اور بدسلوک اور نیکی و برائی کے لیے مخصوص شخصیات کا انتخاب کرلیا جاتا ہے۔ یعنی جس نے ہمارے ساتھ نیکی کی، اس کے ساتھ ہم نیکی کریں گے اور جو ہمارے ساتھ بداخلاقی کے ساتھ پیش آیا، تو یہ ناممکن ہے کہ ہم اس کے سامنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ مسکراہٹوں کے تبادلے ہو رہے ہیں،

بدی کا بدلہ بدی سے دیا جا رہا ہے، تحائف و ہدایا ان ہی کے لیے خاص ہو گئے ہیں جنہوں نے ہم کو یاد رکھا اور نفرتوں کے مقابلے میں نفرتیں پیش کی جا رہی ہے۔ اگر کوئی ہم کو ہماری بشری غلطیوں کی وجہ سے موردِ طعن ٹھہراتا ہے تو ہم اس کے پورے کنبے کی توہین کر دیتے ہیں۔

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کا گہرا مطالعہ کریں اور انانیت کے جذبات کو ہوا دینے کے بجائے فرموداتِ نبوی کو عملی طور پر فروغ دیں۔

اس حدیث میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی چادروں اور شلواروں کو ٹخنوں سے اوپر رکھیں، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الازَارِ فِي النَّارِ۔)) (بخاری) ...... ''ٹخنوں کا جو حصہ ازار میں (چھپا) ہوگا، وہ جہنم میں ہوگا۔''

بے شمار احادیث ہیں، جن میں مردوں کے لیے ٹخنوں کو چھپانا حرام قرار دیا گیا ہے، بعض لوگ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ وہ تکبر اور ناز کی وجہ سے نہیں کرتے، مذکورہ بالا حدیث میں ان کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ایسا کرنا ہی تکبر کی علامت ہے۔

والدین کی طرف سے صدقہ کرنا...... پانی بہترین صدقہ ہے

(٩٣٦)۔ عن أنس رضی اللہ عنہ: أن سعدًا رضی اللہ عنہ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ أُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَلَمْ تُوْصِ، أَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ، وَعَلَيْكَ بِالْمَاءِ۔)) (الصحيحة: ٢٦١٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں وصیت کئے بغیر فوت ہو گئی ہیں، اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا ان کو نفع ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، (لیکن لوگوں کو پانی مہیا کرنے کی صورت میں صدقہ کرو)۔''

تخریج: أخرجه الطبرانی فی "الأوسط": ١/ ٩٥/ ١

شرح:...... معلوم ہوا کہ اولاد اپنے والدین کی طرف سے کسی قسم کا صدقہ و خیرات کر سکتی ہے، نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں پانی کا صدقہ کرنے کی تلقین کی ہے، یعنی عوام الناس کے استفادے کے لیے کوئی کنواں وغیرہ کھودوا دیں، عصرِ حاضر میں لوگوں کو پانی کی سہولت مہیا کرنے کے بہت سے وسائل موجود ہیں، موقع محل کے مطابق ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ اگر کسی علاقے میں پانی کی فراوانی ہو تو والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے اہل علم اور اہل عقل لوگوں سے مشورہ کر کے کسی اور خیراتی کام کا انتخاب کیا جائے۔

ہر عضو پر صدقہ ہے

(٩٣٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا مَرْفُوْعاً: ((إِنَّهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے

خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وَثَلَاثِ مِئَةِ مَفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ، وَحَمِدَاللّٰهَ، وَهَلَّلَ اللّٰهَ، وَسَبَّحَ اللّٰهَ، وَاسْتَغْفَرَاللّٰهَ، وَعَزَلَ حَجَراً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكاً أَوْ عَظْماً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ، وَأَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ أَوْ نَهَى عَنِ الْمُنْكَرِ، عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِ مِئَةِ سُلَامٰى فَإِنَّهُ يُمْسِي يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ۔))(الصحيحة: ١٧١٧)

فرمایا: ''بنو آدم میں سے ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں پر ہوئی، پس جس نے "اَلـلّٰهُ اَكْبَر" کہا، "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا، "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" کہا، "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا، "اَسْتَغْفِرُ اللّٰه" کہا، راستے سے کوئی پتھر ہٹایا، یا کوئی کانٹا یا ہڈی راستے سے دور کر دی، یا کسی نیکی کا حکم دیا، یا کسی برائی سے روکا۔ (یعنی) تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد میں (ایسے) مذکورہ اعمال کرے تو وہ اس دن اس حالت میں شام کرتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو جہنم کی آگ سے دور کر لیا ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٣/ ٨٢، وأبو الشيخ في "العظمة": ١٢/ ٢٠/ ٢

شرح:...... انسان کا مکمل وجود اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اس وجود میں ہڈیوں کے جوڑوں کی جو اہمیت ہے، وہ ہر ایک کے لیے واضح ہے، اگر کسی انسان کے وجود میں سرے سے ہڈیاں نہ ہوں یا ہڈیاں ہوں، لیکن ان میں کوئی جوڑ نہ ہو تو اس کی زندگی کا کیا بنے گا؟ وہ کس قدر دوسروں کا محتاج رہے گا؟ وہ اپنی زندگی سے کس حد تک لطف اندوز ہوگا؟

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نعمتِ عظمیٰ کا صرف یہ تقاضا کیا ہے کہ انسان ہر روز آسان آسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) نیکیاں کر لیا کرے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ اس کے وجود کو جہنم سے آزاد کر دے گا، لیکن جو آدمی ہر روز یہ ٹیکس ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دن بدن مقروض ہوتا جائے گا۔

یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ ضحیٰ کی کم از کم دو رکعات کو تین سو ساٹھ جوڑوں سے صدقہ ادا کرنے کے لیے کافی قرار دیا ہے، لہٰذا جو آدمی دو رکعت نمازِ ضحیٰ (نماز اشراق) ادا کر لے، اس کا وجود ان شاء اللہ تعالیٰ آزاد ہو جائے گا۔

(٩٣٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((عَلَى كُلِّ عُضْوٍ مِنْ أَعْضَاءِ بَنِي آدَمَ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة: ٥٧٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ہر روز) بنو آدم کے اعضا میں سے ہر عضو پر صدقہ ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٩٥

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر احسان کرتے ہوئے اس کے جسم میں کئی صلاحیتیں ودیعت رکھی ہیں، مختلف اعضا تشکیل دیے ہیں اور اسے خوبصورت اور دلکش وجود سے نوازا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت کی بنا پر ایک تقاضا کیا ہے کہ اس احسان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے روزانہ ہر عضو کی طرف سے صدقہ کیا جائے۔

(٩٣٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے

((كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلَعُ فِيْهِ الشَّمْسُ ، يَعْدِلُ بَيْنَ الْاَثْنَيْنِ صَدَقَةٌ ، وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوْهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ ، وَيُمِيْطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة: ١٠٢٥)

فرمایا: ''ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، لوگوں کے ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا ہے۔ (اور صدقہ صرف مال کا خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ) دو آدمیوں کے درمیان انصاف کر دینا بھی صدقہ ہے، کسی آدمی کو اس کی سواری پر بٹھانے میں یا اس کا سامان اٹھا کر اس پر رکھوانے میں (مدد کرنا) بھی صدقہ ہے، اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے، ہر اس قدم میں، جس سے نماز کی طرف چلا جائے، بھی صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا بھی صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣/ ١٧١/ ٤/ ١٥، ومسلم: ٣/ ٨٣، وأحمد: ٢/ ٣١٢، ٢٣١٦، ٣٧٤

قرضہ دینے کا اجر وثواب

(٩٤٠)۔ عَنِ ابْنِ أَذْنَانَ ، قَالَ: أَسْلَفْتُ عَلْقَمَةَ أَلْفَيْ دِرْهَمٍ ، فَلَمَّا خَرَجَ عَطَاؤُهُ قُلْتُ لَهُ: اِقْضِنِيْ ، قَالَ: أَخِّرْنِي إِلٰى قَابِلٍ ، فَأَتَيْتُ عَلَيْهِ فَأَخَذْتُهَا قَالَ فَأَتَيْتُهُ بَعْدُ ، قَالَ بَرَّحْتَ بِيْ وَقَدْ مَنَعْتَنِي ، فَقُلْتُ: نَعَمْ ، وَهُوَ عَمَلُكَ ، قَالَ: وَمَا شَأْنِي قُلْتُ: إِنَّكَ حَدَّثْتَنِي عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ السَّلَفَ يَجْرِي مَجْرٰى شَطْرِ الصَّدَقَةِ۔)) قَالَ: نَعَمْ فَهُوَ كَذَاكَ قَالَ: فَخُذِ الْآنَ۔ (الصحيحة:١٥٥٣)

ابن اذنان کہتے ہیں کہ میں نے علقمہ کو دو ہزار درہم قرضہ دیا، جب ادائیگی کا وقت آیا تو میں اس کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے میرا قرضہ ادا کرو۔ اس نے کہا: مجھے اگلے سال تک مہلت دو۔ (میں نے اس کی یہ بات تسلیم کر لی اور ایک سال کے بعد) قرضہ لینے کے لیے آیا، پھر اس کے بعد تیسری دفعہ آیا، اس نے کہا: تو مجھے تکلیف دینے پر مصرّ ہے، اور تو نے مجھے روکا ہوا ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں، وہ تیرا ہی عمل ہے۔ اس نے کہا: میرا عمل کیسے؟ میں نے کہا: کیا تو نے مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرضہ، نصف صدقہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔'' ؟اس نے کہا: ہاں، وہ اسی طرح ہی ہے۔ اُس نے کہا: اب لے لیجئے۔

تخريج: أخرج أحمد: ١/ ٤١٢، وأبويعلي: ٣/ ١٢٩٨ ـمصورة المكتب

شـــــرح: ...... کسی کو اپنا مال بطور قرض دینا بھی صدقہ وخیرات اور اجر وثواب کی ایک صورت ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔)) (مسند احمد) ......''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے قرض معاف کر

دیا تو اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔"

(۹٤۱)۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَهُ صَدَقَةٌ۔)) قَالَ: ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً، فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَيْهِ صَدَقَةٌ۔)) قُلْتُ: سَمِعْتُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! تَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً، فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلُهُ صَدَقَةٌ۔)) ثُمَّ سَمِعْتُكَ تَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَيْهِ صَدَقَةٌ۔))؟ قَالَ: ((لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ قَبْلَ أَنْ يَحِلَّ الدَّيْنُ، فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ فَأَنْظَرَهُ فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَيْهِ صَدَقَةٌ۔))

(الصحيحة:٨٦)

سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر روز (قرض کی مقدار) کی مثل صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔" اس کے بعد آپ ﷺ کو یوں فرماتے سنا: "جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر روز اس (مقدار) کے دوگنا ثواب ملے گا۔" میں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو پہلے یوں فرماتے سنا: "جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر روز اسی (مقدار) کی مثل صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔" اور پھر یوں سنا: "جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر روز اس (مقدار) کے دوگنا ثواب ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "قرض کی ادائیگی سے پہلے تک اسے ہر روز (اتنی ہی مقدار میں) صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا، اور جب (وعدے کے مطابق) قرض واجب الادا ہو جائے لیکن وہ پھر مہلت دے دے، (تو ایسی صورت میں) اسے (اس مقدار) کا دوگناہ ثواب ملے گا۔"

تخريج: رواه أحمد: ٥/ ٣٦٠، والروياني في "مسنده": ١٦/ ٢/ ٢، والبيهقي في "شعب الأيمان"، وأبو نعيم في "أخبار أصبهان": ٢/ ٢٨٦، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٤/ ٣٩٠/ ١، والحاكم في "المستدرك": ٢/ ٢٩

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے قرضے کو ایک قسم کا صدقہ قرار دیا ہے۔ کسی کو قرضہ دے کر اس کی ضرورت پوری کرنا شریعت کی نظر میں بہت بڑا احسان ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں بے شمار اجر وثواب کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

اگرچہ آج کل لوگ قرضہ لے کر وعدہ خلافی کرتے ہیں، بہرحال ایسی صورت میں قرضہ دینے والے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار بن کر وقت گزارنا چاہئے، اس سے بڑا احسان اور انعام کیا ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک لاکھ روپیہ قرض دیا، جو معینہ مدت کے بعد واپس نہ ملنے کی صورت میں روزانہ دو لاکھ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا رہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قرضِ حسنہ کی اس عظیم فضیلت کے باوجود یوں نظر آتا کہ مسلمانوں کے معاملات میں

اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، کیونکہ مسلم معاشرہ میں حرص وطمع اور بخل و کنجوسی کا بھوت رقص کناں ہے۔ آپ اپنے ماحول کا جائزہ لے لیں، کوئی آدمی اپنے ذاتی مفاد کے بغیر آپ کو قرضہ دینے پر رضامند نہیں ہوگا، الا ماشاء اللہ۔ شاید ایسا دوکاندار آپ کو شاذ و نادر ہی ملے جو ضرورت کی اشیا فروخت کرتے وقت ادھار اور نقد ادائیگی کی ایک ہی قیمت لگائے، وگرنہ اکثر تاجران ادھار کی وجہ سے چیز کے نرخ بڑھا دیتے ہیں، جس کو آجکل کی قسطوں کی بیع کہا جاتا ہے، حالانکہ یہ سود ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا۔)) ...... ”جس نے ایک سودے میں دو سودے کیے، اس کے لیے ان میں سے کم قیمت والا ہوگا یا پھر سود ہوگا۔“

سلف کی ایک جماعت نے اس سے مراد ادھار والی بیع لی ہے، جو قسطوں والے سودے پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔ (صحیحہ: ۱۵۵۳) بیع کی اس صورت کے جواز یا عدم جواز پر تفصیلی بحث ”البیوع والکسب والزھد“ میں دیکھیں۔

مال کو سنبھال کر نہ رکھا جائے وگرنہ ......

(۹٤۲)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَصَدَّقِي وَلَا تُوْعِي فَيُوْعَى عَلَيْكِ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ، وَعَائِشَةَ رضي الله عنهما، وَلَفْظُ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَكَانَتْ مُحْصِيَةً قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لِي مَالٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ فَأَتَصَدَّقُ؟ قَالَ: ((تَصَدَّقِي وَلَا تُوْعِي فَيُوْعَى عَلَيْكِ۔)) (الصحيحة:٣٦١٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ کیا کر اور (مال کو) محفوظ کر کے نہ رکھ دے، وگرنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محفوظ کر لے گا۔“ یہ حدیث حضرت اسما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: وہ مال کو بچا کر رکھتی تھیں، وہ کہتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس مال نہیں، مگر وہی جو (میرے خاوند) زبیر نے مجھے دیا ہے، کیا میں (اس سے) صدقہ کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ کیا کر اور سنبھال کے نہ رکھ دے، وگرنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محفوظ کر لے گا۔“

تخريج: (١)۔ أما حديث أسماء: فقد رواه البخاري: ٢٥٩٠، ١٤٣٣، والترمذي: ١٩٦٠، وأبوداود: ١٦٩٩، والنسائي في "الكبرى": ٩١٩٢ و "الصغرى": ٩١٩٥. وعبدالرزاق: ٢٠٠٥٦، وأحمد: ٦/ ٣٤٤، ٣٥٤، ٦/ ٣٤٦، ٦/ ٣٤٥ ـ ٣٥٣، ومسلم: ٣/ ٩٢،

(٢)۔ وأما حديث عائشة: فرواه أبوداود: ١٧٠٠، وأحمد: ٦/ ١٠٨، ١٣٩، ١٦٠، والدّولابي في "الكنى" ١/ ١٢٠، وأسحاق في "مسنده": ٦٩٥، ٦٩٦، ٨٢٣، ١٢٠٠

شرح: ...... اس حدیثِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک اصول کا تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ ہے جنسِ عمل سے جزا

دینا۔ یعنی جیسا عمل ویسا بدلہ۔ جب خرچ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے حساب خرچ کرے گا تو بدلہ بھی بے حساب ہوگا۔ اگر کوئی گن گن کر خرچ کرے گا تو اجر وثواب کے وقت بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا اور کوئی سمیٹ کر رکھے گا اور خرچ نہیں کرے گا، تو اللہ بھی دینا بند کر دے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خوب خرچ کرنے کی ترغیب اور بخل اور امساک پر سخت وعید وتہدید ہے۔

اس معاملے میں مددگار قانون یہ ہے کہ اگر کہیں صدقہ وخیرات کا موقع پیدا ہو تو مسلمان اپنی موجودہ صلاحیت کو سامنے رکھ کر حسبِ استطاعت راہِ خدا میں خرچ کرے، ایسا نہ ہو کہ وہ ماضی میں کیے گئے عمل کو کافی سمجھ کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لائے۔

مال ودولت باعثِ ہلاکت ہے، الا یہ کہ......

(۹۴۳)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((وَيْلٌ لِلْمُكَثِّرِيْنَ، إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا أَرْبَعٌ: عَنْ يَمِيْنِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ قُدَّامِهِ وَمِنْ وَرَائِهِ۔)) (الصحيحة:۲٤۱۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کثیر مال ودولت والوں کے لیے ہلاکت ہے، مگر جس نے اپنے مال کو اس طرح کیا اور اس طرح کیا اور اس طرح کیا اور اس طرح کیا۔ دائیں طرف اور بائیں طرف اور آگے اور پیچھے (یعنی چاروں جہات میں خوب صدقہ کیا)۔''

تخريج :أخرجه ابن ماجه :۲/ ۵۳۲ ، واحمد: ۳/ ۳۱ ، ۵۲ ، وابو يعلى: ۱/ ۳۰۳

شرح:...... چشم فلک شاہد ہے کہ مال ودولت کی کثرت نے لوگوں کی اکثریت کو اخروی فکر سے غافل کئے رکھا، الا ماشاء اللہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی پندرہویں صدی جاری ہے، اس لمبے دورانیے میں جن جن لوگوں نے کسی نہ کسی انداز میں اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی، ان کی بھاری اکثریت کا تعلق غریب یا معتدل آمدنی والے لوگوں سے ہے۔

رزق کی فراوانی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، بشرطیکہ اس کے تقاضے پورے کئے جائیں، وگرنہ وہ رحمت کی بجائے زحمت بن جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ مبارکہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دولتمند لوگ ہلاکت اور خسارے میں جا رہے ہیں، ہاں جو اس نعمت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کثرت سے صدقہ وخیرات کرتا ہے، اس کے لیے ایسا رزق، نعمتِ عظمیٰ اور جنت میں لے جانے کا بہت بڑا سبب ٹھہرتا ہے، یہی وہ وصف تھا، جس کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رہتی دنیا تک ''غنی'' کے لقب سے نوازا گیا۔

دوسرے کا مال کب قبول کیا جائے؟

(۹٤٤)۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَدِيٍّ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن عدی جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول

قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ جَاءَهُ مِنْ أَخِيهِ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، وَلَا بِإِشْرَافِ نَفْسٍ فَلْيَقْبَلْهُ، وَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ۔)) (الصحيحة:١٠٠٥)

اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”اگر کسی کو اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز موصول ہو تو وہ قبول کر لے اور اسے ردّ نہ کرے، بشرطیکہ نہ اس نے اس کا سوال کیا ہو اور نہ اس کی حرص و طمع رکھی ہو، کیونکہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٨٥٤، والحاكم: ٢/ ٦٢، وأحمد: ٤/ ٢٢٠، وابن سعد: ٤/ ٣٥٠

شرح:...... انسان کو حریص اور لالچی نہیں ہونا چاہیے، اگر حرص و طمع اور محنت و مشقت کے بغیر اللہ تعالیٰ رزق کے اسباب پیدا کر دیتا ہے، تو وہ قبول کر لینے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(٩٤٥)۔ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَعْطَى ابْنَ السَّعْدِيِّ أَلْفَ دِيْنَارٍ، فَأَبَى أَن يَقْبَلَهَا وَقَالَ: أَنَا عَنْهَا غَنِيٌّ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ إِنِّي قَائِلٌ لَكَ مَاقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَاقَ اللّٰهُ إِلَيْكَ رِزْقاً مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، وَلَا إِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعْطَاكَهُ۔)) (الصحيحة:١٣٢٤)

قبیصہ بن ذؤیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابن سعدی کو ایک ہزار دینار دینا چاہا، لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: میں تجھے وہی بات کہوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمائی تھی کہ ”جب اللہ تعالیٰ تجھے کوئی مال عطا کرے، جبکہ تو نے نہ کسی سے سوال کیا اور نہ اس کے لیے حرص و طمع رکھی ہو، تو وہ قبول کر لیا کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھے عطا کر رہا ہوتا ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٨٥٦، وأخرجه مسلم في "صحيحه": ١٠٤٥ نحوه، دون قوله: ((ألف دينار))

(٩٤٦)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ فِي أَهْلِ الشَّامِ مَرْضِيًّا، قَالَ لَهُ عُمَرُ: عَلَى مَا يُحِبُّكَ أَهْلُ الشَّامِ؟ قَالَ: أُغَازِيهِمْ وَأُوَاسِيهِمْ، قَالَ: فَعَرَضَ عَلَيْهِ عُمَرُ عَشْرَةَ الآفٍ، قَالَ: خُذْهَا وَاسْتَعِنْ بِهَا فِي غَزْوِكَ، قَالَ: إِنِّي عَنْهَا غَنِيٌّ، قَالَ عُمَرُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اعْرَضَ عَلَيَّ مَالاً دُوْنَ الَّذِي عَرَضْتُ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتَ لِيْ، قَالَ: ((إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالاً

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اہلِ شام کا ایک پسندیدہ آدمی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تم میں کون سی صفت ہے جس کی وجہ سے اہلِ شام تجھ سے محبت کرتے ہیں؟ اس نے کہا: میں ان کے ساتھ مل کر جہاد کرتا ہوں اور ان سے ہمدردی کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دس ہزار (دینار) دیے اور کہا: یہ لے لو اور ان کو اپنے غزووں میں استعمال کرو۔ اس نے کہا: مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر اس سے کم مال پیش کیا تھا جو میں نے تجھ پر کیا اور میں نے وہی

لَمْ تَسْأَلْهُ، وَلَمْ تَشْرَهْ إِلَيْهِ نَفْسُكَ فَاقْبَلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقُ اللّٰهِ سَاقَهُ اللّٰهُ إِلَيْكَ.)) (الصحيحة: ١١٨٧)

بات کہی جو تو نے کہی، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی تجھے کوئی مال عطا کرے، جبکہ تو نے نہ اس کا سوال کیا ہو اور نہ اس کا حریص بنا ہو، تو قبول کر لیا کر، کیونکہ وہ تو اللہ کا رزق ہوتا ہے جو وہ تجھے عطا کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٣/ ٢٨٦، والبيهقي: ٦/ ١٨٤، وأبونعيم في "أخبار أصبهان" ١/ ٢٢٨

شرح:...... حدیثِ مبارکہ اس بات پر دلالت کناں ہے کہ انسان کی نگاہ دوسرے کے مال و دولت پر نہیں ٹکی رہنی چاہئے، اسے حرص و طمع سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے، ہاں اگر کسی لالچ کے بغیر اللہ تعالی اس کے لیے رزق کے اسباب پیدا کر دے، تو وہ اللہ تعالی کا احسان سمجھ کر اسے قبول کر لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ وَعِزُّهُ اِسْتِغْنَاؤُهُ عَمَّا فِيْ اَيْدِيْ النَّاسِ.)) (صحيحه: ١٩٠٣) ......''مومن کا شرف اس میں ہے کہ وہ رات کو نماز پڑھے اور اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس سے بے پرواہ ہو جائے۔''

بیوی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی

(٩٤٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، لَمْ تَجُزْ عَطِيَّتُهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ.)) (الصحيحة: ٢٥٧١)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مرد (نکاح کے ذریعے) کسی عورت کا مالک بن جاتا ہے تو خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا (کسی کو) عطیہ دینا جائز نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي: ص٢٩٩ رقم ٢٦٦٧، وأخرجه ابو داود: ١/ ١١٠، والنسائي: ١/ ٣٥٢، واحمد: ٢/ ١٧٩ بلفظ: ((لَايَجُوْزُ لامرأةٍ عَطِيَّةٌ فِي مَالِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا.)) ذكره الالباني في صحيحته برقم ٨٢٥

شرح:...... یہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مال و دولت میں تصرّف نہیں کر سکتی۔ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع والے سال اپنے خطبہ میں فرمایا: ((لَاتُنْفِقِ اِمْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا.)) قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَلَاالطَّعَامَ؟ قَالَ: (ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَمْوَالِنَا.)) (ترمذی، ابن ماجه) ......''کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے۔'' کسی نے کہا: اے اللہ رسول! کسی کو کھانا بھی نہیں دے سکتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو ہمارے افضل (اور قیمتی) اموال میں سے ہے۔''

لہٰذا عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے خاوند کے صلاح و مشورے کے بعد کسی کو کوئی چیز نہ دے، لیکن جس چیز کے بارے

میں عورت کو علم ہو کہ اگر اس کو خرچ کر بھی دیا جائے تو خاوند کچھ نہیں کہے گا یا موجود ہونے کی صورت میں اجازت دے دے گا، تو ایسا مال خرچ کرنے کی اسے اجازت ہوگی، جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

آپ کو علم ہونا چاہیے کہ کہ بعض سلف نے اس حدیث پر عمل کیا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے (شرح المعانی: ۲/ ۴۰۳) میں وضاحت کی ہے اور امام ابن حزم رحمہ اللہ نے (المحلی: ۸/ ۳۱۰۔ ۳۱۱) میں سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما، امام طاوس، امام حسن اور امام مجاہد رحمہم اللہ کے نام ذکر کیے ہیں، مزید انھوں نے کہا: ''لیث بن سعد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، وہ اس چیز کو جائز نہیں سمجھتے کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر مالی معاملات میں تصرف کرے، ہاں معمولی چیز کی گنجائش موجود ہے، جو صلہ رحمی یا اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے دوسرے علما کے اقوال ذکر کیے اور ان کے دلائل کا مناقشہ بھی کیا، وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ بیوی اپنے ذاتی مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرسکتی ہے۔ انھوں نے اپنے مسلک کے حق میں بعض احادیثِ صحیحہ پیش کی ہیں، جیسے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے خطبہ میں عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی انگوٹھیاں اور کڑے وغیرہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال دے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ ابن حزم کی بیان کردہ ان احادیثِ مبارکہ میں ان کے مسلک کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی، کیونکہ یہ مخصوص واقعات پر مشتمل ہیں اور اس باب کی درج ذیل اور دوسرے احادیث سے متعارض نہیں ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، لَمْ تَجُزْ عَطِيَّتُهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ.)) (صحیحه: ۲۵۷۱) ..... ''جب مرد (نکاح کے ذریعے) کسی عورت کا مالک بن جاتا ہے تو خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا (کسی کو) عطیہ دینا جائز نہیں ہوتا۔''

آپ خود سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں عید کا ذکر ہے، پر غور کریں، اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صدقہ کیا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کو خاوندوں کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت نہ تھی، بلکہ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ انھوں نے ان کو منع کر رکھا تھا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص موقع پر ان کو براہِ راست حکم دیا، تو انھوں نے اس حکم نبوی کی تعمیل کی۔ اب کیا کوئی عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ خاوندوں کی پابندی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مقدم تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی عورتوں کو ان کے خاوندوں کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے سے منع کیا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مناسبت کی وجہ سے ان کو صدقہ کرنے کا حکم صادر فرمائیں گے، تو اس حکم کو خاوندوں کی نہی پر مقدم سمجھا جائے گا، حالانکہ کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی بیویوں کو منع کر رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابن حزم نے جو مسلک اختیار کیا ہے، ممکن ہے کہ ان کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ ان کے نزدیک وہ احادیث درجۂ صحت کو نہ پہنچ سکتی ہوں، جن میں بیویوں کے صدقہ و خیرات کو خاوندوں کی اجازت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، وگرنہ امام صاحب ان کی فوراً تعمیل کرتے، کیونکہ یہ ایک مخصوص اور زائد حکم پر مشتمل ہیں، جس سے ان کی بیان کردہ احادیث خالی ہیں۔

لیکن انھوں نے عمرو بن شعیب عن ابیہ...... کی اس حدیث کو اس بنا پر معلول قرار دیا ہے کہ یہ صحیفہ منقطع ہے، جبکہ امام احمد سمیت جمہور علمائے حدیث کے نزدیک عمرو بن شعیب کا صحیفہ موصول ہے۔

پھر ابن حزم نے یہ کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اسے منسوخ سمجھا جائے گا، اس کا جواب دیا جا چکا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جزء، کل کو اور خاص، عام کو منسوخ کر دے؟

کافروں کی تہذیبوں کی موافقت کے خواہاں اور اسلام میں حقوقِ نسواں پر بحث کرنے والے نام نہاد مسلمان اس موضوع پر دلالت کرنے والی احادیث سے غافل اور جاہل ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ علمی اعتبار سے ابن حزم کا مذہب ان کے نزدیک راجح ہے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی ہدایات کو مغربی کلچر کے قریب تر کر دیا جائے، اس کی ایک شق یہ ہے کہ عورت اپنے مال میں خود تصرف کرے۔

لیکن ان بیچاروں کو علم ہونا چاہیے کہ ان دلائل سے ان کو ذرہ برابر فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو عورت کو غیر کے مال میں بھی تصرف کرنے اور اسے اولیا کی اجازت کے بغیر شادی کرنے اور اسے ہم راز اور یار بنانے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ ہمارے اللہ نے سچ فرمایا: ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۲۰) ...... ''یہودی اور عیسائی اس وقت تک آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے، جب تک آپ ان کی ملت کی پیروی نہیں کریں گے۔'' (صحیحہ: ۲۵۷۱)

مذکورہ بالا بحث کو ذہن نشین کر کے درج ذیل حدیث پر غور کریں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِهِ۔)) (صحیحہ: ۷۳۱)...... ''جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرتی ہے تو اسے نصف اجر ملتا ہے۔''

یہ اور دیگر احادیث مبارکہ کا تعلق ان معمولی چیزوں سے ہے جو عام طور پر صدقہ کی جاتی ہیں یا جن کے بارے میں بیوی کو یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ خاوند بھی رضامند ہو جائے گا۔

لوگوں سے مستغنی ہونے کی کوشش کی جائے

(۹۴۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما رَفَعَهُ: ((اِسْتَغْنُوْا عَنِ النَّاسِ وَلَوْ بِشَوْصِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں سے غنی (اور بے پرواہ) ہو

السِّوَاكِ)) (الصحيحة:١٤٥٠) جاؤ، اگرچہ وہ مسواک ملنے کی صورت میں ہو۔''

تخريج: رواه البزار: ٩٦، والطبراني: ٣/ ١٥٤/ ١، والمخلص في "الفوائد المنتقاة" ٦/ ٦٦/ ٢، وأبو محمد الضراب في "ذم الرياء" ١/ ٢٩٢/ ٢، عن عبد العزيز بن مسلم عن الأعمش عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رفعه. ورواه الضياء في "المختارة" ٢٢٧/ ١

شرح:...... مفہوم یہ ہے کہ کسی سے کوئی حاجت مت چاہو، اگرچہ مسواک رگڑنا ہو یا مسواک کا دھونا ہو یا جو اس میں سے ریزہ ریزہ ہو کر نکلتا ہو، مطلب یہ ہے کہ ایسی معمولی اور بے حقیقت چیز بھی کسی سے مت چاہو۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم آٹھ نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم رسول اللہ کی بیعت نہیں کرتے؟'' چونکہ ہم تھوڑا عرصہ قبل ہی بیعت کر چکے تھے، اس لیے ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم تو آپ سے بیعت کر چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے؟'' پس ہم نے ہاتھ پھیلا دیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بیعت کر چکے ہیں، اب کس چیز کی آپ سے بیعت کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس بات پر کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، پانچوں نمازیں پڑھو گے اور اللہ کی اطاعت کرو گے۔'' اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ ''لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔''

پس بیعت کرنے والے ان مذکورہ افراد میں سے بعض کو میں نے دیکھا کہ اگر ان کا کوڑا بھی زمین پر گر جاتا تو وہ کسی سے یہ مطالبہ نہیں کرتے تھے کہ وہ اسے اٹھا کر دے دے۔ (مسلم:۱۰۴۳)

ان احادیث میں سوال نہ کرنے اور خودداری کی عظمت وفضیلت کا بیان ہے۔

ہاتھ کو صرف خیر و بھلائی کی طرف بڑھایا جائے

(٩٤٩)۔ عَنْ أَسْوَدَ بْنِ أَصْرَمَ الْمُحَارِبِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِيْ۔ قَالَ: ((اِمْلِكْ يَدَكَ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((لَاتَبْسُطْ يَدَكَ إِلَّا إِلَى خَيْرٍ۔)) (الصحيحة: ١٥٦٠)

حضرت اسود بن اصرم محاربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھ۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''ہاتھ کو نہ پھیلا، مگر خیر و بھلائی کی طرف۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ١/ ١/ ٤٤٤، والطبراني في "الكبير" رقم ٨١٨،

شرح:...... جسم کے تمام اعضا بالخصوص ہاتھ اللہ تعالیٰ کا بیش قیمت احسان واکرام اور نعمت وامانت ہیں۔ انسان زندہ رہنے کے لیے جتنے اسباب و وسائل استعمال کرتا ہے، ان میں اس کا سب سے زیادہ تعاون کرنے والے اس کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احسانات کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں کو ان امور کے لیے استعمال کریں، جن سے

ہمارے دنیوی اور اخروی فوائد معلق ہوں۔

تالیفِ قلبی کی خاطر بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دینا

(٩٥٠)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ سَبْيٍ فَقَسَّمَهُ، فَأَعْطَى رِجَالاً وَتَرَكَ رِجَالاً فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا، فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ أَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ((أَمَّا بَعْدُ: فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، وَلٰكِنْ أُعْطِيْ أَقْوَامًا لِمَا أَرٰى فِي قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلٰى مَاجَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ، مِنْهُمْ: عَمْرُو بْنِ تَغْلِبَ۔)) قَالَ عَمْرٌو: فَوَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُمْرَ النَّعَمِ۔
(الصحيحة:٣٤٩٤)

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال یا قیدی لائے گئے۔ آپ نے ان کو تقسیم کیا اور کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہ دیا۔ جب آپ کو یہ بات پہنچی کہ جن لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں دیا انھوں نے ناراضی کا اظہار کیا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: ''امابعد، اللہ کی قسم! میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا۔ وہ لوگ جن کو میں چھوڑ دیتا ہوں (اور کوئی مال وغیرہ نہیں دیتا)، وہ مجھے ان سے زیادہ محبوب ہیں جن کو میں دیتا ہوں، (یاد رکھو) ان کو صرف اس لیے دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور سخت بے چینی دیکھتا ہوں اور دوسرے لوگوں کو میں اس تونگری اور بھلائی کے سپرد کر دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھی ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے عمرو بن تغلب ہے۔'' عمرو بن تغلب کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس بات کے مقابلے میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں ہیں۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٩٢٣، ٣١٤٥، ٧٥٣٥، والطيالسي رقم ١١٧٠، وأحمد: ٥/ ٦٩

شرح:...... نبی کریم ﷺ کے پاس جو مال بھی آتا وہ آپ ﷺ تقسیم فرما دیتے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تقسیم میں آپ ﷺ کے سامنے مختلف پہلو ہوتے تھے، کبھی ضرورت و حاجت کا لحاظ کر کے حاجتمندوں اور مستحق لوگوں کو دے دیتے اور بسا اوقات تالیفِ قلبی کو مدنظر رکھ کر مخصوص لوگوں میں بانٹ دیتے تھے اور ایسی صورت میں آپ ﷺ صرف ان لوگوں کو دیتے جن کے بارے میں آپ ﷺ کو اندیشہ ہوتا کہ اگر انہیں نظر انداز کیا گیا تو وہ بے صبری اور ضعف کا مظاہرہ کریں گے اور ممکن ہے کہ وہ اسلام سے ہی منہ پھیر جائیں اور یوں قابل اعتماد اور دلوں کی تونگری سے بہرہ ور قسم کے لوگ عمداً محروم کر دیے جاتے۔ اس سے عمرو بن تغلب کی فضیلت واضح ہوتی ہے کہ ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے اسی دوسری قسم میں شمار فرمایا، جس کو انہوں نے اپنے لیے بجا طور پر ایک بہت بڑا اعزاز قرار دیا۔ گویا بیت المال سے تقسیم کرنے میں حاکم مجاز کو صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں بشرطیکہ حاکم تقوی و طہارت اور امانت و دیانت

کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے والا ہو، اندھے کی طرح اپنوں میں ہی ریوڑیاں تقسیم کرنے والا نہ ہو۔

(۹۵۱)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي أُعْطِي قُرَيْشاً أَتَأَلَّفُهُمْ، لِأَنَّهُمْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ۔)) (الصحيحة: ۳۵۹۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں قریش کی تالیف قلبی کے لیے انھیں دیتا ہوں، کیونکہ انھوں نے حال ہی میں جاہلیت کو ترک کیا ہے۔''

تخريج: رواه البخاري في "صحيحه": ۳۱۴۶، ومسلم: ۳/ ۱۰۶، والترمذي: ۳۹۰۱، واحمد: ۳/ ۱۷۲

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے مصارف میں ایک مصرف ﴿والمؤلفة قلوبهم﴾ کا ذکر کیا ہے، جو تین قسم کے لوگوں کو شامل ہے: (۱) وہ کافر جو اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوں اور یہ امید کی جاتی ہو کہ مالی امداد کی وجہ سے وہ مشرف باسلام ہو جائیں گے۔ (۲) وہ نومسلم افراد، جن کی امداد کر کے ان کو اسلام پر ڈٹ جانے کی ترغیب دینا مقصود ہو۔ (۳) وہ غیر مسلم افراد، جن کے بارے میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے، نیز وہ کمزور مسلمانوں کی کسی نہ کسی انداز میں حفاظت کریں گے۔

خلیفۂ وقت اسی غرض و غایت کو سامنے رکھ کر مال غنیمت کی تقسیم بھی کر سکتا ہے، اس حدیث میں اسی چیز کو بیان کیا جا رہا ہے کہ نومسلموں کی زیادہ سے زیادہ دلجوئی کی جائے تاکہ وہ اسی احسان کے عوض ایمان و ایقان پر ڈٹ جائیں اور اسلام کے سچے محافظ بن جائیں۔

(۹۵۲)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ، قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَوْماً، وَمَنَعَ آخَرِيْنَ، فَكَأَنَّهُمْ عَتَبُوْا عَلَيْهِ، فَقَالَ: ((إِنِّي أُعْطِي قَوْماً أَخَافُ ظَلْعَهُمْ وَجَزَعَهُمْ، وَأَكِلُ أَقْوَاماً إِلٰى مَاجَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ۔)) فَقَالَ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُمْرَ النَّعَمِ۔ (الصحيحة: ۳۵۹۱)

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو مال دیا اور بعضوں کو ترک کر دیا، جب ان لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں بعض لوگوں کو دیتا ہوں کیونکہ مجھے ان کی بے تابی اور بے صبری کا ڈر ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کو میں اس تونگری اور بھلائی کے سپرد کر دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھی ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے عمرو بن تغلب بھی ہے۔'' حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس بات کے مقابلے میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں ہیں۔''

تخريج: رواه البخاري: ۹۲۳، ۳۱۴۵، ۷۵۳۵، وأحمد: ۵/ ۶۹، والطيالسي في "مسنده": ۱۱۷۰

عمارتوں پر خرچ کرنا فضول ہے، الا یہ کہ......

(۹۵۳)۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ خَرَجَ فَرَاٰی قُبَّۃً مُشْرِفَۃً، فَقَالَ: ((مَاھٰذِہٖ؟)) قَالَ لَہٗ أَصْحَابُہٗ: ھٰذِہٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَکَتَ وَحَمَلَھَا فِیْ نَفْسِہٖ، حَتّٰی اِذَا جَاءَ صَاحِبُھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ فِی النَّاسِ، أَعْرَضَ عَنْہُ، صَنَعَ ذَالِكَ مِرَارًا حَتّٰی عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِیْہِ وَالْاِعْرَاضَ عَنْہُ فَشَکٰی ذَالِكَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَقَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُنْکِرُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا خَرَجَ فَرَاٰی قُبَّتَكَ۔ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰی قُبَّتِہٖ فَھَدَمَھَا حَتّٰی سَوَّاھَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمْ یَرَھَا قَالَ: ((مَا فَعَلَتِ الْقُبَّۃُ۔)) قَالُوْا شَکٰی اِلَیْنَا صَاحِبُھَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاہُ فَھَدَمَھَا، فَقَالَ: ((اَمَا اِنَّ کُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ اِلَّا مَالَا۔)) یَعْنِیْ: مَالَا بُدَّ مِنْہُ۔ (الصحیحۃ: ۲۸۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نکلے، ایک بلند گنبد دیکھا اور فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ کے صحابہ نے کہا: یہ فلاں انصاری آدمی کا ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا۔ جب اس کا مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور لوگوں کی موجودگی میں آپ کو سلام کہا۔ آپ نے اُس سے اعراض کیا، اُس نے کئی مرتبہ سلام کہا (لیکن آپ ﷺ اعراض کرتے رہے)۔ بالآخر اس آدمی کو آپ ﷺ کی ناراضگی اور اعراض کا اندازہ ہو گیا، اُس نے صحابہ سے اس بات کی شکایت کی اور کہا: بخدا! میں رسول اللہ ﷺ کو عجیب و اجنبی محسوس کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ باہر نکلے تھے اور تیرا گنبد دیکھا تھا۔ سو وہ آدمی فوراً اپنے گنبد کی طرف لوٹا اور اُس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ (پھر) ایک دن رسول اللہ ﷺ نکلے اور وہ گنبد آپ کو نظر نہ آیا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''گنبد کو کیا ہوا؟'' صحابہ نے کہا: اس نے ہمارے سامنے آپ کے اعراض کرنے کا شکوہ کیا، ہم نے (آپ کی ناپسندیدگی کی ساری صورتحال) اس پر واضح کر دی، اس لیے اس نے اس کو منہدم کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! ہر عمارت اپنے مالک کے حق میں وبال ہے، سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔''

تخریج: هو من حديث أنس، وله عنه طرق: الأولى: أخرجه أبوداود: ۲/ ۳۴۷۔۳۴۸۔ تازية، والطحاوي في "مشكل الآثار": ۱/ ۴۱۶، وأبو يعلى في "مسنده": ۷/ ۳۰۸/ ۱۵۹۲، والبيهقي في "شعب الايمان": ۷/ ۳۹۰/ ۱۰۷۰۴

الثانية: أخرجه ابن أبي الدنيا في "قصر الأمل": ۳/ ۲۵/ ۲، وفيه القصة باختصار مع زيادة ((رحمه الله))

الثالثة: أخرجه أبو نعيم في "أخبار أصبهان": ۱/ ۱۳۹

الرابعة: أخرجه ابن ماجه: ٤١٦١ مختصرا

(٩٥٤)۔ عَنْ خَبَّابٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: اِكْتَوٰى سَبْعَ كَيَّاتٍ ، فَأَتَيْنَاهُ نَعُوْدُهُ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَاتَتَمَنَّوا الْمَوْتَ۔)) لَتَمَنَّيْتُه، وَإِذَا هُوَ يُصْلِحُ حَائِطاً لَهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:((إِنَّ الرَّجُلَ يُؤْجَرُ فِي نَفَقَتِهِ كُلِّهَا إِلَّا فِي هٰذَا التُّرَابِ۔))

(الصحيحة: ٢٨٣١)

ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ ، جنھوں نے اپنے بدن پر سات داغ لگائے ہوئے تھے، کے پاس بیمار پرسی کے لیے آئے۔ انھوں نے کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ ''موت کی تمنا نہ کیا کرو۔'' تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ وہ اپنی دیوار (یعنی مکان وغیرہ) درست کر رہے تھے، اسی اثنا میں انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''آدمی کو اس کے ہر قسم کے خرچے پر اجر دیا جاتا ہے مگر اس مٹی میں (یعنی مکان تعمیر کرنے میں کوئی اجر نہیں)۔''

تخريج: أخرجه هناد بن السري في "الزهد": ٢/ ٣٧٤/ ٧٢٢، وأخرجه البخاری فی "صحيحه": ٥٦٧٢، واحمد: ٥/ ١١٠، والحميدی: ١٥٤ موقوفا على خباب۔ قلت: وهو اصح، ولكنی اری انه فی حكم المرفوع، وبخاصة أنه قد جاء مرفوعا صراحة فی بعض الطرق والمتابعات والشواهد۔ ثم بدء الالبانی يذكر طرقه۔

شـرح :...... علامہ البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ لکھتے ہیں: آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ان احادیث میں مسلمان کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ ضرورت سے زائد عمارتوں پر زیادہ توجہ نہ دھرے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر کسی فرد کے کنبے کے قلیل یا کثیر افراد اور مہمانوں کی کثرت یا قلت کو سامنے رکھا جائے تو عمارت کے سلسلے میں کوئی معینہ حدّ پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ درج ذیل حدیثِ مبارکہ کو درجہ بالا احادیث کا متضاد نہیں سمجھا گیا: ((فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ، وَفِرَاشٌ لِأَمْرَأَتِهِ، وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ۔)) ......''ایک بچھونا مرد کے لیے، ایک بچھونا اس کی بیوی کے لیے، ایک مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے۔'' یہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث ہے، میں نے صحیح ابو داود میں اس کی تخریج کی ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ان تمام روایات کو (ان عمارتوں پر) محمول کیا جائے گا، جن کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، یعنی وہ رہائش کے لیے اور گرمی و سردی سے بچنے کے لیے نہیں بنائی جاتیں۔

پھر حافظ صاحب نے بعض لوگوں کے ایسے اقوال بیان کیے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی عمارت گناہ ہے، پھر ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا: عمارت کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے، ضرورت سے زائد ہر عمارت کو گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا...... بلکہ بعض عمارتوں میں تو ثواب ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ دوسرے لوگ ان سے استفادہ کرتے ہیں، ایسی صورت میں مالک اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۲۸۳۱)

عصرِ حاضر میں پرشکوہ محلات اور کوٹھیوں اور ان کے لوازمات پر بھاری رقم خرچ کی جا رہی ہے، حالانکہ گھر بنانے کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ مختلف موسموں کی سختیوں سے اپنی حفاظت کی جائے اور یہ مقصد دس گیارہ مرلہ کے پلاٹ پر پانچ چھ لاکھ روپیہ صرف کر کے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور کروڑہا روپیہ بھی، یہ ۱۴۳۰ھ (۲۰۱۰ء) کی بات ہے۔

قومِ عاد نے مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۲۹) ...... ''اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل تعمیر) کر رہے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ یہاں رہو گے۔''

عطیہ واپس لینے والے کی بری مثال

(۹۵۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ مَثَلَ الَّذِي يَعُوْدُ فِي عَطِيَّتِهِ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ، ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ فَأَكَلَهُ۔)) (الصحيحة:١٦٩٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی اپنا عطیہ واپس کر لیتا ہے، اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جو کھاتا رہا، جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے قے کر دی اور پھر قے کو چاٹنا شروع کر دیا۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢٣٨٤، وأحمد: ٢/ ٢٥٩

شرح:...... جہاں صدقہ کرنا افضل و اعلیٰ عمل ہے، وہاں صدقہ کر کے واپس لینا انتہائی کمینہ اور گھٹیا عادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال سے وضاحت کر کے اس کی مزید سنگینی اور کمینگی کو واضح کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور صبر کی توفیق کب ملتی ہے؟

(٩٥٦)۔ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّ الْمَعُوْنَةَ تَأْتِي مِنَ اللّٰهِ عَلَى قَدْرِ الْمُؤْنَةِ وَإِنَّ الصَّبْرَ يَأْتِي مِنَ اللّٰهِ عَلَى قَدْرِ الْبَلَاءِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنهما۔ (الصحيحة : ١٦٦٤)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک (انسان پر ڈالے گئے) بوجھ اور کلفت کے مطابق اللہ کی طرف سے اس کے لیے مدد گار آتا ہے اور (اسی طرح اس پر ڈالی گئی) آزمائش کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے صبر (کی توفیق) ملتی ہے۔'' یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ وأما حديث أبي هريرة، فله عنه طرق:

الأولى: عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة: فأخرجه البزار في "مسنده": صـ١٥٦ زوائد ابن حجر، والفاكهي في "حديثه": ١/ ٢٠/ ١، وابن عدي في "الكامل": ٢٠٦/ ١

الاخرى: عن بريد بن صالح: فأخرجه ابن عساكر: ٥/ ٢٠٥/ ٢

(٢)۔ وأما حديث أنس: فأخرج أبو جعفر البختري في "ستة مجالس من الأمالي": ق ١١٤/ ٢

شرح :...... اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ جتنا مشقت وکلفت میں مبتلا ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد و معاونت حاصل ہوگی، اسی طرح جو آدمی جتنی زیادہ آزمائشوں میں مبتلا ہوگا، اسی قدر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر و برداشت کی زیادہ توفیق ملے گی۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مشقتوں اور ذہنی و جسمانی بیماریوں میں مبتلا بندوں پر خاص رحمت فرماتے ہیں، بشرطیکہ وہ ان آزمائشوں کے تقاضے پورے کریں۔ جو لوگ مالی اور جسمانی طور پر خوشحال ہوتے ہیں اور مذہب سے بھی وہ کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے، انھیں اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں اور پھر اس کی امداد و معاونت کی حقیقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا اور نہ وہ صبر و برداشت سے واقف ہوتے ہیں۔

مفلس و نادار لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت

(۹۵۷)۔ عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَوْجَاءَ أَحَدُكُمْ يَسْأَلُهُ دِيْنَاراً لَمْ يُعْطِهِ وَلَوْ سَأَلَهُ دِرْهَماً لَمْ يُعْطِهِ، وَلَوْ سَأَلَهُ فَلْسًا لَمْ يُعْطِهِ وَلَوْ سَأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ لَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ، ذُوْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ۔))

(الصحیحۃ:۲٦٤۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے بعض افراد ایسے ہیں کہ اگر وہ تم میں سے کسی سے دینار کا سوال کریں، تو وہ انھیں نہیں دے گا، اگر درہم کا سوال کریں تو وہ انھیں نہیں دے گا اور اگر فلس (درہم کے چھٹے حصے) کا بھی سوال کریں تو وہ نہیں دے گا، لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کریں تو وہ انھیں جنت عطا کر دے گا۔ وہ لوگ مفلس و نادار ہیں، انھیں حقیر (اور ناقابلِ توجہ) سمجھا جاتا ہے، لیکن (اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ) اگر وہ اللہ پر قسم اٹھا دیں تو وہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔“

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ۲/ ۱۷۷/ ۲/ ۷٦۹۹۔ بترقيمي

شرح :...... اس حدیث میں کمزور، غریب اور گوشہ خمول لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت وعظمت کا بیان ہے، جن کو معاشرے میں کوئی امتیازی مقام حاصل نہیں ہوتا، لیکن وہ ایمان و ایقان اور تقویٰ و طہارت کے ایسے بلند مقام پر فائز ہوتے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم بھی پوری کر دیتا ہے اور اگر اس سے جنت کا سوال کریں تو وہ ان کو جنت بھی عطا کر دیتا ہے۔

دنیوی اعتبار سے معاشرے کے ذی مقام اور بے وقعت لوگوں کا موازنہ کرتے ہوئے سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے فرمایا: ”اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟“ اس نے کہا: یہ معزز لوگوں میں سے ہے، اللہ کی قسم! یہ اس قابل ہے کہ

اگر کہیں پیغام نکاح دے۔تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو سفارش قبول کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی وہاں سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پھر پوچھا: ''اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس شخص کا تعلق فقرا مسلمین سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اور اگر کوئی بات کہے تو اس کی بات سنی نہ جائے۔ (اس کی آرا کو سامنے رکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((هَـٰذَا خَيْرٌ مِن مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هذا۔)) ...... ''یہ فقیر، پہلے شخص جیسے دنیا بھر کے آدمیوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری، مسلم)

ماحصل یہ ہے کہ وقعت اور بے وقعتی کا معیار تقوی وطہارت ہے، نہ کہ ظاہری حسن و جمال، حسب ونسب اور مال و دولت کی فراوانی۔ ہم اس کو معزز سمجھیں جو ظاہری طور پر نیک اور پارسا معلوم ہوتا ہو۔

زکاۃ کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوتا

(۹۵۸)۔ عَنْ عِيْسَى بْنِ الْحَضْرَمِيِّ بْنِ كُلْثُوْمِ بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ جَدِّهِ كُلْثُوْمٍ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُمْ عَامَ الْمُرَيْسِيْعِ حِيْنَ أَسْلَمُوْا: ((إِنَّ مِنْ تَمَامِ إِسْلَامِكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ۔)) (الصحيحة: ٣٢٣٢)

عیسی بن خضرمی بن کلثوم بن علقمہ بن ناجیہ خزاعی اپنے دادا کلثوم سے، وہ اپنے باپ سے روایت ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں غزوۂ مریسیع والے سال، جب وہ مسلمان ہوئے تھے، فرمایا تھا: ''مالوں کی زکاۃ دینے سے تمھارے اسلام کی تکمیل ہوگی۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني": ٤/ ٣٠٩/ ٢٣٣٤، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٨/ ٨/ ٦، والبزار في "مسنده": ١/ ٤١٥/ ٧٨٦

شرح:...... زکوۃ اسلام کا اہم رکن ہے، یہ اللہ تعالی کا فریضہ ہے، یہ صاحبِ مال کو بخل کی رزالت اور گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ شریعت کے بیسیوں مقامات پر نماز اور زکوۃ کو ایک اندازِ فرضیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو مختلف احادیث میں مختلف قسم کے عذابوں کی وعیدیں سنائیں۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرسیٔ خلافت پر متمکن ہوئے تو بعض قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار دیا، آپ نے ان سے قتال کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آڑے آنے کی کوشش کی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں کہا: وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ ۔ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِي عِنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّوْنَهَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا۔ ..... اللہ کی قسم! جس آدمی نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا میں اس سے ضرور ضرور لڑوں گا، کیونکہ یہ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! لوگ جو بکری کا بچہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے، اگر آج انھوں نے ادا نہ کیا تو میں ان سے قتال کروں گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اللہ تعالی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا

سینہ قتال کے لیے کھول دیا ہے، سو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہی حق ہے۔ (بخاری، مسلم)

سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان امور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی کہ میں نماز قائم کروں گا، زکوۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ (بخاری)

زکوۃ کی ادائیگی کے بغیر اسلام نامکمل اور ادھورا ہے۔

جانوروں کی زکوۃ کہاں وصول کی جائے؟

(۹۵۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((تُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى مِيَاهِهِمْ۔)) يَعْنِي: مَوَاشِيْهِمْ۔ (الصحيحة:۱۷۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں سے (ان کے مویشیوں کی) زکوۃ پانی کے گھاٹ پر وصول کی جائے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۲/ ۱۸۴، والطيالسي: ۲۲۶۴، والبيهقي: ۴/ ۱۱۰

شرح:...... مختلف قسم کے جانوروں کا نصابِ زکوۃ اور شرحِ زکوۃ مقرر ہے، اسلامی حکومت کی طرف سے زکوۃ کی وصولی کے لیے ایک عامل مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے اور مویشیوں کے مالکوں کے لیے اس میں آسانی ہے کہ پانی کے گھاٹوں پر زکوۃ وصول کی جائے۔

گھوڑے اور غلام پر زکوۃ نہیں

(۹۶۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعاً: ((لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ زَكَاةٌ إِلَّا زَكَاةَ الْفِطْرِ فِي الرَّقِيْقِ۔))

(الصحيحة: ۲۱۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھوڑے اور غلام پر کوئی زکاۃ نہیں، البتہ غلام پر صدقۂ فطر ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:۱/ ۲۵۳، وعنه البيهقي:۴/ ۱۱۷، واخرجه مسلم ۳/ ۶۷ دون الاستثناء وكذالك رواه البخاري، لكن روى مسلم: ۳/ ۶۸ لفظ: ((ليس في العبد صدقة الا صدقة الفطر۔)) ايضا

شرح:...... معلوم ہوا کہ گھوڑوں اور غلاموں میں ایک سال کے گزر جانے کے بعد فرض ہونے والی زکوۃ نہیں ہے، البتہ غلام کے مالک پر یہ ضروری ہے کہ وہ عید الفطر کے موقع پر اس کی طرف سے ایک صاع (دو کلو سو گرام) صدقۂ فطر ادا کرے۔

اس خزانے کی مذمت، جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے

(۹۶۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:((اَلدِّيْنَارُ كَنْزٌ وَالدِّرْهَمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دینار خزانہ ہے، درہم بھی خزانہ ہے اور قیراط بھی خزانہ

كَنْزٌ، وَالْقِيْرَاطُ كَنْزٌ۔)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَمَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ فَقَدْ عَرَفْنَا هُمَا، فَمَا الْقِيْرَاطُ؟ قَالَ: ((نِصْفُ دِرْهَمٍ، نِصْفُ دِرْهَمٍ، نِصْفُ دِرْهَمٍ۔))

(الصحيحة: ۷۲۱)

ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: ہم دینار اور درہم کو تو پہچانتے ہیں، قیراط کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نصف درہم کو، نصف درہم کو، نصف درہم کو (قیراط کہتے ہیں)۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ۲/ ۱۰۷

شرح:...... دینار و درہم سے مراد کویت اور دوبئی کی موجودہ کرنسی نہیں ہے، بلکہ سونے اور چاندی کی ایک مقدار کا نام ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

درہم چاندی کا سکہ ہوتا ہے، جس کا وزن تین ماشے، ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔

دینار سونے کا سکہ ہوتا ہے، جس کا وزن ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo﴾ (سورۂ توبہ: ۳٤) ...... ''اور جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں مال و دولت کو خزانہ رکھنے یعنی ''کَنْز'' کرنے کی وعید و تہدید کا بیان ہے، لیکن جب کسی نوعیت کے مال کی زکوۃ ادا کر لی جائے تو اسے خزانہ اور ''کنز'' نہیں کہا جا سکتا، جو مذمت کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۹٦۲)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحاً مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: ((مَابَلَغَ أَنْ تُؤَدّٰى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔))

(الصحيحة: ۵۵۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں سونے سے تیار کردہ پازیب پہنتی تھی، ایک دن میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ بھی خزانہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو (زیور) زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو وہ خزانہ نہیں رہتا۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ۱۵٦٤

شرح:...... اس حدیث میں آیتِ مبارکہ کی مکمل توضیح کر دی گئی ہے کہ جو مالدار اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دیتا ہے، وہ اس آیت میں بیان شدہ وعید کا مصداق نہیں ٹھہرتا۔

کون سی فصل میں زکوۃ ہے؟

(۹٦۳)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ،

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے

قَالَ: إِنَّمَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الزَّكَاةَ فِي هٰذِهِ الْأَرْبَعَةِ: الْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيْرِ، وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ. (الصحيحة:٨٧٩)

ان چار اصناف میں زکوۃ نافذ کی: گندم، جو، منقی اور کھجور۔

تخريج: أخرجه الدارقطني: ٢٠١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سندی حیثیت پر درج ذیل بحث کی ہے:

یہ حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ عزرمی ''متروک'' ہے، لیکن اس کی متابعت موجود ہے، جسے امام دارقطنی اور امام حاکم نے روایت کیا کہ موسی بن ابوطلحہ نے کہا: عِنْدَنَا كِتَابُ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ إِنَّمَا أَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ ...... آپ ﷺ نے گندم اور ...... سے زکوۃ وصول کی ہے۔

امام حاکم نے کہا: موسی بن طلحہ عظیم تابعی ہیں اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے زمانے کو ان کے پانے کا انکار نہیں کیا گیا۔

لیکن ابن عبد البر نے کہا کہ موسی بن طلحہ، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو نہ ملے ہیں اور نہ ان کو پایا ہے۔

لیکن امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اس کا یہ شاہد ذکر کیا ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَأْخُذُوا إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَرْبَعَةِ......)) ......صرف ان چار اصناف میں زکوۃ وصول کرو۔

ان احادیث کی روشنی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، امام عبداللہ بن مبارک، امام حسن بصری اور امیر صنعانی وغیرہ کا یہ مسلک ہے کہ زرعی پیداوار کی تمام اقسام میں سے صرف گندم، جو، کھجور اور منقی پر زکوۃ فرض ہے۔

امام صنعانی نے کہا: قطعی اور حتمی بات تو یہ ہے کہ مسلمان کا مال حرمت والا ہے، کسی قطعی دلیل کی روشنی میں ہی اس حرمت کو ختم کیا جا سکتا ہے، احتیاط اور دوسرے عام دلائل ناکافی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اصل قانون تو براءتِ ذمہ کا ہے، یہ دو بنیادی اصول ہیں، جن کا حکم ختم کرنے کے لیے اِن کے مقابلے کی قطعی دلیل درکار ہے۔ رہا مسئلہ احتیاط کا، تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مکئی وغیرہ پر بھی زکاۃ عائد نہ کی جائے، کیونکہ اس قسم کی فصلوں کے لیے جس عموم کا سہارا لیا گیا، ان کی تخصیص ثابت ہو چکی ہے۔ (سبل السلام: ۴/ ۳۶)

جبکہ بعض علمائے کرام کا یہ مسلک ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر قسم کی زرعی پیداوار پر عُشر یعنی زکوۃ فرض ہے، انھوں نے اپنے حق میں درج ذیل عام آیات پیش کی ہیں، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (سورۂ انعام: ١٤٢) ...... ''کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دو۔''

نیز فرمایا: ﴿مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ (سورۂ بقرہ: ٢٦٧) ...... ''اس چیز میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔''

نیز بعض احادیث بھی اس عموم پر دلالت کرتی ہیں، جیسے ((فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ ...... عُشْرٌ......

وَنِصْفُ الْعُشْرِ۔))

فصلوں پر زکوۃ کی شرح

(٩٦٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ: قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ كَلَالٍ وَمَنْ مَعَهُ مِنْ مُعَافِرَ وَهَمْدَانَ: ((عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي صَدَقَةِ الثِّمَارِ أَوْ مَالِ الْعِقَارِ عُشْرُ مَا سَقَتِ الْعَيْنُ وَمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَعَلَى مَا يُسْقَى بِالْغَرْبِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔))

(الصحيحة:١٤٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اہل یمن یعنی حارث بن عبد کلال اور اس کے معافری اور ہمدانی ساتھیوں کی طرف خط لکھا کہ: ”اگر زمین چشموں سے یا بارش سے سیراب ہوتی ہو تو اس کے پھلوں کی پیداوار یا مال پر دسواں حصہ زکوۃ ہے اور جن کو ڈول (وغیرہ کے ذریعے کھینچ کر) پانی پلایا جاتا ہے، ان کی (پیداوار پر) بیسواں حصہ زکوۃ ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة: ٤/ ٢٢، والدارقطني: ٢١٥، والبيهقي: ٤/ ١٣٠

شرح:...... زمین سے فصلیں پیدا کر کے انسان کو رزق مہیا کرنا اللہ تعالی کا فضل و کرم ہے، اللہ تعالی نے اس احسان کا بدلہ یوں طلب کیا ہے کہ زرعی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ بطورِ زکوۃ اس کی راہ میں دیا جائے، جو پیدا ہونے والی کل فصل کے مقابلے میں انتہائی کم مقدار ہے۔

مذکورہ بالا اور اس موضوع پر دوسری احادیث سے یہ مسئلہ عیاں ہوتا ہے کہ اگر زمین کسی ایسے ذریعے سے سیراب ہوتی ہو جس میں مشقت نہ ہو یا کم مشقت ہو مثلا بارش، شبنم، اولے، زمینی نمی و رطوبت اور چشموں وغیرہ سے، تو اس میں دسواں حصہ زکاۃ نکالنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی مشقت طلب ذریعے سے سیراب کی جاتی ہو، مثلا اونٹ اور بیل وغیرہ کے ذریعے یا آدمی کا خود پانی اٹھا کر یا کھینچ کر زمین کو سیراب کرنا یا کنوؤں یا ٹیوب ویل کے ذریعے آبپاشی کرنا، تو ان سب صورتوں میں بیسواں حصہ زکوۃ ہوگی۔

واضح رہے کہ کسی بھی فصل میں زکوۃ کو لاگو کرنے کے لیے ضروری ہے وہ پانچ وسق (پندرہ من اور تیس کلوگرام) ہو، اس کو نصابِ زکوۃ کہتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ ایک وسق میں ساٹھ صاع اور پانچ اوساق میں تین سو صاع ہوتے ہیں اور ایک صاع کا وزن تقریبا دو کلو سو گرام ہوتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس روایت کو صحیحہ میں درج کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے شروع میں ”علی المؤمنین“ کے الفاظ پائے جاتے ہیں، جو انتہائی اہم استدلال پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ امام بیہقی نے کہا: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ذمیوں سے زکوۃ نہ لی جائے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: ذمیوں سے زکوۃ کیسے وصول کی جائے گی، حالانکہ وہ شرک و ضلالت میں پھنسے ہوئے

ہیں۔ زکاۃ ایسے لوگوں کو پاک صاف نہیں کرتی، بلکہ ان مومنوں کا تزکیہ کرتی ہے، جو شرک سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (سورۂ توبہ: ١٠٣) ...... ''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کیلیے دعا کیجیے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ اطمینان ہے۔''

یہ آیت کریمہ واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ زکوۃ صرف مومنوں سے وصول کی جائے گی، بہرحال حدیث کی دلالت زیادہ واضح ہے۔

جو آدمی سیرتِ نبوی اور خلفائے راشدین اور بعد والے مسلم خلفا و ملوک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مسلم سلطنت میں رہنے والے غیر مسلموں سے زکوۃ نہیں، جزیہ وصول کرتے تھے، جو کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (صحیحہ: ١٤٢) امام البانی رحمہ اللہ نے اس مقام پر اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جامعہ از ہر مصر کے بعض مشائخ نے مسلم ممالک میں بسنے والے تمام غنی لوگوں سے زکوۃ وصول کرنے کی رائے دی ہے، وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

زکوۃ وصول کرنے والا مجوزہ مقدار سے زیادہ نہیں لے سکتا

(٩٦٥)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها: أَنَّ النَّبِيَّ بَيْنَمَا هُوَ فِي بَيْتِهَا وَعِنْدَهُ رِجَالٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُوْنَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَمْ صَدَقَةُ كَذَا وَكَذَا مِنَ التَّمْرِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَذَا وَكَذَا مِنَ التَّمْرِ۔)) فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنَّ فُلَاناً تَعَدّٰى عَلَيَّ فَأَخَذَ مِنِّي كَذَا وَكَذَا، فَازْدَادَ صَاعاً؟ فَقَالَ ﷺ: ((فَكَيْفَ إِذَا سَعٰى عَلَيْكُمْ مَنْ يَتَعَدّٰى عَلَيْكُمْ أَشَدَّ مِنْ هٰذَا التَّعَدِّيْ؟)) فَخَاضَ النَّاسُ وَبَهَرَهُمُ الْحَدِيْثُ، حَتّٰى قَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ رَجُلاً غَائِباً عَنْكَ فِي إِبِلِهِ وَمَاشِيَتِهِ وَزَرْعِهِ وَأَدّٰى زَكَاةَ مَالِهِ فَتُعُدِّيَ عَلَيْهِ الْحَقُّ فَكَيْفَ يَصْنَعُ وَهُوَ غَائِبٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے پاس کچھ صحابۂ کرام بیٹھے آپ کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، اسی اثنا میں ایک آدمی آیا اور پوچھا: کھجوروں کی اتنی (مقدار) پر کتنی زکوۃ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اتنی کھجوریں۔'' وہ کہنے لگا: فلاں آدمی نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور اتنی کھجوریں لی ہیں، یعنی ایک صاع زیادہ وصول کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت کیا ہوگا جب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو تم پر اس سے کہیں زیادہ زیادتی کریں گے۔'' لوگ غور و خوض میں پڑ گئے اور اس حدیث نے انھیں ششدر کر دیا، حتی کہ ایک آدمی یوں بول اٹھا: اے اللہ کے رسول! اگر ایک آدمی آپ سے دور اپنے اونٹوں، مویشیوں اور کھیتی میں فروکش ہے اور اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتا ہے، لیکن اس پر زیادتی کی جاتی ہے اب وہ کیا کرے اور وہ ہے بھی غائب؟ رسول اللہ ﷺ نے

((مَنْ أَدَّى زَكَاةَ مَالِهِ ، طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ يُرِيْدُ وَجْهَ اللّٰهِ وَالدَّارَ الآخِرَةَ ، لَمْ يُغَيِّبْ شَيْئًا مِنْ مَالِهِ ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ ، وَأَدَّى الزَّكَاةَ فَتُعُدِّيَ عَلَيْهِ الْحَقُّ فَأَخَذَ سَلَاحَهُ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ ، فَهُوَ شَهِيْدٌ۔)) (الصحيحة: ٢٦٥٥)

فرمایا: ''جس نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کی، اس حال میں کہ اس کا نفس راضی ہو اور وہ اللہ کی رضامندی اور یوم آخرت کا متلاشی ہو، اس نے اپنے مال کا کوئی حصہ نہیں چھپایا، اور نماز قائم کی اور زکاۃ ادا کی، لیکن اس پر زیادتی کی گئی، جس کی وجہ سے اس نے اپنا اسلحہ لیا اور لڑنا شروع کر دیا، لیکن قتل ہو گیا، تو وہ شہید ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ٢٣٣٦، والحاكم: ١/ ٤٠٤، والطبراني في "الكبير" و "الاوسط"، وأخرجه احمد: ٦/ ٣٠١ مختصرا

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوۃ وصول کرنے والے عامل کو زیادتی نہیں کرنی چاہئے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو صاحب مال اپنے مال کے دفاع میں لڑ سکتا ہے، امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حدیث کا آخری جملہ ((فَأَخَذَ سَلَاحَهُ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ ، فَهُوَ شَهِيْدٌ۔)) کے شواہد صحیحین میں بھی ہیں، میں نے ''احکام الجنائز'' میں بعض کی تخریج پیش کی ہے اور ایک حدیث اسی سلسلہ صحیحہ (۳۲۴۷) میں موجود ہے، لیکن ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بعض احادیث میں کچھ قیود پیش کی گئی ہیں، مثال کے طور پر مظلوم کو چاہیے کہ وہ ظالم کو تین دفعہ اللہ تعالی کا واسطہ دے، ہو سکتا ہے کہ وہ باز آ جائے، بصورت دیگر وہ دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کرے، اگر اس کے ارد گرد کوئی بھی نہ ہو تو بادشاہ سے شکایت کرے، بشرطیکہ ممکن ہو، اگر ظالم پھر بھی باز نہیں آتا اور مظلوم اس سے لڑ پڑتا ہے اور اسے قتل کر دیتا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا اور اگر مظلوم خود قتل ہو جاتا ہے تو وہ شہید ہو گا۔ (صحیحہ: ۲۶۵۵)

لیکن سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلَا يُفَارِقَنَّكُمْ إِلَّا عَنْ رِضًى۔)) (ترمذی) ......''جب تم لوگوں کے پاس زکوۃ وصول کرنے والا عامل آئے تو وہ راضی ہو کر تم سے جدا ہو، (یعنی تم اسے راضی کر دو)۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کا یہ معنی ہے لوگ اس کی اطاعت کریں اور اسے اچھے انداز میں مرحبا کریں، یہ معنی نہیں کہ وہ اسے وہ مال بھی دے دیں جو ان پر واجب نہیں ہوتا۔

جبکہ امام بیہقی کہتے ہیں: اگر عامل مقدار سے زیادہ زکوۃ وصول کر کے ظلم بھی کرے تو اسے راضی کرنا چاہئے۔ یعنی ان کا یہ خیال ہے کہ ان کی زیادتی پر لوگوں کو صبر کرنا چاہئے۔

زکوۃ ادا کرنے والوں کا دنیوی انجام
۱۴۳۰ھ میں دنیائے اسلام کی زبوں حالی اور احادیث کی پیش گوئی

(٩٦٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

أَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوْا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوْا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَاللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيْهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوْا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ.)) (الصحيحة: ١٠٦)

اللہ ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''مہاجرو! پانچ (آزمائشیں) ہیں جن میں تم مبتلا ہو گے اور میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ: (۱) جب کسی قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے اور وہ اعلانیہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان میں طاعون اور مختلف بیماریاں، جو ان کے اسلاف میں نہیں تھیں، پھیل جاتی ہیں۔ (۲) جب لوگ ماپ تول میں کمی کرتے ہیں تو انھیں قحط سالیاں، سخت تکلیفیں اور بادشاہوں کے ظلم دبوچ لیتے ہیں۔ (۳) جب لوگ زکوۃ ادا کرنے سے رک جاتے ہیں تو آسمان سے بارش کا نزول بند ہو جاتا ہے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان پر بارش نازل نہ ہوتی۔ (۴) جب لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد و پیمان کو توڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں، جن کا تعلق ان کے غیروں سے ہوتا ہے، کو مسلط کر دیتا ہے جو ان سے ان کے بعض اموال چھین لیتے ہیں۔ اور (۵) جب مسلمانوں کے حکمران اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اس کے نازل کردہ قوانین کو ترجیح نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔''

تخريج: رواه ابن ماجه: ٤٠١٩، وأبونعيم في "الحلية": ٣/ ٣٢ و٨/ ٣٣٣-٣٣٤، الطبراني في "الاوسط": ١/ ٢٨٧/ ١ وفي "مسند الشاميين" ص ٣١٠-٣١١، والحاكم: ٤/ ٥٤٠

شرح:...... حدیث مبارکہ میں جن پانچ برائیوں کی وجہ سے مختلف قسم کے عذابوں اور آزمائشوں کی نشاندہی کی گئی ہے، عصرِ حاضر میں ان کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ یہ اور اس قسم کی احادیث نبی کریم ﷺ کی احادیث کی حقانیت کا ٹھوس ثبوت ہیں۔

اونٹوں کی زکوۃ کی تفصیل

(٩٦٧)- عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ، وَلَا فِي

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ سے کم اونٹوں پر کوئی زکوۃ نہیں اور نہ چار اونٹوں پر زکوۃ ہے، جب ان کی تعداد پانچ سے نو تک ہو تو

الْأَرْبَعِ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا فَفِيْهَا شَاةٌ، إِلَى أَنْ تَبْلُغَ تِسْعاً فَإِذَا بَلَغَتْ عَشْراً، فَفِيْهَا شَاتَان، إِلَى أَنْ تَبْلُغَ أَرْبَعَ عَشَرَةَ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسَ عَشَرَةَ فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ تِسْعَ عَشَرَةَ، فَإِذَا بَلَغَتْ عِشْرِيْنَ، فَفِيْهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ أَرْبَعاً وَعِشْرِيْنَ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِيْنَ، فَإِذَا لَمْ تَكُنْ بِنْتُ مَخَاضٍ فَابْنُ لَبُوْنٍ ذَكَرٍ، فَإِنْ زَادَتْ بَعِيراً فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ خَمْسًا وَأَرْبَعِيْنَ فَإِنْ زَادَتْ بَعِيْراً فَفِيْهَا حِقَّةٌ إِلَى اَنْ تَبْلُغَ سِتِّيْنَ، فَإِنْ زَادَتْ بَعِيْرًا، فَفِيْهَا جَذَعَةٌ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ خَمْسًا وَسَبْعِين، فَإِنْ زَادَتْ بَعِيْراً فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ تِسْعِيْنَ فَإِنْ زَادَتْ بَعِيْراً، فَفِيْهَا حِقَّتَانِ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ عِشْرِيْنَ وَمِئَةً ثُمَّ فِي كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ، وَفِي كُلِّ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ.))

(الصحيحة:۲۱۹۲)

ایک بکری، جب دس سے چودہ تک ہو تو دو بکریاں، جب پندرہ سے انیس تک ہو تو تین بکریاں اور بیس سے چوبیس تک ہو تو چار بکریاں زکوۃ میں دی جائیں گی۔ جب اونٹوں کی تعداد پچیس سے بڑھ کر پینتیس ہو جائے تو اس تعداد پر بنتِ مخاض (ایک سالہ اونٹنی)۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر ابن لبون (دو سالہ نر بچہ) دے دیا جائے گا۔ جب تعداد چھتیس سے بڑھ کر پینتالیس تک پہنچ جائے تو بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنی)، اگر تعداد چھیالیس ہو جائے تو ساٹھ تک ایک عدد حِقّہ (تین سالہ اونٹنی)، اگر تعداد اکسٹھ ہو جائے تو پچھتر تک جَذعہ (چار سالہ اونٹنی)، اگر اس سے تعداد بڑھ جائے تو نوے تک دو عدد بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنیاں)، اگر اس سے تعداد بڑھ جائے تو ایک سو بیس تک دو عدد حِقّے (تین سالہ اونٹنیاں)۔ (ایک سو بیس کی تعداد) کے بعد ہر پچاس پر حِقّہ (تین سالہ اونٹنی) اور ہر چالیس پر بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنی) زکوۃ میں دی جائے گی۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه:۱۷۹۹

شرح:......اس حدیث مبارکہ میں اونٹوں کی زکوۃ کے نصاب اور شرح کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔

زکوۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے

(۹٦۸)۔ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا يَأْتِي رَجُلٌ مَوْلَاهُ يَسْأَلُهُ فَضْلاً عِنْدَهُ فَيَمْنَعُهُ إِيَّاهُ إِلَّا دُعِيَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے آزاد شدہ (یا کسی رشتہ دار) کے پاس آ کر اس سے اس کی ضرورت سے زائد کسی چیز کا سوال کرتا

يَتَلَمَّظُ فَضْلَهُ الَّذِي مَنَعَ۔)) (الصحيحة:٢٤٣٨)

ہے، لیکن وہ نہیں دیتا تو روزِ قیامت اس کیلیے ایک سانپ لایا جائے گا جو اس کی روکی ہوئی زائد از ضرورت چیز کو منہ میں پھرائے گا۔"

تخريج: رواه أبوداود:٥١٣٩، والنسائي في "الكبرى":١٠/ ٢، وأحمد:٥/ ٣، ٥

شرح:...... حدیث میں لفظ "مَوْلاہ" کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں: آزاد شدہ یا ہر قریبی رشتہ دار اس حدیثِ مبارکہ کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارے مال و دولت میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے، جب کوئی آدمی ہم سے زائد از ضرورت چیز کا سوال کرے تو اسے دے دینی چاہیے، بالخصوص جب سوال کرنے والا رشتہ دار ہو۔ غور و فکر کرنے والے مالدار حضرات کے لیے اس حدیث میں بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہے اور اس وقت اکثر لوگ اس وعید کا مصداق بن رہے ہیں۔

مشرکین سے تحفہ لینا کیسا ہے؟

(٩٦٩)۔ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: كَانَ مُحَمَّدٌ أَحَبَّ رَجُلٍ فِي النَّاسِ إِلَيَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا تَنَبَّأَ وَخَرَجَ إِلَى الْمَدِينَةِ شَهِدَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ الْمَوْسِمَ، وَهُوَ كَافِرٌ فَوَجَدَ حُلَّةً لِذِي يَزَنَ تُبَاعُ، فَاشْتَرَاهَا بِخَمْسِينَ دِينَاراً، لِيُهْدِيَهَا لِرَسُولِ اللّٰهِ فَقَدِمَ بِهَا عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ، فَأَرَادَهُ عَلَى قَبْضِهَا هَدِيَّةً، فَأَبَى۔ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: ((إِنَّا لَا نَقْبَلُ شَيْئًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلٰكِنْ إِنْ شِئْتَ أَخَذْنَاهَا بِالثَّمَنِ۔)) فَأَعْطَيْتُهُ حِينَ أَبَى عَلَيَّ الْهَدِيَّةِ۔ (الصحيحة: ١٧٠٧)

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عہدِ جاہلیت میں اس کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ جب آپ نے نبوت کا دعوی کیا اور مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور حکیم بن حزام، جبکہ وہ کافر تھے، حج کے موسم میں مکہ میں آئے اور دیکھا کہ ذی یزن کی ایک عمدہ پوشاک فروخت کی جا رہی تھی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دینے کے لیے وہ خرید لی اور مدینہ پہنچ گئے۔ جب انھوں نے یہ پوشاک بطورِ ہدیہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کرنا چاہی تو آپ نے انکار کر دیا۔ عبید اللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم مشرکین سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے، ہاں اگر آپ دینا ہی چاہتے ہیں تو ہم اسے قیمت کے بدلے خرید لیتے ہیں۔" جب آپ نے ہدیہ قبول کرنے سے انکار کیا تو میں نے (قیمت کے بدلے) دے دیا۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٣/ ٤٨٤، وأحمد: ٣/ ٤٠١

شرح:...... بعض احادیث کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپ ﷺ مشرکوں سے تحفے اور ہدیے قبول کرتے تھے، مثلا آپ ﷺ نے کسری (ایران کے بادشاہ)، قیصر (روم کے بادشاہ) اور مختلف بادشاہوں کے ہدیے قبول کیے۔ (ترمذی) دومۃ الجندل کے سردار نے آپ ﷺ کو ایک ریشمی جبہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ (بخاری) یہودی عورت نے

آپ ﷺ کو زہر آلود بکری کا ہدیہ دیا، جو آپ ﷺ نے قبول کیا۔ (بخاری، مسلم)

ان روایات کے برعکس سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ نے حالت شرک میں آپ ﷺ کو ایک اونٹنی بطور ہدیہ پیش کی، لیکن آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''آیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے مشرکین کی میل کچیل قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔'' (ابوداود، ترمذی) اور اس موضوع پر دوسری احادیث بھی موجود ہیں۔ مذکورہ بالا احادیث میں ظاہری طور پر تعارض نظر آ رہا ہے، ائمۂ اسلام اور محدثین نے درج ذیل تطبیقات پیش کی ہیں:

(۱) جس غیر مسلم کے بارے میں یہ امید تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے گا، اس کے ہدیے قبول کر لیے گئے، لیکن جو غیر مسلم اپنے ہدیے کے ذریعے محض دوستی چاہتا تھا، اس کے تحفے ردّ کر دیے گئے۔

(۲) ممانعت کی احادیث منسوخ ہو چکی ہے اور جواز والی احادیث کا حکم باقی ہے۔

(۳) موقع و محل کو مدنظر رکھ کر ہدایا قبول نہ کر کے متعلقہ آدمی کو قبولیت اسلام کی طرف رغبت دی گئی۔

(۴) جب دل میں مشرک کی محبت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو تحفے ردّ کر دیے جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۹۷۰)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ السُّلَمِيِّ: أَنَّ عَامِرَ بْنَ مَالِكِ بْنِ جَعْفَرٍ، الَّذِي يُدْعٰى مَلَاعِبَ الْأَسِنَّةِ، قَدِمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُشْرِكٌ، فَعَرَضَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْإِسْلَامَ، فَأَبٰى أَنْ يُسْلِمَ وَأَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هَدِيَّةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ.))

(الصحيحة: ۱۷۲۷)

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک سلمی سے روایت ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر، جسے ''ملاعب الأسنة'' یعنی تیروں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس حال میں کہ وہ مشرک تھا، آپ نے اس پر اسلام پیش کیا، لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تحفہ پیش کیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں مشرک کا تحفہ قبول نہیں کرتا۔''

تخريج: أخرجه البزار: ۱۳۸ - زوائده عن معمر والبيهقي في "دلائل النبوة": ج ۱ - غزوة بئر معونة - مخطوطة حلب، ورواه ابن المبارك موصولا، وأخرجه البزار.

غلام اور لونڈی کو آزاد کرنے کا ثواب

(۹۷۱)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (۱): ((أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (۱) ''جس مسلمان نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو وہ اس کے لیے آگ سے آزادی (کا سبب بنے

امْـرَأً مُسْلِماً كَانَ فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ ، يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ۔(۲) وَأَيُّمَا امْرِىءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ فِيهِمَا عُضْوًا مِّنْهُ۔(۳) وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فَكَاكَهَا مِنَ النَّارِ ، يُجْزِئُ كُلَّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْواً مِنْهَا۔))

(الصحيحة:٢٦١١)

گا)، اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو کفایت کرے گا۔ (۲) جس مسلمان نے دو مسلمان عورتوں کو آزاد کیا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے چھٹکارے (کا سبب) بنیں گی، ان دونوں کے ہر دو عضو آزاد کنندہ کے ہر عضو کو کفایت کریں گے۔(۳) جس مسلمان عورت نے مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے (آزادی کا سبب) بنے گی، اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو کفایت کرے گا۔“

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٢٩٢، وأخرجه ابوداود في "سننه": ٣٩٦٧، واحمد ٤/ ٢٣٥ نحوه

شرح:...... عصر حاضر میں چونکہ حقیقی اور مختار جہاد مفقود ہے، اس لیے غلاموں کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے۔ ان کی آزادی جہنم سے رہائی اور جنت میں داخلے کا بہت بڑا سبب ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا مقام مرد سے کم ہے کہ آزاد کرانے والے مرد کے حق میں ایک غلام مرد کو آزاد کرنے کا اجر وثواب دو عورتوں کی آزادی کے برابر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

(٩٧٢)۔ عَـنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَـأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْـعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((إِيْمَـانٌ بِـاللّٰـهِ ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيْلِهِ۔)) قُـلْـتُ: فَـأَيُّ الـرِّقَـابِ أَفْضَلُ؟ قَـالَ: ((أَغْلَاهَـا ، وَفِـي رِوَايَةٍ: أَكْثَـرُهَـا ثَمَناً وَأَنْـفَسُهَـا عِنْدَ أَهْـلِهَـا۔)) قُـلْتُ: فَإِن لَّمْ أَفْـعَـلْ؟ قَـالَ: ((تُـعِيْنُ صَانِعاً ، أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْـرَقَ۔)) قَـالَ: فَـإِن لَّمْ أَفْعَلْ؟ قَـالَ: ((تَـدَعُ الـنَّـاسَ مِـنَ الشَّرِّ فَـإِنَّهَـا صَدَقَةٌ تُصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ۔))

(الصحيحة:٣٩٨٩)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔“ میں نے کہا: کون سا غلام (آزاد کرنا) زیادہ فضیلت والا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ قیمتی اور عمدہ ہو۔“ میں نے کہا: اگر میں ایسا (غلام آزاد) نہ کر سکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی ہنر مند کی مدد کر دو یا کسی بے ہنر کا کام کر دو۔“ میں نے کہا: اگر مجھ میں یہ عمل کرنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو اپنے شرّ سے بچا کر رکھو، یہ بھی تمھارا اپنے نفس پر صدقہ ہو گا۔“

٣٩٨٩: تخريج: أخرجه البخاري: ٢٥١٨، ومسلم: ١/ ٦٢، وأبو عوانة: ١/ ٦٢، وابن حبان: ١/ ١٨٣/

۱۵۲، ۷/ ۵۸/ ٤٥٧٧، والنسائي في"السنن الكبرى": ۳/ ۱۷۲/ ٤٨٩٤، ٤٨٩٥، وابن ماجه :۲/ ۱۹، وأحمد: ٥/ ١٥٠ و ١٧١

شرح:...... حدیث سے ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کہ اہمیت و افضلیت واضح ہو رہی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عام غلام کی بہ نسبت قیمتی غلام آزاد کرنا افضل عمل ہے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون بھی باعث اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے اجتناب بھی اجر میں صدقہ و احسان سے کم نہیں ہے۔

قارئین کرام! قابل غور بات یہ ہے کہ کسی کو اپنے وجود سے تکلیف نہ ہونے دینا عمل کا ادنی درجہ ہے، کیونکہ ایسی صورت میں عملی طور پر کچھ نہیں کرنا پڑتا، صرف اپنے آپ پر قابو پانا ہوتا ہے، مثال کے طور پر کسی کی چغلی غیبت کرنے سے محفوظ رہنے کے لیے زبان پر کنٹرول کرنا چاہیے۔ لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کسی نہ کسی انداز میں تکلیف کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

ترکہ چھوڑنا کیسا ہے؟

(۹۷۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه ، قَالَ: أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِجَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَصَلَّى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ: ((مَاتَرَكَ؟)) قَالُوْا: تَرَكَ دِيْنَارَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ، قَالَ: ((تَرَكَ كَيَّتَيْنِ ، أَوْ ثَلَاثَ كَيَّاتٍ۔))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی کا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور پوچھا: ''اس نے (اپنی میراث میں) کیا چھوڑا ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ دو یا تین دینار۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو داغنے کی جگہیں چھوڑ گیا ہے یا تین۔''

(الصحيحة:٣٤٨٣)

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في"المصنف": ۳/ ۳۷۲، واحمد: ۲/ ٤٢٩

شرح:...... جہاں میراث کے قوانین مقرر ہیں، وہاں قریب المرگ آدمی کے لیے یہ حد بندی بھی کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ وصیت نہیں کر سکتا ہے، اگر وہ اس مقدار سے زیادہ وصیت کرتا ہے تو اسے ردّ کر دیا جائے گا اور مال اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، نیز شریعت کی روشنی میں کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی وارث کے حق میں وصیت کرے۔

تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوا؟ جواباً امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: آپ ﷺ نے جس آدمی کے بارے میں دو تین دیناروں کی وجہ سے اتنی سخت وعید بیان فرمائی ہے، معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اس وعید کا بیچ میں کوئی اور سبب ہو گا، اس کا اظہار صرف دیناروں کی بنا پر نہیں کیا گیا، کیونکہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ میت مال کی اتنی مقدار چھوڑ جانے کی وجہ سے آگ کا حقدار نہیں ٹھہرتا ہے۔ آپ خود غور کریں کہ ایک طرف تو آپ ﷺ نے ترکہ چھوڑ جانے کی رغبت دلاتے ہوئے سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''اگر تو (اپنے ترکہ کے ذریعے) اپنے وارثوں کو غنی کر دے تو یہ اس سے بہتر

ہے کہ تو ان کو اس حال میں چھوڑ جائے کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے پھریں۔'' (بخاری، مسلم)

اسی طرح جب نجدی نے زکوۃ کا مسئلہ سنا تو آپ ﷺ سے سوال کیا: کیا زکوۃ کے علاوہ بھی میرے مال میں کوئی حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، ہاں اگر تم نفلی طور پر صدقہ کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو)۔'' (بخاری، مسلم) اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مالدار زکوۃ کی ادائیگی کے بعد مال اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اسی حالت میں اس کو موت بھی آ سکتی ہے۔

اس قسم کی بہت ساری احادیث ہیں جو زندگی میں مال و دولت جمع کرنے اور صاحبِ مال کے فوت ہونے کے بعد اس کو اس کے وارثوں میں تقسیم کر دینے پر دلالت کرتی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب یہ قائم کیا ہے: ''بَابُ مَنْ اَدّٰی زَكَاتَهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ؛ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: ((لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسَقٍ صَدَقَةٌ ......)) ...... زکوۃ کی ادائیگی کے بعد مال وہ خزانہ نہیں رہتا (جس کی مذمت کی گئی ہے) کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ وسق سے کم غلہ پر زکوۃ لاگو نہیں ہوتی ......''

اس بحث کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس آدمی نے مال سے متعلقہ حقوق کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کی ہو، مثلاً اہل و عیال پر خرچ کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو لباس پہنانا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی مال کے باوجود فقر و فاقے کا اظہار کرتا ہو، جیسا کہ علقمہ مزنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں: اہل صفہ، مسجد میں رات گزارتے تھے، ان میں سے ایک آدمی فوت ہو گیا، جب اس کا ازار کھولا گیا تو اس میں سے دو دینار نکلے، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو داغ ہیں۔'' (مصنف عبد الرزاق: ۱/ ۴۲۱/ ۱۶۴۹)

اور اس احتمال کا بھی امکان ہے کہ یہ شخص اپنے مال کو بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ (صحیحہ: ۳۴۸۳)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ مال سے متعلقہ تمام حقوق ادا کرے اور حلال ذرائع سے مال جمع کرے، وگرنہ وہ اس وعید کا مستحق قرار پائے گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں بیان کی گئی وعید کا مطلب یہ ہو کہ ہمیں صدقہ و خیرات کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ایک دینار میں ساڑھے چار ماشے سونا ہوتا ہے۔

خزانہ وبالِ جان بھی ہے

(۹۷۴)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَكُوْنُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، وَيَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ، وَيَطْلُبُهُ وَيَقُوْلُ: أَنَا كَنْزُكَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا خزانہ روزِ قیامت (زہریلے) گنجے سانپ کی شکل اختیار کر لے گا، اس کا مالک اس سے بھاگے گا، لیکن وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہے گا: میں تیرا خزانہ (ہی)

قَالَ: وَاللّٰهِ! لَنْ يَزَالَ يَطْلُبُهُ حَتّٰى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ۔)) (الصحيحة: ٥٥٨)

ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ اس کا تعاقب کرتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ پھیلائے گا اور وہ اسے اپنے منہ کا لقمہ بنا لے گا۔‘‘

تخريج: أخرجه أحمد في "المسند": ٢/ ٣١٢، ٣١٦، والبخاري: ١٤٠٣

شرح:...... اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو اپنے مال و دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔

غلام سے بہترین نسخہ...... جسم کی بجائے روح پر زیادہ توجہ دی جائے

(٩٧٥)۔ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ الْحَسَنِ الضُّمَرِيِّ، أَنَّ أُمَّ الْحَكَمِ أَوْ ضُبَاعَةَ ابْنَتَيِ الزُّبَيْرِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ حَدَّثَتْهُ، عَنْ إِحْدَاهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ: أَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْيًا، فَذَهَبْتُ أَنَا وَأُخْتِي وَفَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَحْنُ فِيْهِ، وَسَأَلْنَاهُ أَنْ يَأْمُرَ لَنَا بِشَيْءٍ مِنَ السَّبْيِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَبَقَكُنَّ يَتَامٰى بَدْرٍ، وَلٰكِنْ سَأَدُلُّكُنَّ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ لَكُنَّ مِنْ ذٰلِكَ: تُكَبِّرْنَ اللّٰهَ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ تَكْبِيْرَةً، وَثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ تَسْبِيْحَةً، وَثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ تَحْمِيْدَةً وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔)) (الصحيحة: ١٨٨٢)

فضل بن حسن ضمری، ام حکم یا ضباعہ، جو دونوں زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں، سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ میں، میری بہن اور فاطمہ آپ ﷺ کے پاس گئیں، آپ سے اپنی مشکلات کی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے کچھ قیدیوں کا حکم دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بدر کے یتیم لوگ تم سے سبقت لے گئے ہیں (اور سارے قیدی لے گئے ہیں)، لیکن میں تمھیں ایسی چیز بتلاتا ہوں جو تمھارے لیے قیدیوں سے بہتر ہے، (اور وہ یہ کہ) ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ ”اَللّٰهُ أَكْبَرُ“ کہنا، تینتیس دفعہ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ کہنا، تینتیس دفعہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہنا اور (سو کا عدد پورا کرنے کے لیے ایک دفعہ) ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ (نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) کہنا۔‘‘

تخريج: أخرجه أبوداود: رقم ـ ٢٩٨٧، ٥٠٦٦۔ حمص

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے دنیوی سہولت کی فراہمی کی بجائے اخروی منفعت کی طرف رہنمائی فرمائی۔

حرص بدترین صفت ہے

(٩٧٦)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ۔)) (الصحيحة: ٥٦٠)

فرمایا: ''سخت کنجوسی اور سخت بزدلی کسی آدمی میں پائے جانے والی بدترین صفات ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢٥١١، وابن حبان: ٨٠٨، وأحمد: ٢/ ٣٠٢، ٣٢٠، وعنه أبونعيم في "الحلية": ٩/ ٥٠

شرح: ...... کنجوسی اور بزدلی، انسان کی کمینگی پر دلالت کرنے والی گھٹیا صفات ہیں، ایسی صفات دنیا چاہنے والوں کو دنیا میں بھی ذلیل کر دیتی ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے محروم رہیں گے۔

بخیل کم از کم اپنی ذات پر تو خرچ کرے

(٩٧٧)۔ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِبْتَاعُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ مَالِ اللّٰهِ فَإِنْ بَخِلَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُعْطِيَ مَالَهُ لِلنَّاسِ فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَلْيَتَصَدَّقْ عَلَى نَفْسِهِ، فَلْيَأْكُلْ وَلْيَكْتَسِ مِمَّا رَزَقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ١٠٩٦)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ سے اس کے دیے ہوئے مال کے عوض اپنے نفسوں کو خرید لو، اگر کوئی کنجوسی کرے اور لوگوں کو اپنا مال نہ دے تو اپنے آپ (پر خرچ کرنے) سے ابتدا کرے اور اپنے نفس پر صدقہ کرے (اور وہ اس طرح کہ) اللہ عزوجل کے دیے ہوئے رزق میں سے کھائے اور پہنے۔''

تخريج: أخرجه الخرائطي في "مكارم الأخلاق" صـ ٥٤

شرح: ......بنی آدم کے پاس مال و دولت کی جتنی صلاحیتیں موجود ہیں، ان کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو ہے جو آقاؤں کو گدا اور گداؤں کو آقا بنا دیتا ہے۔ یہ حقیقت بھی بڑی تعجب انگیز ہے کہ اس نے جو مال و دولت عطا کیا، اس کا کچھ حصہ واپس لے کر ہمارے وجود کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوگا جب آدمی سخاوت کرے گا، نبی کریم ﷺ نے ایک کلیہ پیش کیا ہے کہ اگر کوئی اپنا روپیہ پیسہ کسی پر خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے آغاز کرے، شاید اس وجہ سے اسے دوسروں پر خرچ کرنے کی عادت پڑ جائے۔

فرع کا معنی و مفہوم اور اس کا حکم

(٩٧٨)۔ عَنْ عَبْدِ الْمَزَنِيِّ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: "فِي الْإِبِلِ فَرَعٌ، وَفِي الْغَنَمِ فَرَعٌ۔" (الصحيحة: ١٩٩٦)

حضرت عبد مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ میں بھی فرع ہے اور بکریوں میں بھی۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": رقم۔ ٣٢٨/ ٢، وفي "الكبير"

شرح: ......دورِ جاہلیت میں اونٹنی کے پہلے بچے کو یا سو اونٹ کے پورے ہو جانے پر ایک جوان اونٹ معبودانِ باطلہ کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا، اس کو ''فرع'' کہتے تھے۔

اسلام نے اس شرکیہ عمل کو باطل قرار دیا، ہاں یہ گنجائش رکھی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی اونٹنی اور بکری کے پہلے بچے کو اللہ تعالی کے نام پر ذبح کرنا چاہتا ہے تو اسے اختیار ہے، بلکہ اس کا یہ عمل پسندیدہ اور افضل ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے اس کی بہترین صورت پیش کی ہے، جیسا کہ نبیشہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم جاہلیت میں ''فرع'' کا اہتمام کرتے تھے، اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر (سو) جانوروں میں فرع ہے، جو تیرے جانور جنم دیں گے، (پھر اس بچے کو بڑھنے دیا جائے) یہاں تک کہ وہ بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے، پھر تو اس کو ذبح کرے اور اس کے گوشت کو صدقہ کر دے، ایک روایت میں ہے: مسافروں پر صدقہ کر دے، پس یہ بہت بہتر ہے۔'' (ابوداود: ۲۸۳۰، ابن ماجہ: ۳۱۶۷، نسائی: ۴۲۲۸)

صدقہ کرنے سے ستر شیطانوں کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں

(۹۷۹)۔ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((مَا يُخْرِجُ رَجُلٌ صَدَقَةً حَتّٰى يَفُكَّ بِهَا لَحْيَيْ سَبْعِيْنَ شَيْطَاناً۔)) (الصحيحة:١٢٦٨)

ابن بریدہ اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب (مسلمان) بندہ صدقہ کرتا ہے تو وہ اس کے ذریعے ستر (۷۰) شیطانوں کے جبڑے توڑ ڈالتا ہے۔''

تخريج: رواه ابن خزيمة في "صحيحه" ١/ ٢٤٨/ ٢، والحاكم: ١/ ٤١٧، وأحمد: ٥/ ٣٥٠، والطبراني في "الأوسط" ١/ ٩٠/ ١۔ زوائد المعجمين

شرح:...... معلوم ہوا کہ شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان کو کنجوسی اور بخیلی جیسی گھٹیا صفات میں جکڑ دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے اس کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے ربّ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اور اسے خوش کرتے ہوئے اور اپنے ابدی دشمن شیطان کو ستاتے ہوئے اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کیا کریں۔

اللہ تعالی کے نام پر سوال کرنا کیسا ہے؟

(۹۸۰)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعاً: ((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِوَجْهِ اللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ۔)) (الصحيحة: ٢٥٣)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے، اس کو پناہ دے دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے تو اس کو بھی دو۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٦٢٢۔الحلبية، وأحمد: ٢٢٤٨، والخطيب في "تاريخه": ٤/ ٢٥٨

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابن ابی شیبہ (۴/ ۶۸) بیان کرتے ہیں کہ ابن جریج کہتے ہیں: امام عطا نے اللہ تعالی کے نام یا قرآن مجید کا واسطہ دے کر سوال کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ (صحیحہ: ۲۵۳) بہرحال اگر اللہ تعالی کا

واسطہ دے کر کوئی جائز مطالبہ کرتا ہے تو اس کا مطالبہ پورا کرنا چاہیے۔

(٩٨١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ جُلُوسٌ، فَقَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) قُلْنَا: بَلَى قَالَ: ((رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، أَوْ قَالَ: فَرَسٍ، فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَمُوتَ أَوْ يُقْتَلَ۔)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَلِيهِ؟)) فَقُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: ((اِمْرُؤٌ مُعْتَزِلٌ فِي شَعْبٍ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْتَزِلُ النَّاسَ۔)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: ((الَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَلَا يُعْطِي بِهِ۔)) (الصحيحة:٢٥٥)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بتاؤں جو منزلت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جس نے اللہ تعالی کے راستے میں اپنے گھوڑے کا سر تھاما ہوا ہے، (یعنی لڑنے کے لیے گھوڑے سمیت تیار ہے) حتی کہ وہ مر جاتا ہے یا اسے شہید کر دیا جاتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اب کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بتلاؤں جو اس کے بعد مرتبے والا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جو کسی گھاٹی میں سکونت پذیر ہے اور نماز قائم کرتا ہے، زکاۃ ادا کرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اب کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں بھی بتلا دوں جو مرتبے کے لحاظ سے سب سے برا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ پھر بھی نہ دے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٥٨، والدارمي: ٢/ ٢٠١-٢٠٢، وابن حبان في "صحيحه": ١٥٩٣، وأحمد: ١/ ٢٣٧، ٣١٩، ٣٢٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٩٧/ ١، والترمذي: ٣/ ١٤

شرح:...... ابتدائے حدیث میں مجاہد کی فضیلت و عظمت کا بیان ہے، وسط حدیث میں عام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے جس فرد کا ذکر ہے، دوسرے ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں اس کو اس وقت پر محمول کیا جائے گا کہ جب لوگوں کے اندر رہ کر بسیار کوشش کے باوجود برائیوں سے بچنا ناممکن ہوگا، اس زمانے میں خلوت نشینی اختیار کرنے والا فرد عظیم ہوگا۔

آخر حدیث میں جس بد بخت کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے دو افراد میں سے ایک مراد ہے، اگر آخری جملے کو "اَلَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَلَا يُعْطِي بِهِ۔" (وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ

پھر بھی نہ دے) پڑھا جائے. تو اس سے مراد وہ شخص ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جس سے کچھ مانگا جائے، لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ دے۔

اگر اس جملے کو "الَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطِي بِهٖ۔" (وہ شخص ہے جو عظیم اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے، لیکن اس کو پھر کچھ نہیں دیا جاتا) پڑھا جائے، تو اس سے سوال کرنے والا خود مراد ہوگا، جو لوگوں سے کچھ مانگنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام استعمال کرتا ہے، لیکن پھر بھی اسے کچھ نہیں دیا جاتا۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے دنیوی چیزوں کا سوال کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دینا حرام ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے دے، اسے کچھ نہ دینا حرام ہے۔

امام سندھی رحمہ اللہ، حاشیہ علی النسائی میں کہتے ہیں: اگر صیغۂ معلوم کے ساتھ "الَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ" پڑھا جائے تو دو قباحتیں جمع ہو جاتی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنا اور (۲) اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنے والے کو کچھ نہ دینا۔ قباحت کی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لیکن صیغۂ مجہول کے ساتھ "الَّذِي يُسْأَلُ" پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلے میں اس بندے کا تو کوئی دخل اور قصور نہیں ہے، کہ سائل جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کر رہا ہے۔ پس اس مقام پر اس کے اور نہ دینے کے مابین کوئی مناسبت نظر نہیں آ رہی۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: جس آدمی سے اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کیا جائے، تو اس کے مبارک نام کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایسے سائل کو کچھ نہ دینا بھی حرام ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِوَجْهِ اللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ۔)) (ابوداود، مسند احمد، صحیحہ: ۲۵۳) ..... "جو آدمی تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ طلب کرے، اسے پناہ دے دو اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر تم سے سوال کرے، اسے دے دیا کرو۔"

یہی متن سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، دیکھیں: (صحیحہ: ۲۵٤)

جبکہ امام عطا رحمہ اللہ خود اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا قرآن کو واسطہ دے کر کسی دنیوی چیز کا سوال کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنا حرام ہے، اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةَ۔)) ..... "اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر صرف جنت کا سوال کیا جائے۔" لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ منذری وغیرہ نے اس کی وضاحت کی، بہرحال اس کو بطورِ شاہد پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سابقہ بحث سے یہ تو عیاں ہو چکا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر سوال کرے، اس کا مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ سائل کا سوال مسئول کو اس حدیث کی مخالفت میں مبتلا کر دے اور یوں وہ اس کا

مطالبہ پورا نہ کر کے حرام کا ارتکاب کر بیٹھے گا اور یہ قانون مسلّمہ ہے کہ جو چیز حرام کا سبب بنتی ہے، وہ بھی حرام ہوتی ہے، مزید آپ خود غور وفکر کر لیں۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالی کا نام پیش کر کے جس چیز کا سوال کیا جائے۔ اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے، جب مسئول دینے پر قادر ہو اور اسے یا اس کے اہل وعیال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، بصورتِ دیگر سائل کا مطالبہ پورا کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۲۵۵)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لوگوں سے سوال کرتے وقت اللہ تعالی کے نام کا واسطہ نہ دیا جائے۔ وگرنہ اللہ تعالی کے نام کی حرمت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے ہر ممکنہ صورت میں سائل کا مطالبہ پورا کیا جائے۔

(۹۸۲)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللّٰهِ، فَأَعِيْذُوْهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ، فَأَعْطُوْهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيْبُوْهُ وَمَنِ اسْتَجَارَ بِاللّٰهِ، فَأَجِيْرُوْهُ وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفاً فَكَافِئُوْهُ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْ فَادْعُوْا اللّٰهَ لَهُ حَتّٰى تَعْلَمُوْا أَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ۔)) (الصحيحة:٢٥٤)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے، اسے پناہ دے دو اور جو تم سے اللہ کا نام دے کر سوال کرے تو اسے دو اور جو تمھیں دعوت دے، تو اس کی دعوت قبول کرو اور جو تم سے اللہ کے واسطے سے مدد کا مطالبہ کرے تو اس کی مدد کرو اور جو تمھارے ساتھ احسان کرے تو تم اس کا بدلہ دو اور اگر تم بدلہ دینے کی طاقت نہ پاؤ تو اس کے لیے دعائے خیر کرو (اور اتنی دعا کرو کہ) تمھیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کو بدلہ دے دیا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٢١٦، وأبوداود: ١/ ٣٨٩، ٢/ ٦٢٢، والنسائي: ١/ ٣٥٨، وابن حبان في "صحيحه": ٢٠٧١، والحاكم: ١/ ٤١٢، والبيهقي: ٤/ ١٩٩، وأحمد: ٢/ ٦٨و٩٩، وأبونعيم في "الحلية": ٩/ ٥٦

ہر نیکی کا بدلہ دیا جائے، اگرچہ وہ دعا کی صورت میں ہو

(۹۸۳)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللّٰهِ، فَأَعِيْذُوْهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ، فَأَعْطُوْهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيْبُوْهُ وَمَنِ اسْتَجَارَ بِاللّٰهِ، فَأَجِيْرُوْهُ وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفاً فَكَافِئُوْهُ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْ فَادْعُوْا اللّٰهَ لَهُ حَتّٰى تَعْلَمُوْا أَنْ قَدْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ مانگے، اسے پناہ دے دو اور جو تم سے اللہ کا نام دے کر سوال کرے تو اسے دو اور جو تمھیں دعوت دے، تو اس کی دعوت قبول کرو اور جو تم سے اللہ کے واسطے سے مدد کا مطالبہ کرے تو اس کی مدد کرو اور جو تمھارے ساتھ احسان کرے تو تم اس کا بدلہ دو اور اگر تم

كَافَأْتُمُوْهُ۔)) (الصحيحة:٢٥٤)

بدلہ دینے کی طاقت نہ پاؤ تو اس کے لیے دعائے خیر کرو (اور اتنی دعا کرو کہ) تمھیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کو بدلہ دے دیا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٢١٦، وأبوداود: ١/ ٣٨٩، ٢/ ٦٢٢، والنسائي: ١/ ٣٥٨، وابن حبان في "صحيحه": ٢٠٧١، والحاكم: ١/ ٤١٢، والبيهقي: ٤/ ١٩٩، وأحمد: ٢/ ٦٨و٩٩، وأبونعيم في "الحلية": ٩/ ٥٦

شرح:...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔ (بخاری) چونکہ کسی کو ہدیہ دینا بھی اس کے ساتھ ایک قسم کی نیکی کرنا ہے، اس لیے آپ ﷺ ہدیہ قبول فرما کر اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

اگر کسی کے پاس کسی کا احسان چکانے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے چاہیے کہ زبان کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرے اور بھرپور انداز میں اس کے لیے دعائے خیر کرے۔ جیسا کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔)) ...... ''جس کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی اور اس نے نیکی کرنے والے سے کہا: اللہ تعالی تجھے بہترین جزا دے، اس نے ثنا کا حق ادا کر دیا۔'' (ترمذی: ۲۰۳۵)

اگر مسکین کو کھانا کھلانے کے بعد موت آ جائے تو......

(٩٨٤)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِىَ اللهُ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ مَرَضِهِ فَرَأَيْتُهُ يَهُمُّ بِالْقُعُوْدِ وَعَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَهُ يَمِيْدُ، يَعْنِي مِنَ النُّعَاسِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاأَرٰى عَلِيًّا إِلَّا قَدْ سَاهَرَكَ فِي لَيْلَتِهِ هٰذِهِ أَفَلَا أَدْنُوْ مِنْكَ؟ قَالَ: ((عَلِيٌّ أَوْلٰى بِذٰلِكَ مِنْكَ۔)) فَدَنَا مِنْهُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَانَدَهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ((مَنْ خُتِمَ لَهُ بِإِطْعَامِ مِسْكِيْنٍ مُحْتَسِبًا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ مَنْ خُتِمَ لَهُ بِصَوْمِ يَوْمٍ مُحْتَسِبًا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ دَخَلَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بیمار تھے، میں آپ کے پاس گیا، میں نے دیکھا کہ آپ بیٹھنا چاہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اونگھ کی وجہ سے ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رات کو بیدار رہے ہیں تو اب میں آپ کو (سہارا دینے کے لیے) آپ کے قریب نہ ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری بہ نسبت علی اس خدمت کا زیادہ حقدار ہے۔'' پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قریب ہوئے اور آپ ﷺ کو سہارا دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا: ''جس کی زندگی کا خاتمہ اس حال میں ہو کہ اس نے اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی امید میں کسی

الْـجَـنَّةَ۔ مَـنْ خُتِـمَ لَهٗ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحْتَسِبًـا عَـلَـى الـلّٰـهِ عَـزَّوَجَلَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة: ١٦٤٥)

مسکین کو کھانا کھلا رکھا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا، جس کا خاتمہ اس حال میں ہوا کہ اس نے اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی امید میں روزہ رکھا ہوا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس کا اختتام اس صورت میں ہوا کہ اس نے اللہ تعالی سے ثواب کی امید میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھا ہوا ہو تو وہ بھی جنت میں داخل ہو گا۔

تخريج: رواه ابن شاهين في الجزء الخامس من "الأفراد"، و المخلص في "الفوائد المنتقاة": ٢٣/ ٢، وأبونعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ٢١٨، وابن بشران في "الأمالي": ١٣٤/ ١ مختصرا، واحمد ٥/ ٣٩١ نحوه

شرح:...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ثابت ہو رہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، نیز مسکین کو کھانا کھلانے، روزہ رکھنے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔

لوگوں کو زائد پانی اور زائد گھاس سے منع کرنے کا انجام بد

(٩٨٥)۔ عَـنْ عَبْـدِ الـلّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، كَتَبَ إِلٰـى عَامِلٍ لَهُ عَلٰى أَرْضٍ لَّهُ، أَنْ لَّا تَمْنَعْ فَضْلَ مَاءٍ كَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ مَنَعَ فَضْلَ مَائِهٖ أَوْ فَضْلَ كَلَئِهٖ مَنَعَهُ اللّٰهُ فَضْلَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ١٤٢٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی زمین کے عامل کی طرف لکھا کہ زائد پانی کو نہیں روکنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جس نے (اپنی ضرورت سے) زائد پانی یا گھاس روک لیا تو روزِ قیامت اللہ تعالی اس سے اپنے فضل کو روک لے گا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٧٩ و ٢٢١ من طريق ليث بن أبي سليم ضعيف، لكنه لم يتفرد به، فقد أخرجه أحمد أيضا: ٢/ ١٨٣

شرح:...... شریعتِ مطہرہ میں اجتماعی فائدے کو سامنے رکھا جاتا ہے، نہ کہ فردِ واحد کے فائدے کو۔ اس حدیث میں یہی قانون بیان کیا گیا ہے۔ پانی اور گھاس اللہ تعالی کے ایسے عطیے ہیں، کہ جن کے حصول میں کسی کی قابلیت کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا سب لوگوں کو ان کے استعمال کا حق حاصل ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهَـى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَـنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ۔ (مسلم)...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد پانی کی بیع سے منع فرمایا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَـمْـنَـعُـوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ الْكَلَأَ۔)) (بخاری، مسلم)...... ''تم زائد پانی کو اس لیے نہ روکو کہ اس کے ذریعے تم گھاس کو روک لو۔''

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پانی کے قریب گھاس اگ آئی ہو اور پانی قریب ہونے کی وجہ سے لوگ مویشیوں کو چرانے کے لیے وہاں لے آتے ہوں، لیکن یہ بات مالک کو ناگوار گزرتی ہو، پس وہ گھاس بچانے کے لیے پانی روک دے، کیونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں لوگ وہاں نہیں آئیں گے۔

امام صنعانی کہتے ہیں: معلوم ہوا کہ ضرورت سے زائد پانی کی بیع جائز نہیں ہے، علما کہتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ غیر مملوکہ زمین میں ایک چشمہ پھوٹ پڑتا ہے، اس سے قریب والی زمین کا مالک اس پانی کا زیادہ حقدار ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی تو اس کو باقی ماندہ پانی روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنی ذاتی زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پانی جمع کرتا ہے یا کنواں کھودتا ہے، تو وہ زمین کی سیرابی اور دوسری ذاتی ضروریات سے زائد پانی سے دوسرے لوگوں کو نہیں روک سکتا۔ حدیث کا ظاہری معنی تو یہی ہے کہ ضرورت سے زائد پانی ضرورتمندوں کو دے دینا فرض ہے، وہ پینے کے لیے استعمال کریں یا طہارت کے لیے یا زمین کو سیراب کرنے کے لیے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ پانی کسی کی مملوکہ یا غیر مملوکہ زمین میں ہو۔ امام ابن قیم نے زاد المعاد میں اس عموم کو اختیار کیا اور کہا: پانی اور گھاس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مملوکہ زمینوں میں داخل ہونا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے، جو کسی کی ملکیت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا۔ (سبل السلام: ۳/ ۲۵)

کیا اوقیہ کا مالک سوال نہیں کر سکتا؟...... کتنی مقدار کا مالک سوال نہیں کر سکتا؟

(۹۸۶)۔ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي أَسَدٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَزَلْتُ أَنَا وَأَهْلِي بِبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِي أَهْلِي: اذْهَبْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاسْأَلْهُ لَنَا شَيْئًا نَأْكُلُهُ، وَجَعَلُوْا يَذْكُرُوْنَ مِنْ حَاجَاتِهِمْ، فَذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدتُّ عِنْدَهُ رَجُلاً يَسْأَلُهُ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ يَقُوْلُ لَهُ: ((لَا أَجِدُ مَا أُعْطِيْكَ۔)) فَتَوَلَّى الرَّجُلُ عَنْهُ وَهُوَ مُغْضِبٌ وَهُوَ يَقُوْلُ: لَعَمْرِي إِنَّكَ لَتُعْطِي مَنْ شِئْتَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّهُ لَيَغْضَبُ عَلَيَّ أَنْ لَا أَجِدَ مَا أُعْطِيْهِ۔ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوْقِيَّةٌ أَوْ عِدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا۔)) قَالَ الْأَسَدِيُّ: فَقُلْتُ لَلِقْحَةٌ لَنَا خَيْرٌ مِّنْ أُوْقِيَّةٍ۔

بنو اسد قبیلے کا ایک آدمی کہتا ہے: میں نے اپنے اہل سمیت بقیع الغرقد میں پڑاؤ ڈالا، میرے اہل نے مجھے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور کھانے کے لیے کوئی چیز مانگ کر لائیں، پھر وہ اپنی ضروریات کا تذکرہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس بیٹھا سوال کر رہا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''تجھے دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔'' وہ آدمی غصے کی حالت میں یہ کہتے ہوئے چل دیا: میری عمر کی قسم! آپ جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مجھ پر اس بنا پر ناراض ہو رہا ہے کہ اسے دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے، حالانکہ تم میں سے جس آدمی نے سوال کیا اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) یا اس کے برابر کوئی چیز ہو تو

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَوْقِيَةُ أَرْبَعُوْنَ دِرْهَماً۔ قَالَ: فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَسْأَلْهُ فَقُدِمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ بِشَعِيْرٍ وَزَبِيْبٍ فَقَسَّمَ لَنَا مِنْهُ حَتّٰى أَغْنَانَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (الصحيحة:١٧١٩)

اس نے ضد اور اصرار کے ساتھ سوال کیا۔'' (جب اُس اسدی نے (یہ بات سنی تو) کہا: ہماری اونٹنی اوقیہ سے تو بہتر ہے۔ سو میں لوٹ آیا اور آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جو اور منقہ لایا گیا، آپ ﷺ ہم کو بھی دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ہمیں غنی کر دیا۔ مالک کہتے ہیں کہ ایک اوقیہ، چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ٩٩٩/ ١١، وعنه أبوداود: ١٦٢٧، والنسائي ١/ ٣٦٣، واحمد: ٤/ ٣٦، ٥/ ٤٣٠

شرح:......اس حدیث میں دو اہم قوانین بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ......یہ عقل مندی نہیں کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے غصے ہونے والے کیساتھ برابر کا برا سلوک کیا جائے، بلکہ دانش مندی یہ ہے کہ اس کے جذبات کو سمجھ کر اس کے غیظ وغضب کے اسباب پہ غور کیا جائے۔ غور فرمائیں کہ ایک عام آدمی رسول اللہ ﷺ پر غصے ہو رہا ہے اور غصے کی حالت میں آپ ﷺ کے عدل و انصاف کو چیلنج کر رہا ہے، لیکن آپ ﷺ اس کے غصے کو برداشت کر رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو جذبات لے کر آیا تھا، وہ پورے نہ ہوئے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اگر کوئی آدمی ہم پر غصے کا اظہار کر رہا ہے تو ''انا'' کا مسئلہ نہ بناتے ہوئے اس کی وجوہات کی کھوج لگا کر ان کی وضاحت کر دی جائے۔

(۲)......''جس کے پاس چالیس درہم ہوں وہ لوگوں سے سوال مت کرے۔'' یہ قانون علی الاطلاق نہیں، بلکہ مقید ہے، یعنی جس آدمی کی زندگی کے اخراجات چالیس درہموں کے ساتھ پورے ہو سکتے ہوں، وہ کسی صورت میں سوال نہ کرے، مثلا ایک مزدور جو روزانہ آٹھ نو درہم کماتا ہے اور اس کے پاس چالیس درہم موجود بھی ہوں تو وہ لوگوں سے بھیک نہیں مانگ سکتا، اگرچہ بسا اوقات اسے کام نہ ملتا ہو، یہی معاملہ چھابڑی فروشوں اور معمولی درجے کے دوکانداروں کا ہے۔ لیکن ایک آدمی کے پاس رہنے کے لیے گھر اور دودھ کے لیے بکری موجود ہے، لیکن ان دو چیزوں سے اس کے گھر کے اخراجات کا سلسلہ تو جاری نہیں رہ سکتا، حالانکہ وہ چالیس درہم سے زیادہ مال کا مالک ہے، اس لیے وہ لوگوں سے سوال کر سکتا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ جس کی زندگی کا سرکل چالیس درہم یا اس سے کم قیمت کے مال سے چل سکتا ہو، وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلا سکتا۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں: سیدنا سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اپنے پاس کفایت کرنے والے سامان کے باوجود لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ اپنے حق میں جہنم کی آگ میں اضافہ کرتا ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: کتنا مال اسے کفایت کرتا ہے (کہ اس مقدار کے بعد سوال کرنا درست نہیں ہوتا)؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: ''اتنی مقدار جس سے اسے کے دوپہر اور شام کے کھانے کے اہتمام ہو سکے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''ایک دن اور رات کا کھانا۔'' (ابوداود: ۱۶۲۹)

اس حدیث میں ایک دن اور رات کے راشن کو معیار قرار دیا گیا ہے۔

مزنی قبیلے کے ایک آدمی کو اس کی ماں نے کہا: کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں جاتا، تاکہ آپ سے کچھ مانگ لائے، جیسا کہ لوگ سوال کرتے رہتے ہیں؟ میں (ان کے کہنے پر) کچھ مانگنے کے لیے چلا گیا، میں نے دیکھا کہ آپ لوگوں سے مخاطب تھے اور فرما رہے تھے: ((مَنِ اسْتَعَفَّ أَعَفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنِ اسْتَغْنٰى أَغْنَاهُ اللّٰهُ، وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ عِدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ، فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافاً۔)) ......''جس نے پاکدامنی اختیار کی، اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن کر دے گا اور جس نے (لوگوں سے) بے نیاز ہونا چاہا، اللہ اسے بے نیاز کر دے گا۔ (یاد رکھو کہ) جس کے پاس پانچ اوقیے ہوں اور وہ پھر بھی سوال کرے تو اس کا سوال اصراراً ہوگا۔'' میں نے اپنے دل میں ہی کہا: ہماری اونٹنی پانچ اوقیوں سے تو بہتر ہے اور ایک اونٹنی میرے غلام کی بھی ہے وہ بھی پانچ اوقیوں سے بہتر ہے۔ اس بنا پر میں لوٹ آیا اور آپ ﷺ سے کوئی سوال نہ کیا۔ (مسند احمد: ٤ / ١٣٨، صحيحه: ٢٣١٤)

اس حدیث مبارکہ میں پانچ اوقیوں کو معیار قرار دیا گیا ہے۔

مقصود شریعت یہ ہے کہ جس آدمی کی آمدن اس کے اور اس کے اہل خانہ کے ضروری اخراجات پورے کر رہی ہو، وہ لوگوں سے سوال نہیں کر سکتا، بصورتِ دیگر اس کے جواز کی رائے دی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اوقیہ تقریباً ساڑھے دس تولے چاندی کا ہوتا ہے، ہر زمان و مکاں میں کرنسی کی صورت میں اس کی قیمت معلوم کی جا سکتی ہے۔

سوال کرنا باعثِ فقیری ہے
کوئی نہ کوئی ملازمت تلاش کر لینی چاہیے

(۹۸۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَفْتَحُ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهِ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ، يَأْخُذُ الرَّجُلُ حَبْلَهُ فَيَعْمِدُ إِلَى الْجَبَلِ فَيَحْتَطِبُ عَلٰى ظَهْرِهِ فَيَأْكُلُ بِهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ مُعْطًى أَوْ مَمْنُوْعًا۔)) (الصحيحة: ٢٥٤٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے لیے (لوگوں سے) سوال کرنے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و فاقہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اگر آدمی رسی لے، کسی پہاڑ (جنگل) میں چلا جائے، لکڑیاں اکٹھی کر کے اٹھا لائے اور ان (کو فروخت کر کے ان) کے ذریعے اپنے کھانے کے سامان کا بندوبست کرے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، اسے کچھ دیا بھی جائے یا نہ دیا جائے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٤١٨، وابو يعلى: ٦٦٩١، وابن عدى: ٢٩٩/ ٢.

شــــرح:...... لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانا فقر و فاقہ اور ذلت و رسوائی کو لازم ہے، ہر ذی شعور اس حدیث کی پیشین گوئی کو تسلیم بھی کرتا ہے اور اسے محسوس بھی کرتا ہے، بلاضرورت سوال کرنے سے نہ کسی کے نفس کو غنٰی ملا اور نہ عزت باقی رہی۔

جہاں لوگوں سے سوال کرنا بہت بڑی توہین ہے، وہاں بہت بڑا جرم بھی ہے، افسوس کہ جس مذہب نے گداگری کو اتنا بڑا جرم قرار دیا، اس مذہب کے ماننے والوں میں گداگری عام ہے، مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات سے بے خبری اور بے نیازی قابل صد افسوس اور لائق ہزار ماتم ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو لوگوں سے مال میں اضافہ کرنے کے لیے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے (اسے اختیار ہے کہ) وہ کم طلب کرے یا زیادہ جمع کر لے۔'' (مسلم)

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ خود کفیل بننے کی ہر ممکن کوشش کرے، عام مزدوری کرنے میں جھجک محسوس نہ کرے اور سوال کرنے کی ذلت سے محفوظ رہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے لیے مختلف معیار زندگی مقرر کر لیے ہیں، لیکن آمدن ساتھ نہیں دیتی، جس کے نتیجہ میں ناشکری، بدعملی، ڈاکہ زنی، چوری چکاری اور لوگوں سے سوال کرنے کی صورت میں نکلتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی حیثیت کے مطابق پاؤں پھیلائے جاتے۔ مثلا: ضروری نہیں کہ مہمان کی میزبانی میں تکلف برتا جائے، دن میں آٹھ نو دفعہ چائے نوش کی جائے اور تین دفعہ سالن استعمال کیا جائے، کسی کی شادی میں گھر کے سارے افراد نئے ملبوسات کا اہتمام کریں، اپنے سے متعلقہ شادی پر سینکڑوں یا ہزاروں لوگوں کو دعوت دی جائے، فوتگی کے موقع پر لوگوں کو کھانا کھلایا جائے، بچوں کے لیے مہنگے سکول کا انتخاب کیا جائے، ....۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کے مطابق لوگوں کے ساتھ ڈیل کی جائے اور جھوٹی اور ظاہری ''چودھراہٹ'' کے شیطان کو خیر آباد کہہ دیا جائے۔

معذرت قبول کر لینی چاہیے

(٩٨٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعْذَرَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، وَلَمْ يَظُنَّ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَنَالَ مِنْهَا بِالَّذِي نَالَ مِنْهَا، فَرَفَعَ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَهُ فَلَطَمَهَا وَصَكَّ فِي صَدْرِهَا، فَوَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: ((يَا أَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ! مَا أَنَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے سلسلے میں ابوبکر سے عذر خواہی کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں تھا کہ ابوبکر، عائشہ کے معاملے میں وہ کچھ کر گزریں گے، جو انھوں نے (اس مجلس میں) کیا تھا۔ انھوں نے ہاتھ اٹھایا اور عائشہ کو تھپڑ دے مارا اور ان کے سینے پر بھی زور سے ضرب لگائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محسوس کی

بِمُسْتَعْذِرِكَ مِنْهَا بَعْدَ هٰذَا أَبَداً۔)) (الصحيحة: ۲۹۰۰)

اور فرمایا: ”ابوبکر! آئندہ میں کبھی بھی تجھ سے عذر خواہی نہیں کروں گا۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ۳۱۹/ ۱۳۱٤۔ موارد، و٦/ ۱۹۱/ ٤۱۷۳۔ الاحسان، والحديث في "الجامع" من "مصنف عبد الرزاق": ۱۱/ ٤۳۱/ ۲۰۹۲۳

شرح:...... سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں نبی کریم ﷺ کا جتنا مقام و مرتبہ تھا، وہ شاید ہی کسی کے نصیبے میں آیا ہو، اسی احترام و اکرام کا لحاظ تھا کہ ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قابل اعتراض بات برداشت نہ ہو سکی اور انھوں نے آپ ﷺ کی معذرت کے باوجود ان کو تھپڑ دے مارا۔ درج ذیل حدیث کی روشنی میں اس نقطے کو سمجھنا آسان ہو جائے گا: رسول اللہ ﷺ بنو عمر بن عوف کے مابین صلح کروانے کے لیے تشریف لے گئے، اُدھر نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ آپ ﷺ تو لیٹ ہیں، آپ ہی نماز پڑھا دیں۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ اقامت کہی گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانا شروع کی، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے اور ابوبکر کی قیادت میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے امام کو متنبہ کرنے کے لیے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ ابوبکر نماز میں کسی خارجی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب کثرت سے لوگوں نے تالیاں بجائیں تو انھوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کی قیادت میں کھڑے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ آپ نماز پڑھانا جاری رکھیں، لیکن وہ پیچھے ہٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے ابوبکر سے پوچھا کہ میں نے جو اشارہ کر کے حکم دیا تھا کہ نماز کی امامت جاری رکھو، تم نے وہ حکم تسلیم کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے کہا: ابن ابو قحافہ (ابوبکر) کو زیب نہیں دیتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے، پھر آپ ﷺ نے دوسرے مقتدیوں سے فرمایا کہ نماز میں کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے تو مردوں کو ”سبحان اللہ“ کہنا چاہیے، تالی تو عورت بجاتی ہے۔ (مسلم)

جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبوی اجازت کے باوجود یہ گوارا نہ تھا کہ وہ بحیثیتِ امام ہوں اور آپ ﷺ بحیثیتِ مقتدی، یہی معاملہ مذکورہ بالا حدیث میں پیش آیا کہ آپ ﷺ کی معذرت کے باوجود وہ اپنی طبع پر قابو نہ پا سکے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سزا دینا شروع کر دی۔

درج ذیل حدیث سے درج بالا حدیث کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جاتا ہے:

(۹۸۸م) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: جَاءَ أَبُوْبَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَمِعَ عَائِشَةَ وَهِيَ رَافِعَةٌ صَوْتَهَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَأَذِنَ لَهُ، فَدَخَلَ، فَقَالَ: يَا إِبْنَةَ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے سن لیا تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ پر اپنی آواز بلند کر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو

أُمِّ رُوْمَانَ، وَتَنَاوَلَهَا، أَتَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: فَحَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجَ أَبُوْبَكْرٍ جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ لَهَا، يَتَرَضَّاهَا: ((أَلَا تَرَيْنَ أَنِّي قَدْ حِلْتُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَكِ۔)) قَالَ: ثُمَّ جَاءَ أَبُوْبَكْرٍ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهُ يُضَاحِكُهَا، فَأَذِنَ لَهُ، فَدَخَلَ، فَقَالَ لَهُ أَبُوْبَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَشْرِكَانِي فِي سِلْمِكُمَا، كَمَا أَشْرَكْتُمَانِي فِي حَرْبِكُمَا۔))

(أحمد: ٤/ ٢٧١، ابوداود: ٤٩٩٩، الصحيحة: ٢٩٠١)

اجازت دی اور وہ اندر آ گئے اور کہا: ام رومان کی بیٹی! اور اسے پکڑنا چاہا، کیا تو رسول اللہ ﷺ پر اپنی آواز بلند کرتی ہے؟ لیکن نبی کریم ﷺ دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرتے ہوئے فرمایا: ”دیکھو تو سہی کہ میں تیرے اور ایک آدمی کے درمیان حائل ہو گیا۔“ (اسی اثنا میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر آئے اور اجازت طلب کی اور سنا کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہنسا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے (اندر آنے کی) اجازت دی، پھر وہ اندر آ گئے۔ (اب کی بار) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے امن و صلح والے ماحول میں بھی شریک کرو، جس طرح اپنی لڑائی میں کیا تھا۔

انسان اپنی حقیقت کو مدنظر رکھے، نہ کہ مال و دولت کو

(٩٨٩)۔ عَنْ بُسْرِ بْنِ جُحَاشٍ الْقُرَشِيِّ، قَالَ: تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ۔ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِيءٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ۔ كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُوْنَ۔﴾ (المعارج: ٣٦۔٣٩) ثُمَّ بَزَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَى كَفِّهِ فَقَالَ: ((يَقُوْلُ اللّٰهُ: يَا ابْنَ آدَمَ أَنَّى تُعْجِزُنِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِثْلِ هٰذِهِ حَتّٰى إِذَا سَوَّيْتُكَ وَعَدَلْتُكَ مَشَيْتَ بَيْنَ بُرْدَتَيْنِ، وَلِلْأَرْضِ مِنْكَ وَئِيْدٌ۔ يَعْنِي: شُكْوَى۔ فَجَمَعْتَ وَمَنَعْتَ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ قُلْتَ: أَتَصَدَّقُ وَأَنّٰى أَوَانُ

حضرت بسر بن جحاش قرشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت کیں: ﴿(تو اے پیغمبر!) ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے۔ دائیں اور بائیں طرف سے جٹ کے جٹ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر کوئی یہ امید رکھتا ہے کہ وہ آرام کے باغ (بہشت) میں جائے گا۔ یہ تو کبھی نہیں ہونا، وہ جانتے ہیں جس چیز سے ہم نے ان کو بنایا۔﴾ سورۂ معارج: ٣٦۔ ٣٩) پھر آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر تھوکا اور فرمایا: ”اللہ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کرے گا؟ میں نے تجھے اس قسم کے پانی سے پیدا کیا، حتی کہ جب میں نے ٹھیک طور سے (تیرے سب اعضا درست کئے) اور خوبصورتی کے ساتھ بنایا یہاں تک کہ جب تو دو دھاری دار چادروں میں چلنے لگ گیا اور تجھے زمین میں وقار ملا تو تو نے مال جمع کرنا اور (بخیلی کرتے ہوئے)

الصَّدَقَةِ؟!)) (الصحيحة:١١٤٣)

اسے روک کر رکھنا شروع کر دیا، اور جب (موت کے وقت) جان ہنسلیوں میں آ گئی تو تو نے کہنا شروع کر دیا: (اب) میں صدقہ کرتا ہوں۔ لیکن اب کہاں ہے صدقے کا وقت؟!''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ١٥٧ مختصرا ، والحاكم: ٢/ ٥٠٢ ، ٣٢٣ ، وأحمد: ٤/ ٢١٠ ، وابن سعد: ٧/ ٤٢٧

شرح:...... انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ وہ کیسے پروان چڑھا؟ اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟ کس نے اس کو مال و دولت عطا کیا اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس کی ابتدا و انتہا کیا ہے؟ اس کا انجام و عاقبت کیا ہے؟ اگر کوئی آدمی ان امور پر مثبت انداز میں غور و فکر کرے تو اپنی اصلاح کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں پائے گا۔ لیکن انسان کے طرزِ حیات کی شہادت تو یہ ہے کہ گویا اللہ تعالی کا اس پر کوئی احسان نہیں، وہ اپنی اصلیت کو بھول چکا ہے اور اگر چند سکّے اس کے ہتھے لگ جائیں تو پھر تو اس کی گردن خم لینے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی اور وہ ان تمام نعمتوں کو اپنی صلاحیتوں کی نتیجہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صحت و عافیت کے زمانے میں صدقہ و خیرات کا اہتمام کرنا چاہئے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ کون سا صدقہ ہے جس کا اجر و ثواب عظیم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو تندرست ہو، مال کی حرص بھی ہے، فقیری کا اندیشہ بھی ہو، امیری کا لالچ بھی ہو تو اس وقت صدقہ کرنا افضل ہے اور صدقہ کرنے میں دیر نہ کر (اور ایسا نہ ہونے پائے کہ) جب تیری روح تیرے حلق تک جا پہنچے تو تو یہ کہنا شروع کر دے کہ فلاں کے لیے اتنا (مال و دولت) اور فلاں کے لیے اتنا۔ اب تو وہ دوسرے ورثا کا ہو چکا ہے اور (تیرا اختیار ختم ہو چکا ہے)۔'' (بخاری، مسلم)

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ موت کا پیغام وصول کرنے سے پہلے صدقہ و خیرات کی بھاری مقدار اللہ تعالی کے پاس جمع کروا دیں۔

❀❀❀❀

اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ
حج اور عمرہ

الحج: لغوی معنی: قصد و ارادہ کرنا

اصطلاحی تعریف:...... کعبۃ اللہ پہنچ کر مخصوص اقوال و افعال کی ادائیگی کرنا حج کہلاتا ہے۔

العمرۃ: لغوی معنی: "الاِعْتِمَار" سے ماخوذ ہے، زیارت کرنا، قصد کرنا

اصطلاحی تعریف:...... کعبۃ اللہ پہنچ کر مخصوص اقوال و افعال کی ادائیگی کرنا عمرہ کہلاتا ہے۔

حج اور عمرہ ادا کرنے والوں کی فضیلت

(۹۹۰)۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُاللّٰهِ ، دَعَاهُمْ فَأَجَابُوْهُ، سَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ۔)) (الصحيحة: ۱۸۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ کرنے والے لوگ اللہ تعالی کا وفد ہیں، اللہ تعالی نے اُن کو بلایا، انہوں نے (اس کے بلاوے کو) قبول کیا اور انہوں نے اللہ تعالی سے سوال کیا، اُس نے ان کو عطا کر دیا۔''

تخريج: أخرجه البزار: رقم۔ ۱۱۵۳

شرح:...... جہاں حج و عمرہ کی ادائیگی کرنے والے دور دراز کا سفر کر کے اللہ تعالی کے گھر کی زیارت کے لیے پہنچتے ہیں، وہاں اللہ تعالی ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کے مطالبات پورا کرتے ہیں۔

بار بار حج وعمرہ کرنے کی فضیلت

(۹۹۱)۔ قَالَ ﷺ: ((تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، وَعَبْدِاللّٰهِ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بار بار حج و عمرہ کی ادائیگی کرو، کیونکہ یہ فقر و فاقہ اور گناہوں کی یوں نفی کرتے ہیں، جیسے دھونکنی لوہے کی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔'' یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت

بْـنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ‌رضی ‌اللہ ‌عنہم ۔ (الصحیحۃ:۱۲۰۰)

عبداللہ بن عمر، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت جابر بن عبداللہ ‌رضی ‌اللہ ‌عنہم سے روایت کی گئی ہے۔

تخریج: (۱)۔ أما حدیث ابن عباس: فرواہ النسائي: ۲/ ٤، وعنه الطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۱۱۳/ ۱، وعنه ضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" ٦٧/ ٩٩/ ٢

(۲)۔ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه الترمذي: ۱/ ۱۵۵، والنسائي وأحمد: ۱/ ۳۸۷، وعنه ابن حبان: ۹٦۷، والطبري في "التفسير" ج ٤ رقم ۳۹۵٦، والطبراني: ۳/ ۷٦/ ۲، والعقيلي: ص ۱۵۷، وأبونعيم في "الحلية" ٤/ ۱۱۰، والبغوي في "شرح السنة" ۲/ ۱۱۲/ ۱

(۳)۔ وأما حديث ابن عمر؛ فأخرجه ابوسعيد الاعرابی فی "معجمه": ق ۱٤۵/ ۲، وابن عساکر: ۲/ ۲۸۵/ ۲، تمام الرازی فی "الفوائد": ۱/ ۳۱، والبيهقی

(٤)۔ وأما حديث عمر: فأخرجه ابن ماجه: ۲/ ۱۰۸، واحمد: ۱/ ۲۵، وابن عساکر فی "التاريخ": ۸/ ۳۲۳/ ۲

(۵)۔ وأما حديث جابر؛ فأخرجه البزار: ۱۱۲

(٦)۔ وأما حديث عامر بن ربيعة؛ فأخرجه احمد: ۳/ ۳٤٦، ۳٤۷

(۹۹۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ‌رضی ‌اللہ ‌عنہما مَرْفُوْعًا: ((أَدِيْمُوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔)) (الصحیحۃ:۱۱۸۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس ‌رضی ‌اللہ ‌عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ‌صلی ‌اللہ ‌علیہ ‌وسلم نے فرمایا: ''حج وعمرہ کی ادائیگی بار بار کرتے رہو، کیونکہ یہ فقر و فاقہ اور گناہوں کی نفی کر دیتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط" ۱/ ۱۱۱/ ۲، وابن عدی فی "الكامل": ق ۱۹۱/ ۲

شرح:...... مالدار لوگوں کو چاہیے کہ وہ حرص و بخل سے بچتے ہوئے حج وعمرہ کی ادائیگی کا اہتمام کریں، اس طرح سے ان کے گناہ بھی معاف ہوں گے اور مال و دولت میں بھی اضافہ ہوگا۔

وسعت کے باوجود بیت اللہ کی زیارت نہ کرنے والا بدنصیب ہے

(۹۹۳)۔ قَالَ ‌صلی ‌اللہ ‌علیہ ‌وسلم : ((إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: إِنَّ عَبْدًا أَصْحَحْتُ لَهُ جِسْمَهُ، وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِيْ الْمَعِيْشَةِ، تَمْضِي عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفِدُ إِلَيَّ، لَمَحْرُوْمٌ۔)) وَرَدَمِنْ

رسول اللہ ‌صلی ‌اللہ ‌علیہ ‌وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے ایک بندے کا جسم تندرست رکھا، اس کی معیشت میں وسعت پیدا کی، لیکن اس حالت میں پانچ سال بیت گئے اور وہ میری طرف نہیں آیا، ایسا آدمی محروم ہے۔'' یہ حدیث حضرابوسعید

حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ۔ | اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(الصحيحة: ١٦٦٢)

تخريج: (١)۔ أما حديث أبو سعيد: فأخرجه أبويعلي في "مسنده": ١/ ٢٨٩، وابن حبان: ٩٦٠، وأبوبكر الأنباري في "الأمالي": ١٠/ ٢، وابن مخلد العطار في "المنتقي من أحاديثه": ٢/ ٨٥/ ٢، والقاضي الشريف أبوالحسين في "المشيخة": ١/ ١٧٨/ ١، والبيهقي في "السنن": ٥/ ٢٦٢، والخطيب في "التاريخ": ٨/ ٣١٨

(٢)۔ وأما حديث أبي هريرة: فله عنه طريقان:

الأولي: عن صدقة بن يزيد الخراساني: فأخرجه العقيلي في "الضعفاء": ١٨٨، وابن عدي: ٢٠١/ ٢، والبيهقي أيضا، والواحدي في "الوسيط": ١/ ١٢٥/ ٢، وابن عساكر: ٨/ ١٤٢/ ٢

الاخرى: عن قيس بن الربيع عن عباد بن أبي صالح عن أبيه هريرة به: فأخرجه الخطيب في "الموضح": ١/ ١٥٢

شرح: ...... حج رکنِ اسلام ہے اور زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، سہولتوں کے باوجود اس سعادت سے محروم رہنے والا بدنصیب ہی ہوسکتا ہے۔

تلبیہ کی فضیلت

(٩٩٤)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((مَا أَهَلَّ مُهِلٌّ قَطُّ إِلَّا بُشِّرَ، وَلَا كَبَّرَ مُكَبِّرٌ قَطُّ إِلَّا بُشِّرَ۔)) قِيْلَ: بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) (الصحيحة: ١٦٢١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں ہے کوئی تلبیہ پڑھنے والا، جو تلبیہ پڑھے، مگر اس کو بشارت دی جاتی ہے اور نہیں ہے کوئی تکبیر کہنے والا، جو تکبیر کہے، مگر اس کو بھی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔'' کہا گیا: کیا جنت کی خوشخبری؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": رقم ۔ ٧٩٤٣۔نسختي، وأبوالحسن الحربي في "الأمالي": ٢/ ٢٤٥

شرح: ...... یہ تلبیہ ہی ہے کہ جس کے ذریعے حج و عمرہ ادا کرنے والا اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ مُلَبٍّ يُلَبِّي إِلَّا لَبَّى مَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَشَمَالِهِ، مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ، حَتَّى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔)) (ابن ماجہ: ٢٩٢١) ...... ''جب کوئی تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں اور بائیں زمین کے آخری کناروں تک تمام پتھر، درخت اور کنکریاں سب لبیک پکارتے ہیں۔''

تلبیہ باآواز بلند کہنا

(٩٩٥)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! مُرْ أَصْحَابَكَ فَلْيَرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِيَةِ، فَإِنَّهَا مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ۔)) (الصحيحة:٨٣٠)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! اپنے صحابہ کو حکم دیں کہ وہ باآواز بلند تلبیہ کہیں، کیونکہ یہ شعائرِ حج میں سے ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٢١٦-٢١٧، وابن حبان: ٩٧٤، والحاكم: ١/ ٤٥٠، و أحمد: ٥/ ١٩٢

تلبیہ کے الفاظ

(٩٩٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: كَانَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ ﷺ ((لَبَّيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ۔)) (الصحيحة:٢١٤٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے تلبیہ میں یہ الفاظ بھی تھے: ((لَبَّيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ۔)) ...... ”اے معبودِ برحق: میں حاضر ہوں۔“

تخريج: أخرجه النسائي:٢/ ١٨، وابن ماجه:٢/ ٢١٦، وابن خزيمة:٢٦١/ ٢، وابن حبان:٩٧٥، والحاكم:١/ ٤٥٠، والبيهقي:٥/ ٤٥، وأحمد:٢/ ٣٤١، ٣٥٢، ٤٧٦، وأبو نعيم: ٩/ ٤٢

شرح:...... اس باب میں مذکورہ حدیث پر امام البانی رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا: ”مِنَ التَّلْبِيَةِ الْمَجْهُولَةِ عِنْدَ أَكْثَرِ النَّاسِ۔“ (وہ تلبیہ، جو اکثر لوگوں کے ہاں غیر معروف ہے)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تلبیہ کے الفاظ یہ تھے: ((لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔)) ...... ”حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام حمد و تعریف تیرے لیے ہی ہے اور تمام نعمتیں تیری طرف سے ہی ہیں، بادشاہی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“ (بخاري: ١٥٤٩، مسلم: ١١٨٤)

طواف کی فضیلت

(٩٩٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَ كَعِدْلِ رَقَبَةٍ۔)) (الصحيحة:٢٧٢٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص بیت اللہ کے سات چکر لگا کر دو رکعت نماز پڑھے گا، اس کو ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢٩٨٩، والترمذي: ٩٥٩، وابن خزيمة في "صحيحه": ٢٧٥٣، واحمد: ٢/

۹۵ .۳

دورانِ طواف، حجر اسود اور رکنِ یمانی کا استلام کرنا

(۹۹۸)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانَ ﷺ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ مَسَحَ ، أَوْقَالَ: اِسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَالرُّكْنَ فِي كُلِّ طَوَافٍ۔ (الصحيحة:۲۰۷۸)

حضرت عبدا للہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ بیت اللہ کا طواف کرتے تو (ان کو) چھوتے اور ایک روایت میں ہے: ہر طواف میں حجر (اسود) اور رکنِ (یمانی) کا استلام کرتے۔

تخريج: أخرجه الحاكم:۱/ ٤٥٦، والبيهقی:۵/ ۷٦، وأحمد:۲/ ۱۸.

شرح:...... کعبہ کی عمارت درج ذیل چار کونوں پر مشتمل ہے:

(۱) حجر اسود، (۲) رکن یمانی، (۳) رکن شامی اور (۴) رکن عراقی۔ اول الذکر دو کو ”رکنین یمانیین“ اور مؤخر الذکر دو کو ”رکنین شامیین“ کہتے ہیں۔

ان میں سے صرف حجر اسود اور رکن یمانی کو استلام کیا جائے گا، حجر اسود کو استلام کرنے کے چار طریقے ہیں: (۱) اسے بوسہ دینا، (۲) اپنے ہاتھ کے ساتھ حجر اسود کو چھو کر ہاتھ کا بوسہ لینا، (۳) کسی چھڑی وغیرہ سے حجر اسود کو چھونا اور پھر چھڑی کو بوسہ دینا اور اگر یہ تمام صورتیں ناممکن ہوں تو (۴) دور سے اس کی طرف منہ کر کے صرف اشارہ کرنا۔

رہا مسئلہ رکن یمانی کا، تو حسبِ امکان اسے صرف ہاتھ سے مس کرنا مشروع ہے اور اس کا بوسہ لینا یا اس کی طرف اشارہ کرنا غیر مشروع ہے۔

طوافِ عمرہ کے لیے رمل اور اس کی وجہ

(۹۹۹)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ قُرَيْشًا قَالَتْ: إِنَّ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ قَدْ وَهَنَتْهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ ، فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْعَامَ الَّذِيْ اعْتَمَرَ فِيْهِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: ((اُرْمُلُوْا بِالْبَيْتِ ، لِيَرَى الْمُشْرِكِيْنَ قُوَّتَكُمْ۔)) فَلَمَّا رَمَلُوْا ، قَالَتْ قُرَيْشٌ: مَاوَهَنَتْهُمْ۔ (الصحيحة: ۲۵۷۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریشیوں نے کہا: یثرب کے بخار نے محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھیوں کو کمزور کردیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ عمرہ والے سال مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ”(بیت اللہ کا طواف کرتے وقت) رَمَل کرو تاکہ مشرکوں کو تمہاری قوت کا اندازہ ہو جائے۔“ جب صحابہ نے رمل کیا تو قریشیوں نے کہا: (یثرب کا بخار) ان کو کمزور نہ کر سکا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ۱/ ۳۷۳

شرح:...... چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اور کندھے ہلاتے ہوئے ہلکی ہلکی دوڑ لگانا ”رمل“ کہلاتا ہے۔

پہلے تین چکروں میں رمل کا تعلق صرف طوافِ عمرہ یا طوافِ قدوم سے ہے اور وہ بھی دو شامی رکنوں کے حصے میں کیا جائے، نہ کہ پورے چکر میں۔

متن میں رمل کا مذکورہ حکم عمرۃ القضا میں دیا گیا تھا، جو ۷ھ میں پیش آیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مقصد کے پیش نظر رمل کا حکم دیا گیا تھا، اگرچہ وہ صورت آج موجود نہیں ہے، لیکن پھر بھی ضروری ہے کہ سنتِ رسول کا اہتمام کیا جائے تاکہ عروجِ اسلام کے دور کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ اگرچہ اب وہ صورت تو نہیں ہے، لیکن ہم کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کریں گے، جسے عہدِ رسالت میں کیا کرتے تھے۔ (ابو داود: ۱۸۸۷، ابن ماجہ: ۲۹۵۲)

لیکن درج ذیل حدیث مذکورہ بالا روایت سے مختلف مفہوم رکھتی ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک تین چکروں میں "رمل" کیا اور چار چکروں میں عام چال چلتے رہے۔ (مسلم)

امام مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث والا عمل عمرۂ قضا کے موقع پر ۷ھ میں پیش آیا، جبکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث والا عمل ۱۰ھ میں پیش آیا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو لیا جائے گا اور پہلے والے عمل کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲/۹۲) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلے تین چکروں میں مکمل رمل کیا جائے گا۔

طوافِ وداع، اقسامِ طواف، نمازِ طواف کا محل، سوار ہو کر طواف کرنا

(۱۰۰۰)۔ عَنْ أُمِّ سَلْمَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ مَاطُفْتُ طَوَافَ الْخُرُوْجِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَطُوْفِيْ عَلٰى بَعِيْرِكِ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ۔)) (الصحيحة:۱۲۵۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! میں نے (تو ابھی تک) طوافِ وداع نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب نمازِ فجر پڑھی جانے لگے تو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے طواف کر لینا۔"

تخريج: أخرجه النسائي ۲/ ۳۷، وأخرج البخاري نحوه

(۱۰۰۱)۔ عَنْ أُمِّ سَلْمَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ، وَهُوَ بِمَكَّةَ وَأَرَادَ الْخُرُوْجَ وَلَمْ تَكُنْ أُمُّ سَلْمَةَ طَافَتْ بِالْبَيْتِ وَأَرَادَتِ الْخُرُوْجَ، فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أُقِيْمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَطُوْفِيْ عَلٰى بَعِيْرِكِ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ۔)) فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ، فَلَمْ تُصَلِّ

زوجۂ رسول حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، وہاں سے روانہ ہونے کا سوچ رہے تھے، جبکہ میں (ام سلمہ) نے طواف نہیں کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا: "جب نمازِ فجر کھڑی کر دی جائے اور لوگ نماز ادا کر رہے ہوں تو تم نے اپنے اونٹ پر سوار کر طواف کر لینا ہے۔" انھوں نے ایسے ہی کیا، لیکن نماز نہ پڑھی، حتی کہ (مکہ سے) نکل گئی تھیں۔

حَتّٰی خَرَجَتْ۔ (الصحیحة:۲۹۹۲)

تخریج: أخرجه البخاري: ۱٦۲٦

شرح:...... اس حدیث میں طوافِ وداع کا ذکر ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَنْفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰی یَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ۔)) ...... ''کوئی بھی ہرگز نہ نکلے، حتی کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں صرف ہو۔'' (مسلم: ۱۳۲۷) لیکن وہ عورت حیض کی وجہ سے اس طواف سے مستثنی ہے، جو طوافِ افاضہ کر چکی ہو، جیسا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ پیش آیا تھا۔

طواف کی کل درج ذیل پانچ اقسام ہیں:

(۱) طوافِ قدوم: جو طواف مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔

(۲) طواف افاضہ: جو طواف دس ذوالحجہ کو منی میں قربانی کرنے کے بعد کیا جاتا ہے، اسے طوافِ زیارت اور طوافِ حج بھی کہتے ہیں۔

(۳) طوافِ وداع: وہ طواف جو حج سے فراغت کے بعد مکہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے۔

(۴) طواف عمرہ: وہ طواف جو عمرہ ادا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(۵) نفلی طواف: وہ طواف جو مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ نفلی طور پر کیا جائے۔

نذر والے طواف کو چھٹی قسم شمار کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کی نماز مسجدِ حرام سے باہر بھی ادا کی جا سکتی ہے، کیونکہ اگر اس کے لیے مسجد کے اندر ہی ادا کرنا شرط ہوتا تو نبی کریم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس صورتحال پر برقرار نہ رکھتے، امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ''مَنْ صَلّٰی رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ''، بہرحال نمازِ طواف مقامِ ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے۔

جمروں کو کنکریاں مارنے کی فضیلت

(۱۰۰۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَمَيْتَ الْجِمَارَ كَانَ لَكَ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحیحة:۲۵۱۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو جمروں کو کنکریاں مارے گا تو یہ (عمل) تیرے لیے قیامت کے روز نور ہوگا۔''

تخریج: أخرجه البزار: ص۱۱۳۔ زوائده

جمروں کو کنکریاں مارنے کے لیے پیدل آنا جانا چاہیے

(۱۰۰۳)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

كَانَ إِذَا رَمَى الْجِمَارَ مَشَى إِلَيْهَا ذَاهِبًا وَ رَاجِعًا۔ (الصحيحة: ٢٠٧٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب جمرہ کو کنکریاں مارتے تو پیدل آتے جاتے تھے۔

تخريج: رواه الترمذي: ١/ ١٧٠

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ تعالی رقمطراز ہیں: امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہا: اکثر اہل علم کا یہی عمل ہے، جبکہ بعض علما کا خیال ہے کہ دس ذوالحجہ کو جمروں تک پہنچنے کے لیے سواری استعمال کرنی چاہیے اور بقیہ ایام میں آمد و رفت پیدل ہونی چاہیے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے فعل کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نحر والے دن جمروں کو کنکریاں مارنے کے لیے سوار ہو کر گئے تھے، اس دن آپ ﷺ صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے تھے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ دس ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے لیے آپ ﷺ کا سوار ہو کر جانے کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں ہے، جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی یوں تاویل و تفسیر کریں گے کہ ان کی مراد نحر والے دن کے بعد والے ایام ہیں، تاکہ ان دو مختلف روایات میں جمع و تطبیق پیدا کی جا سکے۔ واللہ اعلم۔

اس تاویل کی تائید سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے، جو ان سے امام نافع بیان کرتے ہیں: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نحر والے دن کے بعد بقیہ تین ایام میں جمروں کی رمی کے لیے پیدل آتے جاتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ایسا کرتے تھے۔ (ابوداود: ١٩٦٩، احمد: ٢/ ١٥٦)

امام احمد (۲/۱۱۴، ۱۳۸) کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ دس ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے لیے اپنی سواری پر تشریف لاتے تھے اور بقیہ ایام میں ان کی آمد و رفت پیدل ہوتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی پیدل آتے جاتے تھے۔ (صحیحہ: ۲۰۷۲)

رمی کا اصل وقت اور مجبور لوگوں کے لیے رخصت

(١٠٠٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلرَّاعِيْ يَرْمِيْ بِاللَّيْلِ، وَيَرْعٰى بِالنَّهَارِ۔)) (الصحيحة: ٣٠٤٦)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چرواہا رات کو کنکریاں مار لیا کرے اور دن کو جانور چرا لیا کرے۔''

(١٠٠٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلرَّاعِيْ يَرْمِيْ بِاللَّيْلِ وَيَرْعٰى بِالنَّهَارِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٧٧)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چرواہا رات کو کنکریاں مار لیا کرے اور دن کو جانور چرا لیا کرے۔''

تخريج: أخرجه البيهقي: ٥/ ١٥١

شرح:...... حاجی لوگ ایام تشریق یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کی راتیں منی میں گزارتے ہیں اور جب سورج ڈھل جاتا ہے تو کنکریاں مارتے ہیں، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ منی کی طرف لوٹے اور ایام تشریق کی راتیں وہیں قیام کیا، اس دوران جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ جمروں کو کنکریاں مارتے تھے۔ (ابوداود: ۱۹۷۳)

لیکن چرواہا لوگوں کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ رات کو کنکریاں مار لیا کریں، نیز اگر وہ معذور ہوں تو منی سے باہر رات بھی گزار سکتے ہیں، جیسا کہ عاصم بن عدی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منی سے باہر رات گزارنے کی اجازت دی ہے۔ (ابوداود: ۱۹۷۵) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو منی والی راتیں مکہ میں گزارنے کی اجازت دی، تا کہ وہ لوگوں کو آب زمزم پلا سکیں۔ (بخاری: ۱۶۳۴، مسلم: ۱۳۱۵) معلوم ہوا کہ ایام تشریق کی راتیں منی میں گزارنا ضروری ہیں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

جمروں کے لیے کنکریاں کہاں سے اٹھائی جائیں؟

(۱۰۰۶)۔ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَغَدَاةَ جَمْعٍ: ((عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ۔)) وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ، حَتّٰى إِذَا دَخَلَ مِنًى فَهَبَطَ حِيْنَ هَبَطَ مُحَسِّرًا، قَالَ: ((عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ تُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ۔)) (الصحيحة: ۲۱٤٤)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح کو لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا: ”سکینت کو اختیار کرو۔“ اس حال میں آپ خود اپنی اونٹنی کو (تیز چلنے سے) روک رہے تھے، حتی کہ منی میں داخل ہو گئے اور وادیٔ محسر میں اتر گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(چنے یا لوبیا وغیرہ کے دانے کے برابر) کنکریوں کا اہتمام کرو، جن سے جمرے کو مارا جائے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٤/ ٧١، والنسائي: ٢/ ٤٩، والبيهقي: ٥/ ١٢٧، واحمد: ١/ ٢١٠، ٢١٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ”مـن ايـن يُلتقط الـحَصَى“ (کنکریاں کہاں سے اٹھائی جائیں)۔ دراصل وہ یہ اشارہ دینا چاہتے تھے کہ منی سے کنکریاں اٹھانی چاہئیں اور یہ حدیث بھی اس معاملے میں واضح ہے، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ وادیٔ محسر میں اتر رہے تھے تو اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا، مسلم اور بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وادی منی کا حصہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ظاہری مفہوم بھی اسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے:

وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ”عقبہ“ والی صبح کو مجھے یہ حکم دیا، جبکہ آپ خود سواری پر سوار تھے، کہ ”آؤ اور مجھے کنکریاں اٹھا کر دو۔“ پس میں نے (چنے یا لوبیا وغیرہ کے دانے کے برابر) کنکریاں چن کر دیں۔ جب میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں رکھیں تو آپ نے فرمایا: ”(سائز میں) اس قسم کی کنکریوں کا اہتمام کرو اور دین میں غلو کرنے

سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے والے لوگ دین میں غلوّ کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔'' (امام نسائی، امام بیہقی، اور امام احمد ‌رحمہ اللہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے)۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ مسئلہ استنباط کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ''عقبہ کی صبح'' والے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''عقبہ کبریٰ'' کو کنکریاں مارنے والے دن کی صبح تھی۔ مزید پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اس وقت صادر ہوا جب آپ ﷺ منیٰ میں جمرہ کے قریب تھے۔

آجکل لوگ مزدلفہ سے کنکریاں اٹھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی سنتِ نبوی میں کوئی اصل ضرور ہوگی، تو گزارش ہے کہ سنت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے، یہ مذکورہ بالا دو احادیث کے مخالف ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اس میں تکلف بھی ہے اور بغیر کسی فائدے کے بوجھ بھی اٹھانا ہے۔ (صحیحہ: ۲۱۴۴)

دس ذوالحجہ کو جمرہ کی رمی کے بعد محرم پر عورتوں کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے

(۱۰۰۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ، فَقَدْ حَلَّ لَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ۔)) (الصحيحة: ۲۳۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم جمرہ (عقبہ) کو کنکریاں مار لو تو (احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں) حلال ہو جائیں گی، سوائے عورتوں کے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۱/ ۲۳٤، والنسائي: ۲/ ۵۲، وابن ماجه: ۲/ ۲٤۵، وابو يعلى في "مسنده": ق ۱٤۳/ ۱، والبيهقي: ۵/ ۱۳۳

شرح:...... امام البانی ‌رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد حاجی لوگوں کے لیے احرام کی وجہ سے ممنوعہ امور حلال ہو جاتے ہیں، سوائے بیویوں کے، ایسی حالت میں جماع بالا جماع حرام ہے۔

عمرہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ((وَذَبَحْتُم وَ حَلَقْتُم)) کے الفاظ بھی ہیں، یعنی جمرہ عقبہ کی رمی، ذبح اور سر منڈانے کے بعد احرام کی وجہ سے ممنوعہ امور حلال ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔ (صحیحہ: ۲۳۹)

تکمیلِ حج کے بعد گھروں کے لیے فوراً رختِ سفر باندھنا

(۱۰۰۸)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا مَرْفُوْعًا: ((إِذَا قَضٰى أَحَدُكُمْ حَجَّهٗ فَلْيُعَجِّلِ الرُّحْلَةَ إِلٰى أَهْلِهٖ، فَإِنَّهٗ أَعْظَمُ لِأَجْرِهٖ۔)) (الصحيحة: ۱۳۷۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنا حج پورا کر لے تو وہ اپنے گھر کی طرف لوٹنے میں جلدی کرے، کیونکہ یہ چیز زیادہ اجر کا باعث ہے۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني: ۲۸۹، والحاكم: ۱/ ٤۷۷، وعنه البيهقي: ۵/ ۲۵۹

شرح :...... حج، اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ بہر حال اہل وعیال اور والدین کی خدمت، کفالت، حسن تربیت اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی عظیم اجروثواب والا عمل ہے، اس لیے فریضۂ حج کی تکمیل کے بعد حاجی لوگوں کو فوراً اپنے گھروں کو واپس جا کر اپنی ذمہ داریاں سنبھال لینی چاہئیں۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں دس دنوں کے لیے قیام کیا تھا، آپ ﷺ جونہی حج سے فارغ ہوئے، مدینہ منورہ کو واپس لوٹ گئے تھے۔

اس حدیث میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو سالہا سال کے لیے یا لمبے عرصے کے لیے تبلیغ، جہاد یا کسی کام کاج کے لیے نکل جاتے ہیں اور ان کو گھر والوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔ گزارش یہ ہے کہ تمام ارکان اسلام کی پاسداری کی جائے اور عقلی فیصلے کے مطابق کسی ایک رکن کو مدنظر رکھ کر دوسرے ارکان کو نظر انداز نہ کر دیا جائے۔

حج کے ساتھ عمرہ کرنا

(١٠٠٩)۔ عَنْ أَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، أَنَّهُ حَجَّ مَعَ مَوَالِيْهِ، قَالَ: فَأَتَيْتُ أُمَّ سَلْمَةَ فَقُلْتُ: يَاأُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! إِنِّيْ لَمْ أَحُجَّ قَطُّ، فَبِأَيِّهِمَا أَبْدَأُ، بِالْحَجِّ أَوْبِالْعُمْرَةِ؟ قَالَتْ إِنْ شِئْتَ فَاعْتَمِرْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، وَإِنْ شِئْتَ فَبَعْدَ أَنْ تَحُجَّ، فَذَهَبْتُ إِلٰى صَفِيَّةَ، فَقَالَتْ لِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَرَجَعْتُ إِلٰى أُمِّ سَلْمَةَ، فَأَخْبَرْتُهَا بِقَوْلِ صَفِيَّةَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلْمَةَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((يَاآلَ مُحَمَّدٍ! مَنْ حَجَّ مِنْكُمْ فَلْيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فِيْ حَجَّتِهِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٦٩)

ابو عمران جونی کہتے ہیں: میں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ حج کیا، ایک دن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا: ام المومنین! میں نے (اس موقع سے پہلے) کبھی حج نہیں کیا، اب میں حج سے ابتدا کروں یا عمرے سے؟ انھوں نے کہا: تیری مرضی ہے، حج سے پہلے عمرہ کر لے یا حج کے بعد۔ پھر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلا گیا، انھوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا، پھر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹ کر آیا اور ان کو صفیہ کی بات سے آگاہ کیا، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے آلِ محمد! تم میں سے جو شخص حج کرے، وہ عمرہ سمیت حج کا احرام باندھے۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني": ١/ ٣٧٩، وابن حبان: ٩٨٧،٩٨٨، و أحمد: ٦/ ٢٩٧، ٣١٧، وأبو يعلى: ٤/ ١٦٦٩۔ ١٦٧٠

شرح :...... دورِ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا کوئی تصور موجود نہ تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے حج کے سفر اور مہینوں میں اس سعادت سے مستفید ہونے کو مشروع قرار دیا۔ حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔

عمرۂ تنعیم کن کے لیے مشروع ہے؟...... حج کے بعد عمرہ کرنا کیسا ہے؟

(١٠١٠)۔ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ

حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابو بکر اپنے باپ سے بیان

بْنِ أَبِى بَكْرٍ ، عَنْ أَبِيْهَا ، أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ لَـهُ: ((أَرْدِفْ أُخْتَكَ عَائِشَةَ فَأَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ ، فَإِذَا هَبَطْتَ الْأَكْمَةَ فَمُرْهَا فَلْتُحْرِمْ ، فَإِنَّهَا عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ۔))

(الصحيحة :٢٦٢٦)

کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو فرمایا: ''اپنی بہن عائشہ کو پیچھے بٹھاؤ اور ان کو تنعیم سے عمرہ کراؤ۔ جب تم ٹیلے سے اترو تو اُن کو حکم دینا کہ وہ احرام باندھ لیں، کیونکہ یہ مقبول عمرہ ہے۔''

تخريج: أخرجه الحكم: ٣/ ٤٧٧، واحمد: ١/ ١٩٨، وابوداود، وأخرجه البخاري: ٣/ ٤٧٨، ومسلم: ٤/ ٣٥ مختصرا

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث مروی ہے، وہ کہتی ہیں: جب میں نے عمرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَـذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ۔)) ......''یہ تیرے عمرے کی جگہ پر ہو گیا۔'' ایک روایت کے مطابق فرمایا: ((مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي اَدْرَكَنِي الْحَجُّ وَلَمْ اَحْصُلْ مِنْهَا)) ......''یہ عمرہ اس عمرے کی جگہ پر ہے کہ حج کا وقت آ گیا تھا اور میں ابھی تک عمرے سے فارغ نہیں ہوئی تھی۔''

ایک روایت میں ہے: ((مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي اَمْسَكْتُ عَنْهَا)) ......''یہ عمرہ میرے اس عمرے کا متبادل تھا، جس سے مجھے روک دیا گیا تھا۔''

ایک روایت میں ہے: ((جَزَاءُ بِعُمْرَةِ النَّاسِ الَّتِي اعْتَمَرُوا)) ......''لوگوں نے جو عمرہ کیا تھا، یہ (میرا عمرہ) اس کا ہی بدل تھا۔'' یہ ساری روایات صحیح مسلم کی ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج کے بعد عمرہ کرنے کا حکم کیوں دیا تھا۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے: جب نبی کریم ﷺ حج کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی عمرے کا احرام باندھ کر آپ کے ساتھ ہو لیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ کے قریب ''سرف'' مقام پر پہنچی تو حائضہ ہو گئیں، اس لیے وہ اپنا عمرہ مکمل نہ کر سکیں اور بیت اللہ کا طواف کر کے اس سے حلال نہ ہو سکیں۔ سو انھوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: کہ میں نے تو عمرہ کا احرام باندھا تھا، اب میں حج کا کیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ((اُنْقُضِي رَأْسَكِ ، وَامْتَشِطِي وَامْسُكِي عَنِ الْعُمْرَةِ ، وَاَهِلِّي بِالْحَجِّ ، وَاصْنَعِي مَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِي وَلَا تُصَلِّي حَتَّى تَطْهُرِيْ)) وفي رواية: ((فَكُوْنِي فِي حَجَّكِ ، فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَرْزُقَكِيهَا۔)) ......''سر کے بال کھول دو، کنگھی کرو اور اپنے عمرے سے رک جاؤ اور حج کا احرام باندھ لو اور حاجی لوگوں کی طرح (مناسکِ حج کی ادائیگی) شروع کر دو، البتہ پاک ہونے تک طواف کرو نہ نماز پڑھو۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اپنا حج شروع کر دو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عمرہ بھی عطا کر دے۔'' پس میں (عائشہ) نے اسی طرح کیا اور حج کے مناسک ادا کرتی رہی، یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا اور

صفا مروہ کی سعی کی۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے کہا، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''تم حج وعمرہ سے حلال ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دل میں یہ حسرت باقی ہے کہ میں نے حج کرنے کے بعد کعبہ کا طواف کیا ہے۔

یہ روانگی کا دن تھا، لیکن انھوں نے روانہ ہونے سے انکار کر دیا اور کہا: کیا لوگ دو اجر لے کر لوٹیں اور میں ایک اجر لے کر؟ اور ایک روایت کے مطابق انھوں نے کہا: لوگ حج وعمرہ دونوں ادا کر کے لوٹیں اور میں صرف حج کر کے؟

اور ایک روایت میں ہے: کیا لوگ اور میری سوکنیں اور آپ کی بیویاں عمرہ و حج ادا کر کے جائیں اور میں صرف حج کر کے چلی جاؤں؟

جبکہ رسول اللہ ﷺ نرم مزاج تھے، جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی چیز کی خواہش کرتی تھیں تو آپ بھی ان کی موافقت کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو ان کے بھائی عبد الرحمٰن کے ساتھ تنعیم بھیج دیا، جہاں سے انھوں نے احرام باندھ کر عمرہ کیا۔

ان تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حج کے بعد ان کو عمرہ کرنے کا حکم صرف اس بنا پر دیا تھا کہ حیض کی وجہ سے ان کا عمرہ فوت ہو گیا تھا۔

ان روایات پر مطلع ہونے کے بعد آپ اس حقیقت کو پہچان چکے ہوں گے کہ اس قسم کے عمرے کا حکم ان عورتوں کے ساتھ خاص ہے، جو حیض کی وجہ سے حج والا عمرہ پورا نہ کر سکیں۔ اس لیے یہ عمرہ طاہر عورتوں کے لیے نہیں ہے، چہ جائیکہ مردوں کو اس کی کو رخصت دے دی جائے۔

اب اس راز کا پتہ چلانا ممکن ہو گیا ہے، جس کی بنا پر سلف صالحین نے اس عمرے سے اعراض کیا، بلکہ بعض نے اس کے مکروہ ہونے کی وضاحت کی، اس پر مستزاد یہ کہ بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کا عمرہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ جب وہ حج ادا کرنے کے لیے آتیں تو ٹھہری رہتیں، جب محرم لوگ تلبیہ کہتے تو وہ جحفہ مقام پر پہنچتیں اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آتیں، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ''مجموع الفتاوی'' (۲۶/ ۹۲) میں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (سنن کبری: ۴/ ۳۴۴) نے اسی قسم کی روایت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ذوالحجہ کے آخر میں جحفہ مقام سے عمرہ کرتی تھیں۔

رہا مسئلہ مطر رحمہ اللہ کی روایت کا، جس کے مطابق ابو زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کرتیں تو اسی طرح کرتیں، جیسے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ روایت پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ رہی، کیونکہ مطر وراق کے حفظ وضبط میں ضعف پایا جاتا ہے اور لیث بن سعد اور ابن جریج دونوں نے ابو زبیر سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قصہ روایت کرنے میں اس کی مخالفت کی ہے اور مطر کی روایت والی بات ذکر نہیں کی، اسے لیے اس کی روایت شاذ یا منکر ہے۔ اگر وہ صحیح ثابت ہو بھی جائے تو اسے سعید بن مسیب کی روایت کے معنی پر محمول کیا جائے گا، اسی لیے شیخ الاسلام نے (اختیارات علمیہ:

ص ۱۱۹) میں کہا: نفلی عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلنا مکروہ ہے، بلکہ یہ بدعت ہے، کیونکہ نہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کیا ہے اور نہ آپ کے عہدِ مبارک میں صحابہ کرام نے، ایسا کرنا رمضان میں ثابت ہے نہ غیر رمضان میں۔ اور آپ ﷺ نے بھی ان کو مستقل حکم نہیں دیا تھا، بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تالیفِ قلبی کے لیے اور ان کی بحث و تمحیص کے بعد ان کو اجازت دی تھی، ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بالاتفاق اس وقت بیت اللہ کا طواف کرنا خروج سے افضل ہے۔ ہاں جو اس کو مکروہ نہیں سمجھتا، اس کے نزدیک خروج جائز ہے۔

یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی کا خلاصہ ہے، جو (مجموع الفتاوی: ٢٦/ ٢٥٢۔ ٢٦٣) میں مذکور ہے، پھر انھوں نے (٢٦/٢٦٤) میں کہا: یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اور ائمۂ دین اس سے منع کرتے تھے، سعید بن منصور رحمہ اللہ اپنی سنن میں طاوس کا یہ قول نقل کرتے ہیں: جو لوگ عمرۂ تنعیم کرتے ہیں، میں نہیں جانتا کہ ان کو ثواب دیا جائے گا یا عذاب؟ اس سے کہا گیا: بھلا عذاب کیوں دیا جائے گا؟ اس نے کہا: اس لیے کہ ایسا آدمی بیت اللہ کا طواف چھوڑ دیتا ہے اور چار میل فاصلے پر واقع تنعیم چلا جاتا ہے، وہاں سے ہو کر آنے تک تو اس نے دوسو (٢٠٠) طواف کر لینے تھے، اور طواف میں چلنا کسی اور دوسرے مقصد کے لیے چلنے سے بہتر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کو درست قرار دیا، البتہ عطا بن سائب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم حج کے بعد عمرہ کرتے تھے، لیکن سعید بن جبیر ہم پر اعتراض کرتے تھے۔ کچھ علما نے ایسے عمرے کو جائز تو قرار دیا ہے، لیکن عملی طور پر سرانجام نہیں دیا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے (زاد المعاد: ١/٢٤٣) میں کہا: نبی کریم ﷺ نے تمام عمرے اس طرح ادا کیے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہوتے تھے، آپ ﷺ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا، جس کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر نکلے ہوں، جیسا کہ آج کل لوگوں نے شروع کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے نبوت کے پہلے تیرہ سال مکہ میں گزارے، لیکن اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آپ ﷺ ادائیگیٔ عمرہ کے لیے مکہ سے باہر نکلے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو عمرہ مشروع قرار دیا ہے، مکہ میں داخل ہونے والا اسے ادا کر سکتا ہے۔ اس شریعت میں اس قسم کا عمرہ نہیں ہے، جس کے لیے حِل کی طرف نکلنا پڑے۔ آپ ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے ایسا عمرہ ادا نہیں کیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے عمرہ کے لیے احرام باندھا تھا، لیکن حیض کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکیں، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حج کو عمرہ پر داخل کر دیں اور حج قران کی ادائیگی شروع کر دیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ ان کا طواف اور صفا مروہ کی سعی ان کے حج اور عمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔ لیکن جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات محسوس کی کہ ان کی سوکنیں حج تمتع کر کے علیحدہ علیحدہ حج و عمرہ کر کے جا رہی ہیں۔ جب کہ انھیں حیض کی وجہ سے حج قران کرنا پڑا، جس کے ضمن میں عمرہ کی ادائیگی بھی مکمل ہو گئی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی کرتے ہوئے عبد الرحمٰن کو حکم دیا کہ وہ ان کو تنعیم سے عمرہ کروا لائے۔ آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے اس حج میں اس قسم کا عمرہ نہیں کیا تھا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کے آخر میں صحابہ کرام کی طرف سے اِس عمرے کی جونفی کی گئی ہے، اس میں اشکال ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمن کو بلایا اور فرمایا: ((أُخْرُجْ بِأُخْتِكَ الْحَرَمَ فَلْتُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ افْرُغَا مِنْ طَوَافِكُمَا۔)) ..... ''اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جائیے، تاکہ عمرہ کے لیے احرام باندھ سکیں، پھر تم دونوں اپنے طواف سے فارغ ہو جانا۔'' ابونعیم نے یہ الفاظ افلح سے روایت کیے ہیں۔

جبکہ صحیح مسلم میں واحد کے صیغے کے ساتھ یہ الفاظ ہیں: ((ثُمَّ لَتَطُف بالبيت۔)) ..... ''پھر وہ (عائشہ) بیت اللہ کا طواف کر لے۔'' افلح راوی سے یہ الفاظ روایت کرنے والے اسحاق بن سلیمان (مسلم) اور خالد حذا (ابوداود) دو راوی ہیں، جبکہ یہ دونوں ثقہ اور حجت ہیں۔ بلکہ ابوبکر حنفی (بخاری، ابوداود) نے بھی ان کی متابعت کی ہے۔ میری رائے کے مطابق ابونعیم کے الفاظ شاذ قرار پاتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَـأَهِلَّا وَاَقْبِلَا۔)) وَذَالِكَ لَيْلَةَ الصدر۔ ..... ''تم دونوں تلبیہ کہنا اور متوجہ ہونا'' یہ روانگی والی رات کی بات ہے۔ لیکن اس کی سند میں ابونجیح اور عبد الرحمن کے درمیان مجہول راوی ہے، اس لیے یہ زیادتی منکر قرار پاتی ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/ ۴۷۹) اس کے آخری الفاظ "وذالك ليلة الصدر" پر خاموشی اختیار کی ہے، شاید انھوں نے شواہد کی بنا پر ایسے کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو امام ابن قیم رحمہ اللہ کے اس دعوی کی نفی کرے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی صحابی نے یہ عمرہ ادا نہیں کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳/ ۴۷۸) میں ابن قیم رحمہ اللہ کا کلام اختصار کے ساتھ نقل کیا تو یوں کہتے ہوئے ان کا تعاقب کیا: چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے حکم سے ایسے کیا ہے، اس لیے اس سے اس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں کہ جس نے ہماری بیان کردہ روایاتِ صحیحہ پر اور آپ ﷺ کے حکم پر غور وفکر کیا، تو یقینی طور پر اس کے لیے واضح ہو جائے گا کہ اس حکمِ نبوی سے عام حاجیوں کے لیے اس عمرے کا مشروع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر حقیقت اس طرح ہوتی، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو وہم ہوا ہے تو صحابہ کرام حجۃ الوداع کے موقع پر اور بعد میں اس پر ضرور عمل کرتے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ نہ صرف اس عمرہ کو ادا نہیں کیا گیا، بلکہ سلف صالحین نے اس کو مکروہ بھی سمجھا۔ ہاں اگر کسی کو وہ عارضہ لاحق ہو جائے، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض کی صورت میں ہوا تھا، تو اس کے لیے گنجائش موجود ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

تنبیہ: ..... امام ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے تمام عمرے اس طرح ادا کیے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہوتے تھے''۔ اس عبارت کا عمرۂ جعرانہ سے کوئی تناقض نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے، کیونکہ دراصل آپ ﷺ طائف سے واپس آ رہے تھے، وہاں قیام کیا اور حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور پھر وہاں

سے عمرہ کے لیے تشریف لے آئے۔ (صحیحہ: ۲۶۲۶)

(۱۰۱۱)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهَا: ((طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ۔)) (الصحيحة: ۱۹۸٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ”تیرا بیت اللہ کا طواف کرنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا تیرے حج اور عمرے دونوں کیلیے کافی ہے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٤/ ٣٤، وأبوداود: ١٨٩٧

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حج کے بعد عمرہ ادا کرنے کی سہولت اس عورت کے لیے ہے، جو حیض کی وجہ سے حج سے پہلے عمرہ ادا نہ کر سکی ہو، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصے سے یہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ یہی حکم ان عورتوں کا ہوگا جو عمرہ کے لیے احرام باندھتی ہیں، لیکن حیض کی وجہ سے عمرہ کی تکمیل نہیں ہو پاتی، ایسی عورتوں کو چاہیے کہ وہ حج کے بعد عمرہ ادا کر لیا کریں۔

آجکل دیکھا گیا ہے کہ اکثر حاجی لوگ حج کے بعد عمرہ کی ادائیگی پر ٹوٹ پڑتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ انداز شرعی نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے کسی صحابی نے ایسے نہیں کیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ مردوں کی عورتوں، بلکہ حائضہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اسی لیے بیانِ حقیقت کے لیے میں نے اس کا نام عمرۃ الحائض رکھا ہے۔ (صحیحہ: ۱۹۸٤)

معذّب اقوام کی جائے عذاب سے کیسے گزرا جائے؟

(۱۰۱۲)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ، أَنَّهُ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُمْ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ: ((لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ الْمُعَذَّبِيْنَ ، إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ ، فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ ، أَنْ يُصِيْبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ۔)) وَتَقَنَّعَ بِرِدَائِهِ وَهُوَ عَلَى الرَّحْلِ۔ (الصحيحة: ۱۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر مقام کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”جن مکانات میں گزشتہ اقوام کو عذاب دیا گیا وہاں روتے ہوئے داخل ہوا کرو، اگر تم نہیں رو سکتے تو وہاں داخل نہ ہوا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی اسی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔“ پھر آپ نے کجاوہ پر بیٹھے بیٹھے اپنی چادر اوپر اوڑھ لی۔

تخريج: اخرجه البخاری: ۱/ ۱۲۰، ومسلم: ۸/ ۲۲۱، وأحمد: ۲/ ۹ و ٥٨ و ٦٦ و ٧٢ و ٧٤ و ٩١ و ٩٦ و ١١٣ و ١٣٧

شرح:...... ”حجر“ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی بستیوں کا نام تھا۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدیق حسن رحمہ اللہ نے ”نزل الابرار ص ۲۹۳“ میں اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

''ظالموں کی قبروں اوران کی ہلاکت گاہوں کے پاس سے گزرتے وقت رونا اورڈرنا اوراللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی فقیری کا اظہار کرنا اور ایسا کرنے سے غافل رہنے سے بچنا''۔ میں اللہ تعالی سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں فقاہت فی الدین عطا فرمائے اور نیک عمل کرنے کی توفیق سے نوازے، بیشک وہ سننے والا اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ (صحیحہ: ۱۹)

لہٰذا قومِ عاد، قومِ ثمود اور اصحاب الفیل جیسی قوموں کی ہلاکت گاہوں سے گزرتے وقت وہی انداز اختیار کرنا چاہئے، جس کا اس حدیث میں بیان ہے۔

رمی کے لیے کنکری کا سائز

(۱۰۱۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِرْفَعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ، وَعَلَيْكُمْ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔)) (الصحيحة: ١٥٣٤)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تیز چل کر وادیٔ محسر سے گزرو اور (چنے یا لوبیا وغیرہ جتنی) کنکریوں کا اہتمام کرو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢١٩، والطحاوي في "مشكل الآثار" ٢/ ٧٢، والبيهقي: ٥/ ١١٥، وابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٢٧٨/ ١، والحاكم: ١/ ٤٦٢، ورواه البيهقي ولم يذكر الشطر الثاني منه

شرح:...... چونکہ کعبہ اللہ پر چڑھائی کرنے والے ہاتھی والوں کے لشکر کی گرفت وادیٔ محسر میں ہوئی اور ان کو وہاں تہس نہس کر دیا گیا، اس لیے وہاں سے جلدی سے گزر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(١٠١٤)۔ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَغَدَاةَ جَمْعٍ: ((عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ۔)) وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ، حَتّٰى إِذَا دَخَلَ مِنًى فَهَبَطَ حِيْنَ هَبَطَ مُحَسِّرًا، قَالَ: ((عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ تُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ۔)) (الصحيحة: ٢١٤٤)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح کو لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا: ''سکینت اختیار کرو۔'' اس حال میں آپ خود اپنی اونٹنی کو (تیز چلنے سے) روک رہے تھے، حتی کہ منی میں داخل ہو گئے اور وادیٔ محسّر میں اتر گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(چنے یا لوبیا وغیرہ کے دانے کے برابر) کنکریوں کا اہتمام کرو، جن سے جمرے کو مارا جائے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٤/ ٧١، والنسائي: ٢/ ٤٩، والبيهقي: ٥/ ١٢٧، واحمد: ١/ ٢١٠، ٢١٣

(١٠١٥)۔ قَالَ ﷺ: ((اُرْمُوْا الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ جَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ سِنَانُ بْنُ سَنَّة، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَعَاذٍ التَّيْمِيُّ، وَأُمُّ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جمرہ کو (چنے یا لوبیا وغیرہ) جتنی کنکریاں مارو۔'' یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، ان میں حضرت سنان بن سنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی، حضرت ام سلیمان ابن عمرو بن احوص، حضرت عثمان بن

سُلَيْمَانَ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ، وَعُثْمَانُ بْنُ عُبَيْدٍ التَّيْمِيُّ، وَجَابِرٌ رضی اللہ عنہ۔ (الصحيحة:١٤٣٧)

عبید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

تخريج: (١)۔ أما حديث سنان: فأخرجه أحمد: ٤/ ٣٤٣، وابن سعد: ٤/ ٣١٧، والمحاملي في "الأمالي" ٥/ ١٢٠/ ١

(٢)۔ وأما حديث عبدالرحمن بن معاذ التيمي: فأخرجه الدارمي: ٢/ ٦٢، وأحمد: ٤/ ٦١، ٥/ ٣٧٤، والبيهقي: ٥/ ١٢٧

(٣)۔ وأما حديث أم سليمان: فأخرجه أبوداود: ١/ ٤٥٥۔ الحلية، وأحمد: ٣/ ٥٠٣، ٦/ ٣٧٩، والبيهقي

(٤)۔ وأما حديث عثمان بن عبيد الله: فأخرجه الدارمي والبيهقي، وأسناده صحيح، وأما حديث جابر: فأخرجه أبوداود: ١/ ٤٥٠. والدارمي، والبيهقي

(٥)۔ وأما حديث جابر، فأخرجه ابوداود: ١/ ٤٥٠، ورواه مسلم: ٤/ ٨٠ من فعله ﷺ، فلعل اصل الحديث انه ﷺ رمى بذالك وامر به، فروى بعضهم هذا، وبعضهم هذا

بالآخر بیت اللہ اٹھا لیا جائے گا

(١٠١٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((اِسْتَمْتِعُوْا مِنْ هٰذَا الْبَيْتِ فَإِنَّهُ قَدْ هُدِمَ مَرَّتَيْنِ وَيُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ۔)) (الصحيحة: ١٤٥١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(اللہ تعالی کے) اس گھر سے فائدہ حاصل کرو، کیونکہ اس کو دو مرتبہ گرایا جا چکا ہے اور اب تیسری دفعہ اٹھا لیا جائے گا۔“

تخريج: رواه ابن خزيمة في "صحيحه" ١/ ٢٥٢/ ٢، وعنه الديلمي: ١/ ١/ ٤٩، وابن حبان: ٩٦٦، والحاكم: ١/ ٤٤١، وأبونعيم في "أخبار أصبهان" ١/ ٢٠٣

شرح:...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے برپا ہونے سے پہلے کعبہ کا نام ونشان ختم ہو جائے گا۔

دورانِ حج اخلاص کا اظہار کرنا

(١٠١٧)۔ قَالَ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ حَجَّةٌ لَا رِيَاءَ فِيْهَا وَلَا سُمْعَةَ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَبِشْرِ بْنِ قُدَامَةَ الضَّبَابِيِّ۔ (الصحيحة:٢٦١٧)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! یہ ایسا حج ہے کہ اس میں کوئی ریاکاری اور شہرت نہیں ہے۔“ یہ حدیث حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت بشر بن قدامہ ضبابی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: روى من حديث أنس، وابن عباس، وبشر بن قدامة الضبابي

(١) أما حديث أنس؛ فأخرجه الترمذي في "الشمائل": ص١٩١، وابن ماجه: ٢٨٩٠، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٤/ ١٠٦، وابن سعد في "الطبقات": ٢/ ١٧٧، وأبو نعيم في "الحلية": ٦/ ٣٠٨

(٢) وأما حديث ابن عباس؛ أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ١١٩/ ٢

(٣) وأما حديث بشر بن قدامة الضبابي؛ فأخرجه البيهقي في "سننه": ٤/ ٣٣٢، والذهبي في "الميزان"

شرح:...... حج ایک اہم رکنِ اسلام اور عظیم اور مشقت طلب عبادت ہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مالی اعتبار سے سب سے مہنگی عبادت ہے۔ اس لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کو کامل یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا جائے اور ریا کاری و نمود و نمائش سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔ اگر کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا خیال رکھتے ہوئے ادائیگیٔ حج کے دوران مذکوہ بالا متن میں دیے گئے الفاظ ادا کرے گا تو اس کے پر خلوص ہونے میں اضافہ ہوگا۔

اس معاملے میں حج کی روانگی یا اس سے واپسی کے موقع پر حاجیوں کو الوداع و استقبال کہنے کے لیے جو پر تکلف رسم و رواج، مبارکبادی کا نظام اور پھول پتیوں کے ہار وغیرہ جیسے امور وجود پکڑ چکے ہیں، ان سے اجر و ثواب کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حج تمتع کی خواہش اور وجہ حج کی اقسام

(١٠١٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ أَوْ خَمْسٍ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فِي حَجَّتِهِ وَهُوَ غَضْبَانُ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ أَغْضَبَكَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ؟ فَقَالَ: ((أَمَا شَعَرْتِ أَنِّي أَمَرْتُهُمْ بِأَمْرٍ فَهُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ، وَلَوْكُنْتُ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ وَلَا اشْتَرَيْتُهُ حَتّٰى أَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔))

(الصحيحة: ٢٥٩٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: حج کے موقع پر چار یا پانچ ذوالحجہ کو رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کس نے آپ کو غصہ دلایا ہے؟ اللہ اس کو آگ میں داخل کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے صحابہ کو ایک (کام کرنے کا) حکم دیا ہے، لیکن وہ اس کو سرانجام دینے میں تردّد میں پڑ گئے ہیں۔ اگر مجھے اس معاملے کی پہلے خبر ہوتی جو بعد میں ہوئی تو نہ میں ''ہدی'' لے کر آتا اور نہ اسکو خریدتا، تاکہ لوگوں کی طرح حلال ہو جاتا۔''

تخريج: أخرجه أسحاق ابن راهوية في "مسنده": ٤/ ١٢٦/ ٢، وقد أخرجه مسلم: ٤/ ٣٣، وأحمد: ٦/ ١٧٥، والبيهقي: ٥/ ١٩

شرح:...... حج کی تین اقسام ہیں:

(۱) حج قران: میقات سے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھ مکہ پہنچ کر عمرہ کرنا، لیکن سعی کے بعد نہ بال اتروانا اور نہ ہی احرام کھولنا، بلکہ حالت احرام میں ہی ایامِ حج کے انتظار میں رہنا، حتی کہ ان ایام میں حج مکمل کرنا لینا۔ نبی کریم ﷺ نے یہی حج کیا تھا۔

(۲) حج تمتع: حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا اور تکمیلِ عمرہ کے بعد احرام کھول دینا اور ایامِ حج میں دوبارہ احرام باندھ کر حج ادا کرنا۔

(۳) حج افراد: صرف حج کے لیے احرام باندھ کر تمام مناسکِ حج ادا کرنا۔

دورِ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا اور آپ ﷺ خود حج قران کی ادائیگی فرما رہے تھے، اس لیے صحابہ کو احرام کھولنے میں تردّد ہوا اور آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش آپ ﷺ بھی حج تمتع کر رہے ہوتے، تاکہ آپ ﷺ بھی احرام کھول دیتے اور صحابہ کرام کے لیے مسئلہ کی خوب وضاحت ہو جاتی۔ مزید تفصیل امام البانی کے درج ذیل کلام میں پیش کی جاتی ہے۔

وہ رقم طراز ہیں: ''علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ''زاد المعاد'' میں کئی احادیث جمع کیں ہیں، ان تمام سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے حج افراد اور حج قران کی ادائیگی کے لیے آنے والوں کو حکم دیا کہ وہ حج کو فسخ کر دیں اور عمرہ ادا کریں۔

میں نے اس حدیث کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ یہ مسند اسحاق کی روایت ہے اور اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بیان کر رہی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے صحابہ کو حج فسخ کرنے کا حکم دیا تو انھیں ایسا کرنے میں تردّد ہوا، حالانکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ وہ آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کر رہے اور نہ ایسا کرنا ان کی عادت تھی۔ حکم راوی وغیرہ کی روایت میں اس کی یہ وجہ بیان کی گئی کہ ''کانھم ھابوا'' (گویا کہ وہ ایسا کرنے سے ڈر گئے)، کیونکہ دورِ جاہلیت میں ایامِ حج میں عمرہ کی ادائیگی کا کوئی تصور ہی نہ تھا، جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے حکم پر متردّد ہونے کی ایک وجہ تو یہ تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے خود احرام نہیں کھولا تھا، اس لیے ان کو یہ وہم ہونے لگا کہ معاملے میں وسعت ہے، اس لیے وہ تردّد میں پڑ گئے۔

بالآخر جب ان کو اصل سبب کا پتہ چلا اور آپ ﷺ نے مزید تاکید کرتے ہوئے حکم دیا تو انھوں نے تعمیل کرنے میں جلدی کی۔

اگر حقیقت حال یہ ہے تو بعض خواص سمیت مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ وہ حج تمتع نہیں کرتے، حالانکہ ان لوگوں کو ان حقائق کا علم بھی ہو چکا ہے، کہ صحابہ کرام جن کا اندازہ نہ لگا سکے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔)) ...... ''اب تو عمرہ روزِ قیامت تک حج میں داخل ہو چکا ہے۔'' کیا ان لوگوں کو سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بددعا کا کوئی ڈر نہیں؟ (صحیحہ: ۲۵۹۳)

احرام سے پہلے لگائی ہوئی خوشبو کو احرام کے لیے دھویا جائے یا نہیں؟

(۱۰۱۹)۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ، عَلَيْهِ مُقَطَّعَاتٌ قَدْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ، فَقَالَ: كَيْفَ تَأْمُرُنِي يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فِي عُمْرَتِي؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ؟)) فَقَالَ: هَا أَنَا ذَا، فَقَالَ: ((أَلْقِ عَنْكَ ثِيَابَكَ وَاغْتَسِلْ، وَاسْتَنْقِ مَااسْتَطَعْتَ، وَمَاكُنْتَ صَانِعاً فِي حَجَّتِكَ، فَاصْنَعْهُ فِي عُمْرَتِكَ۔)) (الصحيحة: ۲۷٦٥)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، وہ زعفران میں لت پت تھا، اس نے کاٹ سل کر تیار ہونے والے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اور اس نے عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اب آپ مجھے اس عمرے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ اللہ تعالی یہ آیت نازل فرمائی: ''اور اللہ تعالی کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟'' اس نے کہا: جی، میں یہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے کپڑے اتار دو، غسل کرو اور حسب استطاعت صفائی کرو اور جو کچھ تم حج میں کرنے والے تھے، وہی کچھ عمرے میں سرانجام دو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في" المعجم الأوسط": ۱/ ۹۸/ ۲۰۰۳، وابن أبي حاتم في"تفسيره"، وابن عبد البر في"التمهيد": ۲/ ۲۵۱

شرح:...... یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں بھی ہے، ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِغْسِلْ عَنْكَ أَثَرَ الْخَلُوْقِ أَوْ قَالَ: أَثَرَ الصُّفْرَةِ۔)) ......''اس خلوق خوشبو یا زردی کے نشان کو دھو دے۔''

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا منع ہے، لیکن اگر کوئی آدمی احرام سے پہلے خوشبو لگاتا ہے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہتا ہے، تو یہ درست ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کے موقع پر احرام باندھتے وقت خوشبو لگائی، جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہا۔ جبکہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم دے رہے ہیں، اس کے دو جوابات ہیں: (۱) خوشبو کو دھونے والا واقعہ ۸ھ میں عمرۂ جعرانہ کے موقع پر پیش آیا، جبکہ آپ ﷺ کا خود خوشبو لگانے کا واقعہ دو سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا، اس لیے بعد والے عمل کو ناسخ سمجھ کر اس پر عمل کریں گے۔ (۲) اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس نے خلوق خوشبو لگائی ہوئی تھی، جس میں زعفران استعمال ہوتی ہے، جبکہ مرد کو مطلق طور پر زعفران سے منع کیا گیا ہے، وہ احرام کی حالت میں ہو یا

نہ ہو۔ ان دو جوابات کا نتیجہ ایک ہے اور وہ یہ کہ خوشبو لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں زعفران نہ ہو۔

عمرہ کے بارے میں کیے گئے سوال اور آپ ﷺ کی طرف سے دیے گئے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی اعمالِ حج کا علم رکھتا تھا، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ جاہلیت میں احرامِ حج کے کپڑے اتار لیتے اور خوشبو سے اجتناب کرتے، لیکن عمرہ کے بارے میں تساہل برتتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ دونوں کے تقاضے ایک ہی ہیں۔

ایامِ تشریق کے احکام

(۱۰۲۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ أَيَّامُ طُعْمٍ وَذِكْرٍ۔)) (الصحيحة:۱۲۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایامِ تشریق کھانے اور ذکر کرنے کے دن ہیں۔''

تخريج: رواه الطبراني في "التفسير" ج ٤ صفحة ٢١١ رقم ٣٩١١، وابن حبان: ٩٥٩، وأحمد: ٢/ ٢٢٩ و ٣٨٧، والطحاوي في "شرح المعاني" ١/ ٤٢٨، وورواه ابن ماجه: ١٧١٩ بلفظ: ((ايام منى ايام اكل و شرب۔))

(۱۰۲۱)۔ عَنْ حَمْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً عَلَى جَمَلٍ يَتْبَعُ رِحَالَ النَّاسِ بِمِنًى، وَنَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ شَاهِدٌ، وَالرَّجُلُ يَقُوْلُ: ((لَاتَصُوْمُوْا هٰذِهِ الْأَيَّامَ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ۔)) قَالَ قَتَادَةُ: فَذُكِرَ لَنَا أَنَّ ذٰلِكَ الْمُنَادِيْ كَانَ بِلَالاً۔ (الصحيحة: ٣٥٧٣)

حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے (منیٰ کے دنوں میں) ایک آدمی کو اونٹ پر سوار دیکھا، وہ لوگوں کی قیام گاہوں میں جا کر یہ اعلان کر رہا تھا، جبکہ نبی کریم ﷺ بھی موجود تھے: (لوگو!) ان دنوں کا روزہ نہ رکھو، کیونکہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔'' قتادہ کہتے ہیں: ہمیں بتایا گیا کہ یہ اعلان کرنے والے حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد في "المسند": وفي الباب عن جمع من الصحابة

شرح:...... ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو ایامِ تشریق کہتے ہیں، حاجی لوگ ان ایام میں منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔

تمام ایامِ تشریق، ایامِ ذبح ہیں

(۱۰۲۲)۔ ((كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَعَنْ أَبِي

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' یہ حدیث حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابو سعید خدری یا حضرت ابو ہریرہ اور ایک اور صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہم سے مروی

سَعِيدٍ الْخُدْرِيّ ، أَوْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم - ہے۔

(الصحيحة: ٢٤٧٦)

تخريج: (١)۔أما حديث جبير بن مطعم :الأول: أخرجه أحمد:٤/ ٨٢، و البيهقي: ٩/ ٢٩٥، و ابن حبان :١٠٠٨، والبزار:١١٣٠ــــ الكشف، والبيهقي، والطبراني في"المعجم الكبير": ١/ ٧٩/ ١، والدارقطني:ص٥٤٤، والبيهقي:٥/ ٢٣٩

٢۔عن رجل من أصحاب النبي ﷺ: أخرجه البيهقي

(٣)۔أما حديث ابي سعيد او عن ابي هريرة: فأخرجه البهيقي، وقال: والصدفي ضعيف لا يحتج به۔

شرح: ...... ذوالحجہ کی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخ کو ایامِ تشریق کہتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ قربانی کے چار دن ہیں، یہ تین دن اور دس ذوالحجہ۔

امام البانی رحمہ اللہ نے (صحیحہ: ۲۴۷۶) میں اس حدیث کے طرق وشواہد پر عمدہ اور مفصل بحث کی ہے۔

عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا: حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے اتنے طرق ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں، اس لیے یہ حدیث حسن اور قابل حجت ہے۔(مرعاة المفاتيح: ٥/ ١٠٧)

حج کی نیکی کیا ہے؟

(١٠٢٣)۔عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((بِرُّ الْحَجِّ إِطْعَامُ الطَّعَامِ ، وَطِيْبُ الْكَلَامِ۔))

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھانا کھلانا اور شیریں کلام کرنا حج کی نیکی ہے۔''

(الصحيحة:١٢٦٤)

تخريج: رواه ابن عدي: ٢٠/ ٢، وأبو العباس الأصم في"الفوائد المنتقاة" ٣/ ١، وعنه الحاكم: ١/ ٤٨٣، واحمد: ٣/ ٣٢٥، ٣٣٤، والطيالسي: ١٨١٧

شرح: ...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۹۷) ...... ''حج کے مہینے مقرر ہیں، اس لیے جو شخص ان میں حج لازم کرلے، وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔)) (بخاری: ۱۵۲۱، مسلم: ۱۳۵۰) ......''جس نے حج کیا اور اس میں نہ عورتوں کے قریب گیا اور نہ ہی کوئی فسق و فجور کا کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر اس دن کی طرح لوٹے گا، جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔''

اس قسم کی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حج صرف مناسکِ حج کی ادائیگی کا نام نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کی برائی سے

اجتناب کرنے اور ہر ممکنہ نیکی کرنے کا نام ہے۔ اس باب کی حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ سفرِ حج اور حج کے دوران کھانا کھلانا اور شیریں کلام کرنا بہترین نیکیاں ہیں، چونکہ اس موقع پر جمع ہونے والے اکثر و بیشتر لوگ مسافر اور اجنبی اور ضرورت مند ہوتے ہیں، اگر وہ آپس میں حسن سلوک سے پیش آئیں گے تو ایک دوسرے کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں گی اور تکمیلِ حج کے مراحل بھی طے ہوتے رہیں گے۔

دورانِ حج حیض اور نفاس والی عورتوں کے احکام

(۱۰۲۴)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَا أَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ تَغْتَسِلَانِ وَتُحْرِمَانِ، وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ۔)) (الصحيحة:۱۸۱۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر حائضہ اور نفاس والی عورتیں (حج کے) وقت پر پہنچ جائیں تو وہ غسل کریں اور احرام باندھ لیں اور تمام مناسکِ حج ادا کریں، سوائے بیت اللہ کے طواف کے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ۱۷٤٤، وأحمد: ۱/ ۳٦٤

شـــرح:...... ان کا یہ غسل ظاہری صفائی کے لیے ہوگا، ایسی عورتیں حیض اور نفاس سے پاک ہونے کے بعد طواف کریں گی۔

حج کے افضل ارکان

(۱۰۲۵)۔ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أَفْضَلُ الْحَجِّ؟ قَالَ: ((اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔)) (الصحيحة: ۱۵۰۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ حج (کا کون سا رکن) سب سے زیادہ فضیلت والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''باآواز بلند تلبیہ کہنا اور قربانی کا خون بہانا۔''

تخريج: رواه أبو بكر بن سعيد القاضي في "سند أبي بكر الصديق" ۱/ ۷٤، الدارمي: ۲/ ۳۱، والترمذي: ۲/ ۸٤۔ تحفة، وابن ماجه: ۲/ ۲۱۷

محرم پانچ قسم کے جانوروں کو قتل کر سکتا ہے

(۱۰۲٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔)) (الصحيحة:۱۹۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''احرام والا آدمی ان پانچ جانوروں کو قتل کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوتا: کوا، چیل، چوہیا، بچھو اور باؤلا کتا۔''

تخریج: أخرجه الشیخان، ومالك، وأصحاب "الأربعة الا الترمذی، والدارمی: ٢/ ٣٦، والبیهقی، وأحمد: ٢/ ٨، ٣٢، ٣٧، ٤٨، ٥٢، ٥٤، ٦٥، ٨٢، ١٣٨

شرح:...... "الكلب العقور" کا اطلاق ہر زخمی کرنے والے اور چیر پھاڑ کرنے والے درندے پر بھی ہوتا ہے، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا۔ درندگی میں اشتراکیت کی وجہ سے ان کو بھی "کلب" کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی)

کاٹنے والا درندہ، ہڑکایا ہوا کتا

(١٠٢٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: لَدَغَ النَّبِيَّ ﷺ عَقْرَبٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ، فَقَالَ: ((لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ لَاتَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهُ، فَاقْتُلُوْهَا فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ۔ (الصحیحة: ٥٤٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک بچھو نے نبی کریم ﷺ کو نماز کی حالت میں ڈسا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی بچھو پر لعنت کرے، یہ نمازی کو معاف کرتا ہے نہ غیر نمازی کو، لہٰذا حل ہو یا حرم، اس کو قتل کر دیا کرو۔"

تخریج: رواه ابن ماجه: ١٢٤٦، وابن عدی: ٦٨/ ١

آبِ زمزم کی فضیلت

(١٠٢٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا: ((خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيْهِ طَعَامٌ مِّنَ الطُّعْمِ وَشِفَاءٌ مِّنَ السُّقْمِ، وَشَرُّ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ بِوَادِيْ بَرَهُوْتٍ بَقِيَّةُ حَضْرَمُوْتَ كَرِجْلِ الْجَرَادِ مِنَ الْهَوَامِّ، يُصْبِحُ يَتَدَفَّقُ، وَيُمْسِيْ لَابَلَالَ بِهَا۔)) (الصحیحة: ١٠٥٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "روئے زمین پر سب سے بہترین پانی زمزم ہے، یہ کھانے کا کھانا اور بیماری سے شفا ہے اور سطحِ زمین پر سب سے بدترین پانی وادیٔ برہوت کا ہے، یہ حضر موت کا باقی ماندہ ہے، یہ کیڑے مکوڑوں میں سے ٹڈی کے لشکر کی طرح ہے، وہ بوقت صبح جوش کے ساتھ ابل رہا ہوتا ہے اور شام کے وقت اس میں کوئی تری ہی نہیں ہوتی۔"

تخریخ: رواه الطبرانی: فی "الكبير" و فی "الاوسط": ١/ ١١٨/ ١، والضياء في "المختارة" ٦٧/ ١١٤/ ٢، وابن حبان فی "صحيحه"

شرح:...... سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كُنَّا نُسَمِّيْهَا شُبَاعَةَ، يَعْنِي زَمْزَمَ، وَكُنَّا نَجِدُهَا نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى الْعِيَالِ۔ (صحیحہ: ٢٦٨٥)...... ہم (زمزم کو) "شبّاعه" (سیر کرنے والا) کہتے تھے اور ہم اپنے اہل وعیال (کے خورد ونوش کے سلسلے میں) اس کو بہترین معاون پاتے تھے۔

سیدنا ابوذر اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ۔)) (صحیحہ: ٣٥٨٥)...... "زمزم کا پانی مبارک ہے اور یہ کھانے کا کھانا ہے۔"

نیز سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ۔)) (ابن ماجہ) ......"زمزم کا پانی (جس نیت اور مقصد کو سامنے رکھ کر) پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی انتہائی مبارک ہے اور یہ واحد پانی ہے جو کھانے کی کمی بھی پوری کرتا ہے، نیز یہ پانی جس جسمانی اور روحانی بیماری کو دور کرنے لیے پیا جائے، اس سے شفا ہو گی۔ نئی تحقیقات اور سائنسی تجربات کی وجہ سے احادیث کی صداقت میں اضافہ ہوا ہے۔

روئے زمین پر بدترین پانی

(۱۰۲۹)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا: ((خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيْهِ طَعَامٌ مِّنَ الطُّعْمِ وَشِفَاءٌ مِّنَ السُّقْمِ، وَشَرُّ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءٌ بِوَادِيْ بَرَهُوْتٍ بِقِيَّةٌ حَضْرَمَوْتَ كَرِجْلِ الْجَرَادِ مِنَ الْهَوَامِّ، يُصْبِحُ يَتَدَفَّقُ، وَيُمْسِيْ لَا بَلَالَ بِهَا۔)) (الصحيحة: ۱۰۵۶)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "روئے زمین پر سب سے بہترین پانی زمزم ہے، یہ کھانے کا کھانا اور بیماری سے شفا ہے اور سطح زمین پر سب سے بدترین پانی برہوت کا ہے، یہ حضرموت کا باقی ماندہ ہے، یہ کیڑے مکوڑوں میں سے ٹڈی کے لشکر کی طرح ہے، وہ بوقت صبح جوش کے ساتھ ابل رہا ہوتا ہے اور شام کے وقت اس میں کوئی تری ہی نہیں ہوتی۔

تخريج: رواه الطبراني في "الكبير" و في "الاوسط": ۱/ ۱۱۸/ ۱، والضياء في "المختارة" ٦٧/ ١١٤/ ٢، وابن حبان في "صحيحه"

شرح: ...... برہوت: حضرموت میں ایک گہرا تیرہ و تاریک کنواں ہے۔ اس کو "بُرْهُوت" بھی کہتے ہیں۔
حضرموت: ملک یمن کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ مجمع البحرین میں ہے: یہ وہ مقام ہے، جہاں اصحاب فیل پر کنکریاں ماری گئی تھیں، وہ مر گئے، اس لیے اس کا نام حضرموت رکھا گیا۔

آبِ زمزم کی منتقلی

(۱۰۳۰)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّهَا كَانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ، وَتُخْبِرُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَحْمِلُ مَاءَ زَمْزَمَ فِي الْأَدَاوِيْ وَالْقِرَبِ، وَكَانَ يَصُبُّ عَلَى الْمَرْضٰى وَيُسْقِيْهِمْ۔ (الصحيحة: ۸۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے ساتھ آبِ زمزم اٹھا کر لے جاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی برتنوں اور مشکیزوں میں زمزم کا پانی لے جاتے تھے اور مریضوں پر ڈالتے اور ان کو پلاتے تھے۔

تخريج: أخرجه الترمذي: ۱/ ۱۸۰، وكذا البخاري في "التاريخ الكبير": ۲/ ۱/ ۱۷۳، و البيهقي في "السنن": ٥/ ٢٠٢، وفي "الشعب": ٣/ ٤٨٢/ ٤١٢٩

شرح:...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ آبِ زمزم کی منتقلی جائز ہے۔
امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ سے دوسرے شہروں کی طرف آبِ زمزم منتقل کرنا مستحب ہے۔ (تحفة الاحوذی: ۲/۱۲۳)
رہا مریضوں کو پلانے یا ان پر ڈالنے کا مسئلہ تو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ماء زمزم لما شرِب له۔)) (ابن ماجہ: ۳۰۶۲)...... ''زمزم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے، وہ پورا ہو جاتا ہے۔''

حرم کی بیری کاٹنے کا جرم

(۱۰۳۱)۔ عَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَاطِعُ السِّدْرِ يُصَوِّبُ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِيْ النَّارِ۔)) (الصحيحة: ٦١٥)

بھز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بیری کاٹنے والے کو جہنم میں نیچا کرے گا۔''

تخريج: أخرجه البيهقي: ٦/ ١٤١، والطبراني في "الكبير": ١٩/ ٤٢٠/ ١٠١٦

(۱۰۳۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَبْشِيٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِيْ النَّارِ۔)) يَعْنِيْ: مِنْ سِدْرِ الْحَرَمِ۔ (الصحيحة: ٦١٤)

حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بیری کاٹی، اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں جھکائے گا۔'' آپ کی مراد حرم کی بیری تھی۔

تخريج: أخرجه أبو دواد: ٥٢٣٩، والنسائي في "السير": ٢/ ٤٣/ ٢، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٤/ ١١٩ و ١٢٠، واطبراني في "الأوسط": ١/ ١٢٣/ ١، وعنه الضياء المقدسي في " لأحاديث المختارة": ٥٦/ ١٣٦/ ٣، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٦/ ١٣٩

شرح:...... امام ابوداود نے کہا کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی جنگل میں واقع ایسا درخت بغیر کسی فائدے کے کاٹ دے، جس سے مسافر اور چوپائے سایہ حاصل کرتے ہوں۔ (ابوداود: ۵۲۳۹)
مکہ مکرمہ حرمت والا شہر ہے، اس کی حرمت کے مختلف تقاضے مختلف احادیث رسول میں بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ ہے کہ اس سرزمین کے درخت، بلکہ درختوں کے کانٹے بھی نہ کاٹے جائیں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے دن فرمایا: ''بلاشبہ یہ شہر اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت کے دن تک حرام ہے، اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے، اس کا شکار نہ بھگایا جائے،............'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول!

اذخر گھاس کی اجازت دے دیجیے، کیونکہ یہ کاریگروں اور گھروں کے لیے ضروری ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مگر اذخر'' یعنی اذخر کی اجازت دے دی۔ (بخاری: ۱۸۳٤، مسلم ۱۳۵۳)

مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کو بھی عیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک حرمت کا شہر قرار دیا گیا، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لَهَا وَ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا إِبْرَاهِيْمُ حَرَّمَ مَكَّةَ۔)) (بخاری: ۲۱۲۹، مسلم: ۱۳٦۰) ...... ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور میں نے مدینہ کو اسی طرح حرام قرار دیا ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام کیا تھا۔''

اس باب کی احادیث میں حرم کی بیری کاٹنے والے کی سزا بیان کی گئی ہے۔

جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد کیا کرنا چاہیے

(۱۰۳۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، مَضَى وَلَمْ يَقِفْ۔ (الصحيحة: ۲۰۷۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ ﷺ جمرۂ عقبیٰ کو کنکریاں مارتے تو چلے جاتے اور وہاں نہ ٹھہرتے۔''

تخريج: أخرجه ابن في "سننه": ۳۰۳۳

شرح: ...... معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد اس کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

کل تین جمرے ہیں: جمرۂ دنیا، جمرہ وسطی اور جمرۂ عقبہ۔ گیارہ ذوالحجہ کو رمی کا آغاز جمرۂ دنیا سے کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کی مزید توضیح درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (گیارہ ذوالحجہ کو) جمرۂ دنیا کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے، پھر آگے بڑھتے اور ہموار جگہ میں قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور کافی دیر کھڑے رہتے اور دعا کرتے اور ہاتھ اٹھاتے، پھر جمرۂ وسطی کو کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب ہٹ جاتے اور ہموار زمین میں قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور طویل دیر قیام کرتے اور دعا کرتے۔ پھر جمرۂ عقبہ کو وادی کی ہموار جگہ سے کنکریں مارتے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا۔ (بخاری: ۱۷۵۱)

یوم ترویہ سے پہلے مناسکِ حج کی تعلیم دینا

(۱۰۳٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: كَانَ ﷺ إِذَا كَانَ قَبْلَ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ النَّاسَ، فَأَخْبَرَهُمْ بِمَنَاسِكِهِمْ۔ (الصحيحة: ۲۰۸۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یوم الترویہ سے ایک دن پہلے لوگوں سے خطاب کیا اور ان کو مناسکِ حج سے آگاہ کیا۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ۱/ ٤٦۱، وعنه البيهقي: ۵/ ۱۱۱، وابن خزيمة في "صحيحه": ق ۲٤٦/ ۱

شرح:...... ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو یوم الترویہ کہتے ہیں، اسی تاریخ کو ارکان حج کی ادائیگی کا آغاز ہوتا ہے۔

محرم چہرہ ڈھانپ سکتا ہے

(۱۰۳۵)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ: كَانَ ﷺ يُخَمِّرُ وَجْهَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (الصحيحة:۲۸۹۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ احرام کی حالت میں اپنا چہرہ ڈھانپ بھی لیا کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الدارقطني في "العلل": ۳/ ۱۳

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ کرام، تابعین عظام اور مجتہد ائمہ سے بہت سے اقوال منقول ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ محرم کے لیے ضرورت کے وقت چہرہ ڈھانپنا جائز ہے۔ احرام کی حالت میں مرنے والے کے بارے میں آپ ﷺ کی درج ذیل حدیث اس مسئلہ میں تعارض کی حیثیت نہیں رکھتی: ((اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْهِ لَا تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَرَأْسَهُ۔)) (مسلم)......''اس کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اس کو اس کے دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کے چہرے اور سر کو نہ ڈھانپو۔''

کیونکہ اس حدیث میں ایک خاص حکم ہے، جس کا تعلق احرام کی حالت میں مرنے والے سے ہے اور اس باب کی حدیث کا تعلق زندہ لوگوں سے ہے۔ مکمل بحث کے لیے (محلّی ابن حزم) کا مطالعہ کریں۔ (صحیحہ ۲۸۹۹)

منٰی والی راتوں کو بیت اللہ کی زیارت کرنا

(۱۰۳۶)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: كَانَ ﷺ يَزُوْرُ الْبَيْتَ كُلَّ لَيْلَةٍ مِّنْ لَيَالِي مِنًى۔ (الصحيحة:۸۰٤)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ منٰی کی راتوں کے دوران ہر رات کو بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ۱/ ٤٩١، والطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۱۸۱/ ۱، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٥/ ١٤٦

شرح:...... ایام تشریق یعنی ذوالحجہ کی (۱۱، ۱۲ اور ۱۳) تاریخ کو حاجی لوگ منیٰ میں قیام کرتے ہیں، راتیں بھی وہیں گزارنی ہوتی ہیں، البتہ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو زمزم کا پانی پلانے کے لیے اور چرواہوں کو منیٰ سے باہر رات گزارنے کی اجازت دی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منیٰ کی راتوں کے دوران رات کو بیت اللہ کی زیارت کے لیے جایا جا سکتا ہے۔

ملتزم پر چہرہ، ہاتھ اور بازو رکھنا

(۱۰۳۷)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَضَعُ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دورانِ طواف اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں بازو اور دونوں

وَذِرَاعَيْهِ وَكَفَّيْهِ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ، يَعْنِيْ: فِي الطَّوَافِ۔ (الصحيحة:۲۱۳۸)

ہتھیلیاں رکن اور دروازے کے درمیان رکھتے تھے۔

تخريج: أخرجه أبوداود:۱/ ۲۹۷، وابن ماجه:۲/ ۲۲۵، ۲۲۶، والبيهقي:۵/ ۹۳، وكذا عبد الرزاق في "المصنف":۹۰۴۳، والأصبهاني في "الترغيب":۱۳۵/ ۱

شرح:...... معلوم ہوا کہ سینہ، چہرہ، دونوں بازو اور دونوں ہتھیلیاں ملتزم پر رکھنا مستحب ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رکن اور دروازے کے درمیان ملتزم ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۹۰۴۷) رکن سے مراد حجر اسود والا کونا ہے۔

مکہ مکرمہ کی تمام گلیوں میں ہدی اور قربانی ذبح کی جا سکتی ہے

(۱۰۳۸)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ)) (الصحيحة:۲٤٦٤)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ کی تمام گلیاں راستہ اور قربان گاہ ہیں۔''

تخريج: روي من حديث جابر بن عبد الله، وجبير بن مطعم وعبد الله بن عباس

(۱)۔ أما حديث جابر: فأخرجه أبوداود: ۱۹۱۷، والدارمي: ۲/ ۱۵٦۔۱۵۷، وابن ماجه: ۳۰٤۸، والطحاوي في "مشكل الآثار": ۲/ ۷۳، والحاكم: ۱/ ٤٦۰، والبيهقي: ۵/ ۲۳۹، وأحمد: ۳/ ۳۲٦

(۲)۔ وأما حديث جبير: فأخرجه ابن حبان:۱۰۰۸، وأحمد: ٤/ ۸۲

(۳)۔ وأما حديث ابن عباس: فرواه الطبراني في "الأوسط": و"الصغير"

شرح:...... یہ حدیث مبارکہ بیان کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ جہاں سے آپ ﷺ گزرے ہیں اور جہاں آپ نے قربانی کی، وہیں سے گزرنا اور وہیں قربانی کرنا ضروری ہے، شرعی مسئلہ یہ ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہونے کے لیے کوئی راستہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مکہ میں اور منی میں کہیں بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔

کیا ہدی یا قربانی کے عوض ان کی قیمت دی جا سکتی ہے اور......؟

(۱۰۳۹)۔ عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه، قَالَ: كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُوْمَ الْهَدْيِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (الصحيحة: ۸۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قربانی کا گوشت بطورِ زادِ راہ رکھ لیتے اور وہ مدینہ منورہ تک ہمارے پاس رہتا۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ۳/ ۳۰۹، واخرجه البخاري: ٦/ ۲۳۹ من طرق اخرى، ومسلم

شرح:...... امام البانی رقمطراز ہیں: جب بعض لوگ دیکھتے ہیں کہ عید الاضحیٰ اور حج کے موقع پر منی میں ہدیوں اور

قربانیوں کا گوشت پرندوں اور درندوں کی خوراک بن جاتا ہے، یا پھر بڑی بڑی خندقیں کھود کر ان میں پھینک دیا جاتا ہے، تو وہ آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور اس امر کو ملامت کرنے لگتے ہیں۔ بعض نام نہاد مفتیوں نے تو یہ فتوی بھی پیش کر دیا ہے کہ گوشت کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ منی میں ذبح ہونے والے جانوروں کی قیمت فقرا میں تقسیم کر دی جائے یا پھر مسلم ممالک میں ان کا متبادل بھیج دیا جائے۔ اس فتوے میں جو ظلم اور ناانصافی برتی گئی ہے اور نصوصِ شرعیہ کی جس قدر مخالفت کی گئی ہے، فی الحال میں اس پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔

میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ کئی اسباب کی بنا پر اس ملامت کے ذمہ دار مسلمان خود ہیں، ایک سبب یہ ہے کہ یہ لوگ سلف صالحین کے طرزِ حیات کو مدنظر نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جانور ذبح کر کے اور اس کی کھال اتار کر گوشت کے ٹکڑے بنا لیں، خود بھی کھائیں اور فقرا و غربا کو بھی پیش کریں، جو گوشت بچ جائے اس کے پارچے بنا کر اور ان کو نمک لگا کر دھوپ میں سکھا لیں یا پھر نمک کی زیادہ مقدار ڈال کر گوشت کو آگ پر پکا کر خشک کر لیا جائے، نیز گوشت کو سٹور کرنے کے لیے کوئی اور سائنسی طریقہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر مسلمان ہدیوں کے گوشت کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے یہ اسباب اور دوسرے وسائل استعمال کریں تو اللہ تعالی کے حکم سے سرے سے شکایت ہی ختم ہو جائے گی۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ اکثر لوگ ادائیگیٔ حج کے لیے دیارِ مقدسہ میں پہنچ جاتے ہیں، لیکن بیچارے حج کے ضروری احکام سے جاہل ہوتے ہیں، چہ جائیکہ دوسرے اسلامی آداب اور عام ثقافتِ اسلامیہ کی بات کی جائے۔ واللہ المستعان۔ (صحیحہ: ۸۰۵)

یہ بدنصیبی ہے کہ آج کل لوگ حج کے لیے پچھلی عمر کا انتخاب کرتے ہیں اور جہالت اور پست ہمتی کی وجہ سے حرم میں اپنی رہائش گاہوں میں پڑے رہتے ہیں اور ارکان حج تک کی ادائیگی نہیں کرتے اور واپس آ کر "حاجی صیب" کہلوانے کا شوق پورا کرتے ہیں۔

عورتوں نے بال کٹوانے ہیں، منڈوانے نہیں

(۱۰۴۰)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا: ((لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ، إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيْرُ۔)) (الصحيحة: ٦٠٥)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے لیے بال منڈوانا نہیں ہیں، ان پر صرف بال کٹوانا ہیں۔"

تخريج: أخرجه أبوزرعة في "تاريخ دمشق": ٨٨/ ١، والدارقطني في "سننه": صـ ٢٧٧، والدارمي في "سننه": ٢/ ٦٤، والبيهقي: ٥/ ١٠٤

شرح:...... مردوں کو حج و عمرہ کے موقع پر بال کاٹنے یا مونڈنے کا حکم دیا گیا ہے اور مونڈنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، لیکن عورتیں بال صرف کٹوائیں گی اور وہ اس طرح کی چٹیا کے آخر سے دو تین انگلیاں بال کاٹ لیں۔

یوم عرفہ کی فضیلت

(١٠٤١)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَر مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُو، ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ، فَيَقُوْلُ: مَاأَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟)) (الصحيحة:٢٥٥١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی دن ایسا نہیں ہے، جس میں اللہ تعالی باقی دنوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتے ہوں، مگر عرفہ کا دن۔ اللہ تعالی اس دن کو (اپنے بندوں کے) قریب ہوتے ہیں اور فرشتوں پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''

تخريج: أخرجه مسلم ٤/ ١٠٧، والنسائي: ٢/ ٤٤، وفي"الكبرى": أيضا ق٨٣/ ١، وابن ماجه: ٣٠١٤، والدارقطني في"سننه": ص٢٨٩، وكذا البيهقي: ٥/ ١١٨، وابن عساكر في جزء "فضل عرفة": ق٢/ ٢

شرح:...... نو (۹) ذوالحجہ کو عرفہ کا دن ہوتا ہے، جس دن حاجی لوگ عرفہ مقام پر جمع ہوتے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیوطی رحمہ اللہ نے (الجامع الکبیر) میں اس حدیث میں لفظ ''عَبْدًا'' کے بعد لفظ ''أُمَّةً'' کا اضافہ کیا ہے، لیکن یہ زیادتی بے بنیاد ہے۔

اسی طرح ترغیب میں لفظ ''لَيَدْنُو'' کے بعد لفظ ''يَتَجَلّٰى'' کا اضافہ ملتا ہے، یہ زیادتی بھی منکر اور بے بنیاد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لفظ ''يَتَجَلّٰى'' کی زیادتی، لفظ ''أُمَّةً'' کی بہ نسبت زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ اس سے معنیٔ حدیث تبدیل ہو رہا ہے اور وہ اس طرح کہ اس حدیث میں بیان کی گئی اللہ تعالی کی صفت ''قریب ہونے'' کا مفہوم ''اس کی تجلّی'' کی صورت میں بیان کیا جا رہا ہے، جو خلف اور علمائے کلام کے قاعدے کے مطابق صفاتِ باری تعالی کی تاویل کرنا ہے، اور یہ سلف صالحین کا اندازِ تفسیر نہیں ہے۔

جیسا کہ کئی متواتر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے، سلف صالحین کا خیال ہے کہ اللہ تعالی کی اس صفت کی تاویل کی جائے نہ کسی سے تشبیہ دی جائے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ((لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ)) ...... ''کوئی چیز اس (اللہ) کی طرح نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اس نزول سے مراد اللہ تعالی کا حقیقی نزول ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کا نزول مخلوق کے نزول کے مشابہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی صفت قریب ہونا ہے، یعنی جیسے اس کی شان و جلال کو زیب دیتا ہے۔

اللہ تعالی کے نزول اور قریب ہونے کے بارے میں سلف صالحین کا یہ مسلک ہے، آپ کو بھی علم ہونا چاہیے تا کہ آپ ان صفاتِ باری تعالی کی تحریف کر کے منحرف لوگوں میں سے نہ ہو جائیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب بالخصوص (مجموع الفتاوی) میں آپ کو اس قسم کی بحوث کی تفصیل و تحقیق مل سکتی ہے۔ آپ خود (مجموع الفتاوی: ۵/

۴۶۴۔۴۷۸) کا مراجعہ کر سکتے ہیں، انھوں نے یہی حدیث ثابت الفاظ کے ساتھ قلمبند کی ہے اور اس سے عرفہ کی شام اللہ تعالی کے نزول بالذات کا استدلال کیا ہے۔ (صحیحہ: ۲۵۵۱)

تکلیف دہ اور غلط نذر کو توڑ دینا چاہیے

(۱۰٤۲)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْكَعْبَةِ حَافِيَةً حَاسِرَةً، فَأَتَى عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((مَا بَالُ هٰذِهِ؟)) قَالُوْا: نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْكَعْبَةِ حَافِيَةً حَاسِرَةً! فَقَالَ: ((مُرُوْهَا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَحُجَّ وَلْتُهْدِ هَدْيًا۔)) (الصحيحة: ۲۹۳۰)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میری بہن نے نذر مانی کہ وہ کعبہ کی طرف ننگے پاؤں اور ننگے سر جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور پوچھا: ''اس کو کیا ہوا۔'' لوگوں نے کہا: اس نے کعبہ کی طرف ننگے پاؤں اور ننگے سر جانے کی نذر مانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو حکم دو کہ وہ سوار ہو جائے اور چادر اوڑھ لے اور حج ادا کرے اور ہدی پیش کرے۔

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني": ۲/ ۷٤، والطبراني في "المعجم الكبير": ۱۷/ ۳۲۰/ ۸۸٦، والروياني في "مسنده": ۱۹/ ٦/ ۱، ورواه الشيخان وغيرهما مختصرا جدا بلفظ: ((لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ۔))

شرح:...... معلوم ہوا کہ نافرمانی پر مشتمل نذر کو پورا کرنا ناجائز ہے، کئی احادیث سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

وادیٔ محصّب میں قیام کرنا سنت ہے

(۱۰٤۳)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ النُّزُوْلُ بِـ(الْأَبْطَحِ) عَشِيَّةَ النَّفَرِ۔ (الصحيحة: ۲٦۷۵)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ادائے حج کے بعد) روانگی کی شام کو ابطح وادی میں قیام کرنا سنت ہے۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ۱/ ۱۹۸/ ۲۔۱۹۹/ ۱

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جونہی (المعجم الأوسط) کا مصور نسخہ مجھے ملا تو میں نے اس حدیث کی تخریج پیش کرنے میں جلدی کی، کیونکہ یہ حدیث بڑی عظیم الشان تھی اور بہت کم مخرجین نے اس کو بیان کیا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کی درج ذیل روایت کا قوی شاہد ہے:

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وادیٔ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے یہ مسلک وصول کیا ہو، اس طرح ان کی رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی شاہد کی وجہ سے قوی ہو جائے گی۔ اور یہ حقیقت اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ ابن

عمر کی رائے کی بہ نسبت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے وادیٔ مُحصّب میں قیام کرنے پر قوی دلالت کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ سیدنا ابن عمر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کے بہت زیادہ پابند تھے، حتی کی ان امور میں بھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاقاً صادر ہوتے تھے، نہ کہ قصداً۔ اس دعوے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، امام منذری رحمہ اللہ نے اپنی ترغیب کے شروع میں بعض کا ذکر کیا ہے۔ رہا مسئلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا، تو وہ تو آثار کی پیروی کرنے سے منع کرتے تھے، جب وہ بالجزم اس رائے کا اظہار کریں گے کہ وادیٔ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے تو دل مطمئن ہو کر اس امر کی طرف مائل ہوگا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایسی سنت ہے، جس کا التزام کرنا مقصود ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم منیٰ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: ((نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ۔)) ...... ''ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے، جہاں انھوں نے کفر پر ایک دوسرے سے معاہدہ کیا تھا۔'' (بخاری، مسلم)

چونکہ قریش اور بنو کنانہ نے اس مقام پر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف یہ معاہدہ پاس کیا تھا کہ وہ اُن سے نکاح کریں گے نہ بیعت، جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کر دیں۔ خیف بنی کنانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد وادیٔ محصّب تھی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے (زاد المعاد) میں کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اس مقام پر اسلام کے شعائر کا اظہار کیا جائے، جہاں کافروں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے کفر کے شعائر کا اظہار کیا تھا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفر و شرک کے مقامات پر توحید کے شعائر کا قیام عمل میں لاتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد طائف، لات و عزی کے مقام پر تعمیر کی جائے۔

رہا مسئلہ صحیح مسلم کی اس روایت کا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وادیٔ ابطح (وادیٔ محصّب) میں اترنا سنت نہیں ہے اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پڑاؤ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

محققین نے ان روایات کے دو جوابات دیے ہیں: (۱) مثبت کو منفی کرنے والے پر مقدم کیا جاتا ہے، (۲) سرے سے ان دو میں کوئی تضاد اور تناقض نہیں ہے، کیونکہ نفی کرنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ اس مقام پر اترنا حج کے مناسک میں سے نہیں ہے کہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم آئے اور ثابت کرنے والوں نے چاہا ہے کہ تمام افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے، وہ بھی اس چیز کو لازم نہیں قرار دیتے۔

مکہ کی وادی کے بہاؤ کی جگہ کو ابطح کہتے ہیں، اس کی جمع ''بطاح'' اور ''اباطح'' آتی ہے۔ اسی سے ''قریش البطاح'' کہا جاتا ہے، یعنی وہ لوگ جو مکہ کی ابطح وادیوں میں اترتے تھے۔

وادیٔ محصّب میں اترنے کو ''تحصیب'' کہتے ہیں، یہ وہ گھاٹی ہے جو مکہ اور منی کے درمیان ابطح کی طرف نکلتی ہے، یہی خیف بنی کنانہ بھی ہے۔ (صحیحہ: ۲٦٧٥)

صفا ومروہ کی سعی کے دوران دوڑنا

(١٠٤٤)۔ عَنْ أُمِّ وَلَدِ شَيْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: ((لَا يُقْطَعُ الْأَبْطَحُ إِلَّا شَدًّا۔)) (الصحيحة:٢٤٣٧)

حضرت ام ولد شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ صفا اور مروہ کے (درمیانی ہموار حصے) میں دوڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''وادیٔ ابطح کو طے نہ کیا جائے، مگر دوڑ کر۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:٢٩٨٧، وأحمد:٦/ ٤٠٤۔٤٠٥، والطبراني في "الكبير": ٢٥/ ٩٧/ ٢٥٣، وروى النسائي: ٢/ ٤٢ نحوه

شرح: ...... اس حدیث کا یہی مفہوم ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں پیش کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ صفا پر چڑھے، وہاں کے مخصوص اعمال کے بعد مروہ کی طرف جانے کے لیے جب اترے اور آپ کے دونوں پاؤں وادی کے نشیب میں پڑے تو دوڑے، حتی کہ آپ نشیب سے اوپر چڑھ گئے۔ (مسلم: ۱۲۱۸)

عورت محرم کے ہمراہ حج کرے

(١٠٤٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا تَحُجُّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ۔)) قَالَ رَجُلٌ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنِّي اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَامْرَأَتِيْ حَاجَّةٌ؟ قَالَ: ((اِرْجِعْ فَحُجَّ مَعَهَا۔)) (الصحيحة:٣٠٦٥)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے۔'' ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! فلاں غزوے میں میرے نام کا اندراج کیا جا چکا ہے، جبکہ میری بیوی حج کے لیے روانہ ہونے والی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم واپس چلے جاؤ اور اس کے ساتھ حج ادا کرو۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده"، والطحاوي في "شرح المعاني": ١/ ٣٥٦، والدارقطني في "سننه": ٢/ ٢٢٢/ ٣٠، ورواه الطبراني في "الكبير": ١١/ ٢٤٩/ ١١٦٣٨، وفي "الاوسط": ٢/ ٢٢٩/ ٥٨٤٢ مختصرا

شرح: ...... کئی احادیث میں عورت کو محرم یا خاوند کے بغیر سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، کوئی عورت بھی محرم یا خاوند کے بغیر ادائے حج کے لیے نہیں جا سکتی، اگرچہ وہ مالدار اور صاحب استطاعت ہو۔ آج کل کے حالات نے اس معاملے میں ایسے ایسے تلخ حقائق کا انکشاف کیا ہے کہ اس امر کے جواز پر اصرار کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

روحِ اسلام سے بعید کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آج کل ہوائی جہازوں اور دوسرے مخصوص ذرائع سفر میں عورت کا اکیلا سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایک مقام سے عورت کو بٹھا دیا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر اس کو وصول کر لیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی خدمت میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے، مجھے قابل اعتماد لوگوں نے بتلایا ہے کہ ایک مصری آدمی ریاض (سعودی عرب) میں سکونت پذیر تھا، اس نے اپنی بیوی کو مصر سے ہوائی سفر کے ذریعے اپنے پاس بلایا، اس

کی بیوی اکیلی تھی، غالباً کسی میزبان خاتون نے جہاز کے کپتان وغیرہ کو اس عورت اور اس کے حسن کے بارے میں بتلا دیا۔ جہاز کی انتظامیہ نے فنی خرابی کا بہانہ بنا کر جہاز کو راستے میں کسی ایئر پورٹ پر اتار دیا اور لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اتنے وقت کے لیے ہوٹل میں چلے جائیں، پھر انھوں نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کی۔ جب یہی عورت ریاض پہنچی اور اپنے شوہر سے ملی تو اس کی چیخیں نکل گئیں، خاوند کے اصرار پر اس نے ساری حقیقت بیان کر دی۔ شاید اسے کوئی سبق حاصل ہو گیا ہو۔

اسی قسم کا ایک سنگین واقعہ بہاولپور کے علاقے میں ڈیوو بس سروس پاکستان کی ایک گاڑی کی میزبان لڑکی کے ساتھ پیش آیا، قلم ساری صورتحال بیان کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

لہٰذا ہم ان لوگوں سے گزارش کریں گے، جن کو ابھی تک ان رسوائیوں کا تجربہ نہیں ہوا کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہوئے اپنی بہنوں بیٹیوں کی عزتوں کے تاج کی حفاظت کرتے رہیں اور محرم کے بغیر ان کو کسی سفر پر روانہ نہ کریں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر کوئی خاتون محرم کے بغیر حج یا عمرہ کے لیے چلی جاتی ہے تو اس کا حج صحیح ہو گا، لیکن وہ اکیلا سفر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو گی۔

مزدلفہ کی صبح کو حاجیوں کے اجتماع پر رحمتِ الٰہی

(١٠٤٦)۔ عَنْ بِلَالِ بْنِ رَبَاحٍ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ غَدَاةَ جَمْعٍ: ((يَابِلَالُ أَسْكِتِ النَّاسَ .)) ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَطَوَّلَ عَلَيْكُمْ فِيْ جَمْعِكُمْ هٰذَا، فَوَهَبَ مُسِيْئَكُمْ لِمُحْسِنِكُمْ، وَأَعْطَى مُحْسِنَكُمْ مَاسَأَلَ، اِدْفَعُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ۔))

(الصحيحة:١٦٢٤)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کی صبح کو فرمایا: ”بلال! لوگوں کو خاموش کراؤ۔“ پھر فرمایا: ”بیشک اللہ تعالی نے تم پر احسان (اور مہربانی) کی ہے اور تمہارے نیکوکاروں کی وجہ سے بروں کو بھی عطا کر دیا ہے اور نیکوکاروں نے جو کچھ مانگا ہے، انہیں دے دیا ہے۔ اب اللہ کے نام کے ساتھ واپس چلو۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٣٠٢٤

شرح:...... اس میں مزدلفہ کے مقام پر جمع ہونے والے حاجیوں کے مقام و مرتبہ کا بیان ہے، وہ اتنا بابرکت مقام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کی برکت کی وجہ سے بروں کو معاف فرما دیتا ہے۔

قریشیوں نے دورِ جاہلیت میں تعمیرِ کعبہ میں کیا کمی کوتاہی کی؟
تعمیرِ کعبہ کے بارے میں نبوی اصلاحات
مصلحت سے پہلے مفسدت کو دور کرنا

(١٠٤٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا مَرْفُوْعًا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

((يَاعَائِشَةُ! لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُو عَهْدٍ بِشِرْكٍ، وَلَيْسَ عِنْدِيْ مِنَ النَّفْقَةِ مَايُقَوِّيْ عَلٰى بِنَائِهِ، لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَلَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ، فَأَلْزَقْتُهَا بِالْأَرْضِ، ثُمَّ بَنَيْتُهَا عَلٰى أَسَاسِ إِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ مَوْضُوْعَيْنِ فِيْ الْأَرْضِ بَابًا شَرْقِيًّا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ وَبَابًا غَرْبِيًّا يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ وَزِدْتُّ فِيْهِ سِتَّةَ أَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ۔)) وَفِيْ رِوَايَةٍ: ((وَلَأَدْخَلْتُ فِيْهَا الْحِجْرَ، فَإِنَّ قُرَيْشًا اقْتَصَرَتْهَا حَيْثُ بَنَتِ الْكَعْبَةَ، فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكَ مِنْ بَعْدِيْ أَنْ يَبْنُوْهُ، فَهَلُمِّيْ لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوْا مِنْهُ فَأَرَاهَا قَرِيْبًا مِنْ سَبْعَةِ أَذْرُعٍ۔)) وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهَا: قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْجَدْرِ أَيْ الْحِجْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) قُلْتُ: فَلِمَ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِيْ الْبَيْتِ؟ قَالَ: ((إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفْقَةُ۔)) قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: ((فَعَلَ ذَالِكِ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاؤُوْا، وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاؤُوْا، وَفِيْ رِوَايَةٍ: تَعَزُّزًا أَنْ لَايَدْخُلَهَا إِلَّا مَنْ أَرَادُوْا، فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَهَا يَدَعُوْنَهُ يَرْتَقِيْ، حَتّٰى إِذَا كَادَ أَنْ يَّدْخُلَ، دَفَعُوْهُ، فَسَقَطَ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُ عَهْدِهِمْ فِيْ الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ، لَنَظَرْتِ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِيْ الْبَيْتِ، وَأَنْ

فرمایا: ”عائشہ! اگر تیری قوم کا عہد، زمانۂ شرک کے قریب قریب نہ ہوتا اور میرے پاس کعبہ کی عمارت (کو مکمل کرنے کے) اخراجات بھی نہیں ہیں، تو میں کعبہ کے خزانے کو اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کر دیتا، کعبہ کی عمارت کو گرا دیتا، اس کو زمین کے ساتھ ملا دیتا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا، پھر اس کے دو دروازے رکھتا جو (بلند ہونے کے بجائے) زمین سے ملے ہوتے، ایک دروازہ مشرقی ہوتا، جس سے لوگ داخل ہوتے اور ایک مغربی ہوتا، جس سے لوگ نکل جاتے اور حطیم کی چھ ہاتھ چھوڑی ہوئی جگہ کو کعبہ کی عمارت میں داخل کر دیتا، کیونکہ قریشیوں نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو انھوں نے (اخراجات کی کمی کے باعث اصل عمارت) میں کمی کر دی تھی۔ (عائشہ!) اگر میرے بعد تیری قوم والے دوبارہ اس کی تعمیر کرنا چاہیں تو آؤ میں تمہارے لیے چھوڑی ہوئی جگہ کی نشاندہی کر دیتا ہوں۔“ پھر آپ ﷺ نے ان کو سات ہاتھ کے لگ بھگ جگہ دکھائی۔ ایک روایت میں ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ کہتی ہیں: میں نے (کعبہ کی ایک طرف کے) گھیرے یا حطیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آیا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں۔“ میں نے کہا: تو پھر (قریشیوں نے) اس کو (عمارت میں) داخل نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری قوم کے لیے اخراجات کم پڑ گئے تھے۔“ میں نے کہا: بیت اللہ کا دروازہ اونچا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری قوم (قریش) نے (جان بوجھ کر) ایسے کیا، تاکہ اپنی مرضی کے مطابق بعض لوگوں کو داخل کریں اور مرضی کے مطابق بعض لوگوں کو روک لیں۔“ ایک روایت میں ہے: انھوں نے ایسا اپنی طاقت (اور فخر) کی بنا پر کیا

أُلْزِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ۔)) فَلَمَّا مَلَكَ ابْنُ الزُّبَيْرِ، هَدَمَهَا، وَجَعَلَ لَهَا بَابَيْنِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَمَلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلٰى هَدْمِهِ۔ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ رُوْمَانَ: وَقَدْ شَهِدْتُّ ابْنَ الزُّبَيْرِ حِيْنَ هَدَمَهُ وَبَنَاهُ وَأَدْخَلَ فِيْهِ الْحِجْرَ، وَقَدْ رَأَيْتُ أَسَاسَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِجَارَةً مُتَلَاحِمَةً كَأَسْنِمَةِ الْإِبِلِ مُتَلَاحِكَةً۔ (الصحيحة:٤٣)

تاکہ وہی داخل ہو سکے، جس کے بارے میں ان کا ارادہ ہو۔ (جس آدمی کے داخلے کے بارے میں ان کی مرضی نہیں ہوتی تھی تو) وہ اسے چھوڑ دیتے، وہ داخل ہونے کے لیے سیڑھیاں چڑھتا، لیکن جب داخل ہونے لگتا تو وہ اسے دھکا دے دیتے اور وہ گر جاتا تھا۔ اگر تیری قوم کا عہد، زمانۂ جاہلیت کے قریب قریب نہ ہوتا، تو تو دیکھتی کہ میں حطیم کو بیت اللہ کی عمارت میں داخل کر دیتا اور دروازے کو زمین کے ساتھ ملا دیتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کے دل اس کو اجنبی اور عجیب سمجھنے لگیں گے۔'' جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حکمران بنے تو انھوں نے کعبہ کی عمارت کو گرا دیا اور اس کے دو دروازے رکھ دیے۔ ایک روایت میں ہے: یہی حدیث تھی، جس نے ابن زبیر کو کعبہ کی عمارت گرانے پر آمادہ کیا۔ یزید بن رومان کہتے ہیں: جب عبد اللہ بن زبیر نے عمارت کو گرا کر تعمیر کیا اور حطیم کو اس میں داخل کیا، تو میں بھی موجود تھا، میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد دیکھی، اونٹوں کی کوہانوں کی طرح کے (بڑے بڑے) پتھر تھے، جو باہم جڑے ہوئے، (مستحکم) اور ایک دوسرے میں پیوست تھے۔

تخريج: رواه البخاري: ١/ ٤٤و٤٩١، ٣/ ١٩٧، ٤/ ٤١٢، ومسلم: ٤/ ٩٩۔١٠٠، وأبونعيم في "المستخرج": ٢/ ١٧٤، والنسائي: ٢/ ٣٤۔٣٥، والترمذي: ١/ ١٦٦، وصححه، والدارمي: ٢/ ٥٣۔٥٤، وابن ماجه: ٢٩٥٥، ومالك: ١/ ٣٦٣، والأزرقي في "أخبار مكة": ص١١٤۔١١٥و٢١٨۔٢١٩، وأحمد: ٦/ ٥٧و٦٧و٩٢و١٠٢و١١٣و١٧٦و٢٣٩و٢٤٧و٢٦٢، من طرق عنها

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث دو چیزوں پر دلالت کرتی ہے:

(اول)..... اس اصلاح کو مؤخر کرنا ضروری ہے، جس کی وجہ سے اس سے بڑی مفسدت لازم آتی ہو، فقہا نے اس حدیث سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے: ''دَفْعُ المفسدۃ قبل جلب المصلحۃ۔'' (مصلحت سے پہلے مفسدت کو دور کرنا۔)

(دوم)...... اس حدیث میں کعبہ سے متعلقہ جو اصلاحات بیان کی گئی ہیں، ابھی تک وہ ان کا محتاج ہے، کیونکہ اب وہ سبب زائل ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصلحت کا خیال رکھا تاکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا کرنے سے ان کے دل متنفر ہو جائیں۔ ابن بطال رحمہ اللہ نے بعض علما کے حوالے سے کہا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا خدشہ تھا، وہ یہ تھی کہ یہ لوگ آپ کو فخر کا طالب قرار دیں گے۔

کعبہ سے متعلقہ کل اصلاحات یہ تھیں:

(۱) کعبہ کی توسیع کرنا اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر استوار کرنا، یعنی موجودہ عمارت میں حطیم کا حصہ ملانا، جو چھ ہاتھ لمبا تھا۔

(۲) اس کی زمین کی سطح کو حرم کی زمین کی سطح کے برابر کرنا۔

(۳) مغربی جانب سے دوسرا دروازہ نکالنا۔

(۴) دروازوں کو نیچا رکھنا، تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ کعبہ میں آ جا سکیں۔

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں اپنے دورِ حکومت کے دوران یہ تمام اصلاحات مکمل کر دی تھیں، لیکن اموی حکمرانوں کی ظالمانہ سیاست نے ان اصلاحات کو ختم کر کے کعبہ کو اس کے پہلے ڈیزائن کے مطابق تعمیر کر دیا۔

اس کی تفصیل درج ذیل ہے، جسے امام مسلم اور ابونعیم نے صحیح سند کے ساتھ امام عطا سے یوں بیان کیا: یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں اہل شام نے مکہ پر چڑھائی کی تو بیت اللہ کی عمارت جل گئی، حج کا موسم قریب تھا، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی مرمت نہ کروائی، تاکہ لوگوں کو شامیوں کے خلاف اکسایا جا سکے۔ جب لوگ آئے تو انھوں نے ان سے کہا: لوگو! کعبہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو، کیا میں اس کو مکمل گرا کر (بنائے ابراہیمی پر) از سرِ نو تعمیر کر دوں، یا جتنا حصہ متاثر ہوا ہے، اس کی مرمت کر دوں؟ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے تو یہ ہے کہ آپ صرف متاثرہ حصے کی مرمت کر دیں اور بیت اللہ کی عمارت کو اسی حالت پر رہنے دیں، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور لوگ مسلمان ہوئے۔

آگے سے سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم میں سے کسی کا اپنا گھر جلا ہوتا تو وہ اسے از سرِ نو تعمیر کرتا، تو پھر اپنے ربّ کے گھر کے بارے میں یہ رائے کیوں ہے؟ میں اپنے ربّ سے تین دن استخارہ کر کے کسی ایک رائے پر عزم کروں گا۔ سو انھوں نے تین ایام گزر جانے کے بعد اس رائے پر پکا ارادہ کر لیا کہ بیت اللہ کی عمارت کو گرا دیا جائے۔ لیکن معاملہ یہ ہوا کہ لوگ اس کام کا آغاز کرنے سے کنارہ کشی کر رہے تھے، ان کا خیال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آسمان سے کوئی آفت آ پڑے۔ بالآخر ایک آدمی چڑھا اور ایک پتھر گرایا، جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ کسی آفت میں مبتلا نہیں ہوا تو ان سب نے مل کر عمارت کو سطح زمین تک گرا دیا۔

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عمارت کے ارد گرد ستون بنوا کر ان پر پردے لٹکا دیے اور تعمیر کا کام شروع کروا دیا، حتی کہ دیواریں بلند ہو گئیں۔ پھر انھوں نے کہا: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ کہہ رہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (متن میں مذکورہ حدیث ذکر کی)۔ چونکہ آج مکمل عمارت کے اخراجات بھی موجود ہیں اور مجھے لوگوں سے کوئی ڈر بھی نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے حجر (یعنی حطیم) کی طرف سے پانچ ہاتھ عمارت میں اضافہ کر دیا۔ انھوں نے اتنی زمین کھدوائی تھی کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں دیکھ لی تھیں۔ کعبہ کی لمبائی اٹھارہ ہاتھ تھی، جب انھوں نے عمارت میں اضافہ کیا، تو لمبائی کم نظر آنے لگی، اس لیے اس کے طول میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا، پھر اس کے دو دروازے

بنائے، ایک دخول کے لیے اور ایک خروج کے لیے۔

جب سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اموی خلیفے عبد الملک کو کعبہ کی صورتحال پر مطلع کرنے کے لیے حجاج بن یوسف نے ساری تفصیل لکھ بھیجی اور یہ بتلایا کہ ابن زبیر نے جن بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کی، مکہ مکرمہ کے عادل لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔ لیکن عبد الملک نے جوابی خط میں لکھا: ابن زبیر کی اس تعمیر نو سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے لمبائی کے اضافے کو برقرار رکھو اور حطیم کی طرف سے کیے گئے اضافے کو ختم کر دو اور سابقہ بنیاد پر تعمیر کرو اور اس کے دوسرے دروازے کو بھی بند کر دو۔ پس حجاج نے عمارت گرا کر اس کو سابقہ ڈیزائن کے مطابق تعمیر کروا دیا۔

معلوم ہوا کہ یہ تبدیلی عبد الملک کے حکم پر ظالم حجاج نے کی، لیکن اس سلسلے میں عبد الملک کو خطا ہوئی تھی، میرا خیال ہے کہ بعد میں اس کو جو ندامت ہوئی تھی، اس کی وجہ سے اس کی غلطی جائز و مباح نہیں بن سکتی، جیسا کہ امام مسلم اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ حارث بن عبد اللہ، عبد الملک کے دورِ خلافت میں اس کے پاس آئے۔ عبد الملک نے اس سے کہا: میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے سیدہ عائشہ سے کعبہ کی تعمیرِ نو کے سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں سنی ہو گی۔ حارث نے کہا: کیوں نہیں، میں نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔ عبد الملک نے کہا: تو نے ان کو کیا کہتے ہوئے سنا؟ حارث نے کہا: انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (پھر ساری حدیث ذکر کی)۔ پھر عبد الملک نے کہا: تو نے واقعی ان کو یہ کہتے ہوئے سنا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر کچھ دیر تک عبد الملک اپنی لاٹھی کے ساتھ زمین کریدتا رہا اور کہا: کاش میں نے ایسے نہ کیا ہوتا۔ پھر اس نے ہمت سے کام نہ لیا (اور تعمیر کو ویسے ہی رہنے دیا)۔

ابو قزعہ کی روایت میں ہے کہ عبد الملک بن مروان نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ ابن زبیر کو ہلاک کرے، کہ اس نے (کعبہ کی تعمیرِ نو کے بارے میں حدیث بیان کرنے میں) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹ بولا ہے۔ حارث بن عبد اللہ بن ابو ربیعہ نے اسے کہا: امیر المومنین! آپ اس طرح نہ کہیں، کیونکہ میں نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔ اس پر اس نے کہا: اگر کعبہ کی عمارت گرانے سے پہلے مجھے اس حدیث کا علم ہوتا تو میں اسے اُسی نقشے پر چھوڑ دیتا، جس کے مطابق عبد اللہ بن زبیر نے تعمیر کیا تھا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: عبد الملک کو چاہیے تھا کہ عمارت کو منہدم کرنے سے پہلے تحقیق کرتا اور اہل علم سے سوال کرتا، اسے پتہ چل جاتا کہ آیا اس کے لیے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرنا اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگانا جائز ہوتا؟ جب حارث نے ابن زبیر کی متابعت کی تو عبد الملک پر ان کا صدق واضح ہو گیا تھا۔ حارث کی طرح کچھ دوسرے راویوں نے بھی ابن زبیر کی متابعت کی، اس طرح یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور قرار پائی۔

یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ عبد الملک نے صرف ابن زبیر کے واسطے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سنی تھی، جب

اس کے سامنے حارث نے ابن زبیر کی تصدیق کی تو اس وقت اس نے ندامت کا اظہار کیا، لیکن وہ نادم ہونے کا وقت نہیں تھا۔

ہمیں یہ بات موصول ہوئی ہے کہ کعبہ کے اردگرد مطاف کو وسیع کرنے اور مقامِ ابراہیم کو دوسرے مقام پر منتقل کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ ہم بھی ذمہ داران کو یہی رائے دینا چاہیں گے کہ وہ سب سے پہلے کعبہ کی توسیع پر توجہ دیں اور اس کی عمارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر استوار کریں، تاکہ نبی کریم ﷺ کی عظیم رغبت پوری ہو سکے اور لوگوں کو کعبہ کے دروازے پر ہونے والے ہجوم کی مشکلات سے اور چوکیداروں کے تسلط سے نجات مل سکے، کہ چند درہموں کے عوض جن کی مرضی کے مطابق لوگوں کو داخل کیا جاتا ہے یا روکا جاتا ہے۔ (صحیحہ: ۴۳)

امام البانی کہتے ہیں: بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ کعبہ کے متولی لوگوں نے واقعی مقامِ ابراہیم کو کعبہ کی عمارت سے دور منتقل کر دیا اور اس پر کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی، لیکن اس کی حفاظت کے لیے اس پر شیشے کا ایک صندوق رکھ دیا گیا، جس سے مقام ابراہیم دیکھا جا سکتا ہے، ممکن ہے کہ کسی وقت ہماری تمام آرا کو عملی جامہ پہنا دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

اَلْبُيُوعُ وَالْكَسْبُ وَالزُّهْدُ

خرید وفروخت، کمائی اور زُہد کا بیان

اَلْبُيُوْعُ: لغوی معنی: ''بیع'' کی جمع ہے، بیچنا، خریدنا

اصطلاحی تعریف:..... ایک مال دوسرے کی ملکیت میں دیتے ہوئے اور اس کا مال اپنی ملکیت بناتے ہوئے باہم تبادلہ کرنا۔

اَلْكَسْبُ: کمائی کرنا، حاصل کرنا، اکٹھا کرنا، دولت کمانا

اَلزُّهْدُ: لغوی معنی: کسی چیز کو حقارت یا بے رغبتی یا اس سے پریشانی کی بنا پر چھوڑنا، الگ ہونا

اصطلاحی تعریف:..... مختلف اقوال ہیں:

☆ اخروی راحت کی خاطر دنیوی سکون کو ترک کر دینا۔

☆ جو چیز ملکیت میں نہ ہو، دل میں اس کی حرص نہ رکھنا۔

☆ معدوم اشیا پر افسوس نہ کرنا اور مملوکہ چیزوں پر نہ اترانا۔

☆ دنیا سے بغض رکھنا اور اس سے اعراض کرنا۔

☆ دنیا کی حلال چیزوں کو محاسبہ اور مؤاخذہ کے خوف سے چھوڑنا اور حرام چیزوں کو سزا کے خوف سے ترک کرنا۔

فقر و فاقہ کے بارے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں

مال و دولت کی فراوانی کے نقصانات

آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت غیر مبہم ہے

(۱۰۴۸)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُهُ، فَقَالَ: ((آلْفَقْرَ تَخَافُوْنَ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتُصَبَّنَّ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم غربت و افلاس کا ذکر کر رہے تھے اور اس سے ڈر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم فقر و فاقہ سے ڈر رہے ہو؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے

صَبًّا، حَتّٰى لَا يُزِيغَ قَلْبَ أَحَدِكُمْ إِزَاغَةً إِلَّا هِيَهْ، وَأَيْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ۔)) قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: صَدَقَ، وَاللّٰهِ، رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكَنَا، وَاللّٰهِ، عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ۔ (الصحيحة:٦٨٨)

ہاتھ میں میری جان ہے! تم پر دنیا کے معاملے میں اتنی فراوانی پیدا کر دی جائے گی کہ تمہارے دلوں میں کجی (اور ٹیڑھ پن) پیدا کرنے والی یہی چیز ہوگی۔ اللہ کی قسم! میں نے تم کو ایسی روشن ملت پر چھوڑا ہے، کہ جس کے دن اور رات (روشنی میں) برابر ہیں۔'' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، آپ ہمیں واقعی روشن ملت پر چھوڑ کر گئے ہیں، جس کے دن اور رات برابر ہیں۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٥

شرح:...... اس قسم کی احادیث میں بیان کیے گئے حقائق کو وہ بندہ بآسانی سمجھ سکے گا، جو غریب ہو، صابر و شاکر اور قناعت پسند ہو، شریعت کے احکام اور امیروں اور غریبوں کے مزاجوں کو سمجھتا ہو۔

فقر و فاقہ اور تنگ حالی و تنگ دستی کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کی خاطر ضرورت سے زیادہ فکر مند رہا جائے، غریب صحابہ کرام کا معاملہ ہمارے سامنے ہے، اگر ان کو غربت کی آزمائش میں ڈالا گیا تو اس کے عوض ان کے درجات بھی بلند کیے گئے۔ حالات جیسے بھی ہوں، دنیا کی زندگی گزر جاتی ہے۔ آج ۱۴۲۹ھ کے رمضان کی اکیس تاریخ ہے، روزے کی وجہ سے بھوک، پیاس، تھکاوٹ اور کمزوری جیسی خاصی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں، لیکن بالآخر بیس روز گزر چکے ہیں اور باقی ماندہ دن بھی گزر جائیں گے۔ جن کے گھر سحری اور افطاری کا پر تکلف انتظام ہوتا ہے، ان کے دن بھی گزر رہے ہیں اور جن کے گھر رزق کی معمولی اور بے مزہ مقدار ہوتی ہے، شب و روز ان کے بھی بیت رہے ہیں، بہر حال حشر کے میدان میں مؤخر الذکر لوگوں کا حساب و کتاب انتہائی آسان ہوگا۔

دنیوی آسائشیں، اللہ تعالی کے انعامات میں سے ہیں، وہ مال و دولت کی صورت میں ہوں یا عہدہ و منصب کی صورت میں۔ بہر حال دنیا نے اکثر لوگوں کو اپنے اثرات کا پابند کر دیا اور ان کو اسلامی مزاجوں کا نہیں رہنے دیا۔ وہ آسائشوں اور سہولتوں کے اس قدر غلام بن جاتے ہیں کہ فقر و فاقہ میں مبتلا لوگوں کے مصائب کو پہچاننا ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ بہر حال کوئی دولتمند ان حقائق سے اتفاق نہیں کرے گا، کیونکہ وہ اپنے دماغ کے فیصلے کے مطابق اپنے آپ کو انسانِ کامل سمجھتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ فیکٹریوں اور صنعتوں کے مالکان، اعلی پیمانے کے تجار، مساجد و مدارس کی انتظامیہ، جن کے گھروں کے ماہوار اخراجات لاکھوں روپوں پر مشتمل ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے ماتحتوں کو تین چار ہزار پر ہی گزارا کرنا چاہیے اور اس پر مستزاد یہ کہ اتنی معمولی تنخواہ دے کر اپنا رعب جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں، جیسے آقا اپنے غلام سے سلوک روا رکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ جس شریعت کے ہمراہ تشریف لائے، وہ انتہائی واضح اور غیر مبہم ہے، اس کے کسی گوشے کے

بارے میں ادنیٰ قسم کے تردّد میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال وہی شخص اس حقیقت کا قائل ہو سکے گا، جو فہم دین کو اپنی زندگی کی ضرورت سمجھتا ہے اور اس میں دلچسپی لیتا ہے۔ جو آدمی اہل اسلام کے فرقوں پر کیچڑ اچھالے گا، علما وفقہا پر طعن کرے گا، غیر مطمئن ہونے کا اظہار کرے گا اور اس قسم کے سوال کرے گا کہ وہ کس فرقے کے فتوے کو معتبر اور کس کی بات کو غیر معتبر گردانے۔

ہمارا ربّ شاہد ہے کہ حقیقت میں ایسے لوگوں نے اسلام کو اپنی زندگی کی حقیقی ضرورت نہیں سمجھا اور اس کو سمجھنے کے لیے کبھی سنجیدہ نہیں ہوئے اور کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ پڑھنے یا اس کو سمجھنے میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ انھوں نے اہل اسلام پر کمینٹری کرنے اور ان کے کیڑے نکالنے کو اپنی ذمہ داری سمجھ رکھا ہے۔ ہم ان لوگوں سے یہ اپیل کریں گے کہ تم نے دنیوی علوم وفنون میں دلچسپی لی اور انجینیئر بن گئے، سائنسدان بن گئے، ڈاکٹر بن گئے، بینکر بن گئے، سیاستدان بن گئے، اعلیٰ پیمانے کے تاجر بن گئے اور پروفیسر بن گئے اور تم انگریزی زبان بھی سمجھنے لگ گئے، اردو دان بن گئے، فارسی دان بن گئے، جس ملک میں گئے اس کی زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ لیکن ہائے افسوس کہ نہ اسلام سمجھ آیا، نہ قرآن سمجھا جا سکا، نہ حدیث کو آسان قرار دیا گیا، نہ عربی زبان پر عبور حاصل ہو سکا اور حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکی۔

اپنی ہی اداؤں پہ غور کرو ذرا
اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

کیا موت اور قلت مال پسندیدہ چیزیں ہیں

(۱۰۴۹)۔ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ مَرْفُوْعاً: ((اِثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ: يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ، وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ، وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔)) (الصحيحة:۸۱۳)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم کا بیٹا دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے: (۱) موت کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ موت مومن کے لیے فتنے سے بہتر ہے اور (۲) قلتِ مال کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ مال کی کمی قیامت والے دن حساب کے ہلکا ہو جانے کا باعث ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٥/ ٤٢٧ و٤٢٧-٤٢٨، وأبو عمرو الداني في "الفتن": ١٧٩/ ١، و البغوي في "شرح السنة": ١٤/ ٢٦٧/ ٤٠٦٦

شرح: ...... جب فتنوں کا دور ہو اور برائیوں میں ملوث ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے، فرائض وواجبات کی ادائیگی میں مشکلات پیش آ رہی ہوں، ہر وقت جان وعزت و مال کو خطرہ لاحق ہو، گھر بار اطمینان سے خالی ہو گئے ہوں، تو ایسے حالات میں زمین کی پشت کی بجائے اس کا پیٹ بہتر ہوتا ہے۔

رہا مسئلہ قلتِ مال یا کثرتِ مال کے بہتر ہونے کا، تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار کرنا ناممکن ہے کہ دین کی حفاظت کے لیے، ارکانِ اسلام کی ادائیگی کے لیے اور کئی مفاسد سے بچنے کے لیے قلتِ مال بہترین ذریعہ ہے،

یقین مانیئے کہ اگر گزر بسر کے بقدر رزق نصیب ہو جائے تو دنیا کا حقیقی سکون مل جاتا ہے۔ یہ غربت ہی ہے جو بچوں کو دینی تعلیم دینے، قرآن مجید حفظ کرنے اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے حصول پر آمادہ کرتی ہے اور یہی لوگ ہیں کہ دین کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے جن کی اکثریت کو استعمال کیا گیا۔ مزاج میں سادگی اور ہر آدمی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ان ہی لوگوں وطیرہ ہے۔ اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے کہ مسکین لوگ، امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں۔ بہر حال یہ ایسے حقائق ہیں جو امیر زادوں اور مال و دولت کے طلبگاروں کے لیے ناقابل تسلیم ہیں۔

قارئین کرام! ذہن نشین رہے کہ جب قلتِ مال کی مدح اور کثرتِ مال کی مذمت کی جاتی ہے تو اس وقت کسی خاص امیر یا غریب فرد کو سامنے نہیں رکھا جاتا، بلکہ مطلق ماحول پہ نگاہ ڈال کر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

قلتِ مال خیر کی علامت ہے

(۱۰۵۰)۔ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّهَا سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا حَتّٰى تُنَجِّدُوْا بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُنَجَّدُ الْكَعْبَةُ۔)) قُلْنَا: وَنَحْنُ عَلٰى دِيْنِنَا الْيَوْمَ؟ قَالَ: ((وَأَنْتُمْ عَلٰى دِيْنِكُمُ الْيَوْمَ۔)) قُلْنَا: فَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ، أَمْ ذٰلِكَ الْيَوْمُ؟ قَالَ: ((بَلْ أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ۔))

(الصحيحة: ٢٤٨٦)

حضرت عون بن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم پر دنیا کھول دی جائے گی، حتی کہ تم اپنے گھروں کو کعبہ کی طرح پردوں سے آراستہ کرو گے۔'' ہم نے کہا: کیا ہم اس وقت اپنے دین (اسلام) پر نہ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(جی ہاں) تم اس وقت اپنے دین پر ہی ہو گے۔'' ہم نے کہا: ہم اُس وقت بہتر ہوں گے یا آج؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم آج بہتر ہو۔''

تخريج: أخرجه البزار فى "مسنده": ٣٦٧١

شرح:...... قارئین کرام! اگر آپ شرعی تقاضوں اور شریعت کے مزاج کو سمجھتے ہوں اور غیرت وحمیت سے متصف ہوں اور دو دین دار آدمیوں سے آپ کا واسطہ پڑے، جبکہ ان میں سے ایک مال و زر کا مالک ہو اور دوسرا فقر و فاقہ میں مبتلا، تو آپ غریب کو عجز و انکساری والا، نرمی و سہولت والا، دلوں کا سہارا بننے والا، بے تکلف اور قدر دان پائیں گے۔ الا ماشاء اللہ۔

فقر وفاقہ کی وجہ سے عند اللہ مقام ومرتبہ میں اضافہ

(۱۰۵۱)۔ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلّٰى بِالنَّاسِ خَرَّ رِجَالٌ مِنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ، لِمَا بِهِمْ

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو اصحابِ صفہ کے کچھ لوگ حالتِ قیام میں بھوک کی وجہ سے گر جاتے

مِنَ الْخَصَاصَةِ، وَهُمْ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ، حَتَّى يَقُوْلَ الْأَعْرَابُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ مَجَانِيْنَ، فَإِذَا قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ. فَقَالَ: ((لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَالَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَأَحْبَبْتُمْ لَوْ أَنَّكُمْ تَزْدَادُوْنَ حَاجَةً وَفَاقَةً.))

(ان کی یہ حالت دیکھ کر) بدّو کہتے تھے کہ یہ لوگ پاگل ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز پوری کرتے اور ان کی طرف متوجہ ہوتے تو فرماتے: ''اگر تمھیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالی کے ہاں تمہارا کیا (حسنِ انجام) ہوگا تو تم پسند کرو گے کہ تمہاری حاجت وضرورت اور فقر وفاقہ میں اضافہ ہو جائے۔''

(الصحيحة:٢١٦٩)

تخريج: أخرجه الترمذي:٢٣٦٩، وابن حبان:٢٥٣٨، وأحمد:٦/ ١٨، ١٩، وأبونعيم في "الحلية": ٢/ ١٧

شرح: ...... رزق کی کمی بیشی کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں، بہرحال اگر کوئی آدمی فقر وفاقہ میں مبتلا ہونے کے باوجود شرعی فرائض وواجبات اور اورنوافل ومستحبات کی ادائیگی سے غفلت نہیں برتتا تو اس کے لیے ہزار دفعہ خوشخبری ہے۔

بقدر ضرورت روزی کی فضیلت

(١٠٥٢)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مَرْفُوْعاً: ((قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافاً وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ.))

(الصحيحة:١٢٩)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''وہ کامیاب ہوگیا، جو اسلام لایا، اسے بقدر ضرورت روزی دی گئی اور اللہ تعالی نے اسے اپنی عطا پر قناعت کرنے کی توفیق بخشی۔''

تخريج: رواه مسلم: ٣/ ١٠٢، والترمذي: ٢/ ١٦٨، والبيهقي: ٤/ ١٩٦، وابن ماجه: ٣١٣٨

(١٠٥٣)۔ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ الرِّزْقِ الْكَفَافُ.))

(الصحيحة:١٨٣٤)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بقدر ضرورت رزق بہترین ہے۔''

تخريج: أخرجه وكيع في "الزهد": رقم ١١٣۔ مخطوطتي

شرح: ...... مال ودولت اللہ تعالی کی نعمتِ عظمی ہے، یہ نعمت کئی نیکیاں سرانجام دینے کا سبب بنتی ہے، بہرحال اکثر وبیشتر لوگوں کی حالت کو سامنے رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ اگر بقدر سدرمق روزی اور اس پر قناعت کرنے کی توفیق مل جائے تو اخروی انجام کے لیے وہ بہت بہتر ہے۔

دنیا کی کتنی مقدار کفایت کرتی ہے؟

(١٠٥٤)۔ عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ مَرْفُوْعاً: ((لِيَكْفِ أَحَدَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا خَادِمٌ

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کو دنیا میں ایک خادم اور ایک

وَمَرْكَبٌ۔)) (الصحيحة: ۲۲۰۲) سواری کافی ہونی چاہیے۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ۲/ ۳۰۱، وأحمد: ۵/ ۳٦۰

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سَرْبِهِ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيرِهَا۔)) ...... ''جو شخص تم میں سے اس حالت میں صبح کرے کہ وہ اپنے گھر یا قوم میں امن سے ہو، جسمانی لحاظ سے تندرست ہو اور ایک دن کی خوراک اس کے پاس موجود ہو تو گویا اس کے لیے دنیا، اپنے تمام تر ساز وسامان کے ساتھ، جمع کر دی گئی ہے۔'' یہ حدیث حضرت عبید اللہ بن محصن انصاری، حضرت ابو درداء، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیحہ: ۲۳۱۸)

موجودہ دور، جو عالمِ اسلام کے لیے آزمائش بن چکا ہے، میں اس حدیثِ مبارکہ کی حقانیت کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ بے امنی کا دور دورہ ہے، اکثریت فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور بیماریوں کا عفریت رقص کناں ہے۔ ایسے میں اگر کسی آدمی کو اس کے گھر میں سکون میسر ہے، جسم توانا و تندرست ہے، کھانے پینے کے لیے اتنا ہے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلانا پڑے اور آمد و رفت وغیرہ جیسی ضروریات پوری کرنے کے لیے سائیکل یا موٹر سائیکل وغیرہ جیسی سہولت موجود ہے تو وہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسانات کی بھرمار کر دی ہے۔

امن اور صحت کے ساتھ ایک دن کی خوراک، فی الواقع بہت بڑی نعمت ہے، گویا اسے ایسی آسودگی حاصل ہو گئی جیسی کسی کو ساری دنیا مل جانے پر ہو سکتی ہے۔ اور اگر امن یا صحت نہ ہو تو دنیا بھر کے خزانے بھی انسان کے لیے بیکار ہیں، کیونکہ دولت کے انبار انسان کو امن فراہم کر سکتے ہیں نہ صحت۔ اس میں بالواسطہ یہ نصیحت بھی ہے کہ انسان کو دولت کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے بلکہ صبر و قناعت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ اسی میں امن و سکون اور راحت و آسائش ہے، ورنہ اس سراب کے تعاقب میں وہ سب کچھ ضائع کر سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی روزی کی مقدار

(۱۰۵۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((اللّٰهُمَّ! اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً۔)) (الصحيحة: ۱۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! آل محمد کا رزق گزارے کے مطابق (اور بقدر سد رمق) ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ۲۲۲، ومسلم: ۳/ ۱۰۳ و ۸/ ۲۱۷، وأحمد: ۲/ ۲۳۲، والترمذي: ۲/ ۵۷ بولاق، وابن ماجه: ٤۱۳۹، والبيهقي: ۷/ ٤٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان دو احادیث میں گزران کے مطابق اور بقدر ضرورت روزی زیادہ مال و دولت سے بے رغبتی کی فضیلت بیان کی گئی ہے، تاکہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت پیدا ہو اور دار البقا کو دار الفنا پر ترجیح دی جا سکے۔ فرزندانِ امت کو چاہیے کہ وہ ان دنیوی امور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی پیروی کریں۔

امام قرطبی نے کہا: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ''قُوْت'' کا سوال کیا ہے اور ''قُوْت'' ایسی اشیائے خوردنی کو کہتے ہیں جو بدن کی بقا کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اگر آدمی کی یہ حالت ہو تو وہ امیری اور غریبی دونوں کی آفات سے سالم رہتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۲۵۱، ۲۵۲)

میں (البانی) کہتا ہوں: کوئی شک نہیں کہ گزر بھر اور ضرورت بھر روزی کی کوئی معینہ مقدار نہیں ہے، بلکہ اشخاص، حالات اور اوقات کے ساتھ ساتھ اس کی مقدار میں کمی بیشی آتی رہتی ہے۔ عقلمند مسلمان کو چاہیے کہ وہ فقر و فاقہ کی سختیوں سے بچنے کے لیے اپنے لیے معتدل اور مناسب سا معیارِ زندگی منتخب کر لے اور زائد از ضرورت مال و دولت کے پیچھے مت پڑے، جس کا انجام خوشحالی، آسودہ حالی اور فارغ البالی ہوتا ہے اور کم لوگ ہی ایسی حالت میں ہیں کہ وہ مال و دولت کے جمع کرنے کے انجام بد سے محفوظ رہ سکے ہوں۔ بالخصوص اس پُرفتن اور ذرائع آمدن کی کثرت والے دور میں۔ اللہ تعالی ہم کو اس سے پناہ میں رکھے اور گزر بھر روزی عطا فرمائے۔ (صحیحہ: ۱۳۰)

مگر افسوس ہے کہ آج کا مسلمان مال و دولت کے انبار کو ہی اپنے کامیابی کا راز سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں قناعت شکر و صبر جیسی صفات مفقود ہو چکی ہیں، عام مزدور بھی اپنے رزقِ حلال پر قانع و شاکر نظر آنے کے بجائے راتوں رات کروڑ پتی بننے کے خواب میں مبتلا ہو کر بے چین نظر آتا ہے۔

کاش! ہمیں یہی فکر، آخرت کے بارے میں بھی لاحق ہو جاتی۔

(۱۰۵٦)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَاأَصْبَحَ عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ حَبٍّ وَلَا صَاعُ تَمْرٍ۔)) (الصحيحة: ۲٤۰٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! صبح کے وقت آلِ محمد (ﷺ) کے پاس غلّے یا کھجور کا ایک صاع بھی نہیں ہوتا تھا۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۲/ ۵۳۷، وأحمد: ۳/ ۲۳۸، وأخرجه البخاري: ٤/ ۲٤۲، وأحمد: ۳/ ۱۳۳، والترمذي: ۱۲۱۵ بلفظ: ((ما امسى عند ......)) دون طرفه الاول

(۱۰۵۷)۔ عَنِ النُّعْمَانِ قَالَ: كَانَ ﷺ لَايَجِدُ مَايَمْلَأُ بَطْنَهُ مِنَ الدَّقَلِ، وَهُوَ جَائِعٌ۔ (الصحيحة: ۲۱۰٦)

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے ردی قسم کی کھجور بھی نہیں ہوتی تھی، حالانکہ آپ بھوکے ہوتے تھے۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ۳۲٤، وأخرج مسلم: ۸/ ۲۲۰، والترمذي: ۲۳۷۳، وأحمد: ٤/ ۲٦۸ نحوه

(۱۰۵۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَانَ ﷺ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِياً وَأَهْلُهُ، لَايَجِدُوْنَ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے اہل خانہ کی بھوک کی حالت میں

عَشَاءً، وَكَانَ أَكْثَرَ خُبْزِهِمُ الشَّعِيْرُ۔ (الصحيحة:٢١١٩)

مسلسل کئی راتیں گزر جاتی تھیں، ان کو شام کا کھانا ہی نصیب نہیں ہوتا تھا، (باقی ایام میں) زیادہ تر جو کی روٹی ہی میسر آتی تھی۔

تخریج: أخرجه الترمذي:٣/ ٢٧٢، وابن ماجه:٢/ ٣٢٠، وأحمد:١/ ٢٥٥، ٣٧٣، ٣٧٤، والضياء في "المختارة": ٦٦/ ٨٩/ ١

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کے لیے تیار رہیں

(١٠٥٩)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّكَ، قَالَ: ((اسْتَعِدَّ لِلْفَاقَةِ۔)) (الصحيحة:٢٨٢٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: بیشک میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر فقر و فاقہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده":٤/ ٢٢٩/ ٣٥٩٥، والشجري في "الأمالي":٢/ ٢٠٢

(١٠٦٠)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَاجَتَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِصْبِرْ أَبَا سَعِيْدٍ! فَإِنَّ الْفَقْرَ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنْكُمْ أَسْرَعُ مِنَ السَّيْلِ عَلَى أَعْلَى الْوَادِيِّ، وَمِنْ أَعْلَى الْجَبَلِ إِلَى أَسْفَلِهِ۔)) (الصحيحة:٢٨٢٨)

سعید بن ابوسعید خدری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی محتاجی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوسعید! صبر کرو، کیوں جو بندہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اس کی طرف فقر و فاقہ اتنی تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے، جیسے سیلاب (کا ریلہ) وادی کی بلندی سے اور پہاڑ کی چوٹی سے پستی کی طرف بڑھتا ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٢

شرح:...... نبی کریم ﷺ کے اولین پیروکاروں میں غریب اور فقیر لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اہل کتاب کے مذہبی ادب سے پتہ چلتا ہے کہ سابقہ انبیا و رسل کی اطاعت کرنے والوں کا حال بھی یہی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تلک آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے والوں کی اکثریت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس میں مبتلا رہی۔

قارئین کرام! بلا شک و شبہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اکثر لوگوں نے اس نعمت کے تقاضے پورے نہیں کیے اور یہی دولت ان کے لیے اسلام سے غفلت برتنے کا سبب بن گئی اور ان کے مزاج تبدیل ہو گئے اور علم شریعت سے جاہل ہونے کے باوجود اسلام کو اپنی مرضی اور سہولت پسندی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اسلام کے دفاع کے لیے جن لوگوں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے، طویل طویل سفر کیے، علم شریعت کو

اگلی نسلوں تک منتقل کیا، قرآن مجید کو سمجھنے، اسے یاد کرنے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کے لیے خوب تگ و دو کی اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا عملی اور علمی دفاع کیا، چشم فلک گواہ ہے کہ ایسے لوگوں کی کثیر تعداد کا تعلق غریبوں سے رہا ہے۔

اگر آج بھی جائزہ لیا جائے تو جو لوگ جہاد کرنے، قرآن و حدیث کی تعلیم دینے، شرعی تعلیمات کی تبلیغ کرنے، قرآن مجید حفظ کرنے، مساجد کی صفائی کرنے اور ان میں امامت و خطابت کی ذمہ داریاں ادا کرنے اور خلقِ خدا کی خدمت کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں، ان کی اکثریت کا تعلق غربت سے ہے۔

ذہن نشین رہے کہ ہم کسی مخصوص امیر یا غریب فرد پر نہیں، بلکہ ماحول پر بحث کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ ایسے حقائق ہیں، جو سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والے کے لیے نا قابل تسلیم ہیں۔

غریبوں کی وجہ سے رزق ملنا

(١٠٦١)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ أَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَفِي رِوَايَةٍ: يَحْضُرُ حَدِيْثَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَجْلِسَهُ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا أَخِي لَا يُعِيْنُنِي بِشَيْءٍ۔ فَقَالَ ﷺ: ((لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ۔)) (الصحيحة:٢٧٦٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو بھائی تھے، اُن میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور ایک روایت میں ہے: ایک آپ ﷺ کی گفتگو اور مجلس میں حاضر رہتا، جبکہ دوسرا کمائی کرنے میں (مصروف رہتا تھا)۔ کمائی کرنے والے نے نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی اور کہا: اے اللہ کے رسول: یہ میرا بھائی میرے (کام کاج میں میری) کوئی معاونت و مدد نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تجھے اسی کی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢٣٤٦، والحاكم: ١/ ٩٣۔ ٩٤، والروياني في "مسنده": ق ٢٤١/ ١، وابن عدي في "الكامل": ٢/ ٦٨٢، وابن عبد البر في "جامع بيان العلم": ١/ ٥٩ والرواية الأخرى له وكذا الزيادة، والضياء المقدسي في "المختارة": ١/ ٥١٢

شرح:...... سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِبْغُوْنِي [اِبْغُوْا لِيْ] اَلضُّعَفَاءَ، فَإِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ۔)) (ابوداود: ٢٥٩٤)...... ''تم میرے لیے کمزوروں کو تلاش کرو، یقیناً ان ضعفا کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں روزی دی جاتی ہے۔''

اس قسم کی احادیث کی وجوہات یہ بیان کی گئی ہیں کہ کمزوروں، غریبوں اور آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کے دل دنیا کی خوبصورتی اور اس کی جاذبیت سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے ان میں اخلاص اور انابت الی اللہ کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے ان کی التجائیں اور دعائیں بھی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت میں ایک دوسری حدیث زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس امت کے کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد فرماتا ہے۔''

اس باب کی حدیث میں جہاں آپ ﷺ کے ہم نشینوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، وہاں حدیث مبارکہ کے طلبہ کی بھی منقبت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ وہ صحابی آپ ﷺ کی گفتگو کی وجہ سے کام کاج میں اپنے بھائی کا تعاون نہیں کر سکتا تھا۔ اسلیے ہمیں چاہیے کہ ہمارے جو بھائی جامعات میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ان بھائیوں کا گلہ وشکوہ نہ کریں بلکہ دل کھول کر قرآن وحدیث کے طلبہ کی خدمت کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ رزق میں ہمیں جو وسعت عطا کی گئی ہے، یہ انہی کی دعا ومناجات کی وجہ سے ہو۔

فقر وفاقہ کی تلافی کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا جائے

(۱۰۶۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ، لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ، أَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى، إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ، أَوْ غِنًى عَاجِلٍ۔)) (الصحيحة:۲۷۸۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ فاقہ میں مبتلا ہوا (اور اسے پورا کرنے کے لیے) لوگوں کے سامنے پیش کیا، تو اس کا فاقہ پورا نہیں ہوگا اور جس نے اپنی فقیری کو اللہ تعالیٰ پر پیش کیا، تو قریب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو غنی عطا کر دے: جلدی موت کی صورت میں یا جلدی امیری کی صورت میں۔''

تخريج: أخرجه الترمذی :۲۳۲۷، والحاكم :۱/ ۴۰۸، وعنه البيهقی:۴/ ۱۹۶، والطبری فی "تهذيب الآثار": ۱/ ۱۳/ ۱۲ و۱۳، والدولابی فی "الكنی": ۱/ ۹۶، وأبو يعلی فی "مسنده" ۳/ ۱۲۸۶، والبغوی فی "شرح السنة": ۱۴/ ۳۰۱/ ۴۱۰۹، وأخرجه ابوداود: ۱۶۴۵، واحمد: ۱/ ۴۴۲ لكن قيدوا الراوی "سيار" بـ "أبی حمزة"

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے شیخ محمود سبکی (المنهل العذب: ۹/ ۲۸۳) کے کلام کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا: ''بِمَوْتٍ عَاجِلٍ'' (جلد موت) کے دو مفہوم ہیں: (۱) محتاج کا کوئی قریبی فوت ہو جائے گا، جس کا یہ وارث بنے گا۔ (۲) محتاج خود فوت ہو جائے گا اور سرے سے مال سے مستغنی ہو جائے گا۔ ''غِنًى عَاجِلٍ'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی نہ کسی طریقے سے خوشحال اور غنی کر دے گا۔ درج ذیل آیت میں اسی حدیث کا مصداق بیان کیا گیا ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورۂ طلاق: ۲، ۳)...... ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے (ابتلا وآزمائش سے) نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا، جہاں سے اسے کوئی وہم وگمان نہیں ہوگا۔'' (صحیحہ: ۲۷۸۷)

بکریاں بابرکت ہیں

(۱۰۶۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِأُمِّ هَانِيءٍ: ((اِتَّخِذُوْا الْغَنَمَ، فَإِنَّ فِيْهَا بَرَكَةً۔)) (الصحيحة:۷۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام ہانی سے فرمایا: ''بکریاں پالا کرو، کیونکہ بلاشبہ ان میں برکت ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٦/ ٤٢٤، وأبوبكر المقرىء في "الفوائد": ١/ ١١٣/ ١، والخطيب: ٧/ ١١، وابن ماجه: ٢٣٠٤

(۱۰۶۴)۔ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ مَرْفُوْعاً: ((اَلْإِبِلُ عِزٌّ لِأَهْلِهَا، وَالْغَنَمُ بَرَكَةٌ، وَالْخَيْرُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:۱۷٦۳)

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ مالکوں کے لیے باعثِ عزت اور بکری باعثِ برکت ہے اور خیر و بھلائی کو قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢٣٠٥، وأبويعلي في "مسنده": ٤/ ١٦١٤، ورواه الشيخان، والترمذي، والنسائي مقتصرين على قصة الخيل دون اوله

شرح:...... بکری کئی اعتبارات سے اپنے مالکوں کے لیے سکون اور آمدن کا باعث ٹھہرتی ہے: مثلا دن میں تین چار دفعہ دودھ دوہنا اور ضرورت پڑے تو دن رات کے کسی پہر کو دوہ لینا، پانچ چھ مہینوں میں حمل مکمل کر کے دو دو اور تین تین بچے جنم دینا، اس کو چرانے کا آسان ہونا، اس کے گوشت کا مزیدار ہونا اور آسانی کے ساتھ ذبح کر لینا، اس کا غیر مضر اور شرافت بھرا جانور ہونا، اس کے مالکوں میں عاجزی ہونا۔ وغیرہ، وغیرہ۔ ویسے بھی ہم نے اس مہنگائی والے دور میں دیہاتی لوگوں کو دیکھا کہ جس کے پاس دس بارہ بکریاں ہوں، وہ بہترین انداز میں اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کر لیتا ہے۔

اونٹ باعثِ عزت اور گھوڑے باعثِ خیر ہیں

(۱۰٦۵)۔ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ مَرْفُوْعاً: ((اَلْإِبِلُ عِزٌّ لِأَهْلِهَا، وَالْغَنَمُ بَرَكَةٌ، وَالْخَيْرُ مَعْقُوْدٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:۱۷٦۳)

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ مالکوں کے لیے باعثِ عزت اور بکری باعثِ برکت ہے اور خیر و بھلائی کو قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢٣٠٥، وأبويعلي في "مسنده": ٤/ ١٦١٤، ورواه الشيخان، والترمذي، والنسائي مقتصرين على قصة الخيل دون اوله

شرح:...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ

أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ، وَالْفَدَّادِيْنَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ أَهْلِ الْغَنَمِ۔)) (بخاری: ۳۳۰۱، مسلم) ...... ”فخر اور تکبر گھوڑوں اور اونٹوں کے مالکوں میں ہوتا ہے، جو بلند آواز والے دیہاتی لوگ ہوتے ہیں اور سکینت (اور تواضع) بکریوں کے مالکوں میں ہوتی ہے۔“

حافظ بن حجر نے کہا کہ خطابی کہتے ہیں: آپ ﷺ نے اونٹوں اور گھوڑوں کے مالکوں کی مذمت اس بنا پر کی کہ یہ لوگ امورِ دینیہ سے غافل ہو کر اپنے مال مویشیوں میں لگے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سخت دل ہو جاتے ہیں۔

حافظ صاحب نے خود کہا: سکینت کو بکریوں کے مالکوں کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ وسعت اور کثرت میں اونٹوں کے مالکوں سے کم ہوتے ہیں، اور یہی دو چیزیں فخر اور تکبر کا باعث بنتی ہیں۔ (فتح الباری: ۶/ ۴۳۳، ۴۳۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نظام ہے کہ جو فرق بکری اور اونٹ میں ہے کہ بکری شریف اور غیر مضر جانور ہے اور اونٹ باغی اور مضر جانور ہے، ان جانوروں کا یہی مزاج ان کے مالکوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

چونکہ گھوڑا میدانِ جہاد میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے، اس لیے اس کو بابرکت جانور قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ اس کے مالک کی نیت یہی ہو، وگرنہ گھوڑا بھی اونٹ کی طرح وبال بن جاتا ہے، اگر اس کو پالنے سے فخر اور تکبر لازم آتا ہو۔ گھوڑے کی پیشانی میں موجود خیر و بھلائی سے مراد اجر و ثواب اور غنیمت ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ: ((اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، اَلْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ۔))

خرید وفروخت کی ممنوعہ صورتیں

ایک سودے میں بیع بھی اور قرض بھی، ایک سودے میں دو شرطیں

ایسی چیز کا سودا کرنا جو بائع کے پاس نہ ہو

(۱۰۶۶)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلٰى مَكَّةَ، فَقَالَ: ((أَتَدْرِيْ إِلٰى أَيْنَ أَبْعَثُكَ؟ إِلٰى أَهْلِ اللّٰهِ، وَهُمْ أَهْلُ مَكَّةَ، فَانْهَهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ، وَعَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ، وَرِبْحِ مَالَمْ يُضْمَنْ، وَبَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدَكَ۔))

(الصحيحة: ۱۲۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کی طرف (بطورِ حاکم) روانہ کیا اور فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ میں تجھے کہاں بھیج رہا ہوں؟ اہل اللہ کی طرف، جو کہ اہل مکہ ہیں۔ تم نے ان کو ان چار چیزوں سے منع کرنا ہے: (۱) اس سے کہ ایک ہی معاملہ میں بیع بھی ہو اور قرض بھی، (۲) ایک سودے میں دو شرطوں سے، (۳) ایسی چیز کے نفع سے جس کے نقصان کا آدمی ضامن نہ ہو اور (۴) ایسی چیز کی بیع جو تیرے پاس نہ ہو۔“

تخريج: أخرجه البغوي في "حديث عيسى بن سالم الشاشي" ق ۱۰۸/ ۱، وأخرجه أصحاب السنن،

واحمد، والحاکم: ۲/ ۱۷

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (بَیْعٌ وَ سَلَفٌ، ......ایک ہی معاملہ میں بیع بھی اور قرض بھی): ابن اثیر نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے جیسے کوئی آدمی کہے: میں تجھے یہ غلام ایک ہزار کا فروخت کروں گا، بشرطیکہ تو مجھے فلاں سامان میں بیع سلم کرے یا ایک ہزار ادھار دے۔ ایسی صورت میں قرض دینے کا مقصد یہ ہوگا کہ قرضہ لینے والا اس کے بدلے قیمت میں نرمی برتے گا، جس کی حد نا معلوم ہو جاتی ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ منفعت کا سبب بننے والا قرض سود ہوتا ہے۔

بیع سلم: قیمت پیشگی ادا کر کے مبیع (چیز) ایک معین مدت کے بعد وصول کی جائے۔

(شَرْطَیْنِ فِیْ بَیْعٍ): ......ایک سودے میں دو شرطیں): ابن اثیر نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے جیسے کوئی کہے: میں نے تجھے یہ کپڑا ایک دینار کے عوض نقد اور دو دیناروں کے عوض ادھار بیچ دیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک سودے میں دو سودے کیے جا رہے ہوں۔

(بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعٍ: ایک بیع میں دو بیعوں) سے منع کیا گیا ہے، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اس حدیث کے راویوں نے اس اصطلاح کی وہی تعریف کی ہے جو (شَرْطَیْنِ فِیْ بَیْعٍ، ......ایک سودے میں دو شرطیں) کی کی گئی ہے۔ جیسے سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں سماک بن حرب نے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عبد الوھاب بن عطا نے کہا: (بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعٍ: ایک بیع میں دو بیعیں) کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی آدمی کہے: میں تجھے یہ چیز فروخت کروں گا، ایک ماہ کے بعد ادائیگی کی صورت میں قیمت اتنی ہوگی اور دو مہینوں کی صورت میں اتنی۔ (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔)

(وَرِبْحِ مَا لَمْ یُضْمَنْ) :......ایسی چیز کا نفع جس کے نقصان کا آدمی ضامن نہیں بن سکتا): امام خطابی نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ عرفان نے فاروق سے سامان خریدا اور قبضے میں لینے سے پہلے ابراہیم کو فروخت کر دیا۔ ایسی صورت میں اس مال کا ضامن پہلا بائع یعنی فاروق ہوگا۔ جب تک عرفان یہ سامان اپنے قبضے میں لے کر اس کا ضامن نہ بن جائے، اس وقت تک اس کو آگے فروخت کرنا منع ہے۔

(وَبَیْعِ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ، ......ایسی چیز کی بیع جو تیرے پاس نہیں ہے): امام خطابی نے کہا: اس سے مراد بیع العین ہے، نہ کہ بیع الصفہ۔ آپ خود غور کریں کہ بیع سلم کو مدتوں تک جائز قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں بیچنے والا ایسی چیز فروخت کر رہا ہوتا ہے جو معاہدے کے وقت اس کے پاس نہیں ہوتی، یہ بیع الصفہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ جو چیز بائع کے پاس نہیں ہے، وہ اس کا سودا نہ کرے، اس کی وجہ دھوکہ اور غرر ہے، مثلاً بھاگا ہوئے غلام یا آوارہ اور بھاگے ہوئے اونٹ کا سودا کرنا، یہ بیع العین ہے۔ (صحیحہ: ۱۲۱۲)

نقد اور ادھار کے سودے کی قیمت میں فرق
ایک سودے میں دو سودوں کا مفہوم

قارئین کرام! مندرجہ ذیل بحث آسان نہیں ہے، اس لیے دو تین دفعہ اس کا بغور مطالعہ کریں اور تمام پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کریں، یہ اہل علم کے ہاں ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

امام ترمذی نے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ۔ والی حدیث کے بعد کہا: وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا: بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَبِیْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَبِنَسِیْئَةٍ بِعِشْرِیْنَ وَلَا یُفَارِقُهٗ عَلٰی اَحَدِ الْبَیْعَیْنِ ، فَاِذَا فَارَقَهٗ عَلٰی اَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ اِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰی وَاحِدٍ مِّنْهُمَا۔ ......بعض اہل علم نے کہا: ایک سودے میں دو سودوں کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کہے: اگر نقد ادائیگی ہو تو میں تجھے یہ کپڑا دس کے عوض فروخت کروں گا اور ادھار کی صورت میں بیس کے عوض اور پھر بائع اور مشتری کسی ایک قیمت کا تعین کیے بغیر جدا ہو جائیں۔ اگر وہ ایک قیمت کو معین کر کے الگ ہوتا ہے، تو ایسے سودے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں بیع ایک قیمت پر ہوگی۔ (ترمذی: ۲/ ۲۳۵)

امام مبارکپوری نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: بیچنے والا کہتا ہے: میں نقد ادائیگی کی صورت میں تجھے یہ کپڑا دس (درہم) کے عوض اور ادھار کی صورت میں بیس کے عوض فروخت کروں گا۔ آگے سے خریدنے والے نے کہا: میں نقد ادائیگی کروں گا، پھر اس نے دس درہم دے دیے تو سودا درست ہوگا، اسی طرح اگر وہ کہہ دے کہ وہ ادھار کرتا ہے اور بعد میں بیس درہم ادا کرے گا، تو بھی سودا درست ہوگا۔ چونکہ اس صورت میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور ایک قیمت کا تقرر کر لیا گیا ہے اور بائع اور مشتری کی مفارقت ایک معینہ قیمت پر ہوئی ہے، اس لیے اس سودے میں دو سودوں والی صورت باقی نہیں رہی۔

دو سودوں والی یہی تفسیر امام احمد سے منقول ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نَهٰی النَّبِیُّ ﷺ عَنْ صَفْقَتَیْنِ فِیْ صَفْقَةٍ۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو سودوں سے منع فرمایا۔ اس حدیث کے ایک راوی سماک کہتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نقدا اتنے کی ہوگی اور ادھار اتنے کی۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا: امام شافعی نے بھی سماک کی وضاحت کی موافقت کی ہے، جیسا کہ انھوں نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کہے: میں یہ چیز تجھے نقد ایک ہزار کے عوض فروخت کروں گا اور ایک سال تک ادھار کی صورت میں دو ہزار کے عوض دوں گا، اب تیری اور میری مرضی ہے۔ ابن رفعہ نے قاضی سے نقل کرتے ہوئے کہا: اس مسئلہ (کے ممنوعہ ہونے) کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا ابہام کے ساتھ قیمت قبول کر لے، اگر وہ وضاحت کر دے کہ ایک ہزار کے عوض نقد خریدے گا یا دو ہزار کے عوض ادھار خریدے گا، تو یہ سودا درست ہوگا۔

نیز امام شوکانی نے کہا: شافعیہ، حنفیہ، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور علما کا یہ خیال ہے کہ عام دلائل کی روشنی میں یہ

بیع جائز ہے اور یہی بات ظاہر ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے: اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کی ایک ہی وقت میں کسی چیز کی نقد اور ادھار قیمت میں فرق کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اسی مجلس میں کسی ایک قیمت کا تعین کرلیا جائے۔ اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ سودا طے پانے سے پہلے اس کی قیمت میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، جب سودا طے ہو جائے تو مدت کی وجہ سے قیمت بڑھانا سود کا سبب بنتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کوئی چیز نقد دس روپے اور ادھار بیس روپے کی فروخت کرنا چاہتا ہے، وہی آدمی شرعی قواعد کی روشنی میں اسی چیز کو نقد بیس روپے کی بھی فروخت کرسکتا ہے، کیونکہ شریعت میں نفع کی شرح مقرر نہیں ہے، جو چیز شریعت کی روشنی میں نقد بیس روپے کی فروخت کی جا سکتی ہے، اسے ادھار پر اسی قیمت پر کیوں نہیں بیچا جا سکتا؟

قارئین کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ سودا طے ہونے کے بعد مدت کے عوض میں زیادہ نرخ وصول کرنا سود کہلاتا ہے، نہ کہ سودا طے کرنے سے پہلے والا معاملہ۔

بیع کی اس صورت کے جواز سے پتہ چلا کہ قسطوں پر چیز لینا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی زائد رقم اور جرمانہ وصول نہ کیا جائے، کیونکہ وہ سود کی خالص شکل ہوگی۔

اگر قیمت کا تعین نہ کیا جائے تو وہ سودے کی ممنوعہ صورت بن جاتی ہے، جس سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے، جیسا کہ آجکل بازاروں میں ہو رہا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ کمپنیاں اپنے خریداروں کو مال بھیج دیتی ہیں اور وہ کم یا زیادہ قیمت پر سودا طے ہونے سے پہلے مال کو فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں، دو چار دنوں کے بعد نقد و ادھار کے نتیجہ میں کم یا زیادہ قیمت کے تعین کے لیے ڈیلر پہنچتے ہیں۔ یہ تجارت کی ممنوعہ صورت ہے۔ خریدار اس وقت تک وہ مال نہیں بیچ سکتے، جب تک قیمت کا تعین نہ کرلیا جائے۔

(بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعٍ: ایک بیع میں دو بیعوں) کی مزید دو تعریفیں یہ ہیں:

(۱) امام شافعی نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے: میں تجھے یہ گھر اتنی قیمت کے عوض فروخت کروں گا، بشرطیکہ تو مجھے اپنا غلام اتنی قیمت میں بیچ دے۔ جب تیرا غلام میرے لیے ثابت ہوگا تو میرا گھر تیرے لیے ثابت ہو جائے گا۔

(۲) بشارت نے رضوان کو ایک دینار قرض دیا، جس کی ادائیگی رضوان ایک ماہ کے بعد گندم کے ایک قفیز کی صورت میں کرے گا۔ جب مدت پوری ہوئی اور بشارت نے گندم کا مطالبہ کیا تو رضوان نے کہا: گندم کا یہ ایک قفیز مجھے دو ماہ تک دو قفیزوں کے عوض بیچ دو۔ یہ ایک بیع میں دو بیعوں کی صورت ہے کیونکہ دوسری بیع پہلی بیع پر ہی داخل ہوئی ہے، اب یا تو رضوان کم چیز ادا کرے گا، جو پہلے سودے کے مطابق ایک قفیز ہے، یا پھر نئے سودے کے مطابق دو قفیز ادا کرے گا، جو کہ سود کی ایک شکل ہے۔ (دیکھئے: تحفۃ الاحوذی: ۲/ ۲۳۵، ۲۳۶) یہ صورت بھی ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کا مصداق بن سکتی ہے، کیونکہ پہلے سودے کے مطابق گندم کا ایک قفیز اور

دوسرے سودے کے مطابق دو قفیز ادا کرنا پڑیں گے، جیسا کہ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا۔

(۱۰۶۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا۔)) (الصحيحة:۲۳۲٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک بیع میں دو سودے کیے، یا تو وہ کم قیمت لے گا یا پھر سود لے گا۔''

تخريج: رواه ابن أبي شيبة في "المصنف":٦/ ١٢٠/ ٥٠٢، وعنه ابوداود:٣٤٦١، وابن حبان في "صحيحه":١١١٠، وكذا الحاكم:٢/ ٤٥، والبيهقي:٥/ ٣٤٣، وروه النسائي: ٧/ ٢٩٦، والترمذي: ١/ ٢٣٢، وابن حبان: ١١٠٩، واحمد: ٢/ ٤٣٢، ٣٧٥، ٥٠٣

شرح:...... امام شوکانی نے ''ایک سودے میں دو سودوں'' کی تین صورتیں قلمبند کیں، (جن کا ذکر سابق عنوان کے تحت ہو چکا ہے)۔ پھر اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد کہا: ''ایک سودے میں دو سودے کرنا حرام ہیں، اس کی علت اور وجہ یہ ہے کہ (پہلی صورت میں) ایک چیز کی نقد اور ادھار علیحدہ علیحدہ دو قیمتوں میں سے ایک کا تعین نہیں کیا جاتا، (دوسری صورت میں) مستقبل میں پوری ہونے یا نہ ہونے والی شرط لگا دی جاتی ہے اور (تیسری صورت کے مطابق) گندم کا ایک قفیز سود کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۸۱/۵)

علامہ عظیم آبادی کہتے ہیں: امام ابن اثیر نے (النهاية) میں اور ابن ارسلان نے (شرح السنن) میں یہی تفسیر نقل کی اور پھر خطابی نے کہا: ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع کیا گیا، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کہے: میں تجھے یہ کپڑا دس کا نقد اور پندرہ کا ادھار فروخت کروں گا، یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی قیمت ہے، جس کا خریدار انتخاب کرنا چاہتا ہے، تاکہ سودا پکا ہو سکے اور اگر قیمت مجہول ہو گی تو سودا فاسد ہو جائے گا۔

پھر عظیم آبادی صاحب نے کہا: ابن اثیر نے (النهاية) میں کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع کیا، اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا کہے: میں تجھے یہ کپڑا دس کا نقد اور پندرہ کا ادھار فروخت کروں گا اور یہ ناجائز ہے، کیونکہ اس سے یہ واضح نہیں ہوتا خریدنے والا کون سی قیمت منتخب کر رہا ہے تاکہ سودا پکا ہو سکے۔ (عون المعبود: ۲/ ۱۵۷۷)

امام مبارکپوری نے سابق عنوان میں مذکور امام ترمذی کے قول کے بعد کہا: اور (شرح السنة) میں یہی تفسیر ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ اس میں یہ علم نہیں ہو سکتا کہ قیمت کون سی ہے، (جس پر سودا پکا ہوگا)۔ (تحفة الاحوذي : ۲/ ۲۳٦)

لیث بن ابی سلیم، امام طاوس کا یہ قول نقل کرتے ہیں: فَبَاعَهُ عَلَى اَحَدِهِمَا قَبْلَ اَنْ يُفَارِقَهُ، فَلَا بَأْسَ بِهِ۔ (عبد الرزاق: ۱٤٦٣١، ابن ابي شيبه: ٦/ ۱۲۰) ......اگر وہ جدا ہونے سے پہلے ایک قیمت پر فروخت کر

دے تو کوئی حرج نہیں۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: إِذَا قُلْتَ: أَبِيْعُكَ بِالنَّقْدِ إِلَى كَذَا، وَبِالنَّسِيْئَةِ بِكَذَا وَكَذَا، فَذَهَبَ الْمُشْتَرِيْ، فَهُوَ بِالْخَيَارِ فِي الْبَيْعَيْنِ، مَا لَمْ يَكُنْ وَقَعَ بَيْعٌ عَلَى أَحَدِهِمَا۔ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْعُ هٰكَذَا فَهُوَ مَكْرُوْهٌ، وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَهُوَ مَرْدُوْدٌ، وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ، فَإِنْ وَجَدْتَ مَتَاعَكَ بِعَيْنِهِ أَخَذْتَهُ، وَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتَهْلَكَ فَلَكَ أَوْكَسُ الثَّمَنِ، وَأَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ۔ (عبد الرزاق: ١٤٦٣٢) ...... اگر تو کہے: میں تجھے یہ چیز اتنی رقم کی نقد اور اتنے کی ادھار فروخت کروں گا، (یہ سن کر) خریدار چلا جائے، تو اسے ان دو سودوں میں ایک کا اختیار ہوگا، جب تک سودا ایک قیمت پر پکا نہ ہو جائے۔ اگر بیع اُسی طرح ہی پکی ہوگئی تو یہ مکروہ اور مردود ہوگی، کیونکہ ایک سودے میں دو سودے ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اگر تجھے اپنا مال بعینہ مل جائے تو تو اسے لے لے گا اور اگر اس کی عین (اصلی حالت) بدل چکی ہو تو ادھار والی دور کی مدت پوری ہونے کے باوجود تجھے کم قیمت ملے گی۔

امام سفیان رحمہ اللہ کے اس قول کے الفاظ "فَهُوَ بِالْخَيَارِ فِي الْبَيْعَيْنِ، مَا لَمْ يَكُنْ وَقَعَ بَيْعٌ عَلَى أَحَدِهِمَا" سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صورت پر معاہدہ پکا ہو جائے تو یہ بیع درست ہوگی، ممنوعہ صورت یہ ہے کہ سودا تو پکا ہو جائے، لیکن دو قیمتوں میں سے کسی ایک کا تعین نہ کیا جائے۔

ان اقوال کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا، کہ جس نے مطلق طور پر نقد اور ادھار میں فرق کو ایک سودے میں دو سودوں کی شکل قرار دیا، اس کے قول کو مذکورہ بالا اقوال میں لگائی گئی قید کی وجہ سے مخصوص کیا جائے گا، یعنی اس کی مراد وہ صورت ہوگی، جس میں ایک قیمت کا تعین نہیں کیا جاتا۔

بیع عینہ

(١٠٦٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا إِلٰى دِيْنِكُمْ۔)) (الصحيحة:١١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم بیع عینہ کرو گے، بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی کو پسند کرو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک اس کو دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں پلٹ آؤ گے۔''

تخريج: له طرق ثلاث:

الأولى: أخرجه أبوداود: ٣٤٦٢، والدولابي في "الكنى": ٢/ ٦٥، وابن عدي في "الكامل": ٢٥٦/ ٢، والبيهقي في "السنن الكبرى": ٥/ ٣١٦، والطبراني في "مسند الشاميين": صـ٤٦٤

الثانية: أخرجه أحمد: ٤٨٢٥، وفي "الزهد": ٢٠/ ٨٤/ ١-٢، والطبراني في "الكبير": ٣/ ٢٠٧/ ١، و أبو أمية الطرسوسي في "مسند ابن عمر": ٢٠٢/ ١

الثالثة: رواه أحمد: ٥٠٠٧

شرح:...... بیع عینہ یہ ہے کہ بیچنے والا ایک چیز ادھار پر فروخت کر کے خریدنے والے کے سپرد کر دے، پھر اسی سے وہی چیز کم قیمت نقد پر خرید لے۔ جیسے اویس نے ذیشان کو پانچ سو روپے ادھار کے عوض ایک بیگ فروخت کیا، پھر وہی بیگ اس سے چار سو روپے نقد کے عوض خرید لیا۔ اس بیع کا پس منظر یہ ہے کہ ذیشان کو کچھ رقم کی ضرورت تھی، جو وہ اویس سے براہ راست رقم کے طور پر نہیں لے سکتا تھا اور اویس سود کے بغیر دینے پر راضی نہیں تھا، لیکن وہ براہِ راست سود بھی نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے "بیع عِینه" والا باطل حیلہ استعمال کیا اور چار سو کے عوض پانچ سو بٹور لیے۔

امام البانی لکھتے ہیں: ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ذلت کا مسلّط ہونا صرف کھیتی باڑی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ دوسری احادیث میں مسلمانوں کو کھیتی باڑی کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اسے سب سے بہترین ذریعۂ معاش قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے جو آدمی کھیتی باڑی کا ہی ہو کر رہ جائے اور اس کی وجہ سے دنیا پرست بنتے ہوئے جہاد جیسی عظیم عبادتوں سے غفلت برتنے لگ جائے، تو وہ ذلیل ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے قوی ہونے کی وضاحت کی اور (المجموع: ۲۹/ ۳۰) میں کہا: امام احمد اور امام ابوداود نے اس کو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دو جید سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تنبیہ:...... ایک المانی مستشرق نے اسلام پر طعن کرتے ہوئے شام کے ایک طالب علم سے کہا: اسلام اپنے پیروکاروں کو زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے اسباب سے روکتا ہے، اس نے بطورِ حجت یہی حدیث پیش کی اور کہا کہ یہ صحیح بخاری میں ہے۔ لیکن وہ بیچارہ اندھا تھا اور اس معنی و مفہوم کو سمجھ ہی نہ سکا، جس کی وضاحت کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کیا۔ (صحیحہ: ۱۱)

محاقلہ اور مزابنہ

(۱۰۶۹)۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ، وَقَالَ: ((إِنَّمَا يَزْرَعُ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ لَهُ أَرْضٌ فَهُوَ يَزْرَعُهَا وَرَجُلٌ مُنِحَ أَرْضًا فَهُوَ يَزْرَعُ مَامُنِحَ، وَرَجُلٌ اسْتَكْرٰى أَرْضًا بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ۔))

(الصحيحة: ١٧١٥)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا اور فرمایا: ''تین قسم کے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں: (۱) وہ آدمی جو اپنی زمین میں کھیتی باڑی کرتا ہے، (۲) وہ آدمی، جس کو زمین عارضی طور پر عطیہ دی گئی، وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے اور (۳) وہ آدمی جس نے سونے یا چاندی کے عوض زمین کرائے پر لی ہو (وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے)۔''

تـخریـج: أخرجه أبوداود: ۳٤۰۰، والنسائي: ۲/ ۱٤۹، وابن ماجه: ۲٤٤۹، والطحاوي في "المشكل": ۳/ ۲۸٤

شرح:...... محاقلہ: بالیوں میں کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض فروخت کر دینا، جیسے گندم کے عوض گندم کا کھیت فروخت کر دینا۔

مزابنہ: درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اسی کی جنس سے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کر دینا، کھجوروں کے عوض درخت پر لگی ہوئی کھجوریں فروخت کر دینا۔

بیع کی ان دونوں اقسام کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ دونوں کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہوسکتا، حالانکہ جب ایک ہی جنس کی آپس میں خرید وفروخت کی جا رہی ہو تو ان کا ہم وزن ہونا شرط ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلاً بِمِثْلٍ، سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْاَجْنَاسُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ.)) (مسلم: ۱۵۸۷) ......"(خرید وفروخت کے وقت) سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے عوض جو، کھجور کے عوض کھجور اور نمک کے بدلے نمک برابر برابر اور نقد ونقد ہونے چاہیے۔ ہاں جب جنسیں مختلف ہو جائیں تو جیسے چاہو، خرید وفروخت کر سکتے ہو، بشرطیکہ نقد ونقد ہوں۔"

ذہن نشین رہے کہ جب کوئی کھیتی یا باغ پک جائے تو نقدی کے عوض اس کو خریدنا درست ہے۔

شہری، دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے

(۱۰۷۰)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَكَانَ يَقُوْلُ: ((لَا تَلَقَّوُا الْبُيُوْعَ، وَلَا يَبِعْ بَعْضٌ عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا يَخْطُبْ أَحَدُكُمْ۔ أَوْ أَحَدٌ۔ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيْهِ حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ الْأَوَّلُ أَوْ يَأْذَنَهُ فَيَخْطُبَ۔)) (الصحيحة: ۱۰۳۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ شہری دیہاتی کی بیع کرے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تاجروں کو آگے بڑھ کر نہ ملو (بلکہ ان کو منڈی تک پہنچنے دو)، ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو اور ایک دوسرے کی منگنی پر منگنی کا پیغام نہ بھیجو، یہاں تک کہ پہلا منگیتر (اُس منگیتر لڑکی سے نکاح کرنے کے خیال کو) ترک کر دے یا پھر دوسرے بھائی کو پیغام بھیجنے کی اجازت دے دے۔"

تخریج: أخرجه أحمد: ۲/ ۱۵۳

شرح:...... شہری، دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے، اس موضوع پر دلالت کرنے والی کئی احادیث موجود

ہیں۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ۔ ...... نبی کریم ﷺ نے شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ (بخاری: ۲۱۵۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نُهِيْنَا اَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَاِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ ...... ''ہمیں منع کیا گیا کہ کوئی شہری دیہاتی کا سامان فروخت کرے، اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہو۔'' (بخاری: ۲۱۶۱، مسلم: ۱۵۲۳، واللفظ له)

اس معاملے میں شہری عوام اور دیہاتی تاجر دونوں کا تحفظ مقصود ہے، بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ شہری لوگ دیہاتی تاجروں سے سستے داموں مال خرید لیتے ہیں، جس کا نقصان دیہاتیوں کو ہوتا ہے اور شہری دلالوں کی وجہ سے شہری عوام کو وہ سودا مہنگا خریدنا پڑتا ہے۔ اگر حکومت یہ سہولت مہیا کرے کہ شہری عوام براہِ راست دیہاتی لوگوں سے ان کا مال خرید سکے تو اس میں دونوں کا فائدہ ہوگا اور اس طریقے سے شاید مہنگائی کا عفریت ماند پڑ جائے۔

قارئین کرام! پاکستان ایک زرعی ملک ہے، لیکن ۲۰۰۸ء اور ۲۰۰۹ء میں گندم کی کٹائی کے چند دنوں کے بعد شہری عوام گندم کے بحران میں کیوں مبتلا ہوگئی؟ اگر شریعت کے تجارتی قوانین پر عمل کیا جاتا اور زمینداروں کو شہروں میں گندم پہنچانے کے لیے مراکز مہیا کر کے شہری لوگوں کو ان سے گندم خریدنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تو ذخیرہ اندوزوں کے چہرے خود بخود ماند پڑ جاتے اور عوام کو بھی مہنگائی کے عذاب سے نجات مل جاتی۔ اس معاملے میں قصور وار دلالی، آڑھتی اور ذخیرہ اندوز لوگ ہیں، یہ لوگ نہ زمینداروں کو وقت پر ادائیگی کرتے ہیں اور نہ عوام کی ضرورت کے وقت مال کو مارکیٹ میں لاتے ہیں۔

قارئین کرام! قطعی طور پر شریعت کا ہدف یہ نہیں ہے کہ چند لوگوں کے منافع کی وجہ سے ساری عوام مہنگائی میں مبتلا ہو جائے، اس باب کی حدیث کی مخالفت کی وجہ سے چند دلالی اور ذخیرہ اندوز قسم کے لوگ عربوں روپیہ کما لیتے ہیں، لیکن عوام دو کلو آٹا اور ایک کلو چاول کو ترس رہی ہوتی ہے۔ سچ فرمایا فلاحِ انسانیت کے خیر خواہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کہ ((لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوْا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔)) (مسلم: ۱۵۲۲) ...... ''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو (اور ان کو آپس میں معاملات طے کرنے دو)، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

قارئین کرام! شہریوں کی بہ نسبت زمینداروں کے دلوں میں وسعت زیادہ ہوتی ہے، وہ سبزی وغیرہ کی معمولی مقدار کے پیسے ہی وصول نہیں کرتے اور ان کے ہاں سبز دھنیا اور سبز مرچ جیسے ایٹموں کی سرے سے کوئی قیمت وصول ہی نہیں کی جاتی، اسی طرح دوسری سبزیاں بھی ان لوگوں کے ہاں ارزاں قیمت پر دستیاب ہوتی ہیں۔ لیکن دلالی اور آڑھتی نظام کی وجہ سے سبزی فروش کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ آج سبز دھنیا دس روپے سے کم نہیں ملے گا اور ایک کلو مولی پچاس روپے کی اور اور ایک کلو شلغم اسی (۸۰) روپے کے ملیں گے۔

زمیندار کو یہ شکوہ ہے کہ اس کی پیداوار کا ریٹ صحیح نہیں لگ رہا اور فصل پر کیے گئے اس کے اخراجات پورے ہی نہیں ہو رہے، جبکہ شہری عوام کو خورد ونوش کی اشیا کی کمی کا زبردست سامنا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے؟ گورنمنٹ کو چاہیے کہ وہ اپنی عوام میں شرعی ماحول کو فروغ دے اور ملک کی تجارت کو شریعت کے مرتب کردہ تجارتی قوانین کے سانچے میں ڈھالے اور ذخیرہ اندوزوں کی زبردست حوصلہ شکنی کرے۔

ذخیرہ اندوزی منع ہے

(١٠٧١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنِ احْتَكَرَ حُكْرَةً يُرِيْدُ أَنْ يُغْلِيَ بِهَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔)) (الصحيحة: ٣٣٦٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ خطا کار ہے جو مسلمانوں پر چیزوں کی قیمتیں بڑھانے کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٥٤، وابن عدي: ٧/ ٥٤، والحاكم: ٢/ ١٢، وعنه البيهقي في "السنن": ٦/ ٣٠

شرح:...... مختلف احادیث میں ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے۔

امام نووی نے کہا: احتکار یہ ہے کہ کوئی شخص غلے کو مہنگائی کے وقت میں خرید لے اور اسے فروخت نہ کرے بلکہ ذخیرہ کر لے تاکہ اس کے نرخ مزید بڑھ جائیں۔ (شرح مسلم)

حافظ ابن حجر نے کہا: شرعی احتکار یہ ہے کہ غلہ کو روک لینا اور فروخت نہ کرنا، اس انتظار میں کہ نرخ بڑھ جائیں، جبکہ عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔ (فتح الباری: ٥/ ٨١)

سود کی نحوست

(١٠٧٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ الرَّاهِبِ مَرْفُوْعاً: ((دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ زِنْيَةً۔)) (الصحيحة: ١٠٣٣)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ راہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی دانستہ طور پر ایک درہم سود کھاتا ہے، اللہ تعالی کے ہاں (اس کا یہ جرم) چھتیس دفعہ زنا کرنے سے سنگین ہے۔“

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط" ١/ ١٤٢۔ ١٤٣، والدارقطني: ٢٩٥

(١٠٧٣)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ مَرْفُوْعاً: ((اَلرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَاباً، أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَا الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِي عِرْضِ أَخِيْهِ۔))

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سود کے ستر درجے ہیں، سب سے کم درجے (کا گناہ) اپنی ماں سے منہ کالا کرنے کے برابر ہے اور سب سے بڑا سود یعنی زیادتی یہ ہے کہ بندہ اپنے بھائی کی

(الصحيحة: ١٨٧١) عزت پر دست درازی کرے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ١/ ١٤٣/ ١

شرح:...... شریعتِ مطہرہ میں سود جیسی لعنت کی جتنی مذمت کی گئی ہے، اس کو اس مقام پر قلمبند نہیں کیا جا سکتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۷۹) ......''اگر تم (سود والے معاملے پر عمل کرنے سے) باز نہ آئے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا اعلان سن لو۔''

بینکوں میں نوکری کرنے والے متنبہ ہوں: ((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ: ((هُمْ سَوَاءٌ)) (مسلم) ......رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، اس کے کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ ''یہ تمام (اس گناہ) میں برابر ہیں۔''

گویا سودی معاملے میں کسی قسم کا تعاون بھی لعنت اور غضبِ الٰہی کا باعث ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ دور میں دنیا کے بہاؤ کو پشت پر وصول کر کے اس کے سیلاب کا تنکہ نہ بنا جائے، بلکہ اس لعنت کی صورتوں کو سمجھا جائے، بالخصوص بینکوں کی پالیسیوں اور معاملات کا بار بار جائزہ لیا جائے۔ موجودہ دور میں مالداروں اور سرکاری ملازمین کی اکثر و بیشتر تعداد سود خوری میں مبتلا ہے۔

سود کی دو اقسام ہیں:

(۱) رِبَا الْفَضْلِ: خرید وفروخت میں ایک جنس کے تبادلہ کے وقت ایک طرف سے زیادہ مقدار حاصل کرنا یا مقدار برابر ہونے کی صورت میں ایک طرف سے ادھار ہونا۔ جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور نقد و نقد فروخت کیے جائیں۔ جو (ان کی تجارت کرتے وقت ایک طرف سے) زیادہ دے گا یا لے گا تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ سود لینے والا اور دینے والا (دونوں گناہ میں) برابر ہیں۔'' (مسلم)

آجکل صرافہ بازاروں میں سونے کی خرید وفروخت کے وقت اس حدیث کی خوب مخالفت کی جاتی ہے، اکثر یہ دیکھا کہ ایک طرف سے سونا نقد ہوتا ہے اور دوسری طرف سے ادھار اور اس کی مقدار میں بھی فرق ہوتا ہے۔

(۲) رِبَا النَّسِيْئَةِ: ایک جیسی دو متبادل چیزوں میں سے کسی ایک کا زیادہ معاوضہ لینا، مگر ایک مقررہ مدت کے بعد۔ جیسے عرفان نے رضوان کو ایک ہزار روپے بیس دنوں کے لیے ادھار دیے، شرعی قانون کے مطابق اتنی رقم ہی واپس لینی تھی، لیکن اس نے بیس دنوں کے عوض ایک ہزار سے زیادہ رقم وصول کی۔ بینک سے قرضہ لینے والے اور بینک میں رقم جمع کروانے والوں کا سود اسی قسم کا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کے لین دین کو جائز سمجھتے ہیں، ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ شریعت میں جس سود کو حرام اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے، اس کی

تعریف کیا ہے اور آیا موجودہ دور میں اس کی کوئی شکل پائی جاتی ہے؟

ربا الفضل

(١٠٧٤)۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ـ وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ ـ فَكُنَّا نَبِيعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((لَا صَاعَي تَمْرٍ بِصَاعٍ، وَلَا صَاعَي حِنْطَةٍ بِصَاعٍ، وَلَا دِرْهَم بِدِرْهَمَيْنِ۔)) (الصحيحة: ٣٥٧٤)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ملی جلی کھجوریں ملتی تھیں، ہم ایک صاع کے عوض دو صاع فروخت کرتے تھے۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کھجور کے ایک صاع کے عوض دو صاع کو، گندم کے ایک صاع کے بدلے دو صاع کو اور ایک درہم کے عوض دو درہموں کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔“

تخريج: هو من حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، وله عنه طريقان:

الأولى: عن أبي سلمة عنه: فأخرجه البخاري: ٢٠٨٠، ومسلم: ٥/ ٤٨۔ والسياق له۔، والنسائي: ٢/ ٢٢٠۔ ٢٢١، والبيهقي: ٥/ ٢٩١، وأحمد: ٣/ ٤٩، ٥٠

الأخرى: عن عقبة بن عبدالغافر عن أبي سعيد به: فأخرجه ابن حبان: ٥٠٢٤/ المؤسسة، وأخرج الشيخان حديث أبي سعيد، وفيه: جاء بلال بتمر برني ......

شرح:...... جب ایک جنس کا آپس میں تبادلہ کیا جا رہا ہو تو اس سودے کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں: طرفین سے مقدار برابر برابر ہو اور نقد و نقد کا معاملہ ہو۔ ربا الفضل کی تعریف پچھلے عنوان میں گزر چکی ہے۔

کتے اور شراب کی قیمت اور زانیہ کی کمائی حرام ہے
کُوبہ، نرد اور شطرنج کا معنی و مفہوم

(١٠٧٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْخَمْرِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَقَالَ: ((إِذَا جَاءَكَ يَطْلُبُ ثَمَنَ الْكَلْبِ فَامْلَأْ كَفَّيْهِ تُرَابًا۔)) (الصحيحة: ١٣٠٣)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کتے کی قیمت سے منع کیا اور فرمایا: ”جب کوئی آدمی تیرے پاس کتے کی قیمت لے کر آئے تو اس کی ہتھیلیوں کو مٹی سے بھر دینا۔“

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٢٥٠۔ الحلبية، والبيهقي: ٦/ ٦، وأحمد: ١/ ٢٧٨، ٢٨٩، ٣٥٠

(١٠٧٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ كُلُّهُنَّ سُحْتٌ: كَسْبُ

الْحَجَّامِ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ، إِلَّا الْكَلْبَ الضَّارِي.)) (الصحيحة: ٢٩٩٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین (چیزیں) حرام ہیں: حجام کی کمائی، زانیہ عورت کی کمائی اور کتے کی قیمت، سوائے شکاری کتے کے۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني:٣/ ٧٢، وأخرج احمد: ٢/ ٥٠٠ نحوه دون الاستثنا

(١٠٧٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَمَنُ الْخَمْرِ حَرَامٌ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ حَرَامٌ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ حَرَامٌ، وَالْكُوْبَةُ حَرَامٌ، وَإِنْ أَتَاكَ صَاحِبُ الْكَلْبِ يَلْتَمِسُ ثَمَنَهُ، فَامْلأْ يَدَيْهِ تُرَابًا، وَالْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.)) (الصحيحة:١٨٠٦)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شراب کی قیمت حرام ہے، زانیہ کی کمائی حرام ہے، کتے کی قیمت حرام ہے، کوبہ حرام ہے، اور اگر کتے کا مالک اُس کی قیمت لینے کے لیے تیرے پاس آئے تو اُس کے ہاتھوں کو مٹی سے بھر دو اور شراب، جوا اور ہر نشہ آور چیز بھی حرام ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٦٩/ ١ و رقم۔ ١٢٦٠١۔ مطبوعة وفيها قلب، و رواه احمد: ١/ ٢٧٨، ٢٨٩، ٣٥٠ مفرقا

شرح:...... کوبہ کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام سفیان ثوری نے راوئ حدیث علی بن بذیمہ سے پوچھا: کوبہ کسے کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ڈھول کو۔

ابن اثیر نے کہا: کوبہ کا معنی ''نرد''، ڈھول یا باجہ ہے۔ ''المعجم الوسيط'' میں ہے: یہ لکڑی کے مشابہ موسیقی کا ایک آلہ ہوتا ہے، نیز ''نرد'' اور ''شطرنج'' کو بھی ''کوبہ'' کہا جاتا ہے۔

میں البانی کہتا ہوں: راجح معنی ڈھول ہے، کیونکہ راوئ حدیث نے یہ معنی بیان کیا اور وہی اپنی روایت کردہ حدیث کا معنی و مفہوم بہتر سمجھتا ہے۔ (صحیحہ: ۱۸۰۶)

نرد: چوسر کی طرح کا ایک کھیل جو دوہری بساط پر کھیلا جاتا ہے، ایک ڈبیا میں کنکریاں یا پلاسٹک کی گوٹیں ہوتی ہیں اور دو نگ ہوتے ہیں، جن کو ہلا کر جیسا نگ نکل آتا ہے، اس کے مطابق کنکریاں یا گوٹیں آگے بڑھائی جاتی ہیں۔

شطرنج: ایک کھیل جو دو اشخاص کھیلتے ہیں، ہر کھلاڑی کے پاس سولہ مہرے ہوتے ہیں، جن کو جارحانہ اور مدافعانہ انداز میں چونسٹھ مربع خانوں کی بساط پر اس مقصد سے چلاتا ہے کہ مخالف کا سب سے اہم مہرہ، یعنی بادشاہ ہر طرف سے اس طرح گھر جائے کہ کسی بھی خانے میں جانے کی گنجائش نہ ہو اور اسے شہ مات دی جا سکے، یہ اصلا ایک ہندوستانی کھیل ہے۔ ''کوبہ'' کے جتنے معانی بیان کیے گئے ہیں، شریعت میں ان تمام امور سے منع کیا گیا ہے۔

(١٠٧٨)۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، أَنَّ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ۔)) (الصحيحة:٣٦٢٢)

نے فرمایا: ''کتے کی قیمت خبیث ہے، زانیہ کی کمائی خبیث ہے اور حجام کی کمائی خبیث ہے۔''

تخريج: رواه مسلم: ٥/ ٣٥، وأبوداود: ٣٤٢١، والترمذي: ١٢٧٥، والنسائي: ٧/ ١٩٠، وابن حبان: ٥١٥٢، ٥١٥٣، والحاكم: ٢/ ٤٢، وابن أبي شيبة: ٦/ ٢٤٦، ٢٧٠، والدارمي: ٢/ ٢٧٢، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ٤/ ١٢٩ و "مشكل الآثار": ٤٦٥٠، والبيهقي: ٩/ ٣٣٦-٣٣٧، والطيالسي: ٩٦٦، وأحمد: ٣/ ٤٦٤ و ٤٦٥ و ٤/ ١٤١، والطبراني في "المعجم الكبير": ٤٢٥٨، ٤٢٦٠، وابن عبدالبرّ في "التمهيد": ٢/ ٢٦٦

شرح:...... معلوم ہوا کہ جو چیز یا فعل حرام ہے، اس کی قیمت یا اس کی کمائی بھی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کی طرح تمباکو نوشی کے تمام ذرائع کی خرید وفروخت بھی حرام ہے، مثلا سگریٹ، حقہ اور تمباکو وغیرہ۔ حجام کی اجرت کے حلال وحرام ہونے کی وضاحت ''حجام کی کمائی کیسی ہے'' کے عنوان میں کی گئی ہے۔

شکاری کتے اور بلے کی قیمت کا حکم

(١٠٧٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ۔ (الصحيحة:٢٩٧١)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے اور بلے کی قیمت سے منع فرمایا۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ٣٥، والبيهقي: ٦/ ١٠، وأحمد: ٣/ ٣٨٦، وابن ماجه: ٢١٦١، والنسائي: ٢/ ١٩٦ وفيه زيادة: ((الا كلب صيد))، وعبدالرزاق، وعبدالله بن أحمد في "زوائد المسند": ٣/ ٢٩٧، وأبوداود: ٣٤٧٩، ٣٤٨٠، والترمذي: ١٢٨٠، والحاكم: ٢/ ٣٤، و الطحاوي أيضا في "الشرح"، و "مشكل الآثار": ٣/ ٢٧٣

شرح:...... اس حدیث میں بلی اور کتے کی قیمت سے منع کر دیا گیا ہے، یہ دونوں حرام جانور ہیں، اس لیے ان کی قیمت بھی حرام ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حماد بن سلمہ نے ابو زبیر سے، انھوں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی: نَهٰى عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ۔ ...... آپ ﷺ نے بلے اور کتے کی قیمت سے منع کیا، الا یہ کہ وہ شکاری کتا ہو۔

امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا: یہ صحیح نہیں ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: ایسے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی پوری روایت کی صحت کی نفی نہیں کر رہے، بلکہ آخری الفاظ "اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ" کی صحت کی نفی کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ بیان کرنے میں حماد بن سلمہ منفرد ہے اور اس حدیث کے دوسرے طرق اور دوسری احادیث کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری احادیث بھی کتے کی قیمت کے حرام ہونے پر مطلق طور پر دلالت کرتی ہیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کی تخریج (ارواء الغلیل: ۱۲۹۱) میں پیش کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ روایت اور سند کے اعتبار سے شکاری کتے کی خرید وفروخت کی رخصت ثابت نہیں ہوتی، لیکن درایت اور دوسری احادیث کا مفہوم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ شکاری کتے کی قیمت لینا جائز ہے، کیونکہ مختلف احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتا پالنا جائز ہے اور دوسری مباح چیزوں کی طرح ایسی چیز کی قیمت جائز ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابوجعفر طحاوی نے (شرح المعانی: ۲/ ۲۲۵۔۲۲۹) میں اس مسئلہ کی تحقیق پیش کی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس کا مراجعہ کرلیں، وہ اہم بحث ہے۔ ممکن ہے کہ مسئلہ ثابت ہونے کی وجہ سے انھوں نے حماد بن سلمہ کی حدیث پر سکوت اختیار کیا ہو۔

میرا خیال ہے کہ ان کو سند کے ضعف کی وضاحت کر دینی چاہیے تھی، کیونکہ درایت کے ثبوت سے روایت کا ثبوت اور روایت کے ثبوت سے درایت کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ کتے کی قیمت کے جواز پر دلالت کرنے والی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن خارجی دلائل اس کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے، لیکن منسوخ ہوتی ہے۔

پھر مجھے شکاری کتے کی قیمت کے جواز کے بارے میں کچھ شواہد ملے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((ثَلَاثَةٌ كُلُّهُنَّ سُحْتٌ: كَسْبُ الْحَجَّامِ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ، إِلَّا الْكَلْبَ الضَّارِي۔)) (دار قطنی: ۳/ ۷۲، شواہد کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: صحیحہ: ۲۹۹۰)..... "تین پیشے حرام ہے، حجام کی کمائی، زانیہ عورت کی کمائی اور کتے کی قیمت، سوائے شکاری کتے کے۔" (صحیحہ: ۲۹۷۱)

بانسری بجانے والی کی کمائی کا حکم

(۱۰۸۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: نَهَى عَنْ كَسْبِ الزَّمَّارِ۔ (الصحيحة: ۳۲۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو بانسری بجانے والے کی کمائی سے منع کرتے ہوئے سنا۔

تخریج: أخرجه أبوبكر الخلال في "الأمر بالمعروف": صـ ۳۳۔ مطابع القصيم، وأخرجه البخاري: ۲۲۸۳، وابوداود: ۳٤۲۵ بلفظ: نهى ﷺ عن كسب الاماء، وروى الخطيب في "التاريخ": ۸/ ۳۰٤،

والبغوی فی "شرح السنة": ۸/ ۲۲ بلفظ: أنه ﷺ نهی عن ثمن الكلب، وكسب الزمارة۔

شرح :...... چونکہ اسلام میں بانسری اور موسیقی کے تمام آلات ممنوع ہیں، اس لیے ان کی کمائی سے منع کر دیا گیا ہے۔

دنیا میں اجنبی یا مسافر کی حیثیت سے رہنے کی نصیحت

(۱۰۸۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ۔))(الصحیحۃ:۱۱۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا: ''دنیا میں اس طرح ہو جا، گویا کہ تو اجنبی یا مسافر ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ۱۱/ ۱۹۵، وأحمد: ۲/ ۲۴

شرح :...... جو شخص دنیا کو ایک مسافر خانہ اور گزرگاہ کی حیثیت دے گا، وہ یقیناً کثرت دنیا سے اپنا دامن الجھانا پسند نہیں کرے گا۔ انسان کی غلطی یہی ہے کہ وہ اس کی حیثیت کو نہیں سمجھتا اور پل کی خبر نہ ہونے کے باوجود برسوں کے سامان کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا:

دنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو، دو دن کا یہ سفر ہے
ساماں ہے سو برس کا، اور پل کی خبر نہیں

راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی حدیث کو سامنے رکھ کر کہا کرتے تھے: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (بخاری) ..... جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور اپنی صحت میں بیماری کے لیے اور اپنی زندگی میں موت کے لیے (کچھ) حاصل کر لو۔

امام نووی نے کہا: علما نے اس حدیث کی شرح اور مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تم دنیا کی طرف زیادہ مت جھکو، نہ اسے مستقل وطن بناؤ، نہ اپنے جی میں زیادہ دیر دنیا میں رہنے اور اس پر زیادہ توجہ دھرنے کا پروگرام بناؤ۔ اس سے تم صرف اتنا ہی تعلق رکھو جتنا ایک مسافر، اجنبی دیس سے تعلق رکھتا ہے اور دنیا میں زیادہ مشغول نہ ہو، اسی طرح جیسے ایک مسافر، جو اپنے گھر جانے کا ارادہ رکھتا ہو، دیارِ غیر سے زیادہ وابستگی نہیں رکھتا۔ (ریاض الصالحین: ۴۷۱)

روزِ قیامت مالدار، کم تر ہوں گے

(۱۰۸۲)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْأَكْثَرُوْنَ هُمُ الْأَسْفَلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا،

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت والے دن زیادہ مال والے گھٹیا لوگ ہوں گے، مگر جس نے مال کو (راہِ حق میں) ادھر اُدھر خرچ کیا اور

وَكَسَبَهُ مِنْ طَيِّبٍ))(الصحيحة:١٧٦٦) حلال کمایا۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٤١٣٠

شرح:...... کئی مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت ہو چکی ہے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن قدیم آسمان اور بوڑھی زمین شاہد ہیں کہ اکثر لوگ اس نعمت کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے اور من پسند اور عیش پرست زندگی میں پڑ کر کئی مفاسد میں مبتلا ہو گئے۔ مصیبت یہ ہے کہ ان بیچاروں کو ان حقائق کا اندازہ ہی نہ ہو سکا، جن کی وضاحت آپ ﷺ نے فرمائی ہے۔

بسیار خوری ناپسندیدہ ہے

(١٠٨٣)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شَبْعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٣٤٣)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ڈکار لی، آپ نے اسے فرمایا: "ہم سے اپنی ڈکار کو دور رکھ، بلاشبہ دنیا میں بہت زیادہ سیر و سیراب ہونے والے قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے رہنے والے ہوں گے۔"

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٧٨، وابن ماجه: ٣٣٥٠وروى هذا الحديث عن ابن عمر، وابي جحيفة، وابن عمرو، وابن عباس، وسلمان۔

شرح:...... اس موضوع پر درج ذیل حدیث مبارکہ ایک کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے: سیدنا مقدام بن معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مُحَالَةَ، فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ، وَثُلُثٌ لِنَفْسِهِ۔)) (ترمذي: ٢٣٨١) ...... "کسی آدمی نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا۔ آدمی کے لیے تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں، اور اگر زیادہ ہی کھانا ضروری ہو تو پھر پیٹ کا تیسرا حصہ کھانے کے لیے، تیسرا حصہ پانی کے لیے اور تیسرا حصہ سانس لینے کے لیے ہو۔"

اگر ان احادیث پر عمل کیا جائے تو نہ صرف اخروی فوائد کا حصول ہوتا ہے، بلکہ کئی بیماریاں خود بخود دم توڑ جاتی ہیں، آجکل اکثر بیماریوں کی بنیاد بسیار خوری اور پیٹ کو اس قدر بھرنا ہے کہ چار پانچ گھنٹے گزرنے کے بعد بھی ڈکاروں کی آمد ورفت جاری رہتی ہے۔

دنیا کی بے وقعتی

(١٠٨٤)۔ قَالَ ﷺ: ((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں کافر کو پانی

كَـافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ سَهْـلِ بْنِ سَعْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْـنِ عُـمَرَ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَجَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَالْحَسنِ، وَعَمْرِو بْنِ مُرَّةَ مُرْسَلاً۔(الصحيحة:٦٨٦)

کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتے۔'' یہ حدیث حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سمیت کئی صحابہ سے مروی ہے اور حسن اور عمرو بن مرہ سے مرسلا مروی ہے۔

تـخـريـــج: ١ـأما حديث سهل؛ فأخرجه الترمذي: ٢/ ٥٢، وابن عدي: ٢٤٩/ ١، وأبو نعيم: ٣/ ٢٥٣، والعقيلي في"الضعفاء": ٢٥٠

٢ـوأما حـديـث أبـي هريرة؛ فأخرجه ابن عدي في"الكامل": ٣٠٦/ ٢، والقضاعي في "مسند الشهاب": ٢/ ٣١٧/ ١٤٤٠

٣ـوأمـا حـديـث ابـن عـمـر؛ فـأخـرجه القضاعي في"مسنده"، ورجاله ثقات كما سيأتي بيانه تحت هذا الحديث نفسه، وقد قدر اعادة تخريجه ٩٤٣

٤ـوأما حديث ابن عباس؛ فأخرجه أبو نعيم: ٣/ ٣٠٤و٨/ ٢٩٠

٥ـوأما حديث الجماعة من الصحابة؛ فيرويه ابن المبارك في"الزهد": ١٧٨/ ٢ كواكب ٥٨٥

٦ـوأما رواية الحسن؛ فرواه ابن المبارك في "الزهد"

٧ـوأمـا حـديـث عمرو بن مرة؛ فقال السيوطي في"الجامع الكبير": ١/ ٣/ ١"رواه هناد عنه مرسلا"، قلت: هو عنده في"الزهد": ٢/ ٤١٢ بسند صحيح عنه

(١٠٨٥)ـ عَـنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَـوْ كَـانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِـنْـدَاللّٰـهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ، مَاسَقٰى كَافِراً مِنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ۔))(الصحيحة:٩٤٣)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالی کے ہاں دنیا کی قدرو قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتے۔''

تـخريـج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٥٢، والعقيلي في"الضعفاء": ٢٥٠، وأبونعيم في"الحلية": ٣/ ٣/ ٢٥٣، والبيهقي في"الشعب": ٧/ ٣٢٥/ ١٠٤٦٦

شرح:...... اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالی کے نزدیک دنیا اور اس کے مال و اسباب کی قطعا کوئی اہمیت نہیں ہے، لہٰذا اہل ایمان کے نزدیک بھی اس کی زیادہ اہمیت نہیں ہونی چاہیے اور اسے صرف آخرت کی زندگی سنوارنے کے لیے ایک ذریعہ یا کمرۂ امتحان سمجھنا چاہیے۔

قارئین کرام! کتنی قابل غور بات ہے کہ دنیا کے سارے کے سارے خزانے اللہ تعالی کی تخلیق ہیں، لیکن اسی کے

نزدیک ان کی اہمیت بھی کوئی نہیں، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی ان خزانوں کو اپنے ناز کی علامت قرار نہ دیں، ہاں شریعت کے دائرے میں رہ کر دنیوی مال و دولت کمانے میں کوئی حرج نہیں۔

درہم و دینار مہلک ہیں

(١٠٨٦)۔ عَنْ أَبِي مُوسٰى، أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ هٰذَا الدِّيْنَارَ وَالدِّرْهَمَ أَهْلَكَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَهُمَا مُهْلِكَاكُمْ۔))(الصحيحة:١٧٠٣)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اس درہم و دینار نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اور یہ تمہیں بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔''

تخريج: رواه أبو محمد بن شيبان العدل في "الفوائد": ٢/ ٢٢٢/ ١، والمخلص في "الفوائد المنتقاة": ٨/ ٥/ ١

شرح:...... یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ درہم و دینار اور روپیہ پیسہ نے عیش پرستی اور عیاشی کو جنم لیا، نتیجتاً غریبوں کے حقوق کو پامال کرنا تو کیا، سرے سے ان کی معرفت ہی حاصل نہ کی جا سکی، اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات سے غفلت برتی گئی، معاشرے کے رسم و رواج پر بے دریغ خرچ کر کے یوم آخرت کے حساب و کتاب کو مشکل بنا دیا گیا اور مال و زر کو ہی یاری و دوستی کا معیار بنا لیا گیا۔ بہرحال وسیع رزق اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ ہے، لیکن اس کے تقاضے پورے کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

مال و دولت میں کثرت و وسعت اختیار کرنے کا انجام برا ہے

(١٠٨٧)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعاً: ((لَاتَتَّخِذُوْا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا۔))(الصحيحة:١٢)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاگیریں نہ بناؤ، وگرنہ دنیا میں پڑ جاؤ گے۔''

تخريج: رواه البخاري في "التاريخ": ٢/ ٢/ ٥٤، والترمذي: ٤/ ٢٦٤، وأبو الشيخ في "الطبقات":٢٩٨، وأبو يعلى في "مسنده": ١/ ٢٥١، وعنه ابن حبان: ٢٤٧١، موارد، والحاكم: ٤/ ٢٢٢، وأحمد: ٢٥٨٩ و ٤٠٤٧، والخطيب: ١/ ١٨، عن شمر بن عطية عن مغيرة بن سعد بن الأخرم عن أبيه عن ابن مسعود مرفوعا ومن هذا الوجه اخرجه البخاري في "التاريخ الكبير": ٢/ ٢/ ٥٤، وكذا ابن ابي شيبة: ١٣/ ٢٤١، والحميدي: ١/ ٦٧/ ١٢٢، وابو يعلى: ٥٢٠٠، وعنه ابن حبان: ٢٤٧١، وابو نعيم في "الاخبار": ٢/ ١١٦، لكن وقع في التاريخ (هشيم) مكان (شمر)۔

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام احمد نے اس روایت کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا: نَهٰى عَنِ التَّبَقُّرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ ...... نبی کریم ﷺ نے اہل و مال میں وسعت اور کثرت سے منع فرمایا۔

اس حدیث کے برعکس درج ذیل حدیث میں سرمایہ کاری اور مال کو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيْلَةٌ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا تَقُوْمَ حَتّٰى يَغْرِسَهَا، فَلْيَغْرِسْهَا۔)) (صحيحه: ۹)۔۔۔۔۔ ''اگر قیامت برپا ہونے لگے اور تمہارے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا سا پودا ہو، تو اگر وہ اس کے قائم ہونے سے پہلے اسے زمین میں لگا سکتا ہو، تو وہ لگا دے۔''

امام قرطبی نے جواب دیتے ہوئے کہا: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ کوئی مسلمان مال و دولت کی کثرت کی خاطر اس قدر مصروف نہ ہو جائے کہ امورِ دین سے غافل ہو جائے اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ گزر بسر کے لیے، مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے لیے اور دوسرے مفادات حاصل کرنے کے لیے مال و دولت کے حصول کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے الفاظ ''نَهٰى عَنِ التَّبَقُّرِ ......'' سے اس جمع و تطبیق کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ''التبقر'' کے معنی میں کثرت اور وسعت پائی جاتی ہے۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مال و دولت کی کثرت و وسعت کا بندے کو جہاد سمیت شرعی واجبات سے روک دینا باعثِ ہلاکت ہے، جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۹۵) ۔۔۔۔۔ ''اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔'' (صحیحہ: ۱۲)

طلب دنیا میں میانہ روی اختیار کرنا

(۱۰۸۸)۔ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَجْمِلُوْا فِي طَلَبِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ كُلًّا مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ۔)) (الصحيحة: ۸۹۸)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا (کے مال) کے حصول میں میانہ روی اختیار کرو، کیونکہ جس کو جس چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دی گئی ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۲/ ۳، وابن أبي عاصم في "السنة": ق ۳٤/ ۲، والحاكم: ۲/ ۳، و البيهقي: ٥/ ۲٦٤، وأبو نعيم في "الحلية": ۳/ ۲٦٥

(۱۰۸۹)۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِحْذَرُوْا الدُّنْيَا، فَإِنَّهَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ۔)) (الصحيحة: ۹۱۰)

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا سے بچو، کیونکہ وہ سرسبز و شاداب، (پرکشش) اور میٹھی ہے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد في "الزهد": صـ ۱۱

(۱۰۹۰)۔ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ امْرَأَةِ

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلٰى حَمْزَةَ فَتَذَاكَرَا الدُّنْيَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا بُوْرِكَ لَهُ فِيْهَا، وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِي مَالِ اللّٰهِ وَمَالِ رَسُوْلِهِ لَيْسَ لَهُ إِلَّا النَّارُ يَوْمَ يَلْقَى اللّٰهَ۔)) (الصحیحۃ:۱۵۹۲)

بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حمزہ کے پاس تشریف لائے اور دونوں آپس میں دنیا کا تذکرہ کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک دنیا سرسبز و شاداب (پرکشش) اور میٹھی ہے، جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کیا، اس کے لیے اس میں برکت ڈالی جائے گی اور بہت زیادہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے مال میں (ناحق) گھسنے والے ہیں، جس دن یہ لوگ اللہ تعالی سے ملیں گے، ان کو آگ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ۳/ ۲۷۷، وأحمد: ۶/ ۳۶۴و ۳۷۸، وأخرجه البخاري: ۶/ ۱۶۵ بلفظ: ان رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق، فلهم النار يوم القيامة۔)) وزاد الاسماعيلي في اوله: ((الدنيا خضرة حلوة، وان رجالا......))

(۱۰۹۱)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ: ((إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا، لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوْا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔)) (الصحیحۃ: ۹۱۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک دنیا سرسبز وشاداب (پرکشش) اور میٹھی ہے اور اللہ تعالی نے تم کو اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ جانچ سکے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پس دنیا اور عورتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں میں واقع ہوا۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد في "المسند": ۳/ ۲۲

(۱۰۹۲)۔ عَنْ يَحْيٰى بْنِ جَعْدَةَ، قَالَ: عَادَ خَبَّابًا نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالُوْا: أَبْشِرْ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ! تَرِدُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ الْحَوْضَ، قَالَ: كَيْفَ بِهَا أَوْ بِهٰذَا، وَأَشَارَ إِلٰى أَعْلَا بَيْتِهِ وَإِلٰى أَسْفَلِهِ، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ مَاكَانَ فِي الدُّنْيَا مِثْلُ زَادِ الرَّاكِبِ۔)) (الصحیحۃ:۱۷۱۶)

یحیی بن جعدہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لائے، انہوں نے کہا: اللہ کے بندے! خوش ہو جا، تو محمد ﷺ پر حوض پر وارد ہوگا۔ اس نے اپنے گھر کی اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف اشارہ کیا اور کہا: اس کا کیا بنے گا؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا: ''تمہارے لیے دنیا سے اتنا (مال ودولت) کافی ہے، جتنا کہ مسافر کا زادِ راہ ہوتا ہے۔''

تخریج: أخرجه أبويعلي: ٤/ ١٧٢٩ - ١٧٣٠، والطبراني في "المعجم الكبير": رقم ٣٦٩٥، وأبو نعيم في "الحلية": ١/ ٣٦٠

شرح:...... مشرف با سلام ہونا ہی مقصدِ تخلیقِ انسانیت ہے، اس سلسلے میں امیر وغریب اور اعلی وادنی برابر ہیں۔ لیکن عام طور پر قبولیتِ اسلام کے بعد اس مذہب سے کما حقہ مستفید ہونے والے مفلس و نادار لوگ ہوتے ہیں، سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانے والے غریب، معاشرے کے بے وقعت اور غلام لوگ تھے اور صحابۂ کرام کی اکثریت نے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کی۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مال و دولت کی کثرت اور بہتات نے زیادہ تر لوگوں کے مزاجوں کو تبدیل کیا ہے۔ امیر لوگ اپنی امیری کی بنا پر ناز کرتے ہوئے اپنے آپ کو بلند مرتبت اور کم آمدنی والوں کو کم تر سمجھتے ہیں، ان کے تعلق یا دوستی کی بنیاد روپے پیسے پر ہوتی ہے۔ کم ہی دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی عزت اس کی نیکی کی وجہ سے کریں، بلکہ زیادہ تر ان کو مذہبی لوگوں پر کیچڑ اچھالتے ہوئے پایا جاتا ہے۔ اگر عبادات کے معاملے کو سامنے رکھیں تو عام لوگوں کی فتح نظر آتی ہے، کسی مسجد کے نمازیوں کی تعداد میں عام لوگوں اور سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والوں کا تناسب دیکھا جا سکتا ہے، تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کے سلسلے میں موازنہ کیا جا سکتا ہے، میں نے اپنی زندگی میں چند امیر افراد پائے جنھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر آرام پرستی کی وجہ سے اس کو بھلا دیا۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی درس و تدریس اور تحقیق و تفتیش کا معاملہ ہے۔ علی ہذا القیاس۔ دوسری بات یہ ہے کہ امیر لوگ دنیا میں من پسند ماکولات کھاتے ہیں، چاہت کے مطابق لباس پہنتے ہیں، پرشکوہ اور پرسکون محلات میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کو دنیا کی ہر قسم کی سہولت دستیاب ہوتی ہے، دوسری طرف غریب اور معمولی آمدنی والوں کا معاملہ واضح ہے، یہی وجوہات ہیں کہ مساکین امیروں کی بہ نسبت پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

قارئین کرام! ہماری مندرجہ بالا گزارشات کسی خاص فرد سے متعلقہ نہیں ہے، ہم نے مطلق طور پر ماحول کو دیکھ کر یہ فرق بیان کیا، اگر مخصوص افراد کو دیکھا جائے تو بعض امیر لوگ کئی غریبوں سے افضل نظر آتے ہیں۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ((اَفْلَحَ مَنْ هُدِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَكَانَ عَيْشُهُ كِفَافاً، وَقَنَعَ بِهِ۔)) ''...... وہ آدمی کامیاب ہو گیا جسے اسلام کی طرف ہدایت نصیب ہو گئی ہو، اس کی گزر بسر کا سامان برابر سرابر ہو اور وہ اس پر قناعت کرنے والا ہو۔'' (صحیحہ: ١٥٠٦)

بہر حال دنیوی مال و دولت اللہ تعالی کا احسان ہے، اسی احسان کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو غنی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر اس نعمتِ عظمی کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں تو یہ رحمت ہے، وگرنہ وبالِ جان۔

کامیابی، آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف اور صرف اسلام ہے، اگر بدقسمتی سے انسان کا دامن دولتِ اسلام سے خالی ہے تو دنیا بھر کے خزانے بھی اسے اخروی کامیابی سے

ہمکنار نہیں کر سکتے۔ بلکہ دنیا سے آنکھیں مونچھ لینے کے بعد عذابِ الٰہی کے شکنجے میں کس دیا جائے گا اور جہنم کی بیڑیوں میں جکڑ دیا جائے گا اور یوں یہ ناکام ترین انسان ہوگا۔ بقدر کفاف اور روز مرہ کی ضروریات کے مطابق روزی کے ساتھ قناعت و استغنا کا مل جانا بھی امن و سکون کی ضمانت ہے۔ ورنہ دنیا کی حرص اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی خواہش اور کوشش انسان کا سکون چھین لیتی ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تونگری زیادہ ساز و سامان کا نام نہیں، بلکہ اصل تونگری نفس (دل) کی تونگری ہے۔

کثرتِ مال سے دین متاثر ہوتا ہے

(۱۰۹۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَاأَخْشٰى عَلَيْكُمُ الْفَقْرَ، وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمُ التَّكَاثُرَ، وَمَاأَخْشٰى عَلَيْكُم الْخَطَأَ، وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمُ التَّعَمُّدَ۔)) (الصحيحة:۲۲۱٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں فقر و فاقہ کا ڈر نہیں ہے، بلکہ (مال و دولت کی) کثرت کا ڈر ہے، (اور دوسری بات یہ ہے کہ) مجھے تمہارے بارے میں نادانستہ طور پر غلطی کرنے کا ڈر نہیں ہے، بلکہ جان بوجھ کر گناہ کرنے کا ڈر ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان:۲٤۷۹، والحاكم:۲/ ۵۳٤، وأحمد:۲/ ۳۰۸، ۵۳۹

شرح:...... اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم فقر و فاقہ کی وجہ سے اللہ سے دور ہو جاؤ گے بلکہ مجھے اندیشہ یہ ہے کہ کہیں مال کی کثرت تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اور اسی طرح مجھے تمہاری خطاؤں پر بھی کوئی ڈر نہیں کیونکہ نہ چاہتے بھی انسان سے خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ لیکن مجھے ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم جان بوجھ کر برائیوں میں پھنس جاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے لاتعلقی

(۱۰۹٤)۔ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَلَى الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ فَقَالَ لَهُ الْوَلِيْدُ: مَاسَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ بِهِ السَّاعَةَ؟ فَحَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَسْتُ مِنَ الدُّنْيَا، وَلَيْسَتْ مِنِّي، إِنِّي بُعِثْتُ وَالسَّاعَةُ نَسْتَبِقُ۔)) (الصحيحة: ۱۲۷۵)

اسماعیل بن عبداللہ سے روایت ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ولید بن مالک کے پاس آئے۔ ولید نے ان سے پوچھا: تم نے قیامت کے بارے میں تذکرہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا؟ جواباً انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں دنیا سے ہوں نہ دنیا مجھ سے ہے، (یعنی میرا دنیا سے کوئی تعلق نہیں)، مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا کہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے (کی کوشش کر) رہے ہیں۔''

تخريج: رواه الضياء في "المختارة" ١/ ٤٨٦

شرح :...... اگر آپ ﷺ کے ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور تقسیم دولت کے معاملات کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ نے کسی معاملے میں کبھی بھی دنیوی زندگی کو ترجیح نہیں دی۔ آپ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کے حصول کے لیے کوشاں رہتے تھے اور آپ ﷺ کو جو بھی دنیوی مال و دولت حاصل ہوتا تھا، اسے صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔

آپ ﷺ کا دنیوی آسائشوں کو ترجیح نہ دینا

(١٠٩٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: قَالَتْ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَيَّ فَرَأَتْ فِرَاشَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَبَاءَةً مَثْنِيَّةً، فَانْطَلَقَتْ، فَبَعَثَتْ إِلَيَّ بِفِرَاشٍ حَشْوُهُ صُوْفٌ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ: ((مَا هٰذَا؟)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فُلَانَةُ الْأَنْصَارِيَّةُ دَخَلَتْ عَلَيَّ فَرَأَتْ فِرَاشَكَ، فَذَهَبَتْ، فَبَعَثَتْ بِهٰذَا، فَقَالَ: ((رُدِّيْهِ، فَلَمْ أَرُدَّهُ، وَأَعْجَبَنِي أَنْ يَكُوْنَ فِي بَيْتِي، حَتّٰى قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ: ((وَاللّٰهِ يَا عَائِشَةُ! لَوْ شِئْتُ لَأَجْرَى اللّٰهُ مَعِيَ جِبَالَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٨٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: ایک انصاری عورت میرے پاس آئی، اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر تو ایک چادر ہے، جسے دوہرا کر دیا گیا ہے۔ وہ چلی گئی اور ایسا بچھونا بھیجا، جس کا بھراؤ اون تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے تو پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں انصاری خاتون میرے پاس آئی تھی، اس نے آپ کا بستر دیکھا اور چلی گئی اور یہ بچھونا بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ واپس کر دو۔'' لیکن میں نے واپس نہ کیا، کیونکہ میں پسند کرتی تھی کہ میرے گھر میں (ایسا بچھونا) ہونا چاہیے۔ لیکن آپ ﷺ نے تین دفعہ فرما دیا (کہ اس کو واپس کردو)۔ پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ سونے اور چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلا دے۔''

تخريج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات": ١/ ٤٦٥، وأبو الشيخ في "أخلاق النبي ﷺ": صـ ١٦٦، والبيهقي

شرح :...... چشم فلک اور ہر صاحبِ بصارت کی بصیرت گواہ ہے کہ دنیوی آسائشوں کی وجہ سے عبادات کا سلسلہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ آج مساجد میں نمازیوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے اور اچھے خاصے نمازی لوگ صرف اس وجہ سے نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے کہ شام کو خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور نرم گدے بچھا کر اور ملائم کمبل اوڑھ کر اور پنکھے، روم کولر یا اے سی وغیرہ چلا کر سوتے ہیں، ایسے ماحول میں نیند کا کردار کسی نشہ سے کم نہیں ہوتا، نیند پورا ہونے کا نام نہیں لیتی، اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، نتیجتاً فجر کی جماعت یا سرے سے نمازِ فجر فوت ہو جاتی ہے۔ میں بالیقین کہتا ہوں کہ بظاہر انتہائی پرسکون ماحول میں سونے والوں کی نیند کی مقدار کہیں زیادہ ہوتی

ہے، جبکہ انہی کی طرح کے انسان دن میں چار، پانچ، چھ گھنٹے سو کر ان سے زیادہ صحت مند نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کو دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ معمولی نیند کر کے جسم کا حق ہی ادا کرنا ہے نا، اتنا نرم و ملائم بچھونا استعمال کرنے سے نیند میں اضافہ ہوگا، سستی بڑھے گی اور دنیوی آسائشوں کی طرف میلان میں اضافہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی صدقہ و خیرات سے شدید محبت

(١٠٩٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَوْكَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَباً لَسَرَّنِي أَن لَّاتَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْءٌ، إِلَّا شَيْئًا أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ۔))

(الصحيحة: ١١٣٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند ہوگی (کہ میں اس کو اتنا جلدی راہِ حق میں خرچ کر دوں) کہ تین راتیں نہ گزرنے پائیں اور اس کی کچھ مقدار میرے پاس باقی ہو، مگر اتنا حصہ جس کو میں قرضہ چکانے کے لیے روک لوں۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣/ ٨٣، ٧/ ١٧٨

(١٠٩٧)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوْعاً: ((مَا أُحِبُّ أَنْ أُحُداً ذَاكَ عِنْدِيْ ذَهَبٌ، أَمْسٰى ثَالِثَةً عِنْدِي مِنْهُ دِيْنَارٌ، إِلَّا دِيْنَارًا أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ، إِلَّا أَنْ أَقُوْلَ بِهِ فِي عِبَادِاللّٰهِ هٰكَذا۔)) حَثَا بَيْنَ يَدَيْهِ، وَهٰكَذَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَهٰكَذَا عَنْ شِمَالِهِ۔ (الصحيحة: ٢٢١١)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ کے بقدر سونا ہو اور (تیسرے دن کی) شام ہو جائے اور میرے پاس اس میں سے ایک دینار بھی باقی ہو، مگر وہ دینار جس کو قرضہ چکانے کے لیے اپنے پاس رکھ لوں۔'' (پھر آپ ﷺ نے اپنے سامنے اور دائیں بائیں تمثیل پیش کرتے ہوئے چلو بھر بھر کر ڈالے اور فرمایا:) ''میں تو چاہوں گا کہ اس مال کو بندگانِ خدا میں اس طرح اس طرح تقسیم کر دوں۔''

تخريج أخرجه البخاري: ٧/ ١٣٧، ومسلم: ٣/ ٧٥، وأحمد: ٥/ ١٥٢

(١٠٩٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَايَسُرُّنِي أَنَّ لِي أُحُداً ذَهَباً تَأْتِيْ عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِيْنَارٌ إِلَّا دِيْنَارٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ عَلَيَّ۔)) (الصحيحة: ١٠٢٨)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میرے پاس احد پہاڑ کے بقدر سونا ہو اور (تیسرے دن کی) رات آ جائے اور میرے پاس اس میں سے ایک دینار بھی بچا ہو، مگر وہ (سونا) جس کو میں اپنا قرض چکانے کے لیے روک لوں۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ۳/ ۷۵

(۱۰۹۹)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي وَجْعِهِ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ:((يَا عَائِشَةُ! مَافَعَلَتِ الذَّهَبُ؟)) قَالَتْ: قُلْتُ: هِيَ عِنْدِي۔ قَالَ: ((ائْتِيْنِي بِهَا۔)) فَجِئْتُ بِهَا، وَهِيَ مَابَيْنَ التِّسْعِ أَوِ الْخَمْسِ ، فَوَضَعَهَا فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَالَ بِهَا۔ وَأَشَارَ يَزِيْدُ بِيَدِهِ۔ ((مَاظَنُّ مُحَمَّدٍ بِاللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهِ عِنْدَهُ؟ أَنْفِقِيْهَا۔))

(الصحيحة:۲٦٥۳)

حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: ”عائشہ! سونے کا کیا بنا؟ میں نے کہا: وہ میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس لے کر آؤ۔“ میں لے آئی۔ وہ نو یا پانچ دینار تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں رکھا اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”محمد (ﷺ) کا اپنے ربّ کے بارے میں کیا گمان ہوگا، اگر وہ اپنے ربّ کو اس حال میں ملے کہ یہ سونا اس کے پاس ہو؟ اب اس طرح کرو کہ اس کو (فوراً) خرچ کر دو۔“ یزید راوی نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر کے (آپ ﷺ کے اشارے کی کیفیت بیان کی)۔

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ۲۱٤۲۔ موارد، وأحمد: ٦/ ۱۸۲، وابن سعد في "الطبقات": ۲/ ۲/ ۳۳، وأحمد: ٦/ ۱۰٤

(۱۱۰۰)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ يَوْماً عَلٰى عَائِشَةَ ، فَقَالَتْ: لَوْرَأَيْتُمَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فِي مَرَضٍ مَرِضَهُ، قَالَتْ: وَكَانَ لَهُ عِنْدِي سِتَّةُ دَنَانِيْرَ قَالَ مُوْسٰى: أَوْ سَبْعَةُ۔ قَالَتْ: فَأَمَرَنِي نَبِيُّ اللّٰهِ أَنْ أُفَرِّقَهَا ، قَالَتْ فَشَغَلَنِي وَجْعُ نَبِيِّ اللّٰهِ حَتّٰى عَافَاهُ اللّٰهُ ، قَالَتْ: ثُمَّ سَأَلَنِي عَنْهَا؟ فَقَالَ: ((مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ۔ قَالَ: أَوِ السَّبْعَةُ؟)) قُلْتُ: لَا وَاللّٰهِ! لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِي وَجْعُكَ، قَالَتْ: فَدَعَا بِهَا، ثُمَّ صَفَّهَا فِي كَفِّهِ، فَقَالَ: ((مَاظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهِ عِنْدَهُ؟)) يَعْنِي سِتَّةَ دَنَانِيْرَ أَوْسَبْعَةَ۔

حضرت ابوامامہ بن سہل ؓ کہتے ہیں: ایک دن میں اور عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ ؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا: اگر تم رسول اللہ ﷺ کو اُس روز دیکھتے، جس دن آپ بیمار ہوئے اور میرے پاس آپ کے چھ دینار تھے۔ موسیٰ راوی کا بیان ہے کہ چھ یا سات دینار تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے ان کو خرچ کر دینے کا حکم صادر فرمایا، لیکن میں آپ ﷺ کی تکلیف کی وجہ سے (آپ کی خدمت میں) مصروف تھی، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شفا دے دی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے ان کے بارے میں دریافت کیا اور فرمایا: ”ان چھ یا سات دیناروں کا کیا بنا؟“ میں نے کہا: بخدا! آپ کی تکلیف نے اتنا مشغول کر دیا کہ میں ان کو خرچ نہ کر سکی۔ پھر آپ ﷺ نے وہ دینار منگوائے اور اپنی ہتھیلی پر رکھے اور فرمایا: ”اللہ کے نبی کا (اپنے ربّ کے بارے

(الصحيحة: ١٠١٤)

میں) کیا گمان ہوگا، اگر وہ اس کو اس حال میں ملے کہ یہ اس کے پاس ہوں۔'' یعنی یہ چھ یا سات دینار۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٠٤

شرح: ...... صدقہ وخیرات شریعت کا مستقل باب ہے، اس کی اہمیت ہر خاص وعام پر واضح ہے، قرآن وحدیث میں بے شمار مقامات پر اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے نبی ﷺ کی پیروی کریں اور اپنی آمدن کا معقول حصہ راہِ خدا میں خرچ کریں۔

شبہات سے اجتناب کرنا

(١١٠١)۔ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَلَمَّا انْصَرَفْنَا لَقِيَنَا دَاعِي امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ: إِنَّ فُلَانَةَ تَدْعُوْكَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى طَعَامٍ۔ فَانْصَرَفَ، وَجَلَسَ وَجَلَسْنَا مَعَهُ، وَجِيْءَ بِالطَّعَامِ، فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ وَوَضَعَ الْقَوْمُ أَيْدِيَهُمْ، فَنَظَرُوْا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا أُكْلَتُهُ فِي فِيْهِ لَا يُسِيْغُهَا، فَكَفُّوْا أَيْدِيَهُمْ لِيَنْظُرُوْا مَايَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَأَخَذَ لُقْمَتَهُ فَلَفَظَهَا، وَقَالَ: ((أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا، أَطْعِمُوْهَا الأُسَارٰى۔))

(الصحيحة: ٧٥٤)

ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں: ایک انصاری آدمی کا جنازہ پڑھنے کے لیے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، جب واپس پلٹے تو ایک قریشی عورت کا داعی ہمیں ملا اور کہا: (اے اللہ کے رسول!) فلاں عورت آپ کو آپ کے ساتھیوں سمیت کھانے کے لیے بلا رہی ہے۔ پس آپ ﷺ تشریف لے گئے اور (گھر میں جا کر) بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے کھانا شروع کیا اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی۔ لیکن صحابہ نے جب دیکھا کہ آپ کا لقمہ آپ کے منہ میں ہے اور آپ اسے نگل نہیں رہے، تو وہ بھی کھانے سے رک گئے اور دیکھنے لگ گئے کہ آیا آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ نے (منہ سے) لقمہ نکالا اور اسے پھینک دیا اور فرمایا: ''مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے، جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے، اس طرح کرو کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔''

تخريج: أخرجه ابن منده في "المعرفة": ٢/ ٢٧٥/ ١، وابوداود: ٣٣٣٢، والدار قطني في "سننه": ٤/ ٢٨٥، واحمد: ٥/ ٢٩٣

شرح: ...... سنن ابوداود میں پوری روایت یوں ہے: ایک انصاری کہتا ہے: ہم ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ قبر کے کنارے پر بیٹھے تھے اور کھودنے والے کو فرما رہے تھے: پاؤں کی طرف سے کھلا کرو، سر والی جانب کو کھلا کرو۔''

جب آپ ﷺ وہاں سے واپس پلٹے تو ایک عورت کا داعی آپ ﷺ کو ملا، (اس نے آپ ﷺ کو دعوت دی، پس آپ ﷺ نے دعوت قبول کی اور اس کے گھر) تشریف لے گئے، کھانا لایا گیا، آپ ﷺ اور لوگوں نے کھانا کھانا شروع کیا، ہمارے بڑے آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے لقمہ چبایا اور پھر فرمایا: ''میں محسوس کرتا ہوں کہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر لے کر ذبح کر دی گئی ہے۔''

اس عورت نے (وضاحت کرتے ہوئے) کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے بکری خریدنے کے لیے (غلام کو) بقیع کی طرف بھیجا، لیکن وہاں سے کوئی بکری نہ ملی، پھر میں نے اپنی پڑوسی کی طرف بھیجا، اس نے ایک بکری خریدی تھی، میں نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ وہی بکری مجھے فروخت کر دے، لیکن وہ موجود نہیں تھا، پھر میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا، اس نے یہ بکری میری طرف بھیج دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔'' (ابوداود: ۳۳۳۲)

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس بکری کا سودا صحیح نہیں تھا، کیونکہ عورت کے خاوند کی رضامندی شامل نہیں تھی، جو کہ اصل مالک تھا۔ یہ بیع فضولی سے ملتی جلتی ہے، جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، بہرحال شبہ قوی ہے اور خود ایسا کھانا کھانا پسندیدہ نہیں ہے۔ (عون المعبود ۲/۱۵۲۳)

چونکہ یہ گوشت واضح طور پر حرام نہ تھا، کیونکہ مالک کو راضی کرنا ممکن تھا، اس لیے اسے قیدیوں کو کھلانے کا حکم دے دیا گیا۔ ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ مشکوک اور ناجائز ماکولات و مشروبات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے چبایا ہوا لقمہ بھی پھینک دیا۔

صحابہ کی پیشۂ تجارت سے محبت

(۱۱۰۲)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: لَقَدْ خَرَجَ أَبُوبَكْرٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَاجِراً إِلٰى بُصْرٰى، لَمْ يَمْنَعْ أَبَابَكْرٍ الضَّنُّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شُحُّهُ عَلٰى نَصِيبِهِ مِنَ الشُّخُوْصِ لِلتِّجَارَةِ، وَذٰلِكَ كَانَ لِإِعْجَابِهِمْ كَسْبَ التِّجَارَةِ، وَحُبِّهِمْ لِلتِّجَارَةِ، وَلَمْ يَمْنَعْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ مِنَ الشُّخُوْصِ فِي تِجَارَتِهِ لِحُبِّهِ صُحْبَتَهُ وَضَنِّهِ بِأَبِي بَكْرٍ، فَقَدْ كَانَ بِصُحْبَتِهِ مُعْجَبًا لِاسْتِحْسَانِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: لِاسْتِحْبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے بصری کی طرف روانہ ہوئے، وہ تجارت میں اتنی دلچسپی لے رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی محبت بھی ان کو نہ روک سکی، دراصل ان لوگوں کو تجارت کی کمائی پسند تھی اور وہ تجارت سے محبت کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تجارت میں دلچسپی لینے سے نہیں روکا، حالانکہ آپ بھی ان کی صحبت کو پسند کرتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے۔ اُدھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ﷺ کی صحبت پسند تھی، لیکن (وہ تجارت کا پیشہ اپنانے کو اس لیے ترجیح دیتے تھے، کیونکہ) رسول اللہ ﷺ تجارت کو اچھا سمجھتے تھے اور اس کو پسند

لِلتِّجَارَةِ وَإِعْجَابِهِ بِهَا۔ کرتے تھے۔

(الصحيحة:٢٩٢٩)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير":٢٣/ ٣٠٠/ ٦٧٤

شرح:...... یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے، جونقطہ ہم قارئین کے لیے بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت صحابہ کرام کو پیشۂ تجارت پسند تھا اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کرتے اور اس کی خاطر دور دراز علاقوں کا سفر بھی کرتے تھے، لیکن ان کا یہ شوق اور حرص ان کی محبت مصطفی ﷺ کو متاثر نہ کرتی، وہی بندگانِ خدا میدانِ جہاد میں نظر آتے تھے، حج وعمرہ کے سفروں میں آپ ﷺ کے ہم سفر ہوتے، آپ کی آنکھ کے اشارے پر مال و جان لٹا دیتے، مسجد نبوی کو آباد کرتے، مختلف علاقوں اور خطوں کا نظم ونسق سنبھالتے۔

صحابہ کرام کی زندگیاں راہِ اعتدال کا درس دیتی ہیں، دنیا کی حرص کی مذمت کرنے کا یہ مفہوم نہیں کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے اور اپنے رزق کے لیے اسباب جمع نہ کیے جائیں اور مذہب کو اپنانے کی وصیت کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کو کلیۃً ترک کر کے رہبانیت اختیار کی جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا، شریعت کے دائرے میں رہ کر ہر دو کو عمل کیا جائے۔

ابن آدم کی حرص

(١١٠٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((الشَّيْخُ يَكْبُرُ وَيَضْعُفُ جِسْمُهُ، وَقَلْبُهُ شَابٌّ عَلَى حُبِّ اثْنَتَيْنِ: طُولِ الْحَيَاةِ، وَحُبِّ الْمَالِ۔)) (الصحيحة:١٩٠٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آدمی بوڑھا اور اُس کا جسم کمزور ہو رہا ہوتا ہے، لیکن اس کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان ہو رہا ہوتا ہے: لمبی زندگی اور مال کی محبت۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٣٥، ٣٣٨، ٣٣٩، والحديث اخرجه الشيخان و غيرهما بالفاظ متقاربة

(١١٠٤)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْكَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ (وَفِي رِوَايَةٍ: مِنْ ذَهَبٍ) لَابْتَغَى وَادِياً ثَالِثاً وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔)) رَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، مِنْهُمْ: أَنَسٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَأَبُو مُوسَى۔

(الصحيحة:٢٩٠٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ابن آدم کے پاس مال یا سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ ضرور تیسری وادی تلاش کرے گا، (سیدھی بات ہے کہ) مٹی ہی ہے جو ابن آدم کے پیٹ کو بھر سکتی ہے اور اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں، جو اس کی طرف توبہ کرتا ہے۔'' یہ حدیث حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر اور حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہم سمیت صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

تخریج: هذا حدیث صحیح متواتر عن النبی ﷺ، رواه عنه جماعة من اصحابه بالفاظ متقاربة، وقد خرجته عن جماعة منهم فی "تخریج احادیث مشکلة الفقر": ۱۸/ ۱٤، رواه الشیخان عن انس و ابن عباس، والبخاری عن ابن الزبیر ومسلم عن ابی موسی، وعددهم عشرة، وفی الباب عن غیرهم تجد تخریجها فی "مجمع الزوائد": ۷/ ۱٤۰، ۱۰/ ۲٤۳

شرح:...... دنیوی زندگی کے اسباب جمع کرنے کے لیے جائز کوشش وکاوش کرنا اور بات ہے اور اس کے بارے میں لمبی لمبی امیدیں قائم کرنا اور دنیوی فکر کا ہو کر رہ جانا اور بات ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مذہب اور آخرت کو کلیدی حیثیت دیں، ان کو اپنی زندگی موت کا مسئلہ سمجھیں، چونکہ زندگی گزارنے کے لیے کمائی کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے اس میں بھی دلچسپی لیں، لیکن ہر ایک کی اہمیت کو سمجھ کر اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث متواتر ہے، کئی صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے، سب کے الفاظ قریب قریب ہیں، میں نے (تخریج احادیث مشکلة الفقر: ۱۸/ ۱٤) میں ان کی تخریج کی ہے۔ سیدنا انس اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث بخاری اور مسلم میں، سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری میں اور سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم میں ہے۔ تقریبا دس صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ (مجمع الزوائد: ۷/ ۱٤۰۔ ۱٤۱ اور ۱۰/ ۲٤۳۔ ۲٤۵) میں ان اور مزید روایات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ احادیث کا ذکر درج ذیل بحث میں بھی آئے گا۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس باب کی حدیث: ((لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ ......)) حدیثِ نبوی ہے یا حدیثِ قدسی ہے یا قرآن ہے، جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے؟ اس کا تفصیلی جواب کتاب "فَضَائِلُ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةِ وَالْأَذْكَارِ وَالرُّقٰى" میں عنوان "وہ آیات، جو منسوخ ہو چکی ہے، لیکن ان کا حکم باقی ہے" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

ابن آدم کا حریص ہونا

(۱۱۰۵)۔ عَنْ أَبِي وَاقِدِ اللَّيْثِي، قَالَ: كُنَّا نَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَيُحَدِّثُنَا فَقَالَ لَنَا ذَاتَ يَوْمٍ: ((إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَلَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِ ثَانٍ، وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُونَ إِلَيْهِمَا ثَالِثٌ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔)) (الصحيحة:۱٦۳۹)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو ہم آپ کے پاس آتے تھے۔ ایک دن آپ نے ہمیں بیان کیا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تو نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے لیے مال نازل کیا ہے، اگر آدم کے بیٹے کے پاس ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں اور اگر اس کے پاس دو وادیاں ہوں تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس تیسری بھی ہو۔ بس مٹی ہی ہے جو آدم کے پیٹ کو بھر دیتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہے، وہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٨ـ ٢١٩، والطبراني في "الكبير": ٣٣٠٠، ٣٣٠١

شـــرح: ...... مال و دولت کو بڑھانے کے لیے شریعت کے دائرے میں رہ کر کوشش کرنا اور جو ملے اس پر قناعت کرنا اور دنیوی دوڑ کی وجہ سے شرعی فرائض و واجبات کو متاثر نہ ہونے دینا اور بات ہے، اور دنیا کا حریص بن جانا، اس کے لیے للچانا اور روپے پیسے کو ہی عزت و شرف سمجھنا اور بات ہے۔

بخل مہلک ہے

(١١٠٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ: ((صَلَاحُ أَوَّلِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالزُّهْدِ وَالْيَقِيْنِ، وَيَهْلِكُ آخِرُهَا بِالْبُخْلِ وَالْأَمَلِ۔)) (الصحيحة: ٣٤٢٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کے پہلے لوگوں کی راست روی (اور درستگی) کی بنیاد زہد (عبادت گزاری) اور یقین پر تھی اور آخری لوگوں کی ہلاکت بخیلی اور امیدوں کی وجہ سے ہوگی۔''

تخريج: أخرجه أحمد في "الزهد": صـ ١٠، والطبراني في "المعجم الاوسط": ٨/ ٣١٦/ ٧٦٤٦، وابن عدي في "الكامل": ٦/ ١٢٧، والبيهقي في "شعب": ٧/ ٤٢٧/ ١٠٨٤٥، والخطيب في "التاريخ": ٧/ ١٨٦

شرح: ...... سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ، وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔)) (مسلم: ۲۵۷۸) ..... ''اور بخل و حرص سے بچو، کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے، اس بخل نے ہی انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپس میں خون ریزی کریں اور حرام کردہ چیزوں کو انہوں نے حلال سمجھ لیا۔''

کنجوسی، بخل اور حرص جیسے اوصاف انسان کے کمینہ ہونے کے لیے کافی ہیں، بخیل آدمی سنگ دل بن جاتا ہے، دوسروں کی خوشی و غمی سے مستغنی ہو جاتا ہے، اپنے روپے پیسے کو بچانے یا اس کو بڑھانے کے لیے وہ قتل و غارت گری جیسے اقدامات کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور شریعت میں گنجائشیں تلاش کرتے کرتے اللہ تعالی کی حدود کو پھلانگنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ دنیا فانی، نہایت عارضی اور ناپائیدار ہے، اس کا ساز و سامان ایک متاعِ فریب ہے، اس کے فنا ہونے کے بعد آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں، جنہیں زوال اور فنا نہیں، اس لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان موت اور اپنے انجام کو ہر وقت یاد رکھے اور لمبی لمبی امیدوں میں پڑ کر آخرت کی تیاری سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتے۔

عورت، باعث فتنہ کیوں ہے؟

(١١٠٧)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ: ((إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک دنیا سرسبز و شاداب (پرکشش)

وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔)) (الصحيحة: ۹۱۱)

اور میٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس میں خلیفہ بنانا ہے تا کہ وہ جانچ سکے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پس دنیا اور عورتوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں میں واقع ہوا۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد في "المسند": ۳/ ۲۲

شرح :...... شریعت اسلامیہ میں ایک طرف تو عورت کو کلیدی حیثیت کا مالک ٹھہرایا گیا ہے، یہ عورت ہی ہے جو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کا روپ اختیار کر کے اپنے بیٹوں، اپنے باپوں، اپنے بھائیوں اور اپنے خاوندوں سے الفت و محبت اور احترام و اکرام وصول کرتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔)) (مسلم: ۱٤٦٧) ...... ''دنیا ساز و سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان، نیک عورت ہے۔'' عورتوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ۔)) (ترمذی: ۱۱٦۲) ...... ''تم میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے اور تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے، جو اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہے۔''

یہ اسلام ہی ہے جس نے عورت کو سب سے زیادہ تحفظ، احترام اور مقام عطا کیا، مردوں کو ان کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور ان کی عزتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے سرے سے غیر محرم عورتوں طرف دیکھنے اور بالخصوص نظر بد سے دیکھنے سے منع کر دیا۔

بہر حال اس مقام و مرتبہ کے باوجود عورت فتنہ باز، سازشی، مکار، ناشکری اور شکایتی ثابت ہوئی ہے۔ اس کی نالائقی اور بے صبری کا یہ عالم ہے کہ ایک خاوند، ساس سسر اور گھر میں بسنے والے چند افراد کو راضی نہیں رکھ سکتی ہے۔

عصر حاضر میں عورتوں کی نیم برہنہ حالت اور بے پردگی اچھے خاصے مومنوں کے لیے بڑی آزمائش ثابت ہوئی ہے، بازاروں میں بدکاری اور نظروں کا زنا عام ہے، گھروں سے باہر نکل کر جدھر نگاہ اٹھائیں، ہر طرف شیطانوں کے روپ میں عورتوں کے جاذب نظر چہرے اور بدکاری کے وسائل و اسباب نظر آتے ہیں، رہی سہی کمی کو میڈیا اور اشتہار بازی نے خوب پورا کیا ہے۔ اس سے بڑا مکر و فریب کیا ہو سکتا ہے کہ شادی کے چند روز بعد ہی عورت نے اپنے خاوند کے سامنے قسما قسم کے ''بتول'' پڑھ پڑھ کے اسے خرید لیا اور اس کو اس کے والدین اور بہن بھائیوں کا دشمن ثابت کر دکھایا۔ آجکل مرد حضرات اپنے مجازی خالق والدین کی گستاخی کرتے ہیں، اپنے بہن بھائیوں کی محبتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں اور ان کے بھتیجے اور بھانجے ان کے میٹھے بولوں کو ترسنے لگتے ہیں، ان سب کارستانیوں کی جڑ عورت ہے۔ چشم فلک گواہ ہے کہ شادی سے پہلے رشتہ داروں کے ساتھ معاملات اور ہوتے ہیں اور شادی کے بعد رخ بدلتے ہوئے نظر آنے لگتے

ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ ساس کے کردار پر نگاہ ڈالیں، اس کی سازشوں کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ اس کا داماد اس کی بیٹی کا ہو کر رہ جائے اور اپنے جنم دینے والوں کو دشمن سمجھنے لگے۔ کتنے بد بخت اور کمینے ہیں وہ لوگ، جو اپنی بیویوں اور ساسوں کے پاس بیٹھ کر اپنی ماؤں بہنوں کی بدخوئی کرتے ہیں۔

مسلم معاشرہ کے اکثر افراد بدکار، چالباز اور آوارہ عورتوں کے چنگل میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پوری دنیا میں تعلیمی میدان میں شکست کھانے والے ذہین نوجوانوں کے پست ہو جانے کے اسباب پر کبھی غور کیا؟ کالجز اور یونیورسٹیز کے آوارہ صفت ماحول کے نتائج پر کبھی غور کیا ہے؟ والدین سے بے رخی کرنے والے بیس سالہ لڑکے کے اسباب کے بارے میں کبھی دریافت کیا ہے؟ معاشرے کے اکثر نوجوان شادیوں کے قابل کیوں نہیں رہے؟ شادی کا نام سن کر ان کے رنگ پیلے کیوں پڑ جاتے ہیں؟ والدین کی طے شدہ نسبتوں کو کیوں ٹھکرا دیا گیا؟ ایک آدمی بچوں کا باپ ہونے، ان کے نازنخرے پورے کرنے اور ان سے پیار و محبت کے دعوے کرنے کے باوجود اپنے والدین کو کیوں بھول جاتا ہے۔ وسعت ہونے کے باوجود اپنے والدین پر خرچ کرنے کے معاملے میں کیوں کنجوسی برتی جاتی ہے؟ ....

شاید ان سب سوالوں کے جوابات لفظ ''عورت'' پر آ کر رک جائیں۔

رہتی دنیا تک آزمائشیں اور فتنے رہیں گے

(١١٠٨)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ مَا بَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا بَلَاءٌ وَفِتْنَةٌ وَإِنَّمَا مَثَلُ عَمَلِ أَحَدِكُمْ كَمَثَلِ الْوِعَاءِ، إِذَا طَابَ أَعْلَاهُ طَابَ أَسْفَلُهُ، وَإِذَا خَبُثَ أَعْلَاهُ خَبُثَ أَسْفَلُهُ)) (الصحيحة: ١٧٣٤)

حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک جو دنیا باقی رہ گئی ہے وہ آزمائش اور فتنہ ہے۔ تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال برتن کی طرح ہے، جس (میں ڈالی گئی چیز) کا اوپر والا حصہ اچھا ہو تو نیچے والا بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر اوپر والا حصہ گندا ہو تو نیچے والا بھی گندا ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن المبارك في "الزهد": ٥٩٦، وعنه أحمد: ٤/ ٩٤، والرامهرمزي في "الأمثال": صـ ١٠١ ـ هند، ورواه ابن ماجه: ٤١٩٩، و ابويعلى: ٤/ ١٧٧٦ دون فقرة الدنيا

شرح:...... نبی کریم ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سے ہی فتنوں اور آزمائشوں کے جس دور کا آغاز ہوا تھا، وہ آج تلک نہ صرف برقرار ہے، بلکہ بڑھتا جا رہا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے نیک اعمال اس کے باطن کے اچھا ہونے پر دلالت کرتے ہیں، یہی معاملہ برے اعمال کا ہے۔ اس سے ان لوگوں کا ردّ ہوتا ہے، جو بعض برائیوں میں ملوث ہونے اور بعض فرائض سے پہلوتہی برتنے کے باوجود اس پراگندہ خیال کے دعویدار ہیں کہ نیکی کرنے اور برائی ترک کرنے کا تعلق تو دل سے ہے، بظاہر نہ بھی کی جائے تو خیر ہے۔ دراصل ایسے لوگوں کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ پن ہے اور یہ دعوی ان کی بدعملی کا بہانہ ہے۔

فتنے کب رونما ہوں گے؟

(۱۱۰۹)۔ عَنْ كُرْزِ بْنِ عَلْقَمَةَ مَرْفُوعاً: ((أَيُّمَا أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ أَرَادَاللّٰهُ بِهِمْ خَيْراً، أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الْإِسْلَامَ، ثُمَّ تَقَعُ الْفِتَنُ كَأَنَّهَا الظُّلَلُ.)) (الصحيحة: ٥١)

حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی عرب وعجم کے جس گھرانے کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کریں گے، ان کو اسلام میں داخل فرما دیں گے، پھر سائبان کی طرح (کثرت سے) فتنے وقوع پذیر ہوں گے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٣/ ٤٧٧، والحاكم: ١/ ٣٤، والبيهقي أيضا في"الأسماء": صـ١١٧، وابن الأعرابي في "حديث سعدان بن نصر": ١/ ٤/ ١

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ نے صحیحہ میں اس حدیث پر یہ سرخی ثبت کی ہے: ''لَا خَيْرَ فِي الْعَرَبِ وَلَا فِي الْعَجَمِ إِلَّا بِالْإِسْلَامِ'' (عرب وعجم میں اسلام کی وجہ سے ہی خیر ہے)

پھر انھوں نے کہا: امام حاکم (۱/ ۶۱، ۶۲) نے ابن شہاب کی سند سے بیان کیا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (بیت المقدس کی فتح کے موقع پر) شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آگے سے سیدنا ابوعبیدہ بن جراح سمیت کچھ لوگ استقبال کے لیے آئے اور اس مقام تک پہنچ گئے، جہاں سے دریا کا پانی کم ہونے کی وجہ سے پیادہ اور سوار گزرتے تھے، وہ کیا دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے، لیکن جب اس مقام پر پہنچے تو اتر آئے، اپنے موزے اتار کر کندھے پر رکھ دیے اور اونٹ کی لگام پکڑ کر دریائی گزرگاہ میں گھس پڑے۔ ابوعبیدہ نے کہا: امیر المومنین! یہ کیا؟ آپ نے موزے اتار کر کندھے پر رکھ دیے ہیں اور اونٹنی کی لگام تھام کر دریائی راستے کو عبور کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ شہر والے لوگ اس حالت میں آپ کو دیکھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اوہ! ابوعبیدہ! اگر یہ بات کہنے والا تیرے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں (اسے ایسی سزا دیتا کہ) وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے باعث عبرت بن جاتا۔ ہم ذلیل لوگ تھے، اللہ تعالی نے ہم کو اسلام کی وجہ سے معزز قرار دیا۔ اللہ تعالی نے جن امور کی بنا پر ہم کو عزت عطا کی ہے، اگر ہم نے عزت کے حصول کے لیے کوئی دوسرا انداز اختیار کیا تو وہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ نے کہا: امیر المومنین! ابھی آپ کو شام کے جرنیل اور لشکر ملنے والے ہیں اور آپ کی یہ حالت ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالی نے ہم لوگوں کو اسلام کی بنا پر عزت عطا کی ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی اور طریقے سے عزت تلاش کریں۔ (صحیحہ: ۵۱)

عرب وعجم جب تک اسلام کے ساتھ وابستہ رہے، عزتیں ان کا مقدر بنی رہیں، لیکن جونہی انھوں نے اس نظام سے پہلوتہی اختیار کی تو وہ ذلیل ہو گئے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی ذلت وپستی کی ایک ہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسلامی

احکام سے بے رخی اختیار کی ہے۔

اولاد کا والدین کی طرف سے صدقہ کرنا

(١١١٠)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَتَرَكَتْ حُلِيًّا وَلَمْ تُوْصِ، فَهَلْ يَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: ((اِحْبِسْ عَلَيْكَ مَالَكَ۔)) (الصحيحة:٢٧٧٩)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میری ماں فوت ہوگئی اور بغیر وصیت کے کچھ زیور چھوڑ گئی ہے، اگر میں اُس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اُسے نفع دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنا مال اپنے پاس رکھو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني: ١٧/ ٢٨١/ ٧٧٣، وأخرجه احمد: ٤/ ١٥٧ بلفظ: ...... أفأتصدق به عنها؟ قال: ((أمك أمرتك بذلك؟)) قال: لا، قال: ((فأمسك عليك حلي أمك۔))

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ماں نے وصیت نہ کی ہو تو اولاد کو اس کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن دوسری انتہائی واضح احادیث بڑی صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ اولاد والدین کی طرف سے صدقہ و خیرات کر سکتی ہے، بطورِ مثال سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری عدم موجودگی میں میری ماں فوت ہوگئی، اب اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کے لیے مفید ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' (صحیح ابوداود: ٢٥٦٦، احکام الجنائز: صـ ١٧٢) کئی دوسری احادیث سے بھی یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: ان دو قسم کی احادیث میں جمع و تطبیق کی یہ صورت ہے کہ اس باب کی حدیث میں جس سائل کا ذکر ہے، وہ خود فقیر اور محتاج تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے مال روک لینے کی نصیحت فرمائی۔ اس استدلال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب اس آدمی نے سوال کیا کہ کیا صدقہ کرنے سے اس کی ماں کو فائدہ پہنچے گا تو آپ ﷺ نے ایصالِ ثواب کی نفی نہیں کی، بلکہ فرمایا: ''اپنا مال اپنے پاس روکے رکھو۔'' مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ حکم اس کی ذاتی ضرورت اور محتاجی کی بنا پر تھا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ٢٧٧٩)

بدو سے خرید وفروخت کرنے کا انداز

(١١١١)۔ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِيهِ حُصَيْنِ بْنِ قَيْسٍ: أَنَّهُ حَمَلَ طَعَاماً إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَلَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((مَاذَا تَحْمِلُ يَاأَعْرَابِيُّ؟)) قَالَ: قَمْحاً، قَالَ: ((مَا أَرَدْتَ بِهِ أَوْ مَاتُرِيْدُ بِهِ؟))

زیاد بن حصین اپنے باپ حصین بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مدینہ غلہ لے کر آئے، ان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اعرابی! تو کون سی چیز اٹھا کر لایا ہے؟'' اس نے کہا: گندم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے بارے تیرا کیا ارادہ ہے؟'' اس نے کہا: میں

قَالَ: أَرَدْتُ بَيْعَهُ، فَمَسَحَ رَأْسِي، وَقَالَ: ((أَحْسِنُوْا مُبَايَعَةَ الْأَعْرَابِيِّ.)) (الصحيحة:۳۲۳۵)

اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اس بدّو نے کہا: آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اچھے طریقے سے اس اعرابی کے ساتھ خرید وفروخت کرو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٤/ ٣٥/ ٣٥٥٩، ٥/ ٣٠٧/ ٥٢٩٤، وأخرجه النسائي: ٢/ ٢٧٧، والبزار في "مسنده": ٢/ ٨٩/ ١٢٧٣، والبخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ١ مختصرا

شرح:...... ویسے تو ہر شخص کے ساتھ اچھے انداز میں خرید وفروخت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، بہرحال بدو کے معاملے میں زیادہ تاکید برتی گئی ہے، کیونکہ وہ مارکیٹ میں کوئی چیز پہنچانے تک زیادہ محنت کرتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ دیہاتی لوگ، شہری لوگوں کی بہ نسبت سادہ لوح ہوتے ہیں اور اگر ان کی حوصلہ شکنی کی جائے تو وہ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

عورت کا کمائی کرنا کیسا ہے؟

(۱۱۱۲)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي ثَلَاثًا، فَخَرَجَتْ تَجُدُّ نَخْلًا لَهَا، فَلَقِيَهَا رَجُلٌ فَنَهَاهَا، فَأَتَتِ النَّبِيَّ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهَا: ((أُخْرُجِيْ فَجِدِّيْ نَخْلَكِ، لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا.)) (الصحيحة:۷۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری خالہ کو تین طلاقیں دے دی گئیں، وہ اپنی کھجوروں کا پھل توڑنے کے لیے باغ میں جا رہی تھی۔ اُس کو ایک آدمی ملا، جس نے اُس کو (عدّت کی وجہ سے) ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئی اور آپ ﷺ کے سامنے اپنا معاملہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو چلی جایا کر اور کھجوروں کا پھل توڑ لیا کر، ممکن ہے کہ تو اس میں سے کچھ صدقہ کرے یا کوئی اور نیکی والا کام کرے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٤/ ٢٠٠، وأبو داود: ١/ ٥٢٥۔طبعة الحلبي، والدارمي: ٢/ ١٦٨، وابن ماجه: ١/ ٦٢٧، والحاكم: ٢/ ٢٠٧، وأحمد: ٣/ ٣٢١

شرح:...... معلوم ہوا کہ (۱) عورت بھی کمائی کر سکتی ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں کسی شرعی نص کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ (۲) طلاقِ بتہ والی خاتون دن کے وقت کسی ضرورت کے پیشِ نظر گھر سے نکل سکتی ہے۔ اور (۳) کسی مسئلہ کے متعلق ہر سنی سنائی بات کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ کسی مستند جید عالمِ دین سے رابطہ کرنا چاہیے۔

امانت کی ادائیگی کا حکم اور خیانت کے عوض خیانت نہ کرنا

(۱۱۱۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تیرے پاس امانت رکھی، اُس کو اس کی

خَانَكَ۔)) (الصحيحة: ٤٢٣) امانت ادا کردے اور تو اس سے خیانت نہ کر، جو تیرے ساتھ خیانت کرے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٠٨، والترمذي: ١/ ٢٣٨، والدارمي: ٢/ ٢٦٤، والخرائطي في"مكارم الأخلاق": ٣٠، والدارقطني: ٣٠٣، والحاكم: ٢/ ٤٦

شرح:...... شریعت تمام کی تمام امانت ہے، کسی کا تعلق اللہ تعالی کے حقوق سے ہے اور کسی کا بندوں کے حقوق سے۔ شریعتِ اسلامیہ میں امانت کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی نہ کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امانت مسلمان کا مستقل وصف ہونا چاہیے، نہ کسی کی امانت کے بدلے میں اس صفت کو اپنایا جائے اور نہ کسی کی خیانت کے عوض اس کو ترک کیا جائے۔ اس معاملے میں اپنے پرائے، امین و خائن اور مسلم و کافر کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا، بلکہ ہر ایک کی امانت ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ہمارے ہاں انتقام لینے کی فضا عام ہے، مثلا اگر وقت کی حکومت اپنے حقوق ادا نہ کر رہی ہو تو عوام اس کی املاک کو نقصان پہنچانا شروع کر دیتے ہیں، مثلا بجلی اور گیس چوری کرنا، حکومت کی ملکیت کا کسی قسم کا مال چوری کرنا، ٹرین کے ذریعے سفر کرنے پر کرایہ نہ دینا، دفاتر، سکولز، کالجز اور مختلف حکومتی اداروں میں اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرنا، سرکاری زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنا۔ شریعت میں یہ تمام گناہ کی بدترین اقسام ہیں۔ یہی معاملہ کسی انسان کی خیانت کے مقابلے میں اس سے خیانت کرنے کا ہے۔
قارئین کرام! غور فرمائیں کہ شریعت میں نیکی اور گناہ کا تعلق اللہ تعالی کی فرمانبرداری اور نافرمانی سے ہے، کسی کی دوستی اور دشمنی سے نہیں۔ درج ذیل حدیث پر غور فرمائیں:
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنْ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ۔)) (بخاري: ٢١٥١، مسلم: ١٥٢٤) ...... ''اونٹنیوں اور بکریوں (کو فروخت کرتے وقت) ان کا دودھ مت روکو، اگر کوئی آدمی ایسا جانور خرید لیتا ہے تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دو اختیار ہیں، اگر وہ چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے، لیکن اس کے ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی واپس کرے۔''
مسلم کی روایت میں ہے: ((فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔)) ...... ''اسے (واپس کرنے کا) تین دنوں تک اختیار ہے۔'' دیکھیں کہ جانور بیچنے والے نے دھوکہ کیا اور دو تین دن جانور کو چارہ ڈالتا رہا، لیکن اس کا دودھ نہیں دوہا۔ جب خریدنے والے نے دودھ دوہ کر استعمال کر لیا اور ایک دو دنوں تک اس پر حقیقت حال واضح ہو گئی تو شریعت نے اسے سودا واپس کرنے کا تین دن تک اختیار دیا ہے اور ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر وہ جانور واپس کرتا ہے تو کھجوروں کا ایک صاع بھی ساتھ واپس کرے، تاکہ بیچنے والا جو چارہ ڈالتا رہا، لیکن دودھ نہیں دوہا، اس کا عوض ہو جائے۔
سبحان اللہ! جانور کا دودھ روکنے والے نے ظلم کیا اور دھوکہ کیا، لیکن شریعت نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ اس کے

دھوکے کے عوض اس کو نقصان پہنچایا جائے یا اس کے ساتھ زیادتی کی جائے، بلکہ یہ حکم صادر فرمایا کہ اس کے دھوکے کو اس پر چھوڑ دیا جائے اور اس کے چا ۔ ے یا محنت کے عوض اس کو کھجوروں کا ایک صاع دے دیا جائے۔

صاع ایک پیمانے کا نام ہے، جو تقریباً دو کلو سو گرام کے برابر ہوتا ہے۔

معاملات میں نرم خو آدمی کی فضیلت

(۱۱۱٤)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَدْخَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْجَنَّةَ رَجُلاً كَانَ سَهْلاً مُشْتَرِياً وَبَائِعاً، وَقَاضِيًا وَمُقْتَضِياً۔))

(الصحيحة: ۱۱۸۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو جنت میں داخل کیا، کیونکہ وہ خرید و فروخت کرنے اور قرض کی ادائیگی و وصولی کرنے میں نرم خو تھا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ الكبير" ۳/ ۲/ ۲٦۷، والنسائي: ۲/ ۲۳٤، وابن ماجه: ۲/ ۲۰۔ ۲۱، وأحمد: ۱/ ۵۸ و ٦۷ و ۷۰، والخرائطي في "مكارم الأخلاق" صـ ٥٤، والطيالسي في "مسنده": ۱/ ۲٦۲/ ۱۳۰۷

(۱۱۱۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ، سَمْحَ الشِّرَاءِ، سَمْحَ الْقَضَاءِ۔))

(الصحيحة: ۸۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو بیچنے میں نرمی اختیار کرنے والا، خریدنے میں آسانی پیدا کرنے والا اور (قرض وغیرہ کی) ادائیگی میں نرم رویہ اختیار کرنے والا ہو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۲۷۳۔ تحفة، والحاكم: ۲/ ٥٦

شرح:...... نرمی، عاجزی اور تواضع ایسے کیمیا نسخے ہیں کہ ان کے ذریعے دشمنوں کے دل بھی مسخر ہو جاتے ہیں۔ لین دین اور ادائیگی و وصولی کے معاملات میں نہ چاہتے ہوئے بھی سختی ہو جاتی ہے، اس لیے ایسے امور میں نرم خوئی کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور جنت میں داخلے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

عام طور پر اور بالخصوص مہنگائی کے اس دور میں دیکھا گیا ہے کہ دوکانداروں اور گاہکوں میں سختی والے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ قرضوں کی ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں قرض خواہ آگ بگولا ہو جاتا ہے، اسی طرح جب کسی دوکاندار سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جائے جو اس کے پاس نہیں ہوتی، تو چیز کے دستیاب نہ ہونے پر اس کا اظہار بھی بسا اوقات خریدار کے لیے حوصلہ شکنی کا پیغام ہوتا ہے۔ یہی معاملہ گاہک کا ہے کہ جب وہ دیکھتا کہ اس کی مطلوبہ چیز نہیں ہے تو وہ بھی اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے، نتیجتاً ماحول میں کشیدگی نظر آنے لگتی ہے اور ہر ایک کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اگر خرید وفروخت کرنے والوں میں اختلاف پڑ جائے تو

(١١١٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَهُوَ مَايَقُوْلُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ۔)) (الصحيحة:٧٩٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب خرید وفروخت کرنے والے دو افراد جھگڑنے لگیں اور کسی کے پاس بھی کوئی دلیل نہ ہو تو وہی قول (معتبر) ہوگا جو سامان کا مالک کہے گا یا پھر وہ دونوں (اس سودے کو) فسخ کر دیں گے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود والدارمي: ٢/ ٢٥٠، وابن ماجه: ٢/ ١٦، والدارقطني، والنسائي، والترمذي و احمد

شرح:...... معلوم ہوا کہ جب فروخت کنندہ اور خریدار میں کسی چیز کی نوعیت و کیفیت یا اس کی قیمت یا سودے کی کسی شرط کے بارے میں اختلاف پڑ جائے اور کسی کے پاس اس کے دعوے پر شہادت نہ ہو تو مال کے مالک کی بات کو معتبر سمجھا جائے گا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ وہ مدعی ہو یا مدعی علیہ۔ اگر خریدنے والا اس کی بات کو برحق تسلیم نہ کرے تو سودا واپس کر دیا جائے گا۔

کس سودے میں واپسی کا اختیار ہوتا ہے

(١١١٧)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى بْنِ حَبَّانَ، قَالَ: هُوَ جَدِّي مُنْقِذُ بْنُ عَمْرٍو، وَكَانَ رَجُلاً قَدْ أَصَابَتْهُ آفَةٌ فِي رَأْسِهِ فَكَسَرَتْ لِسَانَهُ، وَكَانَ لَايَدَعُ عَلٰى ذٰلِكَ التِّجَارَةَ، وَكَانَ لَايَزَالُ يُغْبَنُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ: ((إِذَا أَنْتَ بَايَعْتَ فَقُلْ: لَاخِلَابَةَ ثُمَّ أَنْتَ فِي كُلِّ سِلْعَةٍ ابْتَعْتَهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، فَإِنْ رَضِيْتَ فَأَمْسِكْ وَإِنْ سَخِطْتَ فَارْدُدْهَا عَلٰى صَاحِبِهَا۔)) (الصحيحة:٢٨٧٥)

محمد بن یحییٰ بن حبان کہتے ہیں: منقذ بن عمرو میرے دادا ہیں، ان کے سر میں کوئی ایسی آفت آئی کہ اس نے ان کی زبان کو متاثر کر دیا، لیکن وہ اس کے باوجود تجارت سے باز نہیں آتے تھے اور ہمیشہ دھوکا کھا جاتے تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات آپ ﷺ کو بتلائی۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو سودا کرے تو یوں کہا کر ''دھوکہ نہیں ہے۔ پھر تو جو سامان خریدے، (اس کو واپس کرنے کے لیے) تجھے تین راتوں تک اختیار ہے۔ اگر تجھے پسند آ جائے تو رکھ لے اور ناپسند ہونے کی صورت میں مالک کو واپس کر دے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:٢٣٥٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کو خرید وفروخت میں دھوکہ دیا جاتا ہو، اسے تین دنوں تک سودا واپس کرنے کا اختیار ہے۔ (صحیحہ: ۲۸۷۵)

دھوکہ دینے کے لیے جانور کا دودھ نہ روکا جائے

(۱۱۱۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا بَاعَ أَحَدُكُمُ الشَّاةَ وَاللِّقْحَةَ، فَلَا يُحَفِّلْهَا۔)) (الصحيحة:٣٢٣٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی بکری اور اونٹنی (وغیرہ) فروخت کرے تو (خریدنے والے کو دھوکہ دینے کے لیے) اُن کا دودھ تھنوں میں نہ روکے۔''

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف" ٨/ ١٩٨/ ١٤٨٦٤، ومن طريقه: النسائي: ٢/ ٢١٤، وابن حبان: ٧/ ٢٢٤/ ٤٩٤٨، وأحمد: ٢/ ٢٧٣، والحديث أخرجه الشيخان و أصحاب السنن و غيرهم من طرق عديدة وبألفاظ متقاربة عن أبي هريرة

شرح:...... اس مسئلہ میں درج ذیل حدیث ذہن نشین کر لینی چاہیے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنْ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرِيْنَ بَعْدَ اَنْ يَّحْلُبَهَا، اِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا، وَاِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ۔)) (بخاری: ۲۱۵۱، مسلم: ۱۵۲٤) ...... ''اونٹنیوں اور بکریوں (کو فروخت کرتے وقت) ان کا دودھ مت روکو، اگر کوئی آدمی ایسا جانور خرید لیتا ہے تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دو اختیار ہیں، اگر وہ چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے، لیکن اس کے ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی واپس کرے۔''

مسلم کی روایت میں ہے: ((فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔)) ...... ''اسے (واپس کرنے کا) تین دنوں تک اختیار ہے۔''

معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی کو دھوکہ ہو جاتا ہے اور وہ دودھ روکا ہوا جانور خرید لیتا ہے، لیکن جب حقیقتِ حال اس پر واضح ہوتی ہے تو اسے تین دنوں تک سودا واپس کرنے کا اختیار ہے۔

زمین سے فائدہ حاصل کرنے پر اسلام کی ترغیب

(۱۱۱۹)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ، أَوْ إِنْسَانٌ، أَوْ بَهِيْمَةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة: ٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان پودا لگائے گا یا کھیتی باڑی کرے گا اور اُس سے جو پرند، انسان یا کوئی چوپایہ کھائے گا، تو وہ اُس کے لیے صدقہ ہوگا۔''

تخريج: رواه البخاري: ٢/ ٦٧۔طبع أوروبا، ومسلم:٥/ ٢٨، وأحمد:٣/ ١٤٧

(۱۱۲۰)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے، پھر اس سے جو بھی کھایا

صَدَقَةٌ، وَمَاسُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.))

(الصحيحة:٨)

جاتا ہے، وہ اُس کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے، جو اُس سے چوری کیا جاتا ہے، وہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہوتا ہے، جو اُس سے درندے کھاتے ہیں، وہ بھی اُس کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے اور جو پرندے اس سے کھا جاتے ہیں، وہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ (الغرض) قیامت کے دن تک جب بھی کوئی مخلوق اس کو استعمال کر کے اس میں کمی پیدا کرتی ہے تو وہ اس کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے۔''

تخریج: رواه مسلم عنه، ثم رواه هو واحمد: ٣/ ٣٩١ من طرق اخرى عنه بشيء من الاختصار

(١١٢١)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيْلَةٌ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا تَقُوْمَ حَتّٰى يَغْرِسَهَا، فَلْيَغْرِسْهَا.))

(الصحيحة:٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر (ایسی صورتحال پیدا ہو جائے کہ) قیامت بالکل قریب ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا پودا ہو، اگر وہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے اسے گاڑھ سکتا ہو تو اسے گاڑھ دینا چاہیے۔''

تخریج: رواه الامام أحمد ٣/ ١٨٣، ١٨٤، ١٩١، وكذالطياسي: رقم: ٢٠٦٨، والبخاري في "الادب المفرد": ٤٧٩، وابن الاعرابي في "معجمه": ق ٢١/ ١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان احادیث کریمہ میں سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، بالخصوص آخری حدیث میں، کہ اگر زندگی کے آخری لمحے میں کوئی پودا لگانے کا موقع مل جائے تو محروم نہیں رہنا چاہیے، تاکہ پچھلے لوگ اس سے استفادہ کرتے رہیں اور جب تک اس پودے کے اثرات باقی رہیں، اسے اجر ملتا رہے۔

امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: [بَابُ اِصْطِنَاعِ الْمَالِ] پھر انھوں نے لقیط کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ہمارے ہاں جب کوئی گھوڑی بچہ جنم دیتی تو اس کا مالک اس کو ذبح کر دیتا اور کہتا: میں نے کوئی زندہ رہنا ہے کہ اس پر سوار ہوں گا؟ اتنے میں ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا: اللہ تعالی نے تم کو جو رزق دیا ہے، اس کی اصلاح کرو، کیونکہ لمبی زندگی گزارنی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے داؤد بن ابو داود انصاری سے کہا: جب تجھے دجال کے ظاہر ہونے کی خبر ملے اور تو وادی میں پودے لگا رہا ہو تو ان کی اصلاح کرنے میں جلدی مت کرنا، کیونکہ دجال کے بعد بھی لوگوں نے زندہ رہنا ہے۔

حافظ ابن حجر نے داؤد بن ابو داؤد کو ''مقبول'' کہا ہے۔

ابن جریر نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے

باپ سے کہتے ہوئے سنا: تم اپنی زمین میں پودے کیوں نہیں لگاتے؟ میرے باپ نے کہا: میں بوڑھا آدمی ہوں، کل مر جاؤں گا۔ سیدنا عمر نے کہا: میں تجھے سختی کے ساتھ پودے وغیرہ لگانے کا حکم دیتا ہوں۔ پھر میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ میرے باپ کے ساتھ پودے لگا رہے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ نے زمین کی اصلاح کرنے والوں کو اللہ تعالی کا مزدور کہا۔ امام بخاری نے (الأدب المفرد: ۴۴۸) میں نافع بن عاصم سے بیان کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ''وہط'' سے نکلنے والے اپنے ایک بھتیجے سے کہا: کیا تیرے مزدور کام کرتے ہیں؟ اس نے کہا: پتہ نہیں۔ انھوں نے کہا: اگر تو ثقیف قبیلے کا ہوتا تو اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کرتا، پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: جو آدمی اپنے مزدوروں کے ساتھ مل کر اپنے گھر یا مال میں کام کرتا ہے، وہ اللہ تعالی کا عامل اور مزدور قرار پاتا ہے۔

طائف کے علاقے میں ''وَجّ'' مقام سے تین میلوں کے فاصلے پر ایک باغ کا نام ''وہط'' تھا، جو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی اولاد میں بطورِ وراثت منتقل ہوا تھا۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۲/۲۶۴/۱۳) میں عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے باغ ''وهـــــط'' میں داخل ہوئے، جو طائف میں واقع تھا، اس میں دس لاکھ لکڑیاں پڑی تھیں، جو انھوں نے دس لاکھ درہموں کے عوض خریدی تھیں ان کے ذریعے وہ انگوروں کی بیلوں کو کھڑا کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس باب کی پہلی دو احادیث پر یہ باب قائم کیا ہے: [بَـابُ فَضْلِ الزَّرْعِ اِذَا أُكِلَ مِنْهُ] (اس کھیتی کی فضیلت، جس سے کھایا جائے)

ابن منیر نے کہا: امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کھیتی لگانا مباح ہے۔ اس سے نہی والی احادیث کو ان صورتوں پر محمول کیا جائے گا، جن میں پڑنے کی وجہ سے لوگ جہاد جیسے شرعی مقاصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ (صحیحہ: ۹)

کاشتکاری باعثِ ذلت کیوں ہے؟

(۱۱۲۲)۔ عَـنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ ، قَالَ: وَرَأَى سِكَّةً وَشَيْئًا مِنَ آلَةِ الْحَرْثِ ، فَقَالَ: سَـمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَايَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الذُّلَّ۔)) (الصحيحة: ۱۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ہل کا پھال اور کھیتی باڑی کے کچھ دوسرے آلات دیکھے اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس قوم کے گھر میں یہ (آلات) داخل ہو جاتے ہیں، اللہ اُن پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "صحيحه": ٥/ ٤ ـ بشرح الفتح ، ورواه الطبراني في "الكبير": ٨/ ٢٣

شرح:...... اس باب کی حدیثِ مبارکہ کے برعکس نبی کریم ﷺ نے کئی احادیث میں سرمایہ کاری اور کھیتی باڑی

کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((مَامِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا ، أَوْ یَزْرَعُ زَرْعاً ، فَیَأْکُلَ مِنْهُ طَیْرٌ ، أَوْ إِنْسَانٌ ، أَوْ بَهِیْمَةٌ ، إِلَّا کَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔)) (صحیحہ: ۷) ...... ''نہیں ہے کوئی مسلمان، جو پودا لگائے یا کھیتی باڑی کرے، پھر اس سے پرندے چگیں یا انسان کھائیں یا جانور چریں، مگر اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِی یَدِ أَحَدِکُمْ فَسِیْلَةٌ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا تَقُوْمَ حَتّٰی یَغْرِسَهَا ، فَلْیَغْرِسْهَا۔)) (صحیحہ: ۹) ...... اگر (ایسی صورتحال پیدا ہو جائے کہ) قیامت بالکل قریب ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا سا پودا ہو، اگر وہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے اسے گاڑھ سکتا ہو تو اسے گاڑھ دینا چاہیے۔

ظاہری طور پر تعارض نظر آ رہا ہے کہ ایک طرف کھیتی باڑی کے آلات کو باعث ذلت قرار دیا گیا اور دوسری طرف کھیتی باڑی کرنے کی تعلیم و ترغیب دی گئی۔ اس تعارض کو دور کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علمائے کرام نے ان احادیث میں دو تطبیقات پیش کی ہیں:

(اول)...... سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذلالت سے مراد جزیہ، ٹیکس اور عشر جیسے زمین کے حقوق ہیں، کہ حکمران جن کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس دوران زمینداروں کو ذلیل کرتے ہیں۔

مناوی نے کہا: اس حدیث میں کھیتی باڑی کی مذمت نہیں کی جا رہی، کیونکہ کاشتکاری تو قابل تعریف اور باعث اجر پیشہ ہے، کئی جانداروں کے کھانے کی ضروریات پوری ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ دنیا کی ذلالت اور اجر و ثواب سے محرومی میں کوئی تلازم نہیں ہے۔

ابن تین نے کہا: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے غیبی امور کی خبر دی ہے، کیونکہ اب تو یہ حقیقت مشاہدہ شدہ بن چکی ہے کہ کھیتی باڑی کرنے والوں پر بڑا ظلم ہوتا ہے۔

(دوم)...... سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے تو جو کاشتکاری اور کھیتی باڑی میں پڑ کر جہاد جیسے واجبات و فرائض سے غافل ہو جاتا ہے اور بالآخر ذلتوں کے گڑھوں میں گر جاتا ہے، امام بخاری کا میلان بھی یہی ہے، انھوں نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: [بَابُ مَا یُحْذَرُ مِنْ عَوَاقِبِ الْاِشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ أَوْ مُجَاوَزَةِ الْحَدِّ الَّذِیْ أُمِرَ بِهِ] (کھیتی باڑی کے آلات میں مشغولیت یا کاشتکاری کے سلسلہ میں شرعی حد بندی سے تجاوز کرنے کے انجام کے بارے میں محتاط رہنا)

اور یہ بات تو بڑی واضح ہے کہ کمائی کے اسباب میں غلوّ کی حد تک دلچسپی لینے سے آدمی واجبات سے غافل ہو جاتا ہے، دنیا کا حریص ہو جاتا ہے، دنیا میں ہی رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور جہاد سے اعراض کرتا ہے۔ جیسا کہ آج کل کے امیر لوگوں کی صورتحال ہے۔ (صحیحہ: ۱۰)

حجام کی کمائی کیسی ہے؟

پچھنے یا سینگی لگانے والے کو حجام کہتے ہیں۔

(۱۱۲۳)۔ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ ، قَالَ: أَنَّ جَدَّهُ حِيْنَ مَاتَ تَرَكَ جَارِيَةً وَنَاضِحًا وَغُلَامًا وَحَجَّامًا وَأَرْضًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْجَارِيَةِ ، فَنَهٰى عَنْ كَسْبِهَا ، قَالَ شُعْبَةُ: مَخَافَةَ أَنْ تَبْغِيَ ، وَقَالَ: ((وَمَا أَصَابَ الْحَجَّامُ فَأَعْلِفْهُ النَّاضِحَ۔)) وَقَالَ فِي الأَرْضِ: ((ازْرَعْهَا أَوْ ذَرْهَا۔))

(الصحيحة: ۱٤۰۰)

عبایہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج کہتے ہیں: جب میرا دادا لونڈی، اونٹ، غلام، حجام اور کچھ زمین چھوڑ کر فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کی کمائی سے منع فرما دیا۔ امام شعبہ کہتے ہیں: بدکاری کا خطرہ ہونے کی وجہ سے (منع کیا گیا)۔ اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”حجام کی کمائی کو اونٹوں کا چارہ بنا دے۔“ اور زمین کے بارے میں فرمایا: ”اس کو خود کاشت کرو یا پھر ویسے ہی پڑی رہنے دے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٤١

(۱۱۲٤)۔ عَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ: أَنَّ مُحَيِّصَةَ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ كَسْبِ حَجَّامٍ لَهُ؟ فَنَهَاهُ عَنْهُ ، فَلَمْ يَزَلْ بِهِ يُكَلِّمُهُ ، حَتّٰى قَالَ: ((اِعْلِفْهُ نَاضِحَكَ ، وَأَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ۔)) (الصحيحة: ٤۰۰۰)

حرام بن سعد بن محیصہ بیان کرتے ہیں کہ محیصہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے حجاموں کی کمائی کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو منع کر دیا۔ وہ بار بار یہی سوال کرتے رہے، حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(پھر اس طرح کرو کہ) ان کی کمائی کا اونٹوں کو چارہ ڈال دیا کرو یا غلاموں کو کھلا دیا کرو۔“

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ٩٧٤ ، وأحمد: ٥/ ٤٣٥-٤٣٦ ، وأبوداود: ٣٤٢٢ ، والترمذي: ١٢٧٧ ، وابن ماجه: ٢١٦٦ ، وابن حبان في "صحيحه": ١١٢١- موارد

(۱۱۲٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ كُلُّهُنَّ سُحْتٌ: كَسْبُ الْحَجَّامِ ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ ، إِلَّا الْكَلْبَ الضَّارِيَ۔))

(الصحيحة: ۲۹۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تین (چیزیں) حرام ہیں: حجام کی کمائی، زانیہ عورت کی کمائی اور کتے کی قیمت، سوائے شکاری کتے کے۔“

تخريج: أخرجه الدارقطني: ٣/ ٧٢ ، وأخرج احمد: ٢/ ٥٠٠ نحوه دون الاستثنا

(١١٢٦)۔ عَـنْ رَافِـعِ بْـنِ خَـدِيْـجٍ ، أَنَّ النَّبِي ﷺ قَـالَ: ((ثَـمَـنُ الْـكَلْبِ خَبِيْثٌ وَمَهْـرُ الْبَـغِـيِّ خَبِيْثٌ وَكَسْبُ الْحِجَامِ خَبِيْثٌ۔)) (الصحيحة:٣٦٢٢)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کتے کی قیمت خبیث ہے، زانیہ کی کمائی خبیث ہے اور حجام کی کمائی خبیث ہے۔“

تخريج: رواه مسلم: ٥/ ٣٥، وأبوداود: ٣٤٢١، والترمذي: ١٢٧٥، والنسائي: ٧/ ١٩٠، وابن حبان: ٥١٥٢، ٥١٥٣، والحاكم: ٢/ ٤٢، وابن أبي شيبة: ٦/ ٢٤٦، ٢٧٠، والدارمي: ٢/ ٢٧٢، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ٤/ ١٢٩ و "مشكل الآثار": ٤٦٥٠، والبيهقي: ٩/ ٣٣٦۔ ٣٣٧، والطيالسي: ٩٦٦، وأحمد: ٣/ ٤٦٤ و ٤٦٥ و ٤/ ١٤١، والطبراني في "المعجم الكبير": ٤٢٥٨، ٤٢٦٠، وابن عبدالبرّ في "التمهيد": ٢/ ٢٦٦

شرح:...... سینگی لگانے والے کی کمائی مکروہ ہے، اگرچہ درج بالا کئی احادیث میں اس کی کمائی کو خبیث کہا گیا ہے، لیکن عبایہ بن رفاعہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حجام کی کمائی جائز ہے، مزید قرائن درج ذیل ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو طیبہ سے سینگی لگوائی اور اسے غلے کا ایک صاع (یعنی دو کلو سو گرام اجرت کے طور پر) دینے کا حکم دیا۔ (بخاری: ۲۱۰۲)

حافظ ابن حجر نے کہا: علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سینگی لگانے والے کی کمائی حلال ہے، انھوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ اس میں گھٹیا پن ضرور ہے، لیکن یہ حرام نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۴/ ۵۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی اور حجام کو اس کی اجرت دی، اگر یہ حرام ہوتی تو آپ ﷺ اسے کچھ نہ دیتے۔ (بخاری: ۲۱۰۳، مسلم: ۱۲۰۲)

دوسری بات یہ ہے کہ خبیث کا اطلاق کم تر، بری، گھٹیا، ردّی، ناپسندیدہ اور خراب چیز پر بھی ہوتا ہے۔ اس باب کی احادیث میں "كَسْبُ الْحِجَامِ خَبِيْثٌ" سے یہی معنی مراد ہے۔

اگر چوری والا مال چور کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے پاس مل جائے تو

(١١٢٧)۔ عَـنْ عِـكْـرِمَةَ بْـنُ خَـالِدٍ ، أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرِ الْأَنْصَارِيِّ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ عَـامِلاً عَـلَـى الْيَـمَامَةِ ، وَأَنَّ مَرْوَانَ كَتَبَ إِلَيْـهِ أَنَّ مُـعَـاوِيَةَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّ: أَيُّمَا رَجُلٍ سُـرِقَ مِـنْـهُ سَـرْقَةً فَهُـوَ أَحَقُّ بِهَا حَيْثُ

عکرمہ بن خالد سے روایت ہے کہ اسید بن حضیر نے اپنے بارے میں اسے بتلایا کہ وہ یمامہ کا گورنر تھا، وہ کہتے ہیں: مروان نے میری طرف خط لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا ہے کہ جس آدمی کا کوئی مال چوری ہو جائے تو وہ جہاں اس مال کو پالے، وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ پھر یہی

وَجَدَهَا۔ ثُمَّ كَتَبَ ذٰلِكَ مَرْوَانُ إِلَيَّ وَكَتَبَ إِلَى مَرْوَانَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِأَنَّهُ: ((إِذَا كَانَ الَّذِي ابْتَاعَهَا۔ يَعْنِي السَّرْقَةَ۔ مِنَ الَّذِي سَرَقَهَا غَيْرَ مُتَّهَمٍ يُخَيَّرُ سَيِّدُهَا: فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الَّذِي سُرِقَ مِنْهُ بِثَمَنِهَا، وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ سَارِقَهُ)) ثُمَّ قَضٰى بِذٰلِكَ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَبَعَثَ مَرْوَانُ بِكِتَابِي إِلَى مُعَاوِيَةَ وَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى مَرْوَانَ: إِنَّكَ لَسْتَ أَنْتَ وَلَا أُسَيْدٌ تَقْضِيَانِ عَلَيَّ وَلٰكِنِّي أَقْضِي فِيمَا وُلِّيتُ عَلَيْكُمَا، فَانْفُذْ لِمَا أَمَرْتُكَ بِهِ۔ فَبَعَثَ مَرْوَانُ بِكِتَابِ مُعَاوِيَةَ، فَقُلْتُ: لَا أَقْضِي بِهِ مَاوُلِّيتُ بِمَا قَالَ مُعَاوِيَةُ۔ (الصحيحة:٦٠٩)

بات مروان نے مجھے لکھ کر بھیج دی۔ لیکن میں نے مروان کو لکھا کہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے تو یہ فیصلہ کیا تھا: ''اگر چوری کا مال خریدنے والا تہمت زدہ اور (الزام زدہ) نہ ہو تو اصل مالک کو دو چیزوں کا اختیار دیا جائے گا: اگر وہ چاہے تو وہ مال قیمت کے عوض خرید لے اور اگر چاہے تو چور کا پیچھا کرے۔'' پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی یہی فیصلہ کیا۔ مروان نے میرا یہ خط سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارسال کر دیا، جواباً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو لکھا: مروان! تم اور اسید مجھ پر فیصلہ نہیں کر سکتے، بلکہ ان امور میں میں تم پر فیصلہ کروں گا۔ (آئندہ) میں جو حکم دوں، اس کو نافذ کر دیا کرو۔ مروان نے معاویہ کا یہ خط میں (اسید) کی طرف بھیجا، لیکن میں نے کہا: جب تک میں گورنر رہا، معاویہ کے قول پر عمل نہیں کروں گا۔

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٢٣٣، والحاكم: ٢/ ٣٦، وأحمد: ٤/ ٢٢٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث ایک اہم مسئلہ کی وضاحت پر بھی مشتمل ہے اور وہ یہ کہ ایک آدمی نے اپنا چوری شدہ مال ایسے شخص کے پاس پا لیا جو بظاہر عدل و انصاف سے متصف ہے اور اس نے درحقیقت وہ مال غاصب یا چور سے خریدا تھا۔ اب اصل مالک کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بغیر قیمت کے اس شخص سے اپنا مال وصول کرے۔ ہاں اگر وہ چاہے تو حاکم کے پاس اپنا کیس دائر کروا سکتا ہے۔

رہا مسئلہ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا: ((مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعَ مَنْ بَاعَهُ)) ...... ''جس نے اپنا مال، اس کی حقیقی شکل میں، کسی آدمی کے پاس پا لیا تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہو گا۔'' تو گزارش ہے کہ یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ اس کو اوپر والی صحیح حدیث کی معارضت میں پیش کیا جا سکے، جبکہ خلفائے راشدین کا عمل بھی اُس کے مطابق ہے۔ (صحیحہ:۶۰۹)

اللہ تعالی اور لوگوں کا محبوب بننے کا نسخہ

(١١٢٨)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے ایسے عمل کی نشاندہی کریں کہ اگر میں

اللّٰهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ۔)) (الصحيحة:٩٤٤)

اسے اپنا لوں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی۔ رسول اللہ نے فرمایا: ''دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے رغبت ہو جا، لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔''

تخریج:أخرجه ابن ماجه: ٤١٠٢، وأبو الشيخ في"التاريخ": صـ١٨٣، والحامي في "مجلسين من الأمالي": ١٤٠/ ٢، والعقيلي في"الضعفاء": ١١٧، والروياني في"مسنده": ٨١٤/ ٢، وابن عدي في"الكامل": ١١٧/ ٢، وابن سمعون في"الأمالي": ٢/ ١٥٧/ ١، والطبراني في "الكبير": ٨/ ٢٣٧/ ٥٩٧٢، وأبونعيم في"الحلية": ٣/ ٢٥٢-٢٥٣و٧/ ١٣٦، وفي"أخبار أصبهان": ٢/ ٢٤٤، والحاكم: ٤/ ٣١٣، والبيهقي في"الشعب": ٧/ ٣٤٤/ ١٠٥٢٢

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں جس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے، اسی کو اپنانے سے انسان کو غیرت وحمیّت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا ہے، دنیا کا حریص ہونا اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانا کسی معزز قبیلے کے فرد کے ذلیل ہونے کے لیے کافی ہے۔

قطعی طور پر اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حصولِ رزق کے لیے کاوش وکوشش نہ کی جائے۔ شریعت کے دائرے میں رہ کر مال ودولت کے حصول کے لیے کوشش کرنا اور بات ہے اور دنیا کے لیے لپانا اور بات ہے۔

جو لوگ مال ودولت جمع کرنے اور اس کو گننے میں مصروف رہتے ہیں، صدقہ وخیرات کرنا تو درکنار، وہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی خوف کھاتے ہیں، کسی کی خوشی غمی کا ان کے مال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک ایک روپے کے حصول کے لیے سرگرداں نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ معاشرے کے بے وقعت افراد ہوتے ہیں، کوئی ان کی قدر کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔

ہاتھ کی کمائی اور درست بیع کی برکت

(١١٢٩)۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: ((أَطْيَبُ الْكَسْبِ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ۔)) (الصحيحة:٦٠٧)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی کمائی بہترین (اور پاکیزہ) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر مبرور بیع کرنا بہترین کمائی ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٤/ ١٤١، والطبراني في"الأوسط": ١/ ١٣٥/ ١، والحاكم: ٢/ ١٠

شرح:...... ہمارے ہاں بعض اہل علم، مالدار اور مناصبِ عالیہ پر فائز لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر خیال

کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ دوسرے لوگوں کو ان کے پیشے اور محنت مزدوری کرنے کا پتہ چل جائے، اس حدیثِ مبارکہ میں ان کا رد کیا گیا ہے کہ ہاتھ سے کام کرنا پاکیزہ شعبہ ہے۔

"مبرور بیع" سے مراد وہ سودا ہے جو مکمل طور پر شرعی احکام کے مطابق کیا جائے اور اس کا کسی قسم کے گناہ سے تعلق نہ ہو۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کا ذریعہ معیشت

(۱۱۳۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ دَاوُدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔)) (الصحيحة:۳۵۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بیشک داوٗد علیہ السلام، جو کہ نبی تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔''

تخريج: أخرجه البخاري ۲۰۷۳، ۳۴۱۷، وابن حبان: ۶۱۹۴

شرح:...... دنیا میں سب سے بڑا عہدہ نبوت اور رسالت ہے، حضرت داوٗد علیہ السلام اسی عہدہ پر جلوہ افروز تھے، لیکن اس کے باوجود عجز و انکساری سے بدرجۂ اتم متصف تھے اور ہاتھ سے کام کاج کرنے میں کوئی توہین محسوس نہیں کرتے تھے۔

دنیا کے قلیل ہونے کی مثال

(۱۱۳۱)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ الدُّنْيَا كُلَّهَا قَلِيْلًا وَمَابَقِيَ مِنْهَا إِلَّا الْقَلِيْلُ مِنَ الْقَلِيْلِ، وَمَثَلُ مَابَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا كَالثَّغَبِ۔ يَعْنِي: الْغَدِيْرَ۔ شُرِبَ صَفْوُهُ وَبَقِيَ كَدَرُهُ۔)) (الصحيحة:۱۶۲۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو قلیل بنایا ہے اور اب دنیا کا جو حصہ باقی ہے، وہ قلیل میں سے بھی قلیل ہے۔ (گزر جانے والی دنیا کے مقابلے میں جو حصہ باقی ہے) اس کی مثال یہ ہے کہ سائے میں واقع پانی کا ایک حوض ہو، جس کا عمدہ پانی پی لیا گیا اور گدلا پانی باقی ہو۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ۴/ ۳۲۰، وأخرج البخاري: ۲/ ۲۳۹ الشطر الآخر منه، لكنه اوقفه على ابن مسعود

شرح:...... قرآن وحدیث میں سینکڑوں دفعہ دنیا کی بے ثباتی اور اس کے انتہائی عارضی پن کی وضاحت کی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی عربوں کھربوں کی تعداد میں انسانیت کہاں چلی گئی ہے، یقیناً وہ اپنی اخروی منزل کی طرف منتقل ہو چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی سرے سے گزرگاہ ہے اور مسافر گزرگاہ کے ساتھ جو سلوک کرتے ہے، وہ ہر ایک پر واضح ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لیے کسی ستر اسی سالہ بزرگ کے پاس بیٹھ جائیں اور اس سے اس کی ستر اسی سالہ زندگی کے بارے میں سوال کریں، تو یقیناً اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس کی اتنی طویل زندگی اسے لمحہ بھر کا خواب معلوم ہو رہی ہے۔ انسان کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ دنیا دار الفنا ہے اور آخرت دار البقا ہے اور دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے، وہ دونوں جہانوں کی حقیقت کو سمجھ کر ان میں دلچسپی لینے کی کوشش کرے۔

مال و دولت کیوں عطا کیا گیا؟

(١١٣٢)۔ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ ، قَالَ: كُنَّا نَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَيُحَدِّثُنَا فَقَالَ لَنَا ذَاتَ يَوْمٍ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ قَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَلَوْكَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ إِلَيْهِ ثَانٍ، وَلَوْكَانَ لَهُ وَادِيَانِ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ إِلَيْهِمَا ثَالِثٌ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔))

(الصحيحة:١٦٣٩)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو ہم آپ کے پاس آتے تھے۔ ایک دن آپ نے ہمیں بیان کیا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تو نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے لیے مال نازل کیا ہے، اگر آدم کے بیٹے کے پاس ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کی دو وادیاں ہوں اور اگر اس کے پاس دو ہوں تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس تیسری بھی ہو۔ بس مٹی ہی ہے جو آدم کے پیٹ کو بھر دیتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہے، وہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١٨۔ ٢١٩ ، والطبراني في"الكبير": ٣٣٠٠ ، ٣٣٠١

شرح:...... یہ حدیث مبارکہ اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ دنیوی سہولتوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگ شرعی احکام پر عمل پیرا ہو سکیں، وگرنہ اگر کسی کے پاس کھانے پینے اور پہننے کے لیے کچھ نہ ہو تو شریعت پر عمل کرنا تو درکنار، وہ تو زندہ ہی نہیں رہ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس زیادہ مال و دولت ہوتا ہے، ان پر شرعی تقاضے بھی بڑھ جاتے ہیں، مثلاً حج، عمرہ، زکوۃ، جہاد اور جہادی فنڈ اور غریبوں اور بے کسوں کی امداد۔ وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ دنیوی مال و دولت زندگی اور ارکانِ شریعت کی ادائیگی کا سبب ہے، زندگی کا مقصود و مطلوب نہیں ہے۔ لیکن حدیث کے آخر میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ان حقائق کے باوجود بندہ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔

ہر کام عمدگی کے ساتھ سر انجام دینا چاہیے

(١١٣٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلاً أَنْ يُتْقِنَهُ۔))

(الصحيحة:١١١٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی عمل کرے تو وہ اسے مضبوطی، (پختگی اور عمدگی)

کے ساتھ سرانجام دے۔"

تخریج: رواه ابو يعلى عن عائشة، والبيهقي في "الشعب"

شــــرح :...... اس حدیث کے شواہد میں امام البانی رحمہ اللہ کی بیان کردہ درج ذیل مرسل روایت سے اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے:

عاصم بن کلیب بیان کرتے ہیں: مجھے میرے باپ کلیب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ایک میت کو دفناتے وقت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا، جبکہ میں سمجھ دار لڑکا تھا، میت کو قبر کے پاس لایا گیا، آپ ﷺ فرمانے لگے: "اس کی لحد کو برابر و ہموار کرو۔" لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ایسے کرنا سنت ہے، اتنے میں آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اس سے میت کو نفع یا نقصان نہیں ہوتا، بات یہ ہے کہ جب کام کرنے والا کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ وہ اسے اچھے انداز میں سرانجام دے۔" (الشعب للبيهقي)

معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر قسم کا دینی یا دنیوی کام اچھے انداز میں سرانجام دینا چاہیے اور آدمی کو زیب بھی یہی دیتا ہے، کیونکہ ایک کام کرنے کیلیے وقت بھی نکالا جائے، اخراجات بھی برداشت کیے جائیں اور پھر جو کام کیا جائے، اس کی نوعیت بھی بھدی اور ردی قسم کی ہو۔ مثال کے طور ایک آدمی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف آتا ہے، ظاہر بات ہے اس نے استنجا و وضو کی صورت میں طہارت حاصل کرنی ہے، پھر مقررہ رکعتوں کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ اب شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ اگر اس نے یہ فریضہ ادا کرنے کا عزم کر لیا ہے تو وہ اچھے انداز میں وضو کرے، نماز باجماعت کا اہتمام کرے اور احسن انداز میں نماز کے تمام ارکان و واجبات ادا کرے وگرنہ نماز بھی ادھوری اور ناقص رہ جائے گی۔

قسمیں اٹھا اٹھا کر مال بیچنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ آدمی ہے

(١١٣٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَرْبَعَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْبَيَّاعُ الْحَلَّافُ، وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ، وَالشَّيْخُ الزَّانِي، وَالْإِمَامُ الْجَائِرُ۔)) (الصحيحة: ٣٦٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتے ہیں: قسمیں اٹھا اٹھا کر سودا بیچنے والا، تکبر کرنے والا فقیر، بوڑھا زانی اور ظالم حکمران۔"

تخریج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٥٩، وابن حبان: ١٠٩٨

شرح :...... سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ مُنْفِقٌ، ثُمَّ يَمْحَقُ۔)) (مسلم: ١٦٠٧) ...... "تجارت میں بہت زیادہ قسمیں اٹھانے سے بچو، کیونکہ یہ سودا تو بکوا دیتی ہے، لیکن پھر برکت ختم کر دیتی ہے۔"

خرید وفروخت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالی کو رزّاق اور مسبّب الاسباب سمجھ کر شرعی ہدایات کے مطابق تجارتی معاملات طے کریں، چیز کی مثبت اور منفی پہلوؤں کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کر دیں، اس طرح سے ان کی تجارت میں برکت ہو گی۔

آج کل بازار میں خریدنے والے اور بیچنے والے دونوں فریق بہت زیادہ دروغ گوئی اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں، سیاہ کو سفید پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کئی دوکانداروں کو نہ سکون کا کھانا نصیب ہوتا ہے، نہ بچوں میں بیٹھنے اور ان کی تربیت کرنے کا موقع ملتا ہے اور نہ سکون کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ساری کی ساری زندگی اتنی مصروفیت میں گزر جاتی ہے کہ ایک سال کا پیریڈ ایک ماہ سے زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔

تکبر، زنا اور ظلم وستم ویسے بھی سنگین جرائم ہیں، لیکن جب مذکورہ لوگ ان کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

تاجر فاجر کیوں ہے؟

(۱۱۳۵)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ التُّجَارَ هُمُ الْفُجَّارُ۔)) قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَوَلَيْسَ قَدْ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ؟ قَالَ: ((بَلٰى، وَلٰكِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ فَيَكْذِبُوْنَ، وَيَحْلِفُوْنَ فَيَأْثَمُوْنَ۔))
(الصحيحة:٣٦٦)

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ تاجر لوگ گناہگار ہیں۔'' کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالی نے خرید وفروخت کو حلال نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔ لیکن (ان تاجر لوگوں کی صورتحال یہ ہے کہ) جب یہ بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں اور (خلافِ حقیقت) قسمیں اٹھاتے ہیں، پس گنہگار ہوتے ہیں۔''

تخريج: رواه أحمد: ٣/ ٤٢٨، والطبري في "تهذيب الآثار": ١/ ٤٣/ ٩٩و١٠٠، و الطحاوي في "المشكل": ٣/ ١٢، والحاكم: ٢/ ٦-٧، وعنه البيهقي في "الشعب": ٤/ ٢١١/ ٤٨٤٦

(۱۱۳۶)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: مَرَّ أَعْرَابِيٌّ بِشَاةٍ، فَقُلْتُ: تَبِيْعُهَا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ! ثُمَّ بَاعَهَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((بَاعَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَاهُ۔))
(الصحيحة:٣٦٤)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دیہاتی میرے پاس بکری لے کر گزرا۔ میں نے کہا: تین درہموں کے عوض بیچنی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! پھر اس نے فروخت بھی کر دی۔ جب میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تو دنیا کے عوض اپنی آخرت کو بیچ دیا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١٠٩٩

(۱۱۳۷)۔ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ، قَالَ: إِنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمُصَلَّى، فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُوْنَ فَقَالَ: ((يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ!)) فَاسْتَجَابُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَرَفَعُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِلَيْهِ فَقَالَ: ((إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّاراً، إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ۔)) (الصحيحة: ۹۹۴)

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلا، آپ ﷺ نے لوگوں کو خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ”اے تاجروں کی جماعت!“ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ندا کا جواب دیتے ہوئے اپنی گردنیں اور نگاہیں آپ ﷺ کی طرف اٹھائیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ قیامت والے دن تاجر لوگوں کا حشر بحیثیت گنہگار ہوگا، مگر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، نیکیاں کرتا رہا اور سچ بولتا رہا۔“

تخريج: أخرجه الترمذي: ۱/ ۲۲۸، والدارمي: ۲/ ۲۴۷، وابن ماجه: ۲/ ۵، وابن حبان: ۱۰۹۵، والحاكم: ۲/ ۶، والبيهقي: ۵/ ۲۶۶، وفي "الشعب": ۴/ ۲۱۹

(۱۱۳۸)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْبَقِيْعِ فَقَالَ: ((يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ!)) حَتّٰى إِذَا اشْرَأَبُّوْا قَالَ: ((إِنَّ التُّجَّارَ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّاراً، إِلَّا مَنِ اتَّقَى وَبَرَّ وَصَدَقَ۔)) (الصحيحة: ۱۴۵۸)

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بقیع میں تشریف لائے اور فرمایا: ”اے تاجروں کی جماعت!“ وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک بروز قیامت تاجر لوگوں کا حشر بحیثیت فاجر ہوگا، مگر وہ جس نے تقوی اختیار کیا اور نیکیاں کیں اور سچ کہا۔“

تخريج: أخرجه البيهقي في "شعب الأيمان" ۲/ ۵۳/ ۲، والترمذي، وابن حبان، والحاكم

شــرح:...... احادیث مبارکہ نے اپنا مفہوم بیان کر دیا ہے، جن امور کی بنا پر تاجروں کو خسارہ پانے والا قرار دیا گیا ہے، آجکل بازاروں میں یہ امور انتہائی عام اور رائج ہو چکے ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ نے تجارتی سامان کے بارے میں جھوٹ بولنے اور عیوب چھپانے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

کاروبار اور تجارت اللہ تعالیٰ کا احسانِ محض ہے، تاجر حضرات کو چاہیے کہ وہ مقصدِ حیات پر نگاہ ڈالیں، شرعی حدود و قیود کے پابند بن جائیں، اللہ تعالیٰ کو اپنا رازق اور اپنے کاروبار کو آخرت کی بہتری کا سبب قرار دیں اور سونے کو پیتل اور پیتل کو سونا ثابت کرنے سے باز آ جائیں۔

ہم ایک دن بند جوتا خریدنے کے لیے بازار گئے، جوتا پسند تو آ گیا، لیکن معمولی سا کھلا معلوم ہو رہا تھا، ہمارا شکوہ سن کر دوکاندار نے کہا کہ جرابیں پہننے کی وجہ سے اس کی لچک ختم ہو جائے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی دوکاندار کسی دوسرے

گاہک کو ایک جوتا دکھانے لگ گیا، وہ جوتا خریدار کو معمولی تنگ تھا، اس نے اپنے شکوے کا اظہار کیا اور کہا کہ ابھی تک اس نے جرابیں بھی نہیں پہنی ہوئیں، وہی دوکاندار اسے مطمئن کرنے کے لیے یہ شہادت دینے لگا کہ جرابوں کی وجہ سے جوتے کے تنگ یا کھلے ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نیک تاجر کا مقام

(۱۱۳۹)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلتَّاجِرُ الْأَمِيْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ، مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ، و الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

(الصحيحة: ۳٤٥۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صادق، امین اور مسلمان تاجر قیامت کے دن انبیا، اصدقا اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ۲۱۳۹، وابن أبي الدنيا في"أصلاح المال": ۷۳/ ۲۱۵، والمخلص في"الفوائد المنتقاة": ۸/ ٤/ ۱، و ابن حبان في"الضعفاء": ۲/ ۲۳۰۔ ۲۳۱، والحاكم: ۲/ ٦، والدارقطني في"السنن": ۳/ ۷/ ۱۷، وكذا البيهقي: ٥/ ۲٦٦، و"الشعب": أيضا: ۲/ ۸٦/ ۱۲۳۰ و ٤/ ۲۲۱/ ٤۸٥۰، والطبراني في"المعجم الأوسط": ۸/ ۱۹۲/ ۷۳۹۰

شرح: ...... سبحان اللہ! یہ شرعی حدود و قیود کا پابند رہنے کے منافع ہیں کہ تجارت کے ذریعے دنیوی زندگی کے اسباب بھی جمع کرو، ذہنی تسکین بھی حاصل کرو تا کہ انبیا و اصدقا و شہدا کی رفاقت بھی نصیب ہو جائے۔

لونڈی کی کمائی

(۱۱٤۰)۔ عَنْ عُبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، قَالَ: أَنْ جَدَّهُ حِيْنَ مَاتَ تَرَكَ جَارِيَةً وَنَاضِحًا وَغُلَامًا وَحَجَّامًا وَأَرْضًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْجَارِيَةِ، فَنَهٰى عَنْ كَسْبِهَا، قَالَ شُعْبَةُ: مَخَافَةَ أَنْ تَبْغِيَ، وَقَالَ: ((وَمَا أَصَابَ الْحَجَّامَ فَأَعْلِفْهُ النَّاضِحَ۔)) وَقَالَ فِي الْأَرْضِ: ((ازْرَعْهَا أَوْ ذَرْهَا۔))

(الصحيحة: ۱٤۰۰)

عبید بن رفاعہ بن رافع بن خدیج کہتے ہیں: جب میرا دادا لونڈی، اونٹ، غلام، حجام اور کچھ زمین چھوڑ کر فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کی کمائی سے منع فرما دیا۔ امام شعبہ کہتے ہیں: بدکاری کا خطرہ ہونے کی وجہ سے (منع کیا گیا)۔ اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''حجام کی کمائی کو اونٹوں کا چارہ بنا دے۔'' اور زمین کے بارے میں فرمایا: ''اس کو خود کاشت کر لیا کر یا پھر ویسے ہی پڑی رہنے دے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ۱٤۱

شرح :......لونڈی اپنے آقا کی ملکیت ہوتی ہے، آقا کو چاہیے کہ وہ گھر کے کام کاج میں اس کی خدمات لیتا رہے اور اسے اس امر کا مکلّف نہ ٹھہرائے کہ وہ لوگوں کے کام کاج کر کے ایک دن میں معینہ رقم اکٹھی کر کے لائے۔ امام شعبہ نے جس شبہ کا اظہار کیا ہے، وہ ممکن ہے، کیونکہ غلاموں اور لونڈیوں میں اپنے نفس کی حفاظت کے بارے میں غیرت و حمیت کم ہوتی ہے۔

زمین ٹھیکے پر دینا

(۱۱٤۱)۔ عَنْ عُبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ ، قَالَ: أَنَّ جَدَّهُ حِيْنَ مَاتَ تَرَكَ جَارِيَةً وَنَاضِحًا وَغُلَامًا وَحَجَّامًا وَأَرْضًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْجَارِيَةِ ، فَنَهٰى عَنْ كَسْبِهَا ، قَالَ شُعْبَةُ: مَخَافَةَ أَنْ تَبْغِيَ ، وَقَالَ ((وَمَا أَصَابَ الْحَجَّامَ فَأَعْلِفْهُ النَّاضِحَ۔)) وَقَالَ فِي الْأَرْضِ: ((ازْرَعْهَا أَوْ ذَرْهَا۔))

(الصحيحة: ۱٤۰۰)

عبید بن رفاعہ بن رافع بن خدیج کہتے ہیں: جب میرا دادا لونڈی، اونٹ، غلام، حجام اور کچھ زمین چھوڑ کر فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کی کمائی سے منع فرما دیا۔ امام شعبہ کہتے ہیں: بدکاری کا خطرہ ہونے کی وجہ سے (منع کیا گیا)۔ اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''حجام کی کمائی کو اونٹوں کا چارہ بنا دے۔'' اور زمین کے بارے میں فرمایا: ''اس کو خود کاشت کر لیا کر یا پھر ویسے ہی پڑی رہنے دے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٤١

(۱۱٤۲)۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ ، وَقَالَ: ((إِنَّمَا يَزْرَعُ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ لَهُ أَرْضٌ فَهُوَ يَزْرَعُهَا وَرَجُلٌ مُنِحَ أَرْضًا فَهُوَ يَزْرَعُ مَامُنِحَ ، وَرَجُلٌ اسْتَكْرٰى أَرْضًا بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ۔))

(الصحيحة ۱۷۱۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا اور فرمایا: ''تین طرح کے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں: (۱) وہ آدمی جو اپنی زمین میں کھیتی باڑی کرتا ہے، (۲) وہ آدمی، جس کو زمین عارضی طور پر عطیہ دی گئی ہو، وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے اور (۳) وہ آدمی جس نے سونے یا چاندی کے عوض زمین کرائے پر لی ہو (وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے)۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ۳٤۰۰ ، والنسائي: ۲/ ۱٤۹ ، وابن ماجه: ۲٤٤۹ ، والطحاوي في "المشكل": ۳/ ۲۸٤

شرح :...... محاقلہ: بالیوں میں کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض فروخت کر دینا، جیسے گندم کے عوض گندم کا کھیت فروخت کر دینا۔

مزابنہ: درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اسی کی جنس سے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کر دینا، جیسے کھجوروں کے عوض درخت پر لگی ہوئی کھجوریں فروخت کر دینا۔

دونوں کی تفصیل ''محاقلہ اور مزابنہ'' کے عنوان میں موجود ہے۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو زمین دینے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) زمین کاشت کرنے کے لیے دے دینا اور اس کے عوض کچھ نہ لینا۔

(۲) درہم و دینار اور روپے پیسے کے عوض زمین کرائے پر دینا، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) زمین کی کل پیداوار کے معینہ حصے کے عوض اسے کرائے پر دے دینا، جیسا کہ آپ ﷺ نے یہودیوں سے خیبر کی زمین کے بارے میں معاملہ طے کیا تھا۔

جن روایات میں زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا گیا ہے، ان کو خلافِ افضل یا پھر ممنوعہ صورتوں پر محمول کیا جائے گا، مثلا چار ایکڑ زمین، مخصوص چار کنالوں کی پیداوار کے عوض کرائے پر دینا۔

شراکت والی چیز فروخت کرتے وقت شراکت دار کو مطلع کرنا

(۱۱٤۳)۔ عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَيُّكُمْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ أَوْ نَخْلٌ، فَلَا يَبِعْهَا حَتّٰى يَعْرِضَهَا عَلٰى شَرِيكِهِ.)) (الصحيحة:۱٤۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کسی (کی ملکیت میں) زمین یا درخت ہو تو اسے اپنے حصے دار (اور ساجھی) پر پیش کرنے سے قبل فروخت نہ کرے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ۲/ ۲۳٤، وابن الجارود في "المنتقي" ۲۹۹، وأحمد: ۳/ ۳۰۷

شرح:...... ایسی صورت میں اگر ایک حصہ دار دوسرے شراکت دار کو مطلع نہیں کرتا تو اسے شفعہ کرنے کا حق ہوگا۔

جائداد فروخت کرتے وقت پڑوسی کو مقدم کرنا
کیا پڑوسی کو شفعہ کا حق حاصل ہے؟

(۱۱٤٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ كَانَ لَهُ أَرْضٌ فَأَرَادَ بَيْعَهَا فَلْيَعْرِضْهَا عَلٰى جَارِهِ.)) (الصحيحة:۲۳۵۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اپنی زمین فروخت کرنے کا ارادہ کرے، تو وہ اسے پہلے اپنے پڑوسی پر پیش کرے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۲٤۹۳، والضياء في "المختارة": ٦٥/ ٥٥/ ۱

شرح:...... پڑوسی کو صرف پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ يَنْتَظِرُ بِهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ

طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا۔)) (ترمذی: ۱۳۶۹، ابوداود: ۳۵۱۸، ابن ماجه: ۲۴۹۴) ......''ہمسایہ اپنے ہمسائے کا شفعہ میں زیادہ حقدار ہے، شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا، اگر چہ وہ غائب ہو، بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ۔ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ۔ (بخاری: ۲۲۵۷، مسلم: ۱۶۰۸)......رسول اللہ ﷺ ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ کیا جسے تقسیم نہ کیا گیا ہو، جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعہ کا (کوئی استحقاق) نہیں رہتا۔

رہا مسئلہ اس حدیث کا جس میں پڑوسی کا ذکر ہے، تو مذکورہ بالا اور دیگر قرائن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ خیر و بھلائی، اعانت و معاونت، ہمدردی و خیر خواہی اور ایثار و قربانی والا معاملہ ہونا چاہیے، اس میں شفعہ کے حق کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اگر اس حدیث کو شفعہ پر ہی محمول کریں تو لفظ ''جار'' کے معانی ''شریک'' کے ہوں گے۔ کیونکہ اس لفظ کا اطلاق پڑوسی پر بھی ہوتا ہے اور شراکت دار پر بھی۔

کون سا نوجوان اللہ تعالیٰ کو پسند ہے؟

(۱۱۴۵)۔ عَنْ عُقْبَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ لِلشَّابِّ لَا صَبْوَةَ لَهُ۔)) (الصحيحة:۲۸۴۳)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمہارا رب اُس نوجوان پر تعجب کرتا ہے، جو اپنی نوجوانی میں (باطل) خواہشات کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔''

تخريج: رواه الروياني في "مسنده":۹/ ۵۰/ ۲، و رواه احمد: ۴/ ۱۵۱ بلفظ: ((ان الله ليعجب ......)) وكذالك رواه الطبراني في "الكبير": ۱۷/ ۳۰۹/ ۸۵۳

شرح:...... جہاں انسان ہر چیز کا لطف اپنی نوجوانی میں محسوس کرتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کو بھی اسی عمر کی عبادت سب سے زیادہ پسند ہے، جن سات افراد کو میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے وہ نوجوان بھی ہوگا، جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی نوجوانی صرف کی ہوگی۔

ملاوٹ کا انتقام کیسے لیا گیا؟

(۱۱۴۶)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ رَجُلًا كَانَ يَبِيْعُ الْخَمْرَ فِيْ سَفِيْنَةٍ، وَكَانَ يَشُوْبُ الْخَمْرَ بِالْمَاءِ، مَعَهُ قِرْدٌ، فَأَخَذَ الْكِيْسَ فَصَعِدَ الدَّقَلَ، فَجَعَلَ يُلْقِي دِيْنَارًا فِي الْبَحْرِ وَدِيْنَارًا فِي السَّفِيْنَةِ، حَتّٰى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی کشتی میں شراب فروخت کرتا تھا اور شراب میں پانی ملاتا تھا، اُس کے پاس ایک بندر تھا، اُس نے (دیناروں والا) تھیلا پکڑا اور بادبان کے ڈنڈے پر چڑھ گیا اور ایک ایک دینار سمندر میں اور ایک ایک دینار کشتی

جَعَلَهُ نِصْفَيْنِ۔)) (الصحيحة:٢٨٤٤)

میں پھینکنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ اس نے اس تھیلے کو آدھا آدھا کر دیا۔"

تخريج: رواه الحربي في "الغريب": ٥/ ١٥٥/ ٢، واحمد: ٢/ ٣٠٦، ٣٣٥، ٤٠٧، والبيهقي في "شعب الايمان": ٤/ ٣٣٢/ ٥٣٠٧

شرح: ...... یہ اس وقت کی بات ہے، جب شراب حلال تھی۔ یہ ملاوٹ کا انجام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندر میں یہ شعور پیدا کیا اور اس نے حرام اور حلال کے مابین امتیاز کا پردہ حائل کر دیا۔

ٹیکس اکٹھا کرنے والا جہنمی ہے

(١١٤٧)۔ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، قَالَ: عَرَضَ مَسْلَمَةُ بْنُ مَخْلَدٍ وَكَانَ أَمِيراً عَلَى مِصْرَ عَلَى رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنْ يُوَلِّيَهُ الْعُشُورَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ صَاحِبَ الْمَكْسِ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٥)

ابوالخیر بیان کرتے ہیں: مصر کے حکمران مسلمہ بن مخلد نے حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ پیشکش کی کہ وہ اُس کو ٹیکس کی وصولی پر عامل مقرر کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "ٹیکس اکٹھا کرنے والا جہنمی ہے۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٠٩، والطبراني في "المعجم الكبير": ٥/ ١٨/ ٤٤٩٣

شرح: ...... سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو برا بھلا کہا، جس کو بدکاری کی وجہ سے سنگسار کیا جا رہا تھا، جبکہ توبہ کرتے ہوئے برائی کا اعتراف اس نے خود کیا تھا، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَهْلًا يَا خَالِدُ! فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ۔)) ...... "خالد! رہنے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کر لے تو اسے بخش دیا جائے گا۔" (مسلم: ١٦٩٥)

امام نووی نے کہا: اس حدیث سے پتہ چلا کہ ٹیکس لینا قبیح ترین اور مہلک گناہ ہے۔ کیونکہ ٹیکس وصول کنندہ بغیر کسی حق کے لوگوں سے بار بار ٹیکس وصول کرتا رہتا ہے، جبکہ اس پر لوگوں کے مطالبات بڑھتے رہتے ہیں۔ (شرح مسلم نووی)

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو بغیر کسی عوض اور حق کے لوگوں سے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ (عون المعبود: ٤٤٤٢)

آجکل ٹیکسوں کی وصولی کی بھرمار نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے، بالخصوص جو بھاری ٹیکس تاجروں سے وصول کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے اشیا کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا جاتا ہے، جس کا سارے کا سارے بوجھ عوام پر پڑتا ہے۔ حکومتی عہدیداران کو علم ہونا چاہیے کہ وہ کسی چیز کے عوض عوام سے ٹیکس وصول کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ رقم بیت المال

میں جمع کروائی جائے یا حکومت کی تحویل میں دے دی جائے، مثلا روڈ پر چلنے کا ٹیکس۔ ٹیکسوں کی تمام اقسام جو کسی عوض کے بغیر وصول کی جاتی ہیں، ان کی وصولی حرام ہے، مثلا تاجروں اور صنعت کاروں سے ان کی تجارت اور صنعت کی وجہ سے ٹیکس وصول کرنا۔

نبی کریم ﷺ کی میراث کی تقسیم

(۱۱٤۸)۔ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ حَدِيْثاً مِنْ رَجُلٍ فَأَعْجَبَنِي، فَقُلْتُ: أُكْتُبْهُ لِي، فَأَتَى بِهِ مَكْتُوْباً مُذَبَّراً: دَخَلَ الْعَبَّاسُ وَعَلِيٌّ عَلَى عُمَرَ، وَعِنْدَهُ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ وَسَعْدٌ، وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ، فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ وَسَعْدٍ: أَلَمْ تَعْلَمُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كُلُّ مَالِ النَّبِيِّ صَدَقَةٌ إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ أَهْلَهُ وَكَسَاهُمْ، أَنَّا لَانُوْرَثُ.)) قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُنْفِقُ مِنْ مَالِهِ عَلَى أَهْلِهِ وَيَتَصَدَّقُ بِفَضْلِهِ.)) ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَوَلِيَهَا أَبُوْبَكْرٍ سَنَتَيْنِ، فَكَانَ يَصْنَعُ الَّذِي كَانَ يَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئاً مِنْ حَدِيْثِ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ۔ (الصحيحة:۲۰۳۸)

ابوبختری کہتے ہیں: میں نے ایک آدمی سے حدیث سنی، وہ مجھے پسند آئی۔ میں نے اُسے کہا: یہ مجھے لکھ دو۔ اتنے میں ان کے پاس ایک مکتوب لایا گیا، اس میں لکھا ہوا تھا: حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (آپ ﷺ کی میراث کا) مطالبہ کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان کے پاس حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمن اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان (چار صحابہ) سے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبی کا سارا مال صدقہ (یعنی وقف) ہوتا ہے، ہاں وہ اپنے اہل خانہ کو کھلا اور پہنا سکتا ہے، (یعنی ان کا خرچ مستثنی کیا جا سکتا ہے)، ہم (انبیا) کے وارث نہیں بنائے جاتے۔'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں (ہم نے سنی ہے)۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنا مال اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتے اور زائد مال کا صدقہ کر دیتے تھے، پھر جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو دو سالوں تک ابو بکر رضی اللہ عنہ اس چیز کے نگران بنے رہے، انھوں نے وہی کچھ کیا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔ پھر مالک بن اوس کی حدیث کا کچھ حصہ ذکر کیا۔

تخريج: أخرجه أبو داود: ۲۹۷۰، والترمذي في "الشمائل": رقم ـ ۳۸۳

شرح:...... معلوم ہوا کہ انبیا کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا، البتہ اس ترکے میں سے ان کے قرابتداروں پر خرچ کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد امہات المومنین اپنے اپنے حجروں میں سکونت پذیر رہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں شیعہ لوگوں کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر اعتراض کریں کہ انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا حصہ نہیں دیا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا عام دعوت قبول کرنا

(۱۱۴۹)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَانَ ﷺ يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْإِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ۔ (الصحيحة: ۲۱۲۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کی روٹی اور چربی کے خراب (اور سڑ جانے والے سالن) کی دعوت دی جاتی تھی، آپ ﷺ اس کو قبول کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الترمذي في "الشمائل": ۱۹۰، وأخرجه أحمد: ۳/ ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۳۲، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۸۹ بلفظ: ان خياطا بالمدينة دعا النبي ﷺ لطعامه، قال: فاذا خبز شعير باهالة سنخة، و اذا فيها قرع.....

شرح:...... یہ نبی کریم ﷺ کی عجز وانکساری تھی کہ شخصیت اور اعلی قسم کے کھانوں کو نہیں، بلکہ داعی کی دعوت کے خلوص کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ عصر حاضر میں بلا امتیاز ہر فرد اس بیماری میں مبتلا ہے اور ہر معاملے میں امیر وغریب اور اعلی وادنی میں فرق کرنے پر تلا ہوا ہے، الا ما شاء اللہ۔ اس معاملے میں دنیا دار تو در کنار، مذہبی قائدین بھی امیر زادوں کی دعوتوں پر فوراً لبیک کہتے ہیں اور غریب کارکنان کی محبت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے عطیے میں برکت کب ہوتی ہے؟

(۱۱۵۰)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّمَا أَنَا خَازِنٌ، وَإِنَّمَا يُعْطِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَمَنْ أَعْطَيْتُهُ عَطَاءً عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ، فَهُوَ أَنْ يُبَارَكَ لِأَحَدِكُمْ، وَمَنْ أَعْطَيْتُهُ عَطَاءً مِنْ شَرَهٍ وَشَرَهِ مَسْأَلَةٍ فَهُوَ كَالْآكِلِ وَلَا يَشْبَعُ۔)) (الصحيحة: ۹۷۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں خازن (یعنی خزانچی) ہوں اور عطا کرنے والا اللہ تعالی ہے، جس کو میں خوش دلی (اور رضامندی) سے دوں گا، اس کے لیے اس میں برکت ہوگی اور جس کو میں اس کی لالچ اور سوال کی حرص کی وجہ سے دوں گا، تو وہ تو اس آدمی کی طرح ہوگا جو کھائے جا رہا ہو، لیکن سیر نہ ہوتا ہو۔“

تخريج: أخرجه أحمد في أحاديث سيأتي اسنادها في "لا تزال أمة من أمتي" برقم الصحيحة: ۱۹۷۱، وقد أخرجه مسلم أيضا: ۳/ ۹۵

شرح:...... معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ عطیوں کا معاملہ اللہ تعالی کی تقدیر کے سپرد کر دے کہ جو اس نے اس کے نصیبے میں لکھا ہے، وہ اس کو مل جائے گا۔ آج کل خوشامد اور چاپلوسی کا دور دورہ ہے ان لوگوں کا دو میں سے ایک مقصد ہوتا ہے، یا تو وہ اپنی جھوٹی محبت کا ثبوت فراہم کر کے اپنے اہداف کی تکمیل چاہتے ہیں یا پھر ان کا مقصود دنیوی مال ودولت کا حصول ہوتا ہے۔ دونوں صورتیں قبیح ہیں۔

پیداوار کا تیسرا حصہ صدقہ کرنے کی فضیلت

(۱۱۵۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے

((بَيْنَمَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ، سَمِعَ رَعْداً فِي سَحَابٍ، فَسَمِعَ فِيهِ كَلَاماً: اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ بِاسْمِهِ، فَجَاءَ ذٰلِكَ السَّحَابُ إِلَى حَرَّةٍ فَأَفْرَغَ مَا فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى أَذْنَابِ شَرْجٍ فَانْتَهٰى إِلَى شَرْجَةٍ، فَاسْتَوْعَبَتِ الْمَاءَ، وَمَشَى الرَّجُلُ مَعَ السَّحَابَةِ حَتّٰى انْتَهٰى إِلَى رَجُلٍ قَائِمٍ فِي حَدِيْقَةٍ لَّهُ يَسْقِيْهَا، فَقَالَ: يَاعَبْدَاللّٰهِ! مَااسْمُكَ؟ قَالَ: وَلِمَ تَسْأَلُ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ فِيسَحَابٍ هٰذَا مَاؤُهُ: اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ، بِاسْمِكَ. فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا إِذَا صَرَمْتَهَا؟ قَالَ: أَمَا إِذْ قُلْتَ ذٰلِكَ فَإِنِّي أَجْعَلُهَا عَلٰى ثَلَاثَةِ أَثْلَاثٍ، أَجْعَلُ ثُلُثًا لِي وَلِأَهْلِي، وَأَرُدُّ ثُلُثاً فِيهَا، وَأَجْعَلُ ثُلُثًا لِلْمَسَاكِيْنِ وَالسَّائِلِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ.))
(الصحيحة:۱۱۹۷)

فرمایا: ''ایک شخص کسی صحرا میں تھا، اُس نے بادل کی گرج سنی اور اس میں یہ آواز بھی سنی: فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو، (باقاعدہ) اس آدمی کا نام بھی لیا گیا۔ وہ بادل ایک پتھریلی زمین کی طرف آیا اور اس پر پانی برسنے گا۔ وہ پانی اوپر سے آنے والی نالیوں میں بہنے لگا، یہاں تک کہ ایک (اسی قسم کی ایک بڑی) نالی میں پہنچ گیا، اس (نالی) نے سارا پانی جمع کیا (اور اترائی میں ایک سمت کی طرف چل پڑی)۔ وہ آدمی بھی بادل کے ساتھ چل پڑا اور ایک ایسے آدمی تک جا پہنچا جو اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے کہا: اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا: تو کیوں پوچھتا ہے؟ اُس نے کہا: جس بادل کا یہ پانی ہے، میں نے اس میں یہ آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو پانی پلاؤ، اس آواز میں تیرا نام لیا گیا تھا، (اب تو مجھے یہ بتا کہ) فصل کی کٹائی اور پھلوں کے چناؤ کے وقت تو اس میں کیا عمل کرتا ہے؟ اس نے کہا: اگر تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو (تفصیل یہ ہے کہ) میں پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں، ایک تہائی حصہ اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیتا ہوں، ایک تہائی حصہ دوبارہ کاشت کر دیتا ہوں اور ایک تہائی حصہ مسکینوں، سوالیوں اور مسافروں کو دے دیتا ہوں۔''

تخریج: رواه الطيالسي في "مسنده" رقم ۲۵۸۷ و من طريقه: ابن منده في "التوحيد" ۲۱/ ۲، و أخرجه احمد: ۲/ ۲۹٦، ومسلم: ۸/ ۲۲۲

شرح:...... اگرچہ ہماری شریعت میں پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ بطورِ زکوۃ دینا پڑتا ہے، لیکن اگر کوئی آدمی اپنی مرضی سے اپنی پیداوار یا منافع میں اس مقدار سے زیادہ صدقہ وخیرات کرنے کا تعین کر لیتا ہے، تو اس کے اس عمل کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ زکوۃ کی شرح مقرر ہے، اس سے زائد مقدار نفلی صدقہ شمار ہوگی۔

لوگوں کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل نہ دیا جائے

(۱۱۵۲)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ أَبِي يَزِيْدَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((دَعُوا النَّاسَ فَلْيُصِبْ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ فَإِذَا اسْتَنْصَحَ رَجُلٌ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ۔))

(الصحيحة:۱۸۵۵)

حکیم بن ابی یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ صحابیٔ رسول سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں کو چھوڑ دو، وہ آپس میں ایک دوسرے سے معاملہ کرتے رہیں اور جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے نصیحت طلب کرے تو وہ (اس معاملے میں) اس کی خیر خواہی کرے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٥٩، وابن ابی شيبة فی "مسنده": ٢/ ١/ ٢، والطبرانی فی "الكبير"

شرح:...... امام البانی نے اس حدیث کے شواہد کا ذکر کرتے ہوئے کہا: یہ (مذکورہ بالا) حدیث ''صحیح لغیرہ'' ہے، اس کا شاہد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ ......)) ...... ''لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔'' امام بیہقی (٥/ ٣٤٧) نے اسے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا، لیکن پہلا جملہ شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ (صحیحہ: ۱۸۵۵)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوْا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔)) (مسلم: ۱۵۲۲) ...... ''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو (اور ان کو آپس میں معاملات طے کرنے دو)، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے۔''

تجارتی لین دین میں صرف شریعت کی عائد کردہ پابندیوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور خواہ مخواہ لوگوں کو مختلف خود ساختہ قوانین کا پابند نہ بنایا جائے۔ تاجروں کو ہر قسم کے جائز ایٹم کی خرید وفروخت کی اجازت ہو، ان کو بغیر کسی عوض کے لیے جانے والے ٹیکسوں سے محفوظ رکھا جائے، اسی طرح دیہاتیوں کو یہ سہولت مہیا کی جائے کہ وہ خود منڈیوں اور شہروں میں پہنچ سکیں اور براہِ راست شہری عوام کو سودا فروخت کر سکیں، آڑھت اور دلالی کا نظام ختم کر دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ، اگر سہولت کے لیے بعض قوانین کی پابندی کی ضرورت پڑ جائے تو حکومت اپنے نمائندے مقرر کرے۔

نبی کریم ﷺ کا چھانے ہوئے آٹے کی روٹی رد کرنا

(۱۱۵۳)۔ عَنْ أُمِّ أَيْمَنَ أَنَّهَا غَرْبَلَتْ دَقِيْقاً فَصَنَعَتْهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَغِيْفاً، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالَتْ: طَعَامٌ نَصْنَعُهُ بِأَرْضِنَا، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَصْنَعَ مِنْهُ لَكَ رَغِيْفاً، فَقَالَ: ((رُدِّيْهِ فِيْهِ ثُمَّ اعْجِنِيْهِ۔))

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس نے آٹا چھان کر آپ ﷺ کے لیے روٹی پکائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: یہ کھانا ہے، جو ہم اپنے علاقے میں پکاتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی ایک روٹی پکا کر لاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (چھان) اس میں

(الصحيحة:٢٤٨٣) دوبارہ ڈال دو اور اس کو پھر سے گوندھو۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه ٣٣٣٦، وابن ابى الدنيا فى كتاب "الجوع": ق ٩/ ١

شرح:...... کھانے پینے کے بارے میں یہ آپ ﷺ کا زہد اور تواضع ہے، آپ ﷺ نے دنیوی آسائشوں سے کنارہ کشی اختیار کی، تاکہ دنیا کی محبت آپ ﷺ کے دل میں گھر نہ کر جائے۔ نیز دیکھئے عنوان" آپ ﷺ کا دنیوی آسائشوں کو ترجیح نہ دینا"۔

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَـأْكُلْ مُتَّكِئًا وَلَا عَلَى غِرْبَالٍ، وَلَا تَتَّخِذَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ مُصَلًّى لَا تُصَلِّي إِلَّا فِيهِ، وَلَا تَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَجْعَلَكَ اللّٰهُ لَهُمْ جِسْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) ..... "ٹیک لگا کر نہیں کھانا، چھانے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھانا، مسجد میں کوئی جگہ مقرر نہیں کرنا کہ اسی میں ہی نماز پڑھی جائے اور جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگنا، وگرنہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تجھے لوگوں کے لیے پل بنا دے گا۔" (صحیحہ:۳۱۲۲)

تکلّف وتصنّع سے گفتگو کرنے والے ناپسندیدہ لوگ ہیں

(١١٥٤)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ، الَّذِيْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَةِ بِلِسَانِهَا۔)) (الصحيحة:٨٨٠)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ آدمیوں میں سے اس بلاغت جھاڑنے والے شخص کو سخت ناپسند کرتا ہے جو (منہ پھاڑ پھاڑ کر تکلف وتصنع سے گفتگو کرتے ہوئے) اپنی زبان کو گائے کی جگالی کرنے کی طرح بار بار پھیرتا ہے۔"

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٣١٤ـ٣١٥، والترمذي:٢/ ١٣٩، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٩/ ١٥/ ٦٣٤٨، وأحمد: ٢/ ١٦٥، ١٨٧

شرح:...... تکلف وتصنع کے ساتھ منہ بھر کر، رگیں پھلا کر، باچھیں کھول کر اور بڑکیں مار مار کر بات کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ایسے لوگ بال کی کھال اتارتے ہیں، لایعنی بحثیں کرتے ہیں، ماورائے عقل باتوں میں دخل دیتے ہیں، مبالغہ کرتے ہوئے فصاحت و بلاغت چھانٹتے ہیں اور سامعین و حاضرین سے داد وصول کرنے کے چکر میں گھومتے رہتے ہیں۔ اپنی ضرورت یا اپنی صلاحت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، جبکہ شریعتِ اسلامیہ سادگی، تواضع اور قدرتی انداز کو پسند کرتی ہے، شریعت کا تقاضا ہے کہ قول وفعل میں غلو نہ کیا جائے اور تمام معاملات سادگی کے ساتھ نبٹائے جائیں۔

قارئین کرام! شاید آپ اس بات میں ہمارے ساتھ موافقت کریں کہ تکلف وتصنع اور فصاحت و بلاغت نے دیرپا اثرات نہیں چھوڑے، فی الوقت سامعین سے "بلّے بلّے" وصول کر لینا اور لوگوں کو حیطۂ حیرت میں ڈال دینا تو ممکن ہے،

لیکن خطابات کے ایسے انداز سے لوگوں کی باطنی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ہمارے وطن کی زبان گواہ ہے کہ جو لوگ بظاہر متقی ہیں اور سادہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن اپنی تقریر کے عملی تقاضے پورے کرنے والے ہوتے ہیں، تو عوام الناس کو اس کی تقاریر سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(١١٥٥)۔ عَنْ عُمَرَبْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَتْ لِي حَاجَةٌ إِلَى أَبِي سَعْدٍ، قَالَ: وَثَنَا أَبُوْ حَيَّانَ عَنْ مُجَمِّعٍ قَالَ: كَانَ لِعُمَرَبْنِ سَعْدٍ إِلَى أَبِيْهِ حَاجَةٌ، فَقَدَّمَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَتِهِ كَلَامًا مِمَّا يُحَدِّثُ النَّاسَ يُوْصِلُوْنَ، لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُهُ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: يَابُنَيَّ! قَدْ فَرَغْتَ مِنْ كَلَامِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔ قَالَ: مَاكُنْتَ مِنْ حَاجَتِكَ أَبْعَدَ وَلَا كُنْتُ فِيْكَ أَزْهَدَ مِنِّي مُنْذُ سَمِعْتُ كَلَامَكَ هٰذَا، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((سَيَكُوْنُ قَوْمٌ يَأْكُلُوْنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ مِنَ الْأَرْضِ۔)) (الصحيحة:٤١٩)

عمر بن سعد کہتے ہیں: مجھے اپنے باپ سے کوئی کام پڑ گیا تھا، جبکہ ابو حیان نے مجمع سے یوں بیان کیا: عمر بن سعد کو اپنے باپ سے کوئی حاجت تھی، لیکن انھوں نے اپنی ضرورت کا اظہار کرنے سے پہلے (تمہید) ایسی باتیں کیں، جیسے عام لوگ (اپنی ضروریات تک) پہنچنے کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن سعد اپنے بیٹے کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کر رہے تھے۔ جب بیٹا اپنی بات سے فارغ ہوا تو باپ نے کہا: بیٹا! کیا تم اپنی بات مکمل کر چکے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ باپ نے کہا: تیرا یہ کلام سننے کے بعد (مجھے اندازہ ہوا ہے کہ) نہ تو اپنی حاجت سے دور ہے اور نہ تو اپنے بارے میں مجھ سے زیادہ رغبت رکھنے والا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی زبانوں سے اس طرح کھائیں گے، جیسے (سرسبز و شاداب) زمین پر چرنے والی گائے کھاتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ١٧٥-١٧٦

شرح:...... اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ احتیاط و احتراز کے بغیر بے لگام کلام سے، کسی کی چاپلوسی اور خوشامد کرنے سے اور اپنی ضرورت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور ضرورت کے مطابق جو بات کی جائے وہ بھی بغیر کسی تکلف کے طبعی انداز میں کرنی چاہیے۔

جس کھانے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے، اس میں ابلیس کا حصہ ہوتا ہے

(١١٥٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((قَالَ إِبْلِيْسُ: كُلُّ خَلْقِكَ بَيَّنْتَ رِزْقَهُ، فَفِيْمَ رِزْقِي؟ قَالَ: فِيْمَا لَمْ يُذْكَرِ اسْمِي عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة:٧٠٨)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابلیس نے کہا (اے اللہ!) تو نے اپنی ساری مخلوق کا رزق بیان کر دیا، میرا رزق کس میں ہے؟ اللہ نے فرمایا: جس چیز پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔''

تخریج: أخرجه ابو الشیخ فی "العظمة": ۱۲/ ۱۲۸/ ۱، وأبو نعیم فی "الحلیلة": ۸/ ۱۲۶، والضیاء المقدسی فی "أحادیث المختارة" ۲/ ۲۵۷

شرح:...... اس حدیث میں کھانے سے پہلے بسم اللہ کے پڑھنے کا اہتمام نہ کرنے والوں کے لیے وعید ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں سے بچنے کے لیے ماکولات ومشروبات سے پہلے اللہ تعالی کا نام لیا کرے۔

ہر نیکی صدقہ ہے

(۱۱۵۷)۔ ((كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَنَعْتَهُ إِلَى غَنِيٍّ أَوْ فَقِيْرٍ فَهُوَ صَدَقَةٌ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَجَابِرٍ۔ (الصحيحة: ۲۰۴۰)

''ہر نیکی، جو تو کسی امیر یا فقیر کے ساتھ کرے، صدقہ ہے۔'' یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تخریج: جاء من طریقین، الأول: عن ابن مسعود، أخرجه الطبرانی فی "الکبیر": ۳/ ۶۲/ ۱، والخرائطی: ۱۳، وابن عدی: ۲۰۱/ ۲، و"الحلیة": ۳/ ۴۹، عن صدقة بن موسی ومحمدابن المظفر فی "غرائب شعبة": ۱/ ۲، و"الحلیة": أیضا ۷/ ۱۹۴، ۔ الثانی: رواه ابن عساکر: ۸/ ۲۲۸/ ۱۔۲

شرح:...... اس سے معلوم ہوا کہ مومن جو بھی نیکی کا کام کرتا ہے، اس پر اسے صدقے کی طرح کا اجر ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بھولے ہوئے کو راستہ بتانا، یا راستہ سے کانٹا، اینٹ یا ہر وہ چیز اٹھانا، جو لوگوں کی گزرگاہ میں رکاوٹ بنی ہوئی، ہو صدقہ ہے۔ اور معروف سے مراد ہر قسم کی نیکی اور بھلائی ہے، علاوہ ازیں معصیتوں اور نافرمانیوں کو ترک کرنا بھی ایک معروف ہے۔

طبعی حالت کے بارے میں سوال کا جواب

(۱۱۵۸)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِرَجُلٍ: ((كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا فُلَانُ؟)) قَالَ: أَحْمَدُ اللّٰهَ إِلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هٰذَا الَّذِي أَرَدْتُّ مِنْكَ۔)) (الصحيحة: ۲۹۵۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا: ''اے فلاں! صبح کیسی ہوئی؟'' اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالی کی تعریف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے بارے میں میرا یہی ارادہ تھا۔''

تخریج: أخرجه الطبرانی فی "المعجم الأوسط": ۱/ ۲۶۵/ ۱/ ۴۵۳۸

شرح:...... معلوم ہوا کہ جب کسی سے اس کے حالات کے بارے میں سوال کیا جائے تو اسے ''الحمد للہ'' کہہ کر اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شریعت میں اس چیز کو ناپسند کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی مصیبت اور تنگی کو لوگوں کے سامنے

بیان کرتا پھرے، جبکہ ہمارے ہاں یہ چیز عام ہے کہ لوگ معمولی قسم کے ذاتی اور گھریلو مسائل ومصائب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، حالانکہ ایسے آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرے اور اپنے حالات کو درست کرنے کے لیے جائز اسباب استعمال کرے۔

آدمی کو اپنی حیثیت کے مطابق مہر کی رقم مقرر کرنی چاہیے

(۱۱۵۹)۔ عَنْ أَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ، قَالَ: أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَعِينُهُ فِي مَهْرِ امْرَأَةٍ، فَقَالَ: ((كَمْ أَمْهَرْتَهَا؟)) فَقَالَ: مِئَتَيْ دِرْهَمٍ، فَقَالَ ﷺ: ((لَوْ كُنْتُمْ تَغْرِفُوْنَ مِنْ بُطْحَانَ مَازِدْتُمْ۔))

حضرت ابو حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنی بیوی کے مہر میں تعاون حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے اُس کو کتنا مہر دیا“ میں نے کہا: دو سو درہم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم وادی بطحان سے چلّو بھی بھرتے ہوتے تو زیادہ نہ دیتے۔“

(الصحیحۃ:۲۱۷۳)

تخریج: أخرجه الحاكم:۲/ ۱۷۸، وأحمد:۳/ ۴۴۸

شرح:...... شریعتِ مطہرہ میں مہر کی مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا گیا، بلکہ اس کو دولہا اور دلہن کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا، بہر حال غلو سے کام نہیں لینا چاہیے اور حیثیت کو دیکھ کر اس رقم کا تعین کرنا چاہیے۔

مال کا سوال کرنے سے گریز کرنے کی نصیحت

(۱۱۶۰)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((لِيَسْتَغْنِ أَحَدُكُمْ عَنِ النَّاسِ، وَلَوْ بِقَضِيْبٍ مِّنْ سِوَاكٍ۔))

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر کوئی لوگوں سے غنی (اور بے نیاز) ہو جائے، اگرچہ مسواک کی شاخ کے ساتھ۔“

(الصحیحۃ: ۲۱۹۸)

تخریج: وقد أورده ابن أبي حاتم في "العلل":۱/ ۲۱۶

شرح:...... جو آدمی بھی لوگوں سے بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے۔ سوال کرنا باعثِ ذلت و رسوائی ہے، جو آدمی اس ذلت سے بچنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنائے نفس اور صبر و قناعت کی دولت سے نواز دے گا۔ ہر معاملے میں ہمارا انحصار اللہ تعالیٰ کے بعد اپنی ذات پر ہونا چاہیے اور ہر ممکنہ صورت میں لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانے سے بچنا چاہیے، ہاں اگر کوئی آدمی ہدیہ، تحفہ یا کوئی اور تعاون پیش کرتا ہے تو اسے اچھے انداز میں وصول کر کے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(۱۱۶۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ فاقہ میں مبتلا ہوا (اور اسے

بِالنَّاسِ ، لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ ، أَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى ، إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ ، أَوْ غِنًى عَاجِلٍ۔)) (الصحيحة:٢٧٨٧)

پورا کرنے کے لیے) اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا، تو اس کا فاقہ پورا نہیں ہوگا اور جس نے اپنی فقیری کو اللہ تعالیٰ پر پیش کیا، تو قریب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو غنیٰ عطا کر دے: جلدی موت کی صورت میں یا جلدی امیری کی صورت میں۔"

تخريج: أخرجه الترمذي:٢٣٢٧، والحاكم:١/ ٤٠٨، وعنه البيهقي:٤/ ١٩٦، والطبري في "تهذيب الآثار": ١/ ١٣/ ١٢ و١٣. والدولابي في "الكنى": ١/ ٩٦، وأبو يعلى في "مسنده": ٣/ ١٢٨٦، والبغوي في "شرح السنة": ١٤/ ٣٠١/ ٤١٠٩، وأخرجه ابوداود: ١٦٤٥، واحمد: ١/ ٤٤٢ لكن قيدوا الراوي "سيار" بـ "أبي حمزة"

شرح:...... اس فرمانِ نبوی ﷺ میں یہ ترغیب ہے کہ حاجت وضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ہر ممکنہ صورت میں لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانے سے بچا جائے، اسی میں زندگی کا لطف اور مزہ ہے۔

آج کل لوگوں نے اپنا معیارِ زندگی اپنی آمدن سے بلند کر دیا ہے، اب اس کو برقرار رکھنے کے لیے وہ کسی قسم کا حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ہمیں چاہیے کہ اسبابِ زندگی کے مطابق اپنے قدم پھیلائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ اگر صبر وقناعت ہو تو سالن کی بجائے چٹنی اور اچار اور پراٹھوں کی بجائے سوکھی روٹی کھا کر، دس بارہ کی بجائے تین چار سوٹوں پر گزارا کر کے اور مہمانوں کو مہنگے اور پیاس نہ بجھانے والے مشروبات کی بجائے عام مشروبات پلا کر بھی اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے اور جیب کے مطابق زندگی کا سرکل بھی چلایا جا سکتا ہے۔

دوسرے سے مال کب لیا جائے؟

(١١٦٢)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَمْوَالِ السُّلْطَانِ؟ فَقَالَ: ((مَا آتَاكَ اللّٰهُ مِنْ أَمْوَالِ السُّلْطَانِ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافٍ ، فَكُلْهُ وَتَمَوَّلْهُ۔)) (الصحيحة:٢٢٠٩)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے حکمرانوں کے اموال کی بابت سوال کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "حکمرانوں کا جو مال تجھے سوال اور حرص کے بغیر مل جائے، اس کو کھا لے اور (اس کے ذریعے اپنے مال میں) اضافہ کر۔"

تخريج: أخرجه أحمد:٥/ ١٩٥، ٦/ ٤٥٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ آمدن کا اس قسم کا ذریعہ بنا دے تو اچھے انداز میں وصول کرنا چاہیے اور دینے والے کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور خواہ مخواہ کا تکلف کرتے ہوئے "ناں، ناں" نہیں کرنا چاہیے۔

بلا وجہ سوال کا انجام

(۱۱۶۳)۔ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً شَتَمَ أَبَابَکْرٍ، وَالنَّبِیُّ ﷺ جَالِسٌ، فَجَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ یَعْجَبُ وَیَتَبَسَّمُ، فَلَمَّا أَکْثَرَ رَدَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ، فَغَضِبَ النَّبِیُّ ﷺ وَقَامَ، فَلَحِقَهُ أَبُوْ بَکْرٍ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! کَانَ یَشْتِمُنِیْ وَأَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ، غَضِبْتَ وَقُمْتَ، قَالَ: ((إِنَّهُ کَانَ مَعَكَ مَلَكٌ یَرُدُّ عَنْكَ، فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ وَقَعَ الشَّیْطَانُ، فَلَمْ أَکُنْ لِأَقْعُدَ مَعَ الشَّیْطَانِ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((یَا أَبَا بَکْرٍ! ثَلاثٌ کُلُّهُنَّ حَقٌّ: مَامِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَیُغْضِیْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهُ، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِیَّةٍ یُرِیْدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا کَثْرَةً، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ یُرِیْدُ بِهَا کَثْرَةً إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً۔))

(الصحیحة: ۲۲۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا، جبکہ نبی کریم ﷺ پاس تشریف فرما تھے، لیکن آپ ﷺ تعجب کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ جب اُس شخص نے زیادہ گالیاں دیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بعض گالیوں کا جواب دیا۔لیکن نبی کریم ﷺ ناراض ہو گئے اور چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو جا ملے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ مجھ پر سب وشتم کرتا رہا، لیکن آپ ﷺ بیٹھے رہے، جب میں نے اس کی بعض گالیوں کا جواب دیا تو آپ غصے میں آ گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دراصل تیرے ساتھ ایک فرشتہ تھا، جو تیری طرف سے جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم نے خود جوابی کاروائی شروع کی تو شیطان گھس آیا، اب میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو نے اُس کی کچھ گالیوں کا جواب لوٹایا تو شیطان آ گیا اور میرے لائق نہیں کہ میں شیطان کے ساتھ بیٹھوں۔ پھر آپ نے فرمایا: ”ابو بکر! تین چیزیں برحق ہیں: (۱) جس آدمی پر ظلم کیا جائے اور وہ آگے سے چشم پوشی کر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبردست مدد کرتے ہیں، (۲) جو آدمی تعلقات جوڑنے کے لیے عطیے دینا شروع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو کثرت سے عطا کرتے ہیں اور (۳) جو آدمی اپنے مال کو بڑھانے کے لیے (لوگوں سے) سوال کرنا شروع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (اس کے مال کی) کمی میں اضافہ کرتے ہیں۔“

تخریج: أخرجه أحمد:۲/ ۴۳۶، والطبرانی فی "الأوسط": بنحوه

(۱۱۶۴)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا یُغْنِیْهِ، جَاءَتْ مَسْأَلَتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ خُدُوْشاً أَوْ خُمُوْشاً أَوْ کُدُوْحاً فِیْ وَجْهِهِ))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سوال کیا، حالانکہ اس کے پاس موجود مال اس کو کفایت کرتا تھا، تو روزِ قیامت اس کا سوال اس کے چہرے پر خراش اور زخم کی صورت میں اور نوچے

قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ: ((خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا، أَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ.)) (الصحيحة: ٤٩٩)

ہوئے چہرے کی کیفیت میں ظاہر ہوگا۔'' کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کتنی مقدار اسے کفایت کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پچاس درہم اوران کی قیمت کے برابر کا سونا۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ١٦٢٦، والنسائي: ٢/ ٣٦٣، والترمذي: ١/ ١٢٦، والدارمي: ١/ ٣٨٦، وابن ماجه: ١٨٤٠، والطحاوي: ١/ ٣٠٦، والحاكم: ٤٠٧، وأحمد: ١/ ٣٨٨، ٤٤١، وابن عدي: ٦٩/ ١، ٢/ ٧٣

شرح:...... سمجھنے سمجھانے کے لیے حدیث مبارکہ کا متن ہی کافی ہے۔ عام بھکاریوں کو فکر کرنی چاہیے۔ بہرحال کسی اشد ضرورت کی بنا پر لوگوں سے سوال کرنا درست ہے، جیسا کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الْمَسْأَلَةَ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ، إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ.)) (ترمذی: ٦٨١، ابوداود: ١٦٣٩) ......''سوال کرنا، نوچنا ہے۔ اس کے ذریعے سے آدمی اپنا چہرہ نوچتا ہے، الا یہ کہ آدمی بادشاہ سے سوال کرے یا کسی ایسے معاملے میں سوال کرے کہ جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔''

ہبہ شدہ چیز واپس لینے پر وعید

(١١٦٥)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((مَثَلُ الَّذِيْ يَسْتَرِدُّ مَا وَهَبَ، كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِيْءُ فَيَأْكُلُ قَيْئَهُ، فَإِذَا اسْتَرَدَّ الْوَاهِبُ فَلْيُوَقَّفْ، فَلْيُعَرَّفْ بِمَا اسْتَرَدَّ، ثُمَّ لِيُدْفَعْ إِلَيْهِ مَا وَهَبَ.)) (الصحيحة: ٢٢٨٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے لیتا ہے، اس کی مثال اس کتے کی مانند ہے، جو قے کرتا ہے اور پھر اس کو چاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو اسے کھڑا کر دیا جائے اور (ہبہ واپس لینے کے سبب کی) وضاحت کروائی جائے، پھر اس نے جو ہبہ دیا تھا، اسے لوٹا دیا جائے۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٠٩، وأحمد: ٢/ ١٧٥

شرح:...... حدیث کے پہلے حصے میں رسول اللہ ﷺ نے کتے کی مثال بیان کر کے ہبہ کرنے والے کو اس کمینے پن سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

(١) جب کوئی آدمی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سے ایسا کرنے کا سبب دریافت کیا جائے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مقصود یہ ہو کہ ہبہ وصول کرنے والا اسے بھی متبادل دے گا، تو پھر ممکن ہوگا کہ وہ اسے متبادل دے دے اور وہ اپنا ہبہ واپس نہ لے۔

(٢) جو آدمی ہبہ دے اور پھر واپس لینے کا مطالبہ کرے، اسے کھڑا کر لیا جائے اور اس کے لیے ہبہ کے مسئلہ کی وضاحت

کی جائے، تا کہ اسے بھی علم ہو جائے، مثلا اس سے کہا جائے کہ ہبہ دینے والے: جب تک تبادل نہ دیا جائے تو وہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کا مستحق تو ہے، لیکن ہوگا وہ اس کتے کی طرح، جو تے کرے۔ چاٹنے لگ جاتا ہے، اب اگر تو چاہتا ہے تو پھر اس کتے کی مانند ہو جا، جو اپنی قے چاٹ لیتا ہے اور اگر توں چاہتا ہے کہ کتے کی تشبیہ سے بچ سکے تو یہ مطالبہ نہ کر۔ اگر اتنی وضاحت کے بعد بھی وہ واپسی کا مطالبہ کرے تو اس کی چیز اس کو دے دی جائے۔

(دیکھئے: عون المعبود: ٣٥٤٠)

قرض، امن کا دشمن ہے

(١١٦٦)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ مَرْفُوْعاً: ((لَا تُخِيْفُوْا اَنْفُسَكُمْ بَعْدَ أَمْنِهَا۔)) قَالُوْا: وَمَا ذَاكَ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((اَلدَّيْنُ۔)) (الصحيحة:٢٤٢٠)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امن کے بعد اپنے آپ کو خوفزدہ مت کرو۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرض۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٣/ ٢/ ٤٣٠، وأحمد: ٤/ ١٤٦ و ١٥٤ وعباس الترقفي في "حديث": ق ٤٨/ ١، وأبو يعلى في "مسنده": ٩٨/ ١ والطبراني في "الكبير": ق ٥٩/ ٢۔ المنتقى منه، والضياء المقدسي في "المنتقى من حديث أبي نعيم الأزهري": ٢٨٣/ ١

شرح:...... موجودہ دور میں قرض کی مفسدتوں نے اس حدیث کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے، قرضدار اور قرض خواہ کی چپقلش ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، کئی لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتے۔ قرض دشمنی کو جنم لیتا ہے، عزت کو خاک میں ملا دیتا ہے، رعب کو ذلت میں تبدیل کر دیتا ہے، اچھی خاصی جائدادیں اور گھر نیلام ہو جاتے ہیں اور آدمی عزت و حرمت اور مال و دولت کے معاملے میں دیوالیہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ جہاں قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے سود لگایا جا رہا ہو، وہاں سے ذہنی تسکین کا بھی جنازہ اٹھ جاتا ہے۔ قرض کے بارے میں آخرت کا معاملہ بھی سنگین ہے کہ جب تک قرض خواہ معاف نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کی معافی نہیں ہوگی۔

ادائیگی کے عزم سے قرضہ لینے پر اللہ تعالی کی معاونت

(١١٦٧)۔ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اسْتَدَانَتْ، فَقِيْلَ لَهَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ تَسْتَدِيْنِيْنَ وَلَيْسَ عِنْدَكِ وَفَاءٌ؟ قَالَتْ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَخَذَ دَيْناً يُرِيْدُ أَنْ

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ زوجۂ رسول حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے قرضہ لیا۔ کسی نے ان سے کہا: ام المومنین! تم قرضہ تو لے رہی ہو، لیکن اس کی ادائیگی کی (تم میں طاقت ہی نہیں ہے)۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو بندہ قرضہ لیتا ہے اور اس

يُؤَدِّيَهُ أَعَانَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة ١٠٢٩)

کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہے، تو اللہ تعالی اس کی مدد کرتے ہیں۔“

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٢٣٣، وابونعيم فى "اخبار اصبهان": ٢/ ٢٣٨، وابن ماجه، وابن حبان: ١١٥٧، واحمد فى "المسند": ٦/ ٣٣٢

(١١٦٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَنْوِي أَدَاءَهُ كَانَ مَعَهُ مِنَ اللّٰهِ عَوْنٌ وَسَبَّبَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا (الصحيحة: ٢٨٢٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”جس پر قرضہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی کا ارادہ (اور نیت) رکھتا ہو تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کی مدد ہو گی اور اللہ تعالی اس کے رزق کے لیے اسباب پیدا فرمائے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ٢/ ١٨١/ ١/ ٧٧٥٨، واخرج احمد: ٦/ ٧٢، ٩٩، والطيالسي: ١٥٢٤، والحاكم: ٢/ ٢٢ بلفظ: ..... عن عائشة انها كانت تدّان، فقيل لها: ما لك وللدين؟ فقالت: ان رسول الله ﷺ قال: ((ما من عبد كانت له نية فى اداء الدين الا كان له من الله عز وجل عون۔)) فان التمس ذالك العون۔

شرح: ..... مجبوری میں قرض کی سہولت عطا کرنا اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، ہمیں چاہیے کہ محض کسی مجبوری کو دور کرنے کے لیے اس سہولت پر عمل کریں اور پھر اس کی ادائیگی کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھیں۔

قرضہ چکاتے وقت زیادہ دے دینا

(١١٦٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْأَلُهُ، فَاسْتَسْلَفَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَطْرَ وَسْقٍ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ فَجَاءَ الرَّجُلُ يَتَقَاضَاهُ. فَأَعْطَاهُ وَسْقاً وَقَالَ: نِصْفٌ لَّكَ قَضَاءٌ، وَنِصْفٌ لَّكَ نَائِلٌ مِّنِّي۔)) (الصحيحة: ٣٤١٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی، رسول اللہ ﷺ کے پاس سوال کرنے کے لیے آیا۔ آپ ﷺ نے اُس کے لیے نصف وسق ادھار لیا اور اُس کو دے دیا۔ جب (قرض خواہ) آدمی اپنا قرضہ لینے کے لیے آیا تو آپ ﷺ نے اسے (آدھا وسق کی بجائے) پورا وسق دے دیا اور فرمایا: ”نصف وسق تیرا قرضہ چکانے کے لیے دیا اور آدھا تجھے میری طرف سے عطیہ ہے۔“

تخريج: أخرجه البيهقي في "السنن": ٥/ ٣٥١، و"شعب الأيمان": ٧/ ٥٣١/ ١١٢٣٧، ورواه البزار فى "مسنده": ٢/ ١٠٣/ ١٣٠٦ بأتم منه

شرح: ..... کسی کے احسان کا یہی تقاضا ہے۔ ہمارے معاشرے میں قرض لینے والے اتنے ڈھیٹ ہو جاتے

ہیں کہ قرض دینے والے اپنا قرضہ وصول کرنے کے لیے اُن کے محتاج نظر آتے ہیں اور جب وعدے کے مطابق ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ''یار! ہم کوئی بھاگے جا رہے ہیں، ادھر ہی ہیں۔''

سودا واپس کر لینے کی فضیلت

(۱۱۷۰)۔ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَقَالَ أَخَاهُ بَيْعاً أَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٢٦١٤)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی سے سودا واپس کر لیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی لغزشوں (اور غلطیوں) کو معاف کر دیں گے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ١٤٠/ ٢

شرح:...... اگر کسی سودے میں اختیار کی شرعی گنجائش باقی نہ رہی ہو، تو اپنا سودا دوسرے بھائی کی خواہش پر واپس لے لینا یا واپس کر دینا فضیلت والا عمل ہے۔ بہر حال اس معاملے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

گھر کی قیمت کا مصرف

(۱۱۷۱)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ بَاعَ دَاراً وَلَمْ يَجْعَلْ ثَمَنَهَا فِي مِثْلِهَا لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهَا۔)) (الصحيحة:٢٣٢٧)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی گھر فروخت کیا اور اُس کی قیمت اس جیسی چیز میں صرف نہ کی، تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوگی۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٤/ ٢/ ٣٢٨، وابن ماجه: ٢/ ٩٧، والطيالسي: ١/ ٢٦٣، وابن عدي: ٣٥٨/ ١، وأخرجه البخاري ايضا، وكذا الطيالسي، والبيهقي: ٦/ ٣٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا یہ شاہد بھی ذکر کیا ہے: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُبَارَكُ فِيْ ثَمَنِ أَرْضٍ وَلَا دَارٍ لَا يُجْعَلُ فِيْ أَرْضٍ وَلَا دَارٍ۔)) ...... ''زمین اور گھر کی قیمت میں برکت نہیں ہوتی، اگر اسے زمین اور گھر (ہی خریدنے میں) خرچ نہ کیا جائے۔''

میرا تعلق ضلع چکوال کے قصبے ملتان خورد سے ہے، ہم نے خود بھی دیکھا اور ہمارے بڑوں نے بھی بتایا کہ جو آدمی زمین بیچنا شروع کر دیتا ہے، اس کا نتیجہ اس کی کنگالی اور مفلسی کی صورت میں نکلتا ہے یا کم از کم کسی نہ کسی انداز میں ایسی رقم ضائع ہو جاتی ہے۔ الا ماشاءاللہ۔

کون سی میراث کو آگ کا داغ کہا جا سکتا ہے؟

(۱۱۷۲)۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت اسما بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس

يَقُوْلُ:((مَنْ تَرَكَ دِيْنَارَيْنِ ، فَقَدْ تَرَكَ كَيَّتَيْنِ۔)) (الصحيحة:٢٦٣٧)

نے (اپنے ورثے میں) دو دینار چھوڑے، اس نے آگ کے دو داغ چھوڑے۔''

تخريج: أخرجه البيهقي في "لشعب": ٢/ ٣٣٥/ ١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی، جس کا تعلق اہل صفہ سے تھا، فوت ہو گیا، اس کی چادر سے دو دینار نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''یہ آگ کے دو داغ ہیں۔'' (ابو داود طیالسی: ۳۵۷)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو ''حسن'' کہا اور اس پر یہ عنوان قائم کیا: [بَابُ فِيْمَنْ يَأْكُلُ نَصِيْبَ الْفُقَرَاءِ وَهُوَ غَنِيٌّ] (اس غنی آدمی کا بیان، جو فقیروں کا حصہ کھا جائے)

امام ابن حبان کے اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا ظاہری مفہوم اس کی مراد نہیں ہے، لیکن انھوں نے جو باب قائم کیا ہے، اس حدیث سے اس کا استدلال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث کو اس فوت ہونے والے شخص پر محمول کیا جائے، جو مقروض ہو اور قرضہ ادا بھی کر سکتا ہو۔ راویٔ حدیث حبیب بن ہرم بن حارث سلمی نے بھی اسی قسم کا مفہوم بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میرے چچے کا حصہ دو ہزار میں تھا، جب اس کا حصہ نکلا تو انھوں نے ایک آدمی سے کہا: جاؤ اور میرا قرضہ اتار کر آؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ....۔

اس حدیث کی ایک اور بھی تاویل کی گئی ہے، امام بیہقی نے ابن راہویہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی، کیونکہ وہ اہل صفہ میں سے تھا اور وہ اس بات کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ فقیر ہے اور وہ اہل صفہ میں سے ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ آگ کے دو داغ چھوڑ گیا۔'' یعنی ایسے آدمی کے لیے ایسے دو دینار آگ کے دو داغوں کی حیثیت ہی رکھتے ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں: میری بیان کردہ وجہ اس تاویل کے منافی نہیں ہے۔ (واللہ الموفق) (صحیحہ: ۲۶۳۷)

مکر و فریب کا انجام بد

(١١٧٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا ، وَالْمَكْرُ وَ الْخِدَاعُ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة:١٠٥٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے اور مکر و فریب آگ (کا سبب) ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١١٠٧ ، والطبراني في "المعجم الصغير" صـ ١٥٣ و "المعجم الكبير" ٣/ ٦٩/ ١ ، وأبونعيم في "الحلية" ٤/ ١٨٨

خیانت کا انجام بد

(١١٧٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ أَنَّهُ تَذَاكَرَ هُوَ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْماً الصَّدَقَةَ فَقَالَ عُمَرُ: أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ يَذْكُرُ غُلُوْلَ الصَّدَقَةِ أَنَّهُ ((مَنْ غَلَّ مِنْهَا يَعْنِي: الصَّدَقَةَ۔ بَعِيْراً أَوْ شَاةً أُتِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ۔))......؟ قَالَ: فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ:بَلٰى۔ (الصحيحة: ٢٣٥٤)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے موضوع پر بحث ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا تم نے سنا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صدقے کی خیانت کا ذکر کر رہے تھے، تو فرمایا تھا: ''جس نے (صدقہ میں سے) اونٹ یا بکری کی خیانت کی تو قیامت والے دن وہ اس کو اٹھا کر لائے گا۔''؟ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ١٨١٠

(١١٧٥)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ مُصَدِّقًا فَقَالَ: ((يَاسَعْدُ! اِتَّقِ أَنْ تَجِيْءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِبَعِيْرٍ تَحْمِلُهُ لَهُ رُغَاءٌ۔)) قَالَ: لَاآخُذُهُ، اَعْفِنِيْ۔ فَأَعْفَاهُ۔ (الصحيحة:٢٥٤٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا: ''سعد! بچنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو قیامت کے دن اونٹ اٹھا کر لائے، اس حال میں کہ وہ بلبلا رہا ہو۔'' یہ (وعید) سن کر سعد نے کہا: میں یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا، آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ص ٩٢۔ زوائده

شرح:...... خیانت کرنا منافقانہ روش ہے، ان احادیث سے اس کا انجام بد واضح ہوتا ہے۔ آج کل سرکاری و غیر سرکاری ملازمین اور سیاسی قائدین اس معاملے میں انتہائی غیر محتاط نظر آتے ہیں، وہ حکومتی املاک کو ذاتی جائداد سمجھ کر ان کو ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

جس سرکاری وغیر سرکاری ملازم کو اس کی خاص ڈیوٹی اور ذمہ داری کی وجہ سے تنخواہ دی جاتی ہو، جب تک وہ اس ذمہ داری کو مکمل طور پر ادا نہیں کرے گا، خائن قرار پائے گا۔ مثلا امتحانات کے نگرانوں کا بچوں کی صحیح نگرانی نہ کرنا، بلکہ پرچہ حل کروانے میں ان کی معاونت کرنا، استاد کا اپنے اسباق پڑھانے میں سستی کرنا، دفتری ملازموں کا دفتری کاموں میں غفلت برتنا، سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹر حضرات کا اپنی ذمہ داری ادا نہ کرنا، پرائیویٹ سکولوں کا بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں

(۱۱۷٦)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ۔)) جَاءَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔ (الصحيحة: ۲۹۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔'' یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، جن میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن عوف، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔

تخريج: حديث صحيح بمجموع طرقه، كنت خرجته في"ارواء الغليل": ٥/ ١٤٢ من حديث ابى هريرة، وعائشة، وانس بن مالك، وعمرو بن عوف و رافع ابن خديج و عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہم

شرح:...... جب تک کوئی شرط شریعت کے متصادم نہ ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا۔)) (ترمذی، ابن ماجه، وله طرق)...... ''مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر وہ شرط جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے (پوری نہیں کی جائے گی۔''

خطابی نے کہا: اس حدیث سے وہ شرطیں مراد ہیں، جو شریعت میں جائز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا فاسد شرطوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ (دیکھئے: عون المعبود: ۳۵۹۴)

زائد پانی روک لینا منع ہے

(۱۱۷۷)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی أَنْ يُمْنَعَ نَقْعُ الْبِئْرِ۔ يَعْنِي: فَضْلَ الْمَاءِ۔ (الصحيحة: ۲۳۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ کنویں کے بچے ہوئے پانی یعنی زائد پانی کو روکنے سے منع کر رہے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٢٦٨، وابن حبان: ١١٤١، والحاكم: ٢/ ٦١، وابن عدى: ١٢١/ ١

شرح:...... ایک مہاجر صحابی رسول کہتے ہیں: کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین غزوات میں شریک ہوا اور آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْمَاءِ وَالْكَلَأِ وَالنَّارِ۔)) (ابوداود: ۳٤۷۷، ابن ماجه: ۲٤۷۲)...... ''مسلمان تین چیزوں پانی، آگ اور گھاس میں شریک ہیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ثَلَاثٌ لَا يُمْنَعْنَ: اَلْمَاءُ وَالْكَلَأُ وَالنَّارُ۔)) (ابن ماجه: ۲٤۷۳)...... ''تین چیزوں کو (دوسروں سے) نہیں روکا جا سکتا: پانی، گھاس اور آگ۔''

محمد بن اسماعیل صنعانی نے زائد پانی کی بیع کی نہی پر بحث کرتے ہوئے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت

سے زائد پانی کو فروخت کرنا منع ہے، علمائے کرام کہتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ غیر مملوکہ زمین میں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے، جس آدمی کی زمین اس چشمے کے قریب تر ہوگی، وہ اس کے پانی کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا، لیکن جب اس کی زمین سیراب ہو جائے گی تو اسے کوئی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس پانی کو دوسروں سے روک سکے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنی مملوکہ زمین میں کوئی گڑھا یا کنواں وغیرہ کھود کر پانی جمع کرتا ہے، ایسی صورت میں بھی جب وہ اپنے لیے، مویشیوں کے لیے اور زمین کے لیے پانی استعمال کر لیتا ہے، لیکن پانی پھر بھی بچ جاتا ہے، تو وہ اسے نہیں روک سکتا۔ (سبل السلام: ۳/ ۲۵)

رات کو فصلوں کی کٹائی کرنا منع ہے

(۱۱۷۸)۔ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ۔ يَعْنِي الْحُسَيْنَ۔ مَرْفُوْعاً: نَهٰى عَنِ الْجَدَادِ بِاللَّيْلِ وَالْحَصَادِ بِاللَّيْلِ۔ قَالَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أُرَاهُ مِنْ أَجْلِ الْمَسَاكِيْنِ۔ (الصحيحة: ۲۳۹۳)

جعفر بن محمد اپنے باپ۔ وہ اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو کھجور کا پھل توڑنے اور فصلوں کی کٹائی کرنے سے منع فرمایا۔ جعفر بن محمد کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ مساکین کی وجہ سے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

تخريج: أخرجه ابن الأعرابي في "معجمه": ۲۰۳/ ۲، والبيهقي: ٤/ ۱۳۳، والخطيب في "التاريخ": ۱۲/ ۳۷۲

شرح: ...... معلوم ہوا کہ فصلوں کی کٹائی کے لیے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے، جس کا مقصود مساکین کو محروم کرنا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ایسے اوقات میں مساکین کھیتوں میں آ گھسیں تو نفرت کرنے کی بجائے ان کا تعاون کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قلم میں باغ والوں کا ایک قصہ بیان کیا ہے، جو عربوں میں مشہور تھا، یہ باغ صنعا (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا، اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غربا و مساکین پر خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انھوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، اس لیے ہم اس کی آمدنی میں مساکین اور سائلین کو نہیں دیں گے۔

چنانچہ ایک دن انھوں نے کہا: ہم صبح ہوتے ہی اپنے باغ کا پھل اتار لیں گے، انھوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جب یہ لوگ یہ مشورہ کر کے رات کو سو رہے تھے تو ربّ تعالیٰ کی طرف سے ایک بلا باغ کے چاروں طرف گھوم گئی اور وہ باغ ایسا تباہ ہوا کہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح لگ رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں اور چپکے چپکے یہ باتیں کہتے ہوئے چل پڑے کہ آج کوئی مسکین ہم پر نہ گھسنے پائے۔ جب وہ منزل مقصود تک پہنچے اور باغ کو دیکھا تو سرے سے اسے پہچان ہی نہ سکے اور کہنے لگے کہ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں، کیونکہ ان کا باغ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ لیکن جب انھوں نے غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے طرز

عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرمان نصیبی ہے۔ پھر انہیں اپنے کیے پر ندامت ہوئی۔

معلوم ہوا کہ فقرا و مساکین سے بچنے کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمارے مال و دولت میں ان لوگوں کا حق ہے، جو ہمیں ادا کرنا چاہیے۔

ایک حیوان کے بدلے دو حیوانوں کا سودا

(۱۱۷۹)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((لَا بَأْسَ بِالْحَيْوَانِ وَاحِداً بِاثْنَيْنِ، يَداً بِيَدٍ.)) (الصحيحة:٢٤١٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں کہ ایک جانور کا سودا دو جانوروں کے عوض کیا جائے، اس حال میں کہ وہ دست بدست ہوں۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١٢٣٨، وابن ماجه: ٢/ ٣٨، وأحمد: ٣/ ٣١٠، ٣٨٠، ٣٨٢، وابن أبي شيبة: ٨/ ١٩١/ ٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ ایک جانور کو دو یا زائد جانوروں کے عوض فروخت کرنا درست ہے اور درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سودے میں ایک طرف سے بھی ادھار کرنا جائز نہیں:

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اونٹ ختم ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کے عوض اونٹ ادھار لینے کا حکم دیا، وہ کہتے ہیں: فَكُنْتُ آخِذَ الْبَعِيْرِ بِالْبَعِيْرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ...... میں ایک اونٹ صدقہ کے دو اونٹوں کے بدلہ میں لیتا تھا۔

(ابو داود: ٣٣٥٧)

اس بیع کے جواز پر دلالت کرنے والی درج بالا اور دوسری احادیث کی روشنی میں درج ذیل حدیث کو دونوں طرف سے ادھار پر محمول کریں گے: سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيْوَانِ بِالْحَيْوَانِ نَسِيْئَةً...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

(ابو داود: ٣٣٥٦، ترمذی: ١٢٣٧، ابن ماجہ: ٢٢٧٠)

ام الولد کی خرید وفروخت

(۱۱۸۰)۔ عَنْ خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: مَاتَ رَجُلٌ، وَأَوْصٰى إِلَيَّ، فَكَانَ فِيْمَا أَوْصٰى بِهِ أُمُّ وَلَدِهِ، وَامْرَأَةٌ حُرَّةٌ، فَوَقَعَ بَيْنَ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمَرْأَةِ كَلَامٌ، فَقَالَتْ لَهُ الْمَرْأَةُ: يَا لُكَعاً! غَداً يُؤْخَذُ بِأُذُنِكِ فَتُبَاعِيْنَ فِي السُّوْقِ! فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی فوت ہو گیا، اس نے مجھے جس مال کے بارے میں وصیت کی تھی، اس میں اس کی ام ولد اور آزاد بیوی بھی تھی۔ ام ولد اور بیوی کے مابین جھگڑا ہونے لگا۔ بیوی نے کہا: او کمینی عورت! کل کلاں تیرا کان پکڑ کر تجھے بازار میں فروخت کر دیا جائے گا۔ اس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فَقَالَ: ((لَاتُبَاعُ أُمُّ الْوَلَدِ۔)) فرمایا: ''ام ولد کو فروخت نہیں کیا جائے گا۔''

(الصحيحة: ٢٤١٧)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٢٠٨/ ١-٢

شرح:...... ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں، جس سے اس کے آقا کی اولاد ہوئی ہو۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں امہات الاولاد کی خرید وفرخت کرتے تھے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق: ١٣٢١١، ابن ماجه: ٢/ ١٠٥، مسند احمد: ٣/ ٣٢١)

قیس بن سعد نے ابن جریج کی متابعت کی ہے، ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں امہات الاولاد کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ہمیں منع کر دیا، سو ہم رک گئے۔ (ابو داود: ٢/ ١٦٣، ابن حبان: ١٢١٦، حاكم: ٢/ ١٨-١٩)

پھر امام حاکم نے اس کا ایک شاہد بیان کیا اور کہا: امام شعبہ، زید عمی سے، وہ ابو صدیق ناجی سے اور وہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں امہات الاولاد کو بیچ دیتے تھے۔ اس کی سند میں زید عمی ضعیف ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: کوئی شک نہیں کہ ان احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں امہات الاولاد کی خرید وفروخت کا ثبوت ملتا ہے۔ تردّد اس بات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو برقرار رکھا تھا یا کہ اس سے منع کر دیا تھا۔ امام بیہقی نے کہا: ان روایات سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی امہات الاولاد کی خرید وفروخت کا علم ہو گیا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو برقرار رکھا، جبکہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جو اس بیع سے نہی پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس قول کے بعد کہا: ہاں، امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابو سلمہ کی سند سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے وہ روایت بیان کی ہے، جو نہی پر دلالت کرتی ہے۔ امام خطابی نے کہا: ممکن ہے کہ شروع شروع میں امہات الاولاد کی خرید وفروخت جائز ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخر میں منع کر دیا ہو، لیکن نہی والی روایت مشہور نہ ہوئی ہو، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی روشنی میں لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کی روشنی میں نہیں، بلکہ اجتہادی تھا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی۔ امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف (۱۳۲۲۴) میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میری اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ایک تھی کہ امہات الاولاد کو فروخت نہ کیا جائے، لیکن بعد میں میری رائے بدل گئی اور میں ان کی

خرید وفروخت کا قائل ہو گیا۔ عبیدہ نے کہا: آپ اور سیدنا عمر دونوں کی متفقہ رائے آپ اکیلے کی رائے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے۔

معلوم ہوا کہ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی دلیل ہوتی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے رجوع نہ کرتے۔ بہر حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اس چیز کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں امہات الاولاد کی بیع سے منع فرما دیا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ آپ تک نہی والی روایت نہ پہنچی ہو۔

ام الولد کی خرید وفروخت سے نہی والی احادیث میں ضعف پایا جاتا ہے، لیکن مجموعۂ احادیث سے نہی کو تقویت ملتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ابوسلمہ کی سند کی طرف اشارہ کیا اور اس پر خاموشی اختیار کی، وہ اس باب کا قوی شاہد ہے۔ یہی معاملہ بوصیری نے (زوائد ابن ماجہ: ق ۲/۱۵۶) میں ذکر کیا اور کہا: ابن ابی شیبہ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((وَذَكَرَ لِي أَنَّهُ زَجَرَ عَنْ بَيْعِهِنَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ، وَكَانَ عُمَرُ يَشْتَدُّ فِي بَيْعِهِنَّ۔)) ...... انھوں نے مجھے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کی بیع سے منع کر دیا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی خرید وفروخت سے بڑی سختی سے (منع کرتے) تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر ان روایات کو مدنظر رکھا جائے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ آقا کی لونڈی اس کے پاس بچہ جنم دینے کی وجہ سے اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، تو مذکورہ بالا روایات کے مضمون میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے، اگرچہ ان روایات میں ضعف پایا جاتا ہے، لیکن مجموعۂ احادیث کو بطور شاہد پیش کیا جا سکتا ہے، امام عبد الرزاق (۱۳۲۱۹) نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَيُّمَا رَجُلٍ وَلَدَتْ مِنْهُ أَمَتُهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ۔)) ...... ''جس آدمی کی لونڈی اس سے بچہ پیدا کر دے تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔''

اس کی سند میں شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر ہے، جس کے حفظ میں ضعف پایا جاتا ہے۔ حسین بن عبد اللہ نے اس کی متابعت کی ہے، جس کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ اسی سند کے ساتھ بیہقی میں یہ روایت بھی ہے: ام ابراہیم کو اس کے بیٹے نے آزاد کر دیا۔ (ارواء الغليل: ۱۷۹۹) میں اس کی تخریج کی گئی ہے۔ (صحیحہ: ۲٤۱۷)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ کی تفسیر
''گانے'' سننے سنانے کا حکم
گانے والیوں کی خرید وفروخت کا حکم

(۱۱۸۱)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ ، وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ ، وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ ، وَلَا خَيْرَ فِي

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مغنّیات کی خرید وفروخت نہ کرو اور ان کو یہ (لغو امور) مت سکھاؤ، ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں ہے، بلکہ

تِـجَـارَةٍ فِيهِنَّ، وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ، وَفِي مِثْلِ هٰـذَا أُنْـزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَـرِي لَهْـوَ الْـحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (لُقْمَانُ:٦) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ۔

ان کی قیمت حرام ہے، اسی مسئلہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ''کچھ لوگ غافل کر دینے والی بات خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے گمراہ کریں''

(الصحيحة:٢٩٢٢)

تخريج: أخرجه الترمذي:١٢٨٢ و٣١٩٣، وابن جرير الطبري في "التفسير": ٢١/ ٣٩، وأحمد: ٥/ ٢٥٢ و٢٥٤، والحميدي:٩١٠، وابن أبي الدنيا في "ذم الملاهي": ق٥/ ١، والبيهقي في "السنن": ٦/ ١٤، والثعلبي في "تفسيره": ٣/ ٧٥/ ١، وعنه البغوي في "تفسيره": ٦/ ٢٨٤، والواحدي في "الوسيط": ٣/ ١٩٠/ ٢، وأخرجه ابن ماجه: ٢١٦٨ بلفظ: نهى رسول الله ﷺ عن بيع المغنيات، وعن شرائهن، وعن كسبهن، وعن اكل أثمانهن۔

شـــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس آیت کے اس مفہوم کا ایک اور شاہد بھی ہے، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورۂ لقمان: ٦) انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں! اس سے مراد ''گانا'' ہے۔ انھوں یہ بات تین دفعہ دوہرائی۔ (ابن جریر، ابن ابی شیبہ: ٦/ ٣٠٩، حاکم: ٢/ ٤١١، بیہقی: ١٠/ ٢٢٣، امام حاکم نے اس کو ''صحیح الاسناد'' کہا، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی اور حقیقت بھی اسی طرح ہے۔)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیتِ کریمہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ ''گانے'' جیسی چیزوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ابن ابی شیبہ: ٦/ ٣١٠، الادب المفرد: ١٢٦٥، ابن جریر: ٢١/ ٤، ابن ابی الدنیا: ق ٤/ ١۔ ٢، بیہقی: ١٠/ ٢٢١) اس کی سند میں ابن سائب مختلط راوی ہے، بہر حال بہترین شاہد ہے۔

ابن جریر (۲۱/۴) نے کہا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر اس چیز کو شامل ہے، جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے غافل کر دے اور جس کے سننے سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہو، مثلا: گانا اور شرک کرنا۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن قیم کا بھی یہی خیال ہے۔

اس بحث سے ابن حزم کے درج ذیل قول کی نفی ہو جاتی ہے:

وہ کہتے ہیں: کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے کہ اس نے کہا کہ اس آیت میں ''گانے'' سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ بعض مفسرین کا یہی خیال ہے، لیکن ان کے اقوال حجت نہیں ہیں۔ (رسالة الملاهي: ص ٩٧)

حیرانی کی بات یہ ہے کہ امام ابن حزم نے (المحلی) میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا عبد اللہ بن

مسعود اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے تابعین کے اقوال بیان کیے، ان کو ضعیف نہیں قرار دیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کا قول حجت نہیں ہے، جبکہ یہاں کہہ دیا کہ کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ (صحیحہ : ۲۹۲۲)

حرام سے پلا ہوا جسم جنت میں داخل نہیں ہو گا

(۱۱۸۲)۔ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ مَرْفُوْعاً: ((لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ۔)) (الصحيحة:۲۶۰۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا جسم جنت میں داخل نہیں ہو گا، جس کو حرام سے غذا دی گئی ہو۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى: ۱/ ۲۹، وعنه ابن عدى:۳۰٤/ ۲، وابن حبان في"الضعفاء": ۲/ ۱۵۵، وعبد بن حميد في"مسنده": ۲/ ۱، وأبو بكر المروزي في"مسنده": رقم ۵۱، ۵۲، والبزار: ص۳۲۸، والحاكم: ٤/ ۱۲۷

شرح:...... حرام خوروں کے لیے اس حدیث میں سخت وعید کا بیان ہے، ہمیں اپنے رزق کی نوعیت کا جائزہ لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے اور اپنے بچوں کے منہ میں حرام کا لقمہ ڈال رہے ہوں۔

❀❀❀❀

اَلْحُدُوْدُ وَالْمُعَامَلَاتُ وَالْاَحْكَامُ

حدود، معاملات، احکام

الحدود: لغوی معنی: "حدّ" کی جمع "حدود" ہے، رکاوٹ، چہار دیواری، سرحد، کنارہ، انتہا.....

اصطلاحی تعریف:..... مجرم کے لیے شرعاً واجب ہونے والی مخصوص سزا کو حد کہتے ہیں، جیسے چوری کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹنا۔

المعاملات: لغوی معنی: "معاملة" کی جمع ہے، لین دین کرنا، تصرف کرنا، معاملہ کرنا

اصطلاحی تعریف:..... امورِ دنیا سے متعلق شرعی احکام، جیسے خرید وفروخت وغیرہ۔

الاحکام: لغوی معنی: "حکم" کی جمع ہے، حکمت و دانائی، فیصلہ، علم وفہم، حکومت واقتدار

اصطلاحی تعریف:..... ان سے مراد شرعی احکام ہیں، جن کی اصولیوں نے یہ تعریف کی ہے: اللہ تعالی کا وہ خطاب جو بطورِ اقتضا یا بطورِ تخییر بندوں کے افعال سے متعلقہ ہو۔ ان کی پانچ اقسام ہیں: (۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ (۵) مباح

فرض کو واجب، مستحب کو مندوب، حرام کو مکروہ تحریمی اور مکروہ کو مکروہ تنزیہی بھی کہتے ہیں۔

خلیفہ حد معاف نہیں کر سکتا

(۱۱۸۳)۔ عَنْ أَبِي مَاجِدَةَ، قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: إِنِّي لَأَذْكُرُ أَوَّلَ رَجُلٍ قَطَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِسَارِقٍ فَأَمَرَ بِقَطْعِهِ، فَكَأَنَّمَا أُسِفَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَأَنَّكَ كَرِهْتَ قَطْعَهُ؟ قَالَ: ((وَمَا يَمْنَعُنِي؟ لَا تَكُوْنُوْا أَعْوَانًا لِّلشَّيْطَانِ

ابو ماجدہ کہتے ہیں: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، انھوں نے کہا: میں اس پہلے آدمی کو جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس کا ہاتھ کاٹا تھا۔ چور کو لایا گیا، آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لیکن ایسے لگ رہا تھا کہ آپ ﷺ رنجیدہ ہو گئے ہیں۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے لگتا ہے کہ آپ اس کا ہاتھ کاٹنے کو ناپسند کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کیا رکاوٹ ہو سکتی

عَلٰى أَخِيْكُمْ ، إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ إِذَا انْتَهٰى إِلَيْهِ حَدٌّ إِلَّا أَنْ يُقِيْمَهُ ، إِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ ـ ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النور: ۲۲)۔

(الصحيحة: ١٦٣٨)

ہے؟ اپنے اس بھائی کے بارے میں شیطان کے مددگار نہ بنو، ہر امام کو یہی زیب دیتا ہے کہ جونہی اس تک کوئی حد پہنچے وہ اسے نافذ کر دے، بیشک اللہ تعالی معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، (ارشادِ باری تعالی ہے:) ''اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تم کو (تمھاری خطاؤں کو بخشے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورۂ نور: ۲۲)

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٤٣٨، والحاكم: ٤/ ٣٨٢/ ٣٨٣، والبيهقي: ٨/ ٣٣١

شرح:...... نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، اسی وصف کی بنا پر آپ ﷺ رنجیدہ ہوئے اور متأسف ہونا ہی آپ ﷺ کو زیب دیتا تھا۔ لیکن دوسری طرف اللہ تعالی کا قانون تھا کہ جب حاکم وقت کی عدالت میں ایسے مجرم کو لایا جائے جس پر حدّ نافذ ہوتی ہو، تو حاکم معاف نہیں کر سکتا، بلکہ اسے ہر صورت میں حدّ نافذ کرنا پڑتی ہے۔

اللہ تعالی کی حدود کا نفاذ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ ایک حاکم سے بھی معاف کرنے کا حق ہی سلب کر لیا گیا ہے۔ جو حاکم و محکوم حدود اللہ کے ساتھ استہزا کرتے ہیں، انھیں اپنے کمینگی کا علم ہونا چاہیے۔

مؤمن سے قتال کرنا کفر اور اس کو برا بھلا کہنا فسق ہے

(١١٨٤)۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ مَرْفُوْعًا: ((قِتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ، وَسِبَابُهُ فُسُوْقٌ، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔)) (الصحيحة ٢٢٩٨)

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مومن سے لڑنا کفر ہے اور اسے گالی دینا فسق ہے اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ (قطع رحمی کرتے ہوئے) اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ مدت کے لیے ترکِ تعلق رکھے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ١٧٦، والطبراني: ١/ ١٨/ ٢، والضياء في "المختارة": ١/ ٣٣٨

شرح:...... مؤمن سے لڑائی کرنا کفریہ عمل ہے اور اسے گالی دینا منافقانہ صفت اور نافرمانی کا کام ہے۔

دو مومنوں کا آپس میں تعلقات توڑنا سنگین جرم ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ۔)) (ابوداود) ...... ''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دنوں سے زیادہ تک قطع تعلق کیے رکھے، جس نے تین دنوں سے زیادہ تک تعلق قطع کیے رکھا اور پھر اسی حال میں مر گیا، تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟

(١١٨٥)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ الَّتِيْ فِيْ (الْفُرْقَانِ) ﴿وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ عَجِبْنَا لِلِيْنِهَا، فَلَبِثْنَا سِتَّةَ أَشْهُرٍ ثُمَّ نَزَلَتْ الَّتِيْ فِيْ النِّسَاءِ: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ﴾ حَتّٰى فَرَغَ۔ (الصحيحة: ٢٧٩٩)

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”جولوگ اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ جان کو قتل کرتے ہیں مگر حق کے ساتھ۔“ (سورۂ فرقان: ٦٨) تو ہمیں اس آیت میں دی گئی لچک اور نرمی پر بڑا تعجب ہوا، چھ مہینے گزر گئے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ”جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کا بدلہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے، اس پر اللہ تعالی غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی..... آخر تک۔“ (سورۂ نساء: ٩٣)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٥/ ١٥٠/ ٤٨٦٩

(١١٨٦)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَبَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ لِقَاتِلِ الْمُؤْمِنِ تَوْبَةً۔)) (الصحيحة:٦٨٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی نے مومن کے قاتل کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔“

تخريج: أخرجه محمد بن حمزة الفقيه في "أحاديثه": ٢١٥/ ٢، والواحدي في "الوسيط": ١/ ١٨٠/ ٢، والضياء في "المختارة": ١٢٧/ ١

شرح:...... اسی حدیث مبارکہ کا مفہوم درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے: اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (سورۂ نساء: ٩٣) ......”اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالی کا غضب ہے، اور اللہ تعالی نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

یہ ان لوگوں کے دلائل ہیں، جن کے نزدیک مومن کے قاتل کو توبہ کا حق نہیں دیا جاتا۔ لیکن قرآن و حدیث کی دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرد کو ہر قسم کے گناہ سے توبہ کرنے کا حق دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء: ٤٨) ......”بیشک اللہ تعالی اس (جرم) کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اس کے علاوہ دوسرے (گناہ) جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔“

اس آیت میں شرک کے علاوہ بقیہ گناہوں کی معافی کو ممکن قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ

النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۝ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَّکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝﴾ (سورۂ فرقان: ۶۸، ۶۹، ۷۰) ...... ''اور وہ (مومنین) بجز حق کے کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے، جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو، نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے۔ جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔''

اس آیت میں قتل اور زنا کے بعد توبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس مسئلہ کا سب سے بین ثبوت اس حدیث میں بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے مطابق سو افراد کے قاتل کو توبہ کا ارادہ کرنے کی وجہ سے بخش دیا گیا تھا۔ (مسلم)

ان دلائل سے معلوم ہوا دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ان آیات اور ان کے مفہوم کی دوسری احادیث مسلّمہ قوانین ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مومن کو قتل کرنا انتہائی سنگین جرم ہے، لیکن اگر کوئی صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا حق معاف کر سکتے ہیں۔ ان دلائل کی روشنی میں متن میں مذکورہ حدیث کو تہدید و وعید پر محمول کریں گے۔ بالاتفاق توبہ سے شرک اور کفر جیسے جرائم معاف ہو جاتے ہیں، بہر حال قتل کی سنگینی شرک سے کم ہے۔

ذمی کو قتل کرنے والا جنت سے محروم

(۱۱۸۷)۔ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدَةً بِغَیْرِ حَقِّهِ، لَمْ یَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِیْحَ الْجَنَّةِ تُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ مِئَةِ عَامٍ۔)) (الصحیحة: ۲۳۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایسے حلیف کو ناحق قتل کر دیا جس سے معاہدہ کیا گیا تھا، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا اور جنت کی خوشبو سو سال کی مسافت تک پائی جاتی ہے۔''

تخریج: رواه الضیاء فی "صفة الجنة": ۳/ ۸۶/ ۲

شرح: ...... اس حدیث سے عہد شکنی کی سنگینی واضح ہو رہی ہے کہ اگر عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہ رکھتے ہوئے کوئی مسلمان کافر کو بھی قتل کر دے تو وہ جنت سے سو سال کی مسافت تک دور ہو جاتا ہے، اگر کوئی مسلمان مسلمانوں سے ہی خیانت کرنا شروع کر دے تو اس کے جرم کی نوعیت کا اندازہ اسی حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

نبی کے قاتل ومقتول کو سخت سزا ہوگی؟

(۱۱۸۸)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اِن لوگوں کو شدید ترین عذاب ہوگا:

الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْقَتَلَ نَبِيًّا، وَإِمَامُ ضَلَالَةٍ، وَمُمَثِّلٌ مِّنَ الْمُمَثِّلِيْنَ.)) (الصحيحة: ۲۸۱)

وہ آدمی جسے نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو، گمراہ پیشوا اور خوب مثلہ کرنے والوں میں سے مثلہ کرنے والا۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ۱/ ۴۰۷، والطبراني في "المعجم الكبير": ۳/ ۸۰/ ۲

شرح: ...... اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دے کر انہیں پہلے دو جرائم سے تو مستقل طور پر محفوظ کر دیا ہے، تیسرے جرم سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہم کسی شخص کے لیے گناہ کا سبب نہ بنیں۔

ابلیس انسانی قتل پر اپنے چیلوں کو انعام دیتا ہے

(۱۱۸۹)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَصْبَحَ إِبْلِيْسُ بَثَّ جُنُوْدَهُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ أَضَلَّ الْيَوْمَ مُسْلِمًا أَلْبَسْتُهُ التَّاجَ، قَالَ: فَيَخْرُجُ هٰذَا فَيَقُوْلُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، فَيَقُوْلُ: أَوْشَكَ أَنْ يَتَزَوَّجَ: وَيَجِيْءُ هٰذَا فَيَقُوْلُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى عَقَّ وَالِدَيْهِ۔ فَيَقُوْلُ: يُوْشِكُ أَنْ يَبَرَّهُمَا وَيَجِيْءُ هٰذَا فَيَقُوْلُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى أَشْرَكَ، فَيَقُوْلُ: أَنْتَ أَنْتَ! وَيَجِيْءُ هٰذَا فَيَقُوْلُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى قَتَلَ، فَيَقُوْلُ: أَنْتَ أَنْتَ وَيُلْبِسُهَا التَّاجَ.)) (الصحيحة: ۱۲۸۰)

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ابلیس بوقت صبح اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کسی مسلمان کو گمراہ کرے گا میں اسے تاج پہناؤں گا۔ (جب لشکر واپس آتے ہیں تو) ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اسے ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ ابلیس کہتا ہے: ممکن ہے کہ وہ دوبارہ شادی کر لے۔ ایک آکر کہتا ہے: میں اسے پھسلاتا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے والدین کی نافرمانی کر دی۔ وہ کہتا ہے: (یہ تو کوئی بڑا کام نہیں کیونکہ) ممکن ہے کہ وہ بعد میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ ایک آکر کہتا ہے: میں اس کے ساتھ چمٹا رہا یہاں تک کہ اس نے شرک کا ارتکاب کر لیا۔ ابلیس کہتا ہے: تو نے تو کمال کر دیا ہے۔ (اتنے میں) ایک اور آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہ چھوڑا یہاں کہ اس نے قتل کر دیا۔ ابلیس کہتا ہے: (شاباش) تو نے تو اخیر کر دی ہے، پھر اسے تاج پہنا دیتا ہے۔"

تخريج: أخرجه ابن حبان: رقم ۶۵

شرح: ...... معلوم ہوا کہ ابلیس لعین کے ہاں سب سے زیادہ مقام قتل کا ہے، کیونکہ قتل معاشرے میں عداوت و نفرت، قطع رحمی اور فتنہ و فساد کی جڑ ہے، مثالیں موجود ہیں کہ ایک قتل کا انتقام لیتے لیتے خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس کے ہاں شرک کا مقام قتل سے کم ہے، کیونکہ شرک کا تعلق ایک آدمی کی ذات ہوتا ہے۔ قتل کی

قباحت وشناعت ''مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟'' کے عنوان میں موجود ہے۔ نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق دینے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا آدمی ابلیس کے لشکروں سے متاثر ہوکر یہ کام کرتا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ کے لیے قتل کرنا درست ہے

(۱۱۹۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا: ((يَجِيءُ الرَّجُلُ آخِذًا بِيَدِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ! هٰذَا قَتَلَنِي، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ: لِمَ قَتَلْتَهُ؟ فَيَقُوْلُ: لِتَكُوْنَ الْعِزَّةُ لَكَ فَيَقُوْلُ: فَإِنَّهَا لِيْ، وَيَجِيْءُ الرَّجُلُ آخِذًا بِيَدِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ: إِنَّ هٰذَا قَتَلَنِيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ: لِمَ قَتَلْتَهُ؟ فَيَقُوْلُ: لِتَكُوْنَ الْعِزَّةُ لِفُلَانٍ! فَيَقُوْلُ: إِنَّهَا لَيْسَتْ لِفُلَانٍ، فَيَبُوْءُ بِإِثْمِهِ۔)) (الصحيحة: ۲٦۹۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(قیامت والے دن) ایک آدمی دوسرے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر آ کر کہے گا: اے میرے ربّ اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اس کو کیوں قتل کیا ہے؟ وہ کہے گا: تیری بڑائی کی خاطر۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: بلاشبہ بڑائی میرے لیے ہی ہے۔ ایک اور آدمی دوسرے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر آ کر کہے گا: اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اسے قتل کیوں کیا؟ وہ کہے گا: فلاں کی بڑائی کی خاطر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ بڑائی فلاں کا حق نہیں ہے، سو وہ اس کے گناہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔''

تخريج: أخرجه النسائي ۲/ ۱٦٤، والبيهقي في "الشعب": ۲/ ۱۱٤/ ۱

شرح:...... قاتل پر تین حقوق عائد ہوتے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کا حق (۲) لواحقین کا حق اور (۳) مقتول کا حق۔ اللہ تعالیٰ اپنا حق کیسے معاف کرے گا؟ آیا توبہ ضروری ہے یا ویسے ہی معاف کر دے گا یا سرے سے معاف ہی نہیں کرے گا۔ اس کا علم مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ لواحقین کو تین اختیارات حاصل ہیں، وہ کسی ایک کا انتخاب کر کے اپنے حق سے دستبردار ہو سکتے ہیں: معاف کر دیں یا دیت لے لیں یا قصاص لے لیں۔

رہا مسئلہ مقتول کے حق کا تو وہ فیصلہ حشر کے میدان میں ہوگا، اس حدیث میں وہی حق وصول کیا جا رہا ہے۔ حقوق العباد کے بارے میں شریعت نے یہ قانون پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا، جب تک متعلقہ بندہ معاف نہ کر دے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اس قسم کے اسباب پیدا کر سکتا ہے کہ مظلوم بندہ ظالم کو معاف کر دے۔

مقتول کے لواحقین کو دو اختیار حاصل ہیں

(۱۱۹۱)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِنْ بَنِيْ لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيْلٍ مِّنْهُمْ قَتَلُوْهُ، فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنوخزاعہ نے فتح مکہ والے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے بنولیث کا ایک آدمی قتل کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے اور خطبہ دیا، جس میں یہ بھی فرمایا: ''اللہ

حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ، اَوِ الْفِيْلَ، شَكَّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِيْنَ، اَلَا وَاِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ بَعْدِيْ، اَلَا وَاِنَّهَا حَلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، اَلَا وَاِنَّهَا سَاعَتِيْ هٰذِهٖ حَرَامٌ، لَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ، فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: اِمَّا اَنْ يَّعْقِلَ، وَاِمَّا اَنْ يُّقَادَ اَهْلُ الْقَتِيْلِ۔)) فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: اُكْتُبْ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: ((اُكْتُبُوْا لِاَبِيْ فَلَانٍ۔)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: اِلَّا الْاِذْخَرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاِنَّا نَجْعَلُهٗ فِيْ بُيُوْتِنَا وَقُبُوْرِنَا؟! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اِلَّا الْاِذْخَرَ۔)) زَادَ مُسْلِمٌ: قَالَ الْوَلِيْدُ: فَقُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ: مَاقَوْلُهٗ: اُكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْخُطْبَةُ الَّتِيْ سَمِعَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

(الصحيحة:٣٥٢٩)

تعالی نے مکہ میں قتل کرنے سے منع کر دیا ہے اور رسول اللہ اور مومنوں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔ خبردار! یہ (حرم مکی) نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال تھا اور نہ (کسی کے لیے) بعد میں ہوگا۔ آگاہ رہو! اسے میرے لیے دن کی کچھ گھڑی کے لیے حلال کیا گیا۔ خبردار! اب اس وقت میں یہ حرام ہے، اس کے کانٹوں کو نہ اکھاڑا جائے۔ اس کے درختوں کو نہ کاٹا جائے اور اس کی گری پڑی چیز کو نہ اٹھایا جائے، مگر تشہیر کے لیے۔ اگر کوئی قتل ہو جائے تو (اس کے ورثا کو) دو اختیارات میں سے ایک کا حق حاصل ہے، یا تو وہ دیت لے لیں یا پھر قصاص۔'' ایک یمنی آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! (یہ خطبہ) میرے لیے لکھوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''ابو فلاں کے لیے لکھ دو۔'' (آپ ﷺ کے خطبہ کے دوران) ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اذخر نامی گھاس (کو کاٹنے کی اجازت دے دیں) کیونکہ ہم اس گھاس کو گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے) اذخر گھاس (کاٹ سکتے ہو)۔'' امام مسلم نے (اس روایت کے الفاظ میں) یہ زیادتی کی ہے: ولید نے کہا: میں نے اوزاعی سے کہا: ''(یمنی نے جو یہ کہا کہ) اے اللہ کے رسول! میرے لیے لکھوا دو۔ سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: وہ خطبہ جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

تخريج: أخرجه البخاري: ١١٢، ٢٤٣٤، ٦٨٨٠، ومسلم: ٤/ ١١٠، والدارمي: ٢/ ٢٦٥، وأحمد: ٢/ ٢٣٨، وعنه أبوداود: ٢٠١٧، والدارقطني: ٣/ ٩٦/ ٥٨، والبيهقي في "السنن" ٨/ ٥٢ و "الدلائل": ٥/ ٨٤

شرح:...... مقتول کے لواحقین کو کل تین اختیارات حاصل ہیں، کسی ایک کا انتخاب کر سکتے ہیں: قصاص یا دیت لے لیں یا پھر معاف کر دیں۔

اس میں مکہ مکرمہ کی حرمت وعظمت کا بیان ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی عیاں ہو رہی ہے کہ

آپ ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کی موجودگی میں بتقاضۂ ضرورت احادیث بھی لکھوائی جاتی تھیں۔

(١١٩٢)۔ عَنْ اَبِي شُرَيْحٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ ، يَقُوْلُ قَوْلًا ، سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَ وَعَاهُ قَلْبِي ، وَاَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ: حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ((اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِىءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا ، وَلَمْ يَعْضُدْ بِهَا شَجَرَةً ، فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْهَا ، فَقُوْلُوْا: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهِ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ ، وَاِنَّمَا اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔)) (الصحيحة:٣٥٤٣)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ایک بات ارشاد فرمائی، میرے کانوں نے اسے سنا، میرے دل نے اسے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے آپ ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا: ''بیشک مکہ کو لوگوں نے نہیں، بلکہ اللہ تعالی نے حرمت والا قرار دیا، اب کسی ایسے شخص کے لیے حلال نہیں، جو اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، کہ وہ یہاں خون بہائے یا درخت کاٹے۔ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال (کو دلیل بنا کر اپنے لیے) رخصت نکالنا چاہے تو اسے کہہ دینا کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مکہ میں (قتال کی) اجازت دی اور تمھیں نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ وقت کے لیے (لڑائی کرنے کی) اجازت ملی ہے، اس کے بعد اس کی حرمت اسی طرح ہو گئی جس طرح کل تھی۔ موجودہ لوگ (یہ احکام) غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري ١٠٤، ١٨٣٢، ٤٢٩٥، ومسلم:٤/ ١١٠، والترمذي:٨٠٩، و النسائي: ٢/ ٣٢، والبيهقي:٧/ ٦٠، ٩، ٢١٢، وأحمد: ٤/ ٣١ و ٦/ ٣٨٥

بھانجا بھی ماموؤں کی قوم میں سے ہوتا ہے

(١١٩٣)۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْاَنْصَارَ فَقَالَ: ((هَلْ فِيْكُمْ اَحَدٌ غَيْرُكُمْ؟)) قَالُوْا: لَا ، اِلَّا ابْنُ اُخْتٍ لَنَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔)) (الصحيحة:١٧٧٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا: ''کیا تم میں کوئی اور بھی ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں، ہاں ایک ہمارا بھانجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري:٦/ ٤٣١، ١٢/ ٣٩، والنسائي: ١/ ٣٦٦، والدارمي: ٢/ ٢٤٣، وكذالك مسلم:٢/ ١٠٦، الترمذي ٢/ ٣٢٤

شرح: ...... ابن ابی حمزہ کا بیان ہے: جاہلیت میں بیٹیوں اور بہنوں کی اولاد کے بارے میں لاپرواہی برتی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے نظریے کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ بھانجے تو اپنے ماموؤں میں سے ہوتے ہیں، یعنی ان کو وہی نصرت و معاونت اور شفقت و رحمت دی جائے جس کو بیٹوں اور پوتوں وغیرہ کا حق سمجھا جاتا ہے۔

امام مبارکپوری نے لکھا: یعنی بھانجا بھی ان قرابت داروں میں سے ہے، جن کی تائید و نصرت کرنا اور جن سے مودّت و محبت کرنا اور جن کو صلاح و مشورہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۳۶۹)

اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنا

(۱۱۹٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ اَنْ رَجَمَ الْاَسْلَمِيَّ قَالَ: ((اِجْتَنِبُوْا هٰذِهِ الْقَاذُوْرَةَ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا، فَمَنْ اَلَمَّ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَاِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة:٦٦٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلمی کو سنگسار کرنے کے بعد فرمایا: ”اس برے فعل سے بچو، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جو اس کا ارتکاب کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ اس کو پردے میں رکھے، تو اسے بھی چاہیے کہ وہ اپنی برائی پر پردہ ڈالے، کیونکہ جس نے اپنے بھید کو ظاہر کر دیا، ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی کتاب (کے احکام) نافذ کر دیں گے۔“

تخريج: رواه أبو عبدالله القطان في "حديثه": ١/ ٥٦، وعنه البيهقي: ٨/ ٣٣٠، والطحاوي في "المشكل": ١/ ٢٠، والحاكم: ٤/ ٢٤٤، ٣٨٣

شرح: ...... زنا کرنا قبیح فعل اور کبیرہ گناہ ہے، اس کی قباحت اور سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس برائی میں ملوث ہوتا ہے تو شریعت ان کو سو کوڑے مار کر پتھروں سے ہلاک کر دینے کا حکم دیتی ہے اور غیر شادی شدہ مرد و زن کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

جہاں آپ ﷺ اس جرم سے منع فرما رہے ہیں، وہاں یہ تلقین کر رہے ہیں کہ اگر کوئی اس کا ارتکاب کر بیٹھے تو وہ خلوت میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، توبہ کرے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے۔ کیونکہ جب اس جرم کی اطلاع حاکم کو ہو جاتی ہے تو وہ حد میں کمی بیشی کر سکتا ہے نہ معاف کر سکتا ہے۔

غیر محرم عورت کو چھونا حرام ہے

(۱۱۹۵)۔ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ مَرْفُوْعًا: ((لَاَنْ يُطْعَنَ فِيْ رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَمَسَّ اِمْرَاَةً لَا تَحِلُّ لَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٢٦)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کسی آدمی کے سر میں لوہے کی سوئی ٹھونس دی جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ غیر محرم عورت کو چھوئے، جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔“

تخریج: رواہ الرویانی فی ۲۲۷/ ۲، والطبرانی فی "الکبیر": ۲۰/ ۲۱۰، والبیھقی

شرح:...... آج کل بے پردگی کا جنون عروج پر ہے۔ وڈیرے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ مغربی تہذیب مغرب سے تنگ آ کر مشرق میں اپنے پنجے گاڑھنا چاہتی ہے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ شاید وہ مکمل طور پر کامیاب ہو جائے۔ (اللہ اس کا ستیاناس کرے)۔

اسی بے پردگی کا ایک نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ غیر محرم مرد و زن کا میل ملاپ زیادہ ہو گیا ہے، چچا زاد بھائی بہنیں آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے یا ایک دوسرے کے سر یا کندھے پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ عمر چھوٹی بڑی ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کو بوسے دیے جاتے ہیں اور بعض خاندانوں میں غیر محرم مرد و زن معانقہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہے۔ بہر حال شریعت کا اپنا مزاج ہے، جو لازوال، پائیدار اور بہر صورت خیر خواہ ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنی محبتوں اور رشتوں کو شریعت کے تابع کریں، بلاشبہ رشتہ دار عورتوں سے محبت ہوتی ہے، بالخصوص جب وہ دین دار ہو، لیکن یہ محبت کا تقاضا کہاں سے آ گیا کہ زبانی کلامی دعا و سلام پر اکتفا کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے کندھے یا سر پر ہاتھ پھیرا جائے۔ غور فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ تو عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی مصافحہ نہیں کرتے تھے، بلکہ زبانی کلامی بیعت لیتے تھے۔ لیکن ہم...... مذکورہ بالا حدیث پر بار بار غور کریں۔

حد کا نفاذ، کفارۂ گناہ ہے

(۱۱۹٦)۔ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا عَبْدٍ أَصَابَ شَيْئًا مِمَّا نَهَى اللهُ عَنْهُ، ثُمَّ أُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدُّهُ، كُفِّرَ عَنْهُ ذٰلِكَ الذَّنْبُ۔))

(الصحيحة: ۱۷۵۵)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی آدمی اللہ تعالی کی منہیات میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اس پر اس کی حد نافذ کر دی جائے تو اس کا وہ گناہ مٹا دیا جائے گا۔"

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٨٨ واللفظ له، والدارمي: ٢/ ١٨٢، وأحمد: ٥/ ٢١٤، ٢١٥، والطبراني: ٣٧٢٨، ٣٧٣١، ٣٧٣٢

(۱۱۹۷)۔ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا أُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذٰلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ۔))

(الصحيحة: ۲۳۱۷)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اس پر اس کے جرم کی حد قائم کر دی گئی، تو وہ اس گناہ کا کفارہ ثابت ہو گی۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ١٨٩، وأحمد: ٥/ ٢١٤، ٢١٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے جتنے شواہد ذکر کیے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مجرم پر اس

کے جرم کی حدّ نافذ کر دی جائے تو وہ اس کے جرم کا کفارہ بن جاتی ہے۔

شرعی حد نافذ کرنے کی اہمیت

(۱۱۹۸)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْاَرْضِ خَيْرٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ مِنْ اَنْ يُمْطَرُوْا اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔))

(الصحيحة: ۲۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شرعی حدّ، جسے زمین (میں بسنے والوں) پر نافذ کیا جائے، وہ اہلِ زمین کے حق میں چالیس دنوں کی بارش سے بہتر ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ۲/ ۱۱۱، والنسائي: ۲/ ۲۵۷، و حمد: ۲/ ۴۰۲، وابن الجارود في "المنتقى": ۸۰۱، وابو يعلى في "مسنده": ۲۸۷/ ۱

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کے لیے قتل کی حد، ان کے مالوں کی حفاظت کے لیے چوری کی حدّ اور ان کی عزتوں کی حفاظت کے لیے زنا اور تہمت کی حدّ کو مشروع قرار دیا ہے۔ بارش کے فوائد اپنی جگہ پر مسلّم ہیں، بلکہ نظامِ زندگی کے قیام کے لیے ضروری ہے، لیکن بارش جس رزق کا سبب بنے گی، اگر وہی چوروں اور ڈاکوؤں کے ہتھے لگتا رہے تو سب کچھ رائیگاں ہوتا رہے گا۔ اگر ایک دفعہ خاندان کی عزت لٹ جائے تو مال و دولت کی ریل پیل کے باوجود نظریں جھکا کر اور گردنیں خم زدہ کر کے زندگیاں گزارنی پڑتی ہیں۔ اگر کسی قبیلے کا ایک فرد قتل کر دیا جائے تو جہاں صدیوں کے لیے قاتل و مقتول کے خاندانوں کا سکون غارت ہوتا ہے، وہاں سینکڑوں افراد کو قتل و غارت گری کے بازار میں جھکنا پڑتا ہے۔

ان سب امور کا حل یہی ہے کہ اگر کسی کا جرم حدّ کے قابل ہے تو نرم دلی اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے اسے نافذ کر دیا جائے۔

(۱۱۹۹)۔ ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَالْعَجْمَاءِ خَالَةِ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ۔ حَدِيْثُ عُمَرَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: قَدْ خَشِيْتُ اَنْ يَطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: مَانَجِدُ الرَّجْمَ مَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انھیں بہرصورت سنگسار کر دو۔'' یہ حدیث حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور ابو امامہ بن سہل کی خالہ حضرت عجماء رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ طویل زمانہ بیت جانے کے بعد کہنے والا کہے گا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فریضے کو ترک کر کے

اَنْزَلَهَا اللّٰهُ ، اَلَا وَاِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ إِذَا اَحْصَنَ ، اَوْ قَامَتِ الْبَيِّنَةُ ، وَكَانَ حَمْلٌ ، اَوِ اعْتِرَافٌ ، وَقَدْ قَرَأْنَاهَا : ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ......)) الْحَدِيْثَ ، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ.

(الصحيحة: ۲۹۱۳)

گمراہ ہو جائیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا حق ہے، جب گواہ گواہی دے دیں یا عورت کا حمل واضح ہو جائے یا مجرم خود اعتراف کر لے۔ میں نے (یہ آیت) خود پڑھی تھی: ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ....﴾ الخ۔ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے سنگسار کیا۔

تخریج: ورد من حديث عمر، وزيد بن ثابت، وأبي بن كعب، والعجماء خالة أبي أمامة بن سهل،

(١) أما حديث عمر: أخرجه ابن ماجه:٢٥٥٣، من طريق أبي بكر، وكذا مسلم :٥/ ١١٦، ولكنه لم يسق لفظه، والنسائي في"الكبرى" ٤/ ٢٧٣/ ٧١٥٦، والبيهقي:٨/ ٢١١

(٢) وأما حديث زيد بن ثابت: أخرجه أحمد: ٥/ ١٨٣، والنسائي في"السنن الكبرى": ٤/ ٢٧٠/ ٧١٤٥، والدارمي:٢/ ١٧٩ مرفوع منه ، والحاكم :٤/ ٣٦٠، والبيهقي:٨/ ٢١١

(٣) وأما حديث أبيّ: أخرجه النسائي:٧١٤١، وابن حبان :٦/ ٣٠١/ ٤٤١١، ٤٤١٢، والحاكم :٢/ ٤١٥، ٤/ ٣٥٩، والبيهقي أيضا، وعبدالرزاق في"المصنف": ٣/ ٣٦٥/ ٥٩٩٠، و الطيالسي: ٥٤٠، وعبدالله بن أحمد: ٥/ ١٣٢، والضياء في"المختارة": ٣/ ٣٧٠

(٤) وأما حديث العجماء: خرجه النسائي:٧١٤٦، والحاكم:٤/ ٣٥٩، والطبراني في"المعجم الكبير": ٢٤/ ٣٥٠/ ٨٦٧

شرح:...... اس آیت ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ)) کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، لیکن حکم باقی ہے۔

ہمسائے کی بیوی سے بدکاری کرنا یا اس کے گھر سے چوری کرنا سنگین جرم ہے

(۱۲۰۰)۔ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: ((مَاتَقُوْلُوْنَ فِي الزِّنَا؟)) قَالُوْا: حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، فَهُوَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَأَنْ يَّزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ۔)) ثُمَّ سَأَلَهُمْ عَنِ السَّرِقَةِ؟ فَأَجَابُوْا

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے پوچھا: ”زنا کے بارے میں تم لوگ کیا کہو گے؟“ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنے کا جرم ہمسائے کی ایک بیوی سے بدکاری کرنے کے جرم (کی سنگینی) سے کم ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ان سے چوری کے

بِنَحْوِ مَا أَجَابُوْا عَنِ الزِّنَا، ثُمَّ قَالَ: ((وَلَأَنْ يَسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشْرِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَسْرِقَ مِنْ جَارِهِ۔)) (الصحيحة: ٦٥)

بارے میں سوال کیا، انھوں نے وہی جواب دیا جو بدکاری کے بارے میں دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا دس گھروں سے چوری کرنے کا جرم ہمسائے کے گھر سے چوری کرنے کے جرم (کی سنگینی سے) سے کم ہے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٦/ ٨، والبخاري في "الأدب المفرد": ١٠٣۔ والطبراني في "الكبير": مجموع ٦/ ٨٠/ ٢

شرح:...... اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عام دوسرے انسانوں کی بہ نسبت ہمسائے کے حق میں کیا جانے والا جرم انتہائی سنگین شمار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کو اپنی جان و مال اور عزت و عفت کا محافظ سمجھتا ہے، لیکن اگر اس کا ہمسایہ ہی اس کے حسنِ ظن کا خون کرتے ہوئے اس کی عزتوں پر ڈاکہ مارتا ہے تو وہ شریعت کی نگاہ میں انتہائی گھٹیا اور کمینہ قرار پاتا ہے۔

زنا کی حد

(١٢٠١)۔ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ مَاعِزًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَأَقَرَّ عِنْدَهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ، وَقَالَ لِهَزَّالٍ: ((لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَكَ۔)) وَرُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، كِلَاهُمَا مُرْسَلاً۔ (الصحيحة: ٣٤٦٠)

نعیم بن ہزال اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور چار مرتبہ (زنا کا ارتکاب کرنے کا) اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ہزال سے کہا: ''اگر تو اسے اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔'' یہ حدیث محمد بن منکدر اور سعید بن مسیّب سے مرسلاً مروی ہے۔

تخريج: حديث نعيم بن هزال؛ اخرجه ابوداود: ٤٣٧٧، والنسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣٠٥/ ٣٢٧٤، والحاكم: ٤/ ٣٦٣، والبيهقي في "السنن": ٨/ ٢١٩، ٢٢٨، وابن ابي شيبة في "المصنف": ١٠/ ٧٨۔ ٧٩، واحمد: ٥/ ٢١٦، ٢١٧، وابن عبد البر في "التمهيد": ٢٣/ ١٢٦، بعضهم مختصرا واللفظ لابي داود۔ وبعضهم مطولا وهو رواية ابي داود (٤٤١٩) واتمها رواية احمد

(١٢٠٢)۔ ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَالْعَجْمَاءِ خَالَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انھیں بہر صورت سنگسار کر دو۔'' یہ حدیث حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور ابو امامہ بن سہل کی خالہ حضرت عجماء رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت

حَدِيْثُ عُمَرَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: قَدْ خَشِيْتُ اَنْ يَطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ، اَلَا وَاِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ اِذَا اَحْصَنَ، اَوْ قَامَتِ الْبَيِّنَةُ. اَوْكَانَ حَمْلٌ، اَوِ اعْتِرَافٌ، وَقَدْ قَرَاْنَاهَا: ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ......)) الْحَدِيْثَ، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ.

(الصحيحة: ٢٩١٣)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ طویل زمانہ بیت جانے کے بعد کہنے والا کہے گا کہ ہمیں تو اللہ تعالی کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا اور اس طرح وہ اللہ تعالی کے عائد کردہ فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا حق ہے، جب گواہ گواہی دے دیں یا عورت کا حمل واضح ہو جائے یا مجرم خود اعتراف کر لے۔ میں نے (یہ آیت) خود پڑھی تھی: ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ ....﴾ الخ۔ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے سنگسار کیا۔

تخريج: ورد من حديث عمر، وزيد بن ثابت، وأبي بن كعب، والعجماء خالة أبي أمامة بن سهل،

(١) أما حديث عمر: أخرجه ابن ماجه:٢٥٥٣، من طريق أبي بكر، وكذا مسلم:٥/ ١١٦، ولكنه لم يسق لفظه، والنسائي في "الكبرى": ٤/ ٢٧٣/ ٧١٥٦، والبيهقي:٨/ ٢١١

(٢) وأما حديث زيد بن ثابت: أخرجه أحمد: ٥/ ١٨٣، والنسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٢٧٠/ ٧١٤٥، والدارمي:٢/ ١٧٩ المرفوع منه، والحاكم:٤/ ٣٦٠، والبيهقي:٨/ ٢١١

(٣) وأما حديث أبيّ: أخرجه النسائي:٧١٤١، وابن حبان:٦/ ٣٠١/ ٤٤١١، ٤٤١٢، والحاكم: ٢/ ٤١٥، ٤/ ٣٥٩، والبيهقي أيضا، وعبدالرزاق في "المصنف": ٣/ ٣٦٥/ ٥٩٩٠، و الطيالسي: ٥٤٠، وعبدالله بن أحمد: ٥/ ١٣٢، والضياء في "المختارة": ٣/ ٣٧٠

(٤) وأما حديث العجماء: أخرجه النسائي:٧١٤٦، والحاكم:٤/ ٣٥٩، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٣٥٠/ ٨٦٧

شرح:...... اس آیت ﴿اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ﴾ کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، لیکن حکم باقی ہے۔

(١٢٠٣)۔ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ مَرْفُوْعًا: ((اَلثَّيِّبَانِ يُجْلَدَانِ وَيُرْجَمَانِ، وَالْبِكْرَانِ يُجْلَدَانِ وَيُنْفَيَانِ۔))

(الصحيحة: ١٨٠٨)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "شادی شدہ زانیوں کو (پہلے سو) کوڑے لگائیں جائیں گے، پھر سنگسار کیا جائے گا اور کنوارے زانیوں کو (سو) کوڑے لگائے جائیں گے اور (ایک سال کے لیے) جلاوطن کیا جائے گا۔"

تخريج: أخرجه أبونعيم في "مسانيد أبي يحيي فراس": ٩١/ ١، والديلمي: ٢/ ٧٠

شرح:...... بادی النظر یہ سزا زیادہ نظر آتی ہے، لیکن جن کی عزتیں لٹ چکی ہوں، وہ اس حدّ کو بھی کم سمجھتے ہیں، بشرطیکہ وہ لوگ غیرت مند اور عزت دار ہوں، کیونکہ جن لوگوں کو اسلامی حدود پر کیچڑ اچھالتے ہوئے پایا گیا ہے، ان بیچاروں کو اپنی بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کی عزتوں کے بارے میں غیرت کا اندازہ نہیں ہوتا۔

دراصل اس قسم کے مجرم پر حدّ لگانے کا مقصد اس کی اصلاح نہیں، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں، خاندانوں، قبیلوں اور روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کی عزتوں کی حفاظت کرنا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی عزتوں اور حرمتوں کو محفوظ کرنے کے لیے یہ حدود نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدّ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زنا کتنا سنگین جرم ہے۔ جب کسی بدکار لڑکی کو جلا وطن کیا جائے گا تو اسے تحفظ فراہم کرنا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہوگی۔

اگر کوئی زانی سو کوڑے برداشت نہ کر سکے تو ....

(١٢٠٤)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ اَبْيَاتِنَا رَجُلٌ مُخْدَجٌ ضَعِيْفٌ، فَلَمْ يُرَعْ اِلَّا وَهُوَ عَلٰى اَمَةٍ مِنْ اِمَاءِ الدَّارِ يَخْبُثُ بِهَا، فَرَفَعَ شَاْنَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((اِجْلِدُوْهُ ضَرْبَ مِئَةِ سَوْطٍ۔)) قَالُوْا: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! هُوَ اَضْعَفُ مِنْ ذٰلِكَ، لَوْ ضَرَبْنَاهُ مِئَةَ سَوْطٍ مَاتَ؟ قَالَ: ((فَخُذُوْا لَهُ عِثْكَالًا فِيْهِ مِئَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً وَاحِدَةً۔)) (الصحيحة:٢٩٨٦)

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھروں کے درمیان ایک کمزور اور ناقص الخلقت آدمی رہتا تھا، (اچانک) اسے دیکھا گیا کہ وہ ایک لونڈی سے زنا کر رہا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس کا معاملہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو سو کوڑے لگاؤ۔'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! وہ تو بہت زیادہ کمزور ہے، اگر ہم نے اسے سو کوڑے لگائے تو وہ مر جائے گا (ایسے میں کیا کیا جائے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک بڑی شاخ لو، جس پر سو چھوٹی شاخیں اگی ہوئی ہوں، اور اسے ایک دفعہ مار دو۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣١٣/ ٧٣٠٩، وابن ماجه: ٢٥٧٣، والبيهقي: ٨/ ٢٣٠، والبغوي في "شرح السنة": ١٠/ ٣٠٣/ ٢٥٩١، أحمد: ٥/ ٢٢٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ٦/ ٧٧/ ٥٥٢١، ٥٥٢٢

شرح:...... یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کوئی مریض پوری حد برداشت نہیں کر سکتا تو اس کے حق میں کسی جائز شرعی حیلے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے دوران خدمت گزار بیوی سے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے سو کوڑے مارنے کی قسم اٹھالی، جونہی وہ شفایاب ہوئے تو اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا

فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (سورۂ ہود: ۴۴) ..... ''اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر۔''

لیکن ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ حیلہ اس مریض کے حق میں برتا جائے گا، جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو۔ اگر کسی کے بارے میں صحت مند ہو جانے کی امید ہو تو انتظار کیا جائے گا اور پھر پوری حدّ لگائی جائے گی، جیسا کہ ابوعبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: لوگو! اپنے غلاموں پر حدیں نافذ کرو، وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں، لیکن وہ نفاس سے ابھی ابھی فارغ ہوئی تھی، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو وہ تو مر جائے گی۔ جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس اندیشے کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَحْسَنْتَ، اُتْرُکْهَا حَتّٰی تَمَاثَلَ۔)) ..... ''تو نے اچھا کیا، اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔'' (صحیحہ: ۲۴۹۹)

غلاموں اور لونڈیوں کو بھی زنا کی حد لگائی جائے

(۱۲۰۵)۔ عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَاجْلِدُوْهَا، فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا فَاِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوْهَا، ثُمَّ بِيْعُوْهَا وَلَوْبِضَفِيْرٍ۔))

(الصحيحة: ۲۹۲۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، اگر دوبارہ زنا کرے تو کوڑے لگاؤ، اگر پھر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ اور اگر پھر بدکاری کرے تو اسے کوڑے لگاؤ اور بیچ دو، اگرچہ بٹی ہوئی رسی کے عوض بیچنا پڑے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۲/ ۱۱۹، وأحمد: ٦/ ٦٥

شرح:..... اگر کوئی لونڈی حد لگانے کے باوجود بدکاری سے باز نہ آ رہی ہو تو اسے پہلی فرصت میں فروخت کر دینا چاہیے۔ لونڈی کی سزا آزاد عورت کی سزا کی بہ نسبت نصف یعنی پچاس کوڑے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (سورۂ نسا: ۲۵) ..... ''ان عورتوں (یعنی لونڈیوں) پر آزاد عورتوں سے نصف سزا ہے۔''

نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لونڈی پر حدِ زنا لگانے کے لیے بھیجا، تو فرمایا تھا: ((اِذَا تَعَالَتْ مِنْ نَّفَاسِهَا فَاجْلِدْهَا خَمْسِيْنَ۔)) ''جب وہ نفاس سے فارغ ہو جائے تو اسے پچاس کوڑے لگا دینا۔'' (مسلم: ۱۷۰۵)

(۱۲۰٦)۔ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: خَطَبَ عَلِيٌّ فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اَقِيْمُوْا عَلٰی اَرِقَّائِكُمُ الْحَدَّ، مَنْ اَحْصَنَ مِنْهُمْ

ابوعبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: لوگو! اپنے غلاموں پر حدیں نافذ کرو، وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے

وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ، فَإِنَّ اَمَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ زَنَتْ، فَاَمَرَنِي اَنْ اَجْلِدَهَا، فَاِذَا هِيَ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ، فَخَشِيْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّهَا اَنْ اَقْتُلَهَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((اَحْسَنْتَ، اُتْرُكْهَا حَتّٰى تَمَاثَلَ۔)) (الصحيحة: ٢٤٩٩)

زنا کیا اور آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں، لیکن وہ نفاس سے ابھی ابھی فارغ ہوئی تھی، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو وہ تو مر جائے گی۔ جب میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس اندیشے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اچھا کیا، اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ١٢٥، والترمذي: ١٤٤١، وابن الجارود: ٨١٦. والبيهقي: ٨/ ٢٢٩، والطيالسي: ١/ ٣٠٠۔ ترتيبه، وعنه أحمد: ١/ ١٥٦، وكذا أبويعلى: ق٢٣/ ١۔ مصورة٢

(١٢٠٧)۔ عَنْ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ، قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ! اَيُّمَا عَبْدٍ وَاَمَةٍ فَجَرَا، فَاَقِيْمُوْا عَلَيْهِمَا الْحَدَّ ۔۔۔۔۔۔ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ خَادِمًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَدَتْ مِنَ الزِّنٰى، فَبَعَثَنِي لِاَجْلِدَهَا، فَوَجَدْتُّهَا حَدِيْثَةَ عَهْدٍ بِنِفَاسِهَا، فَخَشِيْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّهَا اَقْتُلُهَا، فَقَالَ: ((اَحْسَنْتَ، اُتْرُكْهَا حَتّٰى تَمَاثَلَ۔)) (الصحيحة: ٣٢٧٨)

ابوعبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: لوگو! جو غلام اور لونڈی بدکاری کرے، اس پر حد قائم کرو۔۔۔۔۔۔ پھر کہا: رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی تھی، اس نے زنا کی وجہ سے بچہ جنم دیا، آپ ﷺ نے اسے کوڑے لگانے کے لیے مجھے بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ وہ تو ابھی ابھی نفاس سے فارغ ہوئی تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر اس کو کوڑے لگائے تو اسے قتل کر بیٹھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اچھا کیا ہے، اسے اس وقت تک چھوڑے رکھو جب تک وہ تندرست نہ ہو جائے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ١٢٥، والدارقطني: ٣/ ١٥٩، والبيهقي: ٨/ ٢٤٤، وابوداود: ٤٤٧٣، و احمد: ١/ ٨٥

شرح:۔۔۔۔۔۔ اگر کسی صاحبِ جرم کے بارے میں یہ خیال ہو کہ یہ حد لگنے سے مر سکتا ہے، تو اس کے تندرست ہونے تک انتظار کیا جائے۔

حد شدہ زانی مرد وزن اپنے جیسوں سے شادی کرتے ہیں

(١٢٠٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَايَنْكِحُ الزَّانِيُ الْمَجْلُوْدُ إِلَّا مِثْلَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٤٤٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زانی، جسے بطورِ حد کوڑے لگائے گئے ہوں، وہ اپنے جیسی عورت سے ہی شادی کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٣٢١ رقم: ٢٠٥٢، والحاكم: ٢/ ١٦٦ و١٩٣، وأحمد: ٢/ ٣٢٤

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام شوکانی (۶/۱۴۴) نے کہا: کوڑے لگانے کا ذکر اغلبی طور پر کیا گیا ہے، مقصودِ حدیث وہ شخص ہے، جس کا زانی ہونا ظاہر ہو چکا ہو۔ اس حدیث کی روشنی میں پاکدامن عورت کا زانی مرد اور پاکباز مرد کا زانیہ عورت سے نکاح کرنا ناجائز ہے، اللہ تعالی کے اس فرمان سے بھی اسی بات کا علم ہوتا ہے: ﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ (سورۂ نور: ۳) ...... ''زانی اور مشرک ہی زانیہ عورت سے نکاح کرتا ہے۔''

(صحيحه: ٢٤٤٤)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مرثد بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ مکہ سے قیدی (مسلمانوں) کو اٹھا لاتا تھا، مکہ میں ایک عناق نامی زانی عورت تھی، وہ (دورِ جاہلیت میں) اس کی دوست تھی۔ وہ کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں عناق سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، پس یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ (سورۂ نور: ۳) ...... ''زانی عورت سے نکاح نہیں کرتا، مگر زانی مرد یا مشرک۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھے یہ آیت سنا کر فرمایا: ''اس سے نکاح نہ کرو۔''

(ابوداود: ۲۰۵۱، ترمذی: ۳۱۷۷، نسائی: ۳۲۲۸)

کیا چار دفعہ جرم کا اعتراف کرنا ضروری ہے؟

(۱۲۰۹)۔ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ مَاعِزًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَأَقَرَّ عِنْدَهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ، وَقَالَ لِهَزَّالٍ: ((لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَكَ۔)) وَرُوِيَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، كِلَاهُمَا مُرْسَلًا۔

(الصحيحة: ٣٤٦٠)

نعیم بن ہزال اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چار مرتبہ (زنا کا ارتکاب کرنے کا) اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ہزال سے کہا: ''اگر تو اسے اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔'' یہ حدیث محمد بن منکدر اور سعید بن مسیب سے مرسلا مروی ہے۔

تخريج: حديث نعيم بن هزال: فاخرجه ابوداود: ٤٣٧٧، والنسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣٠٥/ ٣٢٧٤، والحاكم: ٤/ ٣٦٣، والبيهقي في "السنن": ٨/ ٢١٩، ٢٢٨، وابن ابي شيبة في "المصنف": ١٠/ ٧٨۔ ٧٩، واحمد: ٥/ ٢١٦۔ ٢١٧، ٢١٧، وابن عبد البر في "التمهيد": ٢٣/ ١٢٦، بعضهم مختصرا واللفظ لابي داود۔ وبعضهم مطولا وهو رواية ابي داود (٤٤١٩) واتمها رواية احمد

شرح:...... مسند احمد میں اس روایت کا سیاق مکمل اور مطول ہے، اس کے مطابق ماعز بن مالک ایک یتیم بچہ تھا اور ہزال کے زیرِ تربیت رہتا تھا، جب وہ زنا کا مرتکب ہوا تو ہزال نے اسے کہا تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا اور آپ کو اپنے کیے کی خبر دے، ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے بخشش طلب کریں۔ ہزال کو یہ امید تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیچارے کے لیے کوئی راہِ فرار پیدا کریں گے، نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو سنگسار کر دیا گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ہزال کو فرمایا تھا: ''اگر تو اسے اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔'' (دیکھیں: صحیحہ: ۳۴۶۰)

رہا مسئلہ جرم کا چار دفعہ اقرار کرنے کا، تو یہ صرف تحقیق و تفتیش کے لیے ہے، وگرنہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ اقرار کرنے پر بھی حد نافذ کی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ((عَلٰى اِبْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيْبُ عَامٍ، وَاَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ! فَاغْدُ عَلٰى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنَ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا۔)) ...... ''تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، انیس! تو نے صبح کو اس کی بیوی کے پاس جانا ہے، اگر وہ (زنا کا) اعتراف کرے تو اسے رجم کر دینا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲۳۱۴، ۱۶۹۵)

اس حدیث میں اعتراف کا بلا قید ذکر ہے، جس کو ایک دفعہ پر محمول کیا جائے گا۔ اسی طرح سیدنا لجلاج رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک عورت کو ایک مرتبہ اقرار کرنے پر رجم کروا دیا تھا۔ (ابوداود: ۴۴۳۵) اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دو اور واقعات پر بھی صرف ایک مرتبہ اعتراف کرنے پر حدّ نافذ کی تھی۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث کا آخری جملہ ''لَوْ سَتَرْتَهُ......'' محتاج وضاحت ہے، کیونکہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، امام باجی نے (المنتقى: ٧/ ١٣٥) میں اس کی تفسیر یوں کی: ہزال، جس نے نبی کریم ﷺ، سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو اس کے جرم پر مطلع کیا، کو چاہیے تھا کہ اس کو توبہ کرنے کی تلقین کرتا اور اس کے گناہ پر پردہ ڈالتا، چادر کا ذکر مبالغہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ہوتا، سوائے اس کے کہ اس پر چادر کی اوٹ کر لیتا تا کہ گواہوں کی نگاہ اس پر نہ پڑ سکتی، تو اس کو آپ ﷺ کے پاس بھیجنے اور اس پر حد کے نفاذ کا سبب بننے سے بہتر تھا۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۱۲/ ۱۲۵) میں یہی تفسیر نقل کی اور اس کو برقرار رکھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کو ماعز جیسے لوگوں پر محمول کیا جائے، جو زنا کے عادی نہیں ہوتے اور مرتکب ہونے کی صورت میں نادم و پشیمان ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے جرائم پر پردہ ڈالا جائے اور ان کی تشہیر نہ کی جائے۔ لیکن جو آدمی تسلسل اور ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اِن جرائم کا ارتکاب کر رہا ہو، ایسے آدمی کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے اور اس کا معاملہ حاکم تک پہنچایا جائے تا کہ وہ اس پر حد نافذ کرے، جس کا حکیم شارع نے حکم دیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے (المرقاۃ: ۴/ ۷۶) دیکھیں۔ (صحیحہ: ۳۴۶۰)

شراب، جوا اور ڈھول باجے حرام ہیں

(۱۲۱۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى أُمَّتِي الْخَمْرَ، وَالْمَيْسِرَ،

وَالْمِزْرَ، وَالْكُوبَةَ، وَالْقِنِّيْنَ، وَزَادَنِي صَلَاةَ الْوِتْرِ۔)) (الصحيحة: ١٧٠٨)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے میری امت پر انگور وغیرہ کی شراب، جوا، مکئی وغیرہ کی شراب، طبلہ اور طنبورہ کو حرام قرار دیا ہے اور میرے لیے نمازِ وتر کا اضافہ کر دیا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٦٥ و ١٦٧، وأخرجه ابوداود: ٣٦٨٥ بلفظ: ان نبي الله ﷺ نهى عن الخمر، والميسر، والكوبة، والغبيراء، وقال: ((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔))

شرح:...... ہمارے ہاں حدیث میں مذکورہ لفظ ''خَمْر'' کے معانی شراب کے کئے جاتے ہیں، جبکہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٍ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ۔)) (مسلم)...... ہر نشہ آور چیز ''خمر'' ہے اور ہر ''خَمْر'' حرام ہے۔

نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔ (بخاری، مسلم)...... ''خَمْر'' اس چیز کو کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ اس اعتبار سے سگریٹ اور حقہ وغیرہ کی شکل میں تمباکو نوشی، نسوار، بیڑہ وغیرہ کی نوعیت کی تمام چیزیں ''خَمْر'' میں داخل ہیں۔

شراب اور نشہ آور چیز کا استعمال اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مُدْمِنُ خَمْرٍ كَعَابِدِ وَثَنٍ۔)) (ابن ماجہ)...... ''ہمیشہ شراب پینے والا کسی بت کی عبادت کرنے والے کی طرح ہے۔''

جوا، ڈھول، طبلے، طنبورے اور باجے کا تعلق حرام کردہ امور سے ہے، لیکن موجودہ زمانے میں ان کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی اس گناہ میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔

''قِنِّیْن'' رومیوں کے ایک کھیل کو بھی کہتے ہیں، جس پر وہ جوا کرتے تھے۔ شریعت میں عید اور شادی کے موقع پر صرف دف بجانے کی گنجائش دی گئی ہے، اس کے علاوہ بینڈ باجے، ڈھول اور موسیقی کی ساری صورتیں حرام ہیں۔

شراب کی خرید و فروخت حرام ہے

(١٢١١)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ سَيُنْزِلُ فِيْهَا أَمْرًا، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ، فَلْيَبِعْهُ، وَلْيَنْتَفِعْ بِهِ۔)) فَمَا لَبِثْنَا إِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى قَالَ النَّبِيُّ: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ،

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ، جبکہ آپ مدینہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، کو فرماتے سنا: ''لوگو! بیشک اللہ تعالی نے شراب (کی حرمت) کے بارے میں مبہم سا اشارہ دیا ہے، ممکن ہے کہ عنقریب اللہ تعالی اس کے بارے میں کوئی (حتمی) حکم نازل کر دے، (تم اس طرح کرو کہ) جس کے پاس کوئی شراب ہے، وہ اسے بیچ دے یا اس سے فائدہ حاصل کر لے۔'' تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ

فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هٰذِهِ الآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ، فَلا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ.)) (الصحيحة: ٢٣٤٨)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی نے شراب کو حرام کر دیا ہے، اس آیت کے نزول کے بعد اگر کسی کے پاس شراب ہے تو وہ اس کو پی سکتا ہے نہ بیچ سکتا ہے۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٥/ ٣٩، وأبو يعلى في "مسنده": ٢/ ٣٢٠/ ١٠٥٦

شرح:...... شراب کے بارے میں اللہ تعالی کے اشارے کنایوں سے نبی کریم ﷺ سمجھ گئے تھے کہ اس کی حرمت کا امکان ہے، اس لیے صحابہ کی رہنمائی فرما دی کہ ابھی تک شراب کی خرید وفروخت جائز ہے، جلدی جلدی اسے فروخت کر کے یا کسی انداز میں استعمال کر کے اس سے استفادہ کر لو۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ تعالی نے شراب کی حرمت کا حتمی فیصلہ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۹۱) ...... ''شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دے اور اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تمہیں باز رکھے، سو اب بھی باز آ جاؤ۔''

شریعت کا یہ قانون حتمی ہے کہ حرام چیز کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔

شراب کی حد

(١٢١٢)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا شَرِبُوْا الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُمْ، ثُمَّ اِنْ شَرِبُوْا فَاجْلِدُوْهُمْ، ثُمَّ اِنْ شَرِبُوْا فَاجْلِدُوْهُمْ، ثُمَّ اِنْ شَرِبُوْا الرَّابِعَةَ فَاقْتُلُوْهُمْ.)) (الصحيحة: ١٣٦٠)

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب لوگ شراب پئیں تو انھیں کوڑے لگاؤ، اگر (دوسری دفعہ) پئیں تو پھر کوڑے لگاؤ، اگر (تیسری دفعہ) پئیں تو کوڑے لگاؤ اور اگر چوتھی دفعہ شراب پی لیں تو انھیں قتل کر دو۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٤٧٣ ـ الحلبي، وابن ماجه: ٢/ ١٢١، وابن حبان: ١٥١٩، والحاكم: ٤/ ٣٧٢، وأحمد: ٤/ ٩٥ و ٩٦ و ١٠١

شرح:...... یاد رہے کہ شرابی کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے شرابی کے لیے کسی خاص حد کا تعین نہیں کیا، کبھی چالیس چھڑیاں لگائیں۔ (مسلم) کبھی چھڑی اور جوتے کا استعمال کیا گیا۔ (بخاری، مسلم) لہٰذا حاکم وقت تہدید و وعید کا جو انداز مناسب سمجھے، اس پر عمل کرے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑوں کا تعین کر رکھا تھا۔ (مسلم)

شراب برائیوں کی جڑ ہے..... شراب کی نحوست

(۱۲۱۳)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((كُلُّ مُخَمِّرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا بُخِسَتْ صَلَاتُهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔)) قِيلَ: وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: ((صَدِيدُ أَهْلِ النَّارِ، وَمَنْ سَقَاهُ صَغِيْرًا لَا يَعْرِفُ حَلَالَهُ مِنْ حَرَامِهِ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔)) (الصحيحة: ۲۰۳۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز ''خمر'' ہے اور نشہ آور چیز حرام ہے، جس نے نشہ آور مشروب پیا تو چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اگر اس نے چوتھی دفعہ شراب پی لی تو اللہ تعالی پر حق ہے وہ اسے ''طِيْنَةُ الْخَبَال'' سے پلائے۔'' کہا گیا کہ ''طِيْنَةُ الْخَبَال'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنمیوں کی خون ملی پیپ۔ جس آدمی نے کسی ایسے بچے کو شراب پلائی جو حلال وحرام بھی نہیں جانتا تھا تو اللہ پر حق ہے کہ اسے ''طِيْنَةُ الْخَبَال'' سے پلائے۔''

تخریج: أخرجه أبو داود: ۳٦۸۰، ومن طريقه البيهقي: ۸/ ۲۸۸

شرح:...... یہ نشہ آور چیزیں استعمال کرنے کا انجام ہے۔

(۱۲۱٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((اَلْخَمْرُ أُمُّ الْخَبَائِثِ، وَمَنْ شَرِبَهَا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ صَلَاةً أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، فَإِنْ مَاتَ وَهِيَ فِي بَطْنِهِ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔)) (الصحيحة: ۱۸۵٤)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شراب، خباثتوں کی جڑ ہے، جس نے شراب پی، چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، وہ آدمی جاہلیت کی موت مرے گا، جس کے پیٹ میں مرتے وقت شراب ہو گی۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ۳۸۱۰، والواحدي في "الوسيط": ۱/ ۲۲٤، والقضاعي الجملة الأولي منه: ٦/ ۲

شرح:...... پہلے بھی نشہ آور چیزوں کی حرمت وقباحت بیان کی جا چکی ہے، یہ حدیث اپنے مفہوم میں خود واضح ہے۔ یہ یاد رہے کہ سگریٹ نوشی، حقہ نوشی، بیڑا اور نسوار کا تعلق بھی اسی شعبے سے ہے، لیکن چونکہ ہر گھر اس جرم میں ملوث ہے، اس لیے تسلیم کرنے میں ذرا ہچکچاہٹ ہوتی ہے، وگرنہ سگریٹ اور حقے کے شائقین پر پابندی لگا کر یا ان خباثتوں کو استعمال نہ کرنے والے بچوں اور لڑکوں کو زیادہ مقدار میں سگریٹ یا حقہ استعمال کروائیں اور ان کی کیفیت کا مظاہرہ کریں۔ اگر کوئی فرد پھر بھی ان کا نشہ آور ہونا تسلیم نہ کرے تو وہ یہ حقیقت تو مانتا ہوگا کہ یہ چیزیں صحت کے لیے سخت مضر ہیں اور شریعت نے ایسی چیزوں کو بھی خبائث کہا اور حرام قرار دیا۔

(١٢١٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ: ((اَلْخَمْرُ أُمُّ الْفَوَاحِشِ، وَأَكْبَرُ الْكَبَائِرِ، مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلٰى أُمِّهِ وَخَالَتِهِ وَعَمَّتِهِ۔)) (الصحيحة:١٨٥٣)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شراب بے حیائیوں کی جڑ ہے اور سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے، جو اس کو پیئے گا وہ اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی سے زنا کر بیٹھے گا۔''

تخريج: رواه الطبراني: رقم ١٣٧٢ و ١١٤٩٨

(١٢١٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة: ٢٦٣٤)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہ کی تو وہ آخرت میں (یہ مشروب) نہیں پی سکے گا، اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے۔''

تخريج: أخرجه البيهقي في "شعب الايمان": ٢/ ١٤٨/ ١

شرح:...... شراب نہ صرف کئی خباثتوں کی جڑ ہے، بلکہ دنیا بھی تباہ کر دیتی ہے اور آخرت کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہے۔ شرابی اولاد کا رہتا ہے نہ والدین کا۔ ایک شرابی کی وجہ سے پورے خاندان کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ ایک شرابی کی وجہ سے گھروں کے گھروں بے عزت ہو کر اجڑ جاتے ہیں۔ ایک شرابی کی وجہ سے کئی افراد کی مسکراہٹیں سسکیوں میں اور خوشحالیاں تنگ دستیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ شرابی ہی ہے جسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی جیسے مقدس رشتوں کی تمیز نہیں رہتی۔ یہ شرابی ہی ہے جو تمام ارکانِ اسلام کو منہدم کر دیتا ہے۔ سچ فرمایا ہمارے اولین خیرخواہ ﷺ نے کہ شراب ام الخبائث ہے، ام الفواحش ہے۔

حد والے گناہ سے توبہ کی اہمیت...... ٹیکس وصول کرنا بڑا گناہ ہے

(١٢١٧)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً، لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مُكْسٍ، لَقُبِلَتْ مِنْهُ۔)) (الصحيحة: ٣٢٣٨)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کنندہ ایسی توبہ کر لے تو اس سے بھی قبول کر لی جائے گی۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٤٨/ ١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے پس منظر پر مشتمل ایک شاہد بیان کرتے ہوئے کہا: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور چار دفعہ زنا کا اعتراف کیا، جبکہ وہ اس برائی کی وجہ سے حاملہ بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلی جاؤ، جب بچہ پیدا ہو جائے (تو پھر آنا)۔'' وہ بچہ جنم دے کر دوبارہ آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلی جاؤ، جب بچے کا دودھ چھڑا لو (تو پھر آنا)۔'' (اس نے ایسے ہی کیا اور تیسری

بار) پہنچ گئی۔ پھر اس پر حد نافذ کی گئی اور اسے سنگسار کر دیا گیا۔ جب لوگوں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً ، لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مُكْسٍ ، لَغُفِرَ لَهُ۔)) ......''اس عورت نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کنندہ ایسی توبہ کر لے تو اسے بھی بخش دیا جائے گا۔'' (اخرجه البزار في مسنده: ۲/ ۲۱۲/ ۱۵٤۱۔ الكشف، وابن عدي في الكامل: ۱/ ۲٤۹)

اس حدیثِ مبارکہ سے ٹیکس وصول کنندہ کو سنگین مجرم قرار دیا جا رہا ہے، اس کی تفصیل "اَلْبُيُوعُ وَالْكَسْبُ وَالزُّهْدُ" میں ''ٹیکس اکٹھا کرنے والا جہنمی ہے'' کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

اختلاف کی صورت میں راستے کی چوڑائی سات ہاتھ رکھی جائے

(۱۲۱۸)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيْقِ ، جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَ أَذْرُعٍ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ۔ (الصحيحة: ۳۹۶۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم راستے (کی چوڑائی کے بارے) اختلاف میں پڑ جاؤ تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ رکھی جائے گی۔'' یہ حدیث حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: جاء من حديث أبي هريرة ، ابن عباس ، وعبادة بن الصامت ، وأنس بن مالك ، وجابر بن عبدالله

(۱) أما حديث ابي هريرة: فأخرجه مسلم: ٥/ ٥٩ ، وأحمد: ۲/ ۲۲۸ ، وكذا البيهقي: ٦/ ١٥٤ ، و أبوداود: ٤/ ٤٨/ ٣٦٣٣ ، والترمذي: ٥/ ٣٦/ ١٣٥٦ ، وابن ماجه: ٢٣٣٨ ، وأحمد: ۲/ ٤٢٩ ، ٤٦٦ ، ٤٧٤ ، و أخرجه البخاري: ٢٤٧٣ ايضا

شرح:...... اسلام ایسا باکمال مذہب ہے کہ یہ نہ صرف آخرت کو سنوارنے کے ڈھنگ سکھاتا ہے، جو اس کا مقصودِ اصلی ہے، بلکہ دنیا میں بھی تنگ دستی و تنگ ذہنی سے آزاد ہو کر فارغ البالی اور خوشحالی کے ساتھ رہنے کے لیے قوانین وضع کرتا ہے۔ جہاں شریعت نے وسیع گھر کو امن و سعادت کی علامت قرار دیا ہے، وہاں کھلے راستوں اور کھلی گلیوں کی وجہ سے بھی کئی پریشانیاں دور ہو جاتی ہے۔ اگر اس مسئلہ میں لوگ اتفاقِ رائے سے کوئی حد متعین کر لیں تو ٹھیک وگرنہ شریعت کا حکم نافذ ہو گا، جس کے مطابق کسی گزرگاہ کی چوڑائی سات ہاتھ یعنی ساڑھے دس فٹ رکھی جائے گی۔ گلیوں کا دس گیارہ فٹ وسیع ہونا دورِ حاضر کا اہم تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور آقا دونوں کے حقوق ادا کرنے والے غلام کی فضیلت

(۱۲۱۹)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا أَدَّى الْعَبْدُ حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ ، كَانَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی غلام، اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا، دونوں

لَهُ أَجْرَانِ۔)) (الصحيحة:٧٢٨) کے حقوق ادا کرتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ٩٤، وأحمد: ٢/ ٢٥٢، وأخرجه البخاري ٥/ ١٣٤ بلفظ: ((ونعمّا لأحدهم يحسن عبادة ربه، وينصح لسيده۔))

شرح:...... یعنی ایک اجر اللہ تعالی کے حقوق ادا کرنے کا ہے اور ایک اپنے آقا کے حقوق ادا کرنے کا ہے۔

وہ قسم ممنوع ہے، جس سے اہل وعیال کو تکلیف ہوتی ہے

(١٢٢٠)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِذَااسْتَلَجَّ اَحَدُكُمْ بِالْيَمِيْنِ فِيْ اَهْلِهِ فَإِنَّهُ آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْكَفَّارَةِ الَّتِيْ اَمَرَهُ بِهَا۔)) (الصحيحة:١٢٢٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے اہل کے معاملے میں کوئی قسم اٹھائے اور (بزعم خود) سچا بنتا پھرے تو وہ اللہ تعالی کے ہاں سخت گنہگار ہوگا، اس کفارہ سے جس کا اللہ تعالی نے اسے حکم دیا۔"

تخريج: رواه أبو أسحاق الحربي في "غريب الحديث" ٥/ ٢٨/ ٢، وأخرجه أحمد: ٢/ ٢٧٨، وابن ماجه: ٢١١٤

شرح:...... حافظ ابن حجر نے کہا: "آثم" کا معانی "اشدّ تأثيما" کے ہیں،...... اس حدیث کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ جو آدمی اپنے اہل وعیال سے متعلقہ ایسی قسم اٹھاتا ہے کہ اس کو پورا کرنے کی صورت میں ان کو تکلیف ہوتی ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے۔ اگر وہ کہے کہ وہ گناہ سے بچنے کے لیے قسم نہیں توڑے گا، تو وہ گنہگار ہوگا، بلکہ اس کا ایسی قسم پر برقرار رہنے اور اپنے اہل کے لیے تکلیف کا باعث بننے کا گناہ قسم توڑنے سے زیادہ ہوگا...... بیضاوی نے کہا: اس حدیث کا مرادی معنی یہ ہے کہ جب آدمی اپنے اہل سے متعلقہ امور میں قسم اٹھاتا ہے اور پھر اس پر ڈٹ جاتا ہے (اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے اہل کو اس قسم کی وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے تو) اس کا یہ گناہ قسم توڑنے کے گناہ سے زیادہ ہوگا، کیونکہ اس نے اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالی کے نام کو حیلہ بنا لیا ہے، حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ (فتح الباری: ١١/ ٦٣٧)

اس ضمن میں درج ذیل حدیث بھی ذہن نشین کر لیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنِ اسْتَلَجَّ فِيْ اَهْلِهِ بِيَمِيْنٍ فَهُوَ اَعْظَمُ اِثْمًا، لِيَبَرَّ۔)) يَعْنِي الْكَفَّارَةَ۔ (صحیح بخاری: ٦٦٢٦) ...... ''جب آدمی اپنے اہل کے معاملے میں کوئی قسم اٹھائے اور (بزعم خود) سچا بنتا پھرے تو وہ اللہ تعالی کے ہاں سخت گنہگار ہوگا، اسے چاہیے کہ وہ نیکی کرے''، یعنی کفارہ ادا کرے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ایسے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجائے اور قسم توڑ دے، جب وہ اس کا کفارہ ادا کرے گا تو اسے نیکی ملے گی۔ (فتح الباری: ١١/ ٦٣٨)

اللہ تعالی نے سورۂ مائدہ میں قسم کا یہ کفارہ بیان کیا ہے: دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر تینوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔

قسم کی تین اقسام ہیں:

(۱) **لغو:** وہ قسم ہے جو انسان بات بات پر بغیر ارادہ کے عادتاً اٹھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

(۲) **غموس** (جھوٹی قسم): وہ قسم ہے جو انسان کسی کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے اٹھائے، یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ ایسی قسم اٹھانے والے کو توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ ایسی کمینگی سے باز آ جانا چاہیے۔

(۳) **معقدہ:** وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید پیدا کرنے کے لیے قصداً اٹھاتا ہے، اگر یہ قسم پوری نہ کی جا سکے تو اس کا مذکورہ بالا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

ایک سے زائد فریقوں میں فیصلہ کیسے کیا جائے؟

(۱۲۲۱)۔ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا جَلَسَ إِلَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِ بَيْنَهُمَا حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ تَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ۔)) (الصحيحة ۱۳۰۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تیرے پاس دو مخالف (فریق جھگڑا لے کر) آئیں تو (ایک کی بات سن کر) فیصلہ نہ کر یہاں تک کہ دوسرے کی بات سن لے، اگر تو نے ایسا کیا تو تیرے لیے فیصلہ کرنا واضح ہو جائے گا۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ۲/ ۱۱٤ ـ ۱۱۵، والحاكم: ٤/ ۹۳، والطيالسي: صـ ۱۹ رقم ۱۲۵، وأحمد: ج ۲ رقم ۷٤۵ و ۸۸۲، وابنه في "زوائد المسند" ج ا رقم ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲

شرح:...... جب تک فیصلہ کرنے والا دونوں فریقوں کی بات نہیں سن لیتا، اس وقت تک اس کے لیے فیصلہ کرنے کی کوئی صورت واضح ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑا کرنے والے تمام افراد کے دلائل اور شکایات سن کر فیصلہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔

فیصلہ کرتے وقت انصاف کرنا

(۱۲۲۲)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا حَكَمْتُمْ فَاعْدِلُوْا، وَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ مُحْسِنٌ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔)) (الصحيحة:٤٦۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم فیصلہ کرو تو انصاف کرو اور جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو، کیونکہ اللہ تعالی احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي عاصم في "الديات": ۵٦، وابن عدي في "الكامل": ۳۲۸/ ۲، وأبو نعيم

فی "أخبار أصبهان": ۲/ ۱۱۳

شرح:...... معاشرے کے پرسکون ماحول کے لیے عدل و انصاف کلیدی حیثیت کا حامل ہے، جب تک عدالتوں میں ادنی و اعلی، شریف و رذیل اور حاکم و محکوم کا لحاظ کیے بغیر شواہد و دلائل کی روشنی میں فیصلہ نہ کیا جائے، اس وقت تک نہ صرف حکومت اپنی عوام کو سکون مہیا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے، بلکہ ہلاکت و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت، جس میں مخزومی عورت کی چوری کا واقعہ ہے، میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مَنْ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرِقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ. وَاِذَا سَرِقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ. وَاَيْمُ اللّٰهِ! لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرِقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.)) ...... ''تم سے پہلے والے لوگوں کو اس چیز نے ہلاک کر دیا کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حدّ نافذ کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔'' (صحیح بخاری: ٦٧٨٨، صحیح مسلم: ١٦٨٨)

حدیث مبارکہ کے اس جملے ''جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو'' کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت میں جس جاندار کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی، مثلاً کسی موذی جانور کو قتل کرنا، کسی کو قصاصاً قتل کرنا اور میدان جنگ میں دشمن کو قتل کرنا۔ ان تمام صورتوں میں کسی کو ایذا دے دے کر مارنے کی اجازت نہیں، بلکہ اچھا طریقے سے مقصد تک پہنچنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مثلہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح حلال جانوروں کو ذبح کرتے وقت بھی چھری کو تیز کرنے اور ذبح ہونے والے جانور کو آرام پہنچانے کی تلقین کی گئی ہے۔

نفاذِ حدود کے لیے قریب و بعید کا لحاظ نہ کیا جائے

(۱۲۲۳)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ: كَانَ ﷺ يَأْخُذُ الْوَبَرَةَ مِنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ مِنَ الْمَغْنَمِ، فَيَقُوْلُ: ((مَالِيْ فِيْهِ اِلَّا مِثْلُ مَا لِاَحَدِكُمْ مِنْهُ، اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ! فَاِنَّ الْغُلُوْلَ خِزْيٌ عَلٰى صَاحِبِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ وَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ، فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَاِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ، اِنَّهُ لَيُنْجِيْ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهِ مِنَ الْهَمِّ وَالْغَمِّ، وَاَقِيْمُوْا

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے اونٹ کے ایک پہلو سے کچھ بال پکڑے اور فرمایا: ''اس میں میرا حصہ بھی وہی ہے جو تم لوگوں کا ہے، خیانت کرنے سے بچو، کیونکہ خیانت قیامت کے روز خائن کے لیے باعث ذلت ہوگی۔ دھاگہ، سوئی اور اس سے بھی کم قیمت والی چیز ادا کر دو اور خواہ قریب کا ہو یا بعید کا، حضر ہو یا سفر، ہر صورت میں اللہ کے راستے میں جہاد کرو، کیونکہ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اللہ تعالی اس کے ذریعے پریشانی و پشیمانی اور غم و الم سے نجات دلاتا ہے اور رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار، ہر ایک پر اللہ تعالی

حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ، وَلَا يَأْخُذُكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ.))

(الصحيحة: ٦٧٠)

کی حدیں قائم کرو اور اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمھیں متاثر نہ کرنے پائے۔‘‘

تخريج: أخرجه عبدالله بن أحمد: ٤/ ٣٣٠، ورواه ابن ماجه: ٢/ ١١١ منه قوله: ((أقيموا حدود الله ......))، ورواه احمد: ٥/ ٣١٦، ٣٢٦ نحوه

شرح:...... یہ حدیث مبارکہ مختلف احکام پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ نفاذِ حدّ کے معاملے میں قریب و بعید کا کوئی چکر نہیں چلایا جا سکتا ہے، وگرنہ ہلاکت کا انتظار کرنا ہوگا۔

آجکل عدالتوں میں رشوت اور قریب و بعید کے فرق نے عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو مسخ کر دیا ہے۔

شرعی حدّ روکنے کے لیے سفارش کرنا حرام ہے

(١٢٢٤)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِي أَمْرِهِ وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، وَلٰكِنَّهَا الْحَسَنَاتُ وَالسَّيِّئَاتُ، وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيْهِ، حُبِسَ فِي رَدْغَةِ الْخَبَالِ حَتّٰى يَأْتِيَ بِالْمَخْرَجِ مِمَّا قَالَ.))

(الصحيحة: ٤٣٧)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس کی سفارش، اللہ تعالی کی کسی حد کے لیے رکاوٹ بن گئی، اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ جو آدمی مقروض ہو کر مرا، تو (وہ یاد رکھے کہ) روزِ قیامت درہم و دینار کی ریل پیل نہیں ہوگی، وہاں تو نیکیوں اور برائیوں کا تبادلہ ہوگا۔ جس نے دیدۂ دانستہ باطل کے حق میں جھگڑا کیا وہ اس وقت تک اللہ تعالی کے غیظ و غضب میں رہے گا جب تک باز نہیں آتا۔ جس نے مومن پر ایسے جرم کا الزام لگایا جو اس میں نہیں پایا جاتا اسے ’’ردغۃ الخبال‘‘ (جہنمیوں کے پیپ) میں روک لیا جائے گا، حتی کہ ایسی نیکی کرے جو اسے وہاں سے نکال سکے۔‘‘

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ١١٧، والحاكم: ٢/ ٢٧، والسياق له، وأحمد: ٢/ ٧٠

شرح:...... مسلمانوں سے بتقاضۂ بشریت غلطی ہو جانا ممکن ہے اور یہ چیز زیادہ قابل جرح بھی نہیں ہے، کیونکہ نیکیوں کے ذریعے یا توبہ کرنے سے اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالی کے قانون کو توڑنے کے درپے ہو جانا بغاوت ہے اور بغاوت کو کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ اگر کسی مجرم کا معاملہ عدالت میں پہنچ چکا ہو اور اس پر حدّ نافذ کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی حدّ کے سامنے روڑے اٹکائے۔ یہی معاملہ اس جھگڑے کا ہے، جس کی بابت جھگڑنے والے کو پتہ ہو کہ وہ باطل پر ہے، لیکن پھر بھی اپنی انانیت کے دفاع کا بھوت سوار کر کے یا

کسی اور مقصد کے پیشِ نظر لڑائی جاری رکھے۔

منقہ اور کھجور کی مکس نبیذ کا حکم

(۱۲۲۵)۔ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((اَلزَّبِيْبُ وَالتَّمْرُ هُوَ الْخَمْرُ يَعْنِيْ إِذَا نُبِذَا جَمِيْعًا۔)) (الصحيحة: ١٨٧٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''منقہ اور کھجور تو شراب ہیں (یعنی جب ان کی اکٹھی نبیذ بنائی جائے تو)۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٣٢٣

شرح:...... اسی طرح آپ ﷺ نے تر اور خشک کھجور کا اکٹھا نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ (بخاری: ۵۶۰۱، مسلم: ۱۹۸۶) اور سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خشک کھجور اور پکنے کے قریب والی کھجور کو ملا کر اور خشک کھجور اور منقہ کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع کیا اور فرمایا: ''ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ نبیذ تیار کی جائے۔

(بخاری: ٥٦٠٢، مسلم: ١٩٨٨)

شریعت نے شراب کے بارے میں حتمی قانون یہ پیش کیا ہے کہ جو چیز نشہ دے گی وہ حرام ہو گی۔ مختلف مخصوص چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے جلد نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

شفعہ کا حق کب ساقط ہو جاتا ہے؟

(۱۲۲۶)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قُسِمَتِ الْأَرْضُ، وَحُدَّتْ، فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا۔)) (الصحيحة: ١٣٨٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب زمین کو تقسیم کر کے اس کی حد بندی کر دی جائے تو کوئی شفعہ نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٢٥٦۔ الحلبي، والبيهقي: ٦/ ١٠٤، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٢٦٥، وابن حبان: ١١٥٢، والبيهقي

شرح:...... شفعہ: شریک کے اس حصے کو مقررہ معاوضے کے بدلے شریک کی طرف منتقل کرنا جو اجنبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَيُّكُمْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ أَوْ نَخْلٌ، فَلَا يَبِيْعْهَا حَتّٰى يَعْرِضَهَا عَلٰى شَرِيْكِهِ۔)) (صحيحه: ١٤٠١)..... ''اگر تم میں سے کسی (کی ملکیت میں) زمین یا درخت ہو تو اسے اپنے حصے دار (اور ساجھی) پر پیش کرنے سے قبل فروخت نہ کرے۔''

ایسی صورت میں اگر ایک حصہ دار دوسرے شراکت دار کو مطلع نہیں کرتا تو اسے شفعہ کا حق ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَأَرَادَ بَيْعَهَا

فَلْيَعْرِضْهَا عَلَى جَارِهِ.)) (صحيحه: ۲۳۵۸)...... ''جو آدمی اپنی زمین فروخت کرنے کا ارادہ کرے، تو وہ اسے پہلے اپنے پڑوسی پر پیش کرے۔''

پڑوسی کو صرف پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، جیسا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ يَنْتَظِرُ بِهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا.)) (ترمذی: ۱۳۶۹، ابوداود: ۳۵۱۸، ابن ماجه: ۲٤۹٤) ...... ''ہمسایہ اپنے ہمسائے کا شفعہ میں زیادہ حقدار ہے، شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا، اگرچہ وہ غائب ہو، بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ. فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ. (بخاری: ۲۲۵۷، مسلم: ۱٦۰۸) ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ کیا ہے، جسے تقسیم نہ کیا گیا ہو، جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعہ کا (کوئی استحقاق) نہیں رہتا۔

رہا مسئلہ اس حدیث کا، جس میں پڑوسی کا ذکر ہے، تو مذکورہ بالا اور دیگر قرائن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ خیر و بھلائی، اعانت و معاونت، ہمدردی و خیرخواہی اور ایثار و قربانی والا معاملہ ہونا چاہیے، اس میں شفعہ کے حق کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اگر اس حدیث کو شفعہ پر ہی محمول کریں تو لفظ ''جار'' کے معانی ''شریک'' کے ہوں گے، کیونکہ اس لفظ کا اطلاق پڑوسی پر بھی ہوتا ہے اور شراکت دار پر بھی۔

لوگوں کو سزائیں دینے والوں کو سخت سزا ہوگی

(۱۲۲۷)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: تَنَاوَلَ أَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ بِشَيْءٍ فَكَلَّمَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقِيْلَ لَهُ: أَغْضَبْتَ الْأَمِيْرَ. فَقَالَ خَالِدٌ: إِنِّيْ لَمْ أُرِدْ أَنْ أُغْضِبَهُ. وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ ((أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَشَدُّهُمْ عَذَابًا لِلنَّاسِ فِي الدُّنْيَا.)) (الصحيحة:١٤٤٢)

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک زمیندار آدمی کو کسی وجہ سے پکڑا (اور اسے سزا دی)۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ابوعبیدہ سے بات کی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ نے امیر کو غصہ دلایا ہے؟ خالد بن ولید نے جواب دیا: میرا ارادہ ان کو غصہ دلانے کا تو نہیں تھا، میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''قیامت کے روز اللہ تعالی کے ہاں اس آدمی کو شدید ترین عذاب دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کو سخت سزائیں دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٩٠، والحميدي: ٥٦٢، والطبراني في "المعجم الكبير" ١/ ١٩٠/ ٢، والضياء في "المنتقى من مسموعاته بمرو": ٣٦/ ١

شــــرح:...... جہاں تک شریعت نے سزا دینے کی اجازت دی ہے، اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو سدھارنے کے لیے صرف سزا ہی ضروری نہیں، اسے اخلاقِ حسنہ سے بھی راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُوْسُهُمْ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا، وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا۔)) ......''میں نے جہنم میں جانے والے دو قسم کے لوگ ابھی تک نہیں دیکھے۔ (۱) وہ لوگ جن کے پاس گائیوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوتے ہیں اور وہ ان سے لوگوں کی پٹائی کرتے ہیں۔ اور (۲) وہ عورتیں جو لباس میں ملبوس ہونے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور خود ان کی طرف مائل ہوتی ہے، ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو بہت دور سے ہی محسوس کی جاتی ہے۔'' (مسلم: ۲۱۲۸)

انسانیت کی تذلیل کرنے والا محکمہ ڈنڈا بردار اور اسلحہ سے لیس سرکاری، نیم سرکاری اور پرائیویٹ تنظیمیں پورے جوبن پر ہیں، قتل و غارت گری پورے عروج پر ہے، مرنے والے کو کوئی علم نہیں کہ اسے کیوں مارا جا رہا ہے اور مارنے والا تو اپنی کاروائی کی وجہ دریافت کرنے کی سوچ و بچار سے ہی غافل ہے۔ انسانیت کا بالعموم اور اسلامیوں کا بالخصوص احترام راکھ میں مل چکا ہے۔ ۱۲ مئی ۲۰۰۷ء کو چیف جسٹس افتخار کی کراچی آمد پر عوام الناس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ یتیم اور بے سہارا ہو جانے والی بچیاں جواب دیں گی۔

اگر اولاد، تلامذہ اور دوسرے ماتحت لوگوں کو راہِ راست پر لانے کا ہر حربہ ناکام ہو جائے اور سزا دینا ہی پڑ جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قانون کو سامنے رکھا جائے۔

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرَةِ اَسْوَاطٍ اِلَّا فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔)) ... ''اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ (کسی جرم میں) دس کوڑوں سے زیادہ نہیں لگائے جائیں گے۔'' (صحيح بخاري: ٦٨٤٨، صحيح مسلم: ١٧٠٨)

ان احادیث میں ان والدین، اساتذہ اور وڈیروں کے لیے سخت وعید ہے جو اپنی اولاد، شاگردوں اور ماتحت لوگوں کی اندھا دھند پٹائی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ تربیت کرنے کا سب سے پیارا اور سب سے زیادہ نتیجہ خیز انداز جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نہیں مارا۔ ہر حاکم و محکوم کو حکمت عملی کے ساتھ اپنے ماتحت افراد کی تربیت کرنی چاہیے۔

کیا بلا اجازت کسی کے باغ سے پھل کھانا جائز ہے؟

(١٢٢٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ　حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

السَّلَامُ قَالَ: ((مَنْ مَرَّ بِحَائِطٍ فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَحْمِلْ۔)) (الصحيحة: ۳۱۲۱)

نے فرمایا: ''اگر کوئی کسی باغ کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اس کا (پھل وغیرہ) کھا لے اور اٹھا کر نہ لے جائے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي، وابن ماجه، وأحمد في "مسائل أبي داود عنه": صـ ۳۰٤

شرح:...... ایسی صورت میں ضرورت پوری کی جا سکتی ہے، باغ کے مالک کو وسعتِ ظرفی کا ثبوت دینا چاہیے۔

(۱۲۲۹)۔ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ: أَقْبَلْتُ مَعَ سَادَتِي نُرِيْدُ الْهِجْرَةَ، حَتّٰى دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قَالَ: فَدَخَلُوْا الْمَدِيْنَةَ وَخَلَّفُوْنِي فِي ظَهْرِهِمْ، قَالَ: فَأَصَابَتْنِي مَجَاعَةٌ شَدِيْدَةٌ، قَالَ: فَمَرَّبِي بَعْضُ مَنْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالُوْا لِي لَوْ دَخَلْتَ الْمَدِيْنَةَ فَأَصَبْتَ مِنْ ثَمْرِ حَوَائِطِهَا، فَدَخَلْتُ حَائِطًا فَقَطَعْتُ مِنْ قِنْوَيْنِ، فَأَتَانِي صَاحِبُ الْحَائِطِ، فَأَتٰى بِي إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَخْبَرَهُ خَبَرِي، وَعَلَيَّ ثَوْبَانِ، فَقَالَ لِي: ((أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟))، فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا، فَقَالَ: ((خُذْهُ۔)) وَأَعْطَى صَاحِبَ الْحَائِطِ الْآخَرَ، وَخَلّٰى سَبِيْلِي۔

(الصحيحة: ۲۵۸۰)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ، جو آبی اللحم کے غلام تھے، کہتے ہیں: میں اپنے آقاؤں کے ساتھ آیا، ہمارا ارادہ ہجرت کا تھا، ہم مدینہ کے قریب آ پہنچے۔ وہ خود مدینہ میں داخل ہو گئے اور مجھے پیچھے چھوڑ گئے۔ مجھے سخت بھوک لگی۔ میرے پاس سے مدینہ سے نکلنے والے بعض لوگ گزرے اور مجھے کہا: (بہتر ہے کہ) تو مدینہ میں چلا جائے اور باغوں کا پھل کھا لے۔ پس میں ایک باغ میں داخل ہوا اور کھجوروں سے بھرے ہوئے دو گچھے توڑ لیے۔ (خدا کا کرنا کہ) باغ کا مالک آ پہنچا، مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور آپ ﷺ کو ساری بات بتا دی۔ میں نے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کون سا کپڑا افضل ہے؟'' میں نے ایک کپڑے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(یہ کپڑا) تو خود لے لے۔'' اور دوسرا کپڑا باغ کے مالک کو دے دیا اور مجھے رہا کر دیا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ۲۲۳، والبيهقي: ۱۰/ ۳، والحاكم: ٤/ ۱۳۲

شرح:...... اس موضوع کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت مند کسی باغ میں گھس کر اپنی بھوک دور کر سکتا ہے، لیکن اسے یہ اجازت نہیں کہ وہ وہاں سے کچھ اٹھا کر لے جائے۔ درج ذیل حدیث مذکورہ بالا دونوں احادیث کے تضاد کو دور کرنے کے لیے کافی ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص (پھلوں کو) اپنے منہ سے پکڑ کر (کھا لے) اور چھپا کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی (سرزنش) نہیں اور اگر اٹھا کر لے جائے اسے دوگنا قیمت ادا کرنا ہو گی اور عبرت کے لیے اسے سزا بھی دی جائے گی اور جو چیز (غلے کے) ڈھیروں سے اٹھا لی جائے تو اس میں اٹھانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، بشرطیکہ اس کی قیمت

ڈھال کی قیمت (یعنی تین درہم) کو پہنچتی ہو۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)ان احادیث میں مالک کے مال کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور ضرورت مند کی ضرورت کا بھی، یہی اعتدال کی راہ ہے۔

اگر کسی کے مویشی دوسرے کے باغ میں گھس جائیں تو ......

(۱۲۳۰)۔ عَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ، اَنَّ نَاقَةً لِّلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطَ رَجُلٍ فَاَفْسَدَتْ فِيْهِ، فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ عَلٰى اَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا فِي النَّهَارِ، وَاِنَّ مَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِيْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى اَهْلِهَا۔)) (الصحيحة:۲۳۸)

حرام بن سعد بن محیصہ کہتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک آدمی کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس کا نقصان کیا، رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا: ”دن کو حفاظت کرنا باغ کے مالکوں کی ذمہ داری ہے اور رات کے نقصان کے ذمہ دار مویشیوں کے مالک ہوں گے۔“

تخريج: أخرجه مالك في "الموطأ": ۳/ ۲۲۰، والطحاوي: ۲/ ۱۱۶، والبيهقي: ۸/ ۳۴۱، واحمد: ۵/ ۴۳۵، وابن ماجه: ۲/ ۵۴۔ ۵۵، وابوداود: ۲/ ۳۶۷

شرح:...... شریعت نے باغوں اور مویشیوں کے مالکوں کے لیے انتہائی حکمت بھرا قانون وضع کیا ہے، کیونکہ دن کو عام طور پر مویشی چرنے کے لیے کھیتوں میں جاتے ہیں اور ان کے ساتھ چرواہے بھی ہوتے ہیں، بہرحال وہ جانور ہیں اور کسی نہ کسی طرح کسی کی فصل کا نقصان کر سکتے ہیں۔ اس لیے ایسے نقصان کا ذمہ دار مویشی کے مالک کو نہیں ٹھہرایا گیا، بلکہ فصل اور باغ کے مالک کو تنبیہ کی گئی کہ وہ خود حفاظت کرے۔ رات چونکہ آرام کا وقت ہے اور باغوں کے مالکوں کے لیے پوری رات پہرہ دینا ناممکن ہے، اس لیے ایسے میں مویشیوں کے مالکوں کو تلقین کی گئی کہ وہ ان کو قابو میں رکھیں۔

صاحبِ حیثیت لوگوں کی غلطیاں معاف کرنا

(۱۲۳۱)۔ عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ۔)) (الصحيحة: ۶۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صاحبِ حیثیت لوگوں کی غلطیاں معاف کر دیا کرو، مگر یہ کہ وہ حدود ہوں۔“

تخريج: أخرجه أبو داود: ۴۳۷۵، والطحاوي في "مشكل الآثار": ۳/ ۱۲۹، وأحمد: ۶/ ۱۸۱، وأبونعيم في "الحلية": ۹/ ۴۳، وابن عدي في "الكامل": ۱/ ۳۰۶، والحافظ ابن المظفر في "الفوائد المنتقاة": ۲/ ۲۱۴/ ۲، والضياء المقدسي في "المنتقى من مسموعاته بمرو": ۸۴/ ۱، وكذا البيهقي: ۸/ ۳۳۴

شرح:...... دنیا کا ہر وہ معاشرہ جس کو تہذیب وشائستگی سے ادنی سا تعلق بھی رہا ہو، اپنے اندر موجود باوقار، شریف النفس اور رذائل سے دور رہنے والے افراد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں اور فرو گذاشتوں کو نظر انداز کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ شریعت کا مقصد تربیت کرنا ہے، تربیت کے لیے ضروری نہیں کہ زجر و توبیخ سے ہی کام لیا جائے یا تعزیر ہی لگائی جائے، کیونکہ بعض صاحبِ حیثیت لوگوں کو شرم دلانے کے لیے اور آئندہ ایسے جرائم سے محفوظ کرنے کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ لوگوں پر ان کا پول کھل جائے، جبکہ عام لوگوں کو سمجھانے کیلیے یہ کلیہ کافی نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں اسی اخلاقی خوبی کو سراہنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ہاں اگر جرم کی نوعیت حدود اللہ کی پامالی تک جا پہنچتی ہے تو پھر قانون مساوات سب کے لیے ہے۔

طویل عمر والے بہترین لوگ ہیں

(۱۲۳۲)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَارًا، وَاَحْسَنُكُمْ اَعْمَالًا۔))

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں تمہارے بہترین لوگوں کی خبر نہ دوں؟ تم میں افضل لوگ وہ ہیں جن کی عمریں سب سے زیادہ لمبی اور اعمال انتہائی نیک ہوں۔''

(الصحیحة:۱۲۹۸)

تخريج: أخرجه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند" ۱٤٠ / ۲، والحاكم: ۱/ ۳۳۹

شرح:...... دنیا کی زندگی آخرت کی تیاری کا واحد ذریعہ ہے، اربوں انسان آئے اور اپنا کردار ادا کر کے اپنی آخری منزل کی طرف روانہ ہو گئے، ہمارے ساتھ اور ہمارے بعد آنے والوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا۔ ماضی ہو یا حال و مستقبل، سعادت مند وہ ہے جو دنیا میں رہ کر جنت کے زیادہ سے زیادہ اسباب جمع کرے۔

سیدنا عبد اللہ بسر مازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کون سے لوگ سب سے بہتر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ۔)) (صحیحہ: ۱۸۳۶) ...... ''اس آدمی کے لیے خوشخبری ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال نیک ہوں۔''

جو انسان اس صفت سے محروم رہے گا، وہ دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے محروم رہے گا، ایسا انسان دن بدن اللہ تعالی کا مقروض ہوتا جائے گا۔ ایسا بیچارہ نہ تو زندہ ہے کہ وہ زندگی سے فائدہ اٹھا سکے اور نہ مردہ ہے کہ نیک اعمال ترک کرنے اور برے اعمال کا ارتکاب کرنے پر اسے ملامت نہ کیا جائے۔

بہترین گواہ

(۱۲۳۳)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، اَنَّ

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ! اَلَّذِيْ يَأْتِيْ بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا۔)) (الصحيحة:٣٤٥٨)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں افضل گواہوں کے بارے میں بتلاؤں؟ وہ ہیں جو مطالبہ کرنے سے پہلے گواہی دے دیتے ہیں۔“

تخریج: رواه مسلم: ٥/ ١٣٢۔ ١٣٣، وأبوعوانة في "صحيحه": ٤/ ١٩، والبخاري في "التاريخ الكبير": ١١/ ١٨٧، وأبوداود: ٣٥٩٦، والترمذي: ٢٢٩٦، والنسائي في "الكبرى": ٦٠٢٩، ومالك: ٢/ ١٩٨، وابن حبان: ٥٠٧٩، وأحمد: (٤/ ١١٥، ١١٦، ١١٧) (٥/ ١٩٨، ١٩٣)، وعبدالرزاق: ١٥٥٥٧، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ٤/ ١٥٢، والبيهقي: ١٠/ ١٥٩، والبغوي: ١٠/ ١٣٨، وأبونعيم في "الحلية": ٦/ ٣٤٧، والطبراني في "الكبير": ٥١٨٢، ٥١٨٣، ٥١٨٤

شرح:...... بہترین افراد وہی ہیں جو کسی مسلم معاشرہ کی خیرخواہی کرتے ہوئے ضرورت کے وقت صداقت و حقانیت پر مبنی شہادتیں ادا کرتے ہیں۔

استفادہ کے بعد عاریہ اور مِنحہ کے طور پر لی ہوئی چیز واپس کر دینا

(١٢٣٤)۔ عَنْ اَبِيْ أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ، وَمَنْ وَجَدَ لُقَطَةً مُصَرَّاةً، فَلَا يَحِلُّ لَهُ صِرَارُهَا حَتّٰى يُرِيَهَا۔)) (الصحيحة:٦١١)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی اور دودھ والی بکری (جو عارضی طور پر عطیہ دی گئی ہو) لوٹا دی جائے گی، جس آدمی نے ایسی گری پڑی چیز اٹھائی، جسے دھاگے وغیرہ کے ساتھ باندھا ہوا ہو، تو اس کے لیے اسے کھولنا حلال نہیں، جب تک کسی دوسرے کو دکھا کر (اسے گواہ) نہ بنا لے۔“

تخریج: رواه ابن حبان في صحيحه: ١١٧٤، والنسائي

(١٢٣٥)۔ عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَقَالَ: أَغَصْبٌ يَا مُحَمَّدُ؟ فَقَالَ: ((لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ۔)) (الصحيحة:٦٣١)

امیہ بن صفوان بن امیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے حنین والے دن کچھ زرہیں استعارۃً (عارضی طور پر) لیں۔ اس نے کہا: اے محمد! کیا ان کو غصب کر لیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، یہ ایسا عاریہ ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت کی ضمانت ہوگی۔“

تخریج: أخرجه أبو دواد: ٢/ ٢٦٥، والبیهقی: ٦/ ٨٩، وأحمد: ٣/ ٤٠١، ٦/ ٤٦٥، والطبرانی: ٨/ ٥٩/ ٧٣٣٩

(١٢٣٦)۔ عَنْ یَعْلَی بْنِ أُمَیَّةَ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي، فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِیْنَ دِرْعًا وَثَلَاثِیْنَ بَعِیْرًا۔)) فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَعَارِیَةٌ مَضْمُوْنَةٌ أَمْ عَارِیَةٌ مُؤَدَّاةٌ؟ قَالَ: ((بَلْ عَارِیَةٌ مُؤَدَّاةٌ۔)) (الصحیحة: ٦٣٠)

یعلی بن امیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تیرے پاس میرے قاصد آئیں تو انھیں تیس زرہیں اور تیس اونٹ دے دینا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر (یہ چیزیں جو میں) عاریۃً (دے رہا ہوں) ہلاک ہوگئیں تو ان کی قیمت کی ضمانت ہوگی یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ چیزیں بعینہ موجود رہیں تو واپسی کی ضمانت ہوگی اور تلف ہونے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔''

تخریج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٢٦٦، والنسائی کما فی ''المحلی'': ٩/ ١٧٣، وابن حبان فی ''صحیحه'': ١١٧٣، وأحمد: ٤/ ٢٢٢

شرح:...... ''عَارِیَةٌ مُؤَدَّاةٌ'' اس چیز کو کہتے ہیں جو عارضی طور پر لی گئی ہو اور اس وقت تک اس کو واپس کرنا ضروری ہو، جب تک وہ باقی ہو، اگر ضائع ہو جائے تو اس کے عوض میں قیمت ادا نہیں کی جاتی اور ''عاریہ مضمونہ'' اس چیز کو کہتے ہیں جو عارضی طور پر لی گئی ہو اس کو واپس کرنا ضروری ہو، اگر وہ تلف ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔

(١٢٣٧)۔ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ أَبِي سَعِیْدٍ، عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ یَقُوْلُ: ((أَلَا إِنَّ الْعَارِیَةَ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةَ مَرْدُوْدَةٌ، وَالدَّیْنَ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِیْمَ غَارِمٌ۔)) (الصحیحة: ٦١٠)

سعید بن ابوسعید، نبی کریم ﷺ سے سننے والے صحابیٔ رسول سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! عاریہ (عارضی طور پر لی ہوئی چیز) واپس کی جائے گی، منحہ (وہ عطیہ جو استفادہ کے لیے کچھ مدت کے لیے دیا جائے) بھی واپس کیا جائے گا، قرضہ چکایا جائے گا اور چیز کا ضامن اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٥/ ٢٩٣

شرح:...... جو کسی کی لین دین کا ضامن بنتا ہے، وہی قرضے کی ادائیگی کا مسئول ہوتا ہے، اگر مقروض فرار ہو جاتا ہے یا مفلس ہو جاتا ہے تو ضامن ذمہ دار ہوگا۔

ذمی پر ظلم کرنے والے کے لیے وعید

(١٢٣٨)۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ، عَنْ

صفوان بن سلیم، کئی ایک ابنائے (صحابہ، امام بیہقی کے قول

عِـدَّةٍ، (وَقَـالَ الْبَيْهَقِيُّ: ثَلَاثِيْنَ) مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ آبَائِهِمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰـهِ ﷺ قَـالَ: ((اَلَا مَـنْ ظَـلَمَ مُعَاهَدًا، اَوِانْتَقَصَهُ، اَوْكَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، اَوْاَخَـذَ مِـنْـهُ شَيْـئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ، فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

(الصحيحة: ٤٤٥)

کے مطابق وہ تیس ہیں) سے اور وہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ! جس نے ذمی پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کمی کی یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ مشقت ڈالی یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی، تو میں ایسے آدمی پر بروز قیامت دلیل کے ذریعے غالب آ جاؤں گا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٤٦، والبيهقي في "سننه": ٩/ ٢٠٥

شرح:...... معاہد: وہ ہے جو کسی خاص معاہدے کے تحت مسلمانوں کے ملک میں رہ رہا ہو۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے یا دوسرے مسلمان کے عہد و پیمان کی پاسداری نہ کرے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَـنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا۔)) (بخاري: ٣١٦٦) ...... ''جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔''

یہ احادیث اسلام کے امن پسند ہونے کا ٹھوس ثبوت ہیں، اس مذہب میں غیر مسلموں کے حقوق کا نہ صرف تعین کیا گیا ہے، بلکہ مسلمانوں کو سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہر کوئی اپنے جرم کا ذمہ دار خود ہوگا

(١٢٣٩)۔ عَـنْ عَـمْـرِو بْنِ الْاَحْوَصِ، قَـالَ: سَـمِـعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَـقُوْلُ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ: ((اَلَا لَايَجْنِيْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَـفْسِهِ، لَا يَـجْنِيْ وَالِدٌ عَلٰى وَلَدِهِ، وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهِ۔))

(الصحيحة: ١٩٧٤)

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر فرماتے سنا: ''خبردار! ہر مجرم صرف اپنے حق میں برا کرے گا، والد اپنے بیٹے کی حق میں برا کر سکتا ہے نہ بیٹا والد کے حق میں، (یعنی دونوں اپنے اپنے جرائم کے خود ذمہ دار ہوں گے)۔''

تخريج: أخرجه ماجه: ٢/ ١٤٧، وأحمد: ٣/ ٤٩٧۔ ٤٩٩

شرح:...... شریعت میں ہر کوئی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، وہ خود اس کی سزا پائے گا، یہ شریعت کا مزاج نہیں کہ ایک آدمی جرم کر کے فرار ہو جاتا ہے، ادھر اس کے باپ، بیٹوں اور بھائیوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا جائے۔ حکومتوں اور عدالتوں کو چاہیے کہ وہ جائز اسباب کے ذریعے اصل مجرم کا سراغ لگائیں، جو کہ یقیناً ممکن ہے، الا ماشاء اللہ۔

(۱۲۴۰)۔ عَنْ اَبِي رِمْثَةَ، قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مَعَ اَبِي فَقَالَ: ((مَنْ هٰذَا مَعَكَ؟)) قَالَ: اِبْنِي، اَشْهَدُ بِهٖ. قَالَ: ((اَمَا اِنَّكَ لَاتَجْنِي عَلَيْهِ، وَلَا يَجْنِي عَلَيْكَ.)) (الصحيحة: ۷۴۹)

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے باپ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے میرے باپ سے پوچھا: ''یہ تیرے ساتھ کون ہے؟'' انھوں نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے، میں اس بات پر گواہی دے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جا! تو اس کے حق میں برا کر سکتا ہے نہ وہ تیرے حق میں۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ۲/ ۲۵۱، وأحمد: ۲/ ۲۲۶، ۴/ ۱۶۳، والدولابي في "الكنى": ۱/ ۲۹، والطبراني في "المعجم الكبير": ۲۲/ ۲۸۰/ ۷۱۶، وأخرجه أبوداود: ۲/ ۱۹۵ دون الجملة الثانية

(۱۲۴۱)۔ عَنْ طَارِقِ الْمُحَارِبِيِّ مَرْفُوْعًا: ((لَاتَجْنِي أُمٌّ عَلٰى وَلَدٍ، لَاتَجْنِي أُمٌّ عَلٰى وَلَدٍ.)) (الصحيحة: ۹۸۹)

حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ماں اپنے بیٹے کے حق میں برا نہیں کر سکتی، ماں اپنے بیٹے کے حق میں برا نہیں کر سکتی (یعنی وہ اپنے جرم کی خود ذمہ دار ہوگی)۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ۲/ ۲۵۱، وابن ماجه: ۲/ ۱۴۷، وابن حبان: ۶۱۸۳، والحاكم: ۲/ ۶۱۱

شرح:...... یعنی بیٹے کے جرم کی سزا ماں کو اور ماں کے جرم کی سزا بیٹے کو نہیں دی جا سکتی، ہر کوئی خود ذمہ دار ہے)۔

(۱۲۴۲)۔ عَنِ الْخَشْخَاشِ الْعَنْبَرِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِي ابْنٌ لِّي، قَالَ: فَقَالَ: ((ابْنُكَ هٰذَا؟)) قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: ((لَاتَجْنِي عَلَيْهِ وَلَا يَجْنِي عَلَيْكَ.)) (الصحيحة: ۹۹۰)

حضرت خشخاش عنبری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے بیٹے کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ تیرا بیٹا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اس کے حق میں برا نہیں کر سکتا اور وہ تیرے حق میں برا نہیں کر سکتا (یعنی تم دونوں اپنے اپنے جرائم کے خود ذمہ دار ہو)۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه ۲/ ۱۴۷-۱۴۸، وأحمد: ۴/ ۳۴۴، ۵/ ۸۱

(۱۲۴۳)۔ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ مَرْفُوْعًا: ((لَاتَجْنِي نَفْسٌ عَلٰى أُخْرٰى.)) (الصحيحة: ۹۸۸)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی کسی کے حق میں برا نہیں کر سکتا (یعنی ہر کوئی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے)۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه ۲/ ۱۴۸

مسلمان کی بے عزتی کرنا سب سے بڑی زیادتی ہے

(١٢٤٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَ ةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ أَرْبَى الرِّبَا: إِسْتِطَالَةُ الْمَرْءِ فِي عِرْضِ أَخِيْهِ۔)) (الصحيحة: ٣٩٥٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی عزت پر دست درازی کرے۔''

تخريج: رواه البزار: ٣٥٦٩، وابن عدي: ٢/٣١١، والبيهقي في "الشعب": ٢/٣٠٩/١، وأبوبكر الشيرازي في "سبعة مجالس من الأمالي": ٧/٢، والبيهقي: ٢/٤٣٠/١

شرح:...... زندگی کا گراں مایہ متاع عزت ہے، یہ سرمایۂ حیات چھن جائے تو اس کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا، الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عزت، جان اور مال کو معزز قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((...... كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ ...... بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔)) (ترمذی) ...... ''ایک مسلمان کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے...... کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔''

قرض دار کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے

(١٢٤٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الدَّائِنِ (أَيْ: الْمَدِيْنِ) حَتّٰى يَقْضِيَ دَيْنَهُ، مَالَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ اللّٰهُ۔)) قَالَ: وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ لِخَازِنِهِ: إِذْهَبْ فَخُذْ لِيْ بِدَيْنٍ، فَإِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ أَبِيْتَ لَيْلَةً إِلَّا وَاللّٰهُ مَعِيَ بَعْدَ مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (الصحيحة: ١٠٠٠)

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ قرض لینے والے کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ قرضہ ادا کر دے، الا یہ کہ اس قرضے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے ہو۔'' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے خزانچی کو کہتے تھے: تو جا اور کہیں سے میرے لیے قرضہ لے آ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سننے کے بعد میں نہیں چاہتا کہ رات گزاروں مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہو۔

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٢/١/٤٧٦، والدارمي: ٢/٢٦٣، وابن ماجه: ٢/٧٥، والحاكم: ٢/٢٣، وأبونعيم في "الحلية": ٣/٢٠٤، والبيهقي في "السنن": ٥/٣٥٥، وابن عساكر: ٩/٣٦/١

شرح:...... بعض اوقات قرضہ لینا انسان کی مجبوری بن جاتا ہے، لیکن اس کی ادائیگی، اس کی وصولی سے بڑی مجبوری ہے۔ جب مسلمان کسی جائز ضرورت کے لیے اور واپس کرنے کی نیت سے قرضہ لیتا ہے اور پھر اس کو واپس

کرنے کے لیے فکر کرتا ہے اور ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ دیتا ہے اور اس کے قرضے کی ادائیگی کے اسباب پیدا کرتا ہے۔

میدانِ حشر میں قرضوں کے معاملات کا تصفیہ

(۱۲٤٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِيْ أَمْرِهِ وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَلَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، وَلٰكِنَّهَا الْحَسَنَاتُ وَالسَّيِّئَاتُ، وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيْهِ، حُبِسَ فِيْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ حَتّٰى يَأْتِيَ بِالْمَخْرَجِ مِمَّا قَالَ۔))

(الصحيحة: ٤٣٧)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کی سفارش، اللہ تعالیٰ کی کسی حد کے لیے رکاوٹ بن گئی، اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ جو آدمی مقروض ہو کر مرا، تو (وہ یاد رکھے کہ) روزِ قیامت درہم و دینار کی ریل پیل نہیں ہو گی، وہاں تو نیکیوں اور برائیوں کا تبادلہ ہو گا۔ جس نے دیدۂ دانستہ باطل کے حق میں جھگڑا کیا وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب میں رہے گا جب تک باز نہیں آتا۔ جس نے مومن پر ایسے جرم کا الزام لگایا جو اس میں نہیں پایا جاتا اسے ”ردغة الخبال“ (جہنمیوں کے پیپ) میں روک لیا جائے گا، حتی کہ ایسی نیکی کرے جو اسے وہاں سے نکال سکے۔“

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ١١٧، والحاكم: ٢/ ٢٧، والسياق له، وأحمد: ٢/ ٧٠

شرح:...... مسلمان سے بتقاضۂ بشریت غلطی ہو جانا ممکن ہے اور یہ چیز زیادہ قابل جرح بھی نہیں ہے، کیونکہ نیکیوں کے ذریعے یا توبہ کرنے سے اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑنے کے درپے ہو جانا بغاوت ہے اور بغاوت کو کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ اگر کسی مجرم کا معاملہ عدالت میں پہنچ چکا ہو اور اس پر حدّ نافذ کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی حدّ کے سامنے روڑے اٹکائے۔ یہی معاملہ اس جھگڑے کا ہے، جس کی بابت جھگڑنے والے کو پتہ ہو کہ وہ باطل پر ہے، لیکن پھر بھی اپنی انانیت کے دفاع کا بھوت سوار کر کے یا کسی اور مقصد کے پیشِ نظر لڑائی جاری رکھے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو عزتیں اور عظمتیں عطا کرتا ہے اور پھر ان کی حفاظت بھی کرتا ہے، لیکن جو آدمی مومن کی توہین کرنے کے درپے ہو جائے تو وہ اپنے جرم کی نوعیت کے لیے اتنا ضرور ذہن نشین کر لے کہ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ عزت دینا چاہتا ہے اور وہ اسے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔

نیز ہمیں چاہیے کہ اپنے قرضے چکا دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی لین دین کی سستیاں ہماری آخرت کو لے ڈوبیں۔ انسان کی عظمت کا تصور کریں کہ جب تک وہ اپنا قرضہ معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کریں گے۔

اگر قرض خواہ قرضے چکانے کا عزم رکھتا ہو تو

(۱۲۴۷)۔ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ حَمَلَ مِنْ أُمَّتِيْ دَيْنًا ثُمَّ جَهَدَ فِيْ قَضَائِهِ فَمَاتَ وَلَمْ يَقْضِهِ، فَأَنَا وَلِيُّهُ۔)) (الصحيحة: ۳۰۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے جس فرد نے قرضہ لیا اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے کوشش کی، لیکن ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا۔''

تخريج: أخرجه أحمد في"المسند" ٦/ ٧٤، ١٥٤، وأبويعلي: ٨/ ٢٥٢, ٤٨٣٨، والطبراني في "الأوسط" ١٠/ ١٥٧-١٥٨، و البيهقي في"السنن" ٧/ ٢٢ و"الشعب" ٤/ ٤٠٣

شرح:...... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیتوں اور ارادوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتا ہے، قرضہ لینا انسان کی بہت بڑی مجبوری ہے، اگر قرض خواہ اپنا قرضہ چکانے میں مخلص ہو، لیکن حالات ساتھ نہ دے رہے ہوں اور اتنے میں وہ فوت ہو جائے تو آپ ﷺ اس کے قرض کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۱۲۴۸)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَنْوِيْ أَدَاءَهُ كَانَ مَعَهُ مِنَ اللّٰهِ عَوْنٌ، وَسَبَّبَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا۔)) (الصحيحة: ۲۸۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس آدمی پر قرضہ ہو اور وہ قرضہ چکانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ ایک مددگار ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے اسباب پیدا کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": ٢/ ١٨١/ ١/ ٧٧٥٨، واخرج احمد: ٦/ ٧٢، ٩٩، والطيالسي: ١٥٢٤، والحاكم: ٢/ ٢٢ بلفظ: ...... عن عائشة انها كانت تدان، فقيل لها: ما لك وللدين؟ فقالت: ان رسول الله ﷺ قال: ((ما من عبد كانت له نية في اداء الدين الا كان له من الله عز وجل عون۔)) فانا التمس ذالك العون۔

شرح:...... جہاں قرضہ لینا مسلمان کی دنیوی مجبوری ہے، وہاں اس کی ادائیگی دنیوی اور اخروی دونوں جہانوں کی مجبوری ہے۔ لیکن جو آدمی قرضہ چکانے میں مخلص اور فکرمند ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے غیر محسوس انداز میں غیر متوقع اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔

آگ کے ساتھ عذاب دینا منع ہے

(۱۲۴۹)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ،

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، ہم

فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ، فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا، وَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ، فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا۔)) وَرَأٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا، فَقَالَ: ((مَنْ حَرَّقَ هٰذِهِ؟)) قُلْنَا: نَحْنُ قَالَ: ((إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ۔))

(الصحيحة: ٤٨٧)

نے (چڑیا کی طرح کا) ایک سرخ پرندہ دیکھا، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا۔ سو وہ پرندہ ان کے گرد منڈلانے لگا، اتنے میں نبی کریم تشریف لے آئے اور پوچھا: اس پرندے کو اس کے بچوں کیوجہ سے کس نے رنج پہنچایا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو، اور آپ ﷺ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی جس کو ہم نے جلا دیا تھا، پس آپ ﷺ نے پوچھا: یہ بستی کس نے جلائی ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہم نے (جلائی ہے)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگ کا عذاب دینا تو آگ کے ربّ کو ہی سزاوار ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود ٢٦٧٥، ورواه احمد: ١/ ٤٠٤ دون قصة النمل

(١٢٥٠)۔ عَنْ حَمْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ مَرْفُوْعًا: ((إِنْ أَنْتُمْ قَدَرْتُمْ عَلَيْهِ فَاقْتُلُوْهُ، وَلَا تُحَرِّقُوْهُ بِالنَّارِ، فَإِنَّمَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ رَبُّ النَّارِ۔)) (الصحيحة: ١٥٠٥)

حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم (عذرہ قبیلے کے فلاں) آدمی پر قادر آ جاؤ تو اسے قتل کر دینا، آگ کے ساتھ نہیں جلانا، کیونکہ آگ کو پیدا کرنے والا ہی آگ کے ساتھ عذاب دے سکتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٤١٧، وأحمد: ٣/ ٤٩٤

شرح:...... شریعت اسلامیہ نے جرائم کے مرتکبین کے لیے عام اور مخصوص سزاؤں کا تعین کر دیا ہے، لہٰذا کسی قسم کے مجرم کو آگ کا عذاب نہیں دیا جا سکتا۔

پرندوں کو تکلیف دینا بھی منع ہے

(١٢٥١)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ، فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ، فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا، وَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ، فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا۔)) وَرَأٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا، فَقَالَ: ((مَنْ حَرَّقَ

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، ہم نے (چڑیا کی طرح کا) ایک سرخ پرندہ دیکھا، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے یہ بچے پکڑ لیے۔ تو وہ پرندہ ان کے گرد منڈلانے لگا، اتنے میں نبی کریم تشریف لے آئے اور پوچھا: اس پرندے کو اس کے بچوں کیوجہ سے کس نے رنج پہنچایا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو، اور آپ ﷺ نے

هٰـذِهٖ؟)) قُلْنَا: نَحْنُ قَالَ: ((اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔))

(الصحيحة: ٤٨٧)

چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی جس کو ہم نے جلا دیا تھا، پس آپ ﷺ نے پوچھا: یہ بستی کس نے جلائی ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہم نے (جلائی ہے)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگ کا عذاب دینا تو آگ کے رب کو ہی سزاوار ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢٦٧٥، ورواه احمد: ١/ ٤٠٤ دون قصة النمل

شرح:...... جانوروں کو تکلیف دینا کیسا ہے، اس موضوع پر مفصل بحث "اَلْأَضَـــاحِي وَالـذَّبَـائِـحُ وَالْأَطْـعِـمَةُ وَالْأَشْرِبَةُ وَالْعَقِيْقَةُ وَالرِّفْقُ بِالْحَيَوَانِ" میں ''سب سے پہلے اسلام نے تمام جانداروں سے نرمی برتنے کی تعلیم دی'' کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

مشرکوں کے ساتھ کیا گیا معاہدہ پورا کرنا

(١٢٥٢)۔ عَـنْ حُـذَيْـفَةَ: اَنَّ الْـمُشْرِكِيْنَ اَخَـذُوْهُ وَاَبَـاهُ، فَـاَخَـذُوْا عَلَيْهِمْ اَنْ لَّا يُقَاتِلُوْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فُوْا لَهُمْ، وَنَسْتَعِيْنُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ۔))

(الصحيحة: ٢١٩١)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مشرکوں نے مجھے اور میرے باپ کو پکڑ لیا اور ہم سے یہ معاہدہ لیا کہ بدر والے دن ہمارے مقابلے میں لڑائی کے لیے نہیں آنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ان کا عہد پورا کرو اور ہم ان پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٩٧، وأخرجه مسلم: ٥/ ١٧٧

شرح:...... مشرکوں سے کیا گیا عہد و پیمان پورا کیا جائے گا، اسی لیے آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہما اور ان کے باپ کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی تلقین کی۔

غور فرمائیں کی جنگِ بدر میں اسلامی سپاہ کی تعداد بھی کم تھی اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کو جہاد میں شرکت کرنے کی رغبت بھی تھی، لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے مشرکوں سے کیے گئے عہد و پیمان کا خیال رکھا۔ ہم نے تو موقع ٹالنے کے لیے عہد و پیمان کو ایک بہانہ بنا رکھا ہے۔

ظالم کو ظلم سے نہ روکنے کا وبال

(١٢٥٣)۔ عَـنْ اَبِـيْ بَـكْـرٍ الصِّدِّيْقِ، اَنَّهٗ قَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ: ﴿يَـا اَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَـضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدة: ١٠٥) وَاِنِّـيْ سَـمِـعْـتُ رَسُـوْلَ اللّٰـهِ ﷺ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: ''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے، اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔'' (سورۂ مائدہ: ۱۰۵) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اسے ظلم سے باز نہیں رکھیں گے

يَقُوْلُ: ((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوْا بِيَدِهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ.)) (الصحيحة: ١٥٦٤)

تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عام عذاب مسلط کر دے۔"

تخريج: أخرجه أحمد: رقم ١، ١٦، ٢٩، ٥٣، وأبوداود: ٢/ ٢١٧، والترمذي: ٢/ ٢٥ و ١٧٧، وابن ماجه: ٢/ ٤٨٤، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٦٢ ـ ٦٤، والضياء في "الأحاديث المختارة": رقم ٥٤ ـ ٥٨ بتحقيقي

شرح:...... ہر آدمی اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ جہاں برائی کو دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے، نہیں تو زبان سے روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنے دل سے برا جانے، یہ ایمان کا ضعیف ترین شعبہ ہے۔ آج کل لوگوں کو نیکی و بدی کا علم ہے، لیکن انھوں نے ایک خاص قسم کی مصلحت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے، جو ان کے کم حوصلہ ہونے کی پیداوار ہے اور نتیجتاً چپ سادھ لی۔ برائیوں کو روکنا ہر مسلم فرد کی ضرورت اور ذمہ داری ہے، اگر ایسا نہ کیا تو ہمیں چار و ناچار ان برائیوں میں ملوث ہونا پڑے گا اور نتیجۃً اللہ تعالیٰ کے عام عذاب کی صورت میں نکل آئے گا۔ دنیا رہے گی نہ دین۔

لوٹ مار اور ڈاکہ زنی منع ہے

(١٢٥٤)۔ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: أَصَبْنَا غَنَمًا لِلْعَدُوِّ، فَانْتَهَبْنَا، فَنَصَبْنَا قُدُوْرَنَا، فَمَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقُدُوْرِ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَالَ ﷺ: ((إِنَّ النُّهْبَةَ لَا تَحِلُّ.)) (الصحيحة: ١٦٧٣)

حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دشمن کی بکریاں ہمارے ہاتھ لگ گئیں، ہم نے وہ لوٹ لیں اور اپنی ہانڈیاں چڑھا دیں، جب نبی کریم ﷺ ہانڈیوں کے پاس سے گزرے تو (انھیں انڈیلنے کا) حکم دیا، پس وہ انڈیل دی گئیں، پھر فرمایا: "لوٹنا حلال نہیں ہے۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٣٩٣٨، والطحاوي في "المشكل": ٢/ ١٣١، وعبد الرزاق: ١٨٨٤١، وابن حبان: ١٦٧٩، والحاكم: ٢/ ١٣٤، والطيالسي: رقم ١١٩٥، وأحمد: ٥/ ٣٦٧، والطبراني في "الكبير": ١٣٧١ ـ ١٣٨٠

شرح:...... اسلام مسلمان کے مال و جان اور عزت و عظمت کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی، جو کہ موجودہ دور میں عام ہیں کی اسلامی قانون میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اغیار کے جان و مال کو کتنا تحفظ دیا ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا.)) (ابوداود، ترمذی) ...... "اور جس نے واضح لوٹ مار کی، وہ ہم میں سے نہیں۔"

حدود سے تجاوز کرنا منع ہے..... بدعات کا وبال

(۱۲۵۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، اَقُوْلُ: اِيَّاكُمْ وَجَهَنَّمَ! اِيَّاكُمْ وَالْحُدُوْدَ! فَاِذَا مِتُّ فَاَنَا فَرَطُكُمْ وَمَوْعِدُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، فَمَنْ وَرَدَ اَفْلَحَ، وَيَاْتِيْ قَوْمٌ فَيُوخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ اُمَّتِيْ! فَيُقَالُ: لَاتَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ۔)) (الصحيحة: ۳۰۸۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے تمھاری کمروں سے پکڑ کر (پیچھے کھینچتا ہوں) اور کہتا ہوں: جہنم سے بچو، حدود (کو پھلانگنے) سے بچو۔ جب میں فوت ہو جاؤں گا تو تمھارا پیش رو ہوں گا اور حوض پر تم سے ملوں گا، جو وہاں آ گیا، وہ کامیاب ہو جائے گا۔ کچھ لوگ وہاں پہنچیں گے تو سہی لیکن انھیں بائیں جانب دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت ہے۔ سو کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے کون کون سی بدعات کو فروغ دیا، یہ اپنی ایڑیوں پر پلٹ کر مرتد ہو گئے تھے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۱۲/ ۷۱/ ۱۲۵۰۸، والبزار: ٤/ ۱۷٦/ ۳٤۸۰

شرح:...... سیدنا عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں کہتے تھے: ((فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ۔)) (مسلم)...... ''یقیناً سب سے بہترین حدیث اللہ تعالی کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ حضرت محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدترین کام نئے ایجاد کردہ (یعنی بدعات وخرافات) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں دین اسلام کی تکمیل ہو گئی، آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا کام عبادت سمجھ کر یا دین سمجھ کر یا اجر وثواب سمجھ کر کرنا، جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو، بدعت کہلاتا ہے۔ مثلاً تقلید کرنا، قبر پر اذان کہنا، مرد و زن کی نماز میں دلیل کے بغیر فرق کرنا، نماز سے پہلے زبان سے نیت پڑھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمیں چاہیے کہ دین کو لوگوں کی آرا و خیالات سے پاک رکھیں ہر شرعی مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کر کے عملی طور پر ان پر کاربند رہیں۔

روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا

(۱۲۵٦)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ: اَنَّ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَ عَطَاءً: اَنَّهُ قَبَّلَ امْرَاَتَهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

عطا بن یسار، ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اسے بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا

وَهُوَ صَائِمٌ، فَمَرَ امْرَأَتَهُ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.)) فَاَخْبَرَتْهُ امْرَأَتُهُ فَقَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ يُرَخَّصُ لَهُ فِي اَشْيَاءَ، فَارْجِعِي اِلَيْهِ فَقُوْلِي لَهُ، فَرَجَعَتْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: قَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يُرَخَّصُ لَهُ فِي اَشْيَاءَ؟! فَقَالَ: ((اَنَا اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ، وَاَعْلَمُكُمْ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ.))

(الصحيحة:٣١٠٧)

بوسہ لے لیا، سو میں نے اپنی بیوی کو نبی کریم ﷺ سے اس کی بابت سوال کرنے کے لیے بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''رسول اللہ خود اس طرح کر لیتے ہیں۔'' جب میری بیوی نے واپس آ کر مجھے یہ حدیث سنائی تو میں نے کہا: نبی کریم ﷺ کو تو بعض چیزوں کی (بطورِ خاص) رخصت دے دی جاتی ہے، لہٰذا تو واپس جا اور (ذرا وضاحت کے ساتھ) دریافت کر۔ سو اس نے واپس جا کر کہا: نبی ﷺ کو تو بعض چیزوں میں (بطورِ خاص) رخصتیں دی جاتی ہیں، (ہم کیا کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔''

تخريج: أخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ٤/ ١٨٤/ ٨٤١٢، ومن طريقه: أحمد: ٥/ ٤٣٤، ومالك: ٢/ ٢٧٣

شرح:...... اس میں یہ وضاحت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تمام قسم کے اقوال وافعال امت کیلیے رشد و ہدایت کا پیغام اور حجت ہیں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی مسئلہ میں اپنے آپ کو اس اعتبار سے مستثنی سمجھے کہ اسے اس سے زیادہ یا اس سے کم عمل کرنا چاہئے۔ ہاں جہاں اللہ تعالی وضاحت کر دے کہ فلاں عمل کی فلاں صورت نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، تو پھر کسی امتی کو وہ صورت اپنانے کی اجازت نہ ہو گی، جیسے بیک وقت چار سے زائد بیویوں سے شادی کرنا۔ اس موضوع پر مفصل بحث "اَلصِّيَامُ وَ الْقِيَامُ" میں ''روزے دار کا بیوی کا بوسہ لینا کیسا ہے؟'' کے عنوان میں موجود ہے۔

حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا

(١٢٥٧)۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ، وَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، وَاِنَّمَا اَقْضِي لَكُمْ عَلَى نَحْوِ مِمَّا اَسْمَعُ مِنْكُمْ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِنْ حَقِّ اَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو اور میں تو محض ایک بشر ہوں، ممکن ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی بہ نسبت اپنی دلیل کو وضاحت کے ساتھ پیش کر لیتا ہو اور میں تو اپنی شنید کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ (تم یاد رکھو کہ) اگر میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیتا ہوں

مِّنَ النَّارِ يَأْتِي بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٤٥٥)

تو وہ اس چیز کو وصول نہ کرے، کیونکہ وہ تو آگ کا ٹکڑا ہے جو میں اسے کاٹ کر دے رہا ہوں اور وہ اسے قیامت کے روز بھی اپنے ساتھ لائے گا۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٣/ ١٦٢، ومسلم: ٥/ ١٢٩، والنسائي: ٢/ ٣٠٧و٣١١، والترمذي: ١/ ٢٥٠، ٢٥١ وصححه، وابن ماجه: ٢/ ٥١، وابن حبان: ٧/ ٢٦٢/ ٥٠٠٧، ٥٠٤٩، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٢٨٢، وأحمد: ٦/ ٢٩٠، ٣٠٧، وأبويعلى: ٤/ ١٦٣٥، وابوداود: ٢/ ١١٥، واحمد: ٦/ ٣٠٨، ٣٢٠

شرح: ...... معلوم ہوا کہ حاکم کا فیصلہ حلت وحرمت کا معیار نہیں ہے۔ جو آدمی جھوٹا ہو اور اسے علم ہو کہ فلاں چیز اس کی نہیں ہے، لیکن اس کے دلائل اور زبان درازی کی روشنی میں حاکم اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، پھر بھی یہ چیز اس کے حق میں حلال نہیں ہوگی۔ اس حدیث سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی کا حق غصب کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔

(١٢٥٨)۔ عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ بِشَيْءٍ فَلَا يَاْخُذْ شَيْئًا فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:١١٦٢)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''محض میں ایک بشر ہوں، تم میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو اور ممکن ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی بہ نسبت دلائل کو وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہو، میں تو جیسے بات سنوں گا اسی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ (تم یاد رکھو کہ) اگر میں نے کسی کے حق میں دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دیا تو وہ اسے وصول نہ کرے، کیونکہ میں (اس صورت میں) اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣/ ١٠١، ١٦٢، ٨/ ٦٢، ١١٦، ١١٧، ١١٢، ومسلم: ٥/ ١٢٩، ومالك: ٢/ ١٩٧، وأبوداود: ٢/ ١١٥

معیارِ خدا تقوی ہے، نہ کہ صدارت وسربراہی

(١٢٥٩)۔ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ: ((كَيْفَ تَرٰى جُعَيْلًا؟)) قَالَ: فَقُلْتُ: مِسْكِيْنٌ، كَشَكْلِهِ مِنَ النَّاسِ، قَالَ: ((فَكَيْفَ تَرٰى فُلَانًا؟)) قُلْتُ: سَيِّدٌ مِّنَ السَّادَاتِ، قَالَ: ((فَجُعَيْلٌ خَيْرٌ مِّنْ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''فلاں مزدور کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: مسکین سا ہے، بس عام لوگوں کی طرح۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فلاں آدمی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: وہ تو اعلیٰ قسم کا سردار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مِّلْ الْأَرْضِ ـأَوِ الْأَلْفِ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ۔ مِنْ فُلَانٍ۔)) قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَفُلَانٌ هٰكَذَا، وَأَنْتَ تَصْنَعُ بِهِ مَاتَصْنَعُ؟ فَقَالَ:((إِنَّهُ رَأْسُ قَوْمِهِ، فَأَنَا أَتَأَلَّفُهُمْ فِيْهِ۔)) (الصحيحة: ۱۰۳۷)

نے فرمایا: ''اس قسم کا ایک مزدور فلاں قسم کے زمین بھر یا ہزاروں سادات سے بہتر ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں آدمی بھی تو (اسی قسم کا سردار ہے) اور آپ اس کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی قوم کا سردار ہے، میں اس کی تالیفِ قلبی کے لیے (اس سے حسنِ سلوک سے پیش آتا ہوں)۔''

تخريج: أخرجه ابن وهب في "الجامع" صـ٥

شرح:..... اللہ تعالی کے معیار کی بنیاد ایمان وایقان، تقوی وطہارت اور نیکی و پارسائی پر ہے، نہ کہ مال و دولت، سیادت و قیادت، صدارت و سربراہی اور حسن و جمال پر۔ اللہ تعالی کے ہاں ایک مومن و متقی ہزاروں دنیوی سرداروں سے بہتر ہے۔

اغیار کی تالیفِ قلبی کے لیے ان پر مال و دولت خرچ کرنا، ان کو تحائف و ہدایا بھیجنا اور ان سے حسنِ سلوک سے پیش آنا نبوی منہج ہے۔ آج کل اہل اسلام فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقے سے شدید نفرت کرتا ہے، دو مختلف فرقوں والے لوگ اکٹھا مل بیٹھ کر راضی نہیں، حالانکہ اگر ایک فرقہ اپنے آپ کو برحق سمجھتا ہے تو اسے چاہئے کہ دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اپنے مسلک کی دعوت دے۔

حلت وحرمت کے باب میں نبوی فیصلے کی اہمیت

(۱۲۶۰)۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ السُّلَمِيِّ قَالَ: نَزَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ خَيْبَرَ، وَمَعَهُ مَنْ مَعَهُ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَكَانَ صَاحِبُ (خَيْبَرَ) رَجُلًا مَارِدًا مُنْكِرًا، فَأَقْبَلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَلَكُمْ أَنْ تَذْبَحُوْا حُمُرَنَا، وَتَأْكُلُوْا ثَمَرَنَا، وَتَضْرِبُوْا نِسَاءَنَا! فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: ((يَا ابْنَ عَوْفٍ! إِرْكَبْ فَرَسَكَ ثُمَّ نَادِ: أَلَا إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِمُؤْمِنٍ، وَأَنِ اجْتَمِعُوْا لِلصَّلَاةِ۔)) قَالَ: فَاجْتَمَعُوْا، ثُمَّ صَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: ((أَيَحْسِبُ

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر میں پڑاؤ ڈالا، صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ خیبر کا سردار بڑا سرکش اور دھوکہ باز آدمی تھا، وہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے محمد! کیا تم ہو جو ہمارے گدھے ذبح کرو گے، ہمارے پھل کھاؤ گے اور ہماری عورتوں پر قبضہ کرو گے؟ نبی کریم ﷺ غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''اے ابن عوف! گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان کر: خبردار! جنت میں داخل ہونے والا صرف مومن ہو گا اور یہ (منادی بھی کرو کہ) نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔'' لوگ جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے انھیں نماز پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا کوئی آدمی اپنے تکیے پر ٹیک لگا کر یہ گمان کر سکتا

أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيْكَتِهِ قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ؟! أَلَا وَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ أَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ أَوْ أَكْثَرُ، وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ، وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ، وَلَا أَكْلَ ثِمَارِهِمْ، إِذَا أَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ۔)) (الصحيحة:۸۸۲)

ہے کہ اللہ تعالی نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی قسم! میں نے کچھ حکم دیے ہیں اور وعظ و نصیحت کی ہے اور بہت چیزوں سے منع کیا ہے۔ (میرے بیان کردہ احکام) قرآن مجید کے احکام جتنے یا ان سے بھی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالی نے تمھارے لیے بغیر اجازت کے اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے اور ان کے پھل کھانے کو حلال نہیں کیا، بشرطیکہ وہ ان امور کی ادائیگی کرتے رہیں۔ جو ان کی ذمہ داری میں ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:۲/ ٤٥، وعنه البيهقي في"السنن": ۹/ ۲۰٤، وكذا ابن عبد البر في "التمهيد": ۱/ ۱٤۹

شرح:...... قرآن مجید کے احکام کی طرح نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال بھی حجت ہیں۔ اس پر کسی فرد کو تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ خود اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ کا عہدہ عطا کیا ہے۔ تمام پرندوں کی حلت و حرمت احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوئی، گھریلو گدھے اور شیر، چیتا اور لومڑی جیسے کچلی والے جانوروں کی حرمت احادیث سے ثابت ہوئی، مچھلی اور مکڑی کے مرداروں کی حلت احادیث سے ثابت ہوئی، زکوۃ سے بعض چیزوں کو مستثنی قرار دینا، بعض کے بارے میں شرطیں لگانا اور زکوۃ کے نصاب اور شرح زکوۃ کی وضاحت کرنا آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ غرضیکہ سینکڑوں مثالیں ہیں، جن کی بنا پر کسی شخص کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ احادیثِ مقدسہ کے بارے یہ کہنا شروع کر دے، کہ ان کی ضرورت نہیں رہی یا یہ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتیں۔

کیا حلت و حرمت کے معاملات میں دل کا فیصلہ معتبر ہے؟

(۱۲٦۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ قَالَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَايَحِلُّ لِيْ مِمَّا يَحْرُمُ عَلَيَّ؟ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يَسْكُتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((مَنِ السَّائِلُ؟)) فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا ذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: نَقَرَ بِأُصْبُعِهِ: ((مَاأَنْكَرَ قَلْبُكَ فَدَعْهُ۔)) (الصحيحة: ۲۲۳۰)

حضرت عبد اللہ بن معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! حرام کردہ چیزوں میں سے کون سی چیزیں میرے لیے حلال ہیں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے تین دفعہ سوال دوہرایا، آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: ''سوال کرنے والا کون ہے؟'' اس آدمی نے جوابا عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! میں ہوں۔ آپ ﷺ نے انگلی کی ٹھونگ ماری اور فرمایا: ''جو چیز تیرے دل کو ناپسند لگے، اسے چھوڑ دے۔''

تخريج: أخرجه عبدالله بن المبارك في "الزهد": ٨٢٤ و ١١٦٢

شرح:...... بلا شک وشبہ حلال وحرام کے سلسلے میں شریعت نے مکمل رہنمائی فرمائی ہے، مذکورہ بالا حدیث میں حلت وحرمت کا جو قانون ذکر کیا گیا ہے، اس کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ چیز متشابہات میں سے ہو اور (۲) یہ فیصلہ کرنے والا حلال وحرام کے سلسلے میں شریعت کا مزاج سمجھنے والا اور سلیم الفطرت ہو۔

زمین پر ناجائز قبضے کا انجامِ بد

(١٢٦٢)۔ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ، كَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَحْفِرَهُ حَتّٰى يَبْلُغَ آخِرَ سَبْعِ أَرْضِينَ، ثُمَّ يُطَوَّقَهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٠)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جس آدمی نے زمین پر ایک بالشت کے بقدر ناجائز قبضہ کیا، اللہ تعالیٰ اسے اس بات کا مکلّف ٹھہرائیں گے کہ وہ کھدائی کرے، یہاں تک کہ ساتویں زمین کی آخری (تہہ) تک پہنچ جائے، پھر اسے قیامت کے روز لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کا طوق پہنایا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ١١٦٧۔ الموارد، وأحمد: ٤/ ١٧٣

شرح:...... یہ دوسروں کا مال غصب کرنے کا نتیجہ ہے، زمیندار لوگ اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور کسی نہ کسی طرح شیطانی حیلے بہانے کر کے اور اپنی حدود کو سرکا سرکا کر دوسری کی زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جو کوئی کسی انداز میں دوسرے کا مال غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے انجامِ بد پر نظر رکھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى سَبْعِ أَرْضِيْنَ۔)) (صحیح بخاری: ۳۱۹۶)...... ''جس نے کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کیا، اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے نیچے تک دھنسایا جائے گا۔''

مہمان، میزبان سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے

(١٢٦٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا ضَيْفٍ نَزَلَ بِقَوْمٍ، فَأَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا، فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ بِقَدْرِ قِرَاهُ وَلَا حَرَجَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة: ٦٤٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی مہمان کسی قوم کے پاس اترے اور وہ صبح کے وقت اپنی میزبانی سے محروم رہے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان سے اپنی میزبانی کے بقدر کوئی چیز لے لے، اس میں اس پر کوئی حرج نہیں ہوگی۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ٤/ ٤٠، وأحمد: ٢/ ٣٨٠

شرح:...... مہمان کی خدمت کرنا فرض ہے اور یہ اتنا بڑا حق ہے کہ خدمت نہ کرنے کی صورت میں مہمان کو یہ

حق حاصل ہے کہ وہ بزور اپنی خدمت کے بقدر میزبانی کا سامان وصول کرے۔

بلادِ مشرکین میں سکونت اختیار کرنا منع ہے

(١٢٦٤)۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ، وَسَكَنَ مَعَهُ، فَإِنَّهُ مِثْلُهُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٣٠)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مشرک کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ رہا، وہ اسی کی طرح ہو گا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:٢٧٨٧، ورواه الحاكم بلفظ: ((لاتساكنوا المشركين، ولا تجامعوهم، فمن ساكنهم أو جامعهم فليس منا۔))

(١٢٦٥)۔ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ بُجَيْلَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: ((بَرِئَتِ الذِّمَّةُ مِمَّنْ أَقَامَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ بِلَادِهِمْ۔)) (الصحيحة: ٧٦٨)

حضرت جریر بن بجیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اللہ اور اس کا رسول) اس آدمی سے بریٔ الذمہ ہیں جو مشرکوں کے ممالک میں ان کے ساتھ اقامت پذیر ہے۔''

تخريج: رواه محمدبن مخلد العطار في "المنتقى من حديثه": ٢/ ١٥/ ١، والطبراني في "الكبير": ٢/ ٣٤٢/ ٢٢٦٢

شرح:...... جب مسلمان مسلمانوں میں رہتا ہے تو مسلم حکمران اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ مشرکوں کے ساتھ رہ رہا ہے اور اس وجہ سے اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے، اگرچہ وہ نقصان مسلمانوں کی وجہ سے پہنچا ہو، تو وہ خود ذمہ دار ہو گا۔ رہا غیر مسلموں کی نحوستوں اور بے حیائیوں کا مسئلہ، تو وہ اپنی جگہ پر واضح ہے۔

سوگ کی مدت تین دن ہے

(١٢٦٦)۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا أُصِيْبَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((تَسَلَّبِيْ ثَلَاثًا، ثُمَّ اصْنَعِيْ مَا شِئْتِ۔)) (الصحيحة: ٣٢٢٦)

حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب حضرت جعفر بن ابو طالب شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ: ''تین دن سوگ والا لباس پہننے کا اہتمام کر، پھر جو مرضی کرنا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٧٤٥- موارد، والطحاوي في "شرح المعاني الآثار": ٢/ ٤٤، وأحمد: ٦/ ٤٣٨، وابن سعد: ٨/ ٢٨٢، وابن جرير الطبري في "التفسير": ٢/ ٣١٨، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ١٣٩/ ٣٦٩، وأبونعيم في "التفسير": ٢/ ٣١٨، و أبونعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ١٨٧، والبيهقي في "السنن": ٧/ ٤٣٨ و"معرفة الآثار": ٦/ ٦١/ ٤٦٧٦

شرح:...... عورت اپنے قریبی سے قریبی رشتہ دار میت پر زیادہ سے زیادہ تین دن تک سوگ منا سکتی ہے، البتہ بیوی اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ اور دس دن سوگ میں رہے گی، بشرطیکہ وہ غیر حاملہ ہو، حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک سوگ کی مدت جاری رہے گی، وہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ۔ عورت سوگ کے دوران زیب و زینت ترک کر دے، رنگا ہوا لباس نہ پہنے، لیکن رنگے ہوئے سوت کا کپڑا پہن سکتی ہے، سرمہ نہ لگائے، خوشبو نہ لگائے، مہندی نہ لگائے اور کنگھی بھی نہ کرے۔ (احادیث صحیحہ ماخوذ از بخاری، نسائی، ابوداود)

مومنوں کی ارواح کا مقام

(١٢٦٧)۔ عَنْ أُمِّ هَانِىءٍ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: أَنَتَزَاوَرُ إِذَا مِتْنَا وَيَرٰى بَعْضُنَا بَعْضًا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَكُوْنُ النَّسَمُ طَيْرًا تَعْلَقُ بِالشَّجَرِ، حَتّٰى إِذَا كَانُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ دَخَلَتْ كُلُّ نَفْسٍ فِيْ جَسَدِهَا۔)) (الصحيحة: ٦٧٩)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم مرنے کے بعد ایک دوسرے کو ملیں اور دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(مرنے کے بعد) روح ایک پرندے کی شکل میں ہوتی ہے جو درختوں پر چگتا رہتا ہے، حتی کہ قیامت کا دن آ جائے گا اور ہر روح کو اس کے جسم میں داخل کر دیا جائے گا۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٤٢٤۔٤٢٥، والطبراني في "الكبير": ٢٤/ ٤٣٨، ٢٥/ ١٣٦، وعنه أبو نعيم في "الحلية": ٢/ ٧٧

شرح:...... موت سے میدان حشر تک کی مدت کو عالم برزخ کہتے ہیں، عالم برزخ کی کیفیت و نوعیت کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، اگر کسی حدیث کی حقانیت کا بادی النظر علم ہو جائے تو ٹھیک، وگرنہ اس کو حق تسلیم کر کے اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ سے جو سوال کیا گیا تھا، اس کا جواب درج ذیل حدیث میں موجود ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی موت کے وقت رحمت کے فرشتے سفید ریشم لے کر آتے ہیں، ...... پھر وہ مومن کی پاکیزہ روح کو مومنوں کی روحوں میں پہنچا دیتے ہیں، جتنی خوشی ہمیں کسی پردیسی کی آمد پر ہوتی ہے، ان روحوں کو اس روح کے آنے کی وجہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ وہ اس سے پوچھتی ہیں: فلاں کیا کر رہا تھا؟ فلاں کیا کر رہا تھا؟ وہ جواب دیتی ہے: اس کا تذکرہ چھوڑو، وہ تو دنیا کے بارے میں فکر مند تھا، اور فلاں آدمی (تو فوت ہو چکا ہے، کیا اس) کی روح تمہارے پاس نہیں پہنچی؟ وہ کہتی ہیں: (یہاں نہ پہنچنے کا مقصد یہ ہوا کہ) اسے جہنم میں لے جایا جا چکا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت ہوتا ہے تو عذاب والے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں، ...... پھر وہ اسے کافروں کی ارواح میں پہنچا دیتے ہیں۔ (نسائی)

بے صبری کا انجام

(١٢٦٨)۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ مَرْفُوْعًا: ((جُرِحَ رَجُلٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ جِرَاحًا، فَجَزِعَ مِنْهُ، فَأَخَذَ سِكِّيْنًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَى الدَّمُ عَنْهُ حَتّٰى مَاتَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَبْدِيْ بَادَرَنِيْ نَفْسَهُ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة:٤٦٢)

حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک آدمی زخمی ہو گیا تھا، وہ بہت بے تاب ہوا اور چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ دیا، پھر خون نہ تھما یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: میرا بندہ مجھ سے سبقت لے گیا ہے (یعنی میری تقدیر پر راضی نہ ہوا اور خود فیصلہ کر دیا)، میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔''

تخريج:رواه الطبراني: ١/ ١٧٥، وقد اخرج البخاري في "صحيحه": ٢/ ٣٨٣ نحوه

شرح:...... صبر کی تین اقسام ہیں: (۱)اللہ تعالی کی اطاعت کرنے پر صبر کرنا (۲) اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچنے پر صبر کرنا اور (۳) اللہ تعالی کی آ زمائشوں کو صبر سے برداشت کرنا۔ اس حدیث سے صبر کی اہمیت ثابت ہو رہی ہے، اللہ تعالی کی طرف سے جس قسم کی مصیبت آ جائے، اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے اور جزع وفزع کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

کنویں کا احاطہ

(١٢٦٩)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَرِيْمُ الْبِئْرِ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا مِنْ حَوَالَيْهَا كُلُّهَا لِاَعْطَانِ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ۔)) (الصحيحة:٢٥١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنویں کا احاطہ اس کے اردگرد چالیس ہاتھ ہے، یہ ساری جگہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے بیٹھنے کے لیے ہے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ٤٩٤، والسياق له، و ابن زنجويه في "الأموال": ٢/ ٦٥٣/ ١٠٧٥

شرح:...... اونٹ، گائے، بکریوں وغیرہ پر لوگوں کی معیشت کا انحصار رہا ہے اور اب بھی ہے، عہد قدیم میں مویشیوں کو پانی پلانے کے مخصوص ذرائع تھے اور آجکل بھی بعض مقامات پر ایسے ہی ہے۔ ان میں سے ایک ذریعہ کنواں تھا، جس پر مختلف لوگوں کے مویشی جمع ہو جاتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے اردگرد چالیس ہاتھ یعنی ساٹھ فٹ احاطہ خالی رکھنے کی تلقین کی، تاکہ کسی قسم کی تنگی نہ رہے۔

جائز کھیل

(١٢٧٠)۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ رَفَعَهُ: اَنَّهُ مَرَّ عَلٰى اَصْحَابِ الدِّرْكِلَةِ فَقَالَ: ((خُذُوْا يَا بَنِيْ

امام شعبی، جو تابعی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کا ایک (مخصوص حبشی) کھیل کھیلنے والوں کے پاس سے

اَرْفِدَةَ!حَتّٰی تَعْلَمَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی اَنَّ فِيْ دِيْنِنَا فُسْحَةً۔)) قَالَ: فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذَا جَاءَ عُمَرُ، فَلَمَّا رَاَوْهُ انْذَعَرُوا۔ (الصحيحة: ١٨٢٩)

گزرے اور فرمایا: ''اے بنو ارفدہ! (یعنی حبشہ والو!) کھیلتے رہو، تاکہ یہودیوں اور عیسائیوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔'' وہ کھیل رہے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے، جب انھوں نے ان کو دیکھا تو سہم گئے۔

تخريج: أخرجه أبوعبيد في غريب الحديث": ١٠٢/ ٢، ورواه احمد: ٦/ ١١٦، ٢٣٣ عن عائشة رضی الله عنها موصولا

شرح:...... ہماری شریعت میں مباح او جائز کھیلیں کھیلنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ پابندی ضروری ہے کہ اس کھیل کا کوئی نہ کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ ہونا چاہیے، مثلا جسمانی ورزش یا جہاد کے لیے مشق کرنا، یہی وجہ ہے کہ شطرنج، لڈو اور چوسر جیسے کھیل ناپسندیدہ ہیں، کیونکہ یہ محض وقت کے ضیاع کا سبب ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ کھیل محض غیر مسلموں کی نقالی کرتے ہوئے نہ کھیلا جائے۔

زیادتی کرنے والے کا جواب کیسے دیا جائے؟

(١٢٧١)۔ عَنْ قُهَيْدٍ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: سَاَلَ سَائِلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ عَدَا عَلَيَّ عَادٍ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((ذَكِّرْهُ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَاِنْ اَبٰى فَقَاتِلْهُ، فَاِنْ قَتَلَكَ، فَاَنْتَ فِي الْجَنَّةِ، وَاِنْ قَتَلْتَهُ، فَاِنَّهُ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة: ٣٢٤٧)

حضرت قہید غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سائل نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی زیادتی کرنے والا مجھ پر زیادتی کرے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے تین دفعہ اللہ کا واسطہ دے کر نصیحت کرو، اگر وہ انکار پر تلا رہے تو اس سے لڑائی کرو۔ اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو تم جنت میں جاؤ گے اور اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"التاريخ": ٤/ ١/ ١٩٨۔ ١٩٩، والبيهقي في"السنن": ٨/ ٣٣٦، وأحمد: ٣/ ٤٢٢، والبزار: ٢/ ٣٦٥/ ١٨٦٤، والطبراني في"المعجم الكبير": ١٩/ ٣٩/ ٨٣، وأخرجه البخاری فی "التاريخ" أيضا، واحمد: ٢/ ٣٣٩، والنسائی: ٣٥٤٦ وزادوا فی السند "عن ابی هريرة" بعد "قهيد بن مطرف" ...... والخلاصة ان حديث عن قهيد مرسل و عنه عن ابی هريرة موصول۔

شرح:...... درج ذیل بحث سے اس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ...... قہید بن مطرف کے صحابی ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، ...... سابقہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قہید کی روایت مرسل ہے، درست بات یہ ہے کہ وہ یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک اور سند کے ساتھ بھی مروی ہے، جسے علا بن عبد الرحمٰن اپنے باپ سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو (بغیر کسی حق کے) میرا مال لینا چاہتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اسے اپنا مال نہ دے۔“ اس نے کہا: اگر وہ مجھ سے لڑائی شروع کر دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(دفاع کرنے کے لیے) تو بھی اس سے لڑائی کر۔“ اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کر دے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو تو شہید ہوگا۔“ اس نے کہا: ”اگر میں اسے قتل کر دوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ جہنم میں جائے گا۔“ (اخرجه مسلم: ١/ ٨٧، وابو عوانة فی صحیحه: ١/ ٤٣، وابو نعيم فی اخبار اصبهان: ١/ ٥٠، والبيهقی فی السنن: ٣/ ٢٦٥، ٨/ ٣٣٥)

اس کا ایک شاہد بھی ہے، جو قابوس بن مخارق اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ایک آدمی میرا مال چھیننا چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر نصیحت کر۔“ اس نے کہا: اگر وہ نصیحت قبول نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے خلاف اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے مدد طلب کر۔“ اس نے کہا: اگر میرے آس پاس کوئی مسلمان نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سلطان سے مدد طلب کر۔“ اس نے کہا: اگر سلطان مجھ سے دور ہو؟ آپ ﷺ فرمایا: ”تو پھر اپنا مال بچانے کے سبب اس سے لڑائی کر، (نتیجتاً) یا تو آخرت کے شہدا میں تیرا شمار ہوگا یا پھر اپنا مال بچا لے گا۔“ (اخرجه النسائی: ٢/ ١٤٤، والبيهقی: ٨/ ٣٣٦، واحمد: ٥/ ٢٩٤ و ٢٩٤۔ ٢٩٥) اس کی سند حسن ہے۔ (صحیحه: ٣٢٤٧)

اگر ظالم اس چیز کا موقع نہ دے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا جا سکے تو اپنی جان کی حفاظت کے لیے مقابلہ کیا جائے، جیسا کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔)) (ابو داود، ترمذی) ...... ”جو اپنے خون کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو گیا، وہ شہید ہے۔“

ہر مسلمان پناہ دے سکتا ہے...... خیانت اور دھوکہ بازی کا انجام

(١٢٧٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، فَإِنْ جَارَتْ عَلَيْهِمْ جَائِرَةٌ، فَلَا تُخْفِرُوْهَا فَإِنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يُعْرَفُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٣٩٤٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام مسلمانوں کی ضمانت (کا حکم) ایک ہے، اگر کوئی مسلمان عورت کسی کو پناہ دے دے، تو اس کا عہد مت توڑو۔ (یاد رہے کہ) ہر دھوکے باز پر ایک جھنڈا ہوگا جس کے ذریعے وہ قیامت کے روز پہچانا جائے گا۔“

تخريج: أخرجه أبويعلي في ”مسنده“: ق ٢٠٢/ ١/ مصورة المكتب، والحاكم: ١/ ١٤١

شرح:...... اسلام میں عہد و پیمان کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے، اگرچہ وہ غیر مسلموں سے کیا گیا ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ۔)) (صحیحه: ٢٤٤٩) ...... ”میری امت کا) کا ادنی فرد بھی پوری امت پر پناہ دے گا۔“

جو آدمی کسی سے کیا گیا عہد و پیمان توڑے گا، دھوکہ کرے گا اور خیانت کرے گا تو اس جرم کی علامت اس پر جھنڈے کی صورت میں نظر آئے گی۔ اس حدیث میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اصل اعتبار مسلمان کے ایمان و اسلام کا ہے، نہ کہ مال و دولت، حسن و جمال، حسب ونسب اور عہدہ و منصب کا۔

خیانت باعثِ رسوائی ہے

(١٢٧٣)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ: كَانَ ﷺ يَأْخُذُ الْوَبَرَةَ مِنْ جَنْبِ الْبَعِيرِ مِنَ الْمَغْنَمِ، فَيَقُوْلُ: ((مَالِيْ فِيْهِ إِلَّا مِثْلُ مَا لِأَحَدِكُمْ مِنْهُ، إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ! فَإِنَّ الْغُلُوْلَ خِزْيٌ عَلٰى صَاحِبِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ وَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ، فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، إِنَّهُ لَيُنْجِي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهِ مِنَ الْهَمِّ وَالْغَمِّ، وَأَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ، وَلَا يَأْخُذُكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ۔)) (الصحيحة: ٦٧٠)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غنیمت کے اونٹ کے ایک پہلو سے کچھ بال پکڑے اور فرمایا: ''اس میں میرا حصہ بھی وہی ہے جو تم لوگوں کا ہے، خیانت کرنے سے بچو، کیونکہ خیانت قیامت کے روز خائن کے لیے باعث ذلت ہوگی۔ دھاگہ، سوئی اور اس سے بھی کم قیمت والی چیز ادا کر دو اور سفر قریب کا ہو یا بعید کا، حضر ہو یا سفر، ہر صورت میں اللہ کے راستے میں جہاد کرو، کیونکہ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اللہ تعالی اس کے ذریعے پریشانی و پشیمانی اور غم و الم سے نجات دلاتا ہے اور رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار، ہر ایک پر اللہ تعالی کی حدیں قائم کرو اور اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمھیں متاثر نہ کرنے پائے۔''

تخريج: أخرجه عبدالله بن أحمد: ٤/ ٣٣٠، ورواه ابن ماجه: ٢/ ١١١ منه قوله: ((أقيموا حدود الله ......))، ورواه احمد ٥/ ٣١٦، ٣٢٦ نحوه

(١٢٧٤)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِلٰى جَنْبِ بَعِيْرٍ مِنَ الْمَقَاسِمِ، ثُمَّ تَنَاوَلَ شَيْئًا مِنَ الْبَعِيْرِ، فَأَخَذَ مِنْهُ قَرَدَةً - يَعْنِيْ: وَبَرَةً - فَجَعَلَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هٰذَا مِنْ غَنَائِمِكُمْ، أَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ، فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، فَمَا دُوْنَ

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین والے دن مالِ غنیمت کے اونٹ کے پہلو کی طرف منہ کر کے ہمیں نماز پڑھائی، (نماز سے فراغت کے بعد) آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں میں اس اونٹ کے بال پکڑے اور فرمایا: ''لوگو! یہ (بال) بھی تمھاری غنیمتوں کا حصہ ہیں، سوئی دھاگہ اور ان سے کم یا زیادہ قیمت والی چیزیں ادا کر دو، کیونکہ خیانت روزِ قیامت خائن کے لیے عار و شنار او

ذٰلِكَ ، فَإِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ عَلٰى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَشَنَارٌ وَنَارٌ.))

ذلت ورسوائی کا سبب ہوگی۔"

(الصحيحة: ٩٨٥)

تخریج:أخرجه ابن ماجه: ٢/ ١٩٧

(١٢٧٥)۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ كَانَ ﷺ يَأْخُذُ الْوَبَرَةَ مِنْ قُصَّةٍ مِنْ فَيْءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ: ((مَالِيْ مِنْ هٰذَا اِلَّا مِثْلُ مَالِاَحَدِكُمْ ، اِلَّا الْخُمُسَ ، وَهُوَ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ ، فَأَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ فَمَا فَوْقَهُمَا ، اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَاِنَّهٗ عَارٌ وَشَنَارٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.))

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے (ایک جانور کی) پیشانی کے بال پکڑے اور فرمایا: "اس میں میرا حصہ بھی وہی ہے جو تم لوگوں کا ہے، (یعنی) پانچواں حصہ میرا ہے اور وہ بھی تم میں تقسیم کر دیا جائے گا، لہٰذا دھاگہ، سوئی اور ان سے بھی کم قیمت والی چیزیں ادا کر دو، اور خیانت سے بچو، یہ قیامت کے روز خائن کے لیے عیب و رسوائی کا باعث بنے گی۔"

(الصحيحة: ٦٦٩)

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٢٧-١٢٨ ، والبزار: ٢/ ٢٩١/ ١٧٣٤ ، والطبراني في "الكبير": ١٨/ ٢٥٩/ ٦٤٩

شرح:...... مالِ فئ سے مراد وہ مالِ غنیمت ہے جو بلا جنگ حاصل ہو۔ اس سے بڑی رسوائی کیا ہوگی کہ خیانت کیا ہوا اونٹ یا گائے یا بکری وغیرہ روزِ قیامت خائن کے کندھے پر سوار ہو کر اپنی اپنی آواز نکال رہے ہوں گے۔

معاہدے کی پاسداری کرنا

(١٢٧٦)۔ سَلِيْمُ بْنُ عَامِرٍ يَقُوْلُ: كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ ، فَكَانَ يَسِيْرُ فِيْ بِلَادِهِمْ ، حَتّٰى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ ، وَإِذَا رَجُلٌ عَلٰى دَابَّةٍ ، أَوْ عَلٰى فَرَسٍ ، وَهُوَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، وَفَاءً لَاغَدْرَ (مَرَّتَيْنِ) فَإِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ السُّلَمِيُّ ، فَقَالَ لَهٗ مُعَاوِيَةُ: مَاتَقُوْلُ؟ قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے مابین معاہدہ تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ملک میں چل رہے تھے، یہاں تک کہ عہد کی مدت ختم ہوگئی، انھوں نے (موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) ان پر چڑھائی کر دی۔ ایک آدمی، جو کسی چوپائے یا گھوڑے پر سوار تھا، نے کہا: اللہ اکبر، عہد پورا کیجیے، عہد شکنی مت کیجیے۔ وہ حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ عمرو نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "اگر کسی آدمی نے کسی قوم سے کوئی

عُقْدَةً وَلَا يَشُدَّهَا حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهَا ، أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ۔)) (الصحيحة: ٢٣٥٧)

عہد کیا ہو تو وہ نہ عہد شکنی کرے اور نہ اس کو مضبوط کرے، یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے یا (ان سے دھوکے کے ڈر کی وجہ سے) انھیں معاہدہ توڑنے کی خبر دے (تاکہ مدمقابل بھی عہد توڑنے میں) اس کے برابر ہو جائے۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي:١/ ٢٤٠/ ٢٠٧٥، وابوداود: ١/ ٤٣٤، والترمذي: ١٥٨٠، واحمد: ٤/ ٣٨٥

شرح:...... مذکورہ حدیث میں عہد و پیمان کی مدت تو پوری ہو چکی تھی، دراصل بات یہ ہے کہ جب رومیوں سے معاہدہ طے ہوا تھا، اس وقت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ملک میں تھے۔ جب اس معاہدے کی مدت ختم ہو گی تو اس وقت بھی ان کو اپنے ملک میں ہی ہونا چاہیے تھا، نہ کہ وہ معاہدے کی مدت میں روم کے قریب پہنچ جائیں اور جونہی مدت ختم ہو تو ان پر چڑھائی کر دی جائے۔ ماحصل یہ ہے کہ جب معاہدے کی مدت ختم ہو تو دونوں فریق اپنے اپنے ممالک میں ہوں، پھر نئی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ (ماخوذ از تحفۃ الاحوذی)

امان دینے کے بعد قتل کر دینا بدترین دھوکہ ہے

(١٢٧٧)۔ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ شَدَّادٍ الْقِتْبَانِيِّ ، قَالَ: لَوْلَا كَلِمَةٌ سَمِعْتُهَا مِنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ الْخُزَاعِيِّ ، لَمَشَيْتُ فِيهَا بَيْنَ رَأْسِ الْمُخْتَارِ وَجَسَدِهِ، سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَمَّنَ رَجُلًا عَلٰى دَمِهِ فَقَتَلَهُ ، فَإِنَّهُ يَحْمِلُ لِوَاءَ غَدْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٤٤٠)

رفاعہ بن شداد قتبانی کہتے ہیں: اگر میں نے عمرو بن حمق خزاعی سے فلاں حدیث نہ سنی ہوتی تو مختار کے سر کو اس کے تن سے جدا کر دیتا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''جس نے کسی آدمی کو اس کی جان کی امان دی اور پھر اسے قتل کر دیا، وہ روزِ قیامت عہد شکنی کا جھنڈا اٹھائے آئے گا۔''

تخريج: رواه النسائي في "الكبرى": ٢/ ٥٢/ ٢۔سير، والبخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ٢٩٥، وابن ماجه: ٢/ ١٥٢۔١٥٣، والطحاوي في "المشكل": ١/ ٧٧، وأحمد: ٥/ ٢٢٣، ٢٢٤، والخرائطي في "المكارم": ٢٩، والطيالسي: ١٢٨٥، وابن حبان في "صحيحه": ١٦٨٢

شرح:...... پہلے یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ مومن کسی غیر مسلم کو ہر قسم کی پناہ دے سکتا ہے اور شریعت میں اس کی پناہ کا اتنا لحاظ رکھا گیا کہ دوسرے مسلمان کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اس کی پناہ کی مخالفت کرے۔ بہرحال جو ایسا کرے گا وہ عہد شکنی کے زمرے میں آئے گا۔

گمشدہ چیز کا حکم

(١٢٧٨)۔ عَنِ الْجَارُوْدِ مَرْفُوْعًا: ((ضَالَّةُ

حضرت جارود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔)) فرمایا: ''مسلمان کی گمشدہ چیز آگ کی لپٹ ہے۔''

(الصحيحة: ٦٢٠)

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٨٠، والدارمي: ٢/ ٢٦٦، والطبراني في "المعجم الصغير": صـ ١٧٤، و"الكبير": ١/ ١٠٢/ ٢

شرح:...... گمشدہ چیز کے بارے میں شریعت نے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ اٹھانے والا ایک سال تک اس کا اعلان کرے گا، ایک سال کے بعد اسے استعمال کرنے کی اجازت ہو گی، تین سال تک اعلان کرنا مستحب ہے، لیکن معینہ مدت کے اندر یا اس مدت کے بعد جب بھی مالک پہنچ جائے تو اسے وہ چیز لوٹانا پڑے گی۔ یہ حدیث اس آدمی کے بارے میں ہے جو مومن کی گمشدہ چیز اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ وہ اس پر قبضہ کر لے اور کسی کو نہ بتائے۔

(١٢٧٩)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ، وَمَنْ وَجَدَ لُقَطَةً مُصَرَّاةً، فَلَا يَحِلُّ لَهُ صِرَارُهَا حَتّٰى يُرِيَهَا۔)) (الصحيحة: ٦١١)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی اور دودھ والی بکری (جو عارضی طور پر عطیہ دی گئی ہو) لوٹا دی جائے گی، جس آدمی نے ایسی گری پڑی چیز اٹھائی، جسے دھاگے وغیرہ کے ساتھ باندھا ہوا ہو، تو اس کے لیے اسے کھولنا حلال نہیں، جب تک کسی دوسرے کو دکھا کر (اسے گواہ) نہ بنا لے۔''

تخريج: رواه ابن حبان في صحيحه: ١١٧٤، والنسائي

شرح:...... اس حدیث کے پہلے حصے کی وضاحت ''استفادہ کے بعد عاریہ اور منحہ کے طور پر لی ہوئی چیز واپس کر دینا'' میں کی جا چکی ہے۔

گمشدہ چیز اٹھانے والے کو چاہئے کہ عادل گواہ بنا لے، اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں:

(۱) بعد میں شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے نفس میں خیانت کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔

(۲) گمشدہ چیز کو پانے والے شخص کی موت کا خطرہ بھی ہو سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گواہ بنائے بغیر مر جائے اور اس کے ورثا اس چیز کو اس کا ترکہ سمجھ کر تقسیم کر لیں۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ اصل مالک کے شبہات کو دور کرنا مقصود ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی گم ہونے والی مختلف اشیا ہوں یا زیادہ مقدار والی چیز ہو، جبکہ اس شخص کو ایک چیز ملی ہو یا کم مقدار ہو، ایسے میں وہ اس پر خیانت کا الزام لگا سکتا ہے۔ شریعت کے اس حکم پر عمل کر لینے کی وجہ سے ان تمام شکوک و شبہات سے بچا جا سکتا ہے۔

مزید وضاحت: سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً

فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوَيْ عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يَغِيبُ ، ......)) ......''جو شخص کوئی گری پڑی چیز پا لے تو اس پر ایک یا دو عادل گواہ بنا لے اور اس کو نہ چھپائے اور نہ غائب کرے......''

آپ ﷺ کی قسم کے الفاظ

(۱۲۸۰)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: كَانَتْ أَكْثَرُ أَيْمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ((لَا وَمُصَرِّفِ الْقُلُوْبِ۔)) (الصحيحة: ۲۰۹۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زیادہ تر یہ قسم ہوتی تھی: لَا وَمُصَرِّفِ الْقُلُوْبِ۔ (نہیں، اور دلوں کو پھیرنے والے کی قسم)۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ۱/ ٦٤٤

(۱۲۸۱)۔ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ عَرَابَةَ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَلَفَ قَالَ: ((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ۔)) (الصحيحة: ۲۰٦۹)

حضرت رفاعہ بن عرابہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یوں قسم اٹھاتے تھے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه في "سننه": ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، وأحمد: ٤/ ١٦

شرح: ...... صرف اللہ تعالی کی قسم اٹھانی چاہئے۔ آپ ﷺ عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے قسم کا یہ انداز اختیار کرتے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ بھی قسم اٹھاتے تھے: لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ، وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ.

بہتر چیز کی خاطر قسم کا کفارہ ادا کرنا

(۱۲۸۲)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ إِذَا حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ لَا يَحْنَثُ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَفَّارَةَ الْيَمِيْنِ، فَقَالَ: ((لَا اَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَاَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ، ثُمَّ اَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ۔)) (الصحيحة: ۲۰٦۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب قسم اٹھاتے تھے تو اسے توڑتے نہیں تھے۔ جب اللہ تعالی نے قسم توڑنے کے کفارے کا حکم نازل کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب جب بھی میں قسم اٹھاؤں گا اور کسی دوسری چیز کو اس سے بہتر پاؤں گا، تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے بہتر چیز کو اختیار کروں گا۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٠١

شرح: ...... اللہ تعالی نے سورۂ مائدہ میں قسم کا یہ کفارہ بیان کیا ہے: دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر تینوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔

قسم کی تین اقسام ہیں، جن کی تفصیل ''وہ قسم ممنوع ہے، جس سے اہل وعیال کو تکلیف ہوتی ہے'' میں گزر چکی ہے۔

نامناسب کام پر اٹھائی ہوئی قسم کو کیسے پورا کیا جائے؟

(۱۲۸۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ حَلَفَ فِي قَطِيْعَةِ رَحِمٍ أَوْفِيْمَا لَا يَصْلُحُ فَبِرُّهُ أَنْ لَّا يُتِمَّ عَلٰى ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة:٢٣٣٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قطع رحمی پر یا نامناسب کام پر قسم اٹھائی، تو (شریعت میں) ایسی قسم کو پورا کرنا یہ ہے کہ اسے پورا نہ کیا جائے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:١/ ٦٤٨

شرح:...... لیکن درج ذیل حدیث میں ایسی قسم اٹھانے کا کفارہ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے: سیدنا مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اے اللہ کے رسول! میرا ایک چچا زاد ہے، میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس سے بعض چیزوں کا سوال کرتا ہوں، لیکن وہ مجھے کوئی چیز دیتا ہے نہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے۔ لیکن جب وہ میرا محتاج ہوتا ہے تو میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے سوال کرتا ہے۔ (یہ صورتحال دیکھ کر میں نے قسم اٹھالی کہ میں بھی نہ اسے کچھ دوں گا اور نہ اس سے صلہ رحمی کروں گا۔ ((فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَأُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِي وَفِي رِوَايَةٍ: كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ))...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں بہتر کام کروں اور اپنی قسم کا کفارہ دوں۔ ایک روایت میں ہے: ''تو اپنی قسم کا کفارہ دے۔'' (نسائی، ابن ماجہ)

جھوٹی قسم کا انجام جہنم ہے

(۱۲۸۴)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ مَصْبُوْرَةٍ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ بِوَجْهِهِ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:٢٣٣٢)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر بڑی تاکید کے ساتھ جھوٹی قسم اٹھائی، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سے تیار کر لے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:٢/ ٧٤، والزيادة له، والطبري في "تفسيره":٦/ ٥٣٣/ ٧٢٨٧، و الحاكم: ٤/ ٢٩٤، وأحمد:٤/ ٤٣٦، ٤٤١، وأبو نعيم في "الحلية":٦/ ٢٧٧

شرح:...... جھوٹی قسم اٹھانا کبیرہ گناہ ہے، اس کا کوئی کفارہ نہیں، ایسے شخص کو اس جرم سے توبہ تائب ہونا چاہیے اور آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔

دل کے ثابت قدم رہنے کی دعا اور وجہ

(۱۲۸۵)۔ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأُمِّ سَلَمَةَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ!

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المؤمنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے

مَا كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَائِهِ: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ.)) فَقِيْلَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: ((إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ، فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ.)) (الصحيحة: ۲۰۹۱)

پاس ہوتے تو کون سی دعا بکثرت پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ زیادہ تر یہ دعا پڑھتے تھے: ''اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔'' جب آپ ﷺ سے اس دعا کہ وجہ دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، (اس کی مرضی ہے کہ) جس کو چاہے (راہِ ہدایت پر) ثابت رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي ۳۵۱۷، وابن أبي شيبه في "الأيمان": رقم ٥٦ بتحقيقي، و أحمد: ٦/ ۳۰۲، ۳۱٥

شرح: ...... دین پر استقامت اور ثابت قدمی اختیار کرنے کے لیے درج ذیل دعا کرنی چاہیے۔

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ.))

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق اور پھر رجوع

(۱۲۸٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ: كَانَ ﷺ طَلَّقَ حَفْصَةَ، ثُمَّ رَاجَعَهَا۔ (الصحيحة: ۲۰۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی، پھر ان سے رجوع کر لیا تھا۔

تخریج: أخرجه أبوداؤد: ۲۲۸۳، والنسائي: ۲/ ۱۱۷، والدارمي: ۲/ ۱٦۰۔۱٦۱، وابن ماجه: ۲۰۱٦، وأبويعلى في "مسنده": ۱/ ٥۳، والحاكم: ۲/ ۱۹۷، والبيهقي: ۷/ ۳۲۱۔۳۲۲

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا ایک درج ذیل شاہد بھی بیان کیا: قیس بن زید کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، ان کے دو ماموں قدامہ اور عثمان، جو مظعون کے بیٹے تھے، ان کے پاس گئے، وہ رونے لگ گئیں اور انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ ﷺ نے سیر ہو جانے کی وجہ سے مجھے طلاق نہیں دی، نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے اور کہا: ((قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ علیہ السلام: رَاجِعْ حَفْصَةَ، فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ، وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ.)) ...... ''حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا: حفصہ سے رجوع کر لو، وہ تو بہت روزے رکھنے والی اور بہت قیام کرنے والی ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔'' (ابونعیم نے اس کو الحلية: ۲/ ٥۰ میں اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہے۔)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز ہے، اگرچہ وہ روزے رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہو۔ کبھی کبھار تو ایسے ہوتا ہے کہ میاں بیوی آپس میں شیر وشکر نہیں ہو پاتے اور بیوی اپنے خاوند کی

اطاعت کے سارے تقاضے پورے نہیں کر پاتی، نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے اور بسا اوقات بعض ایسے داخلی امور طلاق کا سبب بن جاتے ہیں کہ دوسرے لوگ جن پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ ان وجوہات کی بنا پر طلاق کو قاضی کی موافقت یا مخالفت پر موقوف کر دینا اس وقت کی سب سے بڑی کم عقلی اور بری بات ہے۔ اکثر حاکموں، قاضیوں اور خطیبوں کی زبانوں پر یہ حدیث رواں ہے: ((ابغض الحلال الی الله الطلاق۔)) ...... ''اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔'' جبکہ یہ ضعیف ہے، میں نے (ارواء الغليل: ٢٠٤٠) وغیرہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ (صحيحه: ٢٠٠٧)

بیوہ ہونے والی حاملہ کی عدت

(١٢٨٧)۔ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ اَبِيْهِ: اَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ تَعَالَتْ مِنْ نِفَاسِهَا بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِاَيَّامٍ، فَمَرَّ بِهَا اَبُوْ السَّنَابِلِ، فَقَالَ: اِنَّكِ لَا تَحِلِّيْ حَتّٰى تَمْكُثِيَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((كَذَبَ اَبُوْ السَّنَابِلِ، لَيْسَ كَمَا قَالَ، قَدْ حَلَلْتِ، فَانْكِحِيْ، اِذَا اَتَاكِ اَحَدٌ تَرْضِيْنَهُ فَاْتِيْنِيْ اَوْ اَنْبِئِيْنِيْ۔)) (الصحيحة: ٣٢٧٤)

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت حارث کا اپنے خاوند کی وفات کے (کچھ دن بعد بچہ پیدا ہوا) چند دن کے بعد وہ نفاس کے خون سے بھی پاک ہوگئی۔ ابو سنابل ان کے پاس سے گزرے اور کہا: تو اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں۔ جب اس نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو سنابل غلط کہہ رہا ہے، وہ حقیقت نہیں جو اس نے کہا، تو واقعی حلال ہو چکی ہے اور نکاح کر سکتی ہے، اگر کوئی پسندیدہ آدمی تجھے پیغامِ نکاح بھیجے تو میرے پاس آ جانا یا مجھے آگاہ کرنا۔''

تخريج: أخرجه سعيد بن منصور في "سننه": ٢/ ٣٥٠/ ١٥٠٦، والشافعي في "الام": ٥/ ٥٠٦، والبيهقي في "السنن": ٧/ ٧٢٩، وأحمد: ١/ ٤٤٧

شرح: ...... قرآن مجید کی رو سے بیوہ عورت کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، وہ جلدی ہو جائے یا دیر سے۔ اس حدیث میں سبیعہ کا بچہ چار ماہ اور دس دن سے پہلے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ اسی طرح اگر حاملہ عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت بھی وضع حمل ہوگی، نہ کہ تین حیض۔

سانپ کو ایک ضرب ہی کافی ہے

(١٢٨٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَفَاكَ الْحَيَّةَ ضَرْبَةٌ بِالسَّوْطِ، أَصَبْتَهَا أَمْ أَخْطَأْتَهَا۔))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سانپ کو کوڑے وغیرہ کی ایک ضرب کافی ہے، وہ لگے یا نہ لگے۔''

(الصحيحة: ٦٧٦)

تخريج: أخرجه أبو العباس الأصم في "حديثه": ١٥٠ ـ نسختي، والدارقطني في "الأفراد": ٣/ ٤٨ ـ نسختي، والبيهقي في "السنن": ٢/ ٢٢٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بیہقی (السنن: ٢/٢٦٦) نے اس کو روایت کیا اور کہا: اگر یہ حدیث صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمان سے آپ ﷺ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ ایک ضرب لگانے سے سانپ مارنے کا شرعی حکم انسان سے ساقط ہو جائے گا اور اگر سانپ اپنی کوشش و ہمت سے بچ نکلے تو اس کا مقدر، اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ صرف ایک ضرب ہی لگائی جائے، خدانخواستہ دوسری بار ایسا کر دیا تو حرام کے مرتکب ہو جائیں گے، (کیونکہ دیگر احادیث میں سانپ کو قتل کرنے کے الفاظ اور حکم بھی تو ہیں)۔

یہود و نصاری کو جزیرۂ عرب سے نکالنا

(١٢٨٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ: أَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، حَتّٰى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا۔)) (الصحيحة: ٩٢٤)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا اور یہاں مسلمان کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ١٦٠، وأبوداود: ٢/ ٤٣، والترمذي: ٢/ ٣٩٨ وصححه، وعبدالرزاق في "المصنف": ٦/ ٥٤/ ٩٩١٥، وعنه أحمد: ٢٠١ ـ طبعة شاكر

شرح:...... جزیرۃ العرب: بحر ہند، بحر شام، پھر دجلہ فرات نے جتنے علاقے پر قبضہ کیا ہوا ہے یا طول کے لحاظ سے عدن ابین کے درمیان سے لے کر اطراف شام تک کا علاقہ اور عرض کے اعتبار سے جدہ سے لے کر آبادی عراق کے اطراف تک کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔)) (بخاری، مسلم)...... ''مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز کی سرزمین سے یہود و نصاری کو جلا وطن کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہودیوں کو وہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت خیبر کی زمین تو اللہ تعالی، رسول اللہ اور مسلمانوں کی ہو چکی تھی۔ یہودیوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو خیبر میں رہنے دیا جائے، وہ کام کریں گے اور نصف پیداوار آپ ﷺ کو دیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور فرمایا: ''ہم جب تک چاہیں گے تم لوگوں کو یہاں

ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔'' سو وہ وہیں رہے، حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیما اور اریحا کے مقام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ (بخاری: ۲۳۳۸)

ممنوعہ نام

(۱۲۹۰)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَرْفُوْعًا: ((لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، لَأَنْهَيَنَّ أَنْ يُسَمّٰى: رَبَاحٌ وَنَجِيْحٌ وَأَفْلَحُ وَنَافِعٌ وَيَسَارٌ۔)) (الصحیحة: ۲۱٤۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالی نے چاہا اور میں زندہ رہا تو ان ناموں سے منع کر دوں گا: رَبَاح، نَجِیح، اَفْلَح، نَافِع، یَسَار۔''

تخریج: أخرجه الترمذی:۲/ ۱۳۶، وابن ماجه:۳۷۲۹، والطحاوی فی "مشکل الآثار":۲/ ۳۰۲، والحاکم:٤/ ۲۷٤، وأخرجه مسلم: ٦/ ۱۷۲ عن جابر بن عبد الله بلفظ: اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینهی عن ان یسمی بیعلی وببرکة وبافلح ویسار وبنافع وبنحو ذالك ......

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیح مسلم کی روایت کے مطابق سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ناموں سے منع فرما دیا تھا۔ اس کی مزید تفصیل "اَلزَّوَاجُ، وَالْعَدْلُ بَيْنَ الزَّوْجَاتِ وَتَرْبِيَّةُ الْأَوْلَادِ وَالْعَدْلِ بَيْنَهُمْ وَتَحْسِيْنُ أَسْمَائِهِمْ" میں ''ممنوعہ نام'' کے عنوان کے تحت آئے گی۔

ان الفاظ کے معانی یہ ہے: رَبَاح (نفع، کامیابی)، نَجِیح (معقول، صابر، ثابت قدم)، اَفْلَح (کامیاب، بامراد)، نَافِع (نفع مند)، یَسَار (آسودگی، خوشحالی)۔

دماغی چوٹ میں قصاص کی مقدار

(۱۲۹۱)۔ عَنْ طَلْحَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَيْسَ فِيْ الْمَأْمُوْمَةِ قَوَدٌ۔)) (الصحیحة: ۲۱۹۰)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دماغی چوٹ کا قصاص نہیں ہے۔''

تخریج: أخرجه البیهقی:۸/ ٦٥

شرح:...... ''مامومہ'' ایسے زخم کو کہتے جو دماغ تک پہنچ جائے۔ ایسے زخم میں قصاص نہیں لیا جا سکتا، صرف دیت لی جا سکتی ہے، جو کہ تینتیس (۳۳) اونٹ ہیں، الا یہ کہ متعلقہ فرد معاف کر دے۔

یہود و نصاری سے مشابہت اختیار کرنا اور محض اشارے کے ذریعے سلام کرنا

(۱۲۹۲)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى، فَإِنَّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو دوسروں سے مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت اختیار نہ

تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الإِشَارَةُ بِالأَصَابِعِ، وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الإِشَارَةُ بِالأَكُفِّ.))
(الصحيحة: ٢١٩٤)

کرو، یہودیوں کا سلام انگلیوں سے اشارہ کرنا ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢٦٩٦، والطبراني في "الاوسط": ص ٢٦٧

شرح:...... آج کل مسلم معاشرے میں یہ مشابہت عام پائی جا رہی ہے، لوگ ہاتھ کا اشارہ کرنے یا سر جھکانے کو ہی کافی سمجھ بیٹھے ہیں، بلکہ بعض ناعاقبت اندیشوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو کر بھی یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں، حالانکہ مصافحہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی پناہ)

دو مقامات پر شریعت نے اشارہ کے ساتھ سلام کہنے یا جواب دینے کی تخصیص کر دی ہے:

(۱) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب کیسے دیتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: يَقُوْلُ هٰكَذَا وَبَسَطَ كَفَّهُ۔ اس طرح کرتے تھے، پھر (کیفیت بیان کرنے کے لیے) اپنا ہاتھ پھیلایا۔ (ابوداود، ترمذی)

امام نافع کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اسے سلام کہا، اس نے بول کر جواب دیا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف پلٹ کر آئے اور اسے کہا: جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے سلام کہا جائے تو وہ بول کر جواب نہ دے، بلکہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرے۔ (موطا امام مالک)

ثابت ہوا کہ نمازی لوگوں کو سلام کہنا چاہئے اور نمازیوں کو چاہئے کہ اشارہ کے ساتھ جواب دے دیا کریں۔

(۲) عورتوں کو سلام کہنا: سیدہ اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں عورتوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ان کو سلام کہا۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ) اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب راوی بعض محققین کے نزدیک حسن الحدیث ہے۔

وہ امور مباح ہیں، جن سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے

(١٢٩٣)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ، فَاقْبَلُوا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَتَهُ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾))
(مريم: ٦٤) (الصحيحة: ٢٢٥٦)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا وہ حلال ہے جو حرام کیا وہ حرام ہے اور جن چیزوں سے خاموشی اختیار کی ہے وہ معاف ہیں، تم اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی قبول کرو ''اور تیرا ربّ بھولنے والا نہیں ہے۔'' (سورۂ مریم: ٦٤)۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني في "سننه": ۲/ ۱۳۷/ ۱۲، والحاكم: ۲/ ۷۵، وعنه البيهقي: ۱۰/ ۱۲، والبزار في "مسنده": ۱/ ۷۸/ ۱۲۳، كشف الأستار، والطبراني في "مسند الشاميين": ۲۱۶، والطبراني في "الكبير"

شرح: ...... نیز نبی کریم ﷺ نے بھی کئی چیزوں کی حلت و حرمت کا حکم لگایا جو در اصل قرآن کا ہی حکم ہے، ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس حدیث مبارکہ سے یہ سبق حاصل ہوا کہ جس چیز کے حلال یا حرام ہونے کا واضح تذکرہ شریعت میں نہ ملے تو اسے حلال سمجھا جائے۔

لیکن ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ قانون معاملات کے بارے میں ہے، عبادات کے بارے میں نہیں، کیونکہ عبادت کی کوئی بھی صورت ہو، اسے ادا کرنے کے لیے شرعی دلیل چاہیے اور معاملات کی کوئی صورت ہو، اس سے رکنے کی دلیل چاہیے۔

نومولود بچہ کب وارث بنتا ہے؟

(۱۲۹٤)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ، وُرِّثَ۔)) (الصحيحة: ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بچہ (بعد از ولادت) چلائے گا تو تب اسے وارث بنایا جائے گا۔''

تخريج: رواه أبوداود: ۲۹۲۰، عن محمد بن أسحاق عن يزيد بن قسيط عن أبي هريرة مرفوعا، وعن أبي داود رواه البيهقي: ٦/ ۲۵۷

شرح: ...... اگرچہ ماں کے پیٹ میں حمل کے چار ماہ بعد بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، لیکن وارث بننے کے لیے ضروری ہے کہ پیدائش کے بعد بچے میں زندگی کی کوئی علامت نظر آئے۔

(۱۲۹٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَا يَرِثُ الصَّبِيُّ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ صَارِخًا، وَاسْتِهْلَالُهُ أَنْ يَّصِيْحَ أَوْ يَعْطُسَ أَوْيَبْكِيَ۔)) (الصحيحة: ۱۵۲)

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک (نو مولود) بچہ روتا نہیں، اس وقت تک اسے وارث نہیں بنایا جاتا، اس کا رونا یہ ہے کہ وہ چیخے یا چھینکے یا روئے۔''

تخريج: رواه ابن ماجه: ۲۷۵۱، والطبراني في "الأوسط": ۲/ ۱۵۳/ ۲

شرح: ...... اگر بچے کی پیدائش کے بعد اس میں زندگی کی کوئی علامت نظر نہ آئے تو وہ وارث نہیں بنے گا۔

جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو، وہ بھی وارث بن سکتا ہے

(۱۲۹٦)۔ قَالَ ﷺ: ((مَنْ أَسْلَمَ عَلٰى يَدَيْهِ رَجُلٌ فَهُوَ مَوْلَاهُ۔)) رُوِيَ مِنْ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگا، وہی اس کا حلیف ہوگا۔'' یہ حدیث حضرت ابو امامہ،

حَدِيْثِ أَبِیْ أُمَامَةَ ، وَتَمِيْمٍ الدَّارِيِّ ، وَرَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ مُرْسَلاً))

حضرت تمیم داری اور حضرت راشد رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(الصحيحة: ٢٣١٦)

تخريج: (١)۔ أما حديث أبی أمامة: فأخرجه سعيد بن منصور فی "سننه":٣/ ١/ ٥٦، وأبو حامد الحضرمی فی "حديثه":١٥٧/ ٢، والدارقطنی فی "سننه":٥٠٢، والبيهقی فی:١٠/ ٢٩٨، والطبرانی فی "الكبير": ٨/ ٢٢٣/ ٧٧٨١، وابن عساكر فی "التاريخ":١٦/ ٣٩٢/ ٢

(٢)۔ وأما حديث تميم: فأخرجه أبو عمرو بن السماك فی "حديثه": ٢/ ٢٥/ ١، وعنه البيهقی: ١٠/ ٢٩٦، وأبوداود: ٢/ ٢٠، والحاكم:٢/ ٢١٩، والبيهقی:١٠/ ٢٩٦، ٢٩٧، والطبرانی فی "الكبير": ١٢٧٣، والترمذی: ٢١١٣، وابن ماجه: ٢/ ١٧١، والدارقطنی، وأحمد: ٤/ ١٠٣، وابن أبی شيبة فی "المصنف": ١١/ ٤٠٨

(٣)۔ وأما حديث راشد: فأخرجه سعيد بن منصور: ١/ ٦٠

شرح:...... جو حدیث سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول: اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ۔)) ......"وہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں سب سے زیادہ اس پر حق رکھتا ہے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجه، بخاری معلقا) یاد رہے کہ سیدنا تمیم رضی اللہ عنہ ۹ ھ میں مسلمان ہوئے۔ (فتح الباری: ۱۲/ ۵۳)

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام عبداللہ بن مبارک نے کہا: دوسرے تمام ورثا کی عدم موجودگی میں ایسا آدمی وارث بنے گا اور امام ثوری نے کہا: یہ وارث بنے گا اور یہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق)

سعید بن منصور کی روایت میں "يَرِثُهُ وَيَعْقِلُ عَنْهُ" کی زیادتی ہے، لیکن اس کی سند میں احوص بن حکیم راوی ضعیف الحفظ ہے، جس کے متعلق امام البانی نے کہا: "فَيُسْتَشْهَدُ بِهِ"۔ (صحيحه: ٢٣١٦)

امام مبارکپوری نے کہا: دو احتمال ہیں: (۱) یہ حدیث توارث بالاسلام پر دلالت کرتی ہے، جو کہ منسوخ ہو گیا ہے۔ (۲) اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ وہ زندگی میں اس کی مدد کرے اور موت کے بعد اس کی نماز جنازہ ادا کرے۔ (تحفة الاحوذی: ٣/ ١٨٥)

امام خطابی نے کہا: ممکن ہے کہ یہ حدیث میراث سے متعلق ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کا مدلول عہد و پیمان، ایثار و قربانی اور برّ وصلہ ہو۔ (تحفة الاحوذی: ٣/ ١٨٥، عون المعبود: ٣/ ٨٧)

لیکن سیدنا تمیم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق ابتدائے اسلام سے نہیں ہے، اخیر اسلام کے دور

سے ہے، اس لیے یہی مناسب ہے کہ اس سے مرادِ حقِ وراثت لیا جائے۔ رہا مسئلہ نصرت و تائید اور نماز جنازہ میں شرکت وغیرہ کا، تو ان حقوق کی ادائیگی میں سب مسلمان برابر ہیں۔ (واللہ اعلم)

غیر وارثوں سے معاہدۂ میراث منسوخ ہو گیا

(۱۲۹۷)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَاكَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَمَسَّكُوْا بِهِ، وَلَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ.)) (الصحيحة: ۲۲٦۲)

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو معاہدہ دور جاہلیت میں طے پایا، اس کی پابندی کرو اور اسلام میں ایسا کوئی معاہدہ مؤثر نہیں ہوگا (جو کسی کو بلاسبب وارث بنائے)۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٦١

شرح:...... حدیث کے پہلے حصے میں جس عہد و پیمان پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے اس سے مراد راہِ حق میں ایک دوسرے کی مدد اور حق کی نشر و اشاعت کے لیے باہمی اتحاد و تعاون ہے اور دوسرے حصے میں جس معاہدے سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد ایک دوسرے کا وارث بننے کا عہد و پیمان یا مہاجر اور انصاری کا اسلام کی بنا پر آپس میں رشتۂ وراثت ہے، جو ابتدائے اسلام میں جائز تھا، لیکن بعد میں منسوخ کر دیا ہے۔ اب میراث کے تین اسباب باقی رہ گئے ہیں: نسب، نکاح، ولاء۔

حاکم کے دو ہم راز اور ان کی ذمہ داری

(۱۲۹۸)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ وَّالٍ إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوْهُ خَبَالًا، فَمَنْ وُقِيَ شَرَّهَا فَقَدْ وُقِيَ وَهُوَ مِنَ الَّتِيْ تَغْلِبُ عَلَيْهِ مِنْهُمَا.)) (الصحيحة: ۲۲۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر حاکم کے دو ہم راز ہوتے ہیں، ایک ہم راز اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور دوسرا اس کی ہلاکت و تباہی کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ جو حاکم اس کے شرّ سے بچ گیا، وہ تو محفوظ ہو گیا اور ہے بھی یہی جو غالب آ جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ١٨٦-١٨٧، والطحاوي: ٣/ ٢٢-٢٣، والبخاري معلقا: ٤/ ٤٠١، وأحمد: ٢/ ٢٣٧، ٢٨٩، والترمذي: ٢/ ٥٨

شرح:...... حافظ ابن حجر نے کہا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل حدیث اس حدیث کے معنی میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ عَمَلًا فَاَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرًا صَالِحًا اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ.)) ......''جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ذمہ دار بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے نیک وزیر عطا کرتا ہے، اگر وہ بھول جائے تو وہ اسے یاد کراتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی

اعانت کرتا ہے۔'' ابن التین نے کہا: ممکن ہے کہ دو ہم رازوں سے مراد دو وزیر ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد فرشتہ اور شیطان ہوں۔ جبکہ کرمانی کا خیال ہے کہ ان سے نفسِ امارہ اور نفسِ مطمئنہ بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ (فتح الباری: ۱۳/۲۳۶)

حافظ ابن حجر نے اس بحث سے پہلے اشہب کا قول نقل کرتے ہوئے کہا: حاکم کو چاہیے کہ لوگوں کے احوال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے، با اعتماد، مامون، سمجھدار اور عقلمند لوگوں کی تقرری کرے، کیونکہ جب وہ غیر معتمد لوگوں کو معتبر سمجھنا شروع کرتا ہے، اس وقت تباہیاں حاکم کا مقدر بن جاتی ہیں۔ (فتح الباری: ۱۳/۲۳۶)

درج ذیل حدیث سے بھی اس موضوع کی خوب توضیح ہو رہی ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ: اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ، وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ غَيْرَ ذَالِكَ جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ سُوْءٍ: اِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَاِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ۔)) ...... ''جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے سچا وزیر عطا کر دیتے ہیں، جب وہ بھولتا ہے تو وہ اسے یاد کراتا ہے اور اگر اسے یاد ہوتا ہے تو وہ اس کی معاونت کرتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے ساتھ دوسرا ارادہ کرتے ہیں تو اسے برا وزیر دے دیتے ہیں، جب وہ بھول جاتا ہے تو وہ اسے یاد نہیں کراتا اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی مدد نہیں کرتا۔'' (ابو داود: ۲۹۳۲)

خلافِ شریعت امور کو روکنا باعثِ نجات اور نہ روکنا باعثِ ہلاکت ہے

(۱۲۹۹)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: ((مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَالرَّاتِعِ) فِيْهَا وَالْمُدْهِنِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فِي الْبَحْرِ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا وَأَوْعَرَهَا فَكَانَ الَّذِيْ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: الَّذِيْنَ) فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ فَمَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَتَأَذَّوْا بِهٖ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا يَصْعَدُوْنَ فَيَسْتَقُوْنَ الْمَاءَ، فَيَصُبُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا، فَقَالَ الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُوْنَ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود کو قائم کرنے والا ہے اور اس کی جو ان حدود میں مبتلا ہونے اور کوتاہی کرنے والا ہے، ان لوگوں کی طرح ہے (جو ایک کشتی میں سوار ہوئے) انھوں نے کشتی کے (اوپر اور نیچے والے حصوں کے لیے) قرعہ اندازی کی، پس ان میں سے بعض اس کی بالائی منزل پر اور بعض نچلی منزل پر بیٹھ گئے، نچلی منزل والوں کو جب پانی لینے کی طلب ہوتی تو وہ اوپر آتے اور بالا نشینوں سے گزرتے، لیکن انھیں ناگوار گزرتا (ایک روایت میں یوں ہے: نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر چڑھتے، تو اوپر والے لوگوں پر پانی گر جاتا تھا، اس لیے اوپر والی منزل کے لوگوں نے کہا: ہم تمھیں اوپر نہیں آنے دیں

فَتُـؤْذُونَـنَا) فَقَالُوْا: لَوْأَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا فَاسْتَقَيْنَا مِنْهُ وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَلَـمْ نَـمُـرَّ عَلٰى أَصْحَابِنَا فَنُؤْذِيَهُمْ) فَـأَخَـذَ فَـأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ، فَـأَتَـوْهُ فَقَالُوْا: مَا لَكَ؟ قَالَ: تَأَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُـدَّلِيْ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا، هَلَكُوْا جَمِيْعًا، وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ، نَجَوْا وَأَنْجَوْا جَمِيْعًا۔))

(الصحيحة: ٦٩)

گے، تم اوپر چڑھ آتے ہو اور ہمیں تکلیف دیتے ہو) انھوں نے سوچا کہ اگر ہم اپنے نیچے والے حصے میں سوراخ کر لیں اور اس سے پانی حاصل کر لیں، تاکہ اوپر والوں کو تکلیف نہ ہو (اور ایک روایت میں ہے: تاکہ ہم اوپر والوں کے پاس سے گزر کر انھیں تکلیف نہ دیں)۔ (اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے) ایک آدمی نے کلہاڑا پکڑا اور کشتی کے نچلے حصے میں کریدنا شروع کر دیا۔ اوپر والے لوگ اس کے پاس آئے اور کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: تم تکلیف محسوس کرتے ہو اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے۔ اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کو اور ان کے ارادے کو نظر انداز کر دیں گے تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر وہ انھیں پکڑ لیں تو خود بھی نجات پا جائیں گے اور ان کو بھی بچا لیں گے۔''

تخريج: رواه البخاري: ۲/ ۱۱۱و۱٦٤، والترمذي: ۲/ ۲٦، والبيهقي: ۱۰/ ۲۸۸، وأحمد: ٤/ ۲٦۸ و ۲۷۰و ۲۷۳، وهو عند ابن حبان: ۱/ ۲۵۸/ ۲۹۷و ۲۹۸ و ۳۰۱ مختصرا، مطولا۔

شرح:...... اس میں علمائے اسلام کی بہت بڑی ذمہ داری کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے علم شریعت کی جتنی سمجھ بوجھ حاصل کی ہے، اسے دوسروں تک پہنچائیں اور تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بروں کو برائی سے روکیں، وگرنہ ان کے گناہوں کی نحوست سے نیکوکار اور مبلّغین بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی دلیل کی عزت کرنا

(۱۳۰۰)۔ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ أَجَلَّ سُلْطَانَ اللّٰهِ أَجَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ۲۲۹۷)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی دلیل و حجت کی تعظیم کی، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی تعظیم کرے گا۔''

تخريج: رواه ابن أبي عاصم في "السنه": ۹۹/ ۲، ورواه احمد: ۵/ ٤۲، ٤۸ نحوه، و أخرجه الطيالسي: ۲/ ۱٦۷ الشطر الثاني منه

شرح:...... دنیا کی زندگی میں انسان کا گراں مایہ متاع قرآن وحدیث ہیں۔ جو آدمی موجودہ معاشرے اور دورِ حاضر کی تہذیب و ثقافت کا لحاظ رکھے بغیر قرآن وحدیث کی تمام شقوں پر عمل پیرا ہو گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تعظیم پائے گا۔

مردہ زمین آباد کرنے کا اجر وثواب

(١٣٠١)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً لَهُ بِهَا أَجْرٌ، وَمَا أَكَلَتْ مِنْهُ الْعَافِيَةُ فَلَهُ بِهِ أَجْرٌ۔)) (الصحيحة: ٥٦٨)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بنجر زمین آباد کو کیا اسے اجر ملے گا اور روزی کے متلاشی وہاں سے جو کچھ کھائیں گے، اس کے بدلے بھی اسے اجر ملے گا۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٣/ ٣١٣

شرح:...... ہر دور میں لوگوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے میں زمین کو مرکزی کردار کی حیثیت حاصل رہی، کوئی جتنی مرضی ترقی کر جائے، اس کی ترقی کا دارو مدار زمین پر ہوگا، اس لیے زمین کو کاشت کے قابل بنانا ایسا صدقہ جاریہ ہے، جو عرصۂ دراز تک باقی رہنے والا ہے۔ رہا اس کی پیداوار کا مسئلہ تو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مَا مِنْ مُسْلِمٌ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ اَحَدٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔) (مسلم) ...... ''جب کوئی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو جو جانور اس سے جتنا کھاتا ہے، اتنا اس کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے، اس سے جتنی مقدار کی چیز چوری کر لی جاتی ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہوتی ہے اور جو کوئی اس میں کسی قسم کی کمی کرتا ہے، اس کے لیے روزِ قیامت تک کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔''

زمین پر ناجائز قبضے کا انجام

(١٣٠٢)۔ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا، كُلِّفَ أَنْ يَحْمِلَ تُرَابَهَا إِلَى الْمَحْشَرِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٢)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''جس نے ناحق زمین غصب کر لی، اسے محشر تک اس کی مٹی اٹھا کر لے جانے کی تکلیف دی جائے گی۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٧٢، ١٧٣

شرح:...... ایک مسلمان کا مال جان اور عزت وحرمت دوسرے مسلمان پر حرام ہے، مسلمان کے مال کی کتنی حرمت ہے جو کوئی کسی کی جتنی زمین پر ناجائز قبضہ کرے گا اسے یہ عذاب دیا جائے گا کہ وہ اس مقبوضہ حصے کی مٹی کو کندھا دے۔ کیا اتنا وزن اٹھانا کسی کے بس کی بات ہے؟ لیکن بہر حال اٹھانا پڑے گا۔

غیر باپ کی طرف نسبت کرنے کا وبال

(١٣٠٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ فَلَنْ يَرُوْحَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَرِيْحُهَا يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ سَبْعِيْنَ عَامًا۔)) (الصحيحة: ٢٣٠٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا اور اس کی خوشبو تو ستر سال کی مسافت دور سے محسوس کی جاتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٢/ ١٧١/ ١٩٤، والخطيب:٢/ ٣٤٧

شرح:...... اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی کسی وجہ سے اپنا نسب بدل دیتا ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کسی بزرگ یا چچوں کو ''ابو'' کہہ کر بلانے اور اسی طرح چھوٹے بچوں کو ''بیٹا'' کہہ کر پکارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسے یوں کہا: (یا بُنَيَّ۔) ......''اے میرے چھوٹے سے (یا پیارے سے) بیٹے۔'' (ترمذی)

(١٣٠٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنِ انْتَفٰى مِنْ وَّلَدِهٖ لِيَفْضَحَهٗ فِي الدُّنْيَا، فَضَحَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْأَشْهَادِ، قِصَاصٌ بِقِصَاصٍ۔)) (الصحيحة: ٣٤٨٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بیٹے کو دنیا میں بدنام کرنے کے لیے اس کے بیٹا ہونے کی نفی کر دی، اللہ تعالی اسے روزِ قیامت حاضرین کے سامنے رسوا کرے گا۔ یہی برابر کا بدلہ ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٦، ومن طريقه: الطبراني في "المعجم الكبير": ١٢/ ٤٠٠/ ١٣٤٧٨، و "المعجم الأوسط": ٤/ ٣١٢/ ٤٢٩٧ - حرمين، وعنه أبونعيم في "الحلية": ٩/ ٢٢٣

شرح:...... اللہ تعالی نے نسبتوں کے جو اصول قائم کر دیے ہیں، ان پر راضی ہونا تقاضۂ بندگی ہے۔ اسی میں عزتیں ہیں اور اسی میں عظمتیں ہیں۔ جو آدمی ذاتی مقاصد کو مدّنظر رکھ کر اللہ تعالی کے ان اصول کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، اللہ تعالی بھی اس سے ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' کا معاملہ کرے گا اور حشر کے میدان میں اسے ذلیل اور رسوا کر دے گا۔

امانت میں رکھی گئی چیز کی ضمانت کس پر ہے؟

(١٣٠٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((مَنِ اسْتُوْدِعَ وَدِيْعَةً فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة: ٢٣١٥)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، اس پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه:٢/ ٧٣، والدارقطني:ص٣٠٦، وعنه البيهقي:٦/ ٢٨٩، و الخلعي في "الفوائد"

شرح:...... اگر اس قسم کی کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے، تو امین پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی، بشرطیکہ ضائع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہ ہو۔

باطل پر ظالم کی مدد کرنے کا انجام

(١٣٠٦)- عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ أَعَانَ ظَالِمًا بِبَاطِلٍ لِيُدْحِضَ بِبَاطِلِهِ حَقًّا فَقَدْ بَرِئَ مِنْ ذِمَّةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهِ۔)) (الصحيحة ١٠٢٠)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ظالم کی ناحق مدد اس لیے کی تاکہ اس کے باطل کے ذریعے حق کو مٹا دے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت و ضمانت سے بری ہو گیا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير"، والحاكم: ٤/ ١٠٠، والخطيب: ٦/ ٧٦

شرح:...... چونکہ ہمارے ہاں اکثر لوگوں دوستی کا تعلق اسلام اور ایمان کی بنیاد پر نہیں، بلکہ سیاست یا قرابتداری یا کسی اور بنا پر ہوتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب ایک دوست کی کسی سے لڑائی ہو جاتی ہے، تو دوسرے دوست کو ہر صورت میں اس کا معاون ثابت بننا پڑتا ہے، اگرچہ لڑائی میں زیادتی کرنے والا وہی ہو۔ ناحق تائید ونصرت کے مواقع سیاست کی بنیاد پر یا الیکشن کے وقت زیادہ پیش آتے ہیں۔ شریعت میں ہر مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ لڑنے والے ہر دو یا زائد مسلمانوں میں صلح کروائے، چہ جائیکہ وہ بھی باطل بنیادوں اور جماعتی و خاندانی تعصب کو مدنظر رکھ کر دوسروں کے ساتھ مل کر مدمقابل کی پٹائی کرنا شروع کر دے یا اس سے قطع تعلقی اختیار کر لے۔

(١٣٠٧)- عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ أَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ بِظُلْمٍ، أَوْ يُعِيْنُ عَلٰى ظُلْمٍ، لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔)) (الصحيحة: ١٠٢١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ظلم کرتے ہوئے کسی جھگڑے یا ظلم پر تعاون کرتا ہے، وہ جب تک باز نہیں آ جاتا، اللہ تعالی کی ناراضگی میں رہتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٥٢، والحاكم: ٤/ ٩٩

عمری اور رقبی کی تعریف اور ان کے احکام

(١٣٠٨)- عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أُعْمِرَ شَيْئًا فَهُوَ لِمُعْمَرِهِ، مَحْيَاهُ وَمَمَاتَهُ، وَلَا تُرْقِبُوْا، فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيْلُهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: سَبِيْلُ الْمِيْرَاثِ۔)) (الصحيحة: ٣٥٦٤)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو کوئی چیز بطورِ عمری دی گئی تو وہ اسی کی ہو جائے گی، وہ زندہ رہے یا مر جائے۔ کسی کو کوئی چیز بطورِ رقبی نہ دیا کرو، جس نے کوئی چیز بطورِ رقبی دی تو وہ وراثت کے حکم میں آ جائے گی۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٣٥٥٩، والنسائي: ٢/ ١٣٥، وابن ماجه: ٢٣٨١- مختصر-، وكذا ابن حبان:

۱۱٤۹، ۱۱۵۰، وأحمد: ۵/ ۱۸۲، ۱۸٦، ۱۷۹، والطبراني في "المعجم الكبير: ۵/ ۱۷۹ ـ ۱۸۲

شرح:......

عمریٰ: ایک ایسا معاملہ ہے جس میں ایک چیز کسی کی ملکیت میں اس کی زندگی بھر یا اصلی مالک کی زندگی بھر کے لیے دی جاتی ہے۔

رقبیٰ: ایک شخص کا دوسرے کو کوئی چیز اس شرط پر دینا کہ دونوں میں سے جو پہلے مر جائے وہ چیز زندہ رہنے والے کی ہوگی۔

ہمارے ہاں عمریٰ اور رقبیٰ کا رواج نہیں ہے، بہرحال جو آدمی ایسے انداز میں کوئی چیز دے گا تو اس سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے اسی کی ہو جائے گی، جسے بطورِ عمریٰ یا بطورِ رقبیٰ دی جاتی ہے۔

شریعت کی نافرمانی میں خلیفہ کی کوئی اطاعت نہیں

(۱۳۰۹)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ عَلْقَمَةَ بْنِ مُجَزِّزٍ عَلٰى بَعْثٍ وَأَنَا فِيْهِمْ، فَلَمَّا انْتَهٰى إِلٰى رَأْسِ غَزَاتِهِ، أَوْكَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ اسْتَأْذَنَتْهُ طَائِفَةٌ مِّنَ الْجَيْشِ، فَأَذِنَ لَهُمْ، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسٍ السَّهْمِيَّ، فَكُنْتُ فِيْمَنْ غَزَا مَعَهٗ فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ، أَوْقَدَ الْقَوْمُ نَارًا لِّيَصْطَلُوْا أَوْ لِيَصْنَعُوْا عَلَيْهَا صَنِيْعًا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ، وَكَانَتْ فِيْهِ دُعَابَةٌ: أَلَيْسَ لِيْ عَلَيْكُمُ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ: فَمَا أَنَا بِآمِرِكُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا صَنَعْتُمُوْهُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ قَالَ: فَإِنِّيْ أَعْزِمُ عَلَيْكُمْ إِلَّا تَوَاثَبْتُمْ فِيْ هٰذِهِ النَّارِ فَقَامَ نَاسٌ فَتَحَجَّزُوْا فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّهُمْ وَاثِبُوْنَ قَالَ: أَمْسِكُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّمَا كُنْتُ أَمْزَحُ مَعَكُمْ، فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علقمہ بن مجزز رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر، (جس میں میں بھی تھا) کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ غزوہ کی جگہ پر پہنچا یا راستے میں تھا، تو لشکر کے ایک حصے نے اس سے اجازت طلب کی، اس نے اجازت دے دی اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیا، میں بھی انہی کے ساتھ غزوہ کرنے والوں میں تھا۔ وہ راستے میں ہی تھا کہ اس نے گرمی حاصل کرنے کے لیے یا کوئی چیز پکانے کے لیے آگ جلائی۔ لشکر کے امیر عبد اللہ نے کہا، جن کے مزاج میں خوش طبعی پائی جاتی تھی، کیا تمھارے لیے ضروری نہیں کہ تم میرا حکم سنو اور مانو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: میں تمھیں جس چیز کا حکم دوں گا، تم اس کی تعمیل کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ اس نے کہا: میں تمھیں سختی کے ساتھ حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں کود پڑو۔ لوگوں نے کمروں پر پٹیاں باندھ لیں۔ جب اسے گمان ہوا کہ یہ آگ میں کودنے والے ہیں، تو ان سے کہا: ٹھہر جاؤ، میں تو تمھارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے

اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَمَرَكُمْ مِنَ الْوُلَاةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيْعُوْهُ.)) (الصحيحة: ٢٣٢٤)

تو یہ سارا واقعہ آپ ﷺ کو سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو امرا تمھیں (اللہ تعالی کی) نافرمانی کا حکم دیں، ان کی اطاعت کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٢٠١، ٢٠٢، وابن حبان: ١٥٥٢، وأحمد: ٣/ ٦٧

شرح: ...... اس واقعہ سے دو اہم مسائل کا استنباط ہوتا ہے: (۱) صحابہ کرام میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت کا جذبہ، کہ انھوں نے امیر کی اطاعت کے متعلقہ حکمِ نبوی کو مدنظر رکھ کا آگ میں کود جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ (۲) جب اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو کسی کی اطاعت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

اس چھت پر سونا منع ہے، جس پر آڑ نہ ہو

(١٣١٠)۔ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ بَاتَ فَوْقَ بَيْتٍ لَيْسَ لَهُ إِجَّارٌ فَوَقَعَ فَمَاتَ، فَبَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ، وَمَنْ رَكِبَ الْبَحْرَ عِنْدَ ارْتِجَاجِهِ فَمَاتَ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ)) (الصحيحة: ٨٢٨)

ایک صحابیٔ رسول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ایسے گھر کی چھت پر سوئے، جس پر کوئی پردہ (اور آڑ) وغیرہ نہ ہو، اور گر کر مر جائے تو اس کی کوئی ضمانت اور (ذمہ) نہ ہو گا۔ اسی طرح جو سمندری سفر کرے، اس حال میں کہ سمندر طلاطم خیز ہو، اور وہ (ڈوب کر) مرے جائے تو اس کا بھی کوئی ذمہ نہ ہو گا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٧٩

شرح: ...... معلوم ہوا کہ انسان اپنی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے، اگر بظاہر اسے اپنی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالی کی طرف سے کسی قسم کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو گی۔

اللہ تعالی نے امتِ مسلمہ کے لیے جو شرعی قوانین وضع کیے ہیں، ان میں انسانیت کے جان، مال اور عزت، غرضیکہ ہر چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ میں دو آدمیوں کو جانتا ہوں۔ جو نیند کی حالت میں چھت پر باڑ نہ ہونے کی وجہ سے گر کر شدید زخمی ہو گئے تھے۔

غلام کا غیر آقا سے تعلق رکھنا منع ہے

(١٣١١)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ، فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِيْمَانِ مِنْ عُنُقِهِ)) (الصحيحة: ٢٣٢٩)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے غیر آقاؤں سے تعلق رکھا، اس نے اپنی گردن سے ایمان کا کڑا اتار پھینکا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٣٢، والبخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ١٤٣

شرح: ...... غلام مکمل طور پر اپنے آقا کا پابند ہوتا ہے۔ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ۔)) (مسلم) ...... ''جب غلام (اپنے آقا سے) فرار ہو جاتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

گھڑ دوڑ کے دوران جانبدارانہ شور مچانا منع ہے

(۱۳۱۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ جَلَبَ عَلَى الْخَيْلِ يَوْمَ الرِّهَانِ، فَلَيْسَ مِنَّا۔)) (الصحيحة: ۲۳۳۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مقابلے والے دن گھوڑے کو دوڑانے کے لیے شور مچایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ۳/ ۱۲۶/ ۲، وابن ابی عاصم فی "الجهاد"، والطبرانی، وابو يعلى في "مسنده": ٤/ ۳۰۳/ ۲٤۱۳

شرح: ...... جلب: گھڑ سوار کا اس نیت سے کسی بندے کا اہتمام کرنا کہ وہ دوڑ کے دوران چیخ و پکار اور ڈانٹ ڈپٹ کر کے گھوڑے کو تیز دوڑنے پر آمادہ کرے، تاکہ وہ میدان مار جائے۔ گھڑ دوڑ کی مقابلہ بازی جائز ہے، لیکن یہ بازی جیتنے کے لیے کوئی سوار گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لیے کوئی خارجی ذریعہ استعمال نہیں کر سکتا۔

سفارش کی وجہ سے ہدیہ قبول کرنا منع ہے

(۱۳۱۳)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ شَفَعَ لِأَخِيْهِ بِشَفَاعَةٍ، فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔)) (الصحيحة: ۳٤٦۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کے لیے سفارش کی اور اس نے کوئی ہدیہ دیا جو اس نے قبول کر لیا تو اس نے سود کا بہت بڑا دروازہ عبور کیا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ۳۵٤۱، واحمد: ۵/ ۲٦۱، والطبراني في "المعجم الكبير": ۸/ ۲۵۱/ ۷۸۵۳

شرح: ...... مسلمان بھائیوں کی جائز حد تک سفارش کرنا مستحسن عمل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَّهُ نَصِيْبٌ مِّنْهَا﴾ (سورۂ نساء: ۸۵) ...... ''جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا۔''

لیکن جو آدمی محض سفارش کو بنیاد بنا کر کوئی تحفہ دیتا ہے اور سفارش کرنے والا قبول کرتا ہے تو اسے شریعت نے سود (جیسا گناہ) تصور کیا ہے۔ ہاں اگر پہلے سے ان میں ایسے تعلقات موجود ہیں تو ان کی بنا پر تحائف و ہدایا کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔

تلوار سونتنے والے کا خون رائیگاں ہے

(۱۳۱٤)۔ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ شَهَرَ سَيْفَهُ ثُمَّ وَضَعَهُ فَدَمُهُ هَدَرٌ۔)) (الصحيحة: ٢٣٤٥)

ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنی تلوار سونتی اور لوگوں کی قتل و غارت شروع کر دی تو اس کا خون رائیگاں جائے گا (جس میں قصاص ہوگا نہ دیت)۔''

تخريج: أخرجه النسائي ٢/ ١٧٤، والحاكم: ٢/ ١٥٩، وأبو نعيم: ٤/ ٢١

شرح:...... دنیا میں سب سے بڑا سرمایہ مسلمان کی جان ہے، شریعت نے جس کی دیت کی صورت میں سو (۱۰۰) اونٹ قیمت مقرر کی ہے۔ لیکن جو آدمی اس گراں مایہ متاع کو خود داؤ پر لگا دیتا ہے، تو اسے انتہائی بے وقعت سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی تلوار سونت کر لوگوں کی گردنیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیتا ہے یا اس عزم سے نکلتا ہے اور کوئی آدمی ایسے قاتل کو قتل کر دیتا ہے تو اس سے کسی قسم کا قصاص اور دیت نہیں لی جائے گی۔

غلام کو ظالم آقا سے قصاص دلوایا جائے گا

(١٣١٥)۔ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوْكَهُ ظَالِمًا، أُقِيْدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٢٣٥٢)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ظلم کرتے ہوئے اپنے غلام کو مارا، روزِ قیامت اس سے بدلہ لیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ٤/ ٣٧٨

شرح:...... اگرچہ غلام مکمل طور پر اپنے آقا کے ماتحت ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس کی مرضی کے مطابق ڈھالتا ہے۔ لیکن اگر آقا ظلم و ستم پر اتر آئے، تو پوری کائنات کے پالنہار کے عدل و انصاف کے تقاضے بیچ میں حائل ہو جاتے ہیں۔

مظلوم کے لیے انتقام لینے کا اصول

(١٣١٦)۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ قُتِلَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَرْبَعَةٌ وَّسِتُّوْنَ رَجُلًا وَمِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ سِتٌّ، فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَئِنْ كَانَ لَنَا يَوْمٌ مِثْلُ هٰذَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ لَنُرْبِيَنَّ عَلَيْهِمْ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ، قَالَ رَجُلٌ لَا يُعْرَفُ: لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، فَنَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ: أَمِنَ الْأَسْوَدُ وَالْأَبْيَضُ، إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا، نَاسًا سَمَّاهُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب احد والے دن چونسٹھ انصاری اور چھ مہاجرین شہید ہو گئے تو اصحاب رسول نے کہا: اب اگر ایسا دن آیا تو ہم (اپنے شہدا کی) تعداد سے بڑھ کر مشرکوں سے انتقام لیں گے۔ جب فتح مکہ والا دن آیا تو ایک غیر معروف آدمی نے کہا: آج کے بعد قریش نیست و نابود ہو جائیں گے اور اُدھر رسول اللہ ﷺ کے مُنادی نے اعلان کیا: ہر کالے گورے (یعنی ہر خاص و عام) کو امن ملے گا، مگر فلاں، فلاں ...... چند لوگوں کے نام لیے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی جتنا تم کو

وَ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ﴾ (النحل:١٢٦) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((نَصْبِرُ وَلَا نُعَاقِبُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٧٧)

نقصان پہنچا ہے اور جو (لوگوں کی ایذا پر) صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے (بدلہ لینے سے) بہتر ہے۔'' (سورۂ نحل: ۱۲۶) رسول اللہ نے فرمایا: ''ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے۔''

تخریج: أخرجه عبد الله بن أحمد: ٥/ ١٣٥

شرح:...... ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (سورۂ مائدہ: ۸) ...... ''اور کسی قسم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو، جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔''

کسی مقام پر شریعت انسان کو زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتی، بیشک اس کا تعلق دشمنانِ اسلام سے ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیے کہ جو مسلمان ہونے کے باوجود خاندانی عصبیتوں اور قدیم عداوتوں کے چکر میں پڑ کر ایک دوسرے کی جانوں، عزتوں اور مالوں پر ڈاکہ زنی کرتے ہیں۔

مخابرہ

(١٣١٧)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ مَرْفُوْعًا: ((نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ)) قُلْتُ: وَمَا الْمُخَابَرَةُ؟ قَالَ: أَنْ تَأْخُذَ الْأَرْضَ بِنِصْفٍ أَوْ ثُلُثٍ، أَوْ رُبُعٍ۔ (الصحيحة: ٣٥٦٩)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''مخابرہ'' سے منع فرمایا۔ میں نے کہا: مخابرہ کسی کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: پیداوار کے نصف یا تہائی یا چوتھائی حصے کے بدلے زمین کرائے پر دینا۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٦/ ٣٤٦/ ١٢٩٦، ومن طريقه: أبو داود: ٣٤٠٧، وعنه البيهقي: ٦/ ١٣٣، وأحمد: ٥/ ١٨٧، ١٨٨

شرح:...... مخابرہ: زمین کی بعض پیداوار کے بدلے زمین کرائے پر دینا مخابرہ کہلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر کو زمین کی پیداوار کے نصف حصے پر وہ زمین کرائے پر دی تھی۔ (بخاری، مسلم)

اس حدیث کی روشنی میں مخابرہ کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ جس میں زمین کو اس کے مخصوص حصوں کی پیداوار کے بدلے کرائے پر دیا جائے اور یہی صورت ہے جو مالک اور مزارع کے مابین جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں ایسے ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

آگ کی وجہ سے ہونے والا نقصان رائیگاں ہو گا

(١٣١٨)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((اَلنَّارُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے

جُبَارٌ۔)) (الصحيحة:٢٣٨١) فرمایا: ''آگ کی وجہ سے ہونے والا نقصان رائیگاں ہوگا۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٥٩٤، والنسائي في "العارية والوديعة": من "السنن الكبرى": ١٠/ ١، وابن ماجه: ٣٦٧٦

شرح:...... اگر کوئی آدمی کسی غرض و غایت کے لیے آگ جلاتا ہے، لیکن بغیر کسی قصد کے ہوا کی وجہ سے آگ اڑ جاتی ہے اور کسی دوسرے کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو آگ جلانے والا ضامن نہیں ہوگا۔

اولاد والدین کو ہدیہ دے سکتی ہے

(١٣١٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي أَعْطَيْتُ أُمِّي حَدِيْقَةً لِّي، وَإِنَّهَا مَاتَتْ وَلَمْ تَتْرُكْ وَارِثًا غَيْرِي. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَجَبَتْ صَدَقَتُكَ وَرَجَعَتْ إِلَيْكَ حَدِيْقَتُكَ۔)) (الصحيحة:٢٤٠٩)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی ماں کو ایک باغ دیا تھا، اب وہ فوت ہو گئی ہیں اور اس کا وارث صرف میں ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا صدقہ بھی ثابت ہو گیا اور تیرا باغ بھی تیری طرف لوٹ آیا۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢٣٩٥، وأحمد: ٢/ ١٨٥، والبزار: ١٤٥۔زوائده

شرح:...... معلوم ہوا کہ اولاد اپنی ملکیت والی چیزیں والدین کو ہبہ کر سکتی ہے۔ نیز والدین کی وفات کی صورت میں وہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیزوں میں سے اپنی وراثت کا حصہ وصول کرے گی۔

زنا کی اولاد تین افراد کی شرّ ہے

(١٣٢٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَلَدُ الزِّنَا شَرُّ الثَّلَاثَةِ۔)) (الصحيحة: ٦٧٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زنا کا بیٹا تین لوگوں کی شرّ ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٣٩٦٣، والطحاوي في "المشكل": ١/ ٣٩١، والحاكم: ٢/ ٢١٤، ٤/ ١٠٠، والبيهقي: ١٠/ ٥٧، ٥٩. وأحمد: ٢/ ٣١١، وابن عدي: ٣/ ٤٤٨

شرح:...... امام سفیان کہتے ہیں:......اِذَا عَمِلَ بِعَمَلِ اَبَوَيْهِ۔ ......اس حدیث کو اس کے مفہوم پر اس وقت محمول کیا جائے گا جب وہ بیٹا بھی اپنے والدین والا فعل کرے گا۔ اس قول کی تائید درج ذیل مرفوع روایت سے ہوتی ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَدُ الزِّنَا شَرُّ الثَّلَاثَةِ اِذَا عَمِلَ بِعَمَلِ اَبَوَيْهِ۔)) ......''زنا کا بیٹا تین افراد کی شرّ ہے، جب وہ بھی اپنے والدین والی کاروائی شروع کر دے۔''

اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابولیلی سوء حفظ کی بنا پر ضعیف ہے۔

امام البانی نے بھی یہی مفہوم پسند کیا ہے۔ (صحیحہ: ٦٧٢)

لیکن فی الحقیقت زنا کی وجہ سے ہونے والی اولاد، اپنے والدین کے کیے سے بری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْسَ عَلٰى وَلَدِ الزِّنَا مِنْ وِزْرِ أَبَوَيْهِ شَيْءٌ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾)) (فاطر: ١٨۔ (صحيحه: ٢١٨٦) ''زنا کی اولاد پر اپنے والدین کے گناہ کا کوئی وبال نہیں ہوگا، (ارشادِ باری تعالی ہے:) ﴿اور قیامت کے دن) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا﴾ (سورہ فاطر: ١٨)''

زنا سنگین جرم ہے، لیکن اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی اولاد بے قصور ہے، ایسے بچوں کو ان کے والدین کے کئے کا کبھی بھی طعنہ نہیں دینا چاہئے۔

شریعت میں اہل مکہ کا وزن اور اہل مدینہ کا ماپ معتبر ہے

(١٣٢١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا: ((اَلْوَزْنُ وَزْنُ أَهْلِ مَكَّةَ، وَالْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔)) (الصحيحة: ١٦٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(شریعت میں) اہل مکہ کا وزن (یعنی تول) اور اہل مدینہ کا ماپ معتبر ہے۔''

تخريج: رواه ابن الأعرابي في "معجمه": ١٦٧/ ٢، وأبوداود: ٣٣٤٠، والنسائي: ٧/ ٢٨١۔المطبعة المصرية، وابن حبان: ١١٠٥، والطبراني: ٣/ ٢٠٢/ ١، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٩٩۔ وأبونعيم في "الحلية": ٤/ ٢٠ والبيهقي: ٦/ ٣١

شرح:...... معلوم ہوا کہ موزونات یعنی وزن کی جانے والی چیزوں میں مکہ مکرمہ کے عرف کو اور مکیلات یعنی ماپ والی چیزوں میں مدینہ منورہ کے عرف کو سامنے رکھا جائے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا۔ سمجھانے کے لیے چند ایک مثالیں دی جاتی ہیں:

ماپ کے پیمانے اور ان کا مروّجہ وزن:...... صاع حجازی: اس کو ''صاعِ نبوی'' بھی کہتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی احکام کی ادائیگی میں یہی صاع استعمال کرتے تھے، اس کی مقدار پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہوتی ہے، یہ دو سیر چار چھٹانک یعنی دو کلو سو گرام کے برابر ہوتا ہے۔

کوفہ و بغداد میں رائج صاع، صاعِ حجازی سے بڑا تھا، اس کی مقدار آٹھ رطل تھی۔ درج بالا حدیث کی روشنی میں شرعی احکام میں عراق کا یہ صاع غیر معتبر ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف نے صاعِ عراقی کو چھوڑ کر صاعِ حجازی کو قبول کر لیا تھا۔

مُدّ: مد حجازی کی مقدار ایک رطل اور تہائی رطل ہوتی ہے، جو (٩) چھٹانک یعنی (٥٢٤.٨٨٠) گرام کے برابر ہوتا

ہے۔

وَسَق: اس کی مقدار ساٹھ صاع کی ہوتی ہے، صاع کا وزن بیان کیا جا چکا ہے۔

وزن کے پیمانے اور ان کا مروّجہ وزن:

قیــــراط: ایک قیراط دو طسوج کا ہوتا ہے، محدثین کے نزدیک ایک قیراط درہم کے بارہویں حصے کے اور وہ دو رتیوں اور رتی کے دسویں حصے کے برابر ہوتا ہے، گرام کے حساب سے ایک قیراط کا وزن (۰.۲۵۵) گرام ہوتا ہے۔

شــــرعــی درھــم: اس کا وزن (۳) ماشے، (۱) رتی اور رتی کے پانچویں حصے کے برابر ہوتا ہے، جس کا وزن (۳.۰۶۱.۸) گرام ہوتا ہے۔

شرعی دینار یا مثقال: اس کا وزن (۴) ماشے اور (۴) رتی کے برابر ہوتا ہے، جو (۴.۳۷۴) گرام کے برابر ہوتا ہے۔

اوقیــــہ: اہل حجاز کا اوقیہ چالیس درہموں کے برابر ہوتا ہے، اس طرح اس کا وزن (۱۲۲.۴۷۲) گرام بنتا ہے۔

وضاحت کے لیے ماپ اور وزن کی چند ایک مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بڑی عمدہ شرح کی ہے، اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے: جب ہم نے اس حدیث کے بارے غور وخوض کیا تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ سے پہلے وقتوں میں مکہ معظمہ میں پھل اور کھیتیاں نہیں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾ (سورۂ ابراھیم: ۳۷) سے بھی اسی حقیقت کا انداز ہوتا ہے۔ مکہ تجارت گاہ تھی۔ حج کرنے والے لوگ سامانِ تجارت لے کر آتے اور وہاں فروخت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، یہاں کھجوروں کے باغات تھے اور انہی پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا اور اسلام کی آمد کے بعد اہل مدینہ پر زکوۃ بھی فرض ہوتی تھی، جو جنس ماپ کر وصول کی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے تمام شہروں اور بستیوں کو ان دو شہروں کے تابع کر دیا...... معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ وہ پہلی ہستی ہیں، جنھوں نے ماپ تول کا بنیادی قانون پیش کیا اور ماپ تول کے سلسلے میں تمام شہروں کے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں کے انداز کی طرف متوجہ کیا۔

کوئی عقل مند آدمی اس بحث پر غور فکر کرے اور اس کا مسلمانوں کے ماپ تول کے طریقوں کے ساتھ موازنہ کرے، کسی نے کون سا انداز اختیار کیا اور کسی نے کفار کے عرف کو اختیار کر لیا...... (صحیحہ: ۱٦٥)

معلوم ہوا کہ جب بھی زکوۃ، صدقہ فطر اور کفارات کی ادائیگی کا وقت آئے تو حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ماپ تول کو سامنے رکھا جائے، جو زمانۂ نبوی میں رائج تھا۔

بیٹا باپ کی کمائی ہے

(۱۳۲۲)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((اَلْوَلَدُ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

مِنْ كَسْبِ الْوَالِدِ۔)) ﷺ نے فرمایا: ''بیٹا، باپ کی کمائی ہے۔''

(الصحيحة: ٢٤١٤)

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ١/ ١٤١/ ٢، والبيهقي: ١٠/ ٣٤٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا یہ شاہد ذکر کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ۔)) (صحيحه: ٢٤١٤ کے تحت) ...... ''تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے، سوتم اپنی اولاد کی کمائی کھا سکتے ہو۔''

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب والدین بلاضرورت بچے کا مال لے رہے ہوں یا وہ اپنے بچوں بچیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہوئے بعض بچوں کے مال کو مکمل طور پر دوسرے بچوں بچیوں کے نام لگوانا چاہتے ہوں تو اولاد اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اسے والدین سے بھی روک سکتی ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((...... فَهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ لَكُمْ إِذَا احْتَجْتُمْ إِلَيْهَا۔)) (صحيحه: ٢٥٦٤) ......''وہ بچے اور ان کے اموال تمہارے لیے ہیں، جب تمہیں ان کی ضرورت پڑے۔''

بہر حال اولاد اپنے والدین کی خدمت سعادت سمجھے اور ان کو فارغ البال اور خوشحال رکھے، ہاں اگر وہ اس کے مال پر زیادتی کرنا چاہیں، جیسا کہ بعض والدین کو دیکھا گیا ہے، تو وہ اچھے انداز میں اپنے مال کا دفاع کرے۔

رضاعت کب ثابت ہوتی ہے؟

(١٣٢٣)۔ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، قَالَتْ: دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ عَلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ وَهُوَ فِي بَيْتِي فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنِّي كَانَتْ لِي امْرَأَةٌ؛ فَتَزَوَّجْتُ عَلَيْهَا أُخْرٰى، فَزَعَمَتْ امْرَأَتِي الْأُولٰى أَنَّهَا أَرْضَعَتْ امْرَأَتِي الْحُدْثٰى رَضْعَةً أَوْ رَضْعَتَيْنِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ۔))

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک بدو، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ میرے گھر پر تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میری ایک بیوی تھی، میں نے اس پر ایک اور شادی کر لی، اب میری سابقہ بیوی کا یہ خیال ہے کہ اس نے میری نئی بیوی کو ایک یا دو دفعہ دودھ پلایا تھا، (اب میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ یا دو دفعہ دودھ پلانا (رشتوں کو) حرام نہیں کرتا۔''

(الصحيحة: ٣٢٥٩)

تخريج: أخرجه إسحاق بن راهويه في "مسنده": ٤/ ١٣/ ٢، ومسلم في "صحيحه": ٤/ ١٦٦

شرح:...... اس بچے کی رضاعت ثابت ہوگی جو دودھ کی عمر کے اندر اندر دودھ پیئے اور کم از کم پانچ دفعہ پیئے، ہر دفعہ اپنی مرضی سے عورت کے پستان کو چھوڑے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے: أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَنُسِخَ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسًا وَصَارَ إِلٰى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّيَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ (ترمذی، ابن ماجه) ......قرآن مجید میں یہ حکم نازل کیا گیا تھا کہ دس بار دودھ پینا جبکہ اس کے پینے کا یقین ہو (نکاح کو حرام کر دیتا تھا) پھر ان (دس) میں سے پانچ دفعہ دودھ پلانا منسوخ ہو گیا، جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو (رضاعت والا) معاملہ اسی (پانچ دفعہ والی) صورت پر قائم رہا۔ ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے رضاعت کا رشتہ ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ متن میں مذکورہ روایت سے واضح ہو رہا ہے۔

نمازی کو مارنا منع ہے

(١٣٢٤)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَعَهُ غُلَامَانِ، فَوَهَبَ أَحَدَهُمَا لِعَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ: ((لَا تَضْرِبْهُ فَإِنِّي نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ، وَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي مُنْذُ أَقْبَلْنَا۔)) وَأَعْطٰى أَبَاذَرٍّ غُلَامًا وَقَالَ: ((اِسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوْفًا۔)) فَأَعْتَقَهُ. فَقَالَ: ((مَافَعَلَ؟)) قَالَ: أَمَرْتَنِي أَنْ أَسْتَوْصِيَ بِهِ خَيْرًا، فَأَعْتَقْتُهُ۔ (الصحيحة ٢٢٧٩)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کہیں سے دو غلاموں سمیت تشریف لائے، ان میں سے ایک حضرت علی صلوات اللہ علیہ کو ہبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کو مارنا نہیں، کیونکہ مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور ہم جب سے وہاں سے روانہ ہوئے ہیں، میں اس کو نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں۔'' دوسرا غلام حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا: ''اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔'' انھوں نے اسے آزاد کر دیا۔ (ایک دن) آپ ﷺ نے ان سے (غلام کے بارے میں پوچھا کہ) ''وہ کیسا چل رہا ہے؟'' انھوں نے کہا: آپ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں، (اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے) میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔

تخريج:أخرجه البخاري في "الأدب المفرد":١٦٣

شرح:...... حدیث کے پہلے حصے میں نماز کی اہمیت کا بیان ہے، غلام جو مکمل پر اپنے آقا کے نقش قدم پر چلتا ہے، اگر وہ بھی نماز پڑھنا شروع کر دے تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے احترام اکرام میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہاں احترامِ انسانیت کا معیار، شریعت سے یکسر مختلف ہے۔ پانچ وقت کے نمازیوں، مؤذنوں، امامت و خطابت کی ذمہ داریاں نبھانے والوں، ناظرہ و حفظِ قرآن کے طالب علموں اور دین دار غریبوں کو یا تو حقارت اور بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، یا کم از کم یہ ہے کہ ان کے احترام و اکرام کے تقاضے پورے نہیں کیے جاتے۔ لیکن دوسری طرف جس کے پاس مال و دولت ہے، جو حسب و نسب والا، حسن و جمال والا، دنیوی عہدہ و منصب اور تعلیم و سند والا ہے، جو کالج یا یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے یا جس سے بڑوں کی برادریاں چلی آ رہی ہوں، ہماری نگاہیں ایسے لوگوں کی منتظر رہتی ہے، ایسوں کی میزبانی کو شرف سمجھا جاتا ہے، اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کو فخر و اعزاز سمجھا جاتا ہے، خوشامد کی

حد تک عزت و احترام کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں اور رشتہ ناطہ بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ ظالم، بے نمازی، تلاوتِ قرآن سے محروم، سود خور، رشوت خور اور بدکار ہیں۔

ہم یہ بات نہیں کہہ رہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسے لوگوں سے کیا سلوک کیا جائے، ہم صرف اپنی قوم کے طبعی مزاج کا موازنہ پیش کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! اگر ایک غلام نمازی ہونے کی وجہ سے اپنے مالک کے لیے محترم و مکرم قرار پاتا ہے، حالانکہ وہ اپنے مالک کا کھاتا ہے، اسی کا دیا ہوا پہنتا ہے۔ تو پھر ہم ان نمازیوں، اماموں، طالب علموں اور دین دار غریبوں کو معزز کیوں نہیں قرار دیتے، جن کا ہماری ذات اور ہمارے مال و دولت پر کوئی بوجھ نہیں۔ اگر وہ ایک دو مہینوں کے بعد آپ کے سامنے چندے کی درخواست رکھ دیتے ہیں اور آپ سرے سے ان کو خالی واپس بھیج دیتے ہیں یا سو پچاس روپے دے دیتے ہیں، تو ہمیں بتائیں کہ اللہ تعالی کے ہاں ان کے مرتبے میں کتنی کمی آ گئی ہے کہ آپ ان کو بے عزت اور حقیر سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔

ایک خاندان کی مثال میرے سامنے ہے، ایک غریب لیکن بہترین دین دار شخص ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گیا، اس کے قرابتداروں کو دیکھا گیا، کوئی ٹس سے مس نہ ہوا، کسی نے بے دلی سے حاضری لگوائی اور اس کے گھر سے ذرا دور بسیرا کرنے والے مکمل طور پر بے فکر رہے، بہرحال وہ شفایاب ہو گیا۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اسی خاندان کا ایک بے نمازی اور دین سے کوئی خاص دلچسپی نہ رکھنے والا مالدار آدمی اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا، اس بار تو ہر ادنی و اعلی، قریب و بعید اور مرد و زن ہکا بکا رہ گیا، کسی نے فون کے ذریعے تیمار داری کرنے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ ساری مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر، مرض کے مطابق تحفے تحائف لے کر اور دور دراز کے سفر طے کر کے جناب کی خدمت میں حاضری دینے کو شرف سمجھا گیا۔ ممکن ہے کہ کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ بیمار کا حق ہے، سوال یہ ہے کہ پہلے مریض کے مرض کے وقت یہ حقوق کس چٹان کے نیچے دب گئے تھے۔ بہرحال ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم شرعی احکام کے مطابق اپنے مزاجوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔

بلا وجہ جانور کو نشانہ بنانا ناجائز ہے

(۱۳۲۵)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰی نَاسٍ يَرْمُوْنَ كَبْشًا بِالنَّبْلِ، فَكَرِهَ ذٰلِكَ، وَقَالَ: ((لَا تُمَثِّلُوْا بِالْبَهَائِمِ۔)) (الصحيحة: ٢٤٣١)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو مینڈھے پر تیر پھینک رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کے اس فعل کو ناپسند کیا اور فرمایا: ''جانوروں کا مثلہ نہ کیا کرو۔''

تخريج: رواه النسائي: ٢/ ٢١٠، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٦/ ٣٨٣/ ٢

شرح:...... جانور کو اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا جائے اور پھر کھایا جائے۔ موجودہ تہذیبوں اور مذہبوں

میں اسلام واحد تہذیب اور مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین کی، اس موضوع پر مفصل بحث "اَلْأَضَاحِي وَالذَّبَائِحُ وَالْأَطْعِمَةُ وَالْأَشْرِبَةُ وَالْعَقِيْقَةُ وَالرِّفْقُ بِالْحَيَوَانِ" میں "سب سے پہلے اسلام نے تمام جانداروں سے نرمی برتنے کی تعلیم دی" کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

کسی کو ضرر دینا ناجائز ہے

(۱۳۲۶)۔ قَالَ ﷺ: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ۔)) وَرَدَ مُرْسَلاً وَمَوْصُوْلاً عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخِدْرِيِّ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، وَثَعْلَبَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

(الصحیحة: ۲۵۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "(اپنے بھائی کو اس کے حق میں کمی کر دینے والا) نقصان پہچانا اور (پہنچائی گئی اذیت سے) زیادہ ضرر پہنچانا جائز نہیں۔" یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہم سے موصولاً اور مرسلاً روایت کی گئی ہے۔

تخریج: ۱۔أما المرسل؛ فرواه مالك في "الموطأ": ۲/ ۲۱۸

۲۔وأما حديث ابن عباس: فأخرجه ابن ماجه: ۲/ ۵۷، وأحمد: ۱/ ۳۱۳، والدارقطني: ۵۲۲، وابن أبي شيبة كما في "نصب الراية": ٤/ ۳۸٤

۳۔وأما حديث عبادة بن صامت؛ فأخرجه ابن ماجه، وعبدالله بن أحمد في "زوائد المسند": ٥/ ۳۲٦

٤۔وأما حديث عائشة؛ فأخرجه الدارقطني: ۵۲۲، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٤ ۲۰۰ - مجمع البحرين

٥۔وأما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه الدارقطني،

٦۔وأما حديث جابر؛ فرواه الطبراني في "الأوسط"، وسكت عليه الزيلعي

۷۔ وأما حديث ثعلبة: فرواه الطبراني في "الأوسط"، وسكت عليه الزيلعي: ٤/ ۳۸۵، والطبراني في "معجمه": ۱۳۸۷

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ کسی کو نقصان پہنچانا اور بدلہ لیتے وقت دی گئی اذیت سے زیادہ تکلیف دینا ناجائز ہے۔

ہر زمان و مکاں میں مسلمان کو تکلیف سے بچایا جائے

(۱۳۲۷)۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ، عَنْ أُمِّهِ أُمِّ جُنْدُبٍ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، وَهُوَ رَاكِبٌ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، وَرَجُلٌ خَلْفَهُ يَسْتُرُهُ، فَسَأَلْتُ عَنِ الرَّجُلِ؟ فَقَالُوْا: اَلْفَضَلُ بْنُ الْعَبَّاسِ، وَازْدَحَمَ النَّاسُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا يَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يُصِبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَإِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَارْمُوْا بِمِثْلِ حَصَا الْخَذْفِ۔)) (الصحيحة: ۲٤٤٥)

سلیمان بن عمرو بن احوص اپنی ماں حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وادی کے اندر سے جمرے کو کنکریاں ماریں، اس حال میں کہ آپ سوار تھے، ہر کنکری کے ساتھ "اَللّٰهُ اَکْبَر" کہتے، ایک آدمی آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا جو آپ پر پردہ کر رہا تھا۔ میں نے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون تھا؟ انھوں نے کہا کہ وہ فضل بن عباس تھا۔ لوگ بڑی تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کوئی کسی کو قتل نہ کرے اور نہ کوئی کسی کو زخمی کرے اور جب تم لوگ جمرے کو کنکریاں مارو تو وہ (سائز میں اس کنکری کے برابر ہوں جو) بیچ کی دو انگلیوں میں رکھ کر پھینکی جاتی ہے (یعنی لوبیے اور چنے وغیرہ کے دانے کے برابر ہو)۔“

تخريج: أخرجه أبو داود: ۱۹٦٦، والطيالسي: ۱٦٦۰، وأحمد: ۳/ ۵۰۳، ٦/ ۳۷٦، ۳۷۹

شرح: ...... حج کے دوران حاجی لوگ جمروں کو چنے یا لوبیے وغیرہ کے بقدر کنکریاں ماریں، تا کہ کسی آدمی کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں مسلمان کی قدر کیا ہے۔

بوقتِ غم رونا جائز ہے

(۱۳۲۸)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيْمَ، فَوَجَدَهُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَهُ فِيْ حِجْرِهِ، فَبَكٰى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: أَتَبْكِيْ! أَوَ لَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ؟ قَالَ: ((لَا، وَلٰكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ، خَمْشِ وُجُوْهٍ وَشَقِّ جُيُوْبٍ وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ۔))

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور اپنے بیٹے ابراہیم کی طرف چل پڑے، آپ ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جان بلب تھا، آپ ﷺ نے اسے اٹھایا، اپنی گود میں رکھا اور رونے لگ گئے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے آپ کو کہا: کیا آپ رو رہے ہیں، آپ نے تو رونے سے منع نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، میں نے تو دو بری اور بدکار آوازوں سے منع کیا ہے: (۱) مصیبت کے وقت آواز نکالنے، چہرہ نوچنے، گریبان چاک کرنے اور (۲) شیطان کی جھنکار

(یا زوردار چیخ)۔" (الصحیحة: ۲۱۵۷)

تخریج: أخرجه الترمذی: ۱/ ۱۸۷، والحاکم: ٤/ ٤١، والبیهقی: ٤/ ٦٩، والبزار: ٧٨، و عبد بن حمید فی "المنتخب من المسند": ١١٠/ ٢، ١١١/ ١، والبغوی فی "شرح السنة": ١/ ١٦٩/ ١، والضیاء فی "المختارة": ١٠/ ٩٩/ ٢

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ مصیبت کے وقت نوحہ کرنا، واویلا کرنا، چلاّ چلاّ کر رونا، ماتم کرنا، چہروں کو نوچنا اور گریبان چاک کرنا ممنوع ہے اور رونا جائز ہے، جسے نوحہ نہ کہا جا سکے۔ مزید وضاحت کے لیے درج ذیل حدیث پر نگاہ ڈالیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے تو سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ چیخے (چلاّ کر روئے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: ((لَیْسَ هٰذَا مِنِّی، وَلَیْسَ بِصَائِحٍ حَقٌّ، الْقَلْبُ یَحْزُنُ وَ الْعَیْنُ تَدْمَعُ، وَلَا یُغْضَبُ الرَّبُّ۔))......" یہ (چلاّنے والا) مجھ سے نہیں ہے، یہ چلاّنے والا حق نہیں، (ہاں) دل غمزدہ ہوتا ہے اور آنکھ آنسو بہاتی ہے، اور (اتنا خیال رکھا جائے کہ) ربّ ناراض نہ ہو جائے۔" (ابن حبان: ٧٤٣، حاکم: ١/ ٣٨٢)

کسی کی ہیبت حق گوئی سے روکنے نہ پائے

(١٣٢٩)۔ عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ مَرْفُوْعًا: ((لَایَمْنَعَنَّ رَجُلاً هَیْبَةُ النَّاسِ أَنْ یَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ أَوْ شَهِدَهُ أَوْ سَمِعَهُ۔)) (الصحیحة: ١٦٨)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کسی آدمی کو حق کا علم ہو یا اس نے دیکھا ہو یا اس نے سنا ہو تو لوگوں کا ہیبت و جلال اسے اُس حق کی وضاحت کرنے سے نہ روکنے پائے۔"

تخریج: أخرجه الترمذی: ٢/ ٣٠، وابن ماجه: ٤٠٠٧، والحاکم: ٤/ ٥٠٦، والطیالسی: ٢١٦٥، وأحمد: ٣/ ١٩ و ٥٠ و ٦١، وأبو یعلی: ٧٢/ ١، والقضاعی فی "مسند الشهاب": ٧٩/ ٢

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ (سورۂ مائدہ: ٥٤)...... "اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔"

یہی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا راز ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ اور معاشرے کی چاہتوں میں تضاد آ جائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کی مرضی کو ترجیح دی جائے۔ آجکل اس ظاہر پرستی اور چڑھتے سورج کی پرستش کے دور میں اکثر لوگ حق گوئی سے کتراتے ہیں، کوئی اپنا الو سیدھا کرنے کے درپے ہیں تو کسی نے مصلحتوں کا ڈھونگ رچا رکھا ہے، خاندانوں کے سربراہ اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے ہیں، ہمیں اس کا صلہ یہ ملا کہ برائی اور بے حیائی عام ہو گئی ہے اور کوئی چاہے یا نہ چاہے، اسے گناہوں میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔

❀❀❀❀

اَلْخَلَافَةُ وَالْبَيْعَةُ وَالطَّاعَةُ وَالْإِمَارَةُ

خلافت، بیعت، اطاعت اور امارت کا بیان

اَلْخَلَافَةُ: امامت، خلافت، نیابت، قائم مقامی

اَلْبَيْعَةُ: لغوی معنی: عہد و پیمان، فروختگی کا معاملہ، بیچنا

اصطلاحی تعریف:...... نبی اور امتی یا امیر اور مامور کے مابین ایک عہد و پیمان، جس کے ذریعے امتی یا مامور اپنے اوپر نبی یا امیر کی اطاعت لازم کر لیتا ہے۔

اَلطَّاعَةُ: لغوی معنی: تابعدار ہونا، فرمانبردار ہونا، اشارہ پر چلنا

اصطلاحی تعریف:...... اس باب میں امیر کی اطاعت کرنا مراد ہے، جب تک اس کا حکم قرآن و حدیث سے متصادم نہ ہو۔

اَلْأَمَارَةُ: امیر بننا، منصب حاکم، حکومت

امراء کی نجات عدل و انصاف اور نیکی و پارسائی میں ہے

(١٣٣٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((مَـامِـنْ أَمِيْـرِ عَشَـرَةٍ إِلَّا يُؤْتَى بِـهِ يَوْمَ الْقِيَـامَةِ، مَـغْـلُوْلًا، لَا يَفُكُّهُ إِلَّا الْعَدْلُ، أَوْيُوْبِقُهُ الْجَوْرُ))۔ (الصحيحة:٢٦٢١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دس آدمیوں کے امیر کو بھی قیامت کے روز اس حال میں لایا جائے گا کہ وہ جکڑا ہوا ہوگا۔ اس کا عدل و انصاف اس کو آزاد کرائے گا یا اس کا ظلم و ستم اس کو ہلاک کر دے گا۔“

تخریج: أخرجه أحمد: ٢/ ٤٣١، وأبو يعلى: ٤/ ١٥٦٤، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ٩٦، والطبراني في "الأوسط": ١/ ١٩٩/ ١، والدارمي: ٢/ ٢٤٠، والحاكم: ٤/ ٨٩

شرح:...... جنھوں نے پوری مملکت اور اس کے کروڑوں باشندوں کو داؤ پر لگا رکھا ہے، ان کا کیا حشر ہوگا۔

(١٣٣١)۔ عَـنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّـهُ قَالَ: ((مَامِنْ رَجُلٍ يَلِي أَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی دس افراد کے معاملات کی ذمہ داری سنبھالتا

فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَتَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مَغْلُوْلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ إِلٰى عُنُقِهِ، فَكَّهُ بِرُّهُ، أَوْ أَوْبَقَهُ إِثْمُهُ، أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَأَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ، وَآخِرُهَا خِزْيٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))۔ (الصحيحة:٣٤٩)

ہے، وہ روزِ قیامت اللہ تعالی کے پاس اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن تک جکڑے ہوں گے۔ اس کی نیکی اس کو آزاد کرائے گی یا اس کی برائی اس کو ہلاک کر دے گی۔ (اس امارت) کی ابتدا میں ملامت، درمیان میں ندامت اور آخر میں یعنی قیامت کے روز رسوائی ہوتی ہے۔''

تخريج:أخرجه أحمد: ٥/ ٢٦٧

شرح: ...... موجودہ دور میں اس حدیث کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے، جب ایک حکمران امارت سنبھالتا ہے تو سارے کے سارے مخالفین اور موافقین میں سے بعض افراد اس پر سب وشتم کرتے ہیں۔

جب وہ عہدہ اس سے چھن جاتا ہے، یا وہ الیکشن میں ہار جاتا ہے تو اسے جس حسرت وندامت اور شرمندگی و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کوئی زبان اس کو تعبیر نہیں کر سکتی اور امارت کے مکمل تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں بھی رسوائی و ناکامی کا سامنا پڑتا ہے۔ لیکن جو حاکم اللہ تعالی کے حقوق کی پاسداری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی رعایا کے حقوق ادا کرے گا، وہ عظیم اور خوش بخت انسان ہوگا۔

خلیفہ کے اخراجات کی مقدار

(١٣٣٢)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زُرَيْرٍ الْغَفَارِيِّ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَوْمَ أَضْحٰى، فَقَدَّمَ إِلَيْنَا خَزِيْرَةً، فَقُلْنَا: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! لَوْ قَدَّمْتَ إِلَيْنَا مِنْ هٰذَا الْبَطِّ وَالْوَزِّ وَالْخَيْرُ كَثِيْرٌ! قَالَ: يَا ابْنَ زُرَيْرٍ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَحِلُّ لِلْخَلِيْفَةِ إِلَّا قَصْعَتَانِ: قَصْعَةٌ يَأْكُلُهَا هُوَ وَأَهْلُهُ، وَقَصْعَةٌ يُطْعِمُهَا۔)) (الصحيحة:٣٦٢)

عبداللہ بن زریر غفاری کہتے ہیں کہ ہم عید الاضحیٰ کے موقع پر سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انھوں نے (بطورِ ضیافت) خزیرہ پیش کیا، (یہ قیمے اور آٹے سے تیار کیا جانے والا ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے)۔ ہم نے کہا: امیر المؤمنین! اگر آپ بطخ اور مرغابی کا گوشت پیش کر دیتے تو (بہت اچھا ہوتا) اور مالِ کثیر موجود ہے۔ انھوں نے کہا: ابن زریر! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: ''خلیفہ کے لیے صرف دو پیالے حلال ہیں: ایک پیالہ اس کے اور اہل کے کھانے کیلیے اور ایک کسی کو کھلانے کے لیے۔''

تخريج: رواه ابن أبي الدنيا في "الورع": ١٦٨/ ٢، وأحمد: ١/ ٧٨

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر یہ عنوان قائم کرتے ہیں: ''مَالِلْخَلِيْفَةِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ'' ...... خلیفہ کا بیت المال میں کتنا حصہ ہے۔

دراصل خلیفہ عوام کا خادم ہوتا ہے، وہ لوگوں کی مذہبی اصلاح کرتا ہے، وہ لوگوں کو امن مہیا کرتا ہے، جس کا صلہ وہ

اللہ تعالی سے وصول کرے گا۔ آپ ﷺ نے خلیفہ کو سادہ زندگی گزارنے کی رغبت دلائی۔

لیکن آج کل عہدے سنبھالنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور کا معیار پورا کیا جائے اور مستقبل کے لیے بہت کچھ جمع کر لیا جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ حلال ہے یا حرام، حکومتی عہدیدار اپنے ذاتی مقاصد پورے کرنے کے لیے قوم کی دولت داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

اللہ تعالی نیک حکمرانوں کو خود وزیر عطا کرتا ہے

(۱۳۳۳)۔ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّتِيْ عَائِشَةَ تَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ عَمَلًا فَأَرَادَ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا، جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرًا صَالِحًا، إِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَإِنْ ذَكَرَ أَعَانَهٗ۔)) (الصحيحة:٤٨٩)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی کسی کام کا ذمہ دار بنے اور اللہ تعالی نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کر رکھا ہو تو وہ اس کو ایک نیک وزیر عطا کرے گا کہ اگر وہ بھول گیا تو وہ اسے یاد کرائے گا اور اگر اسے یاد رہا تو وہ اس کی مدد کرے گا۔''

تخريج:أخرجه النسائي: ٢/ ١٨٧، واخرجه ابوداود: ٢٩٣٢، وابن حبان في "صحيحه": ١٥٥١۔ موارد

شرح:...... متقی و پرہیز گار وزیر و مشیر بھی اللہ تعالی کی نعمت ہوتا ہے جو حکمران کو ضلالت و گمراہی سے بچاتا ہے۔

جماعت کا التزام کرنا

(۱۳۳٤)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: خَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِيْ مِثْلِ مَكَانِيْ هٰذَا فَقَالَ: ((أَحْسِنُوْا إِلٰى أَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَجِيْئُ قَوْمٌ يَحْلِفُ أَحَدُهُمْ عَلَى الْيَمِيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَحْلَفَ عَلَيْهَا، وَيَشْهَدُ عَلَى الشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدَ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنَالَ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ، وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ پر خطبہ دیتے ہوئے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے مقام، جس طرح میں کھڑا ہوں، پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا: ''میرے صحابہ سے اچھے برتاؤ اور حسنِ سلوک والا معاملہ کرنا، پھر ان لوگوں سے جو ان کے بعد ہوں گے اور پھر ان لوگوں سے بھی، جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قسم اٹھائیں گے حالانکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جو آدمی جنت کے وسط (میں مقام) حاصل کرنا چاہتا ہے وہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ ایک آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، دو سے ذرا دور ہو جاتا ہے۔ کوئی مرد (غیر محرم) عورت کے ساتھ خلوت میں

تَسُرُّهُ حَسَنَتُهُ، وَتَسُوْؤُهُ سَيِّئَتُهُ، فَهُوَ مُؤْمِنٌ))۔ (الصحيحة: ٤٣٠)

نہ جائے، کیونکہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ مومن وہ ہے جس کو اس کی نیکی اچھی لگی اور برائی بری لگے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٦٤، والطحاوى فى "شرح المعانى": ٢/ ٢٨٤-٢٨٥، وابن حبان: ٢٢٨٢ دون قوله: ((فمن أحب.....)) الخ، والطيالسى: ٧/ ٣١، وأحمد: ١/ ١٧٧، و أبو يعلى فى "مسنده": ١/ ١٣١/ ١٤١-١٤٣، والترمذى: ٣/ ٢٠٧

شرح: ...... حدیث مبارکہ میں پانچ اہم مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

(۱) صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور تبع تابعین کے ساتھ حسن سلوک والا معاملہ کرنا، قرونِ اولی کی ان ہستیوں نے اسلام کو سہارا دیا، بعد میں آنے والا کبھی بھی ان کے احسانات کو فراموش نہیں کر سکتا، لیکن تعجب اس بات پر ہے عصرِ حاضر میں بعض تنظیمیں صحابہ کرام کی حسنات کو نظر انداز کر کے ان کے بشری تقاضوں کو ہوا دے کر ان پر طعن و تشنیع اور سب وشتم کرتے ہیں۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ان لوگوں کی غرض و غایت کیا ہے؟ اور یہ کیا چاہتے ہیں؟ ہم یہ دعوی نہیں کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم تھے، لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ان کا قول و کردار اعلی تھا، وہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے اور اسلام کو دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیلانے کا سبب بنے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ان کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو ان کا ممنون سمجھیں۔

(۲) قسم اٹھانے اور گواہی دینے کا مطلب جھوٹ کا عام ہونا ہے، وگرنہ سچے گواہوں کی نفی نہیں کی جا رہی۔ آج کل بھی کچہریوں اور عدالتوں میں ایجنٹوں کی طرح کچھ لوگ تین چار سو روپیہ مروڑ کر جھوٹی گواہی دینے کے لیے گردش کر رہے ہوتے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھوٹ برائیوں کی طرف اور برائیاں جہنم کی طرف لے کر جاتی ہیں اور بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے، حتی کہ اسے اللہ تعالی کے ہاں کذاب اور جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(۳) جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ اکیلے آدمی کو شیطان آسانی سے گمراہ کر سکتا ہے۔

(۴) کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کر سکتا۔ آجکل بے پردگی اور غیر محرم مرد و زن کا میل ملاپ عام ہے، کوئی اسے محبت کا اور کوئی رشتہ داری کا تقاضا سمجھتا ہے۔ بہر حال شریعت کا مزاج ان امور کی قطعی طور پر اجازت نہیں دیتا۔

(۵) نیکی سے مزاج میں خوشی کی لہر دوڑنا اور برائی سے تنگی محسوس کرنا ایمان و ایقان کی بہت بڑی علامت ہے، جس آدمی کو نیکی کر کے خوشی ہوتی ہو نہ برائی کر کے غمی، تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا ایمان زنگ آلود ہو چکا ہے، وہ استغفار کرے اور اپنے ایمان کی تجدید کرے۔

جماعت سے دور رہنے اور عصبیت کے لیے لڑنے کا وبال

(١٣٣٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ، فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ، أَوْ يَدْعُوْ إِلَى عَصَبَةٍ، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً، فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِيْ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا، وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا، وَلَا يَفِيْ لِذِيْ عَهْدٍ عَهْدَهُ، فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة:٩٨٣)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے حکمران کی اطاعت ترک کر دی اور جماعت سے مفارقت اختیار کر لی اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت والی موت مرے گا۔ جس نے اندھادھند جھنڈے کے نیچے لڑائی کی، عصبیت کی بنا پر غصے میں آیا، عصبیت کی طرف دعوت دی اور عصبیت کی بنا پر مدد کی اور قتل ہو گیا تو وہ بھی جاہلیت والی موت مرے گا اور جو میری امت پر بغاوت کرتے ہوئے نکلا، نیکوکاروں اور بدکاروں کو قتل کرتا گیا، مومن سے کنارہ کشی نہ کی اور عہد والے کا عہد پورا نہ کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور میں اس سے نہیں ہوں۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٢١، والنسائي: ٢/ ١٧٧، وابن حبان في ”صحيحه“: ٤٥٦١، والبيهقي: ٨/ ١٩٦، و”الشعب“: ٦/ ٦٠، وأحمد: ٢/ ٣٠٦، ٤٨٨

شرح: ...... جو آدمی امام کی اطاعت ترک کر دیتا ہے، اسلامی جماعت سے دور ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کی مخالفت کرتا ہے اور اسی حالت میں مر جاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے، کیونکہ وہ اس وقت بھی شتر بے مہار تھا اور اب بھی ہے۔

اس دور میں خاندانی عصبیت اور قبائلی انانیت عروج پر ہے، اللہ تعالیٰ کے نام پر دوستی و یاری عنقا بن چکی ہے۔ سیاستوں کے چکر ہیں، قومیتوں کے چکر ہیں، تعلقاتِ قدیمہ کے چکر ہیں، جھوٹی محبتوں کے دعوے ہیں۔ ان چکروں میں پڑ کر اور حق و باطل کو پسِ پشت ڈال کر تیر وکمان کا تبادلہ ہوتا ہے، برس ہا برس قطع تعلقی میں گزر جاتے ہیں، بعض خاندانوں میں عداوت و کدورت وہ مقام حاصل کر چکی ہے کہ شاید اسلام اور کفر کے نام پر بننے والے دشمن اس کے سامنے شرما جائیں۔

قارئین کرام! آؤ اور اسلام کے نام پر جیو، اسی زندگی کو اپنا اعزاز اور منصب انسانی سمجھو۔ حدیث میں باقی بیان کردہ امور واضح ہیں۔

(١٣٣٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ؛ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے (حکمران کے جائز کاموں میں) اطاعت سے ہاتھ اٹھا لیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے

بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔)) (الصحيحة: ٩٨٤)

روز اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٢٢، و البيهقي: ٨/ ١٥٦

شرح: ...... اگر مسلمانوں کی جماعت موجود ہو تو اس میں شامل ہونا اور اس کے حاکم کو اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اہل اسلام کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ قوانین وضوابط میں پابند ہو کر پروان چڑھنے والی قوم انتظام و انصرام سے یکسر ناواقف ہو چکی ہے۔ فَأَلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ کو علم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں مذکورہ وعید اس شخص کے حق میں ہے، جس نے خلیفۂ مسلمین کی بیعت نہ کی ہو اور ان سے علیحدہ ہو گیا ہو۔ اس سے مراد عصرِ حاضر کی مختلف قسم کی تنظیموں اور جماعتوں کے سربراہان نہیں کہ ان کی بیعت کی جائے، بلکہ یہ تو تفرقہ بازی ہے، جس سے قرآن حکیم نے منع کیا ہے۔

(صحیحہ : ٩٨٤)

(١٣٣٧)۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ يَدْعُوْ عَصَبِيَّةً، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَتُهُ جَاهِلِيَّةٌ۔)) (الصحيحة: ٤٣٣)

سیدنا جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو اندھا دھند جھنڈے کے نیچے قتل ہوا، جہاں اس نے عصبیت کے لیے پکارا یا عصبیت کی بنا پر مدد کی، تو اس کا قتل ہونا جاہلیت والا ہوگا۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٦/ ٢٢، والنسائي: ٢/ ١٧٧، وابن حبان: ٧/ ٥١/ ٤٥٦٠، والطيالسي: ١٧٧/ ١٢٥٩

شرح: ...... ہمیں اسلام کے نام پر زندہ رہنا چاہیے، ہماری محبتیں اور نفرتیں اسلام کے نام پر ہوں، ہماری صلہ رحمی اور قطع تعلقی اسلام کے نام پر ہو، ہم اپنے بھائی سے سب سے پہلے اسلام کے نام پر محبت کریں پھر اپنے والدین کا بیٹا ہونے کی وجہ سے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی دلیری و بہادری اور قوت و قدرت کا اظہار دشمنانِ اسلام کے سامنے کریں، نہ کہ اپنے ہمسائیوں اور محلے والوں کے سامنے، تاکہ ہم اسلام کی موت مریں، نہ کہ جاہلیت والی، جو قبولیتِ اسلام سے پہلے مرتی تھی۔

کن امور پر بیعت کی جائے

(١٣٣٨)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: ((بَايَعْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَعَلٰى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَعَلٰى أَنْ

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے تنگدستی و خوشحالی میں اور پسند و ناپسند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سننے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کی بیعت کی ہے، اور اس بات پر بھی

لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ وَعَلٰى أَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))۔ (الصحيحة:٣٤١٨)

کہ ہم (امارت کے) معاملے میں اس کے اہل لوگوں سے نہیں چھینیں گے، الا یہ کہ اگر صریح کفر نظر آ جائے اور اللہ کی طرف سے کوئی واضح دلیل ہو، اور اس بات پر (بھی بیعت کی کہ) ہم جہاں بھی ہوں گے حق کا اظہار کریں گے اور اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

تخريج: هو من حديث عبادة بن الصامت رضي الله عنه، وله عنه طريقان:

الأول: يرويه عبادة بن الوليد بن عبادة عن أبيه عن جده: فأخرجه البخاري: ٧١٩٩، ٧٢٠٠۔ باختصار۔، ومسلم: ٦/ ١٦، وأبو عوانة: ٤/ ٤٥٤۔ والسياق لهما۔، وابن حبان: ٧/ ٣٩، ٤٠/ ٤٥٣٠، والنسائي: ٢/ ١٨٠۔ ١٨١، وابن أبي عاصم في "السنة": ٢/ ٤٩٤۔ ٤٩٥/ ١٠٢٩۔ ١٠٣٢، والبيهقي في "السنن": ٨/ ١٤٥، ١٠/ ١٥٨، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١٥/ ٥٧/ ١٩١٠٤، والحميدي في "مسنده": ١٩٢/ ٣٨٩، وأحمد: ٥/ ٣١٤ و٣١٦ و ٣١٩ والطريق الأخرى: فأخرجه البخاري ٧٠٥٥، ٧٠٥٦، و مسلم: ٦/ ١٦۔ ١٧، وأبو عوانة: ٤/ ٤٥٦، وابن حبان: ٧/ ٤٥/ ٤٣ ٤٥، وابن أبي عاصم: ٢/ ٤٩٢/ ١٠٢٦، ٤٩٣/ ١٠٢٨ و ٤٩٥/ ١٠٣٣ و ١٠٣٤، وابن أبي شيبة: رقم ١٩١٠٥، وأحمد: ٥/ ٣٢١، والبيهقي: ٨/ ١٤٥

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ ہر صورت میں وقت کے امیر اور حاکم کی اطاعت کرنا فرض ہے، جب تک وہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیتا۔ اس وقت تک اس کی امارت و ملوکیت کو قابل تسلیم اور قابل اطاعت سمجھا جائے جب تک اس میں واضح کفر نظر نہیں آ جاتا۔ اس حدیث کے آخری حصے میں انتہائی اہم نصیحت کی گئی ہے مسلمانوں کو شریعت کے اٹل فیصلوں پر برقرار رہنا چاہئے، ان کے طرزِ حیات میں استقامت اور سنجیدگی ہونی چاہئے، زمان و مکان سے متاثر نہیں ہونا چاہئے، اسی بات کو حق مانا جائے جو شریعت کے ہاں حق ہے اور جہاں بھی اس کے اعلان کی ضرورت پڑے، کسی قسم کی جھجک کے بغیر اس کا اظہار کر دیا جائے۔

(١٣٣٩)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: مَكَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ، يَتْبَعُ النَّاسَ فِيْ مَنَازِلِهِمْ بِعُكَاظٍ وَمَجَنَّةَ وَفِي الْمَوَاسِمِ بِمِنًى، يَقُوْلُ: ((مَنْ يُّؤْوِيْنِيْ، مَنْ يَّنْصُرُنِيْ، حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَلَهُ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مکہ میں دس سال تک ٹھہرے رہے، عکاظ، مجنہ اور حج کے موسم میں منیٰ جا کر لوگوں کو کہتے: ''کون ہے جو مجھے پناہ دے، کون ہے جو میری مدد کرے، تاکہ میں لوگوں تک اپنے ربّ کا پیغام پہنچا سکوں اور اسے جنت مل سکے؟'' جب یمن یا مضر کا کوئی

الْجَنَّةُ؟)) حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ أَوْ مِنْ مُضَرَ - كَذَا قَالَ - فَيَأْتِيْهِ قَوْمُهُ فَيَقُوْلُوْنَ: احْذَرْ غُلَامَ قُرَيْشٍ لَا يَفْتِنُكَ وَيَمْشِيْ بَيْنَ رِحَالِهِمْ وَهُمْ يُشِيْرُوْنَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، حَتّٰى بَعَثَنَا اللّٰهُ إِلَيْهِ مِنْ يَثْرِبَ، فَآوَيْنَاهُ، وَصَدَّقْنَاهُ، فَيَخْرُجُ الرَّجُلُ مِنَّا، فَيُؤْمِنُ بِهٖ، وَيُقْرِئُهُ الْقُرْآنَ فَيَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِهٖ، فَيُسْلِمُوْنَ بِإِسْلَامِهٖ، حَتّٰى لَمْ يَبْقَ دَارٌ مِنْ دُوْرِ الْأَنْصَارِ إِلَّا وَفِيْهَا رَهْطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُظْهِرُوْنَ الْإِسْلَامَ، ثُمَّ ائْتَمَرُوْا جَمِيْعًا، قُلْنَا: حَتّٰى مَتٰى نَتْرُكُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُطْرَدُ فِيْ جِبَالِ مَكَّةَ وَيَخَافُ؟ فَرَحَلَ إِلَيْهِ مِنَّا سَبْعُوْنَ رَجُلًا حَتّٰى قَدِمُوْا عَلَيْهِ فِي الْمَوْسِمِ، فَوَعَدْنَاهُ شِعْبَ الْعَقَبَةِ، فَاجْتَمَعْنَا عَلَيْهِ مِنْ رَجُلٍ وَرَجُلَيْنِ حَتّٰى تَوَافَيْنَا، فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نُبَايِعُكَ؟ قَالَ: ((تُبَايِعُوْنِيْ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَنْ تَقُوْلُوْا فِي اللّٰهِ، لَا تَخَافُوْنَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَعَلٰى أَنْ تَنْصُرُوْنِيْ، فَتَمْنَعُوْنِيْ - إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ وَلَكُمُ الْجَنَّةُ -)) قَالَ: فَقُمْنَا إِلَيْهِ، فَبَايَعْنَاهُ، وَأَخَذَ بِيَدِهٖ ابْنُ زُرَارَةَ

باشندہ مکہ میں آتا تو آپ ﷺ کی قوم اسے ملتی اور کہتی کہ قریش کے فلاں آدمی (محمد ﷺ) سے بچ کر رہنا، کہیں وہ تجھے بھٹکا نہ دے، آپ ان کے گھروں میں چل رہے ہوتے تھے، وہ آپ کی طرف اشارے کر کے آپ کا تعین کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ہمیں یثرب (مدینہ) سے آپ کی طرف بھیجا، ہم نے آپ کو جگہ دی اور آپ کی تصدیق کی۔ ہمارا آدمی آپ کے پاس پہنچتا، آپ پر ایمان لاتا، آپ اسے قرآن مجید پڑھاتے، پھر وہ اپنے گھر لوٹ آتا اور لوگ اس کے ذریعے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے، یہاں تک انصاریوں کے ہر محلے میں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد بن گئی۔ ایک دن ان سب (انصاریوں) نے مشورہ کیا اور کہا کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو چھوڑے رکھیں گے اور آپ ﷺ مکہ کے پہاڑوں میں در بدر اور ڈرتے ڈرتے پھرتے رہیں گے؟ اس مشورے کے بعد حج کے موسم میں ہم میں سے ستر آدمی آپ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے، عقبہ گھاٹی میں جمع ہونے کا آپ ﷺ سے طے پایا۔ ہم ایک دو دو آدمیوں کی صورت میں وہاں جمع ہوتے رہے، یہاں تک کہ سارے اکٹھے ہو گئے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کی بیعت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس بات پر میری بیعت کرو کہ چستی و سستی میں میری بات سنو گے اور مانو گے، تنگدستی و خوشحالی میں خرچ کرو گے، نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے منع کرو گے، تم اللہ کے حق میں بات کرو گے اور اس کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے، جب میں تمھارے پاس آ جاؤں تو میری مدد کرو گے اور جن (مکروہات سے) اپنے آپ کو، اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو بچاتے ہو، مجھے بھی بچاؤ

وَهُوَ مِنْ أَصْغَرِهِمْ. قَالَ: رُوَيْدًا بِأَهْلِ يَثْرِبَ! فَإِنَّا لَمْ نَضْرِبْ أَكْبَادَ الْإِبِلِ إِلَّا وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَأَنَّ إِخْرَاجَهُ الْيَوْمَ مُفَارَقَةُ الْعَرَبِ كَافَّةً، وَقَتْلُ خِيَارِكُمْ، وَأَنْ تَعَضَّكُمُ السُّيُوْفُ، فَإِمَّا أَنْتُمْ قَوْمٌ تَصْبِرُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَأَجْرُكُمْ عَلَى اللّٰهِ، وَإِمَّا أَنْتُمْ قَوْمٌ تَخَافُوْنَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ جُبَيْنَةً، فَبَيِّنُوْا ذٰلِكَ، فَهُوَ عُذْرٌ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ. قَالُوْا: أَمِطْ عَنَّا يَا سَعْدُ! فَوَاللّٰهِ لَا نَدَعُ هٰذِهِ الْبَيْعَةَ أَبَدًا، وَلَا نَسْلُبُهَا أَبَدًا. قَالَ: فَقُمْنَا إِلَيْهِ، فَبَايَعْنَاهُ، فَأَخَذَ عَلَيْنَا وَشَرَطَ، وَيُعْطِيْنَا عَلٰى ذٰلِكَ الْجَنَّةَ. (الصحيحة:٦٣)

گے، (اگر تم نے ایسے کیا تو) تمھیں جنت ملے گی۔" ہم یہ سن کر آپ کی بیعت کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے، لیکن سعد بن زرارہ، جو سب سے چھوٹا تھا، نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: یثرب والو! ذرا ٹھہرو، ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ ہی سمجھ کر سفر کر کے آئیں ہیں، (لیکن یاد رکھو کہ) آپ کو مکہ سے نکالنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پورا عرب ہم سے جدا ہو جائے گا، ہمارے سردار قتل ہوں گے اور تم تلواروں کا لقمہ بنو گے۔ اگر تم (ان آزمائشوں پر) صبر کرتے ہو تو ٹھیک ہے اور اگر بزدلی کی بنا پر ڈرنا ہے تو ابھی وضاحت کر دو، تاکہ تم اللہ کے ہاں اپنا عذر پیش کر سکو۔ ہم نے کہا: سعد! اب آگے سے ہٹ جاؤ، اللہ کی قسم! ہم اس بیعت کو چھوڑیں گے نہ توڑیں گے۔ ہم کھڑے ہوئے، آپ کی بیعت کی، آپ نے ہم سے بیعت لی اور ہم پر کچھ شرطیں عائد کیں اور اس کے بدلے ہم کو جنت عطا کی۔

تخریج: رواہ أحمد: ٣/ ٣٢٢، ٣٢٣ و٣٣٩، والبزار: ٢/ ٣٠٧، ٣٠٨/ ١٧٥٦، وابن حبان: ٦٢٤١، والبیهقی: ٩/ ٩، وفی "الدلائل": ٢/ ٤٤٢۔٤٤٤

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے نبوی منہج کا آغاز کیا، لیکن وہاں دشمنانِ اسلام کی طرف سے بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں، جن شاذ و نادر افراد نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا، ان کو انسانیت سوز تکالیف میں مبتلا کیا گیا۔ آپ ﷺ کسی اور مرکز کے خواہاں تھے کہ اللہ تعالی نے یثرب سے کچھ سعادت مندوں کا انتخاب کیا، وہ مشرف باسلام ہوئے، انھوں نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی اور تائید و نصرت کا عہد و پیمان کیا۔ اس حدیث میں یہی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(١٣٤٠)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ مَرْفُوْعًا: ((تَعَالَوْا بَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ،

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آؤ اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر بہتان نہیں باندھو گے اور نیکی کے معاملے میں میری نافرمانی نہیں کرو

وَلَا تَعْصُوْنِيْ فِيْ مَعْرُوْفٍ، فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ. وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ))۔ (الصحيحة ۲۹۹۹)

گے۔ جس نے یہ بیعت پوری کی اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس نے (کسی گناہ) کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں ہی اس کی سزا دے دی گئی تو وہ کفارہ بن جائے گی اور جس نے (کسی گناہ کا) ارتکاب کیا اور اللہ تعالی نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہے، چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ۱/ ۵٤، ۷/ ۱۷٦، ۸/ ۵۱۸، ۱۲/ ٦۹، ۱۳/ ۱۷۳ والسياق له في رواية، ومسلم: ۵/ ۱۲۷، والترمذي: ۱٤۳۹، والنسائي: ۲/ ۱۸۲ ق۱۸۳، والدارمي: ۲/ ۲۲۰، وأحمد: ۵/ ۳۱٤، ۳٤۰، وابن ماجه: ۲/ ۱۲۹

شرح:...... یہ بیعت کا اصول ہے کہ لوگوں سے نیک اعمال سرانجام دینے اور برے اعمال سے اجتناب کرنے کی بیعت لی جائے۔ آجکل مخصوص شخصیات کو بیعت کے لیے خاص کر لیا گیا ہے اور جہاں ان کی بیعت کو ضروری سمجھا جاتا ہے، وہاں دوسروں کو ترغیب بھی دی جاتی ہے اور ان بندگانِ خدا پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کیا جاتا ہے جو اس قسم کی بیعت سے محروم رہتے ہیں، حالانکہ یہ سب کچھ بے سر و پا اور بے حقیقت ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیثِ مبارکہ میں خوارج کا ردّ ہے، جو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اہل توحید کو کافر قرار دیتے ہیں اور معتزلہ کا بھی ردّ ہے، جو توبہ کے بغیر مرنے والے فاسق مسلمان کے لیے سزا کو ضروری قرار دیتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ توحید پرست گنہگار کی تعذیب یا عدمِ تعذیب کا مسئلہ اللہ تعالی کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالی ضرور سزا دے گا۔

اللہ تعالی کے اس فرمان کا بھی یہی مفہوم ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ (سورۂ نساء: ٤۸، ۱۱٦) ......''یقیناً اللہ تعالی (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''

اللہ تعالی نے شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کیا ہے، یعنی شرک نا قابل معافی ہے اور دوسرے گناہ اس کی مشیت کے تابع ہیں، وہ ان کو معاف بھی کر سکتا ہے اور ان پر گرفت بھی کر سکتا ہے۔

ضروری ہے کہ اس آیت اور حدیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے جو گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر گیا ہو، کیونکہ جو آدمی زندگی میں شرک اور دوسرے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے تو اسے بخش دیا جائے گا۔

میں اس استدلال کے ذریعے عصرِ حاضر کے ایسے لوگوں کا رد کرنا چاہتا ہوں جو کبھی تو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہو گا اور اگر کوئی

مسلمان کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے توبہ کیے بغیر مر جائے گا، تو اسے ہر صورت میں سزا ہوگی۔

ان لوگوں نے کتاب وسنت کی مخالفت کرتے ہوئے شرک اور اس سے ادنی گناہوں کو اس اعتبار سے برابر قرار دیا ہے کہ دونوں کی وجہ سے عذاب ضروری ہے، میں نے مختلف اوقات اور مجالس میں دلائل کے ساتھ ان لوگوں کا ردّ کیا ہے، بعض نے تو متأثر ہو کر اس عقیدے سے توبہ کر لی اور بہترین سلفی نوجوانوں میں شامل ہو گئے، اللہ تعالی باقیوں کو ہدایت دے۔ (صحیحہ: ۲۹۹۹)

خلیفہ کی بیعت کب توڑی جا سکتی ہے؟

(۱۳٤۱)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ مَرْفُوْعًا: ((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُوْنَهُ، فَاكْرَهُوْا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوْا اَبَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔)) (الصحيحة:۹۰۷)

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمھارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے حق میں دعائے خیر کرو اور وہ تمھارے حق میں دعائے خیر کریں اور تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرو اور وہ تمھیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کی بیعت توڑ کر ان کی بغاوت نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، جب تک وہ تمھارے اندر نماز قائم کرتے رہیں۔ نہیں، جب تک وہ تمھارے اندر نماز قائم کرتے رہیں۔ جب تم اپنے حکمرانوں میں ایسی چیزیں دیکھو جنھیں تم ناپسند کرتے ہو، تو اس چیز کو مکروہ سمجھو، لیکن ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔“

تخریج: أخرجه مسلم:٦/ ٢٤، والدارمی: ٢/ ٣٢٤، وأحمد: ٦/ ٢٤و٢٨، وكذا البخاری فی ”التاريخ“: ٤/ ١/ ٢٧٠، وابن أبی عاصم فی ”السنة“: ٢/ ٥٠٩-٥١٠، والبيهقی فی ”السنن“: ٨/ ١٥٨

شرح:...... نماز ہی ہے جس نے بدکردار حکمران کو تحفظ دیا اور اس کی بادشاہت کو باقی رکھنے کی تلقین کی، اگر اسلامی مملکت کا کوئی حکمران نماز سے بھی غافل ہو جائے تو اسے حکمرانی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں رہتا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اسے اپنا امیر تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

خلیفہ کا ذی رائے رعایا سے مشورہ کرنا

(۱۳٤۲)۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَسْمُرُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فِيْ الْأَمْرِ مِنْ

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے کسی معاملے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ

أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَنَا مَعَهُمَا۔

(الصحيحة:٢٧٨١)

رات کو گفتگو کرتے تھے اور میں دونوں کے پاس موجود ہوتا تھا۔

تخريج: أخرجه الترمذي :رقم ١٦٩، وابن حبان:٢٧٦، والبيهقي :١/ ٤٥٢، وأحمد: ١/ ٢٥

شرح:...... اس حدیث کے ذریعے نبی کریم ﷺ یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ حاکم وقت کو مسلم رعایا کے بارے میں ذوفہم، دور اندیش، تجربہ کار اور منجھے ہوئے حضرات سے مشاورت کرنا چاہئے۔

گمراہ کرنے والے حاکم و امام سب سے بڑا خطرہ ہیں

(١٣٤٣)۔ عَـنْ أَبِـي ذَرٍّ قَـالَ: كُنْتُ مُخَاصِرًا لِلنَّبِيِّ يَوْمًا إِلٰى مَنْزِلِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ((غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ عَلٰى أُمَّتِيْ مِنَ الدَّجَّالِ، اَلْأَئِمَّةُ الْمُضِلُّوْنَ))۔

(الصحيحة: ١٩٨٩)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک دوسرے کی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر آپ ﷺ کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے حق میں گمراہ کرنے والے حکمران، دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہوں گے۔''

تخريج: أخرجه أحمد ٥/ ١٤٥

شرح:...... دجال مسلمانوں اور کافروں دونوں کے حق میں بہت بڑی آزمائش ہوگا، مسلمانوں کے لیے موت سے پہلے اور کافروں کے لیے موت کے بعد۔ گمراہ حکمرانوں کا مضرّ پہلو بھی دجال کے شرّ وفساد سے کوئی کم نہیں ہوتا۔ رعایا کا جو آدمی ظالم حکمرانوں کی موافقت کرنے لگے، اس کا دین و دنیا خسارے میں پڑ جاتے ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے، وہ مصائب کی دھونکنی میں دھونک دیا جاتا ہے یا پھر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ماضی اور حال میں ظالم اور گمراہ حکمرانوں کے قول و کردار نے اِن احادیثِ مبارکہ کی توضیح و تصدیق کر دی ہے۔

(١٣٤٤)۔ قَالَ ﷺ: ((أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ اَلْأَئِمَّةُ الْمُضِلُّوْنَ)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَأَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، وَثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَشَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ۔

(الصحيحة: ١٥٨٢)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے سلسلے میں سب سے زیادہ خوف گمراہ کرنے والے اماموں اور حکمرانوں سے ہے۔'' یہ حدیث سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا ابو درداء، سیدنا ابو ذر غفاری، مولائے رسول سیدنا ثوبان، سیدنا شداد بن اوس اور سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث عمر: فأخرجه أبو نعيم في "الحلية": ٦/ ٤٦

(٢)۔ وأما حديث أبي الدرداء: فأخرجه أحمد: ٦/ ٤٤١

(۳)۔ وأما حديث أبي ذر: فأخرجه أحمد: ٥/ ١٤٥

(٤)۔ وأما حديث ثوبان: فأخرجه أبوداود: ٢/ ٢٠٣، والدارمي: ١/ ٧٠و ٢/ ٣١١، والترمذي: ٣/ ٢٣١۔ تحفة، و أحمد: ٥/ ١٧٨

(٥)۔ وأما حديث شداد: فقد تقدم في الذي قبله۔

(٦)۔ وأما حديث علي: فيرويه جابر عن عبدالله بن نجي عنه۔

لكن هذا الأسناد ضعيف كما بينته في "تخريج السنة لابن أبي عاصم": ١٠٠

شرح:...... "اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ" ......لوگ اپنے بادشاہوں والا دین اختیار کرتے ہیں۔ جیسا حکمران ہوگا، ویسی رعایا ہوگی۔ ظالم و جابر حکمرانوں سے عوام بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ جو لوگ منافقت اور چاپلوسی کرتے ہوئے ان کے ساتھ مل جاتے ہیں، وہ دین و دنیا میں خسارہ اٹھاتے ہیں اور جو ان سے دور رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں، ان کو بھی کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا تو ان کو قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا موت کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے، یا پھر حکمرانوں کی پابندیوں کے مطابق زندگی گزارنی پڑتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث سے مراد گمراہ کن مذہبی پیشوا اور مشائخ ہوں، جو اپنے مریدوں کا اعتقاد بڑھانے اور حسنِ عقیدت قائم رکھنے کے لیے ہزاروں طرح کے مکروفریب کرتے ہیں اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو راضی رکھنے کے لیے ان کے خلافِ شرع کاموں پر سکوت اختیار کرتے ہیں، لعنت ہو ایسی مولویت اور مشائخیت پر، تر نوالوں کی خاطر شریعت کو مسخ کر رہے ہیں۔ آخر سلف صالحین بھی پیشوا تھے، جو اپنے لیے خود کمائی کرتے اور اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضامندی کی خاطر لوگوں کو نصیحت کرتے، وہ دنیا داروں کے خوف و خطر، پاس و لحاظ اور خفگی و ناراضگی کی کوئی پروا نہ کرتے۔

لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کا انجام بد

(١٣٤٥)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: قُلْتُ لِمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَامِنْ إِمَامٍ يَغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِيْ الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ، إِلَّا أَغْلَقَ اللّٰهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ))۔

سیدنا عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو حکمران ضرورت مندوں، مفلسوں اور حاجت مندوں سے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضرورت، حاجت اور مسکنت کے سامنے آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔''

(الصحيحة:٦٢٩)

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٢٤٩، والحاكم: ٤/ ٩٤، وأحمد: ٤/ ٢٣١، واخرجه ابوداود: ٢٩٤٨

بلفظ قريب منه

شــرح :...... اس حدیثِ مبارکہ میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے، عصر حاضر کے با اختیار عہد یداروں نے اس کی خوب وضاحت کر دی ہے۔ غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کرنے والا کبھی بھی سکون کا سانس نہیں لے گا، بشرطیکہ اسے علم ہو کہ سکون اور بے سکونی کسے کہتے ہیں۔

دو جہانوں کے سردار ﷺ کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ سیدنا عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جیسے نادار اور نابینے صحابی کی آمد پر ناخوشگواری کا اظہار کریں، لیکن دورِ حاضر کا دو ٹکے کا آدمی ''لولے لنگڑوں'' سے ہم کلام ہونا گوارہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کرے گا۔

پہلے خلیفہ کی موجودگی میں بیعت لینے والے دوسرے خلیفے کو قتل کر دیا جائے

(١٣٤٦)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا بُوْيِعَ الْخَلِيْفَتَيْنِ، فَاقْتُلُوْا الْآخَرَ مِنْهُمَا)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْد، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَان، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

(الصحيحة:٣٠٨٩)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب (یکے بعد دیگرے) دو خلفا کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔'' یہ حدیث سیدنا ابوسعید، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا معاویہ بن ابوسفیان، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: جاء من حديث أبي سعيد، وأبي هريرة، ومعاوية بن أبي سفيان، وأنس بن مالك، وعبد الله بن مسعود

(١)أما حديث أبي سعيد: فأخرجه مسلم:٦/ ٢٣، وأبو عوانة: ٤/ ٤٦٠، والبيهقي في"السنن": ٨/ ١٤٤، وأحمد: ٣/ ٢٩

(٢) وأما حديث أبي هريرة: فأخرجه البزار في"مسنده": ٢/ ٢٣٥/ ١٥٩٥، والطبراني في"المعجم الأوسط": ٤/ ٣٢٠/ ٢٥٣٤۔ مجمع البحرين، وابن عدي في"الكامل": ٦/ ٢١٣

(٣) وأما حديث معاوية فأخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ١٩/ ٣١٤/ ٧١٠، و في "الأوسط": ٤/ ٣٢٠/ ٢٥٣٥۔ مجمع البحرين

(٤) وأما حديث أنس: فأخرجه العقيلي في"الضعفاء" ٣/ ٤٥٧، والخطيب في "التاريخ": ١/ ٢٣٩

(٥)وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه مسلم، وأبو عوانة: ٤/ ٤٦١، وابن حبان: ٦/ ٢٩٤/ ٤٣٨٩، واللفظ لمسلم

شــرح :...... دوسرا خلیفہ بغاوت کے حکم میں آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم

دیا ہے، جب تک وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آ جائیں۔ ایک سلطنت میں دو خلیفے یا دو بادشاہ ہونے کے مفاسد واضح ہیں۔

امام نووی کہتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو بغاوت سے باز رکھنے کی اور کوئی صورت نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيْدُ اَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ، اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ۔)) ''جب کوئی آدمی تمہارا شیرازہ بکھیرنے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کے لیے تمہارے پاس آئے، جبکہ تمہارا ایک (امیر) پر اتفاق ہو تو اسے قتل کر دو۔'' (صحيح مسلم: ١٨٥٢)

جھوٹا حکمران جنت میں داخل نہیں ہوگا

(١٣٤٧)۔ عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ الشَّيْخُ الزَّانِيْ، وَالْإِمَامُ الْكَذَّابُ وَالعَائِلُ الْمَزْهُوُّ۔)) (الصحيحة: ٣٤٦١)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: بوڑھا زانی، جھوٹا حکمران اور مغرور غریب۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده: البحر الزخار": ٦/ ٤٩٣/ ٢٥٢٩

شرح:...... زنا، جھوٹ اور غرور گناہ کے کام ہیں، جو بھی ان کا ارتکاب کرے گا وہ گنہگار ہوگا، لیکن یہی جرائم جب بعض شخصیات سے صادر ہوتے ہیں تو ان کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا تعلق اسی موضوع سے ہے۔

انصاف پسند حکمران کی فضیلت

(١٣٤٨)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَرُدُّ اللّٰهُ دُعَاءَ هُمْ: اَلذَّاكِرُ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَالْإِمَامُ الْمُقْسِطُ)) (الصحيحة: ٣٣٧٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں کی دعا رد نہیں کرتا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، مظلوم اور انصاف کرنے والا حکمران۔''

تخريج: أخرجه البزار: ٤/ ٣٩/ ٣١٤٠۔ كشف الأستار، والبيهقي في "شعب الأيمان": ١/ ٤١٩/ ٥٨٨، ٦/ ١١/ ٧٣٥٨

شرح:...... اللہ تعالیٰ ہر وقت سنتا ہے اور ہر وقت قبول کرتا ہے، لیکن اس نے بھی بعض اوقات اور بعض شخصیات کو خاص کر رکھا ہے کہ ان کا بہر حال دوسرے اوقات اور شخصیات سے زیادہ لحاظ کرتا ہے۔ مثلا عام آدمی کہ بہ نسبت جب اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والا، مظلوم اور منصف حکمران اللہ تعالیٰ کو پکاریں گے تو وہ ان کی قدر کرتے ہوئے ان کی

پکاروں کا جواب دے گا۔

تین افراد دورانِ سفر ایک امیر کا تعین کر لیں

(۱۳۴۹)۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا أَحَدَهُمْ۔))

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو امیر بنا لیں۔''

(الصحیحة: ۱۳۲۲)

تخریج: رواه أبوداود: ۲۶۰۸/ ۲۶۰۹، وأبوعوانة في "صحيحه" ۸/ ۱۸/ ۱

شرح: ...... اسلام افراتفری اور بے ادبی زندگی سے کوسوں دور ہے۔ یہ مذہب انتظام و انصرام سے متصف ہے۔ لوگوں کے لیے امن و یکجہتی کا شدید خواہاں ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر تین مسافروں کو یہ تلقین کی گئی کہ وہ اپنے مختصر یا طویل سفر میں اپنا ایک امیر مقرر کر لیں، تاکہ قانون اور ضابطے کے مطابق سفر گزر جائے اور اس کے دوران کے معاملات میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور پیدا ہونے والے اختلاف و افتراق کو امیر کے حکم کے مطابق حل کر لیا جائے۔

رعایا بہرصورت اپنی ذمہ داریاں ادا کرے

(۱۳۵۰)۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: وَرَجُلٌ سَأَلَهُ فَقَالَ: أَرَأَیْتَ إِنْ کَانَ عَلَیْنَا أُمَرَاءُ یَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا، وَیَسْأَلُوْنَا حَقَّهُمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِسْمَعُوْا وَأَطِیْعُوْا، فَإِنَّمَا عَلَیْهِمْ مَا حُمِّلُوْا، وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ))

علقمہ بن وائل بن حجر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہمارا حق نہ دیں، لیکن اپنا حق مانگیں (تو ہمارے لیے کیا حکم ہے)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان کی بات سننا اور ماننا، ان کے ذمے وہ بوجھ ہے جو انھیں اٹھوایا گیا (یعنی عدل و انصاف) اور تمھارے ذمے وہ بوجھ ہے جو تمھیں اٹھوایا گیا (یعنی اطاعت)۔''

(الصحیحة: ۳۱۷۶)

تخریج: أخرجه مسلم: ٦/ ١١، والبخاري في "التاريخ": ٢/ ٢/ ٧٣، وأبوعوانة في "صحيحه": ٤/ ٤٦٨ والترمذي: ٦/ ٢٥٧/ ٢٢٢٠، والبيهقي في "السنن": ٨/ ١٥٨، و "الشعب": ٦/ ٦١، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٢/ ١٦/ ٢٠، والطيالسي: ١٣٧/ ١٠١٩

شرح: ...... کوئی آدمی خلفا و امرا سے انتقامی کاروائی نہیں کر سکتا، ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں، اگر خلیفہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرے تو عوام کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے حقوق غصب کرے یا اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرے، کیونکہ ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کی باز پرس ہوگی۔

آجکل بے سکونی، افراتفری اور شکوہ و شکایت کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسرے کی غفلتوں کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکا ہے، کم از کم یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم دوسروں کی ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے اپنے آپ کو مکمل انسان بنانے کی کوشش کرتے اور اپنے واجبات و فرائض ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہوتے اور دوسروں کی نا اہلیوں کو سدھارنے کی کوشش کرتے یا پھر صبر کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

احکامِ قرآن کی تعمیل کا حکم

(۱۳۵۱)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْهَجِيْرِ وَهُوَ مَرْعُوْبٌ فَقَالَ: ((أَطِيْعُوْنِيْ مَاكُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، وَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ أَحِلُّوْا حَلَالَهُ، وَحَرِّمُوْا حَرَامَهُ))۔ (الصحيحة:۱٤۷۲)

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کے وقت ہمیں خطبہ دیا، اس حال میں آپ مرعوب تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری اطاعت کرو جب تک میں تمھارے اندر موجود رہوں، اللہ کی کتاب کو لازم پکڑنا، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا۔“

تخريج: أخرجه تمام في "الفوائد" ٦/ ١١١/ ١-٢

شرح:...... قرآنِ مجید سرچشمۂ ہدایت و رشد ہے، حلت و حرمت کی بے مثال کسوٹی ہے، اور کامیابی و کامرانی کا علم بردار ہے۔ جن لوگوں نے اس کتاب کو اپنا امام بنایا، وہ دنیا کے مکینوں کے امام بن گئے اور جس مسلم فرد یا قوم نے اس کتاب سے روگردانی کی، وہ دنیا میں ذلیل ہوا اور آخرت اور آخرت بھی خسارہ اٹھائے گا۔ ہمیں چاہئے کہ اس کتاب کی تعلیم حاصل کریں، اس کے احکام کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کریں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے احکام پر مشتمل آخری کتاب ہے، جو خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوئی، یہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس اعتبار سے روئے زمین پر منفرد کتاب ہے کہ دنیا و آخرت کی ترقیاں اس میں پنہاں ہیں، ہاں اس حقیقت کو ذہن نشین کیا جائے کہ یہ قانون کی کتاب ہے اور دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں، جس کو سمجھا نہ جاتا ہو یا سمجھا تو جاتا ہو، لیکن اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔ لہٰذا اگر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی بلکہ ملکی اور حکومتی سطح پر اصلاح چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک حل ہے کہ حصولِ علوم قرآن مجید کے بعد اس کے احکام پر نہ صرف عمل کیا جائے، بلکہ اس پر ناز اور فخر محسوس کیا جائے۔

برے حکمران کے ساتھ رعایا کا تعلق

(۱۳۵۲)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ خَطِيْبًا، فَكَانَ مِنْ خُطْبَتِهِ أَنْ قَالَ: ((أَلَا إِنِّيْ أُوْشِكُ أَنْ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اس خطبے کا ایک اقتباس یہ ہے: ”آگاہ رہو! قریب ہے کہ مجھے بلا لیا جائے اور میں اس بلاوے کا

أُدْعٰى فَأُجِيْبَ، فَيَلِيْكُمْ عُمَّالٌ مِنْ بَعْدِيْ، يَقُوْلُوْنَ مَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، وَطَاعَةُ أُولٰئِكَ طَاعَةٌ، فَتَلْبَثُوْنَ كَذٰلِكَ دَهْرًا ثُمَّ يَلِيْكُمْ عُمَّالٌ مِنْ بَعْدِهِمْ، يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَعْمَلُوْنَ مَالَا يَعْرِفُوْنَ، فَمَنْ نَاصَحَهُمْ وَوَازَرَهُمْ وَشَدَّ عَلٰى أَعْضَادِهِمْ، فَأُولٰئِكَ قَدْ هَلَكُوْا وَأَهْلَكُوْا، خَالِطُوْهُمْ بِأَجْسَادِكُمْ، وَزَايِلُوْهُمْ بِأَعْمَالِكُمْ، وَاشْهَدُوْا عَلَى الْمُحْسِنِ بِأَنَّهُ مُحْسِنٌ، وَعَلَى الْمُسِيْءِ بِأَنَّهُ مُسِيْءٌ))۔ (الصحيحة:٤٥٧)

جواب دے دوں۔ میرے بعد مختلف حکمران تمھاری ذمہ داری اٹھائیں گے، وہ جو کچھ کہیں گے اس پر عمل بھی کریں گے اور عمل بھی اسی چیز پر کریں گے جس کا انھیں علم ہوگا، ان کی اطاعت حقیقی اطاعت ہے، تم لوگ کچھ زمانہ اسی طرح رہو گے۔ پھر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں گے، جو اپنے کہے پر عمل نہیں کریں گے اور اگر عمل کریں گے تو اسے پہچانتے نہیں ہوں گے۔ جن لوگوں نے ان سے ہمدردی کی، ان کے مشیر و مصاحب بنے اور ان کی پشت پناہی کی تو وہ خود بھی ہلاک ہوں گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں گے۔ (لوگو!) بظاہر ان کے ساتھ رہنا، لیکن عمل کے معاملے میں ان سے جدا ہو جانا اور جو نیک ہو اس کے صالح ہونے کی اور جو برا ہو اس کے برا ہونے کی گواہی دینا۔“

تخريج: رواه الطبراني في ”الأوسط“: ١/ ١٩٦/ ٢، والبيهقي في ”الزهد الكبير“: ٢٢/ ١

شرح:...... ہم حدیث کے آخری حصے میں کی گئی پیشین گوئی والے دور سے گزر رہے ہیں، حکمرانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں سے یکسر سبکدوش ہو چکے ہیں، نہ انکی موافقت میں کوئی عافیت نظر آتی ہے اور نہ ان کی مخالفت میں، زبان و عمل اور قول و کردار میں زبردست تضاد ہے، ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں ہر فرد قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی ذمہ داریاں سمجھے، اپنے گھر کا ماحول پاکیزہ بنائے اور حکمت و دانائی سے فیصلہ کرے کہ اربابِ حکومت کے ساتھ کب اور کتنی موافقت ضروری ہے۔ اگر ان کے دربار میں حاضری دینا پڑ جائے تو کتنا وقت کیسے گزارنا چاہیے اور اگر وہاں جانے کے بغیر گزارا ہوسکتا ہے تو اسی میں عافیت سمجھے۔

بدکردار امرا کے ہاں ملازمت کرنے سے گریز کیا جائے

(١٣٥٤)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ، يُقَرِّبُوْنَ شِرَارَ النَّاسِ، وَيُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا، فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ، فَلَا يَكُوْنَنَّ عَرِيْفًا، وَلَا شُرْطِيًّا وَلَا جَابِيًا، وَلَا خَازِنًا۔)) (الصحيحة:٣٦٠)

سیدنا ابوسعید اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم پر ایسے امرا مسلط ہوں گے، جو شریر لوگوں کو اپنے قریب کریں گے اور نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے، جو آدمی ان کا زمانہ پا لے تو وہ ان (کی حکومت کا) نہ منتظم بنے، نہ سپاہی، نہ وصول کنندہ اور نہ خزانچی۔“

تخریج: أخرجه ابن حبان فی "صحیحه": ۱۵۵۸ ـ موارد واخرجه االطبرانی عن ابی هریرة وحده فی "المعجم الصغیر": صـ ۱۱۷، و"الاوسط": ۱/ ۲۵۳/ ۲/ ۴۳۴۸

شرح: ...... اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن وحدیث کے متصادم نظام میں کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ: ۲)...... ''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔''

یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کیا گیا ہے، جو مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کرتا ہے، لیکن اس پر عمل کرنے کی اولین شرط یہ ہے کہ مسلمان کو اس کی زندگی سے متعلقہ حلال و حرام امور کا مکمل علم ہو، تاکہ وہ اپنے لیے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا فیصلہ کر سکے۔

امتِ مسلمہ کے حق میں نرم حکمران کے لیے دعائے نبوی اور سخت کے لیے بد دعا

(۱۳۵۵)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شَمَاسَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَتْ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ، قُلْتُ: كَيْفَ كَانَ صَاحِبُكُمْ لَكُمْ فِيْ غَزَاتِكُمْ هٰذِهِ؟ فَقَالَ: مَانَقَمْنَا مِنْهُ شَيْئًا، إِنْ كَانَ لَيَمُوْتُ لِلرَّجُلِ مِنَّا الْبَعِيْرُ، فَيُعْطِيْهِ الْبَعِيْرَ، وَالْعَبْدُ فَيُعْطِيْهِ الْعَبْدَ، وَيَحْتَاجُ إِلَى النَّفْقَةِ، فَيُعْطِيْهِ النَّفَقَةَ، فَقَالَتْ: أَمَا إِنَّهُ لَايَمْنَعُنِيَ الَّذِيْ فَعَلَ فِيْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ۔ أَخِيْ۔ أَنْ أُخْبِرَكَ مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا: ((اَللّٰهُمَّ! مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ))۔ (الصحيحة:۳۴۵۶)

عبدالرحمٰن بن شماسہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک چیز کی بابت پوچھنے کے لیے آیا۔ انھوں نے کہا: آپ کا تعلق کن لوگوں سے ہے؟ میں نے کہا: اہلِ مصر سے۔ انھوں نے کہا: تمھارا ساتھی اس لڑائی میں کیسا رہا؟ میں نے کہا: ہم کسی معاملے میں اس پر ملامت نہیں کرتے، اگر کسی آدمی کا اونٹ مر جاتا ہے تو وہ اسے اونٹ دیتا ہے، اگر کسی کا غلام مر جاتا ہے تو وہ اسے غلام دیتا ہے اور نان نفقہ کے محتاجوں کی ضروریات بھی پوری کرتا ہے۔ انھوں نے کہا: اس نے میرے بھائی عبد الرحمٰن بن ابوبکر کے حق میں جو کچھ کہا، اس کو مدنظر رکھ کر میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنانے سے باز نہیں رہ سکتی، آپ ﷺ نے میرے اس گھر میں ارشاد فرمایا تھا: ''اے اللہ! جس نے میری امت کے امور کا اقتدار سنبھالا اور ان پر مشقت ڈالی تو تو بھی اس کو مشقتوں میں مبتلا کر دینا اور جو میری امت کے امور کا حاکم بنا اور ان کے ساتھ نرمی برتی تو تو بھی اس پر رحم فرمانا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۶/ ۷، وأبوعوانة: ۴/ ۴۱۲۔ والسياق لهما۔، والنسائي في "الكبرى" ۵/ ۲۷۵/ ۸۸۷۳۔ الشطر الثاني منه۔، وابن حبان: ۱/ ۳۸۲/ ۵۵۴۔ الأحسان، و البيهقي في "السنن": ۹/ ۴۳،

۱۰/ ۱۳٦، وأحمد: ٦/ ۹۳ و ۲۵۷ و ۲۵۸، والطبراني في "المعجم الأوسط": ۱۰/ ۲۰۵/ ۹٤٤٥، والبغوي في "شرح السنة": ۱۰/ ٦٤/ ۲٤۷۱

شرح:...... ہر قسم کے ادنی و اعلی مسئولین کو چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کے فرزندانِ امت کے ساتھ نرم برتاؤ کریں تاکہ وہ نبی کریم کی مبارک دعا کا مصداق بن سکیں۔

ہر نگران سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا

(۱۳۵٦)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلِّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ، أَحَفِظَ ذٰلِكَ أَمْ ضَيَّعَ؟ حَتّٰى يَسْأَلَ الرَّجُلَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ))۔ (الصحيحة: ۱٦۳٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالی ہر نگران سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کرے گا کہ اس نے اس کی حفاظت کی یا اسے ضائع کر دیا، حتی کہ وہ بندے سے اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی پوچھے گا۔''

تخریج: رواه النسائي في "عشرة النساء": ۲/ ۸۹/ ۲، والضياء في "المختارة": ۱۸۵/ ۲، وابن حبان: ۱۵٦۲

شرح:...... تقریبا ہر بالغ آدمی کسی نہ کسی فرد یا افراد کا نگران ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کو نیکیاں کرنے کی رغبت دلائے۔ اور ان کو نافرمانیوں سے دور رکھے۔ اس حدیث مبارکہ سے حکمرانوں اور دوسرے اعلی عہدیداروں کی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے۔

رعایا سے دھوکہ کرنے والے حکمران کا انجام

(۱۳۵۷)۔ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((أَيُّمَا رَاعٍ اسْتَرْعٰى رَعِيَّةً فَغَشَّهَا فَهُوَ فِي النَّارِ))۔ (الصحيحة: ۱۷۵٤)

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کچھ رعیت کی ذمہ داری اٹھائی اور پھر اس سے دھوکہ کیا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ۵/ ۲۵، ومسلم: ٦/ ۹، وأخرج البخاري في "الاحكام"، واحمد، ومسلم نحوه اتم منه

شرح:...... مساوات کے ساتھ رعایا کے حقوق پورے کرنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہے، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ رَجُلٍ يَلِيْ أَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ إِلَّا أَتَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَغْلُوْلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ إِلٰى عُنُقِهِ: فَكَّهُ بِرُّهُ أَوْ أَوْبَقَهُ إِثْمُهُ: أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَأَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ، وَآخِرُهَا خِزْيٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) ...... ''جو آدمی دس یا زیادہ افراد کا والی بنا، اللہ تعالی اسے روزِ قیامت اس حال میں لائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑا ہوا ہوگا، پھر اس کی نیکی اس کو آزاد کر دے گی یا اس کا گناہ اس کو ہلاک

کر دے گا، اس (امارت) کے شروع میں ملامت، درمیان میں ندامت اور آخر میں (روز قیامت) رسوائی ملتی ہے۔"
(مسند احمد: ٥/ ٢٦٧)

بہر حال ذمہ داریاں سنبھالنے والے اللہ تعالی کے ہاں مسئول ہیں اور کامیاب وہی ہے جو لوگوں کے آرام کو اپنے سکون پر ترجیح دیتا ہے۔

نا اہل خلفا کا وبال انہی پر پڑے گا

(١٣٥٨)۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَعْمَلُوْنَ بِغَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((عَلَيْهِمْ مَّاحُمِّلُوْا، وَعَلَيْكُمْ مَّاحُمِّلْتُمْ۔)) (الصحيحة: ١٩٨٧)

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ایسے اعمال سرانجام دیں جن کا اللہ تعالی کی اطاعت سے تعلق نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: "ان کے ذمے وہ بوجھ ہے جو انھیں اٹھوایا گیا (یعنی عدل و انصاف) اور تمھارے ذمے وہ بوجھ ہیں جو تمھیں اٹھوایا گیا (یعنی اطاعت)۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ١/ ١/ ٤٢

شرح:...... ہم نے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں اور اپنے حقوق کا سوال اللہ تعالی سے کرنا ہے۔ شریعت نے اس بات کی کوئی اجازت نہیں دی کہ خلیفہ کی خیانت اور غفلت کی وجہ سے عوام بھی ایسا کرنے لگ جائے۔ کیونکہ حاکم و محکوم دونوں کے علیحدہ علیحدہ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں، ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کا سوال کیا جائے گا۔

نبی اور خلیفہ کے دو دو بھیدی

(١٣٥٩)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي الْهَيْثَمِ: ((هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا)) فَأُتِيَ النَّبِيَّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اِخْتَرْ مِنْهُمَا)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِخْتَرْلِيْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هٰذَا، فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّيْ، وَاسْتَوْصِ بِهِ، خَيْرًا)) فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: مَاأَنْتَ بِبَالِغٍ مَاقَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ ﷺ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ہیثم سے پوچھا: "کیا تیرے پاس خادم ہے؟" اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب ہمارے پاس قیدی آئیں گے تو آنا (ہم تجھے خادم دے دیں گے)۔" نبی کریم ﷺ کے پاس دو قیدی لائے گئے، تیسرا کوئی نہیں تھا۔ ابو ہیثم بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: "ایک پسند کرلو۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول: آپ خود میرے لیے منتخب کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی کو قابل اعتماد شخصیت سمجھ کر ہی اس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، (اگر تو نے مجھ پر اعتماد کیا ہے تو میں یہ فیصلہ کروں گا کہ)

إِلَّا أَنْ تُعْتِقَهُ ، قَالَ: فَهُوَ عَتِيقٌ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً ، إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ ، بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا مَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ))۔ (الصحيحة: ١٦٤١)

یہ غلام لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے، (اب میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ) اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔'' (ابو ہیثم غلام لے کر گھر چلا گیا) اس کی بیوی نے اسے کہا کہ نبی ﷺ کی وصیت پر عمل کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ تو اسے آزاد کر دے۔ اس نے کہا: وہ آزاد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے کوئی نبی اور خلیفہ نہیں بھیجا، مگر اس کے ساتھ دو مصاحب ومشیر ہوتے ہیں، ایک نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور دوسرا اسے دیوانہ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا، جس کو اس برے ہمراز سے بچا لیا گیا وہ محفوظ رہا۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٢٥٦ ، والترمذي في "السنن": ٢/ ٥٨- ٥٩ و "الشمائل المحمدية" رقم ١٣٤ ، والطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ١٩٥ ، والحاكم في "المستدرك": ٤/ ١٣١ ، وعنه البيهقي في "شعب الأيمان": ٢/ ١٧/ ٢

شرح:...... ان دو مشیروں اور ہم رازوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی وضاحت "اَلْحُدُوْدُ وَالْمُعَامَلَاتُ وَالْاَحْكَامُ" میں ''حاکم کے دو ہم راز اور ان کی ذمہ داری'' کے عنوان میں موجود ہے۔

لیکن کیا نبی کریم ﷺ بھی اسی قانون میں داخل ہیں؟ تو دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حفاظت وسلامت میں رکھا، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ اِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ فَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔)) ......''اللہ تعالی کوئی نبی نہیں بھیجا اور نہ کسی خلیفے کو خلافت عطا کی، مگر اس کے ساتھ دو ہم راز ہوتے ہیں، ایک ہم راز اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور اس کی رغبت دلاتا ہے اور ایک ہم راز شر کا حکم دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے، اور معصوم وہ ہے، جسے اللہ تعالی بچا لے۔'' (صحیح بخاری: ۷۱۹۸)

اس لیے شرّ والے ہم راز کی صحبت اور آمادگی سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ اس کی بات قبول کر لیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں دو ہم رازوں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہوں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ قَرِيْنَهُ مِنَ الْجِنِّ۔)) قَالُوْا: وَ اِيَّاكَ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((وَاِيَّايَ ، اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ ، فَلَا يَأْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔)) ......''اللہ تعالی نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان مصاحب مقرر کر دیا ہے۔'' صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ (کا معاملہ بھی یہی ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی، میرے ساتھ بھی ہے، لیکن

اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور وہ مسلمان ہو گیا، اب وہ مجھے صرف خیر کا حکم دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم: ۲۸۱۴)

یہ نبی کریم ﷺ کا انتخاب ہے کہ مشورہ دینے کی امانت کا خیال رکھتے ہوئے نمازی غلام پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کی نصیحت کی۔ دوسری طرف صحابیٔ رسول میں اطاعت کا جذبہ دیکھیں کہ آپ ﷺ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے انتخاب کے بعد طعن وتشنیع کی گنجائش باقی نہیں رہتی

(۱۳٦٠)۔ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((إِنْ تَطْعَنُوْا فِيْ إِمَارَتِهِ۔ يُرِيْدُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ۔ فَقَدْ طَعَنْتُمْ فِيْ إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلِهِ وَايْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لَهَا، وَايْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَأَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَأَيْمُ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا لَخَلِيْقًا لَهَا۔ يُرِيْدُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ۔ وَايْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَأَحَبَّهُمْ إِلَيَّ مِنْ بَعْدِهِ، فَأُوْصِيْكُمْ بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ صَالِحِيْكُمْ)) (الصحيحة: ٣٤٩٦)

سالم بن عبد اللہ اپنے باپ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ''اگر تم اِس (اسامہ بن زید) کی امارت پر تنقید کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طنز کیا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ (زید) تو اسی (عہدے) کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اللہ کی قسم! یہ (اسامہ) اسی (امارت) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ زید کے بعد مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں تمھیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، وہ تو تمھارے نیکوکار لوگوں میں سے ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ١٣١ رقم: ٢٤٢٦، وابن سعد: ٤/ ٦٦، وأحمد: ٢/ ٨٩، ١٠٦، وأخرجه البخاري: ٣٧٣٠، ٤٢٥٠، ٤٤٦٩، ومسلم: ٧/ ١٣١، والترمذي: ٣٨١٦ دون قوله: ((فأوصيكم به ......))

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ کا پس منظر یہ ہے: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ۸ ھ میں معرکۂ موتہ میں اسلامی سپاہ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا تھا، جو اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے، یہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ ﷺ نے شریعت کے نئے حکم سے پہلے ان کو متبنّی بیٹا بنایا ہوا تھا۔

سیدنا حارث بن عمر ازدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر امیر بصری کی طرف گئے، لیکن شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو قتل کر دیا، ان کا انتقام لینے کے لیے آپ ﷺ نے تین ہزار (۳۰۰۰) کا لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، جن کی عمر اٹھارہ یا بیس برس تھی، کے سپرد کی، اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالاری کی نوعمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اور اس مہم کے اندر شمولیت میں تاخیر کی، جس کی بنا پر آپ ﷺ نے درج بالا حدیث ارشاد فرمائی۔ یہ سن کر صحابہ کرام سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی گرد اگرد جمع ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لشکر روانہ ہو کر مدینہ منورہ سے تین

میل دور مقام جرف میں خیمہ زن ہوا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا، بلکہ اللہ تعالی کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا۔ زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ﷺ اس مہم کے اختتام سے پہلے خالق حقیقی سے جا ملے۔ جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو سب سے پہلے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو دشمنانِ اسلام کی طرف روانہ کیا جو فتح کا پرچم لہراتے ہوئے واپس آئے۔

اس حدیث میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے کہ ان کو امارت کے لیے مناسب سمجھا گیا اور انھیں آپ ﷺ کا محبوب ترین اور صالح قرار دیا گیا ہے۔

امام نووی نے کہا: اس حدیث سے پتہ چلا ہے کہ آزاد شدہ غلام کو امیر بنانا اور اس کو عربوں پر مقدم کرنا جائز ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کم سن کو بڑوں پر امیر بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو اس وقت سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ یا بیس سال تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی مصلحت کے پیش نظر مفضول کو فاضل کا امیر بنایا جا سکتا ہے، ان احادیث میں سیدنا زید اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہما کے عظیم فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ (شرح مسلم: ۲/ ۲۸۳)

امارت بری چیز ہے، الا یہ کہ......

اگر خلافت و امارت اور امامت و حاکمیت کے حقوق ادا کیے جا سکیں تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے نعمت ہو گی اور خلیفہ و امیر کے لیے باعث بلندیٔ درجات کا باعث ہو گی، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرَ مِّنْ نُّوْرٍ عَنْ یَّمِیْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا یَدَیْهِ یَمِیْنٌ: اَلَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِهِمْ وَاَهْلِیْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔)) ......''انصاف کرنے والے (حکمرانوں) کے لیے رحمٰن کی دائیں جانب نور کے منبر ہوں گے اور اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، وہ (حکمران) جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور رعایا کے حق میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: ۱۸۲۷) اسی طرح آپ ﷺ نے کئی احادیث مبارکہ میں صدیق و فاروق جیسے انصاف پسند اور نیک خلفا کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس منصب پر فائز ہونے والوں کی اکثریت عدل و انصاف اور تقوی و پارسائی کی نعمت سے محروم رہی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے بے شمار احادیث میں اس کی مذمت بیان کی ہے۔

(۱۳۶۱)۔ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ شَرِیْكٍ، اَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَیْسٍ بَعَثَ مَعَهُ بِكُسْوَةٍ اِلٰی مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالَ مَرْوَانُ لِلْبَوَّابِ اُنْظُرْ مَنْ بِالْبَابِ؟ قَالَ: اَبُوْ هُرَیْرَةَ، فَاَذِنَ لَهُ، قَالَ: یَا اَبَا هُرَیْرَةَ! حَدِّثْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَهُ

یزید بن شریک کہتے ہیں کہ ضحاک بن قیس نے اسے زیبائش کا کپڑا دے کر مروان کے پاس بھیجا۔ مروان نے چوکیدار سے کہا: دیکھو، دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی اور کہا: ابو ہریرہ! رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث بیان

مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَيُوْشِكُ رَجُلٌ أَنْ يَتَمَنّٰى أَنَّهُ خَرَّ مِنَ الثُّرَيَّا، وَلَمْ يَلِ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا۔)) (الصحيحة:١٣٦١)

کرو۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''عنقریب آدمی یہ تمنا کرے گا کہ اگر وہ ثریا ستارے سے گر پڑے (تو کوئی بات نہیں، لیکن کہیں) ایسا نہ ہو کہ اسے لوگوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا دیا جائے۔''

تخريج:أخرجه الحاكم:٤/ ٩١، وأحمد: ٢/ ٣٧٧، ٥٢٠، ٥٣٦

(١٣٦٢)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْتُكُمْ عَنِ الْإِمَارَةِ وَمَا هِيَ؟ أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَثَانِيْهَا نَدَامَةٌ، وَثَالِثُهَا عَذَابُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا مَنْ عَدَلَ، فَكَيْفَ يَعْدِلُ مَعَ أَقْرِبِيْهِ؟)) (الصحيحة: ١٥٦٢)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہتے ہو تو میں تم کو امارت کی حقیقت واضح کر دیتا ہوں کہ یہ ہے کیا؟ سب سے پہلے ملامت ہوتی ہے، اس کے بعد ندامت ہوتی ہے اور آخر میں روز قیامت عذاب ہوتا ہے، مگر وہ جس نے عدل و انصاف کیا، بھلا کون ہے جو اپنے قرابتداروں کے ساتھ انصاف والا معاملہ کر سکے گا۔''

تخريج: أخرجه البزار: رقم ١٥٩٧، والطبراني في"الأوسط": رقم ـ ٦٨٩١

شــــرح :...... اربابِ حکومت اور دوسرے عہدیداران اس حدیث کا بدرجۂ اتم مصداق ہیں، انتہائی شاذ و نادر شخصیات کے علاوہ ہر کوئی جانبداری اور رشوت خوری میں مبتلا ہے۔ قوم کے خزانوں کے منہ مخصوص ہستیوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

(١٣٦٣)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ، وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً وَحَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ))۔ (الصحيحة: ٢٥٣٠)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم یقیناً حکومت اور امارت کی حرص کرو گے (لیکن یاد رکھو کہ) یہ قیامت والے دن ندامت اور حسرت (کا باعث) ہو گی، دودھ پلانے والی تو بڑی اچھی ہوتی ہے لیکن دودھ چھڑانے والی بڑی بری ہوتی ہے (یعنی امارت کے آغاز میں تو سکون ملتا ہے، لیکن اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا)۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٣/ ١٠٧ـ فتح، والنسائي: ٢/ ١٨٧ـ١٨٨ و٣٠٤، وأحمد: ٢/ ٤٧٦

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو الحسن سندھی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ" (دودھ پلانے والی تو اچھی ہوتی ہے) سے مراد زندگی کی حالت ہے، جو امارت تک پہنچاتی ہے اور "وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ" (دودھ چھڑانے والی بڑی بری ہوتی ہے) سے مراد وہ حالت ہے، جس میں امارت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ موت ہے، ان دو جملوں کا مفہوم یہ ہوا کہ امارت والوں کی زندگی تو بڑی اچھی ہوتی ہے، لیکن موت بری بری ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(صحیحہ: ۲۵۳۰)

دنیا میں سب سے زیادہ ذمہ داریاں وقت کے امیر اور حاکم پر عائد ہوتی ہیں، انھوں نے رعایا کے ہر فرد کی مذہبی ضرورت پوری کرنی ہے، اپنی سلطنت میں قرآن و حدیث کے احکام عملی طور پر نافذ کرنے ہیں، مساجد کی امامت کا عہدہ سنبھالنا ہے، موقع ملے تو فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھنا ہے، ہر گھر کی مالی اور دنیوی ضرورتیں پوری کرنی ہیں، رعایا کی دشمنانِ اسلام سے حفاظت کرنی ہے، اسلام کو پچھلی نسلوں سے منتقل کر کے اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے، رعایا کے کسی فرد کو کسی دوسرے فرد پر ظلم کرنے کا موقع نہیں دینا......... غرضیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نیابت اختیار کرنی ہے۔

لیکن یہ ذمہ داریاں کون پوری کرے گا، خصوصا اس دور میں، جہاں عیاشیوں کے لیے عہدوں کے تختوں پر چڑھا جاتا ہے۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، کہ امارت و حاکمیت کی گھڑیاں ندامت و حسرت کا سماں پیدا کریں گی، لیکن اس وقت، جب پچھتاوا فائدہ نہیں دے گا۔

(۱۳٦٤)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَامِنْ رَجُلٍ يَلِي أَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَتَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَغْلُوْلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ إِلٰى عُنُقِهِ، فَكَّهُ بِرُّهُ، أَوْ أَوْبَقَهُ إِثْمُهُ، أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَأَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ، وَآخِرُهَا خِزْيٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))۔ (الصحيحة:٣٤٩)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی دس افراد کے معاملات کی ذمہ داری سنبھالتا ہے، وہ روزِ قیامت اللہ تعالی کے پاس اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن تک جکڑے ہوں گے۔ اس کی نیکی اس کو آزاد کرائے گی یا اس کی برائی اس کو ہلاک کر دے گی۔ (اس امارت) کی ابتدا میں ملامت، درمیان میں ندامت اور آخر میں یعنی قیامت کے روز رسوائی ہوتی ہے۔“

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٦٧

شرح:...... موجودہ دور میں اس حدیث کا آخری حصہ سمجھنا آسان ہو گیا ہے، جب ایک حکمران امارت سنبھالتا ہے تو اس ملک کے اکثر باشندے اسے ملامت اور سب و شتم کرتے ہیں۔

اور جب وہ عہدہ اس سے چھن جاتا ہے، یا وہ الیکشن میں ہار جاتا ہے تو اسے جس حسرت و ندامت اور شرمندگی و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کوئی زبان اس کو تعبیر نہیں کر سکتی اور امارت کے مکمل تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں بھی رسوائی و ناکامی کا خطرہ ہوتا ہے۔

ظالم حکمران بدترین ہے

(۱۳٦٥)۔ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو۔ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ دَخَلَ عَلٰى عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ

حسن سے روایت ہے کہ سیدنا عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ، جو صحابیٔ رسول تھے، عبد اللہ بن زیادہ کے پاس گئے اور کہا: میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”بدترین حاکم

فَقَالَ:أَيْ بُنَيَّ! إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ.)) فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ، فَقَالَ لَهُ: اِجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ! فَقَالَ: وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ؟ إِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ، وَفِيْ غَيْرِهِمْ!

(الصحيحة:۲۸۸۵)

وہ ہے جو ظالم ہو۔" بچ کر رہنا، کہیں تو بھی ان میں سے نہ ہو جائے۔ اس نے کہا: بیٹھ جا، تو ردی قسم کے صحابہ میں سے ہے۔ انھوں نے کہا: کیا صحابہ کرام میں بھی ردی لوگ تھے؟ گھٹیا قسم کے لوگ تو صحابہ کے بعد والوں اور غیروں میں پائے جاتے ہیں۔

تخريج: أخرجه مسلم:٦/ ٩-١٠، وأبو عوانة:٤/ ٤٢٤، وابن حبان:٧/ ٢٢/ ٤٤٩٤، والبيهقي في "السنن الكبرى":٨/ ١٦١، وأحمد:٥/ ٦٤، والروياني في "مسنده": ق١٥٣/ ٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٨/ ١٧/ ٢٦، والدولابي في "الكنى": ١/ ٩٣

شرح:......امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "الْحُطَمَةُ" ایسے بے درد و ظالم چرواہے کو کہتے ہیں جو اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے لے جانے اور واپس لے آنے اور ان کو ہانکنے میں ان سے سختی سے پیش آتا ہے اور ان پر ظلم کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے برے حکمران کے لیے یہ لفظ بطورِ ضرب المثل بیان کیا ہے، جیسا کہ "النهاية" میں ہے۔ (صحیحہ: ۲۸۸۵)

ظالم حاکم کے بہت زیادہ مفاسد ہیں، اس کی رعایا کا ہر بندہ اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ظلم و بربریت کی وجہ سے ایسے حاکموں کے دماغ بھی ماؤف ہو چکے ہوتے ہیں اور کئی مظلوم انسانوں کا بارِ گراں ان کے سر پر ہوتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا ہر فرد اعلی اور بلند پایا ہے، ہم میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ہستی پر کوئی تنقید کرے یا ان کو برا بھلا کہے۔

قریش امارت کے زیادہ مستحق ہیں، بشرطیکہ.....

(۱۳۶۶)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى، قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَابِ بَيْتٍ فِيْهِ نَفَرٌ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَامَ وَأَخَذَ بِعِضَادَةِ الْبَابِ ثُمَّ قَالَ: ((هَلْ فِي الْبَيْتِ إِلَّا قُرَشِيٌّ؟)) قَالَ: فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ غَيْرُ فُلَانٍ ابْنِ أُخْتِنَا، فَقَالَ: ((ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ)) ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ مَا دَامُوْا إِذَا

سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک گھر، جس میں چند قریشی بیٹھے تھے، کے دروازے پر تشریف لائے، دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا: "آیا گھر میں صرف قریشی ہیں؟" کہا گیا: اے اللہ کے رسول! (ہم سب قریشی ہیں البتہ) ہمارا بھانجا بھی موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قوم کا بھانجا تو ان میں سے ہی ہوتا ہے۔" پھر فرمایا: "یہ (امارت کا) معاملہ اس وقت تک

اسْتُرْحِمُوْا رَحِمُوْا، وَإِذَا حَكَمُوْا عَدَلُوْا، وَإِذَا قَسَمُوْا أَقْسَطُوْا فَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ))۔ (الصحيحة:۸:۲۸)

قریشیوں میں رہے گا جب تک وہ رحم کی درخواست پر رحم کرتے رہیں گے، عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہیں گے اور تقسیم کے وقت انصاف کرتے رہیں گے، جو ایسا نہیں کرے گا اس پر اللہ تعالی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی، اس کی فرضی عبادت قبول ہوگی نہ نفلی۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٤/ ٣٩٦، والبزار :٢/ ٢٢٩/ ١٥٨٢

(١٣٦٧)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ قَرِيْبٍ مِنْ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ لَيْسَ فِيْهِمْ إِلَّا قُرَشِيٌّ، لَا وَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ صَفِيْحَةَ وُجُوْهِ رِجَالٍ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْ وُجُوْهِهِمْ يَوْمَئِذٍ، فَذَكَرُوْا النِّسَاءَ فَتَحَدَّثُوْا فِيْهِنَّ، فَتَحَدَّثَ مَعَهُمْ، حَتّٰى أَحْبَبْتُ أَنْ يَسْكُتَ، قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ: ((أَمَّا بَعْدُ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ! فَإِنَّكُمْ أَهْلُ هٰذَا الْأَمْرِ مَالَمْ تَعْصُوْا اللّٰهَ، فَإِذَا عَصَيْتُمُوْهُ بَعَثَ إِلَيْكُمْ مَنْ يَلْحَاكُمْ كَمَا يُلْحٰى هٰذَا الْقَضِيْبُ۔)) لِقَضِيْبٍ فِيْ يَدِهِ، ثُمَّ لَحٰى قَضِيْبَهُ، فَإِذَا هُوَ أَبْيَضُ يَصْلِدُ۔ (الصحيحة:١٥٥٢)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تقریباً قریش کے اسی (۸۰) آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، تمام کے تمام قریشی تھے۔ اللہ کی قسم! اُس دن یہ لوگ بہت خوبصورت نظر آ رہے تھے، انھوں نے عورتوں کا ذکر کیا، ان کے بارے میں باتیں کیں، آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ گفتگو کرتے رہے (اور اتنا زیادہ کلام کیا کہ) میں نے چاہا کہ آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔ پھر میں آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے خطبۂ شہادت پڑھا اور فرمایا: ''حمد و صلوۃ کے بعد (میں یہ کہوں گا کہ) قریشیو! تم لوگ اس (امارت) کے مستحق ہو، جب تک اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرو گے، اگر تم نے نافرمانی کی تو اللہ تعالی ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو تمھاری چمڑی ادھیڑ دیں گے، جس طرح اس شاخ (جو آپ کے ہاتھ میں تھی) کا چھلکا اتار لیا جاتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنی شاخ کا چھلکا اتارا، (جس کی وجہ سے) وہ اچانک سفید اور سخت نظر آنے لگی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٤٥٨، وابو يعلى و الطبراني في "الاوسط"

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث نبوت کی (صداقت وحقانیت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ کئی صدیوں تک قریشیوں کی خلافت جاری رہی، بالآخر اللہ تعالی کی نافرمانیوں اور خواہش پرستیوں کی وجہ سے ان کی خلافت وملوکیت دم توڑ گئی، اللہ تعالی نے ان پر عجمیوں کو مسلط کر دیا اور مسلمان ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اب اگر مسلمان مملکتِ اسلامیہ کے حصول کے لیے صدقِ دل سے متمنی اور کوشاں ہیں تو ان پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف رجوع

کریں، اپنے دین کی طرف متوجہ ہوں اور شرعی احکام کی پیروی کریں۔ غور کریں کہ علم حدیث کی کتب میں وہ شروط و قیود مذکور ہیں جن کی بنا پر قریش میں خلافت کو بقا ملنی تھی، لیکن انھوں نے وہ شرطیں پوری نہیں کیں، اس لیے وہ محکوم بن گئے۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی خواہشات اور اپنے آباء و اجداد کی تہذیبوں کو ترجیح نہ دیں، وگرنہ ہمیں پھر محکوم ہی رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (سورۂ رعد: ۱۱) ...... ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہو۔'' بہرحال حسنِ عاقبت تو پرہیز گاروں کے لیے ہی ہے۔ (صحیحہ: ۱۵۵۲)

(۱۳۶۸)۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ۔ وَهُمْ عِنْدَهُ فِيْ وَفْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ۔ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَيَكُوْنُ مَلِكٌ مِنْ قَحْطَانَ، فَغَضِبَ فَقَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ رِجَالاً مِنْكُمْ يُحَدِّثُوْنَ أَحَادِيْثَ لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، وَلَا تُؤْثَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأُولٰئِكَ جُهَّالُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِيْ تُضِلُّ أَهْلَهَا، إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيْهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوْا الدِّيْنَ))۔

(الصحيحة: ۲۸۵۶)

امام زہری کہتے ہیں کہ محمد بن جبیر بن مطعم ایک قریشی وفد میں شریک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ انھوں نے ان کو یہ بات پہنچائی کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ عنقریب قحطان کا ایک بادشاہ ہوگا۔ وہ غصے میں آ گئے، کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں، جو نہ تو اللہ کی کتاب میں پائی جاتی ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوتی ہیں۔ یہ لوگ پرلے درجے کے جاہل ہیں۔ اس قسم کی خواہشات سے بچو جو خواہش پرستوں کو گمراہ کر دیتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''یہ (امارت والا) معاملہ قریشیوں میں رہے گا، جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے، ان سے دشمنی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ منہ کے بل گرا دے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦/ ٤١٦، ١٣/ ٩٩، والدارمي: ٢/ ٢٤٢، وابن أبي عاصم في "السنة": ١١١٢، وأحمد: ٤/ ٩٤، والطبراني: ١٩/ ٣٣٧ و ٧٧٩۔ ٣/ ٨١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث کے الفاظ "مَا أَقَامُوْا الدِّيْنَ" (جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے) سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وہ دین کو محفوظ رکھیں گے، ان کی امارت برقرار رہے گی۔ اس کا مفہومِ مخالف یہ ہوا کہ اگر انھوں نے دین کو تحفظ فراہم نہ کیا، تو خلافت ان سے چھن جائے گی۔ حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۱۳/ ۱۱۷) میں اس موضوع پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بقائے امارت کے لیے قریشیوں کو جن جن امور سے متنبہ کیا گیا تھا، جب انھوں نے ان کی پروا نہ کی تو خلافت کی باگ ڈور ان کے قابو میں نہ رہی۔ یہاں سے رسوائی اور معاملات کے فاسد ہو جانے کی ابتدا ہوئی، یہ بنو عباس کے عہدِ امارت کے شروع شروع کی بات ہے۔ جب مزید بگاڑ پیدا ہوا کہ تو ان کے غلام ان پر غالب آ گئے، جو ان کو اذیتیں پہنچانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اس وقت خلفا و امرا کی وقعت اس بچے سے زیادہ نہ تھی، جس پر پابندی لگا دی جاتی ہے، انھوں نے لذتوں پر قناعت کر لی تھی اور دوسرے لوگ امورِ سلطنت چلا رہے تھے۔ اس وقت معاملہ سنگینی اختیار کر گیا، جب آذر بائیجان کے قرب و جوار میں بسنے والے دیلمی لوگ قابض ہو گئے، انھوں نے خلیفہ کے لیے اس کے اختیارات کا دائرہ اتنا تنگ کر دیا کہ اس کے لیے سوائے خطبہ دینے کے کچھ نہ بچا اور زبردستی قبضہ کرنے والوں نے مختلف صوبوں میں شاہی حکومت کو تقسیم کر لیا، پھر وہ گروہ در گروہ غالب آتے گئے، حتی کہ خلفا سے تمام امورِ سلطنت چھین لیے گئے اور بعض علاقوں میں تو رسمی اسمِ خلافت کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: آج بھی امتِ مسلمہ کے حالات اسی طرح بدتر ہیں، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین ہیں، کیونکہ آج سرے سے مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہے، نہ اسمی طور پر اور نہ رسمی طور پر۔ اکثر اسلامی ممالک پر یہودی، کیمونسٹ اور منافق غلبہ پا چکے ہیں۔

ہم اللہ تعالی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو شرعی امور میں باہمی مشاورت کی اور حکام کو متحد ہو کر شرعی احکام کے مطابق ایک سلطنت تشکیل دینے کی توفیق سے نوازے، تاکہ یہ دنیا میں عزت اور آخرت میں سعادت پا سکیں۔ اگر ایسے نہ ہوا تو ہم اس آیت کے مصداق بن کر رہ جائیں گے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (سورۂ رعد: ۱۱) ..... ”کسی قوم کی حالت اللہ تعالی نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہو۔“

اس آیت کی تفسیر اس حدیث میں کی گئی ہے: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا إِلٰى دِيْنِكُمْ۔)) (صحیحہ: ۱۱) ..... ”جب تم بیع عینہ کرو گے، ہاتھوں میں بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی کرنے پر راضی ہو جاؤ گے اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک تم دین کی طرف نہیں لوٹ آؤ گے۔“

سو مسلم حاکمو! و مسلم محکومو! اپنے دین کی طرف پلٹ آؤ۔“ (صحیحہ: ۲۸۵۶)

(۱۳۶۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِيْ قُرَيْشٍ مَابَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ۔)) (الصحیحة: ۳۷۵)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تک دو آدمی بھی باقی رہیں گے، یہ (امارت والا) معاملہ قریش میں رہے گا۔“

تخریج: أخرجه البخاري: ٦/ ٤١٦، ٣/ ١٠٠، ومسلم: ٦/ ٣، وابن حبان: ٦٢٣٣، ٦٦٢١، والطيالسي: ١٩٥٦، وابن أبي شيبة: ١٢/ ١٧١/ ١٢٤٤١، وأحمد: ٢/ ٢٩، ٩٣، ١٢٨

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل ہیں

(١٣٧٠)۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، قَالَ: أَتَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ، قَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ؟ كَأَنَّهَا تَقُوْلُ الْمَوْتَ۔ قَالَ ﷺ: ((إِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِي فَأْتِي أَبَابَكْرٍ))۔ (الصحيحة: ٣١١٧)

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت، نبی کریم ﷺ کے پاس آئی. آپ ﷺ نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: اگر میں آؤں اور آپ نہ ہوں تو؟ (اس کا مقصد آپ ﷺ کی وفات تھا۔) آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آ جانا۔“

تخریج: أخرجه البخاري: ٣٦٥٩، ٧٢٢٠، ٣٦٠، ومسلم: ٧/ ١١٠، والترمذي: ٣٦٧٧ وصححه، وابن حبان: ٨/ ٢٢٦/ ٦٦٢٢، والطيالسي في "مسنده": ٩٤٤، وكذا أحمد: ٤/ ٨٢ و ٨٣، وأبويعلي: ١٣/ ٣٩٩/ ٧٤٠٢، وعنه ابن حبان أيضا: ٩/ ١٢/ ٦٨٣٢، وابن أبي عاصم في "السنة": ٢/ ٥٤٧/ ١١٥١، والبيهقي في "السنن": ٨/ ١٥٣

شرح:...... اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت کا بیان ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ان کی نیابت نصیب ہوئی تھی، جب آپ ﷺ کا مسجد میں پہنچنا مشکل ہوتا تو آپ ﷺ صدیق اکبر کو امامت کے لیے متعین کر جاتے یا صحابہ کرام ان کو مقدم کر دیتے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر اپنا معاملہ حل کروانے کی تعلیم دے رہے ہیں، جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں کی باگ ڈور سنبھالنے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے "المناقب والمثالب" میں متعلقہ عنوانات کا مطالعہ کریں۔

سیدنا عثمان برحق خلیفۂ رسول تھے

(١٣٧١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَوَالَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذَاتَ يَوْمٍ: ((تَهْجُمُوْنَ عَلٰى رَجُلٍ مُعْتَجِرٍ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ، يُبَايِعُ النَّاسَ، مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔)) فَهَجَمْنَا عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَهُوَ مُعْتَجِرٌ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ يُبَايِعُ النَّاسَ، قَالَ: يَعْنِي الشِّرَاءَ وَالْبَيْعَ))

سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: ”اچانک تم ایسے آدمی پر (بیعت کرنے کے لئے) ٹوٹ پڑو گے جس نے دھاری دار چادر لپیٹی ہوگی وہ لوگوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کر رہا ہوگا اس حال میں کہ وہ جنتی ہوگا۔“ (ایک دن آیا کہ) ہم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے لئے ان پر ہجوم کیا اور

(الصحيحة:٣١١٨) انھوں نے دھاری دار چادر لپیٹی ہوئی تھی اور وہ لوگوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کر رہے تھے۔ اس حدیث میں "یُبَایِع" سے مراد خرید و فروخت ہے۔

تخريج: أخرجه ابن أبي عاصم في"السنة": ٢/ ٢٩٠/ ١٢٩٢، والحاكم: ٣/ ٩٨، وابن عدي في "الكامل": ٣/ ٣٩٣، وابن عساكر في"تاريخ دمشق": ٩/ ١٥٥

شرح:...... یہ حدیث اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی۔

(١٣٧٢)۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ ، قَالَ: كُنَّا مُعَسْكِرِيْنَ مَعَ مُعَاوِيَةَ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ فَقَامَ كَعْبُ بْنُ مُرَّةَ الْبَهْزِيُّ فَقَالَ: لَوْلَا شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاقُمْتُ هٰذَا الْمَقَامَ ، فَلَمَّا سَمِعَ مُعَاوِيَةُ بِذِكْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَجْلَسَ النَّاسَ ، فَقَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ مَرَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَلَيْهِ مُرَجِّلاً مُغْدِفًا قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَتَخْرُجَنَّ فِتْنَةٌ مِنْ تَحتِ قَدَمَيْ أَوْ بَيْنَ رِجْلَيْ هٰذَا يَعْنِيْ: عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هٰذَا يَوْمَئِذٍ وَمَنِ اتَّبَعَهُ عَلَى الْهُدٰى)) قَالَ: فَقَامَ ابْنُ حَوَالَةَ الْأَزْدِيُّ مِنْ عِنْدِ الْمِنْبَرِ ، فَقَالَ: إِنَّكَ لَصَاحِبُ هٰذَا قَالَ: نَعَمْ ، قَالَ: وَاللّٰهِ! إِنِّي لَحَاضِرُ ذٰلِكَ الْمَجْلِسَ ، وَلَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِيْ فِي الْجَيْشِ مُصَدِّقًا كُنْتُ أَوَّلَ مُتَكَلِّمٍ بِهِ))۔ (الصحيحة:٣٣١٩)

جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیمہ زن تھے، سیدنا کعب بن مرہ بہزی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہ سنی ہوتی تو میں اس مقام پر کھڑا نہ ہوتا۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا نام سنا تو لوگوں کو بٹھا دیا، انھوں نے کہا: ''ہم رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا، انھوں نے اپنے بالوں کو سنوارا ہوا اور چہرے پر کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (عثمان) کے قدموں کے نیچے سے فتنہ نکلے گا، اس وقت یہ (عثمان) اور اس کے پیروکار ہدایت پر ہوں گے۔'' منبر کے پاس سے ابن حوالہ ازدی کھڑا ہوا اور مجھے کہا: (کعب!) تو بھی اسی کا ساتھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ کی قسم! میں اس مجلس میں حاضر تھا، اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اس لشکر میں میری تصدیق کرنے والے موجود ہیں تو میں اس کے بارے میں سب سے پہلے میں کلام کروں گا۔

تخريج: أخرجه الطيالسي في"مسنده": ٢٦/ ١٩٠، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٣١/ ٢٦٢٢، والبزار في "مسنده": ٣/ ٢٢٣/ ٢٦١٦، وأخرج أحمد: ١/ ١٠١ نحوه

شرح:...... معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان سچے خلیفہ تھے، وہ اور ان کے رفقا ہدایت و رشد پر تھے اور ان کے مخالفین

گمراہ تھے۔

بارہ قریشی خلفا

(۱۳۷۳)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَايَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ عَزِيْزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ)) (الصحيحة: ۳۷٦)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (خلافت والا) معاملہ بارہ خلفا تک غالب رہے گا، وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٦/ ٣، واللفظ له، وأبوداود: ٢/ ٢٠٧، وابن حبان: ٦٦٢٧، وأحمد: ٥/ ٩٣، ٩٨، واخرجه البخاري: ١٣/ ١٧٩ مختصرا، والترمذي: ٢٢٢٤

شرح:...... اس حدیث کی وضاحت میں مختلف قسم کی آرا پیش کی گئی ہیں۔ کیونکہ کئی صدیوں تک قریشیوں کی خلافت جاری رہی، کئی خلفا اور امرا گزرے۔ اب اس حدیث میں مذکورہ بارہ خلفا سے مراد کون لوگ ہیں؟ ہر ایک نے اس حدیث کے مختلف طرق سے ثابت ہونے والے متون اور تاریخ پر نگاہ رکھ کر اپنا اپنا نظریہ پیش کیا، کچھ تفصیل یہ ہے:

(۱) اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ زمین کے مختلف خطوں میں یہ بارہ خلفا ایک وقت میں ہوں گے اور پانچویں صدی ہجری میں عملی طور پر ایسے ہوا۔ اندلس میں پانچ افراد، جن میں ہر کوئی خلیفہ ہونے کا دعوی کرتا تھا، اُدھر مصر کا خلیفہ، بغداد میں عباسیوں کا خلیفہ اور اس کے ساتھ مختلف علاقوں میں علویوں اور خوارج کے خلفا تھے۔

(۲) اس سے مراد بنوامیہ کے بارہ خلفا ہیں، بشرطیکہ ان میں صحابہ کو شمار نہ کیا جائے، اس اعتبار سے پہلا خلیفہ یزید بن معاویہ اور آخری مروان حمار تھا، یہ کل تیرہ بنتے ہیں۔ اگر مروان بن حکم کا شمار اس بنا پر نہ کیا جائے کہ ان کی صحبت میں اختلاف ہے یا وہ زبردستی قابض ہو گئے تھے تو یہ کل بارہ بنتے ہیں۔ بنوامیہ کے دورِ حکومت کے بعد فتنوں اور لڑائیوں کا دور شروع ہو گیا تھا۔

(۳) یہ بارہ خلفا امام مہدی کے بعد ہوں گے، جو آخری زمانے میں حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے تشریف لائیں گے۔

(۴) اس سے مراد وہ درج ذیل بارہ خلفا ہیں جن پر لوگ متحد ہو گئے تھے:

(۱) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۴) سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ (۵) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (٦) یزید بن معاویہ (۷) عبد الملک بن مروان (۸) ولید بن عبد الملک (۹) سلیمان بن عبد الملک (۱۰) یزید بن عبد الملک (۱۱) ہشام بن عبد الملک (۱۲) ولید بن یزید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک اور یزید بن عبد الملک کے درمیان عمر بن عبد العزیز کا دور تھا۔

(۵) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر بن عبد العزیز تک کل چودہ خلفا گزرے، ان میں دو کی نہ ولایت درست تھی اور نہ مدت لمبی تھی اور وہ معاویہ بن یزید اور مروان بن حکم ہیں۔ ان میں سے اکثر خلفا اپنے عہدِ خلافت میں ہر

اعتبار سے تقریباً منظم رہے، اگرچہ قابل جرح امور بھی منظر عام پر آئے، لیکن وہ مثبت پہلوؤں کی بہ نسبت شاذ و نادر تھے۔ (فتح الباری: ۷۲۲۲ کے تحت)

خلافت قریشیوں کا حق ہے

(۱۳۷۴)۔ عَنْ عَتْبَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعًا: ((اَلْخِلَافَةُ فِیْ قُرَیْشٍ، وَالْحُكْمُ فِی الْأَنْصَارِ، وَالدَّعْوَةُ فِی الْحَبْشَةِ، وَالْهِجْرَةُ فِی الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ بَعْدُ۔)) (الصحیحة: ۱۸۵۱)

سیدنا عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خلافت قریش میں، عہدۂ قضا انصاریوں میں، دعوت و تبلیغ حبشیوں میں اور ہجرت مسلمانوں میں اور بعد والے مہاجروں میں ہو گی۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٨٥، وابن أبي عاصم في "السنة": ق ١٠٧/ ١ رقم ١٠١٤۔ بتحقیقي، وأبو العباس جمع بن القاسم في "جزء من حدیثه": ٥٧/ ٢، وعلي بن طاهر السلمي في "كتاب الجهاد": ٢/ ١/ ٢، وأبو الحسن البزار بن مخلد في "الأمالي": وابن عساكر في "تاریخ الدمشق": ٨/ ٢٤١/ ١

شرح:...... اس حدیث میں اغلبیت کا پہلو مدنظر رکھا گیا ہے کہ زیادہ تر مذکورہ عہدے مذکورہ قبائل میں ہی رہیں گے یا پھر ان قبائل کی اعلی طبعی خوبیوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر ان کو یہ عہدے سونپے گئے۔

نبی کریم ﷺ کا مالِ غنیمت میں حصہ
خیانت باعثِ عار و شنار ہے

(۱۳۷۵)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ مَرْفُوْعًا: ((كَانَ یَأْخُذُ الْوَبَرَةَ مِنْ جَنْبِ الْبَعِیْرِ مِنَ الْمَغْنَمِ ثُمَّ یَقُوْلُ: مَالِیْ فِیْهِ إِلَّا مِثْلُ مَا لِأَحَدِكُمْ، ثُمَّ یَقُوْلُ: إِیَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ، فَإِنَّ الْغُلُوْلَ خِزْیٌ عَلٰی صَاحِبِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَأَدُّوا الْخَیْطَ وَالْمِخْیَطَ وَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِنَ الْجَنَّةِ إِنَّهُ یُنْجِیْ صَاحِبَهُ مِنَ الْهَمِّ وَالْغَمِّ، وَأَقِیْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِی الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ، وَلَا تَأْخُذُكُمْ

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کے ایک اونٹ کے پہلو سے کچھ بال پکڑے اور فرمایا: ''اس مال میں میرا حصہ بھی وہی ہے جو تم میں سے کسی ایک کا ہے، خیانت کرنے سے بچو، کیونکہ خیانت، خائن کے لیے روزِ قیامت باعثِ رسوائی ہو گی لہٰذا سوئی، دھاگہ اور ان سے کم قیمت والی چیزیں ادا کر دو۔ سفر ہو یا حضر اور رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، بس اللہ کے لیے جہاد کرو۔ (یاد رکھو کہ) جہاد جنت کا ایک دروازہ ہے، یہ مجاہد کو غم و الم اور پریشانی و پشیمانی سے نجات دلاتا ہے اور رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں میں اللہ کی حدیں قائم کرو اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمھیں متأثر نہ

فِیْ اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

(الصحيحة: ۱۹٤۲)

کرنے پائے۔''

تخريج: أخرجه عبدالله بن أحمد: ٥/ ٣٣٠، والضياء في "المختارة": ٦٧/ ١، وأحمد: ٥/ ٣١٦، روى ابن ماجه: ٢٥٤٠ الفقرة الاخيرة منه

(١٣٧٦)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ الْكِنْدِيِّ: أَنَّهُ جَلَسَ مَعَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَأَبِيْ الدَّرْدَاءِ، وَالْحَارِثِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْكِنْدِيِّ، فَتَذَاكَرُوْا حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ لِعُبَادَةَ: يَا عُبَادَةُ! كَلِمَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ! فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا فِيْ شَأْنِ الْأَخْمَاسِ۔ فَقَالَ عُبَادَةُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى بِهِمْ فِيْ غَزْوَةٍ إِلٰى بَعِيْرٍ مِنَ الْمَقْسَمِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَتَنَاوَلَ وَبَرَةً بَيْنَ أُنْمُلَتَيْهِ فَقَالَ۔ ((إِنَّ هٰذِهِ مِنْ غَنَائِمِكُمْ، وَإِنَّهُ لَيْسَ لِيْ فِيْهَا إِلَّا نَصِيْبِيْ مَعَكُمْ، إِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَأَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ وَأَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَأَصْغَرَ وَلَا تَغُلُّوْا، فَإِنَّ الْغُلُوْلَ نَارٌ وَعَارٌ عَلٰى أَصْحَابِهِ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَجَاهِدُوْا النَّاسَ فِيْ اللّٰهِ۔ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَلَا تُبَالُوْا فِيْ اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَأَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِيْ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ عَظِيْمَةٌ، يُنْجِيْ اللّٰهُ۔ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ بِهِ مِنَ الْغَمِّ وَالْهَمِّ۔)) (الصحيحة: ١٩٧٢)

مقدام بن معدی کرب کندی بیان کرتے ہیں کہ وہ سیدنا عبادہ بن صامت، سیدنا ابو درداء اور سیدنا حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھا تھا، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مذاکرہ کر رہے تھے۔ ابودردا نے عبادہ سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات جو انھوں نے فلاں فلاں غزوہ میں پانچویں حصے کے بارے میں کہے تھے۔ عبادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز پڑھائی، آپ کے سامنے مالِ غنیمت کا ایک اونٹ تھا، سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے، دو انگلیوں کے پوروں میں اونٹ کے جسم کے بال پکڑے اور فرمایا: ''یہ بھی تمھاری غنیمت کا حصہ ہیں، مجھے صرف میرا حصہ ملے گا، جو کہ پانچواں حصہ ہے اور وہ بھی تم میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہذا سوئی دھاگہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیزیں سب واپس کر دو اور خیانت نہ کرو، کیونکہ خیانت دنیا و آخرت میں خائن کے لیے عار و شنار اور عیب و رسوائی کا باعث ہوگی۔ اللہ کے لیے لوگوں سے جہاد کرنا، سفر قریب کا ہو یا بعید کا، اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، اللہ کی حدیں، حضر میں ہو یا سفر میں، قائم کرنا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، (یاد رہے کہ) جہاد جنت کے عظیم دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اللہ تعالی اس کے ذریعے ہر قسم کے غم والم اور پریشانی و پشیمانی میں سے نجات دلاتا ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣١٤، ٣١٦، ٣٢٦

شرح:...... حدیث مبارکہ میں مختلف امورِ اسلامیہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے، بالخصوص مالِ غنیمت میں امانت و دیانت کا مظاہرہ کرنے اور خیانت سے بچنے کی بھر پور تلقین کی گئی ہے، وگرنہ آدمی دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس سے مسلمان کے مال و جان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو مالِ غنیمت ابھی تک تقسیم نہیں ہوا اور کسی مخصوص بندے کی ملکیت میں نہیں آیا، اس کے بارے میں یہ وعید ہے اور جو چیز کسی ایک مسلمان کی ملکیت میں ہو، اس میں خیانت کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا۔

بروز قیامت خائن کی علامت

(١٣٧٧)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ عِنْدَ اِسْتِهِ۔)) (الصحيحة: ١٦٩٠)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز ہر دھوکے باز کی دبر کے ساتھ ایک جھنڈا ہوگا، جس سے اس کی پہچان ہوگی۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٥و ٦٤، ومسلم: ٥/ ١٤٢، والطيالسي: ٢١٥٦

شرح:...... بہت بڑی رسوائی ہے کہ حشر کے میدان میں خلقِ خدا کے سامنے دبر کے ساتھ ایک جھنڈا گڑھا ہوا ہو، جو اس کی خیانت، دھوکے اور عہد شکنی پر دلالت کرے۔

مسئولیت خیانت کا سبب ہے

(١٣٧٨)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ سَاعِيًا، ثُمَّ قَالَ: ((اِنْطَلِقْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! وَلَا أُلْفِيَنَّكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَجِيْءُ عَلَى ظَهْرِكَ بَعِيْرٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ لَهُ رُغَاءٌ قَدْ غَلَلْتَهُ)) قَالَ: إِذًا لَا أَنْطَلِقُ، قَالَ: ((إِذًا لَا أُكْرِهُكَ۔)) (الصحيحة: ١٥٧٦)

سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے زکوۃ وصول کنندہ کی حیثیت سے بھیجنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا: ''ابومسعود! جاؤ (اور زکوۃ وصول کرو)، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو قیامت کے روز آئے اور تیری پیٹھ پر صدقے کا اونٹ، جسے تو نے خیانت کیا ہو، بلبلا رہا ہو۔'' اس نے کہا: (اگر یہ وعید ہے) تو میں جاتا ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر تو اس قدر احتیاط برتنا چاہتا ہے) تو میں تجھے مجبور نہیں کرتا۔''

تخریج: أخرجه أبو داود ٢/ ٢٥۔ تازية

شرح:...... خیانت کرنا بہت بڑا جرم ہے، یہ قبیح عمل منافق کی صفت ہے، ایمان کے ساتھ خیانت کا کوئی سمجھوتہ نہیں، آدمی جس چیز کی خیانت کرے گا وہ قیامت والے دن اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے گا۔ وہ کیسا منظر ہوگا کہ آدمی کی

پیٹھ پر اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ لدے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنی طبعی آواز نکال رہے ہوں گے۔

آجکل حکومتی عہدیدار بالعموم اور سیاسی لیڈر بالخصوص قومی خزانوں کو لوٹنا اپنا ذاتی حق سمجھتے ہیں اور وہ سرے سے حلت وحرمت میں تمیز کرنے سے قاصر ہیں، زکوۃ کمیٹیوں کی رقم حقداروں میں نہیں، بلکہ قرابتداروں یا یاروں میں بانٹی جاتی ہیں اور عوام الناس کی اکثریت کو جہاں اور جس انداز میں موقع ملتا ہے، وہ شکار ضائع نہیں جانے دیتے، وہ سرکاری اداروں کا مال چوری کرنے کی صورت میں ہو یا سرکاری جگہ پر قبضہ جمانے کی صورت میں ۔ یہ سب خیانتیں ہیں۔ جن کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

کوڑھ زدہ آدمی سے بیعت لینے کا طریقہ اور اس کی وجہ

(۱۳۷۹)۔ عَنِ الشَّرِيْدِ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ))۔ (الصحيحة:۱۹۶۸)

شرید بن سوید کہتے ہیں: ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھ زدہ آدمی تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ''ہم نے تجھ سے بیعت لے لی ہے، تو چلا جا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۷/ ۳۷، والنسائي: ۲/ ۱۸٤، وابن ماجه: ۲/ ۳٦٤، والطيالسي: برقم ۱۲۷۰، وأحمد: ٤/ ۳۸۹

شرح:...... کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا عَدْوٰی ..... وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ۔)) (بخاری) ... کوئی بیماری متعدی نہیں ہے، ...... البتہ کوڑھ کے مریض سے اس طرح بھاگ جاؤ، جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

ایک آدمی نے ایک خارشی اونٹ علیحدہ باندھ دیا، اس کا نظریہ یہ تھا کہ اس کی وجہ سے دوسرے اونٹوں کو خارش لگ جائے گی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ((فَمَنْ اَعْدَی الْاَوَّلَ؟)) (بخاری، مسلم) ... تو پھر (یہ بتلاؤ کہ) پہلے اونٹ کو خارش کی بیماری کس نے لگائی؟

اس موضوع کی احادیث میں جاہلیت کے اس عقیدے کا ردّ کیا گیا ہے کہ کوئی بیماری طبعی طور متعدی نہیں ہوتی، ہاں جیسے اللہ تعالی نے پہلے شخص کو بیماری لگائی، دوسرے کو اس کے بسبب لگا سکتا ہے، جس میں بیماری کا کمال نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی قدرت و مشیت کارفرما ہے اور جن احادیث سے بیماری کے متعدی ہونے کا اشارہ ملتا ہے، ان کا مقصود ضعیف الایمان لوگوں کے عقائد کی حفاظت کرنا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی نے کسی آدمی کو بیماری لگانے کا فیصلہ کر لیتا ہے، لیکن وہ فیصلہ اس وقت صادر ہوتا ہے، جب وہ آدمی اسی قسم کے مریض کے پاس بیٹھا ہوتا ہے، اب وہ یہ گمان کرتا ہے کہ مجھے یہ بیماری اس مریض کی وجہ سے لگی ہے، جیسا کہ دور جاہلیت میں کہا جاتا تھا، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔ مذکورہ بالا حدیث کا تعلق بھی اسی موضوع سے ہے کہ اگر کسی کو کسی مریض سے کوئی بیماری لگنے کا خطرہ ہو تو وہ اس

کے قریب ہی نہ جائے، تاکہ اس کے عقیدے میں بگاڑ پیدا نہ ہو، رہا مسئلہ بیماری کا، تو وہ اللہ تعالی کی مشیت کے مطابق لگ کر رہے گی۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں بیماری کے متعدی ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن اس حدیث میں اور ''لا عدوی'' (کوئی بیماری متعدی نہیں ہے) والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کر کے دورِ جاہلیت کے اس عقیدے کا رد کرنا ہے کہ بیماری اللہ تعالی کے فیصلے اور تقدیر کی وجہ سے نہیں، بلکہ بذاتِ خود لگ جاتی ہے۔ یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالی کی مرضی اور مشیت کی وجہ سے بیماری کسی دوسرے شخص کو لگ جائے۔ شرید بن سوید کی حدیث میں اس چیز کو ثابت کر کے اس قسم کے مریضوں سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ (صحیحہ: ۱۹۶۸)

امارت کا سوال کرنے والے کو مسئول نہ بنایا جائے

(۱۳۸۰)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰی، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِيْ عَمِّيْ فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللّٰهُ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ: فَقَالَ: ((إِنَّا وَاللّٰهِ! لَانُوَلِّيْ هٰذَا الْعَمَلَ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة: ٣٠٩٢)

سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے چچے کے دو بیٹے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالی نے جو معاملات آپ کے سپرد کئے ہیں، ہمیں بھی بعض امور پر امیر مقرر کر دیں، دوسرے نے بھی اسی قسم کی بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم ان معاملات پر اس کو امیر نہیں بنائیں گے جو خود مطالبہ کرتا ہے یا اس کی حرص رکھتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١٢/ ٢١٥/ ١٢٥٨٧، وأخرجه الشيخان أيضا

شرح:...... معلوم ہوا کہ جو آدمی مسئولیت اور امارت کا سوال کرے، اسے وہ عہدہ کسی صورت میں نہ دیا جائے۔ موجودہ سیاسی اور جمہوری دور میں لوگ حکومتی عہدے حاصل کرنے کے لیے گھر گھر، بستی بستی اور قریہ قریہ کا گشت کر کے ووٹ کی بھیک مانگتے ہیں، ایسے لوگ اس حدیث کی روشنی میں سرے سے عہدے کے حقدار نہیں ہیں۔

اللہ تعالی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں

(۱۳۸۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّهُ سَيَلِيْ أُمُوْرَكُمْ مِنْ بَعْدِيْ رِجَالٌ يُطْفِئُوْنَ السُّنَّةَ وَيُحْدِثُوْنَ بِدْعَةً، وَيُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا۔)) قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: كَيْفَ بِيْ إِذَا أَدْرَكْتُهُمْ؟ قَالَ: ((لَيْسَ يَاابْنَ أُمِّ عَبْدٍ طَاعَةٌ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ۔)) قَالَهَا

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب ایسے لوگ تمہارے معاملات کا اقتدار سنبھالیں گے، جو سنت کو مٹائیں گے اور بدعت کی ترویج کریں گے اور نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کریں گے۔'' سیدنا ابن مسعود نے کہا: اگر میں ایسے حکمرانوں کا دور پا لوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام عبد کے

ثلاثًا۔ (الصحيحة: ٢٨٦٤)

بیٹے! اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہیں کی جاتی۔“ آپ ﷺ نے یہ جملہ تین دفعہ ارشاد فرمایا۔

تخریج: رواه ابن ماجه: ٢٨٥٦، والبيهقي: ٣/ ١٢٧، وفي "الدلائل": ٦/ ٣٩٦۔ ٣٩٧، وأحمد، وابنه في "الزوائد": رقم: ٣٧٩٠، والسياق له، وعنه ابن عساكر: ١٤/ ١٦٥/ ٢، والطبراني في "معجمه": ١٠/ ٢١٣/ ١٠٣٦١

شرح:...... شریعت نے ایک قانون پیش کیا ہے کہ حاکم وقت کا جو قانون قرآن و حدیث سے متصادم ہوگا، اس کا قطعی طور پر کوئی لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

(١٣٨٢)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ مَرْفُوْعًا: ((سَيَلِيْكُمْ أُمَرَاءُ بَعْدِيْ يَعْرِفُوْنَكُمْ مَا تُنْكِرُوْنَ وَيُنْكِرُوْنَ عَلَيْكُمْ مَاتَعْرِفُوْنَ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ، فَلَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ۔)) (الصحيحة: ٥٩٠)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد عنقریب تم پر ایسے امرا مسلط ہوں گے جو تم میں ایسی (بری) چیزیں متعارف کروائیں گے جن کا تم انکار کرو گے اور ایسی (اچھی) چیزوں کا انکار کریں گے جن کو تم (بحیثیت نیکی) پہنچاتے ہو گے۔ اگر کوئی ایسے (لوگوں کا زمانہ) پالے تو (وہ یاد رکھے کہ) ایسے (حکمرانوں) کی کوئی اطاعت نہیں جاتی جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرتے ہوں۔“

تخریج: أخرجه العقيلي في "الضعفاء": والحاكم: ٣/ ٣٥٦

شرح:...... اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کی بات، کسی کا فتوی، کسی کا دل، کسی کا عمل، کسی کا فیصلہ اور کسی کا قانون کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایمان و ایقان کا اولین تقاضا ہے کہ حالات و واقعات اور اوقات و مقامات سے متاثر ہوئے بغیر قرآن و حدیث کے قانون پر عمل پیرا ہونے کو فخر سمجھا جائے۔

(١٣٨٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((طَاعَةُ الْإِمَامِ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ، مَالَمْ يَأْمُرْ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِذَا أَمَرَ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلَا طَاعَةَ لَهُ۔)) (الصحيحة: ٧٥٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان آدمی اس وقت تک اپنے حکمران کی اطاعت کرے جب تک وہ اسے اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دے، جب وہ نافرمانی کا حکم دے گا تو اس کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی۔“

تخریج: أخرجه تمام في "الفوائد": ١٠/ ١

شرح:...... خلیفۂ وقت کی اطاعت کرنا فرض ہے، لیکن جب تک اس کا فیصلہ شریعت کے متصادم نہ ہو۔

(۱۳۸٤)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔))

(الصحيحة: ۱۸۰)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی میں (کسی خلیفہ کی) کوئی اطاعت نہیں۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٤٢٦و٤٢٧و٤٣٦، و الطيالسي: ٨٥٠، والطبراني: ١٨/ ٢٢٩

(۱۳۸۵)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: أَرَادَ زِيَادٌ أَنْ يَبْعَثَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ عَلٰى خُرَاسَانَ، فَأَبٰى عَلَيْهِمْ، فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ: أَتَرَكْتَ خُرَاسَانَ أَنْ تَكُوْنَ عَلَيْهَا؟ قَالَ: فَقَالَ: إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا يَسُرُّنِيْ أَنْ أُصَلِّيَ بِحَرِّهَا وَتُصَلُّوْنَ بِبَرْدِهَا، وَإِنِّيْ أَخَافُ إِذَا كُنْتُ فِيْ نُحُوْرِ الْعَدُوِّ أَنْ يَأْتِيَنِيْ كِتَابٌ مِنْ زِيَادٍ، فَإِنْ أَنَا مَضَيْتُ هَلَكْتُ، وَإِنْ رَجَعْتُ ضُرِبَتْ عُنُقِيْ، قَالَ: فَأَرَادَ الْحَكَمُ بْنُ عَمْرٍو الْغِفَارِيُّ عَلَيْهَا، قَالَ: فَانْقَادَ لِأَمْرِهِ۔ قَالَ: فَقَالَ عِمْرَانُ: أَلَا أَحَدٌ يَدْعُوْ لِيَ الْحَكَمَ؟ قَالَ: فَانْطَلَقَ الرَّسُوْلُ، قَالَ: فَأَقْبَلَ الْحَكَمُ إِلَيْهِ۔ قَالَ: فَدَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ: فَقَالَ عِمْرَانُ لِلْحَكَمِ: أَسَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔))؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ عِمْرَانُ: لِلّٰهِ الْحَمْدُ، أَوْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔

(الصحيحة: ۱۷۹)

سیدنا عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زیاد نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کے ساتھیوں نے انھیں کہا: کیا تجھے خراسان کی مسئولیت گوارا نہیں؟ انھوں نے کہا: بخدا! مجھے یہ بات بھلی معلوم نہیں ہوتی کہ میں لڑائیوں کی آگ میں جلتا رہوں اور تم لوگ فتح کے بعد پرسکون ہو کر پہنچ جاؤ۔ دراصل مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں دشمن کے مقابلے میں ہوں گا اور اِدھر سے زیاد کا خط پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد اگر میں آگے بڑھا تو ہلاک ہو جاؤں گا اور اگر واپس آ گیا تو میری گردن کٹ جائے گی۔ ان کے بعد زیاد نے سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا ارادہ کیا، انھوں نے اس کا حکم مان لیا۔ عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا کوئی حکم کو میرے پاس بلا کر لائے گا؟ جواباً ایک قاصد گیا اور حکم ان کی طرف چل پڑا اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ سیدنا عمران رضی اللہ عنہ نے سیدنا حکم رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جاتی۔''؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ عمران رضی اللہ عنہ نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' یا ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کہا۔

تخريج: رواه أحمد: ٤/ ٤٣٢، ٥/ ٦٦، والطيالسي: ٨٥٦، والطبراني: ١٥٥/ ١

شرح:...... جہاں صحابۂ کرام کو کوئی شبہ پڑھتا تو وہ اس کام سے باز آ جاتے تھے، جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میں نے خراسان کا عہدہ اس لیے ترک کیا، کیونکہ مجھے شبہ تھا، مثلا ایک دن ہم اپنے دشمن کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے تیار ہوئے، لیکن بعد میں سمجھ آئی کہ اس لڑائی میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر لڑائی لڑی جاتی تو اس کا نقصان ظاہر ہوتا تھا، اور اگر نہ لڑی جاتی تو زیاد قتل کر دیتا تھا۔

(١٣٨٦)۔ عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلاً فَأَوْقَدَ نَارًا، وَقَالَ: اُدْخُلُوْهَا فَأَرَادَ نَاسٌ أَنْ يَدْخُلُوْهَا، وَقَالَ الْآخَرُوْنَ: إِنَّا قَدْ فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: فَقَالَ لِلَّذِيْنَ أَرَادُوْا أَنْ يَدْخُلُوْهَا: ((لَوْ دَخَلْتُمُوْهَا، لَمْ تَزَالُوْا فِيْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) وَقَالَ لِلْآخَرِيْنَ قَوْلاً حَسَنًا، وَقَالَ: ((لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔)) (الصحيحة: ١٨١)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک آدمی کو امیر مقرر کیا۔ اس امیر نے آگ جلائی اور کہا: اس میں داخل ہو جاؤ۔ کچھ لوگوں نے (امیر کی اطاعت کرتے ہوئے) واقعی داخل ہونے کا ارادہ کر لیا، دوسروں نے کہا: ہم نے (اسلام قبول کر کے تو) آگ سے دور بھاگنے کی کوشش کی ہے (اور اب......)۔ جب یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا، جو داخل ہونا چاہتے تھے: ''اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو روزِ قیامت تک اسی میں رہتے۔'' اور آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں کی تعریف کی اور فرمایا: ''اللہ تعالی کی نافرمانی میں کسی بشر کی اطاعت نہیں کی جاتی، اطاعت تو نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ١٣/ ٢٠٣۔فتح، ومسلم: ٦/ ١٥، وأبوداود: ٢٦٢٥، والنسائي: ٢/ ١٨٧، والطيالسي: ١٠٩، وأحمد: ١/ ٩٤

شرح:...... کوئی اعلی ہو یا ادنی، حاکم ہو یا محکوم، جس کی بات بھی قرآن و حدیث کے مخالف ہوگی، اس کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

امام البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ لکھتے ہیں: یہ حدیثِ مبارکہ کئی فوائد پر مشتمل ہے، ایک فائدہ یہ ہے: اللہ تعالی کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں کی جا سکتی، وہ امرا و حکام ہوں یا علما و مشائخ۔ معلوم ہوا کہ درج ذیل تین گروہ گمراہ ہیں:

(پہلا گروہ)...... بعض صوفی منش لوگ اپنے پیروں اور شیخوں کی تقلید کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کو واضح نافرمانی کا حکم دیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ درحقیقت نافرمانی نہیں ہوتی، کیونکہ شیخ کی علم و معرفت کی سطح مرید سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور جو کچھ شیخ دیکھتا ہے، وہ مرید کو نظر نہیں آ رہا ہوتا ہے۔

میں ایک ایسے ہی شیخ کو جانتا ہوں، وہ اپنے آپ کو مرشد سمجھتا ہے، وہ ایک دن مسجد میں اپنے مریدوں کے سامنے ایک قصہ بیان کر رہا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک صوفی شیخ نے ایک رات اپنے مرید کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے آئے، جو اس وقت بستر پر اپنی بیوی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا، سو اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس بات پر خوش تھا کہ اس نے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جب شیخ نے اس کی طرف دیکھا تو پوچھا: کیا تو اس گمان میں ہے کہ تو نے اپنے حقیقی باپ کو قتل کر دیا؟ نہیں نہیں۔ وہ تو تیری ماں کا یار تھا، تیرا باپ تو گھر پر موجود ہی نہ تھا۔

اس نے قصہ بیان کر کے اس سے بزعم خود ایک شرعی حکم کا استدلال کرتے ہوئے کہا: جب کوئی شیخ اپنے مرید کو ایسا حکم دے، جو شریعت کے مخالف ہو، تو مرید کو چاہیے کہ وہ اس کی پاسداری کرے۔ تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اس شیخ نے اپنے مرید سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے آئے۔ دراصل وہ اسے اس کی ماں کے ساتھ زنا کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دے رہا تھا اور وہ شرعاً قتل کا ہی مستحق تھا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ اس قصہ کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں، مثال کے طور پر:

(اول)...... حدّ نافذ کرنا شیخ کا حق نہیں ہے، وہ کتنا عظیم ہی کیوں نہ ہو، یہ امیر یا والی کا حق ہے۔

(دوم)...... اگر اس شیخ کو نفاذِ حدّ کا حق تھا تو اس نے عورت پر حدّ کیوں نہ لگائی؟ کیونکہ وہ دونوں اس برائی میں برابر کے مجرم اور برابر کے سزا کے حقدار تھے۔

(سوم)...... شادی شدہ زانی کی حد رجم یعنی پتھروں سے سنگسار کرنا ہے، نہ کہ صرف قتل۔

واضح ہوا کہ شیخ نے کئی طرح سے شریعت کی مخالفت کی، یہی معاملہ اس مرشد کا ہے، جو اس قصے کو بنیاد بنا کر شیخ کی تقلید کو واجب قرار دے رہا ہے، اگرچہ یہ قصہ شریعت کے مخالف ہے۔

اس مرشد نے اپنے باطل بیان کے دوران مریدوں سے یہ بات بھی کہی تھی کہ اگر تم اپنے شیخ کی گردن میں صلیب دیکھو تو تم اس پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں رکھتے۔

اگرچہ یہ کلام واضح طور پر باطل ہے اور شرع اور عقل کے مخالف ہے، لیکن اس کے باوجود باعتماد نوجوانوں سمیت بعض لوگوں پر اس کا جادو چل جاتا ہے۔

اسی قسم کے ایک مرید کے ساتھ اس قصہ کے موضوع پر میرا مباحثہ ہونے لگا، اس نے یہ سارا واقعہ اور اس سے کیا جانے والا استدلال اپنے مرشد سے سنا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق یہ اس شیخ کی کرامت تھی اور اس کا اس قصے کے صحیح ہونے پر مکمل اعتماد تھا۔ اس نے مجھے کہا: تم لوگ کرامتوں کا انکار کرتے ہو۔ لیکن جب میں نے اسے کہا: اگر تیرا شیخ تجھے یہ حکم دے کہ تو اپنے والدین کو قتل کر دے تو کیا اس کی اطاعت کرے گا؟ اس نے کہا: میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔

ستیاناس ہو اس سیادت کا، کہ جس سے لوگوں کے عقل ماؤف ہو جاتے ہیں اور وہ ضلالت و گمراہی میں پھنسے ہوئے شیخوں کے اس قدر تابع نظر آتے ہیں۔

(دوسرا گروہ) ......مقلدین کا گروہ، جو اپنے امام کے قول کو نبی کریم ﷺ کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کسی مقلّد سے کہا جاتا ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد فجر کی سنتیں نہ پڑھا کرو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، تو وہ اس حدیث کی اطاعت نہیں کرے گا، بلکہ یوں لب کشائی کرے گا: ہمارے مذہب میں جائز ہے۔ اسی طرح جب (حنفی) مقلدوں سے کہا جاتا ہے کہ حلالہ والا نکاح باطل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کرنے والے پر لعنت کی ہے، تو وہ جواب دے گا: نہیں، نہیں۔ بلکہ فلاں فلاں مذہب کے مطابق جائز ہے۔ اسی طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں۔

اکثر محقق علما وفقہا کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے مقلد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق ہیں: ﴿اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ: ۳۱) ......''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنایا ہے۔'' فخر الرازی نے اپنے تفسیر میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔

(تیسرا گروہ) ......وہ لوگ، جو اپنے حکمرانوں کے وضع کردہ ان قوانین وضوابط کی پیروی کرتے ہیں، جو شریعت کے مخالف ہوتے ہیں، جیسے کمیونزم اور اس کے ملتے جلتے نظام۔ اور ان سے بدتر وہ لوگ ہیں، جو شریعت کے ان مخالف امور کو شریعت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایسی مصیبت ہے جس نے عصرِ حاضر کے علم واصلاح کے دعویداروں کا گھیراؤ کر لیا ہے اور عوام کو ان سے بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ یہ پیروکار اپنے قائدین سمیت اس آیت کا مصداق بنتے ہیں: ﴿اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ: ۳۱) ...... ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو ربّ بنایا ہے۔'' ہم اللہ تعالیٰ سے حمایت وحفاظت اور سلامت وسلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (صحیحہ:۱۸۱)

(۱۳۸۷)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَرْفُوْعًا: ((يَكُوْنُ أُمَرَاءُ فَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمْ قَوْلُهُمْ يَتَهَافَتُوْنَ فِي النَّارِ، يَتْبَعُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔)) (الصحيحة:۱۷۹۰)

سیدنا معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے امرا بھی ہوں گے کہ (ان کی ہیبت کی وجہ سے) ان کی بات کو ردّ نہیں کیا جا سکے گا، وہ آگ میں بزور گھسیں گے اور وہ ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔''

تخریج: أخرجه أبويعلي في"مسنده": ٤/ ١٧٧٩، ١٧٨١، واخرجه المرفوع منه الطبراني في "الاوسط": ٥٤٤٤

ہوازن کے وفد کے قیدی اور مالِ غنیمت واپس کرنے کا واقعہ

(۱۳۸۸)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ:

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا:

شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَجَاءَتْهُ وُفُوْدُ هَوَازِنَ فَقَالُوْا: يَا مُحَمَّدُ إِنَّا أَهْلٌ وَعَشِيْرَةٌ، فَمُنَّ عَلَيْنَا مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ. فَإِنَّهُ قَدْ نَزَلَ بِنَا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ، فَقَالَ: ((اِخْتَارُوْا بَيْنَ نِسَائِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَأَبْنَائِكُمْ)) قَالُوْا: خَيَّرْتَنَا بَيْنَ أَحْسَابِنَا وَأَمْوَالِنَا، نَخْتَارُ أَبْنَاءَنَا، قَالَ: ((أَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ، فَإِذَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ فَقُوْلُوْا: إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ نِسَائِنَا وَأَبْنَائِنَا)) قَالَ: فَفَعَلُوْا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ۔)) وَقَالَ الْمُهَاجِرُوْنَ: مَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَتِ الْأَنْصَارُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقَالَ عُيَيْنَةُ ابْنُ بَدْرٍ: أَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ فَزَارَةَ فَلَا، وَقَالَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ: أَمَّا أَنَا وَبَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا، وَقَالَ عَبَّاسُ بْنُ مِرْدَاسٍ: أَمَّا أَنَا وَبَنُوْ سَلِيْمٍ فَلَا۔ فَقَالَتِ الْحَيَّانُ: كَذَبْتَ، بَلْ هُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ رُدُّوْا عَلَيْهِمْ نِسَاءَهُمْ، وَأَبْنَاءَهُمْ، فَمَنْ تَمَسَّكَ بِشَيْءٍ مِنَ الْفَيْءِ فَلَهُ عَلَيْنَا سِتَّةُ فَرَائِضَ مِنْ أَوَّلِ شَيْءٍ يُفِيْئُهُ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔)) ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ وَتَعَلَّقَ بِهِ النَّاسُ يَقُوْلُوْنَ: اِقْسِمْ عَلَيْنَا فَيْأَنَا بَيْنَنَا، حَتّٰى أَلْجَأُوْهُ إِلٰى سَمُرَةٍ

جب ہوازن کے وفود، رسول اللہ ﷺ کے پاس آرہے تھے، تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ انھوں نے کہا: اے محمد! ہم کنبے قبیلے والے لوگ ہیں، آپ ہم پر احسان کریں، اللہ آپ پر احسان کرے۔ ہم پر ایسی آزمائش ٹوٹ پڑی ہے جو آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ بال بچوں اور مال و منال میں سے ایک چیز کا انتخاب کرلو۔“ انھوں نے کہا: آپ نے ہمیں حسب و نسب اور مال و دولت میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے، تو ہم اپنے بچوں کو ترجیح دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو حصہ میرا اور بنو عبد المطلب کا ہے وہ تمھیں واپس مل جائے گا۔ جونہی میں نمازِ ظہر سے فارغ ہوں تو تم لوگ اس طرح کہنا: ہم اپنے بچوں اور بیویوں (کی واپسی) کے سلسلے میں رسول اللہ سے مومنوں کے پاس اور مومنوں سے رسول اللہ کے پاس سفارش کرواتے ہیں۔“ انھوں نے ایسے ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا: ”جو کچھ میرے اور بنو عبد المطلب کے حصے میں ہے وہ تمھارا ہے۔“ مہاجروں نے کہا: جو کچھ ہمارے حصے میں آیا وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ انصاریوں نے بھی اسی طرح کہا۔ عیینہ بن بدر نے کہا: میرے اور بنو فزارہ کے حصے میں جو کچھ آیا وہ واپس نہیں دیا جائے گا۔ اقرع بن حابس نے کہا: رہا مسئلہ میرا اور بنو تمیم کا، تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ عباس بن مرداس نے کہا: میں اور بنو سلیم بھی واپس نہیں کریں گے، لیکن حیان نے کہا: تو جھوٹ بول رہا ہے، وہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! ان کی عورتیں اور بچے ان کو واپس کر دو، جس نے حصہ لینا ہی ہے تو جونہی اللہ تعالیٰ مالِ فیٔ یا مالِ غنیمت عطا کرے گا ہم اسے چھ گنا دیں گے۔“ پھر آپ ﷺ

فَخَطَفَتْ رِدَاءَهُ، فَقَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ رُدُّوْا عَلَيَّ رِدَائِي، فَوَاللّٰهِ لَوْكَانَ لَكُمْ بِعَدَدِ شَجَرِ تِهَامَةَ نَعَمٌ لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ لَا تَلْقَوْنِي بَخِيْلًا وَلَا جَبَانًا وَلَا كَذُوْبًا)) ثُمَّ دَنَا مِنْ بَعِيْرِهِ فَأَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ سِنَامِهِ فَجَعَلَهَا بَيْنَ أُصْبُعَيْهِ، السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، ثُمَّ رَفَعَهَا فَقَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ لِيْ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ وَلَا هٰذِهِ الْوَبَرَةِ إِلَّا الْخُمُسَ، وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ، فَرُدُّوْا الْخِيَاطَ، وَالْمِخْيَطَ، فَإِنَّ الْغُلُوْلَ يَكُوْنُ عَلٰى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَارًا وَنَارًا، وَشَنَارًا))۔ (الصحيحة:١٩٧٣)

اونٹنی پر سوار ہوئے اور لوگ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے کہ ہمارا مال ہم میں تقسیم کرو، حتی کہ انھوں نے آپ ﷺ کو ببول کے درخت تک پہنچا دیا، جس نے آپ ﷺ کی چادر اچک لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! میری چادر مجھے واپس کر دو، اللہ کی قسم! اگر تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوئے تو میں تم میں تقسیم کر دوں گا، پھر تم مجھے بخیل، بزدل اور جھوٹا نہیں پاؤ گے۔“ پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے قریب گئے، اس کی کوہان کے کچھ بال اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی کے درمیان لے کر انھیں بلند کیا اور فرمایا: ”لوگو! اس مالِ غنیمت میں میرا حصہ ان بالوں جتنا بھی نہیں، سوائے خمس (پانچویں حصے) کے اور وہ بھی تم میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا سوئی اور دھاگہ (سب کچھ) ادا کر دو، (یاد رہے کہ) خیانت روزِ قیامت خائنوں کے لیے عار و شنار اور عیب و رسوائی ہوگا۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٨٤

شرح:...... تقسیم غنیمت کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آ گیا، ان میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا اور قید ہونے والی عورتوں میں آپ ﷺ کی رضاعی مائیں، بہنیں، پھوپھیاں اور خالائیں بھی تھیں۔ چونکہ مالِ غنیمت صحابہ کرام کا حق تھا اور آپ ﷺ بھی محض سفارش کر رہے تھے، اس لیے بعض صحابہ نے طبعی طور پر آپ ﷺ کی سفارش قبول کرنے سے گریز کیا، لیکن آخر میں سب نے قیدی واپس کر دیے تھے۔ مالِ غنیمت سے نبی کریم ﷺ کا پانچوں حصہ ہوتا تھا اور وہ بھی مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے صرف کر دیا جاتا تھا۔

فتحِ خیبر کا واقعہ

(١٣٨٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ بُرَيْدَةَ يَقُوْلُ: حَاصَرْنَا خَيْبَرَ، فَأَخَذَ اللِّوَاءَ أَبُوْبَكْرٍ، وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ، وَأَخَذَ مِنَ الْغَدِ عُمَرُ، فَانْصَرَفَ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ وَأَصَابَ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ شِدَّةٌ وَجَهْدٌ

عبد اللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خیبر کا محاصرہ کر لیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا، لیکن فتح نہ ہوئی۔ دوسرے دن عمر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا، لیکن فتح نہ ہو سکی اور لوگوں کو اس دن بڑی مصیبت و پریشانی اور محنت و مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ رسول اللہ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّیْ دَافِعٌ لِوَائِیْ غَدًا إِلٰی رَجُلٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یُفْتَحَ لَهُ۔)) وَبِتْنَا طَیِّبَةً أَنْفُسُنَا أَنَّ الْفَتْحَ غَدًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَّی الْغَدَاةَ، ثُمَّ قَامَ قَائِمًا، وَدَعَا بِاللِّوَاءِ وَالنَّاسُ عَلٰی مَصَافِّهِمْ، فَمَا مِنَّا إِنْسَانٌ لَهُ مَنْزِلَةٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا وَهُوَ یَرْجُوْ أَنْ یَکُوْنَ صَاحِبَ اللِّوَاءِ، فَدَعَا عَلِیَّ بْنَ أَبِیْ طَالِبٍ وَهُوَ أَرْمَدُ فَتَفَلَ فِیْ عَیْنَیْهِ وَمَسَحَ عَنْهُ وَدَفَعَ إِلَیْهِ اللِّوَاءَ وَفَتَحَ اللّٰهُ لَهُ، وَأَنَا فِیْمَنْ تَطَاوَلَ إِلَیْهَا۔ (الصحیحۃ: ۳۲۴٤)

ﷺ نے فرمایا: ''کل میں ایسے آدمی کو جھنڈا عطا کروں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، وہ اس وقت تک نہیں لوٹے گا، جب تک فتح نہ ہو جائے گی۔'' ہم نے اس امید میں خوشگوار موڈ میں رات گزاری کہ کل فتح ہو گی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے، جھنڈا منگوایا۔ لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے رہے۔ جو انسان بھی رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مقام و مرتبے والا تھا، اسے جھنڈا بردار ہونے کی امید تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا، اس وقت وہ آشوبِ چشم کے مرض میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب ان کی آنکھ پر لگایا اور پھر اسے صاف کر دیا اور انھیں جھنڈا تھما دے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا کر دی۔ میں بھی ان میں تھا جو دیکھنے کے لیے گردن لمبی کر رہے تھا (کہ جھنڈا کس کو ملتا ہے؟)

تخریج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٥/ ١٠٩/ ٨٤٠٢، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٤/ ٢١٠، وأحمد: ٥/ ٣٥٣، ٣٥٥، وأخرجه النسائي: ٨٤٠٣، والحاكم: ٢/ ٤٣٧، وابن ابي شيبة: ١٤/ ٤٦٢/ ١٨٧٥، والبزار في "مسنده" ٢/ ٣٣٨/ ١٨١٤

شرح:...... اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت و منقبت کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی۔ نیز آپ ﷺ کے ایک معجزے کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لعاب میں شفا رکھی تھی۔

امیر کی اطاعت کا حکم

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت کی روشنی میں اختلاف کو دور کیا جائے

(١٣٩٠)۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ، قَالَ: وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ہمیں بعد از نمازِ فجر نہایت مؤثر وعظ کیا، جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے۔ ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا آخری الوداع کہنے والے کا وعظ ہے، (پس آپ ہمیں

أَصْحَابِهِ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَقَالَ: ((أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ بَعْدِيْ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔)) (الصحیحة: ۲۷۳۵)

کوئی وصیت فرما دیجئے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی اور امیر کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام امیر مقرر ہو جائے۔ (یاد رکھو!) تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا، ان کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا، کیونکہ ایسا ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "مسند الشاميين": ص ۱۳٦ من طريقين، وفي "المعجم الكبير": ۱۸/ ۲٤۸/ ٦۲۳، وأخرجه اصحاب السنن وغيرهم من طرق كثيرة عن العرباض رضي الله عنه

شرح:...... حدیث اپنے موضوع میں واضح ہے، لیکن خلیفۂ راشد کی سنت کی حیثیت کی وضاحت ضروری ہے، کیونکہ بعض اہل علم اور عوام الناس شرعی مسئلے میں خلفائے راشدین کے قول و کردار سے حجت پکڑتے ہیں، تعجب اس بات پر ہے کہ حجت پکڑنے کا یہ انداز مستقل طور پر نہیں، بلکہ بتقاضۂ ضرورت یا الزامی جواب دینے کے لیے یا پھر مخالف پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے، وگرنہ کوئی شخص عملی طور پر خلفائے راشدین کے فیصلوں کا قائل نہیں ہے۔

دراصل اسلام میں خلیفہ کا لفظ اور جب "خَلِيْفَةُ الرَّسُوْلِ" سے ماخوذ ہے، یعنی خلیفہ کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا منہج سنبھال کر آپ کے ارشادات و فرمودات اور اقوال و اعمال کی عملی ترویج کرے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ ان کی رعایا صحابہ کرام نے قرآن و حدیث کے دلائل کا سہارا لے کر ان کے فیصلوں پر اعتراض کیا اور انھوں نے شریعت کے ساتھ مخلص ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے فیصلوں سے رجوع کیا۔ دراصل "سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ" سے مراد سنتِ رسول ہی ہے، کیونکہ خلیفۂ راشد کا منہج ہی آپ ﷺ کی سنت پر قائم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں خلفا و حکام کی اطاعت کا حکم دیا، وہاں یہ شرط بھی لگائی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو خلفا کی کوئی اطاعت و فرمانبرداری نہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا اَحَبَّ اَوْ كَرِهَ اِلَّا اَنْ يُّؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَاِنْ اَمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔)) (بخاری) ..... ''مسلمان آدمی پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے، خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا ناپسند کرتا ہو، الا یہ کہ اسے کسی نافرمانی کا حکم دیا جائے، پس اگر اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو کوئی سننا اور اطاعت کرنا نہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا طَاعَةَ فِي الْمَعْصِيَةِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔)) (بخاری، مسلم) ..... ''نافرمانی میں (امیر کی) کی کوئی اطاعت نہیں، اطاعت وفرمانبرداری تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔''

ہاں جب امیر المؤمنین لوگوں کی کسی دنیوی مصلحت کے لیے کوئی قانون بنائے، جو دینی تعلیمات سے متصادم نہ ہو تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے، مثلاً گاڑیوں کے لیے حد رفتار کا تعین، چوکوں پر اشاروں کا نظام، بازاروں کے لیے اوقات کا تعین، مخصوص خاندانوں کا آپس میں شادیاں کرنے پر پابندی۔ وغیرہ وغیرہ۔

امتِ مسلمہ کی قیادت کرنے والوں کی ترتیب

(۱۳۹۱)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: كُنَّا قُعُوْدًا فِي الْمَسْجِدِ۔ وَكَانَ بَشِيْرٌ رَجُلًا يَكُفُّ حَدِيْثَهُ۔ فَجَاءَ أَبُوْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ، فَقَالَ: يَابَشِيْرُ بْنُ سَعْدٍ! أَتَحْفَظُ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْأَمْرِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا أَحْفَظُ خُطْبَتَهُ فَجَلَسَ أَبُوْ ثَعْلَبَةَ، قَالَ حُذَيْفَةُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا، فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، ثُمَّ سَكَتَ۔)) (الصحيحة:٥)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر اپنی بات کو روک دیتے تھے۔ اتنے میں ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: بشیر بن سعد! کیا تجھے امرا کے بارے میں کوئی حدیثِ نبوی یاد ہے؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (اس معاملے میں) مجھے آپ کا خطبہ یاد ہے۔ ابوثعلبہ بیٹھ گئے اور حذیفہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی کی مشیت کے مطابق کچھ عرصہ تک نبوت قائم رہے گی، پھر اللہ تعالی جب چاہیں گے اسے اٹھا لیں گے۔ نبوت کے بعد اس کے منہج پر اللہ کی مرضی کے مطابق کچھ عرصہ تک خلافت ہو گی، پھر اللہ تعالی اسے ختم کر دیں گے، پھر اللہ کے فیصلے کے مطابق کچھ عرصہ تک بادشاہت ہو گی، جس میں ظلم و زیادتی ہو گا، بالآخر وہ بھی ختم ہو جائے گی، پھر جبری بادشاہت ہو گی، وہ کچھ عرصہ کے بعد زوال پذیر ہو جائے گی، اس کے بعد منہجِ نبوت پر پھر خلافت ہو گی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔''

تخريج: رواه أحمد ٤/ ٢٧٣، والطيالسي في "مسنده": ٤٣٨، وقال الهيثمي في "المجمع": ٥/ ١٨٩: رواه احمد والبزار: ١٥٨٨ أتم منه، والطبراني ببعضه في الاوسط، ورجاله ثقات

شرح:...... بالترتیب درج ذیل پانچ ادوار کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) دورِ نبوت، (۲) نبوی منہج سے متصف خلافت، (۳) ظلم و زیادتی والی بادشاہت، (۴) جبری بادشاہت، (۵) نبوی منہج پر مشتمل خلافت۔

بائیس تئیس سالوں پر مشتمل دورِ نبوت اور تیس برسوں پر مشتمل زمانہ خلافتِ راشدہ معروف اور معین ہے۔ سب سے آخر میں ذکر کیے گئے دورِ خلافت کے متعلق یہی کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوا، مستقبل میں امید ہے۔

ترتیب میں مذکورہ تیسری اور چوتھی چیز کے تعین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کی سند کے راوی حبیب بن سالم کہتے ہیں:

جب عمر بن عبدالعزیز (جن کا دور ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ کا ہے) کھڑے ہوئے تو میں نے ان کے ساتھی یزید بن نعمان کو خط لکھا، جس میں یہ حدیث قلمبند کر کے لکھا: مجھے امید ہے کہ ظالم اور جابر دونوں کی حکومتوں کے بعد جس خلافتِ راشدہ کا ذکر کیا گیا وہ عمر بن عبدالعزیز ہی ہیں۔ انھوں نے میرا خط ان تک پہنچا دیا، وہ پڑھ کر بڑے خوش ہوئے۔

لیکن امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث کو عمر بن عبدالعزیز کے دور پر محمول کرنا بعید بات ہے، کیونکہ ان کی خلافت تو خلافتِ راشدہ کے قریب ہی ہے۔ اس وقت تک تو ظلم و ستم اور جبر و قہر والی مملکتیں وجود میں ہی نہیں آئی تھیں۔ درحقیقت اس حدیث میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل روشن ہے اور مسلم خلافت پوری قوت کے ساتھ واپس آئے گی۔ (صحیحہ: ۵) اس حدیث کا شاہد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ہے:

(۱۳۹۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَوَّلُ هٰذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَّرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَتَكَادَمُوْنَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ جِهَادِكُمُ الرِّبَاطُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ رِبَاطِكُمْ عَسْقَلَانَ۔))

(الصحيحة: ۳۲۷۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس معاملے کی ابتدا نبوت و رحمت سے ہوئی ہے، اس کے بعد خلافت و رحمت ہو گی اور پھر بادشاہت اور رحمت۔ بعد ازاں گدھوں کا ایک دوسرے کو کاٹنے کی طرح لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں گے، تم جہاد کو لازم پکڑنا، بہترین جہاد، رباط (سرحد پر مقیم رہنا) ہے اور (شام کے ساحلی شہر) عسقلان کا رباط سب سے افضل ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ۱۱/ ۸۸/ ۱۱۱۳۸

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دو یقینی ادوار کے بعد ظالم و جابر دونوں بادشاہتیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں، کیونکہ بنوامیہ اور بنوعباس میں ظالم اور جابر قسم کے بادشاہ گزرے ہیں، بالخصوص اس وقت جب بنوامیہ سے بادشاہت چھن کر بنوعباس کی

طرف منتقل ہو رہی تھی۔ اب تو مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، مسلمانوں کی چون پچپن سلطنتیں موجود ہیں، لیکن برائے نام ہیں، کوئی حکم ان خود مختار نہیں اور کہیں بھی مکمل طور اسلامی قانون کا نفاذ نظر نہیں آتا، بلکہ بعض مملکتیں تو مکمل طور پر یورپ کی نقالی پر اتر آئی ہیں اور بعض کوشش میں ہیں۔ مذہب کے شائقین مکمل طور پر بے بس ہو چکے ہیں، بہرحال اللہ تعالیٰ کا آسرا اور سہارا موجود ہے، اسی پر آس رکھ کر انفرادی و اجتماعی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

آپ ﷺ سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد تک مختلف ادوار کی کیفیتیں

(۱۳۹۳)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ . قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَنَحْنُ فِيْهِ، وَجَاءَ بِكَ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ؟، قَالَ: ((يَا حُذَيْفَةُ! تَعَلَّمْ كِتَابَ اللّٰهِ، وَاتَّبِعْ مَافِيْهِ۔)) (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَبَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) قُلْتُ: فَمَا الْعِصْمَةُ مِنْهُ؟ قَالَ: ((السَّيْفُ۔)) قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ (وَفِي طَرِيْقٍ: قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ السَّيْفِ بَقِيَّةٌ؟) قَالَ: ((نَعَمْ، وَفِيْهِ (وَفِي طَرِيْقٍ: تَكُوْنُ إِمَارَةٌ (وَفِي لَفْظٍ: جَمَاعَةٌ) عَلَى أَقْذَاءٍ وَهُدْنَةٌ عَلَى دَخَنٍ۔)) قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: ((قَوْمٌ (وَفِي طَرِيْقٍ أُخْرٰى: يَكُوْنُ بَعْدِيْ أَئِمَّةٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِي، وَيَهْتَدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِي، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ، فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ))۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں شرّ کے بارے میں دریافت کرتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (ایک دن) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شرّ کا زمانہ گزار رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام، جسے ہم نے قبول کیا، کو اور آپ کو ہماری طرف بھیجا۔ (اب سوال یہ ہے کہ) کیا اس خیر کے بعد پھر شرّ (کا غلبہ ہوگا) جیسا کہ پہلے تھا؟ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: ”حذیفہ! اللہ کی کتاب پڑھ اور اس کے احکام پر عمل کر۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اُس شرّ کے بعد پھر خیر ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ میں نے کہا: اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تلوار۔“ میں نے کہا: کیا اس شرّ کے بعد پھر خیر ہوگی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تلوار کے بعد خیر کا کوئی حصہ باقی رہے گا؟ (یعنی لڑائی کے بعد اسلام باقی رہے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ اور ایک روایت میں ہے کہ ”امارت (اور جماعت) تو قائم رہے گی، لیکن معمولی چون و چرا اور دلوں میں نفرتیں اور کینے ہوں گے، ظاہری صلح، اور اندرون خانہ لڑائی ہوگی۔“ میں نے کہا: کینے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد ایک قوم یا مختلف حکمران ہوں گے جو میری سنت پر عمل نہیں کریں گے اور میری سیرت کے علاوہ کوئی اور سیرت اختیار کریں

(وَفِي أُخْرٰى: اَلْهُدْنَةُ عَلٰى دَخَنٍ مَاهِيَ؟ قَالَ: ((لَاتَرْجِعُ قُلُوْبُ أَقْوَامٍ عَلَى الَّذِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ۔)) قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، فِتْنَةٌ عَمْيَاءُ صَمَّاءُ، عَلَيْهَا دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ اَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: ((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: ((تَلْتَزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْأَمِيْرَ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔)) قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: ((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔)) وَفِيْ طَرِيْقٍ: ((فَإِنْ تَمُتْ يَاحُذَيْفَةُ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلٍ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَتَّبِعَ أَحَدًا مِّنْهُمْ۔)) وَفِيْ أُخْرٰى: ((فَإِنْ رَأَيْتَ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً فَالْزَمْ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ، فَإِنْ لَّمْ تَرَ خَلِيْفَةً فَاهْرُبْ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلِ شَجَرَةٍ۔)) قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ۔)) قَالَ: قُلْتُ: فَبِمَ يَجِيْءُ؟ قَالَ: ((بِنَهْرٍ۔ أَوْ قَالَ: مَاءٍ وَنَارٍ۔ فَمَنْ دَخَلَ

گے، تو ان کے بعض امور کو اچھا سمجھے گا اور بعض کو برا اور ان میں ایسے لوگ بھی منظرِ عام پر آئیں گے جو انسانوں کے روپ میں ہوں گے، لیکن ان کے دل شیطانی ہوں گے۔'' ایک روایت میں ہے: میں نے کہا: ظاہری صلح بباطن لڑائی اور دلوں میں کینہ، ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے دل (ان خصائل حمیدہ) کی طرف نہیں لوٹیں گے، جن سے وہ پہلے متصف ہوں گے۔'' میں نے کہا: کیا اس خیر کے بعد بھی شرّ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اندھا دھند فتنہ ہو گا، اور (اس میں ایسے لوگ ہوں گے کہ گویا کہ) وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہیں، جو آدمی ان کی بات مانے گا وہ اس کو جہنم میں پھینک دیں گے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگوں کی صفات بیان کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہماری نسل کے ہوں گے اور ہماری طرح باتیں کریں گے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ایسا زمانہ مجھے پالے تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران کو لازم پکڑے رکھنا، امیر کی بات سننا اور ماننا۔ اگرچہ تیری پٹائی کر دی جائے اور تیرا مال لوٹ لیا جائے پھر بھی ان کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔'' میں نے کہا: اگر سرے سے مسلمانوں کی جماعت ہو نہ حکمران (تو پھر میں کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جانا، اگرچہ کسی درخت کے تنے کے ساتھ چمٹنا پڑے، یہاں تک کہ تجھے موت پالے اور تو اسی حالت میں ہو۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''حذیفہ! کسی درخت کے تنے کا ساتھ چمٹ کر مرنا ان حکمرانوں) کی اطاعت کرنے سے بہتر ہو گا۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اگر ان دنوں

نَهْرَهُ حَطَّ أَجْرُهُ، وَوَجَبَ وِزْرُهُ، وَمَنْ دَخَلَ نَارَهُ وَجَبَ أَجْرُهُ، وَحَطَّ وِزْرُهُ۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا بَعْدَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: ((عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔)) قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((لَوْ أُنْتِجَتْ فَرَسًا لَمْ تَرْكَبْ فُلُوَّهَا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔)) (الصحيحة:۲۷۳۹)

میں تجھے اللہ کی زمین میں کوئی خلیفہ مل جائے تو اس کو لازم پکڑنا، اگرچہ وہ تیری پٹائی کرے اور تیرا مال چھین لے اور اگر تجھے کوئی خلیفہ نظر نہ آئے تو کسی (گوشہ) زمین میں بھاگ جانا، حتی کہ تجھے موت آ جائے اور تو کسی درخت کے تنے کے ساتھ چمٹا ہوا ہو۔'' میں نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر دجال ظاہر ہوگا۔'' میں نے کہا: وہ کون سی علامت لے کر آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہر یا پانی اور آگ کے ساتھ آئے گا، جو اس کی نہر میں داخل ہوا اس کا اجر ضائع اور گناہ ثابت ہو جائے گا اور جو اس کی آگ میں داخل ہوا اس کا اجر ثابت ہو جائے گا اور اس کا جرم مٹ جائے گا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! دجال کے بعد کیا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عیسی بن مریم۔'' میں نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس وقت تیری گھوڑی کا بچہ پیدا ہوا تو وہ ابھی تک اس قابل نہیں ہوگا کہ تو اس پر سواری کر سکے، کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

تخريج: قد جاء هذا الحديث مطولا و مختصرا من طرق، جمعت هنا فوائدها، وضممت اليه زوائدها في أماكنها المناسبة للسياق۔ (لكن ما ميزنا الزوائد)

الطريق الأول: أخرجه البخاري:٣٦٠٦، ٧٠٨٤، ومسلم:٦/ ٢٠، وأبو عوانة: ٥/ ٥٧٤، والطبراني في "مسندالشامين": ص١٠٩/ ١، والداني في "الفتن": ق٤/ ١، وابن ماجه ببعضه: ٢/ ٤٧٥

الثانية: أخرجه مسلم

الثالثة: أخرجه أبو عوانة:٥/ ٤٧٦، وأبوداود: ٤٢٤٤۔٤٢٤٧، والنسائي في "الكبرى": ٥/ ١٧/ ٨٠٣٢، والطيالسي في "مسنده": ٤٤٢، ٤٤٣، وعبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ٣٤١/ ٢٠٧١١، وأحمد:٥/ ٣٨٦، ٤٠٣، ٤٠٤، ٤٠٦، والحاكم:٤/ ٤٣٢، وابن أبي شيبة: ١٥/ ٨/ ١٨٩٦٠، ١٨٩٦١، ١٨٩٨٠

الرابعة: أخرجه النسائي في "الكبرى": ٥/ ١٨/ ٨٠٣٣، وابن ماجه :٢/ ٤٧٦، والحاكم:٤/ ٤٣٢

الخامسة: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ١/ ٢٠٢/ ٢/ ٣٦٧٤

شرح:...... اسلام ایسا کامل مذہب ہے کہ یہ اہل اسلام کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، بالخصوص اس ضمن میں کہ اچھے یا برے حالات میں مسلمان کے شب و روز کیسے گزرنے چاہئیں۔ لیکن یہ رہنمائی حاصل کرنے کے لیے مسلمان کا صاحبِ بصیرت ہونا اور صاحب علم ہونا یا اہل علم سے رابطہ کرنا ضروری ہے، وگرنہ عصر حاضر کی طرح اکثر مسلمان ابن الوقتی اختیار کر جاتے ہیں اور شریر لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر وقت گزارنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مشکل الفاظ کے معانی:

"اَلسَّیْفُ": تلوار کے ذریعے عفت وعصمت کا تحفظ ہوگا۔ قتادہ کہتے ہیں: اس شر سے مراد وہ لوگ ہیں، جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے۔

"بَقِیَّۃٌ": یعنی جب ہم ان سے لڑیں گے، تو کیا اس لڑائی کے بعد اسلام باقی رہے گا؟

"أَقْذَاءٌ": ابن اثیر کہتے ہیں: "قَذَاۃٌ" کی جمع "اَلْقَذْیُ" ہے اور "اَلْقَذْیُ" کی جمع "أَقْذَاءٌ" ہے۔ لغت میں اس سے مراد وہ مٹی یا بھوسے کے تنکے یا میل کچیل ہے، جو آنکھ میں پڑتی ہے یا پانی میں گرتی ہے۔ حدیث میں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ بظاہر مسلمان اکٹھے تو ہوں گے، لیکن ان کے دلوں میں فساد اور کینہ ہوگا۔

"دَخَنٌ": قتادہ کی رائے کے مطابق اس سے مراد کینہ ہے، متن میں مذکور ایک طریق میں اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے: "لوگوں کے دل (ان خصائل حمیدہ) کی طرف نہیں لوٹیں گے، جن سے وہ پہلے متصف ہوں گے۔"

"جِذْل": وہ لکڑی، جو اس مقصد کے لیے گاڑھی جاتی ہے، تاکہ اونٹ اس کے ساتھ خارش کریں۔

"فُلُوَّھا": ابن اثیر نے کہا: گھوڑے یا پالتو خچر وغیرہ کا چھوٹا سا بچھڑا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہ حدیث نبوت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں امت کی خیر خواہی کی گئی ہے۔ آج مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ فرقہ بندی اور حزبیت سے چھٹکارا حاصل کریں کہ جس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے اور ان کی عظمت وسطوت راکھ بن چکی ہے، انہی وجوہات کی وجہ سے ان کا دشمن ان پر غالب آ چکا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (سورۂ انفال: ٤٦) ......"آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

اہم فائدہ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ طبری نے کہا: اس حدیث میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک حاکم وخلیفہ نہ ہو اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہوں، تو پھر کسی مخصوص فرقے کی پیروی نہ کرے اور تمام تنظیموں سے علیحدگی اختیار کر لے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں کسی شر کا خطرہ نہ ہو، اس موضوع پر مختلف احادیث میں یہی جمع وتطبیق مناسب ہے۔ (صحیحہ: ۲۷۳۹)

آپ ﷺ کا مرض الموت کے دوراں لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کا ارادہ

(۱۳۹٤)۔ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ، وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِيْ أَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ، فَأَذِنَ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ: بَيْنَ

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت طلب کی کہ آپ عائشہ کے گھر میں رہ کر اپنی بیماری کا علاج کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے اجازت دے دی۔ نبی کریم ﷺ دو

عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ. قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ! قُلْتُ، لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ وَكَانَ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا. تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِي قَالَ. بَعْدَ مَادَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ: ((أَهْرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ)) وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ، حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ: ((قَدْ فَعَلْتُنَّ)) ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ.

(الصحيحة: ٣٣٠٤)

آدمیوں یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے آدمی کے سہارے نکلے، آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس نے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ دوسرا آدمی کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ جب نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا: ''سات مشکیزوں، جن کی ڈوری نہ کھولی گئی ہو، کا پانی مجھ پر بہاؤ تا کہ میں لوگوں کو کوئی وصیت کر سکوں۔'' آپ ﷺ کو آپ کی بیوی حفصہ کے ٹب میں بٹھایا گیا اور ہم نے آپ ﷺ پر پانی بہانا شروع کر دیا، حتی کہ آپ نے اشارہ کیا کہ ''تم نے (اپنی ذمہ داری) پوری کر دی ہے'' پھر آپ لوگوں کی طرف چلے گئے۔

تخريج: (١). أما حديث عائشة: فأخرجه البخاري: ١٩٨، ٤٤٤٢، ٥٧١٤، والنسائي في "السنن الكبرى": ٧١٨٣، والبغوي في "شرح السنة": ٣٨٢٥، والبيهقي في "سننه": ١/ ٣١، وفي "الدلائل": ٧/ ١٧٣، وأبويعلى في "مسنده": ٤٥٧٩، وابن سعد في "الطبقات": ٢/ ٢٣٢، وابن حبان: ٦٥٩٩، والحاكم: ١/ ١٤٥، وابن خزيمة: ٢٥٨، والنسائي في "الكبرى": ٧٠٨٢، والدارمي: ١/ ٣٨، وعبدالرزاق: ١٧٩، وأبويعلي: ٤٧٧٠، والطبراني في "الأوسط": ٦٧١٤، وابن عدي في "الكامل": ٦/ ٢٤٣٨

(٢). وأما حديث معاوية: فرواه الطبراني في "الاوسط": ٧٠١٧ ...... ثم تبين له انه مضطرب، وان الصواب فيه حديث عائشة. فرواه الطبراني في "الاوسط": ٥٥٢٨، والبخاري في "التاريخ الكبير": ١/ ١/ ٤٠٨ عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبي ﷺ.

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر خاوند کسی ایک بیوی کے پاس اس کے حق سے زیادہ رہنا چاہے تو وہ دوسری بیویوں سے اجازت لے۔ نیز اگر ضرورت ہو تو زیادہ پانی بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی وفات سے پانچ دن پہلے کا واقعہ ہے، یعنی جمعرات کا دن تھا اور صحابہ کے ساتھ یہ آپ ﷺ کی آخری مجلس تھی۔ آپ ﷺ غسل کرنے کے بعد لوگوں کے پاس تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا تھا (جس میں یہ حدیث بھی ذکر کی تھی کہ) اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابو بکر کا انتخاب کرتا۔ (فتح الباری)

بادشاہوں کے دروازوں سے دور رہنے کی تاکید

(١٣٩٥)۔ عَنْ أَبِي الْأَعْوَرِ السُّلَمِيِّ مَرْفُوعًا: ((إِيَّاكُمْ أَبْوَابَ السُّلْطَانِ، فَإِنَّهُ قَدْ أَصْبَحَ صَعْبًا هُبُوطًا۔))

(الصحيحة:١٢٥٣)

سیدنا ابو اعور سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلطانوں کے دروازوں پر جانے سے بچنا، کیونکہ یہ کام دشوار گزار اور رسوائی کی علامت ہے۔''

تخريج: رواه الديلمي: ١/ ٣٤٥ من طريق الطبراني، وابن مندة في "المعرفة" ٢/ ٦٢/ ٢، وابن عساكر: ١٣/ ٢٣٢/ ١

شرح:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے مطابق اس دور میں ملوک وسلاطین فتنہ وفساد اور ظلم وستم کی جڑ ہیں، ان کے پاس جانے میں کوئی خیر و بھلائی نظر نہیں آتی، ہاں جو ان ہی کا طرز حیات اختیار کرنا چاہے، اس کے لیے در کھلے ہیں، شریف اور مذہبی آدمی کی ان کی بارگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، بلکہ اسے اپنی سلطنت کے لیے خطرہ کی علامت سمجھتے ہیں۔

محض حصولِ دنیا کے لیے بیعت کرنا منع ہے

(١٣٩٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ، يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ، لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذٰلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَّمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ۔))

(الصحيحة:٣٦٢١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالی کلام نہیں فرمائے گا، نہ ان کی طرف (نظرِ رحمت) سے دیکھے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: وہ آدمی جو کسی بیابان میں زائد پانی کو مسافر سے روک لے، وہ آدمی جو بعد از نمازِ عصر کوئی سامان بیچے اور اللہ کی قسم اٹھا کر کہے کہ اس نے اتنے کا خریدا تھا اور مشتری اس کی تصدیق کر دے، حالانکہ اس نے اتنے کا خریدا نہ ہو اور وہ آدمی جس نے کسی امام (حکمران) کی بیعت تو کی، لیکن محض دنیا کے لیے، اگر اس نے اسے (دنیوی مال و دولت) دیا تو بیعت پوری کر دی اور اگر نہ دیا تو پوری نہیں کی۔''

تخريج: رواه البخاري: ٢٣٥٨، ٢٦٧٢، ٧٢١٢، ومسلم: ١/ ٧٢۔ واللفظ له۔، والترمذي: ١٥٩٥، وأبوداود: ٣٤٧٤، وابن ماجه: ٢٢٠٧، ٢٨٧٠، وأحمد: ٢/ ٢٥٣، ٤٨٠، وابن منده في "الأيمان": ٦٢٢، ٦٢٥، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٣٤٨٨، والبيهقي: ٥/ ٣٣٠، ٨/ ١٠٦، ١٠/ ١٧٧،

وفي "الأسماء والصفات": ١/ ٣٥٣، والخرائطي في "مساوىء الأخلاق": ١٢٥ والنسائي في "الصغرى": ٧/ ٢٤٦۔ ٢٤٧ و "الكبرى": ٦٠٢٠، أبو عوانة: ١/ ٤١

شرح:...... تمام جانداروں کی زندگی کی اساس پانی پر ہے، پانی کی اہمیت بہت زیادہ ہے، لیکن اکثر علاقوں میں اس کا حصول آسان اور سستا ہے۔ اس لیے کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالی کی اس عظیم نعمت سے لوگوں کو محروم کرے۔

جھوٹی قسم اٹھانا سنگین جرم ہے، لیکن عصر کے بعد اس جرم کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالی نے شخصیات اور مقامات کی طرح بعض اوقات کو بھی خاص کیا ہے کہ باقی گھڑیوں کی بہ نسبت ان میں جرم کی نوعیت اور ہوتی ہے۔

رعایا کے دین اور دنیا کو سنوارنا اسلامی حکمران کی ذمہ داری ہے، وہ عوام کے عقائد و اعمال کی حفاظت کرے گا اور دونوں جہانوں کو بہتر بنانے کے لیے وہ ہر اعتبار سے ان کی کفالت کرے گا۔ لیکن ایک آدمی اسلامی حکمران کی بیعت کر کے اسلامی انتظام و انصرام میں داخل ہوتا ہے، لیکن اس کا مقصد محض حصولِ دنیا ہے، اگر وہ مقصد پورا ہوتا رہے تو وہ خوش و خرم رہے گا اور اگر اس کا مطلوب پورا نہ ہو سکے تو وہ غیظ و غضب کا روپ دھار لے گا۔ ایسا کم ظرف شخص بھی اللہ تعالی کی نظرِ رحمت کا مستحق نہیں ہو گا۔

ماپ تول میں کمی بیشی کرنا باعثِ ہلاکت ہے
جنگ میں شریک ہوئے بغیر مالِ غنیمت وصول کرنا

(١٣٩٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: ((خَرَجَ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ حِينَ اسْتَخْلَفَ سِبَاعَ ابْنَ عُرْفُطَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ مُهَاجِرًا فَصَلَّيْتُ الصُّبْحَ وَرَاءَ سِبَاعٍ، فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ﴿كهيعص﴾ وَقَرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ﴾ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ: فَأَقُولُ فِي الصَّلَاةِ: وَيْلٌ لِأَبِي فُلَانٍ! لَهُ مِكْيَالَانِ، إِذَا اكْتَالَ اكْتَالَ بِالْوَافِي وَإِذَا كَالَ كَالَ بِالنَّاقِصِ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ صَلَاتِنَا أَتَيْنَا سِبَاعًا فَزَوَّدَنَا شَيْئًا حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدِ افْتَتَحَ خَيْبَرَ، فَكَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ فَأَشْرَكُونَا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر کر کے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے، میں ہجرت کر کے مدینہ آیا، سباع کے پیچھے نمازِ فجر پڑھی، اس نے پہلی رکعت میں ﴿کہیعص﴾ یعنی سورۂ مریم اور دوسری میں ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ﴾ یعنی سورۂ مطففین کی تلاوت کی۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ (سورۂ مطففین کی تلاوت سن کر) میں نماز میں ہی یہ کہنے لگ گیا کہ فلاں آدمی ہلاک ہو، اس نے دو قسم کے ناپ بنائے ہوئے ہیں، (اور وہ اس طرح کہ) جب دوسروں سے ناپ کر لیتا ہے تو پورا لیتا ہے اور جب دوسروں کو ناپ کر دیتا ہے تو کم کرتا ہے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو سباع کے پاس آئے، انھوں نے ہمارے لیے کچھ توشۂ سفر تیار کیا، (پھر ہم رسول اللہ ﷺ

فِيْ سِهَامِهِمْ)) (الصحيحة: ٢٩٦٥)

کی طرف روانہ ہو گئے) یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے، آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے، آپ نے مسلمانوں سے بات چیت کی اور ہمیں بھی ان کے (غنیمت والے) حصوں میں شریک کیا۔

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ الصغير": ص ١١-١٢، وابن حبان: ٤٦٧، وابن سعد: ٤/ ٣٢٧-٣٢٨، وأحمد: ٢/ ٣٤٥-٣٤٦، والبزار: ٣/ ٧٩/ ٢٢٨١، والفسوي في "المعرفة": ٣/ ١٦٠، والحاكم: ٣/ ٣٦، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٤/ ١٩٨

شرح: ...... نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر میں مشغول تھے کہ ادھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو کر مدینہ پہنچ گئے۔ جب انھیں علم ہوا کہ محبوب ﷺ تو خیبر کے علاقے کی چابیاں سنبھال رہے ہیں تو انھوں نے مدینہ میں بیٹھ کر آپ ﷺ کی آمد کا انتظار نہ کیا، بلکہ رختِ سفر باندھا اور خیبر پہنچ گئے، جسے آپ ﷺ فتح کر کے مالِ غنیمت تقسیم کرنے لگے تھے، جب آپ ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا تو مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ ان کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کیا جائے، اگرچہ ان سے پہلے لڑائی ختم ہو چکی تھی۔

آپ ﷺ کے بعد تیس برس تک خلافت جاری رہی
کیا بادشاہت مذموم ہے؟

(١٣٩٨)۔ عَنْ سَفِيْنَةَ أَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرْفُوْعًا: ((اَلْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ تَكُوْنُ بَعْدَ ذٰلِكَ مُلْكًا۔)) (الصحيحة: ٤٥٩)

مولائے رسول سیدنا ابو عبدالرحمن سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تیس سال تک خلافت رہے گی اور اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔"

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٦٤٦، ٤٦٤٧، والترمذي: ٢/ ٣٥، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٤/ ٣١٣، وابن حبان في "صحيحه": ١٥٣٤ و ١٥٣٥-موارد، وابن أبي عاصم في "السنة": ١١٤/ ٢، والحاكم: ٣/ ٧١، ١٤٥، وأحمد في "المسند": ٥/ ٢٢٠، ٢٢١، والروياني في "مسنده": ٢٥/ ١٣٦/ ١، وأبو يعلى الموصلي في "المفاريد": ٣/ ١٥/ ٢، وأبو حفص الصيرفي في "حديثه": ٢٦١/ ١، وخيثمة بن سليمان في "فضائل الصحابة": ٣/ ١٠٨-١٠٩، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٨/ ١، وأبو نعيم في "فضائل الصحابة": ٢/ ٢٦١/ ٢، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٦/ ٣٤١

شرح: ...... خلفائے راشدین کے ادوارِ خلافت کی تفصیل یہ ہے:

☆ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: دو سال، تین ماہ، دس دن

☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ: دس سال، چھ ماہ، آٹھ دن ☆ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ: گیارہ سال، گیارہ ماہ، نو دن

☆ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ: چار سال، نو ماہ، سات دن ☆ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ: چھ ماہ

سنن ابی داود کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ أَوْ مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ.)) ...... ''تیس سال تک نبوت والی خلافت رہے گی، پھر اللہ تعالی جس کو چاہے گا، اپنی بادشاہت عطا کر دے گا۔'' ملا علی قاری نے کہا: اس حدیث کا یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ تیس سال تک ''خلافتِ کاملہ'' جاری رہے گی، اس میں مخالفت کا اور حق سے دور ہونے کا عنصر نہیں ہوگا، لیکن اس کے بعد کبھی یہ وصف مثبت نظر آئے گا اور کبھی منفی۔ (مرقاة: ۹/ ۲۷۱)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''بادشاہت'' فی نفسہ کوئی مذموم چیز نہیں ہے، کہ اس حدیث کا معنی یہ کیا جائے کہ تیس سالہ دورِ خلافت کے بعد والی امارت وملوکیت پر طعن وتشنیع شروع کر دیا جائے۔ اسلام میں وہ بادشاہت مذموم ہے، جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے احکام سے عملاً یا علماً اور عملاً نا آشنا ہو۔ ایسے بادشاہ کو ''امیر المومنین'' کا لقب دیا جائے یا ''خلیفۃ المسلمین'' کا، اس سے اس کی امارت یا خلافت کو کوئی سہارا نہیں ملے گا۔ اسلام میں القاب کا اعتبار نہیں ہے، عمل اور حقیقت کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی بادشاہ کا مقصد دینِ حق کی اشاعت اور اس کی سربلندی، اسلامی تہذیب وتمدن کا نفاذ اور اس کا فروغ ہو، تو وہ قابل تعریف ہوگا، اگرچہ وہ باپ کے مر جانے کے بعد وراثۃً تخت نشین ہوا ہو۔ آج کل لوگوں نے نفس بادشاہت کو خلافت و نبوت کے منافی تصور کر رکھا ہے، جس کے لیے کوئی شرعی بنیاد نہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: وہ بادشاہت، جو تصورِ خلافت کے منافی اور مخالف ہے، وہ جبروتیت (اور سرکشی) ہے، جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کسریت سے تعبیر کیا تھا، جب اس کے کچھ ظاہری آثار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں انہوں نے دیکھے۔ لیکن وہ بادشاہت جس میں قہر وغلبہ، عصبیت اور شکوہ نہ ہو، وہ خلافت کے منافی ہے نہ نبوت کے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داود علیہ السلام دونوں نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے، لیکن اس کے باوجود وہ دونوں اللہ تعالی کی اطاعت اور دنیوی امور میں راہِ مستقیم پر قائم رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بادشاہت بھی ایسے ہی تھی، ان کا مقصد محض بادشاہت کا حصول یا دنیاوی عز وجاہ میں اضافہ نہ تھا۔ جب مسلمان اکثر حکومتوں پر غالب آ گئے تو طبعی عصبیت کی بنا پر ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا، بہرحال وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے، انھوں نے مسلم قوم کی اسی طرح رہنمائی کی، جس طرح بادشاہ اپنی اقوام کی اس وقت کرتے ہیں، جب قومی عصبیت اور شاہی مزاج اس کا متقاضی ہوتا ہے۔

اسی طرح دیندار خلفا کا حال ہے جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ہوئے۔ انہیں بھی جب ضرورت لاحق ہوئی شاہانہ طور طریقے استعمال کیے۔ ان خلفا کے حالات کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ صرف صحیح روایات پر اعتماد کیا جائے نہ کہ کمزور روایات پر۔ جس خلیفہ کے افعال ٹھیک ہوں وہ خلیفۂ رسول ہے اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ دنیا کے عام بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہے، اگرچہ اس کو خلیفہ ہی کیوں نہ کہا جاتا ہو۔ (تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۱۴۲)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اصل مطاع اور قانون ساز اللہ تعالی ہے، خلیفہ کا منصب نہ قانون سازی ہے اور نہ اس

کی ہر بات واجب الاطاعت ہے، وہ اللہ کے حکم کا پابند اور اس کو نافذ کرنے والا ہے اور اس کی اطاعت بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ حکمرانی کا یہ تصور پہلے چار خلفا کے دل و دماغ میں جس شدت کے ساتھ جا گزیں تھا، بعد میں یہ تصور بتدریج دھندلاتا چلا گیا، اسی کیفیت کو ''بادشاہت'' کے نام سے تعبیر کیا گیا، ورنہ فی الواقع بادشاہت اسلام میں مذموم نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اصطلاحی طور پر ''بادشاہ'' ہی تھے، یعنی طریقۂ ولی عہدی سے خلیفہ بنے تھے، لیکن اپنے طرزِ حکمرانی کی بنا پر اپنا نیک نام چھوڑ گئے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ میں اور بھی متعدد بادشاہ ایسے گزرے ہیں، جن کے روشن کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین اور جن کی شخصیتیں تمام مسلمانوں کی نظروں میں محمود و مستحسن ہیں۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اگر کوئی شخص ''بادشاہ'' کہنے پر مصر ہے تو بصد شوق کہے۔ ان جیسا عادل، خدا ترس اور عظیم کارنامے سرانجام دینے والا بادشاہ دنیا کی پوری تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس نقطۂ نظر سے ان کو بادشاہ کہے کہ وہ اسلامی طرزِ حکومت سے دور ہٹ گئے تھے، ان کے دورِ حکومت کا نظام اسلامی نہیں تھا اور ان کو اخلاق و شریعت کی حدود پھاند جانے میں کوئی باک نہ تھا، جس طرح کہ مولانا مودودی نے ''خلافت وملوکیت'' میں یہی کچھ باور کرانے کی کوشش کی ہے، تو یہ سراسر ظلم، ناانصافی، غیر متعدل طرزِ فکر اور یکسر امرِ واقعہ کے خلاف ہے۔ اس موضوع پر حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

بوقتِ بیعت بعض امورِ اسلام کو مصلحۃً مستثنیٰ کرنا

(۱۳۹۹)۔ عَنِ ابْنِ لَهِيْعَةَ ، ثَنَا أَبُوْ الزُّبَيْرِ ، قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ شَأْنِ ثَقِيْفٍ إِذْ بَايَعَتْ؟ فَقَالَ: ((اِشْتَرَطَتْ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَّا صَدَقَةَ عَلَيْهَا وَلَا جِهَادَ۔)) قَالَ: وَأَخْبَرَنِيْ جَابِرٌ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((سَيَتَصَدَّقُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ إِذَا أَسْلَمُوْا))۔ (الصحيحة:۱۸۸۸)

ابن لهیعہ، ابو زبیر سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ثقیف قبیلہ کی بیعت کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ اس قبیلے نے (بیعت کرتے وقت) رسول اللہ ﷺ پر یہ شرط عائد کی تھی کہ ان پر صدقہ ہوگا نہ جہاد۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب جب یہ لوگ (پکے) مسلمان ہو جائیں گے تو صدقہ بھی دیں گیا اور جہاد بھی کریں گے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۳/ ۳٤۱، وابوداود: ۲/ ٤۲

شرح:...... یہ نبی کریم ﷺ کی حکمت و دانائی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اگر کوئی قبیلہ یا فرد مشرف باسلام تو ہونا چاہتا ہے، لیکن اسلام کے ایک دو اجزا یا شقوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، تو حکمت یہ ہے کہ دونوں گھروں کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے اس امید پر اس کی شرطیں قبول کر لی جائیں کچھ عرصہ تک ایمان و ایقان میں پختہ ہو کر اسلام کے ہر جزو اور شق کو تسلیم کر لے گا۔ اسی قسم کی بات ''اَلْاَذَانُ وَالصَّلَاةُ'' کے باب میں ہے کہ ایک آدمی کو آپ ﷺ نے پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ کہنے لگا کہ وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے پانچ نمازیں تو ادا کرنے سے قاصر

ہے، اس نے آسان عمل کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو پھر عصر اور فجر کی نمازیں ادا کرتا رہے۔ (دیکھیں: صحیحہ: ۱۸۱۳) اس حدیث کا یہ معنی نہیں کہ ظہر، مغرب اور عشا کی نمازیں ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی غرض و غایت مذکورہ آدمی کو راغب کرنا ہے۔

مختلف خلفا کے ساتھ عوام کے تعلق کی کیفیت

(١٤٠٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ خُلَفَاءُ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ وَسَيَكُوْنُ بَعْدِيْ خُلَفَاءُ يَعْمَلُوْنَ بِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ أَنْكَرَ عَلَيْهِمْ بَرِئَ، وَمَنْ أَمْسَكَ بِيَدِهِ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ۔)) (الصحيحة:٣٠٠٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب میرے بعد ایسے خلفا ہوں گے جو اپنے علم پر عمل کریں گے اور انھیں جو حکم دیا جائے اسے سرانجام دیں گے، ان کے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو ایسی چیزوں پر عمل کریں گے جن کو وہ جانتے نہیں ہوں گے اور ایسے افعال سر انجام دیں گے جن کا انھیں حکم نہیں دیا جائے گا۔ ایسوں پر انکار کرنے والا آدمی بری اور ان سے اپنے آپ کو روک لینے والا سالم رہے گا، لیکن وہ جو ان کے ساتھ راضی ہو گیا اور ان کے پیچھے چل پڑا وہ......۔“

تخريج: أخرجه أبو يعلي في "مسنده" ٤/ ١٤١٣، والبيهقي في "السنن":٨/ ١٥٧، وابن حبان:٨/ ٢٢٩/ ٦٦٢٤

شرح:...... جس نے ایسے حکمرانوں کی اداؤں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، وہ منافقت، حق پوشی اور چاپلوسی کرنے سے بچ جائے گا، جو حسب استطاعت خاموش ہو گیا، موافقت کی نہ مخالفت، تو وہ کم از کم ان کے وبال میں شریک نہیں ہو گا، لیکن جو ان کے ساتھ راضی ہو گیا تو وہ تو ان کی سرکشی، بغاوت اور نافرمانی میں برابر کا شریک ہو گا۔ شاید یہ بات درست ہو کہ موجودہ دور کے تمام حکمران اور ان کے درباری اس قسم کی تمام احادیث کے مصداق ہیں۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

(١٤٠١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يُصَافِحُ النِّسَاءَ فِي الْبَيْعَةِ۔ (الصحيحة: ٥٣٠)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ بوقتِ بیعت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ٢١٣

شرح:...... چونکہ غیر محرم عورتوں کو چھونا منع ہے، اس لیے آپ ﷺ عورتوں سے زبانی کلامی بیعت لے لیتے تھے۔

سابقہ امتوں کا طرزِ حیات اختیار کرنے والے لوگ بدترین ہیں

(١٤٠٢)۔ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرْفُوْعًا: ((لَيَحْمِلَنَّ شِرَارُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى سَنَنِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلِ الْكِتَابِ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ))۔ (الصحيحة:٣٣١٢)

نے فرمایا: ''اس امت کے شر پسند لوگ پہلے گزر جانے والے اہل کتاب کے طریقوں کے مطابق ایسے ہی چلیں گے جیسے تیار کیا ہوا تیر دوسرے تیر کے مطابق ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٢٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٧/ ٣٣٨/ ٧١٤٠، وابن عدي: ٤/ ٤٠

شرح :......یعنی جو برائیاں اہل کتاب میں پائی جاتی تھیں، اس امت کے شرّ پسند لوگ بھی ان کے مرتکب ہوں گے۔

(١٤٠٣)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ شَرِيْكٍ، أَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ بَعَثَ مَعَهُ بِكُسْوَةٍ إِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالَ مَرْوَانُ لِلْبَوَّابِ: أُنْظُرْ مَنْ بِالْبَابِ؟ قَالَ: أَبُوْ هُرَيْرَةَ، فَأَذِنَ لَهُ، قَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! حَدِّثْنَا شَيْئًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَيُوْشِكَنَّ رَجُلٌ أَنْ يَتَمَنّٰى أَنَّهُ خَرَّ مِنَ الثُّرَيَّا، وَلَمْ يَلِ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا))۔ (الصحيحة:٢٦٢٠)

یزید بن شریک کہتے ہیں کہ ضحاک بن قیس نے اسے زیبائش کا کپڑا دے کر مروان کی طرف بھیجا۔ مروان نے اپنے پہردار سے کہا: دیکھو، دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی اور کہا: ابو ہریرہ! کوئی حدیث بیان کرو جو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''عنقریب آدمی یہ تمنا کرے گا کہ وہ ثریا ستارے سے گر پڑے (تو خیر ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے) لوگوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا دیا جائے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٩١، وأحمد: ٢/ ٣٧٧، ٥٢٠، ٥٣٦، والبزار: ٢/ ٢٥٥/ ١٦٤٣

رعایا سے دھوکہ کرنے کا وبال

(١٤٠٤)۔ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: عَادَ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، قَالَ مَعْقِلٌ: أَنِّيْ مُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِيْ حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة:٢٦٣١)

حسن کہتے ہیں کہ معقل بن یسار مزنی مرض الموت میں مبتلا تھے، عبید اللہ بن زیاد ان کی تیمارداری کرنے کے لیے آئے۔ سیدنا معقل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی، اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میں زندہ رہوں گا تو تجھے بیان نہ کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی کسی رعیت کی رکھوالی جس آدمی کے سپرد کر دے اور وہ انھیں دھوکہ دیتے ہوئے مر جائے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔''

تخریج: أخرجه البخاری: ٤/ ٣٨٧، ومسلم: ١/ ٨٨، ٦/ ٨، والدارمی: ٢/ ٣٢٤، و أحمد: ٥/ ٢٥،

شرح:...... جو حاکم یا امیر اپنی رعایا سے خیانت کرتا ہے، ان پر ظلم کرتا ہے، ان کے حقوق پورے نہیں کرتا اور ان سے ناجائز ٹیکس لیتا ہے تو وہ جنت سے محروم رہتا ہے۔

عہد توڑنے، بے حیائی کے عام ہونے اور زکوۃ نہ دینے کا وبال

(١٤٠٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعًا: ((مَانَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ، إِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ، وَمَاظَهَرَتْ فَاحِشَةٌ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ، وَلَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ، إِلَّا حَبَسَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الْقَطْرَ۔)) (الصحيحة:١٠٧)

عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو قوم عہد توڑتی ہے اس میں قتل عام ہو جاتا ہے، جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ تعالی اس پر موت مسلط کر دیتا ہے اور جو قوم زکوۃ ادا نہیں کرتی اللہ تعالی اس سے بارش روک لیتا ہے۔''

تخریج: رواه الحاكم: ٢/ ١٢٦، والبيهقی: ٣/ ٣٤٦، والبزار: ٢٣٩٩

صحابہ کرام کا آخرت میں شوقِ دیدارِ نبوی

آخرت میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی شرط آپ کی اطاعت ہے

(١٤٠٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّكَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَإِنَّكَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهْلِيْ وَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ وَلَدِيْ، وَإِنِّيْ لَأَكُوْنُ فِي الْبَيْتِ فَأَذْكُرُكَ فَمَا أَصْبِرُ حَتّٰى آتِيَكَ، فَأَنْظُرَ إِلَيْكَ وَإِذَا ذَكَرْتُ مَوْتِيْ وَمَوْتَكَ عَرَفْتُ أَنَّكَ إِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّةَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ، وَإِنِّيْ إِذَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ خَشِيْتُ أَنْ لَا أَرَاكَ؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا حَتّٰى نَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میرے جان سے زیادہ محبوب ہیں، آپ مجھے میرے اہل سے زیادہ پیارے ہیں اور آپ مجھے میری اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ مجھے یاد آتے ہیں تو مجھ سے صبر نہیں ہو پاتا، حتی کہ آپ کے پاس آ جاتا ہوں اور آپ کا دیدار کر کے (سکون پا لیتا ہوں)۔ لیکن جب مجھے اپنی موت یاد آتی ہے تو سوچتا ہوں کہ جب آپ جنت میں داخل ہوں گے تو انبیا کے ساتھ (بلند مرتبوں پر) فائز ہو جائیں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا؟ نبی کریم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، حتی کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: ﴿اور جو لوگ اللہ تعالی اور رسول کی اطاعت کرے،

وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء: ٦٩) (الصحيحة:٢٩٣٣)

وہ (جنت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا، یعنی پیغمبروں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ، اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ساتھ ہے﴾ (سورۂ نساء: ٦٩)

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" ١/ ٢٩/ ١-٢، و"الصغير": ص ١٢- هندية

شرح:...... یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر تھی، جنھوں نے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار تو کر لیا، لیکن جنت میں پہنچ کر آپ کا دیدار کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فکر لگ گئی۔ اللہ تعالی نے ان کو تسلی دلائی اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک قانون پیش کر دیا کہ اگر کسی کو آپ کا دیدار کرنے کی خواہش ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔

فتح مکہ کے بعد بیعت اسلام پر ہوگی، نہ کہ ہجرت پر

(١٤٠٧)۔ عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ بِابْنِ أَخٍ لَهُ يُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا بَلْ يُبَايِعُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنَّهُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَيَكُوْنُ مِنَ التَّابِعِيْنَ۔)) (الصحيحة:٢٩٠)

سیدنا مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنا ایک بھتیجا لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تا کہ وہ ہجرت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں، اب صرف اسلام پر بیعت ہوگی کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی، اب وہ (ان کی) پیروی کرنے والوں میں سے ہوگا۔“

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٣/ ٤٦٨-٤٦٩

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان ثبت کیا ہے: "أَصْلُ قَوْلِهِمْ: وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ" اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شہر کو مسلمان فتح کر چکے ہوں، اس سے ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ اب وہ دار السلام ہے۔ امام البانی نے اسی حدیث کی دوسری سند بیان کرتے ہوئے کہا: مجاشع بن مسعود کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی معبد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فتح مکہ کے بعد لے کر گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اس کی ہجرت پر بیعت لو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہجرت تو مہاجرین کے لیے گزر چکی ہے۔ میں نے کہا: تو پھر کس چیز پر اسلام قبول کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اور جہاد پر۔ (صحیحہ: ٢٩٠ کے تحت)

معلوم ہوا کہ دار الکفر سے ہجرت کرنا ضروری ہے، نہ کہ دار السلام سے۔

امت کے آخر میں چلو بھر بھر کر دینے والا خلیفہ

(١٤٠٨)۔ عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: يُوْشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ لَا يُجْبٰى إِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَلَا دِرْهَمٌ، قُلْنَا: مِنْ

ابونضرہ کہتے ہیں: ہم سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، انھوں نے کہا: قریب ہے کہ اہل عراق کی طرف قفیز اور درہم کی درآمد رک جائے۔ ہم نے کہا: یہ کیسے ہوگا؟ انھوں

أَيْنَ ذَاكَ؟ قَالَ: مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذَاكَ، ثُمَّ قَالَ: يُوْشِكُ أَهْلُ الشَّامِ أَنْ لَايُجْبَى إِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَلَا مُدٌّ قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ ذَاكَ قَالَ مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ يَمْنَعُوْنَ ذَاكَ، قَالَ: ثُمَّ أَمْسَكَ هُنَيَّةً ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ أُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثُوا الْمَالَ حَثْوًا، لَا يَعُدُّهُ عَدًّا۔)) قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ نَضْرَةَ وَأَبِي الْعَلَاءِ: أَتَرَيَانِ أَنَّهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ؟ فَقَالَا: لَا۔ (الصحيحة: ٣٠٧٢، ٤٠٠١)

نے کہا: عجم کی طرف سے، (ایک وقت آئے گا کہ) وہ روک لیں گے۔ پھر کہا: قریب ہے کہ اہل شام کی طرف دینار اور مدّ کی درآمد رک جائے۔ ہم نے کہا: یہ کیسے ہو گا؟ انھوں نے کہا: روم سے (ایک وقت آئے گا کہ) وہ روک لیں گے۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے بات کرنے سے رک گئے اور پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے آخر میں ایک ایسا خلیفہ ہو گا جو مال کے چلو بھر بھر کے (لوگوں کو) دے گا اور اسے شمار نہیں کرے گا۔'' میں نے ابونضرہ اور ابوعلا سے کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز ہو سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔

٣٠٧٢: تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣١٧، ومسلم: ٨/ ١٨٥، وابن حبان: ٦٦٤٧

٤٠٠١: تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ١٨٥، وأحمد: ٣/ ٣١٧

شرح: ...... اس حدیث سے متعلقہ بحثوں کے لیے "الفتن و اشراط الساعة والبعث" میں ''عراق، شام اور مصر کے وسائل رزق کا روک لیا جانا'' عنوان کا مطالعہ کریں۔

حدیث کے آخری حصے کے الفاظ یہ ہیں: ''میری امت کے آخری زمانے میں ایک ایسا خلیفہ پیدا ہو گا، جو شمار کیے بغیر مال کے چلو بھر بھر کے (لوگوں کو) دے گا۔''

درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خلیفہ سے مراد امام مہدی ہیں:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام مہدی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ((فَيَجِيْءُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ، فَيَقُوْلُ لَهُ: يَا مَهْدِيْ! أَعْطِنِيْ أَعْطِنِيْ، فَيَحْثِيْ لَهُ فِيْ ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ.)) ...... ''ایک آدمی اس کے پاس آ کر کہے گا: مہدی! مجھے دو، مجھے دو۔ پس وہ چلو بھر بھر کر اس کے کپڑے میں اتنا کچھ ڈال دے گا، جتنا وہ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو گا۔'' (ترمذی، وفيه زيد العمی وهو ضعيف، وتابعه العلاء بن بشير وهو مجهول عند احمد: ٣/ ٣٧ مع تقديم و تاخير) مستدرک حاکم کی روایت سے مزید تائید ہوتی ہے، جس میں ہے: ''وہ (مہدی) لوگوں کو بہترین مال عطا کرے گا۔'' یہ حدیث "الفتن واشراط الساعة والبعث" میں اس عنوان میں دیکھیں: "قصه امام مهدی."

❀❀❀❀